

علوم الحدیث

فنی، فکری اور تاریخی مطالعہ

ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

نشریات

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِيقِ الْإِسْلَامِيِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

علوم الحدیث

فنی، فکری اور تاریخی مطالعہ

تالیف

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
ڈائریکٹر سیرت چیئر
اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور

نشریات

۳۰ اردو بازار، لاہور۔ فون: ۳۵۸۹۴۱۹-۳۳۲۱

عبدالرؤف ظفر، ڈاکٹر، پروفیسر
 علوم الحدیث، فنی، فکری اور تاریخی مطالعہ
 لاہور۔ نشریات
 ۲۰۰۶ء، ص: ۹۸۹
 ا۔ حدیث، تاریخ، تدوین، نقد
 ISBN 969-8983-00-7

جملہ حقوق محفوظ ۲۰۰۶ء

کتاب: علوم الحدیث۔ فنی، فکری اور تاریخی مطالعہ
 مؤلف: پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
 اہتمام: نشریات، لاہور
 مطبع: قدوسیہ اسلامک پریس، لاہور
 قیمت: ۵۰۰ روپے



پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، میڈان کتب خانہ جات

فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ

آرڈو بازار، لاہور فون: 7320318

ای میل: hikmat100@hotmail.com

کراچی میں ملنے کا پتہ

فضلی بک سپر مارکیٹ، آرڈو بازار، کراچی ۲۱:۲۲۱۹۹۱

ترتیب

۱۲ حرف اوّل پروفیسر عبدالجبار شاہ

۱۸ عرض مصنف

باب اوّل تعارف حدیث

۲۱ چند بنیادی اصطلاحات

۲۱ سند ♦

۲۳ متن ♦

۲۴ حدیث ♦

۲۷ خبر ♦

۲۹ اثر ♦

۳۱ سنت ♦

۳۶ المسند (نون پر زیرے) ♦

۳۶ المسند (نون پر زیرے) ♦

۳۶ المحدث ♦

۳۷ الحافظ ♦

۳۷ الحجۃ ♦

۳۸ حدیث نبوی کی اہمیت، ضرورت و حجیت

۳۹ حدیث وحی الہی ہے ♦

- ۴۴ ♦ حدیث کی تشریحی حیثیت
- ۴۸ ♦ ہدایت اطاعتِ رسول سے مستلزم ہے
- ۵۶ ♦ کتابت حدیث (ارشاداتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں حکم کتابت اور منع کتابت حدیث میں تطبیق)
- ۸۱ ♦ حوالہ جات

باب دوم سند حدیث

- ۹۱ سند حدیث کی اہمیت
- ۹۲ ♦ السند
- ۹۳ ♦ البعث
- ۹۴ ♦ محدثین کا اسناد کی طرف رجحان
- ۱۰۶ سند حدیث کا آغاز و ارتقاء
- ۱۱۸ مستشرقین اور سند حدیث
- ۱۱۹ ♦ سند حدیث کا آغاز و ارتقاء
- ۱۲۳ ♦ تحریک استشراق کا آغاز و ارتقاء
- ۱۲۴ ♦ سند حدیث پر مستشرقین کے اعتراضات اور ان کے جوابات
- ۱۳۲ ♦ حوالہ جات

باب سوم علوم الحدیث

- ۱۴۱ محدث و طالب حدیث کے آداب
- ۱۴۲ ♦ آداب

۱۵۰	◆ محدث اساتذہ کے ہاں جانے کے آداب
۱۶۱	◆ محدث کے آداب و فرائض
۱۶۶	◆ آداب روایت
۱۶۸	◆ مقام صحابہؓ اور کتب معرفۃ الصحابہ
۱۶۹	◆ عدالت صحابہ
۱۶۸	◆ کتب معرفۃ الصحابہ
۱۸۸	◆ فن اسماء الرجال
۱۸۸	◆ فن اسماء الرجال
۱۹۶	◆ فن اسماء الرجال کا ارتقاء
۱۹۹	◆ کتب معرفۃ الصحابہ
۲۰۳	◆ کتب طبقات
۲۰۸	◆ کتب التاريخ
۲۱۲	◆ رجال کتب الصحاح الستہ
۲۱۸	◆ کتب الجرح والتعديل
۲۲۶	◆ علم جرح وتعديل کا تحقیقی جائزہ
۲۲۸	◆ علم جرح وتعديل کی اہمیت
۲۳۲	◆ علم جرح وتعديل کا ارتقاء
۲۳۸	◆ وجوہ طعن فی الراوی
۲۳۹	◆ مراتب جرح وتعديل
۲۴۱	◆ کتب جرح وتعديل

۲۳۳	فن تخریج حدیث
۲۳۷	◆ تخریج حدیث کی اہمیت
۲۳۷	◆ تخریج حدیث کے فوائد
۲۵۱	◆ فن تخریج حدیث کا ارتقائی جائزہ
۲۵۳	◆ تخریج حدیث کے طریقے
۲۷۶	علم الانساب
۲۷۶	◆ تعریف
۲۸۶	◆ علم الانساب پر اہم تصنیفات
۲۹۰	علم معرفۃ الاسماء والکنی
۲۹۰	◆ نام اور کنیت کی معرفت
۲۹۱	◆ الاسماء والکنی پر اہم تصنیفات
۳۰۱	معرفۃ القاب
۳۰۲	◆ القاب پر مشتمل کتب
۳۰۳	علم الطبقات
۳۰۷	◆ کتب طبقات
۳۱۲	نقد حدیث
۳۱۲	◆ نقد حدیث کی ضرورت و تاریخی پس منظر
۳۱۳	◆ نقد حدیث کی ماہیت
۳۱۳	◆ خارجی نقد حدیث

۳۱۶	♦ داہلی نقد حدیث
۳۲۶	♦ محدثین کا نقد حدیث کا اہتمام
۳۲۸	♦ منکرین حدیث کا نقد حدیث کے بارے میں رویہ
۳۲۹	♦ مستشرقین کا نقد حدیث کے بارے میں رویہ
۳۳۲	حوالہ جات

باب چہارم کتب حدیث

۳۶۱	انواع کتب حدیث
۳۸۰	المسانید
۳۸۱	♦ کتب مسانید
۴۱۲	المستدرک
۴۱۲	♦ کتب مستدرکات
۴۲۷	المستخرج
۴۳۰	♦ کتب مستخرجات
۴۴۷	غریب الحدیث
۴۴۸	♦ غریب الحدیث کے کام کا آغاز و ارتقاء
۴۸۰	المسلسلات
۴۸۵	کتب الاطراف
۵۰۵	امام مالکؒ اور ان کی مؤطا
۵۲۵	♦ تدریس حدیث

۵۲۸	♦ مؤطا امام مالک
۵۲۵	صحیحین اور ان کی شرائط
۵۲۸	♦ صحیحین کے بارے میں علماء و محدثین کی رائے
۵۳۳	♦ شرائط صحیحین برائے اخذ احادیث
۵۳۸	اللامالی
۵۳۹	♦ کتب اللامالی کے فوائد
۵۵۰	حدیث قدسی
۵۵۲	♦ اہم مصنفات فن
۵۵۵	الاجزاء
۵۶۳	المصنف
۵۶۹	المختصرات
۵۷۵	المستنبات
۵۸۰	حوالہ جات

تاریخ حدیث

باب پنجم

۶۱۵	مراکز حدیث
۶۱۶	♦ مکہ مکرمہ کے مراکز حدیث
۶۲۰	♦ مدینہ منورہ کے مراکز حدیث
۶۲۶	♦ مدینہ کے محدثین
۶۲۸	♦ الریاض

۶۲۹	◆ کوفہ کے مراکز حدیث
۶۳۳	◆ بصرہ کے مراکز حدیث
۶۳۸	◆ شام کے مراکز حدیث
۶۴۱	◆ مصر کے مراکز حدیث
۶۴۴	◆ یمن کے مراکز حدیث
۶۴۶	اندلس میں علم حدیث کا ارتقاء
۶۶۹	برصغیر میں علم حدیث
۷۲۳	◆ مدارس علوم الحدیث
۷۳۶	برصغیر میں اسالیب تدریس حدیث
۷۳۶	◆ درس و تدریس حدیث کا ارتقائی جائزہ
۷۳۸	◆ برصغیر میں رائج نصاب تعلیم
۷۴۳	◆ تدریسی اسالیب
۷۴۷	◆ برصغیر کی نامور شخصیات کی تدریس حدیث (تاریخی جائزہ)
۷۵۵	◆ تدریس حدیث میں جدید سہولتوں کے استعمال کا رویہ
۷۵۶	◆ برصغیر میں تدریس حدیث کے اثرات
۷۶۰	حوالہ جات

باب ششم مکاتیب فکر اور ان کا نظریہ حدیث

۷۸۵	فتنہ انگیز حدیث (تاریخی و تحقیقی جائزہ خصوصاً برصغیر کے تناظر میں)
۷۸۵	◆ تاریخی پس منظر

۷۸۶	منکرین حدیث کے مختلف گروہ	◆
۷۸۶	فتنہ انکار حدیث کے اسباب	◆
۸۱۲	برصغیر کے منکرین حدیث	◆
۸۳۰	منکرین حدیث کے مراکز	◆
۸۳۳	فتنہ انکار کے رد میں لکھی جانے والی کتب	◆
۸۳۵	موجودہ صورت حال	◆
۸۳۷	خوارج (تاریخی پس منظر، عقائد اور روایت حدیث)	
۸۳۹	ابتدائی تاریخ	◆
۸۴۲	خوارج کے مشہور فرقے	◆
۸۴۷	روایت حدیث اور خوارج	◆
۸۶۱	اہل تشیع اور ان کا نظریہ حدیث	
۸۶۱	شیعہ کی تعریف	◆
۸۶۸	اہل تشیع کی کتب صحاح اربعہ اور ان کی شروح	◆
۸۷۴	اہل تشیع کی کتب رجال	◆
۸۷۷	معتزلہ	
۸۸۶	معتزلہ کے اصولی غمہ	◆
۸۸۹	معتزلہ کے فرقے	◆
۹۰۴	معتزلہ کی کتب	◆
۹۰۵	معتزلہ اور حدیث نبوی	◆
۹۰۶	حدیث نبوی اور صحابہ کرام کے متعلق بعض اکابرین معتزلہ کی رائے	◆

۹۱۳	حدیث نبوی ﷺ اور مستشرقین
۹۱۳	◆ تحریک استشرق کا آغاز و ارتقاء
۹۱۵	◆ مستشرقین کے مقاصد
۹۱۷	◆ مستشرقین کی تحقیق کے اہم نکات
۹۱۸	◆ مستشرقین کا طریقہ کار
۹۱۸	◆ مستشرقین کے حدیث نبوی ﷺ پر اعتراضات اور ان کے جوابات
۹۲۶	◆ استشراتی فکر پر گولڈزیہر کے اثرات
۹۳۳	مولانا امین احسن اصلاحی کا نظریہ حدیث
۹۳۳	◆ حدیث سے متعلق مولانا کا عام رویہ
	◆ مولانا اصلاحی صاحب کا سنت کا نیا مفہوم متعین کرنا اور اس کی
۹۳۵	◆ مناسبت سے احادیث سے بعد کی راہ دکھلانا
۹۳۷	◆ مولانا کے ہاں اصول تفسیر میں سنت متواترہ اور احادیث کا مقام
۹۳۸	◆ نسخ قرآن بذریعہ احادیث میں مولانا اصلاحی کا نقطہ نظر
۹۴۰	◆ تفسیر قرآن میں مولانا اصلاحی کی حدیث سے بے اعتنائی
۹۴۶	حوالہ جات
۹۷۳	منتخب مصادر و مراجع

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حرفِ اوّل

اسلام دینِ فطرت ہے جس کی جملہ تفصیلات اور جزئیات کا علم قرآن مجید اور احادیث نبویہ کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے ان دونوں سرچشموں کی نوعیت لازم و ملزوم کی سی ہے۔ انہیں اگر کم فہمی اور کج سمجھی سے ایک دوسرے سے جدا کرنے کی مذموم کوشش کی جائے تو اسلامی تہذیب و تمدن کے ایوان کی بنیاد ختم ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید اگر وحیِ مکتوبہ ہے تو حدیث وحیِ غیر مکتوبہ ہے۔ جس محفوظ طریق پر قرآن مجید نازل ہوا بعینہ اس کے اصولوں اور احکامات کی تشریح و توضیح بھی پوری حفاظت اور ذمہ داری کے ساتھ انہی ہاتھوں سے محفوظ ہوئی، جنہیں قرآن مجید کی آیات بیانات کو قید کتابت میں لانے کی سعادت اور توفیق مرحمت ہوئی۔ یہ کیسی عجیب بات ہوگی کہ جس زبان اور جن ہاتھوں سے آیات قرآنیہ نصیب ہوئیں بالکل اسی زبان اور انہیں ہاتھوں سے ملنے والی احادیث کو نظر انداز کر دیا جائے۔ یوں حدیث اور حفاظت حدیث کے اہتمام سے انکار خود قرآن مجید کی حجیت اور قطعیت سے بالفعل اور بالفعل انکار پر مستلزم ہے۔ اربابِ علم و دین سے بڑھ کر اس حقیقت سے کون باخبر ہو سکتا ہے کہ وحی کی تنزیل سے قبل خود رو یا نئے صادق کا ایک طویل دورانیہ ملتا ہے جس کے اظہار و آثار کو وحی کے علاوہ کوئی اور نام نہیں دیا جاسکتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر باقاعدہ وحی نازل ہونے سے قبل کے تمام مکالمات کو جو جبریل علیہ السلام کے ساتھ ادا ہوئے کیا نام اور مقام دیا جائے گا۔ وَمَا يَنْسُطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم ۵۳-۵۴) ”آپ اپنی خواہش سے بات نہیں فرماتے بلکہ وہ وحی ہے جو آپ پر نازل کی جاتی ہے۔“

ہماری دینی اور اسلامی روایت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و رسل علیہم السلام کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان میں سے صرف ۳۱۵ کو کتب و صحائف سے نوازا گیا، بھلا سوچے تو سہی باقی انبیاء کے ساتھ کلامِ الہی کی نوعیت کو حدیث کے علاوہ آپ کیا نام دے سکتے ہیں۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء حدیث کی تنزیل سے ہوئی اور آپ کی حیات مبارکہ میں جبریل علیہ السلام

سے آخری مکالمہ بھی حدیث کی صورت میں وقوع پذیر ہوا۔ اس ضمن میں قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ پر توجہ کیجیے:

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ مَبْعَدِهِ
وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ
وَعِيسَى وَيُؤُسَ وَيُؤُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ وَآتَيْنَا دَاوُدَ
زُبُورًا (النساء: ۱۶۳)

”اے نبی! ہم نے تمہاری جانب اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح کہ نوح اور اس کے بعد کے انبیاء کی طرف بھیجی تھی۔ ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب، عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی، ہم نے داؤد کو زبور دی۔“

انبیاء علیہم السلام کو جس ذریعے سے ہدایت کا پیغام اور احکامات دیے گئے وہ سب وحی کے علاوہ کچھ اور نہ تھے، اگر یہ وحی متعین الفاظ میں تھی تو متلو اور اگر تشریحی اور توضیحی نوعیت کی تھی تو غیر متلو کہلائے گی مگر اس کی ہر صورت وحی کے قالب میں ڈھلی ہوئی ہے۔ قرآن مجید کی مثل مصحف شاہی کا ثبوت تو تاریخ ادیان کے آثار میں ملتا ہے مگر امت مسلمہ کا یہ منفرد افتخار ہے کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمانی اور تشریحی تعلق کے باعث آپ کے اقوال، افعال، احوال، اعمال اور آثار حسی کر آپ کے شامل و عادات کو بھی کمال عقیدت اور حزم و احتیاط کے ساتھ محفوظ کیا ہے۔ یہی باعث ہے کہ علوم الحدیث پوری انسانی تاریخ کا سب سے ممتاز اور اعلیٰ علم و فن ہے جس کے حفظ و انصرام میں انہوں نے اپنے دل و دماغ کی اعلیٰ ترین صلاحیتیں صرف کی ہیں کہ جس کی وجہ سے یہ علم مسلمانوں کے تخلیقی شعور کے اظہار کا سب سے مؤثر وسیلہ بن گیا ہے۔ علم الحدیث کی حفاظت مطالبہ ربانی بھی ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس اسوۂ حسنہ کو محفوظ رکھنے کا شدت سے احساس تھا۔ وہ استثنائی روایت کہ جس میں ایک خاص موقع پر ایک مخصوص مصلحت کے تحت آپ نے قرآن کے علاوہ کچھ اور نہ لکھنے کی تاکید فرمائی، ان بیسیوں روایات کی نقیض نہیں ہو سکتی جس میں ان روایات کو لکھنے، سیکھنے، سکھانے اور دوسروں تک پہنچانے کی تلقین موجود ہے۔

تُسْمَعُونَ وَ يُسْمَعُ مِنْكُمْ وَ يُسْمَعُ مِمَّنْ يَسْمَعُ مِنْكُمْ

”تم لوگ مجھ سے سنتے ہو، دوسرے لوگ تم سے سنا کریں گے اور پھر ان

سے اور لوگ سنیں گے اور پھر ان سے اور لوگ سنیں گے۔“

نَصَرَ اللَّهُ أَمْرًا سَمِعَ مَقَالِي فَوَعَاَهَا حَتَّى يُؤَدِّبَهَا إِلَى مَنْ لَمْ يَسْمَعْهَا

”اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو رونق اور روشنی عطا کرے جس نے میری بات سنی اور پھر یاد رکھی یہاں تک کہ وہ بات اس شخص تک پہنچا دی جس نے اسے نہیں سنا۔“

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّخِذْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ
”جو شخص جانتے بوجھتے میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔“

خطبہ حجۃ الوداع جو انسانی تاریخ میں بنیادی حقوق کی سب سے اولین اور اہم ترین آئینی اور دستوری دستاویز ہے اسے بیان کرنے کے بعد آپؐ نے فرمایا:
فبیلغ الشاهد الغائب.

”جو موجود ہیں وہ غیر موجود تک اسے پہنچا دیں۔“

اس نوعیت کے کلمات اور ارشادات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ کو اپنی احادیث دوسروں تک پہنچانے کی کس قدر فکر تھی کہ اس ذمہ داری کے لیے کئی نوعیت کے انتظامات کیے۔ ہمیں یہ علم ہونا چاہیے کہ یہ ذخیرہ حدیث جو آج تک امت کی ہدایت کے لیے موجود ہے یہ تین مستقل ذرائع سے منتقل ہوا ہے۔ عربوں کے حافظے کی خوبی سے کون واقف نہیں ہے۔ ہزاروں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے انہیں کمال عقیدت و احترام سے اپنے حافظے میں محفوظ کیا۔ اگر چودہ سو سال گزرنے کے بعد آج بھی ان احادیث کے میٹروں حفاظ امت میں موجود ہیں تو اس ہادی کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حفظ و حفاظت کا کیا عالم ہو گا۔ بہت سے صحابہؓ آپؐ کے ارشادات کو باقاعدہ لکھتے تھے اور اس سلسلے میں آپؐ کی اجازت کی بیسیوں روایات تاریخ الحدیث اور تدوین حدیث کی کتب میں موجود ہیں۔ خود تعامل امت ایک مستند ذریعہ ہے کہ جس کے باعث آپؐ کی مسنون زندگی کی ہر ادا اور ہر حکم کاملاً محفوظ ہو گیا ہے۔ یہ بات ہمارے ایمان کا حصہ ہے کہ آپؐ کی شخصیت واجب الاتباع اور واجب التقليد ہے۔ آپؐ کے طرز عمل کو اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔ آپؐ کے ارشادات اور اعمال کو امت کے تنازعات کے رفع کرنے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ وَمَا أُنْكُمُ

الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر ۵۹: ۷) (جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ)۔ یوں ایک رسول اور شارع کی حیثیت سے قرآنی احکامات کی تشریح و توضیح کی ذمہ داری آپ کے منصب نبوت کا ناگزیر تقاضا ہے جس کی تمام تر تفصیلات ذخیرہ حدیث کے علاوہ کہیں اور دکھائی نہیں دیتیں۔ ذاکر محمد حمید اللہ نے ان تمام وثائق کی تفصیل بڑی تحقیق اور جان فشانی کے ساتھ فراہم کر دی ہے جو عہد رسالت میں لکھے گئے۔ قرآن مجید کے متن کے علاوہ یہ متنوع تحریریں کس فنی نوعیت کی ہیں ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ احادیث کے کن کن پہلوؤں کو خود آپ کے زمانہ خاص میں ہی قلم بند کر لیا گیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں تو آپ کی شخصیت سراپا دعوت تھی اور صحابہ کی جملہ مشکلات اور مسائل کا حل براہ راست ان کو میسر تھا۔ آپ کی حیات طیبہ میں جب قرآن مجید نے تکمیل دین کا اعلان کیا تو پھر آپ کی وفات کے بعد صحابہ نے اپنے تعامل کے علاوہ ان تمام روایات کو باہمی مذاکروں اور ضرورتوں کے مواقع پر دہرایا۔ ان روایات کی جمع و تریب کے ساتھ ساتھ متن اور سند کے حوالے سے وہ علوم و فنون منصفہ شہود پر آئے کہ ابن الصلاح کے بقول ان کی تعداد ۶۵ ہے اور ابن حجر عسقلانی اس سے بھی زیادہ علوم الحدیث اور فنون حدیث کا تذکرہ کرتے ہیں۔ غیر جانبدارانہ نگاہ سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تاریخ نویسی میں کسی احتیاط کی فنی لحاظ سے جو انتہا اور کمال ہو سکتی ہے، علم حدیث میں اس سے بڑھ کر حزم و احتیاط کو اختیار کیا گیا، بلکہ سچ بات تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے تدوین حدیث کے عمل کو وہ سائنٹیفک اسلوب اور منہج عطا کیا کہ جس کے باعث یہ ذخیرہ حدیث علوم انسانی کا سب سے بڑا اعزاز اور افتخار بن گیا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جیسے مقدس پیغمبر کی ۳۳ سالہ دنیوی حیات کے صرف تین برس کا تذکرہ ملتا ہے۔ بلکہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کے بقول تو صحیح معنوں میں ان کی حیات کے صرف آخری پچاس دنوں کی ہی مستند تفصیلات ہمارے سامنے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک سو تیس سالہ زندگی کی تفصیلات کا انحصار صرف تو رات پر ہے مگر اس کا متن بھی تین سو سال کے بعد کہیں جا کر مرتب ہوا جس کی روایات کی ثقاہت پر خود یہود کے محققین کو بھی اعتراض ہے۔ ایران کے باطنی مذاہب کے پیش واؤں کی حیات کا ماخذ زند اور پائندگی بجائے صرف فردوسی کے شاہنامے کے ذریعے سے میسر ہے۔ مگر حضور و روایات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی کامل تفصیلات کو ہزاروں صحابہ نے کمال حزم و احتیاط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مغازی نگاروں اور سیرت نگاروں کے علاوہ محدثین نے

روایات کے جمع کرنے میں اپنی عمریں کھپا دیں اور پھر اسماء الرجال اور جرح و تعدیل کے ذریعے سے ان روایات پر نقد کا ایسا سائنٹفک اسلوب وضع کیا کہ جس کے باعث ہر ایک روایت کی توثیق و تردید ہوتی گئی۔ ایک طرف راویوں کے سوانحی کوائف اور ان کے فضائل پر اسماء الرجال کے عنوان سے بیسیوں عظیم کتابیں مرتب ہوئیں تو دوسری طرف جرح و تعدیل کے وہ پیمانے وضع کیے گئے کہ جن کی روشنی میں کسی غلط اور موضوع روایت کا برقرار رہنا مشکل نہیں ناممکن بنا دیا گیا۔

پانچویں صدی ہجری تک علوم الحدیث کے فنی کمالات اپنے نقطہ عروج تک پہنچ گئے۔ ابن حجر عسقلانی اور ابن المصالح نے اس متن شریف کو وہ بنیادیں عطا کر دیں کہ جن پر زمانہ اور زمین دونوں ناز کر سکتے ہیں۔ آج حدیث کے ہر علم و فن پر عربی زبان میں ہزاروں کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور اس سے زائد ابھی مخطوطات کی صورت میں دیار مغرب اور دول اسلام کے مراکز علمی میں موجود ہیں۔ اردو زبان میں بھی علوم الحدیث کی بہت سی عربی کتب کے تراجم کیے گئے تو کچھ طبع زاد تالیفات بھی سامنے آئیں۔ پیش نظر کتاب ”علوم الحدیث“ فنی و فکری اور تاریخی مطالعہ، اسی سلسلہ الذہب کی ایک ممتاز علمی اور تحقیقی کاوش ہے۔ اردو زبان میں اگر علوم الحدیث کی پانچ بہترین کتب کا انتخاب مقصود ہو تو پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر حفظہ اللہ تعالیٰ کی یہ تالیف ان میں باسانی شمار کی جاسکتی ہے۔ ایک بات تو اعتماد سے کہی جاسکتی ہے کہ اردو ادبیات میں علوم الحدیث پر یہ ایک ایسی تالیف ہے اور اس میں اتنے متعدد اور متنوع موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے کہ جس کے باعث یہ ایک قاموسی نوعیت کا تجربہ دکھائی دیتا ہے۔ ایک ہزار صفحات کے قریب ضخامت کی اس تحقیقی کتاب میں چار سو کتابوں، مخطوطات اور علمی جرائد سے ۳۰۷۰ مقامات پر استفادہ کیا گیا ہے۔ حدیث کی اصطلاحات، مقام حدیث، ضرورت و حجیت، روایت و درایت، مستشرقین اور حدیث، اسماء الرجال، جرح و تعدیل، فن تخریج، اقسام حدیث، تاریخ حدیث، تدوین حدیث، تذکار محدثین، انتقاد حدیث، مدارس حدیث، مراکز حدیث، نصاب حدیث، فقہانکار حدیث، اسالیب تدریس حدیث، غریب الحدیث، آداب الحدیث، تراجم حدیث، فقہ الحدیث، شروح الحدیث، لغات الحدیث، علم الانساب، علم معرفۃ الاسماء والکنی والالقب، علم الطبقات الغرض حدیث کے بیسیوں موضوعات کو سیکڑوں عنوانات کے تحت تقسیم کر کے ہر بات متند حوالے سے درج کی گئی ہے جس کے باعث یہ تالیف لطیف علمائے عظام شیوخ الحدیث، جامعات، مدارس اور تعلیمی اداروں کے اساتذہ کرام، منج صاحبان، وکلاء طلبہ اور تمام علم دوست افراد کے لیے فیض رسانی کا منبع بن گئی ہے۔ اس ضخیم کتاب میں علوم الحدیث کے ہر موضوع

کو مستند حوالوں سے مزین کیا گیا ہے۔ آخر میں مراجع اور مصادر کی فہرست سے مؤلف کے ذوق و شوق اور رسوخ فی العلم کا اندازہ ہوتا ہے۔ حدیث کے موضوع پر معلومات کا ایک بحر ذخار ہے جس سے تشنہ کام اپنی عقیدت کی پیاس بجھا سکتے ہیں۔ اپنے لوازمے، پیش کش، تحقیق، اسلوب، تکنیک اور تجربے کے لحاظ سے یہ ایک کامیاب تصنیف ہے جو ان شاء اللہ قارئین کے لیے ایک علمی ارمغان اور مصنف کے لیے توشہ آخرت ثابت ہوگی۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر نے قدیم و جدید دونوں درساہوں سے فیض حاصل کیا ہے ان کے پاس اگر درس نظامی سے فراغت کی اسناد ہیں تو اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے عربی اور علوم اسلامیہ میں امتیازی سندات کے حامل ہیں۔ انہیں حکومتی وظیفے پر گلاسکو یونیورسٹی، انگلستان سے ۱۹۸۳ء میں پی ایچ ڈی کا اعزاز حاصل ہوا جہاں انہوں نے امام بغوی کی مصابیح السنۃ کے رجال پر تحقیقی کام کیا۔ ۱۹۸۸ء سے اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں حدیث شریف کے استاد اور ۱۹۹۱ء سے مسند سیرت کے ڈائریکٹر ہیں۔ اپنی علمی مناسبت، قلبی لگاؤ، جتنی استعداد، احتضار علوم اور اخذ و استفادہ کی صلاحیت کے باعث متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ عربی، انگریزی اور اردو زبان میں ان کے ۶۳ کے قریب مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ پیش نظر کتاب ان کی سولہ سالہ علمی ریاضت اور محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔ ان میں سے بہت سے مقالات علمی جرائد میں شائع ہوئے یا پھر علمی کانفرنسوں میں پڑھے گئے مگر اپنی موجودہ حالت میں یہ پہلی مرتبہ افادۂ عام کے لیے شائع ہو رہے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ اس میں ملت اسلامیہ کے تمام مسالک کی خدمات، حدیث کا تذکرہ شامل ہے۔

اس کتاب کی اشاعت فاضل نوجوان محمد رفیع الدین جازبی کے اہتمام میں ان کے مکتبہ ”نشریات“ سے شائع ہو رہی ہے جو طباعت کی دنیا میں ایک روشن ستارے کے طلوع کی حیثیت رکھتا ہے۔ میں اس عظیم موضوع پر منفرد کتاب کے مؤلف اور ناشر دونوں کو ہدیہ تحریک پیش کرتا ہوں اور اس کی قبولیت کے لیے دعا گو ہوں۔

پروفیسر عبد الجبار شاہ

ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل

۱۳ مارچ ۲۰۰۶ء

دعوتِ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد

عرض مصنف

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خاتم النبيين وعلى آله

واصحابه اجمعين. اما بعد!

اسلام دین فطرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعوت و تبلیغ اور تشریح و توضیح کے لیے اشرف الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا اور حفاظت کا ذمہ خود لیا۔ آپ کی دعوت پر اس دین فطرت کو قبول کرنے والے صحابہ کرامؓ بھی کائنات میں سے منتخب شدہ لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی محمدی تعبیر یعنی احادیث نبوی کی حفاظت اس مقدس گروہ کے ہاتھوں حفظ، تحریر، عمل اور تبلیغ کے ذریعے فرمائی۔ تقویٰ و پرہیز گاری سے لبریز ذہن و شعور کے حامل اصحاب رسولؐ نے احادیث مبارکہ کو بحفاظت اگلی نسل تک منتقل کیا۔ اسلام میں حدیث نبوی سے محبت جزو ایمان ہے اس محبت اور حدیث کی تشریحی حیثیت کی وجہ سے مسلمان نسل در نسل احادیث نبوی کی دل و جان سے حفاظت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اہل علم میں سے ایک خاص گروہ یعنی محدثین کی جماعت یہ فریضہ اس قدر دیانت داری اور ذمہ داری سے ادا کرتی چلی آ رہی ہے کہ دنیا کی کوئی قوم یا ارباب علم و فضل کا کوئی دوسرا گروہ ان کی ہمسری نہیں کر سکتا۔

محدثین کی زندگی حدیث نبوی کی تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ عمل بالمحدیث کا کامل نمونہ ہے۔ حدیث نبوی سے انتہائی شغف ان کی زندگی کا حاصل نظر اور خدمت حدیث میں اپنی زندگی صرف کرنا معراج حیات سمجھا گیا۔ انہوں نے علوم الحدیث کے نام پر ایک وسیع و عریض لیکن انتہائی منظم و مرتب فن تشکیل دیا اور خود ذاتی زندگی میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی ہر ادا کے اپنانے کو اپنی سعادت سمجھا۔ حقیقت میں مسلمان کے ایمان و اسلام کی سلامتی اور دنیا و آخرت کی کامیابی اسی میں مضمر ہے۔ حدیث نبوی چونکہ دین کی اساس ہے اس لیے اس کی حفاظت و تدوین میں انتہائی حزم و احتیاط لازم ہے۔ اسلامی تعلیمات کے ادراک اور مسنون اعمال کی ادائیگی کے لیے صحیح احادیث مبارکہ کو قبول کرنا ضروری ہے تاکہ کوئی من گھڑت یا مصنوعی بات شریعت کا درجہ نہ پا جائے۔ اس خاطر ذخیرۂ احادیث کا فنی طور پر

جائزہ، دقت نظر سے مطالعہ اور باریک بینی سے جانچ پڑتال ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔ اس فریضہ کی ادائیگی کی غرض سے زندگی بھر کا حاصل مطالعہ پیش خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔ آمین

راقم الحروف کو اللہ تعالیٰ نے شرف بخشا ہے کہ اپنی تاجیز زندگی کو سرور کائنات کی سیرت اور آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ احقر کی زندگی کا ہر لمحہ نبی آخر الزمانؐ پر قربان اور فدا ہے۔ بندہ 1988ء سے شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور، میں حدیث شریف پڑھا رہا ہے اور 1991ء سے مسند سیرت کی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ اس سلسلے میں دو عالمی سیرت کانفرنسیں اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور میں منعقد کرانے کا اعزاز بھی حاصل ہے جن میں کئی ممالک سے اہل علم نے شرکت کی۔ پہلی بین الاقوامی سیرت کانفرنس میں پڑھے جانے والے مقالات کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ مختلف قومی اور بین الاقوامی مجلات میں راقم کے ۶۳ تحقیقی مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں میں اسلامیہ یونیورسٹی کی نمائندگی کا اعزاز بھی حاصل ہوا ہے۔

ایک عرصے سے اہل علم، علوم حدیث پر تاریخی، فکری اور فنی انداز میں ایک جامع اور مبسوط کتاب کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ طلبہ اور اہل علم کی اس ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے اس تحقیقی اور علمی کام کے لیے کمر ہمت باندھ لی اور عرصہ تقریباً سولہ سال کی محنت شاقہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی سعادت بخشی۔ مؤلف اس میں کس حد تک کامیاب ہوا اس کا فیصلہ اہل علم اور ارباب تحقیق کر سکتے ہیں۔ ان شاء اللہ پڑھنے والوں کو اس کتاب پر کی جانے والی محنت کا اندازہ ہوگا۔ اس میں شامل چند مقالات مختلف کانفرنسوں اور سیسی ناز میں پڑھے گئے ہیں اور بعض ملکی و غیر ملکی معروف علمی مجلات میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔

احسان شناسی کا اعتراف انسانیت کا دستور اور شرافت کا تقاضا ہے۔ میرے محسنین کی فہرست بہت طویل ہے اور بندہ ان سب کا ممنون و شکر گزار ہے۔

میں شعبہ علوم اسلامیہ کے تمام اساتذہ، ڈین فیکلٹی آف اسلامک لرننگ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید رحمت، پروفیسر ڈاکٹر محمد گجر خان غزل کا شیر، ڈاکٹر شمس البصر، منیر احمد، ابراہیم الدین،

سید اسرار حسین بخاری، حافظ شبیر احمد جامعی، ڈاکٹر حافظ افتخار احمد اور ابوالحسن شبیر احمد کے تعاون کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ احباب وقفاً فوقاً اپنی قیمتی معلومات سے نوازتے رہے۔

میں اپنے حلقہٴ علم کے احباب اور شاگردان عزیز کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اس علمی اور تحقیقی کام میں میری معاونت کی۔ خصوصاً برادر محترم ڈاکٹر خالد ظفر اللہ، ایسوسی ایٹ پروفیسر، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج سمندری (فیصل آباد) اور اپنے شاگرد ڈاکٹر محمد جاوید اختر، اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ایس ای کالج بہاول پور کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کار علمی میں بھرپور معاونت کی۔ عزیز ساجد اسد اللہ، لیکچرار اسلامیات، گورنمنٹ کالج سمندری اور محمد طیب لیکچرار اسلامیات، گورنمنٹ یونیورسٹی کالج فیصل آباد کا شکریہ بھی لازم ہے کہ انہوں نے اس کام میں میری نمایاں مدد کی۔ سیرت چیئر کے سینیئر افر فضل احمد بھی شکریے کے مستحق ہیں کہ موصوف نے اس کام کو سرانجام دینے میں دن رات محنت شاقہ کی بلکہ اپنی کئی ایک چھٹیاں بھی اس پر قربان کیں۔

محترم پروفیسر عبدالجبار شاہ کی سرپرستی قابل ستائش ہے کہ انہوں نے اس علمی اور تحقیقی کام میں نہایت کرم و عنایت کا ثبوت دیا۔ بالخصوص اس طویل اور ضخیم مسودے کو پڑھ کر اپنی قیمتی آرا اور مشورے سے نوازا اور اس کتاب پر اپنی جان دار اور پر مغز تعارفی تحریر بھی عنایت کی۔

انتہائے آخر میں پروفیسر ڈاکٹر بلال اسے خان، وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کا شکر گزار ہوں کہ وہ یونیورسٹی کے تعلیمی ماحول کی بہتری میں بہت کوشاں ہیں جس کی خاطر انہوں نے کئی ایک ترقیاتی منصوبوں اور تزئین و آرائش کے پروگراموں کا آغاز کیا ہے اور بالخصوص علمی اور تحقیقی کاموں کی بھرپور حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔

اہل علم اور ارباب تحقیق سے ملتیں ہوں کہ وہ میری اس کوشش کا مطالعہ فرمائیں اور مجھے میرے تسامحات سے آگاہ کریں تاکہ نقش کافی کو بہتر بنایا جاسکے۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

۱۵ فروری ۲۰۰۶ء

ڈائریکٹر سیرت چیئر، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور

باب اول

تعارف حدیث

چند بنیادی اصطلاحات

۱۔ سند

لغوی معنی

السند: ”ما ارتفع من الارض“ (جو زمین سے بلند ہو) سند کے معنی اعتماد، سہارا اور تعاون کے بھی ہیں۔ قسائدین کے معنی متعاونین کے ہیں، گویا سند کے سہارے سے حدیث روایت ہوتی ہے (۱)۔

اصطلاحی معنی

اصطلاح میں سند متن حدیث تک پہنچنے کا راستہ یا وہ سلسلہ رواۃ ہے جو متن حدیث تک پہنچاتا ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: ”حکایۃ طریق المتن“ (طریق متن کی حکایت ہے)۔ ایک تعریف یہ بھی ہے: ”الطریق الموصلة الی المتن“ (۲) (”سند“ طریق متن تک پہنچنے کا لگاتار سلسلہ یعنی راویوں کا ہاں ترتیب ہونا)۔ طریق کے متعلق کہا گیا ہے: ”الطریق اسماء البروۃ“ (۳) (طریق راویوں کے نام ہیں)۔

عبدالرؤف السناوی، حافظ ابن جریر اور شیخ طبری کا قول نقل کرتے ہیں: ”السند الاخبار عن طریق المتن، والاسناد رفع الحديث إلى قائله، قال الطيبي: نعم هما متقاربان في معنى اعتماد الحفاظ في صحة الحديث وضعفه عليهما وقال ابن جماعة: المحدثون يستعملون السند والاسناد لشيء واحد“ (۳) (سند طریق متن کی خبر ہے۔ اسناد حدیث کو اس کے قائل کی طرف پہنچاتا ہے۔ طیبی نے کہا: دونوں معنی میں اس لحاظ سے قریب ہیں۔ حفاظ صحت حدیث اور ضعف میں ان دونوں پر اعتماد کرتے ہیں۔ ابن جماعة کہتے ہیں، محدثین سند اور اسناد کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں)۔

امیر المومنین فی الحدیث امام بخاریؒ کی الجامع الصحیح کی یہ روایت مثال کے طور پر ملاحظہ ہو: ”حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن نافع وعبد الله بن دينار عن ابن عمر رضي الله عنهما ان رجلا سأل رسول الله ﷺ عن صلاة الليل فقال: صلاة الليل مثنى مثنى فإذا خشي أحدكم الصبح صلى ركعة واحدة توتر له ما قد صلى“ (۵)۔

اس روایت میں حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن نافع وعبد الله بن دينار عن ابن عمر رضي الله عنهما تک سند حدیث ہے۔ آگے ان رجلا سأل رسول الله ﷺ عن صلاة الليل فقال: صلاة الليل مثنى مثنى فإذا خشي أحدكم الصبح صلى ركعة واحدة توتر له ما قد صلى متن حدیث ہے۔

اسناد حدیث کی حیثیت مسلم ہے۔ اس کے متعلق ابن الصلاح فرماتے ہیں: ”أصل الاسناد أو لا خصيصة فاضلة من خصائص هذه الامة“ (۶) (سند کی اصل سب سے پہلے اس امت کے خاصہ میں سے فاضل صلت ہے)۔ بعد ازاں ابن الصلاح نے عبد الله بن مبارك کا یہ قول نقل کیا ہے: ”الاسناد من الدين ولو الاسناد لقال من شاء ما شاء“ (۷) (سند دین میں سے ہے اگر اسناد نہ ہو تو ہر شخص جو چاہتا کہتا رہتا)۔

۲۔ متن

متن متانة سے ہے جس کے معنی سختی کے ہیں۔ ابن الاثیر کہتے ہیں متین: ”فی اسماء اللہ تعالیٰ المتین، هو القوى الشدید“ (۸) (متن اللہ کے ناموں میں سے ہے۔ وہ بہت قوی ہے)۔

لغت میں کسی چیز کے ابھرے ہوئے حصہ کو متن کہا جاتا ہے۔ محمد جمال الدین قاسمی فرماتے ہیں: ”وأخذه إما من الممانعة، وهي المباعدة في الغاية، لانه غاية السند، أو من متنك الكبح إذا شققت جلد بيضته واستخرجتها فكأن المسند استخرج المتن بسنده، أو من المتن: وهو ما صُلب وارتفع من الأرض، لأن المسند يقويه بالسند ويرفعه إلى قائله، أو من تعتين القوس أي شذها بالعصب، لأن المسند يقوى الحديث بسنده“ (۹) (متن متانة سے لیا گیا ہے۔ وہ انتہائی دوری ہے کیونکہ وہ سند کے آخر میں ہوتا ہے یا وہ متننت الکبح (میں نے مینڈھے کے بیضہ (حصہ) کے چٹکے کو پھاڑا۔ جب آپ نے اس کے بیضہ کی کھال کو پھاڑا اور اس نے بیضہ نکال لیا۔ گویا کہ سند نے متن کو سند کے ساتھ نکال دیا۔ یا یہ لفظ متن سے ہے۔ وہ چیز جو سخت اور زمین سے بلند ہے کیونکہ سند سند سے حدیث کو مضبوط کرتا ہے اور اس کے قائل کی طرف لے جاتا ہے یا یہ تعین القوس سے ہے یعنی اس نے عصب (عظمہ) سے کمان کو مضبوط کیا۔ کیونکہ سند حدیث کو سند سے قوی کرتا ہے)۔

اصطلاح میں اس کلام کو متن کہا جاتا ہے جس تک سند کے ذریعے رسائی حاصل ہو۔ یا حدیث میں جس مقام پر سند کا اختتام ہو اس سے اگلے حصے کو متن کہا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر نے متن کی تعریف یہ کی ہے: ”هو غاية ما ينتهي إليه الاسناد من الكلام“ (۱۰) (کلام میں جس مقام پر سند ختم ہوتی ہے گویا اس سے آگے کے حصے کو متن کہتے ہیں)۔ ابن جریج نے متن کی یہ تعریف کی ہے: ”هو ما ينتهي اليه غاية السند من الكلام“ (۱۱) (کلام میں جہاں سند ختم ہو جاتی ہے وہاں متن ہے)۔ طبری کہتے ہیں: ”أما المتن: فهو الفاظ الحديث التي تنقوم بها المعاني“ (۱۲) (متن حدیث کے وہ الفاظ ہیں جن پر معانی کا قیام

ہوتا ہے۔)

سند کے ذیل میں بیان کردہ صحیح بخاری کی روایت میں ”ان رجہلا“ سے ”ما قد

صلی“ تک متن ہے۔

۳۔ حدیث

لغت میں حدیث کا لفظ حدّث محدث حدیث سے ماخوذ ہے۔ حدیث کے معنی ہیں بات کرنا، کلام کرنا، خبر دینا۔ اس لحاظ سے اس کے معنی کلام اور گفتگو کے ہیں۔ امام راغب، ابوالقاسم حسین بن محمد نے ”مفردات فی غریب القرآن“ میں حدیث کی تعریف یہ لکھی ہے: ”کُل کلام یبلغ الانسان من جهة السمع أو الوحی فی یقظتہ او منامہ یقال لہ حدیث“ (۱۳) (وہ کلام جو انسان کو بذریعہ سماعت یا وحی حالت بیداری یا نیند میں پہنچے حدیث کہلاتا ہے)۔

ڈاکٹر محمود طحان لکھتے ہیں ”الحدیث لغة الجدید ویجمع علی احادیث علی خلاف قیاس“ واصطلاحاً: ما اضیف الی النبی ﷺ من قول او فعل او تقریر اور صفة (حدیث کا لغوی معنی ”جدید“ ہے۔ اس کی جمع خلاف قیاس ”احادیث“ ہے۔ اصطلاحی طور پر اس سے مراد حضور کی طرف منسوب قول، فعل، تقریر یا آپ کی صفت کا بیان ہے) (۱۴)۔

لفظ حدیث کے معنی جدید کے بھی ہیں اس طرح حدیث قدیم کی ضد ہے۔ اس لحاظ سے حدیث کا لفظ قرآن کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔ اس لیے کہ قرآن قدیم ہے اور حدیث اس کے مقابلہ میں جدید ہے۔ لیکن یہ دراصل لغوی لحاظ سے ہے۔

حدیث کا اصطلاحی مفہوم

شرعی اصطلاح میں حدیث سے مراد وہ اقوال و اعمال اور تقریر جن کی نسبت رسول اللہ کی طرف ہو۔ تقریر سے مراد محدثین کے ہاں کسی آدمی کا کوئی قول یا فعل جو آنحضرت ﷺ کے سامنے لایا گیا ہو۔ آپ نے اس کی تصحیح یا تعلیل نہ فرمائی ہو۔ گویا آپ ﷺ کی خاموش رضا مندی ہے یہ بھی حدیث میں داخل ہے۔

لفظ حدیث کے سلسلے میں مولانا محمد اسماعیل سلفی فرماتے ہیں: ”حدیث کا لفظ لغت میں قدیم

کی ضد ہے۔ اس کا مصدر حدیث ہے۔ جس کا اطلاق نئے عوارض پر ہوتا ہے۔ ”رجل حدث“ کے معنی جوان آدمی ہے۔ انسان کے منہ میں دانتوں کی بندش کے اندر قدرت نے ایک ایسی مشین نصب فرمائی ہے۔ جو غیر شعوری طور پر بلا تاثر نئے سے نئے الفاظ بتاتی چلی جاتی ہے۔ منہ کے خول میں ہوا کی حرکت اور حلق کی آخری حد تک ہوا کے تموج سے لاکھوں الفاظ منٹوں میں بن جاتے ہیں۔ جن میں ایک سے ایک نیا اور جدا ہوتا ہے۔ دانتوں اور ہونٹوں کی رکاوٹ الفاظ کے بننے اور مخارج کی صحت میں مدد دیتی ہے۔ ”ذلك تقدير العزيز العليم“ (۱۵)۔

انسان کے اور بھی بیسیوں اعضا ہیں لیکن الفاظ اور نطق کی مشین صرف منہ میں نصب کی گئی ہے۔ معلوم نہیں دنیا کا سب سے پہلا انسان جب اس نے افہام و تفہیم کے لیے اس مشین سے پہلے پہل کام لیا ہوگا تو وہ کتنا خوش ہوا ہوگا۔ اور اللہ کی اس نعمت پر کتنے حمدے کیے ہوں گے۔ ”فتبارك الله احسن الخالقين“ (۱۶)۔

اس گفتگو کو عربی میں حدیث کہتے ہیں۔ اس کی جمع صحیح مذہب کے مطابق احادیث ہے۔ دنیا کے عجائبات اور خلاف امید واقعات کی حکایات اور قصوں کو بھی احادیث فرمایا گیا ہے۔ ”فجعلناهم احادیث“ (۱۷) (ہم نے حوادث کو کہانیوں کی صورت دے دی)۔

”ما یاتیہم من ذکر من ربهم محدث“ (۱۸) (ان کے رب کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی ہے)۔

راغب فرماتے ہیں: ”الحدث وجود الشيء بعد ان لم يكن؛ حتى احدث لك منه نكرا“ (۱۹) ”تاویل الاحادیث“ (۲۰)۔ ”لا یکادون یفقهون حدیثا“ (۲۱)۔ سب اسی قسم کے محاورات ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے ارشادات کو اور قرآن عزیز کو بھی حدیث کا نام دیا گیا: ”واذا اسرّ النبی الی بعض ازواجہ حدیثا“ (۲۲) (جب آنحضرت ﷺ نے اپنی بعض بیویوں سے آہستہ بات کی)۔ ”من اصدق من اللہ حدیثا“ (۲۳) (اللہ تعالیٰ سے زیادہ کس کی حدیث سچی ہے) (۲۴)۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اقوال کو خود حدیث کا نام دیا۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے آپ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ روز قیامت آپ ﷺ کی شفاعت کا زیادہ حق دار کون ہوگا آپ ﷺ نے جواب فرمایا مجھے معلوم تھا کہ ابو ہریرہؓ سے پہلے کوئی شخص مجھ سے اس حدیث کے بارے میں سوال نہیں کرے گا کیونکہ تم طلب حدیث کے بہت حریص ہو (۲۵)۔ کچھ علماء نے حدیث کے معنی میں وسعت پیدا کی ہے اور حدیث کی تعریف یہ کی ہے: ”جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہو، خواہ قول یا فعل یا تقریر ہو، جبلی یا اخلاقی صفات ہوں، یا قبل از نبوت یا بعد کی سیرت مبارکہ ہو“ (۲۶)۔ بعض نے حدیث کے مفہوم کو مزید وسعت دے کر اس میں آنحضرت ﷺ کے عہد کی تاریخ کو بھی شامل کیا ہے۔ اس وجہ سے امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کا نام ”الجامع الصحيح المسند المختصر من امور رسول اللہ ﷺ وسننه وایامه“ رکھا۔ اس بات کی وضاحت لازم ہے کہ حدیث رسول صرف ایک عہد زریں کی تاریخ نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت شریعت اور قانون کی ہے۔ محدثین کے اصول تحقیق، علماء کے تاریخ و سیر اور مغازی و فقہ و تفسیر وغیرہ کے لیے وضع کردہ اصولوں سے ممتاز اور منفرد ہیں۔ معلوم ہوا حدیث کے مفہوم میں اقوال، افعال تقریرات اور آپ ﷺ کے احوال شامل ہیں (۲۷)۔ قرآن مجید میں یہ لفظ بہت سی جگہ استعمال ہوا ہے۔ چند مقامات بطور مثال ملاحظہ ہوں:

- ۱۔ ”فما لہؤلاء القوم لا یکادون یفقهون حدیثنا“ (۲۸) (ان لوگوں کو کیا ہے کہ بات سمجھتے نہیں ہیں)۔ آپ ﷺ کے بیان کو حدیث کہا گیا۔
- ۲۔ ”واما بنعمة ربك فحدث“ (۲۹) (اپنے رب کی نعمت کو بیان کر)۔
- ۳۔ ”ومن اصدق من الله حدیثا“ (۳۰) (اللہ سے بڑھ کر سچی بات کس کی ہو سکتی ہے؟)۔
- ۴۔ ”فلا تقعدوا معهم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ“ (۳۱) (آپ ﷺ ان کے ساتھ نہ بیٹھیں جب تک وہ کسی اور بات میں نہ لگ جائیں)۔
- ۵۔ ”وکلک یجتیبک ربک ویعلمک من تاویل الاحادیث“ (۳۲) (اللہ تعالیٰ)

منتخب کرے گا اور باتوں کی تہہ تک پہنچنا سکھائے گا۔

۶۔ ”فَاتَّبِعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ“ (۳۳) (پس ہم نے ایک کو دوسرے کے پیچھے لگا دیا اور انہیں افسانہ بنا دیا)۔

۷۔ ”اللّٰهُ نَزَلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ“ (۳۴) (اللہ نے اچھا کلام نازل فرمایا)۔

حدیث کا لفظ آنحضرت ﷺ نے کئی جگہ استعمال فرمایا ہے: ”يُوشِكُ الرَّجُلُ مَتَكَلِّفًا عَلَى أَرِيكَتِهِ يَحْدُثُ بِحَدِيثٍ مِنْ حَدِيثِي فَيَقُولُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللَّهِ“ (۳۵) (قریب ہے کہ کوئی آدمی تکیہ پر ڈھانس لگائے ہوئے ہو (جب) اسے میری حدیثوں میں سے کوئی حدیث سنائی جائے تو وہ کہے ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب کافی ہے)۔ اس طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ”مَنْ حَدَّثَ عَنِّي حَدِيثًا وَهُوَ يَرِي أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِينَ“ (۳۶) (جس نے مجھ سے کوئی حدیث روایت کی اور اس کو علم ہو کہ وہ جھوٹ ہے (میں نے بیان نہیں کی) تو وہ جھوٹوں میں سے ایک ہے)۔

ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں درخواست پیش کی: ”اَنْتَسِبِي اَسْمَعَ مِنْكَ حَدِيثًا كَثِيرًا اَنْسَاهُ“ (میں آپ ﷺ سے بہت سی احادیث سنتا ہوں لیکن بھول جاتا ہوں)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چادر بچھاؤ (حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں) میں نے بچھا دی۔ آپ ﷺ نے اس میں لب مبارک ڈال دی۔ میں نے اسے لپیٹ لیا اور سینے سے لگا لیا۔ اس کے بعد کبھی نہیں بھولا (۳۷)۔

۴۔ خبر

نفوی مفہوم

لغت میں نبا یعنی کسی واقعے کی اطلاع کو خبر کہتے ہیں۔ اس کی جمع اخبار ہے۔

اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں خبر کے متعلق مختلف اقوال ہیں:

- i- خبر حدیث کے مترادف ہے۔ حدیث اور خبر دونوں کا معنی ایک ہے۔
- ii- خبر حدیث کے علاوہ ہے۔ حدیث تو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہوتی ہے جبکہ خبر کی نسبت کسی اور طرف کی جاتی ہے۔
- iii- خبر حدیث سے عام ہے۔ حدیث کی نسبت صرف رسول اللہ ﷺ کی طرف کی جاتی ہے جبکہ خبر کبھی رسول اللہ ﷺ سے منسوب کی جاتی ہے کبھی کسی اور کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ تاریخ کے عالم کو مؤرخ اور اخباری کہتے ہیں جبکہ حدیث کے عالم کو محدث کہتے ہیں (۳۸)۔ جب حدیث کے معنوں میں خبر کو استعمال کیا جاتا ہے تو سیاق و سباق سے معلوم ہو جاتا ہے مثلاً حمام کتب حدیث کی سند میں ”اخبارنا“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس مقام پر حدیث کا بیان ہوتا ہے۔ اگر تاریخ کی کتاب میں حدیث کے علاوہ کسی واقعہ کی سند میں اخبارنا ہو تو یہ اس واقعہ کے بیان کی خبر ہے۔ اس لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر حدیث تو خبر ضرور ہوتی ہے لیکن ہر خبر کا حدیث ہونا لازمی نہیں ہے۔

امام رازی نے ”المجموع“ میں ابوالحسن بصری سے نقل کیا ہے: ”انہ کلام مفید بنفسہ اضافۃ الی امر من الامور نفیاً او اثباتاً“ (۳۹) (خبر ایسا کلام ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی چیز کسی دوسری چیز کے لیے ثابت ہے یا نہیں)۔ مثلاً خالد پڑھتا ہے۔ پڑھنا خالد کے لیے ثابت ہے اور خالد روٹا نہیں ہے سے رونے کی خالد سے نفی کی گئی ہے۔

عبدالرزاق السناوی فرماتے ہیں: ”الخبر: عند اهل اللغة ما ينقل ويتحدث به، عند اهل المعاني: ما يحصل مدلوله في الخارج بغيره، عند الأصوليين: مركب كلامي يدخله عقلاً الصدق، وهو ما طابق الواقع، والكذب هو: ما لا يطابق أي من حيث العقل وكونه خبراً كقام زيد، أما من حيث اللفظ فلا يحتمل إلا الصدق والكذب، احتمال عقلي، وشمل تعريفهم ما يقطع بصدقه كخبره تعالى، وخبر رسوله والمتواتر، أو كذبه كذلك، كالنقيضان يجتمعان أو يرتفعان وعند المحدثين مرادف للحديث“ (۴۰) (خبر اہل لغت کے ہاں وہ ہے جو نقل کی جائے اور بیان کی

جائے اہل معانی کے ہاں وہ ہے جس کا مدلول (مقصود) خارج میں اس کے بغیر حاصل ہو جائے۔ اصولیین کے نزدیک مرکب کلام جس میں عقلاً صدق داخل ہو جائے وہ واقعہ کے مطابق ہو اور کذب جو عقل کے مطابق نہ ہو، اس کا خبر ہونا۔ جیسے قام زید (زید کھڑا ہے)۔ لفظ کے لحاظ سے اس کا احتمال عقلی صدق اور کذب دونوں قطعی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی خبر یا اس کے رسولوں کی خبر اور متواتر یا اس طرح اس کا جھوٹا ہونا دو متضاد خبروں کی مانند ہے جو جمع ہو جائیں۔ محدثین خبر کو حدیث کے مترادف استعمال کرتے ہیں)۔ اس کا پتہ سیاق و سباق سے چل جاتا ہے کہ لفظ خبر کو کس معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

۵۔ اثر

لغوی معنی

لغت میں ”بقیۃ الشیء“ کو اثر کہتے ہیں۔ اس کے معنی نشان کے بھی ہیں۔ قدموں کے نشان کو بھی اثر کہتے ہیں۔

ظفر الامانی میں ہے: ”وَأَمَّا الْأَثَرُ فَهُوَ لُغَةً: الْبَقِيَّةُ مِنْ شَيْءٍ. يُقَالُ: أَثَرُ الدَّرَرِ لَمَّا بَقِيَ مِنْهَا“ (۴۱) (اثر لغت میں کسی چیز کے باقی حصے کو کہا جاتا ہے۔ اثر الدار جو چیز گھر میں باقی رہ گئی ہو)۔ ایک شاعر نے کہا ہے: تِلْكَ أَثَارُنَا تَدُلُّ عَلَيْنَا

فانظروا بعدنا الى الآثار

(یہ ہمارے قدموں کے نشانات ہیں جو ہم پر دلالت کرتے ہیں کہ ہمارے پیچھے ہمارے نشانات کو دیکھو)۔

اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں اثر کے مختلف مفہوم بیان کیے گئے ہیں:

- ۱۔ اثر کا لفظ خبر اور سنت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔
- ۲۔ عام طور پر صحابہ اور تابعین کی طرف منسوب اقوال و افعال کو اثر کہا جاتا ہے۔

لیکن یہ لفظ روایت یا حدیث کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ بعض محدثین اثری کی نسبت کو پسند کرتے ہیں (۴۲)۔

آنحضرت ﷺ کی دعاؤں سے متعلق کتب کے نام بھی ”دعائے ماثورہ“ ہیں۔ بعض مدارس کے نام بھی اسی نسبت سے معروف ہیں۔ جامعہ علوم اثربہ، جہلم اور ادارہ علوم اثربہ، فیصل آباد بہت معروف مدارس ہیں۔ ان سے مراد ایسے مدارس جہاں قرآن و حدیث کو دیگر علوم پر فوقیت حاصل ہو۔ امام غزالیؒ ”احیاء علوم الدین“ میں حدیث کا لفظ آنحضرت ﷺ کے ارشادات کے لیے اور اثر کا لفظ صحابہ کے اقوال کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے ”جمہور علماء محدثین کے نزدیک حدیث اور اثر میں کوئی فرق نہیں ہے“ (۴۳)۔

امام سیوطی کی کتاب ”الدر المنثور فی تفسیر الماثور“ میں دونوں چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح امام طبری کی کتاب ”تہذیب الآثار“ اور امام طحاوی کی کتاب ”شرح معانی الآثار“ اور ”مشکل الآثار“ میں بھی اثر کے لفظ کو رسول اللہ ﷺ کے کلمات اور صحابہ کرام کے الفاظ کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ سیاق و سباق سے معلوم کیا جائے گا کہ اگر اثر کی اصطلاح آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہو تو حدیث رسولؐ مراد ہے۔ اگر صحابی و تابعی کی طرف ہو تو ان کے اقوال مراد ہوتے ہیں۔

۱۔ امام طاہر بن صالح الجبازیؒ نے اثر کے متعلق یہ لکھا ہے: ”اما الاثر فانه مرادف للخبر فيطلق على المرفوع والموقوف، وفقهاء الخراسان يسمون الموقوف بالاثر والمرفوع بالخبر“ (۴۴) (اثر خبر کے ہم معنی ہے۔ اس کا اطلاق مرفوع اور موقوف دونوں پر ہوتا ہے۔ فقہاء خراسان موقوف کو اثر کا نام دیتے ہیں اور مرفوع کو خبر کا)۔

۲۔ یہی بات عبدالرؤف مناویؒ نے امام نووی کے حوالے سے لکھی ہے (۴۵)۔

۳۔ عبدالحی کھنونیؒ لکھتے ہیں: ”الاثر هو المروى عن رسول الله او عن صحابي أو عن تابعي مطلقاً، وبالجملة: مرفوعاً كان أو موقوفاً وعليه جمهور المحدثين من السلف والخلف“ (۴۶) (اثر مطلق طور پر وہ روایت ہے جو رسول اللہ یا صحابی یا تابعی سے مروی ہو یعنی مرفوع ہو، موقوف ہو، سلف و خلف جمہور محدثین کا یہی خیال ہے)۔

۴۔ جمال الدین قاسمی کہتے ہیں: ”الاثار ما روى عن الصحابة ويجوز اطلاقه على كلام النبی ایضاً“ (۴۷) (اثر وہ ہے جو صحابہ سے مروی ہو اور اس کا اطلاق کلام رسول پر جائز ہے)۔

۶۔ سنت

لغوی مفہوم

سنت کے معنی واضح راستہ، معروف راستہ اور سیرت کے ہیں۔ سین اور لون مشد میں قوت، پختگی اور متواتر عادات کا مفہوم ہوتا ہے۔ سن دانت کو کہتے ہیں۔ سنن (نیزے) کے پھل کو کہا جاتا ہے۔ مسنون شگل کیچڑ کو کہا گیا ہے۔ سنت اس راستے کو کہا جاتا ہے جس پر متواتر چلنے کی وجہ سے وہ صاف اور واضح ہو گیا ہو۔ جسے ”طریق معبد“ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ رائج عادات اور مستمر اعمال پر بھی سنت کا اطلاق معروف ہے۔ اس محاورہ کے مطابق طریقہ اور سیرت بھی سنت کے مفہوم میں شامل ہے۔ زبان کے لحاظ سے اچھی اور بُری عادات دونوں پر سنت کا لفظ بولا جاتا ہے۔ حدیث ”من سنّ سنة حسنة فله اجرها وأجر من عمل بها، ومن سنّ سنة سيئة فله اجرها وأجر من عمل بها“ (۴۸) میں سنت کا لفظ اس لغوی لحاظ سے فرمایا ورنہ سنت نبوی کی صفت سیدہ کیسے ہو سکتی ہے۔ فان السنة خير كلها۔

چند احادیث میں کچھ اعمال کے متعلق بعض صحابہ نے ”نعمت البدعة هذه“ (۴۹) کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ جس سے مراد بدعت لغوی ہے ورنہ اصطلاحاً بدعت کے متعلق جب آنحضرت ﷺ ”كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة“ (۵۰) فرمائیں تو خطا کو خطا نہ کہہ سکتا ہے؟ (۵۱)۔ سنت کے متعلق اہل لغت نے کافی لکھا ہے۔ ابن الاثیر فرماتے ہیں:

۱۔ ”الاصل فيها الطريقة والسيره“ (۵۲) (اس کے اصل معنی طریقہ اور سیرت کے ہیں)۔

۲۔ جرجانی کہتے ہیں ”السنة: لغة العادة“ (۵۳) (سنت لغت کے لحاظ سے عادت کو کہتے ہیں)۔

۳۔ صاحب مسلم الثبوت فرماتے ہیں: ”السنة: لغة العادة“ (۵۴) (سنت لغت

میں عادت ہے)۔

۴۔ ابن درید نے ”کتاب الجمهرة“ میں لکھا ہے: ”والسنة: معروفة، وسنّ فلان سنة حسنة أو قبيحة يسنها سنّا“ (۵۵) (سنت کے معنی عام راستہ معروف ہیں۔ کہا جاتا ہے فلاں شخص نے اچھی یا بُری سنت ’طریقہ‘ جاری کی۔ مضارع یسنّ آتا ہے اور مصدر سنّا)۔

۵۔ اسماعیل بن حماد جوہری فرماتے ہیں: السنة: السيرة، قال الهذلي: فلا تجز عن من سيرة انت سرتها فاول راض سنة من يسيرها“ (۵۶) [سنت کے معنی سیرت (طرز، روش، چال، ڈھال) کے ہیں۔ حدیثی شاعر کہتا ہے: جس خصلت (چال) پر تم خود چلے اس سے مت گھبراؤ۔ اس لیے کہ جو شخص کسی خصلت کو اختیار کرتا ہے وہی اس کو پسند کرنے والا ہوتا ہے]۔

۶۔ علامہ زنجیری لکھتے ہیں: ”سن سنة حسنة: طرق طريقة حسنة واستنّ بسنة فلان ومتسنّن: عامل بالسنة“ (۵۷) (فلاں شخص نے سنت جاری رکھی یعنی اچھا طریقہ تجویز کیا۔ فلاں شخص کی سنت کی پیروی کی یعنی اس کے طرز پر عمل کرے۔ فلاں شخص سنت پر عمل کرنے والا ہے)۔

۷۔ ابن منظور کی ”لسان العرب“ میں ہے: ”سنّ الله سنة ای بین طریقاً قویّاً... والسنة السيرة حسنة أو قبيحة“ (۵۸) (اللہ نے ایک پختہ اور محکم راستہ بتلایا، سنت کے معنی سیرت بھی ہیں اچھی یا بُری)۔

سنت کا اصطلاحی مفہوم

اصطلاح سنت میں رسول اللہ ﷺ کے حکم یا نبی یا کسی کام کے جائز قرار دینے کو کہتے ہیں۔ بعض لوگ اس کو صرف رسول اللہ ﷺ کے فعل تک محدود رکھتے ہیں لیکن یہ لفظ حدیث کے مترادف ہے۔ شریعت میں آنحضرت ﷺ کے قول، فعل اور خاموشی سب سنت میں داخل ہیں۔ مولانا سلفی نے لکھا ہے: ”اصول فقہ کے متون میں بعض علماء نے فرمایا: ”سنت کا لفظ صرف آنحضرت ﷺ کے اعمال

پر بولا جاتا ہے اور حدیث کا لفظ اقوال پر لیکن اولہ شریعہ کے تذکرے میں وہ حدیث اور سنت کو مترادف اور ہم معنی سمجھتے ہیں۔ سنت کا لفظ جب اضافت سے استعمال ہو تو سنت نبوی سے مراد احادیث نبوی ہی لی جاتی ہیں (۵۹)۔

آئمہ حدیث اور فقہ سنت کے لفظ کا اصول میں مترادف استعمال کرتے ہیں:

۱۔ جرجانی نے کہا: السنة: شريعة مشتركة بين ما صدر عن النبي ﷺ من قول أو فعل أو تقرير وبين ما واطب النبي ﷺ عليه بلا وجوب (۶۰) ”شریعت میں سنت کا لفظ آنحضرت ﷺ کے قول، فعل اور تقریر اور جس پر آپ ﷺ نے بلا وجوب بیہیجی اختیار کی، کے درمیان مشترک ہے۔“

۲۔ نورالانوار میں ہے: ”السنة: تطلق على قول الرسول وفعله وسكوته وعلى أقوال الصحابة وأفعالهم“ (۶۱) (سنت کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل اور خاموشی پر ہوتا ہے اور صحابہ کے اقوال اور افعال پر ہوتا ہے)۔

۳۔ ابن حزم کہتے ہیں: ”السنن تنقسم ثلاثة أقسام قول من النبي ﷺ وفعل منه عليه السلام وشيء رآه وعلمه فأقر عليه“ (۶۲) (سنن کی تین اقسام ہیں: نبی کا قول، فعل اور (تقریر) جو چیز آپ نے دیکھی اسے جانا اور اس کو برقرار رکھا)۔

۴۔ امام صالح بن طاهر الجزایری کہتے ہیں: ”وأما السنة فتطلق في الأكثر على ما أضيف إلى النبي ﷺ من قول أو فعل أو تقرير فهي مرادفة للحديث عنه علماء الأصول“ (۶۳) (سنت کا اطلاق اکثر طور پر اس چیز پر ہوتا ہے جس کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف ہو۔ خواہ قول ہو یا فعل ہو یا تقریر ہو۔ یہ علماء اصول کے نزدیک حدیث کے مترادف ہے)۔

۵۔ نواب صدیق حسن خان کہتے ہیں: ”أما شرعاً فهي قول النبي ﷺ وفعله وتقريره“ (۶۴) (سنت کا لفظ شرعاً، قول، فعل اور تقریر نبی ﷺ کے لیے استعمال ہوتا ہے)۔

۶۔ متاخرین میں سے عجاج الخطیب نے سنت کے متعلق یہ لکھا ہے: ”كل ما أشرع عن النبي ﷺ من قول أو فعل أو تقرير أو صفة خلقية أو خلقية أو سيرة سواء أكان ذلك

قبل البعثة کتحنثہ فی غار حراء ام بعدها، والسنة بهذا المعنى مرادفة للحديث النبوی“ (۶۵) (سنت رسول اللہ ﷺ کے تمام اقوال و افعال و تقریرات اور صفات خلقیہ و خلیہ محاسن و شمائل اور سیرت سب کے مجموعے کا نام ہے۔ خواہ یہ بحث سے قبل ہو جیسے کہ آپ ﷺ کا غار حراء میں عبادت کرنا یا اس کے بعد)۔ اس تعریف کے اعتبار سے سنت رسول اللہ ﷺ احادیث کے مترادف ہے۔

لفظ سنت کا اطلاق آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق آپ ﷺ کے صحابہ کرام کے اقوال و افعال پر بھی ہوتا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ”فعليكم بسنتي وسنته الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواخذ“ (۶۶) (تمہارے اوپر میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی لازم ہے اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لو)۔

قرآن مجید میں لفظ سنت کا استعمال

قرآن عزیز میں یہ لفظ متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

- ۱۔ ”ولا تجد لسنتنا تحويلا“ (۶۷) (آپ ہمارے دستور میں بغاوت نہیں پائیں گے)۔
- ۲۔ ”سنة الله في الذين خلوا من قبل“ (۶۸) (اللہ کا دستور ہا ان لوگوں میں جو پہلے گزرے)۔
- ۳۔ ”فلن تجد لسنة الله تبديلا“ (۶۹) (آپ اللہ کے دستور میں تبدیلی نہ پائیں گے)۔
- ۴۔ ”سنة من قد رسلنا قبلك من رسلنا“ (۷۰) (ان لوگوں کا دستور چلا آ رہا ہے جو ان سے پہلے تھے)۔

مندرجہ بالا مقامات پر سنت کا لفظ دستور، طور، طریقہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔

- ۵۔ ”قد خلت من قبلك سنن فسيروا في الارض“ (۷۱) (آپ سے قبل واقعات گزر چکے ہیں، زمین میں پھرو)۔

۶۔ ”وان يعودوا فقد مضت سنت الاولین“ (۷۲) (اور پھر بھی وہی کریں گے تو پڑ چکی راہ پہلوں کی)۔

۷۔ ”فهل ينظرون الا سنة الاولین“ (۷۳) (سو کیا یہ اسی دستور کے منتظر ہیں جو ان سے پہلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے)۔

حدیث نبوی ﷺ میں سنت کا لفظ

رسول اللہ ﷺ نے بھی سنت کا لفظ اپنی احادیث میں استعمال فرمایا۔ جیسے صحیح بخاری میں ہے:

”أصوم وأفطر وأصلی وأرقد وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی“ (۷۴) (میں روزے رکھتا ہوں اور چھوڑتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور نکاح بھی کیے ہیں جو میری سنت سے منہ پھیرے وہ مجھ سے نہیں ہے)۔

ایک اور حدیث میں فرمایا: ”إنه من احیی سنة من سنتی قد أمیتت بعدی فإن له من الأجر مثل من عمل بها من غیر أن ینقص من أجورهم شیئا ومن ابتدع بدعة ضلالة لا یرضاها الله ورسوله کان علیه مثل آثام من عمل بها لا ینقص ذلك من أوزار الناس شیئا“ (۷۵) (جس نے میری سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد مر گئی ہو تو اسے ان لوگوں کی مانند اجر ملے گا جو اس پر عمل کریں گے۔ جبکہ عمل کرنے والوں کے اجر میں کمی نہ ہوگی۔ اور جس نے غلط راہ نکالی جس پر اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی نہ ہو تو اسے ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بوجھ ہوگا جو اس پر عمل کریں گے۔ اس چیز کے بغیر کہ ان کے گناہوں کے بوجھ میں کمی آئے)۔

آنحضرت ﷺ کے عمل کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھی اور بعد میں لوگوں کو بتایا: ”فقال: انہا سنة“ (۷۶) (یہ آنحضرت ﷺ کا طریقہ کار ہے)۔ سنت کا لفظ حدیث ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کہ ماخذ شریعت ہے۔

امام شوکانی کے قول پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں: ”اعلم انه قد اتفق من یعتقد به من

اہل العلم علی أن السنّة المطہرۃ مستقلة بتشریع الأحکام وأنہا کالقرآن فی تحلیل الحلال وتحريم الحرام“ (۷۷) ”اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ سنت احکام کے اثبات اور شریعت میں مستقل اصول ہے۔ حلال و حرام کے احکام میں قرآن مجید کی مانند ہے۔“

۷۔ المسند (نون پر زیرے)

جو مختص حدیث کو سند کے ساتھ روایت کرے۔ اسے اس کے متعلق معلومات ہوں یا نہ ہوں (۷۸)۔ متاخرین محدثین میں سے حماد انصاری لکھتے ہیں۔ سند حدیث کے اس راوی کو کہتے ہیں جو سند سے بیان کرے۔ کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ اس کا عالم ہو یا روایت ہی کرتا ہو (۷۹)۔

۸۔ المسند (نون پر زیرے)

ایسی حدیث جس کی سند ابتداء سے انتہا تک متصل ہو۔ سند حدیث کی اس کتاب کو بھی کہتے ہیں جس میں احادیث اسمائے صحابہ کی ترتیب سے جمع کی جائیں یا صحابہ کے حسب و نسب کا لحاظ کیا جاتا ہے مثلاً مسند ابی داؤد طیالسی۔ اس سلسلہ میں بہت معروف اور جامع کتاب مسند احمد بن حنبل ہے۔

۲۔ ایسی مرفوع حدیث جس کی سند متصل ہو۔

۳۔ مصدر یہی بمعنی اسناد، سند کے ہم معنی ہے (۸۰)۔

۹۔ المحدث

یہ حدیث محدث حدیث کا اسم فاعل ہے۔ وہ عالم حدیث جو سند سے بڑھ کر ہے۔ وہ اسناد کو جانتا ہو۔ اس کو بہت سے متن یاد ہوں۔ اسے اکثر روایات کی صحیح معلومات ہوں۔ راویوں کے حالات کو جانتا ہو۔ اسے بہت سے متون یاد ہوں۔ وہ کتب سنہ، مسانید، معاجم اور احادیث کے اجزاء کا سماع کر چکا ہو۔

مختلف لوگوں نے محدث کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ امام تاج الدین السبکی لکھتے ہیں: ”محدث وہ ہے جو اسانید حدیث، علل، اسما الرجال، عالی و نازل کا عالم اور اکثر متون کا حافظ ہو۔ اس نے کتب سنہ، مسند احمد، سنن بیہقی، اور معجم طبرانی کا سماع کیا ہو۔ علاوہ ازیں مزید ایک ہزار اجزاء حدیث بھی سنے

ہوں۔۔۔ اور فرماتے ہیں کہ ”یہ ادنیٰ ترین درجہ ہے“ (۸۱)۔

ابو الفتح ابن سید الناس کہتے ہیں کہ ہمارے اس دور میں ”محدث“ اسے کہتے ہیں جس کا حدیث کے ساتھ اہتمام بلحاظ روایت و درایت بہت زیادہ ہو۔ راویان حدیث کا وسیع علم رکھتا ہو۔ اپنے زمانے کے رواد حدیث اور مرویات سے کافی حد تک باخبر، بلکہ ایک ممتاز حیثیت کا حامل ہو۔ حتیٰ کہ اس کا حفظ معروف اور ضبط مشہور ہو (۸۲)۔

حافظ ابن حجر محدث کے ہارے میں یہ لکھتے ہیں کہ وہ شیوخ سے خود مستفید ہو چکا ہو۔ وہ راویوں کے طبقات اور مراتب کو جانتا ہو۔ اور جرح و تعدیل سے پوری واقفیت رکھتا ہو (۸۳)۔

۱۰۔ الحافظ

الحافظ بہت سے محدثین کے ہاں محدث کے مترادف ہے (۸۴)۔ متاخرین کے نزدیک ”حافظ“ وہ ہے جسے ایک لاکھ احادیث ”مُتَنَّا و اسنادًا“ زبانی یاد ہوں۔ اس لحاظ سے اس کا درجہ محدث سے بڑھ کر ہے۔ ابن سید الناس کہتے ہیں کہ محدث کی معلومات اتنی زیادہ ہو جائیں کہ اپنے تمام اساتذہ اور اساتذہ کے اساتذہ کو طبقات وار جانتا ہو۔ اس طرح سے کہ جنہیں وہ جانتا ہو ان سے زیادہ ہوں جنہیں وہ نہیں جانتا (۸۵)۔

۱۱۔ الحجۃ

حجت کے معنی دلیل ہیں۔ ایسا حافظ جس کا حافظہ بہت زیادہ ہو اور اسے تین لاکھ ”مسند“ احادیث زبانی یاد ہوں۔ یہ حافظ سے بڑھ کر ہے (۸۶)۔ بعض لوگ کہتے ہیں حجۃ کا اطلاق حافظ پر ہی ہوتا ہے۔ لیکن اس وقت جب اسے اسانید و متون کے حفظ میں اتقان حاصل ہو اور تمام معاملات پر گہری نظر رکھتا ہو۔

TRUEMASLAK@INBOX.COM

حدیث نبوی کی اہمیت، ضرورت و حجیت

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو کہ تمام شعبہ ہائے حیات میں کامیاب عملی راہنمائی کا نظام ہے۔ اسلام ہی اللہ رب العالمین کے ہاں مقبول دین ہے۔ اس دین کے علاوہ دوسرا کوئی نظام اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ”وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ“ (۸۷) (جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے وہ اس سے دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا)۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات قرآن و حدیث کی صورت میں محفوظ ہیں۔

اس نظر پاتی و عملی دین کا مکمل نمونہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ اسلام کے اساسی اصول اور بنیادی تعلیمات تو قرآن میں موجود ہیں جبکہ اس کی تشریح و توضیح رسول اللہ ﷺ کی سنت اور احادیث مبارکہ ہیں یہ تشریح و توضیح آپ کی ذاتی سوچ و فکر پر مشتمل نہیں بلکہ یہ بھی الہامی ہے۔

حدیث اور علم حدیث کا موضوع آنحضرت ﷺ کی ذات جامع صفات ہے جملہ احادیث نبویہ میں آپ کے اقوال و افعال اور حالات و اسوہ حسنہ کا بیان ہے جبکہ اس علم حدیث کے حاصل کرنے کی غرض و غایت ”اطاعت و اتباع رسول“ ہے، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں دیا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ (۸۸)۔

آنحضرت کے ارشادات آپ کی ذات اقدس کی طرح ہی واجب الاحترام ہیں۔ قرآن تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر پیغمبر کا اپنے اپنے دور میں یہی مقام رہا ہے۔ و ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (۸۹)۔

ہر پیغمبر اسی لیے مبعوث کیا جاتا ہے کہ خدا کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے بعض انبیاء پر الہامی کتب نازل ہوئیں جیسے توریت، زبور و انجیل، قرآن اور بعض پر صرف احادیث نازل ہوئیں۔ وہی ان کی شریعت تھی اور وہی احکام، حضرت اسمعیل، اسحاق، یونس، لوط، ہود وغیرہ علیہم السلام اسی قسم کے انبیاء تھے جن پر بظاہر احادیث کے سوا کچھ بھی نازل نہیں ہوا۔ ان احادیث کی روگردانی کی وجہ سے ان

امتوں پر عذاب نازل کیا گیا۔

آنحضرتؐ کی طرف ان دونوں قسموں کی وحی نازل فرمائی گئی ہے: ”اننا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبيين من بعده“ (۹۰) (ہم نے تم پر اسی طرح وحی نازل کی جس طرح نوح علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے انبیاء پر نازل ہوئی)۔ یعنی قرآن بھی نازل فرمایا گیا اور حدیث و سنت بھی۔

قرآن مجید میں اکبر تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول ﷺ کی اطاعت کو بھی ضروری ٹھہرایا ہے اور کہیں صرف رسول کی اطاعت و پیروی کا ہی حکم ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ وہی نقطہ نظر سے قرآن کے پہلو بہ پہلو اسلام اور فقہ و تکمیل کا دوسرا سرچشمہ یا مصدر ثانی جس سے ایمان و عمل کے تقاضے مکمل ہوتے ہیں وہ اطاعت رسول ﷺ ہے۔ جس کا واحد ذریعہ ہمارے پاس احادیث رسول ﷺ ہیں۔

حدیث وحی الہی ہے

حدیث رسول کی الہامی حیثیت مسلم ہے۔ جس پر خود قرآن شاہد ہے کہ آنحضرتؐ کے فرمانین بھی وحی الہی ہیں۔ سورہ النجم میں ارشاد ہے: ”وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ“ (۹۱) (آپؐ اپنی خواہش سے بات (حکم دین) نہیں فرماتے بلکہ وہ تو وحی ہے جو آپؐ پر بھیجی جاتی ہے)۔

اس کی وضاحت میں مولانا محمد عبدہ الفلاح لکھتے ہیں: دین کے باب میں (آپؐ) جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی کے بغیر نہیں فرماتے معلوم ہوا کہ حدیث بھی قرآن کی طرح وحی ہے اور واجب الاجار ہونے کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ علماء نے قرآن کو وحی مقلوہ اور حدیث کو وحی غیر مقلوہ کہا ہے (۹۲)۔

وحی مقلوہ اور وحی غیر مقلوہ

وحی مقلوہ سے مراد وہ وحی ہے جس کی تلاوت کی جائے یعنی جو قرآنی متن کی صورت میں ہے۔ جبکہ وحی غیر مقلوہ وحی ہے جس کی باقاعدہ تلاوت نہ کی جائے اور یہ نبی اکرمؐ کی زبان اقدس سے نکلا ہوا

رضائے الہی کے مطابق کلام ہو۔ وحی کی ان دونوں قسموں کا نبی کی زبان سے ادا ہونے کے بعد ایک مسلمان سے تقاضا ہے کہ ان دونوں پر نظریاتی اور عملی ایمان لائے کیونکہ جیسے قرآن پر ایمان ضروری ہے ویسے ہی اس کی مثل پر بھی۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے: **اَلَا اِنِّیْ اَوْتِیْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ (۹۳)۔**

نبی اکرم ﷺ کا منصب قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے: **کَمَا اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلًا مِنْکُمْ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْکُمْ وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَہَ وَ یُعَلِّمُکُمْ مَا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (۹۳)۔** یہاں چار واضح اور جدا گانہ فرائض کی ذمہ داری کا ذکر کیا گیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو سونپے گئے ہیں:

i-	حلاوت آیات۔	ii-	تزکیہ۔
iii-	تعلیم کتاب۔	iv-	تعلیم حکمت۔

۱۔ حلاوت آیات

نبی اکرم ﷺ کا پہلا فرض بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ آیات قرآنی کو جوں کا توں بندگان خدا تک پہنچادیں۔ یہ فریضہ حلاوت آیات کی ادائیگی اللہ تعالیٰ کو قاصدانہ اندازہ میں مطلوب نہیں کہ ایک ڈاکیہ کی طرح پیغام کی ترسیل کی جائے بلکہ بغیر اندہ اور داعیانہ انداز سے اس کی ادائیگی مطلوب ہے کیونکہ اگر نبی کی پوزیشن محض پیغام پہنچانے کی ہوتی تو بس ان کا کام یہیں ختم ہو جاتا اور آگے کی ساری ذمہ داریاں مخاطبین پر عائد ہو جاتیں لیکن اس کے ساتھ اور کام بھی مطلوب ہے اور وہ ہے تعلیم کتاب۔

۲۔ تزکیہ نفس

حلاوت آیات کے ساتھ ساتھ آپؐ کے فرائض منصبی میں لوگوں کا تزکیہ نفس بھی شامل کیا گیا تھا۔ جس کا ذکر کئی مقامات پر قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ یہ آپؐ کے تربیت و تزکیہ کا ہی نتیجہ تھا کہ حالات میسر آنے کے باوجود لوگ اپنے دامن کو گناہوں سے آلودہ ہونے سے حتی الوسع بچائے رکھتے تھے، جیسے حضرت ابو مرہ غنوی کو اندھیری رات کی تنہائی میں دعوت برائی ملی تو انہوں نے اسی تربیت کے نتیجہ میں صاف انکار کر دیا بلکہ اگر کبھی کسی سے گناہ سرزد ہو جاتا تو علی الاعلان ”اِنِّیْ قَدْ زَنِیْتُ وَاَنَا اَرِیْدُ اَنْ

تطہرنی“ (میں نے زنا کیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ مجھے پاک کر دیں) کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے دنیا کی سزا کو آخرت پر ترجیح دیتا (۹۵)۔

آج ہمارے پاس اس تربیت و تزکیہ کا ذکر کتب احادیث کی صورت میں موجود ہے جس کے ذریعے ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر معاشرے کی اصلاح کر سکتے ہیں۔

۳۔ تعلیم کتاب

قرآن مجید کی بلاغت و اعجاز اس بات کی متقاضی ہے کہ اس میں اسراف الفاظ نہ ہو۔ چنانچہ تلاوت آیات کے ساتھ تعلیم کتاب کا تذکرہ اس بات کو عیاں کرتا ہے کہ ان دونوں کی حیثیت اور نوعیت میں فرق ہے۔ تلاوت آیات سے سادہ زبان اور دل نشین انداز میں پیغام الہی کو بندوں کے پردہ سماعت تک پہنچا دیا گیا۔ اب ایک معلم کا کام صرف یہ نہیں کہ لوگوں کی اس سماعت کے بعد وہ ان کو تعلیم دینے کے بارے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو گیا ہے بلکہ معلم اس مطلوب تعلیم کو حفاظت میں کی جتنی سطح کے پیش نظر مختلف اسالیب سے قابل قبول بنا کر لوگوں کے دلوں میں اتارتا ہے۔ اور اس کے متعلق تمام شکوک و شبہات کا حل پیش کرتا ہے تاکہ لوگوں کو اس حقیقت کا فہم حاصل ہو جائے۔

قرآن مجید نے وحی غیر مملو کو ”الحکمة“ سے تعبیر کیا ہے۔ (الحکمة) (حدیث) کے منزل من اللہ ہونے کے بارے میں ارشاد ہے: ”وانزل اللہ علیک الكتاب والحکمة وعلک ما لم تکن تعلم“ (۹۶) مولانا وحید الزماں نے اس آیت کا ترجمہ یوں بیان کیا ہے (اور اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب اتاری قرآن شریف، اور حدیث شریف، اور جو تو نہیں جانتا تھا، وہ تجھ کو سکھایا)۔

ایک اور مقام پر قرآن مجید نے حدیث پاک (الحکمة) کو منزل من اللہ ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”واذکروا نعمة اللہ علیکم وما أنزل علیکم من الکتب والحکمة یعظکم بہ“ (۹۷) (اور اللہ تعالیٰ نے جو تم پر احسان کیا اس کو یاد کرو۔ اور جو تم پر کتاب اور حکمت (سنت) یعنی حدیث شریف) تمہارے سمجھانے کے لیے اتاری)۔

مفتی محمد عبدہ الفلاح مرحوم لکھتے ہیں: یہاں الحکمت سے مراد سنت ہے یعنی کتاب و سنت کی جو نعمت تم پر نازل کی ہے، اسے مت بھولو۔ یہ دونوں وحی الہی ہیں اور دلیل ہونے میں دونوں برابر ہیں۔

لہذا منکر حدیث کا وہی حکم ہے جو منکر قرآن کا ہے (۹۸)۔

۴۔ تعلیم حکمت

تعلیم حکمت کو آنحضرتؐ کے فرائض میں گردانا گیا ہے۔ کتاب کے ساتھ تو حکمت کا لفظ قرآن پاک کی متعدد آیات میں آیا ہے، بلکہ اسے الگ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں حکمت سے مراد سنت نبویؐ لیا گیا ہے۔ چنانچہ قتادہ سے مروی ہے: الحکمة ای السنة (۹۹)۔ نیز امام شافعیؒ فرماتے ہیں: سمعت من ارضی من اهل العلم بالقرآن ان يقول الحکمة سنة رسول الله (۱۰۰) (ز میں نے قرآن کے ان اہل علم سے جنہیں میں پسند کرتا ہوں یہ سنا کہ حکمت آنحضرتؐ کی سنت ہی ہے)۔

حدیث کی تشریحی حیثیت

بعض لوگ رسول اللہ ﷺ کی حدیث و سنت کو دین میں حجت تسلیم نہیں کرتے۔ ان کی نظر میں قرآن مجید ہی ماخذ شریعت ہے۔ احادیث کی حیثیت عرب معاشرے کی عام عادات و رسوم کی سی ہے۔ منکرین حدیث کا یہ نظریہ قرآن و حدیث کی اصولی تعلیمات کے سراسر منافی اور ناقابل عمل ہے۔ قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی ہدایات و تعلیمات کو حجت شرعی قرار دیتے ہوئے فرمایا: ”وما اتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا واتقوا الله ان الله شديد العقاب“ (۱۰۱) (اور تمہیں جو کچھ رسول وے، اسے لے لو اور جس سے روکے، روک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے)۔

شیخ الحدیث مفتی محمد عبدہ الفلاح اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں: ”اس آیت نے آنحضرت ﷺ کے حکم کو ایک مستقل تشریع کی حیثیت دی ہے اور اسے قرآن کی موافقت کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔ لہذا آنحضرت ﷺ کا جو حکم بذریعہ صحیح روایت ثابت ہوگا، وہ واجب العمل ہوگا (۱۰۲)۔“

قرآن مجید نے رسول اللہ کے احکام کی حلال و حرام میں بھی حجت کا ذکر فرمایا ہے: ”یا مہم بالمعروف وينهاهم عن المنکر ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث“ (۱۰۳) (وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور بری بات سے روکتا ہے اور ستھری پاکیزہ چیزیں

ان کے لیے حلال کرتا ہے اور پلید (نا پاک) چیزیں ان پر حرام کرتا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی سورہ اعراف کی مذکورہ آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”اس آیت کے الفاظ اس امر میں بالکل صریح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو تشریحی اختیارات (Legislative powers) عطا کیے ہیں“ (۱۰۴)۔

مولانا محمد ادریس میرٹھی نے بھی آیت ہالا کو اس امر کی دلیل قرار دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات تشریحی حیثیت رکھتے ہیں (۱۰۵)۔ گویا حدیث دین میں حجت ہے اور ماخذ شریعت ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی حدیث کو مثل قرآن قرار دیا۔ چنانچہ حدیث نبویؐ ہے: ”الا انسی او تیت الكتاب ومثله معه، الا يوشك رجل شعبان على اريكته يقول عليكم بهذا القرآن فما وجدتم فيه من حلال فاحلوه وما وجدتم فيه من حرام فحرّموه الا لا يحل لكم لحم الحمار الاهلي ولا كل ذي ناب من السبع ولا لقطة معاهد الا ان يستغنى عنها صاحبها“ (۱۰۶) (لوگو! یاد رکھو مجھے قرآن اور اس کی مثل ایک اور چیز دی گئی ہے۔ خبردار! ایک وقت آئے گا کہ ایک پیٹ بھرا اپنی مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہوگا اور کہے گا لوگو! تمہارے لیے قرآن ہی کافی ہے۔ اس میں جو چیز حلال ہے بس وہی حلال ہے اور جو چیز حرام ہے بس وہی حرام ہے۔ سنو! گھریلو گدھا بھی تمہارے لیے حلال نہیں (حالانکہ قرآن میں اس کی حرمت کا ذکر نہیں) نہ ہی درندے جن کی کچلیاں ہیں۔ نہ ہی کسی ذی کی گری ہوئی چیز کسی کے لیے حلال ہے۔ ہاں البتہ اگر اس کے مالک کو اس کی ضرورت ہی نہ تو پھر جائز ہے)۔

صاحب حون المعبود نے حدیث کی شرح میں بیان کیا ہے کہ حدیث رسول بھی احکام وادامر میں مثل قرآن ہے۔ نبی ﷺ جو باتیں قرآن میں نہیں ان کو تشریحی حیثیت میں بیان کرتے ہیں۔ امام خطابی نے اس حدیث سے منکرین سنت کو ڈرایا کہ وہ بھی روافض و خوارج کی طرح قرآن مجید پر اکتفا کر کے سنت کو ترک کر رہے ہیں۔

خطابی مزید کہتے ہیں: فی الحديث دليل على أن لا حاجة بالحديث أن يعرض على الكتاب وأنه مهما ثبت عن رسول الله ﷺ شيء كان حجة بنفسه فاما

ما رواہ بعضهم انه قال اذا جاءكم الحديث فاعرضوه على كتاب الله فان وافقه فخذوه فانہ حدیث باطل لا اصل له (۱۰۷) (اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حدیث کو کتاب ’قرآن مجید‘ پر پیش کرنا ضروری نہیں ہے۔ اور جب بھی نبی کریم ﷺ سے حکم ثابت ہو گیا وہ آپ کا حکم فی نفسہ حجت ہے۔ جہاں تک اس روایت کا معاملہ ہے کہ جس میں بیان ہوا کہ جب کوئی حدیث ملے تو اسے کتاب اللہ پر پیش کیا جائے، وہ روایت باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے)۔

یہ بات یقینی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے فرامین و سنن تشریحی حیثیت رکھتے ہیں۔ علماء امت آپ کے تشریحی اختیارات کو تسلیم کرتے ہیں۔ حدیث و سنن کی تشریحی حیثیت سے انکار کرنے والوں کا دعویٰ بے دلیل و باطل ہے۔ یہ لوگ اپنے باطل نظریات کو بنیاد بنا کر دین اسلام کے عملی پہلو کا فکری و عملی انکار کر رہے ہیں (نعوذ باللہ من ذلك)۔

حدیث قرآن مجید کی تفسیر و تشریح ہے

مفسرین حدیث قرآن مجید کی من مانی تاویلات و تشریحات کے قائل و فاعل ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس فکر کے حاملین کا جزئیات پر اتفاق تو درکنار بلکہ وہ بنیادی و اصولی احکام و دینیہ پر مختلف اور متضاد آراء رکھتے ہیں یہاں تک کہ اس گمراہ گروہ کا نمازوں کی تعداد پر بھی اتفاق نہ ہو سکا بلکہ قرآنی حکم اقیمو الصلوٰۃ کو بھی نہ سمجھ پائے۔ ان لوگوں نے قرآن مجید کو حدیث رسولؐ سے اغماض اور چشم پوشی کرتے ہوئے سمجھنے کی کوشش کی تو اس میں ناکام و نامراد رہے۔ انہیں قرآنی آیات پر سرسری غور سے سمجھ آنے والے احکام کا بھی فہم نہ مل سکا۔ قرآن مجید کا یہ فرمان اپنے مفہوم کس قدر مبہین و واضح ہے غور فرمائیے! ”وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم ولعلہم یتفکرون“ (۱۰۸) (اور ہم نے یہ ذکر قرآن آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل کیا گیا۔ آپ اسے کھول کھول کر بیان کریں شاید کہ وہ غور کریں)۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ فرض منصبی تھا کہ وہ کتاب اللہ کے احکام و فرائض کی تشریح و توضیح فرمائیں۔ آپ کے اس دینی منصب کا انکار اور اس کی اہمیت کم کرنے والوں پر نقد کرتے ہوئے سید مودودیؒ مذکورہ آیت کریمہ کی وضاحت میں فرماتے ہیں: ”پھر کس طرح یہ

ممکن ہے کہ شارح قرآن کی حیثیت سے آپ کے منصب کو رسالت کے منصب سے الگ قرار دیا جائے۔ اور آپ کے پہنچائے ہوئے الفاظ قرآن کو لے کر آپ کی شرح و تفسیر قبول کرنے سے انکار کر دیا جائے کیا یہ انکار خود رسالت کا انکار نہ ہو جائے گا؟“ (۱۰۹)۔

سید مودودی کی رائے صائب ہے کہ آپ کی تفسیر و تشریح قرآن سے انکار کرنا، درحقیقت رسالت سے انکار کے مترادف ہے گویا منکرین حدیث اس لحاظ سے منکرین رسالت ہیں۔ ہم قرآن کے لیے حدیث و سنت کی اہمیت واضح کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں: ”اب اگر ہم سنت کو نکال دیں تو اگرچہ ہم دین کی اصولی باتوں سے واقف ہوں گے، لیکن ان کی عملی شکل سے اسی طرح بے خبر ہوں گے جس طرح دور جاہلیت میں دینی حنیٰ کے پیروکار تھے۔ وہ کہتے کہ اے رب! ہم نہیں جانتے کہ تیری عبادت کس طرح کریں، ورنہ اسی طرح کرتے“ (۱۱۰)۔

معلوم ہوا کہ اسلام کے احکام پر عمل پیرا ہونے کے لیے تمسک بالجہد ضروری ہے ورنہ قرآن مجید کے اکثر احکام پر عمل تو کجا ان کا فہم و ادراک بھی ناممکن ہے۔

اطاعتِ رسول کا حکم

قرآن و سنت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رضائے الہی کے حصول کے لیے اطاعتِ رسول لازم ہے۔ قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی بار بار تاکید فرمائی گئی ہے۔ اطاعتِ رسول کی اہمیت جاننے کے لیے چند قرآنی آیات ملاحظہ فرمائیے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ“ (۱۱۱) (اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال پر بادمت کرو)۔ اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی عمل خواہ کتنا ہی بہتر کیوں نہ معلوم ہوتا ہو، اگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے دائرے سے باہر ہے تو رائیگاں اور پر باد ہے (۱۱۲)۔

ارشادِ باری ہے ”اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا، فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا إِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِين“ (۱۱۳) (اور اللہ تعالیٰ کا کہا مانو اور (اس کے) رسول کا کہا مانو اور (ان دونوں کی نافرمانی سے) بچے رہو۔ پھر اگر تم نہ مانو تو یہ جانے رہو (ہمارا کچھ نہیں بگڑے

(۸) ہمارے رسولؐ کے ذمے صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

یہ آیت کریمہ حرمت خمر و میسر کے اعلان کے متصل بعد ہے۔ مفتی محمد عبدہ الفلاح اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”شراب اور جوئے سے باز رہنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت سے ڈر دو (تفسیر کبیر و قرطبی) یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت سے مراد قرآن و سنت کی پیروی ہے۔ اور سنت بھی قرآن کی طرح ایک مستقل ماخذ دین ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”أُوتِيتَ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ“ (۱۱۳) (کہ مجھے قرآن دیا گیا اور اس جیسی ایک اور چیز (یعنی حدیث) بھی)۔

تاکید مزید کے لیے اسی بات کو دوبارہ سورۃ تغابن میں دہرایا گیا ہے: ”وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِين“ (۱۱۵) (اللہ کا کہنا مانو اور رسولؐ کا کہنا مانو، پس اگر اعراض کرو تو ہمارے رسولؐ کے ذمے صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے)۔ مطلب یہ کہ ہمارے رسولؐ کا اس سے کچھ نہیں بگڑے گا، کیونکہ اس کا کام صرف تبلیغ ہے۔ امام زہری فرماتے ہیں: اللہ کا کام رسولؐ بھیجتا ہے، رسولؐ کا کام تبلیغ اور لوگوں کا کام تسلیم کرنا ہے (۱۱۶)۔ نیز اہل ایمان کا شیوہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ---- (۱۱۷) (وہ اہل ایمان اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں)۔ مولا نامہ حنیف ندوی اطاعت رسول ﷺ کے متعلق آیات متعدد لکھ کر درج ذیل اہم امور بیان کرتے ہیں:

- ۱۔ اطاعت رسولؐ سے انکار کفر ہے۔
- ۲۔ اطاعت رسولؐ حصول رحمت الہی کا ذریعہ ہے۔
- ۳۔ فقہی و دینی مسائل میں اختلاف کی صورت میں اللہ اور رسولؐ کا فیصلہ حرف آخر ہے۔
- ۴۔ ایمان باللہ اور رسولؐ کے تقاضے اطاعت رسولؐ سے ہی پورے ہو سکتے ہیں۔
- ۵۔ اطاعت رسولؐ کی روگردانی سے ضبط اعمال کا اندیشہ ہے۔
- ۶۔ رسولؐ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت کے مترادف ہے۔

- ۷۔ یہ پیغمبر اسی لیے مبعوث ہوا کہ لوگ اس کی اطاعت کریں۔
- ۸۔ حصول محبت الہی کے لیے اطاعت و اتباع رسول لازم ہے۔
- ۹۔ جو لوگ آپ کی تعلیمات کی مخالفت میں سرگرم ہیں۔ ان کو عذاب الہی سے ڈرنا چاہیے۔
- ۱۰۔ ایمان اس وقت تک تکمیل پذیر نہیں ہوتا جب تک آنحضرت ﷺ کے احکام و اوامر کو پورے ،
اخلاص سے تسلیم نہ کیا جائے (۱۱۸)۔

حب رسول کا تقاضا (اطاعت و اتباع رسول ﷺ)

نبی کریم سے محبت ایمان کا حصہ ہے بلکہ آپ ﷺ کی محبت جب تک دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر نہ ہو ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ہے: ”والذی نفسی بیدہ لا یؤمن احدکم حتی اکون أحب الیہ من والدہ وولده“ (۱۱۹) (اس ذات اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں (رسول اللہ ﷺ) اسے اس کے والد اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں)۔

قرآن مجید میں بھی اللہ اور رسول کی محبت اور اس کے تقاضے بیان کرتے ہوئے یوں ارشاد ہے: قل ان کان اباءکم وابناءکم واکوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموالکم اقترفتکموها وتجارة تخشون کسادھا ومسکن ترضونها أحب الیکم من اللہ ورسولہ وجہاد فی سبیلہ فقتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ (۱۲۰) (آپ ﷺ کو قریب کیجئے! کہ اگر تمہیں اپنے باپ دادا، بیٹے، بھائی، بیویاں، خاندان، کمایا ہوا مال اور تجارت جس کے خراب ہونے کا تمہیں خدشہ ہے، اپنے پسندیدہ مکان اللہ اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو اللہ کے حکم سے عذاب آنے کا انتظار کرو)۔ نبی اکرم ﷺ کی محبت کے بغیر ایمان کا دعویٰ باطل ہے۔ آپ کی محبت کیسے اور کیونکر حاصل ہوتی ہے؟

اس کی وضاحت درج ذیل حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے: ”من احبنا سنتنی فقد احببنا ومن احببنا کان معی فی الجنة“ (۱۲۱) (جس نے میری سنت کو زندہ کیا، اس نے میرے ساتھ محبت کی اور جس نے میرے ساتھ محبت کی، وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا)۔

اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت حاصل کرنے کے لیے آپ کی اطاعت و اتباع شرط ہے جو انسان آپ کی اطاعت و اتباع کا قائل و فاعل نہ وہ گویا جنت میں جانے سے انکاری ہے اور ایمان کی نعمت سے محروم ہے۔

ہدایت اطاعت رسول سے مستلزم ہے

موجودہ دور میں علوم و فنون میں حیرت انگیز ترقی اور معاشرتی اقدار میں تبدیلی سے ہر انسان متاثر ہوا ہے۔ اکثر لوگ اس مادی ترقی کو بنیاد بنا کر دینی و اخلاقی ضوابط کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور روشن خیالی و جدت پسندی جیسی سراب نما اصطلاحات کو اپنی فکری محراج قرار دیتے ہیں۔ اس رویے کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے غلط خیالات اور بے ہودہ اعمال پر خوش ہو کر دین کی مبارک و ہدایت پر مبنی تعلیمات کو ترک کر رہے ہیں۔ قرآن حکیم ایسے بزم خود و تن خیال مکرین کو متنبہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: **قل اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول فان تولوا فانما علیہ ما حمل و علیکم ما حملتم و ان تطیعوه تهتدوا و ما علی الرسول الا البلاغ المبین (۱۲۲)** (کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ رسول اللہ کی اطاعت کرو، پھر بھی اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمے تو صرف وہی ہے جو اس پر لازم کر دیا گیا اور تم پر اس کی جوابدہی ہے جو تم پر رکھا گیا ہے۔ ہدایت تو تمہیں اسی وقت ملے گی جب رسول کی اطاعت کرو گے۔ سنو رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے)۔

رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی سزا

قرآن مجید نے رسول اللہ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار دیتے ہوئے اس بات کا اعلان فرمایا: **من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (۱۲۳)** (اس رسول ﷺ کی جس نے اطاعت کی، اسی نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی)۔

قرآن مجید نے نبی اکرم ﷺ کی نافرمانی کی توکبا، اس کے متعلق مشاورت اور سرگوشی سے بھی منع فرمایا ارشاد ہے: **فلا تناجوا بالاثم و العدوان و معصیت الرسول و تناجوا بالبر و التقوی (۱۲۴)** (گناہ، ظلم و زیادتی اور رسول اللہ کی نافرمانی کی سرگوشی مت کرو بلکہ نفع رسانی اور پرہیزگاری کی باتوں پر تبادلہ خیالات کرو)۔

اللہ تعالیٰ نے نافرمان رسول کو گمراہ قرار دیا: ”ومن يعص الله ورسوله فقد ضلّ ضلّالاً مبيناً“ (۱۲۵) (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا)۔

قرآن مجید میں ہے: فليحذر الذين يخالفون عن امره ان تصيبهم فتنة او يصيبهم عذاب اليم (۱۲۶) (جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ پڑے یا انہیں کوئی دکھ کی مار نہ پڑے)۔ سورہ جن میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے نافرمان کو ابلیس جہنمی قرار دیا گیا: ومن يعص الله ورسوله فان له نار جهنم خالدين فيها ابداً (۱۲۷) (اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی نہ مانے گا، اس کے لیے جہنم کی آگ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا)۔

حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے نافرمان کو جہنمی بلکہ اس کے خود جنت میں جانے سے انکاری قرار دیا گیا: ”كل امتي يدخلون الجنة الا من ابى، قالوا: يا رسول الله ومن ابى، قال: من اطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد ابى“ (۱۲۸) (میری تمام امت جنت میں جائے گی سوائے اس کے جو جنت میں جانے سے انکار کر دے، صحابہ نے پوچھا کہ جنت میں جانے سے کون انکار کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو گیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے گویا جنت میں جانے سے انکار کر دیا)۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ منکر حدیث، گمراہ، جہنمی، عذاب الہی کا مستحق اور خود ہی جنت میں جانے سے انکاری ہے۔ اس گمراہ فکر کے حاملین کے لیے لازم ہے کہ فوراً عقیدہ و عمل قرآن و سنت کے مطابق کریں۔ وما توفيقى الا بالله۔

علوم اسلامیہ میں حدیث کا مقام

حدیث و سنت دین اسلام کا دوسرا بنیادی ماخذ ہے۔ اس ماخذ کی دین اسلام میں کیا اہمیت ہے۔ اس کا اندازہ قرآن مجید کے اس اعلان سے ہو سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی خواہش نفسانی سے بات نہیں فرماتے بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی وحی ہوتی ہے۔

وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى (۱۲۹) (آپ اپنی خواہش سے بات (حکم دین) نہیں فرماتے بلکہ وہ تو وحی ہے جو آپ پر بھیجی جاتی ہے)۔

نبی کریم ﷺ نے حدیث کو یاد رکھنے والے کے لیے تروتازگی کی دعا فرمائی۔ ارشاد ہے:

”نضر الله عبدا سمع مقالتي ووعاها واداءها، فرب حامل فقه غير فقيهه ورب حامل فقه الى من هو افقه منه“ (۱۳۰) (اللہ تعالیٰ اس بندے کو تروتازہ رکھے جس نے میری حدیث سنی اور اسے یاد کیا اور اسے (آگے) ادا کیا، پس کئی حاملین علم غیر فقیہ ہوتے ہیں اور کئی اپنے سے زیادہ فہم والوں کو علم پہنچاتے ہیں)۔

حدیث وسنت کی اہمیت کے پیش نظر محدثین کرام نے تدوین حدیث کا کام بے حد محنت و لگن سے سرانجام دیا۔ اخذ و روایت حدیث میں ایسی احتیاط و اہتمام کا ثبوت دیا کہ امت مسلمہ سے قبل اس قسم کی منظم و مربوط علمی کاوش اہل ارض نے نہ دیکھی تھی۔ چنانچہ امام ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں: نقل الثقة عن الثقة مع الاتصال حتى يبلغ النبي ﷺ، خص الله به المسلمين دون سائر المللكها (۱۳۱) (ثقة راوی کا ثقة راوی سے اتصال سند کے ساتھ نقل کرنا حتیٰ کہ نبی ﷺ تک سند کا پہنچنا، اس کام میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو تمام امتوں میں نمایاں مقام دیا ہے)۔

علوم اسلامیہ میں یہ سلسلہ اسناد و معیار رواۃ کا اہتمام تدوین حدیث کی ضرورت و اہمیت کی عکاسی کرتا ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے بھی امت مسلمہ کے اس اختصاص کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے:

”نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری، نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال و اعظم الشان فن ایجاد کیا ہے، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ فصوص کا حال معلوم ہو سکتا ہے (۱۳۲)۔“

حدیث وسنت، ملت اسلامیہ کی وحدت کا ذریعہ

احادیث رسول و نبیہ میں اختلاف اور افتراق کو ختم کرنے کا واحد ذریعہ ہیں۔ اگر حضور ﷺ کے ارشادات اور سنن کو ترک کر دیا جائے تو قرآن مجید کی تفسیر و تعبیر اور اسلام کی عملی صورت کے متعلق بے شمار بنیادی و اصولی اختلافات وجود میں آجائیں گے۔

قرآن مجید میں اختلافات کی صورت میں رجوع الی اللہ و الرسول کا حکم ان الفاظ میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (۱۳۳) (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام بہت اچھا ہے)۔
 مفتی محمد عبدہ فرماتے ہیں: اس (آیت) سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی طرح رسول اللہ ﷺ کی حدیث بھی اسلامی قانون کا مستقل ماخذ ہے (۱۳۳)۔

امت اسلامیہ میں افتراق و اختلاف کے عود کر آنے کا ذکر کرتے ہوئے ساتھ ہی آپؐ نے اس کا تذکرہ بھی بیان فرمایا: چنانچہ حدیث شریف میں ہے: أَوْصِيَكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنَّ عِبَادًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مِنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسِيرِي اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهَدِّدِينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا، وَعُضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمَحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بَدْعَةٌ وَكُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (۱۳۵) (میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے، اپنے امیر کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ تمہارا امیر کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو) اور یاد رکھو (جو لوگ تم میں سے میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھیں گے۔ ایسے وقت میں میری سنت کو لازم پکڑنا، اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقے پر قائم رہنا اور مضبوطی سے اس پر جم جانا۔ دین میں نئی نئی باتوں (بدعتوں) سے بچنا دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور یہ بدعت گمراہی ہے)۔

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے ایک تو امت میں اختلافات کے خدشے کا اظہار کیا اور دوسرے اختلافات کو ختم کرنے کا طریقہ بتلایا۔ آپ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کی زد سے دراصل اختلافات و افتراقات کا خاتمہ اجاب سنت نبوی و سنت خلفاء سے ہی ممکن ہے۔ آپ کا بتلایا ہوا یہ اصول گویا ایک قابل عمل اور آسان حل ہے۔ اسے نسخہ کیسیا سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

اسلامی تہذیب و ثقافت کی اساس

قرآن مجید کی تفسیر و توضیح اور احکام قرآنی کی عملی تصویر آپ کی سیرت طیبہ ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت تمام شعبہ ہائے زندگی کے لیے مکمل رہنما ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۱۳۶) (بے شک تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے)۔

گویا اہل اسلام کے لیے لازم ہے کہ وہ عبادات، معاملات، معاشیات، سیاسیات، اخلاقیات غرضیکہ ہر کام میں اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع کریں۔ نبی اکرم ﷺ کی زندگی تمام انسانوں کے لیے اور تمام زمانوں کے اسوہ حسنہ اور ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔ بعض صحابہؓ نے بظاہر نیکی میں سب سے مبارک سے اعراض کرتے ہوئے شوقِ عبادت میں زیادہ رغبت کا اظہار کیا جیسے کہ حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے کہا میں شادی نہیں کروں گا، دوسرے نے کہا کہ میں ساری رات نفل قیام کیا کروں گا، تیسرے نے کہا کہ میں بلاناغہ (نفلی) روزے رکھوں گا، ان صحابہ کی یہ باتیں سن کر آپ سخت ناراض ہوئے۔ اور فرمایا: انتم الذین قلتم کذا وکذا، اما واللہ انی لا خشاکم للہ و اتقاکم لہ لکنی اصوم و افطر و اصلی و ارقد و اتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی (۱۳۷) (کیا تم نے ایسا ایسا کیا ہے؟ فرمایا: اللہ کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں، لیکن میں روزہ رکھتا ہوں، ترک بھی کرتا ہوں، رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، عورتوں سے نکاح بھی کیے ہیں (یاد رکھو) جس نے میری سنت سے منہ موڑا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی اتباع سے ہی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ممکن ہے۔ آپؐ نے اپنے صحابہ و اراستی لوگوں کو سنت کی پیروی کرنے کی سخت تاکید فرمائی نیز سنت سے گریز کرنے والوں کو سخت ڈانٹ پلائی۔

محدثین کرام نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر سیرت نبوی کے تمام گوشوں کو محفوظ کر دیا۔ نیز نبی اکرم ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ عظام کی پاکیزہ زندگیوں کے احوال بھی کتب حدیث و سیر

میں مدون و مرتب ہیں۔ اس طرح عہد نبوی و عہد صحابہ کی سیاسی، معاشرتی و معاشی سرگرمیوں سے مکمل آگاہی حاصل کرنے کا اصل ماخذ کتب حدیث ہیں۔

احادیث میں آپ کی سنن، تقریرات، احکام نیز صحابہ کرامؓ کے تعلیم نبوی پر عمل کے نمونے مذکور ہیں۔ گویا سنت نبوی و سنت خلفاء راشدین تک رسائی اور ان کے مطابق جدید تہذیبی و ثقافتی اقدار و رجحانات کو بدلنے کے لیے امت مسلمہ کے پاس بے مثال علمی ذخیرہ حدیث و سنن کی کتب میں میسر ہے۔ حدیث کی مشہور ترین کتاب صحیح البخاری کا نام مذکورہ بالا امر کی عکاسی کرتا ہے۔ یاد رہے بخاری شریف کا پورا نام ”الجامع الصحيح المسند المختصر من امور رسول اللہ ﷺ و سنتہ و ایامہ ہے۔

حدیث و سیرت رسول کا تدوینی اعجاز

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو خاتم النبیین و سید الرسل کا شرف بخشا، آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ کو تکمیل دین کا اعزاز بھی عطا فرمایا۔ دین اسلام کے دو بنیادی وصف ایسے ہیں جن میں دوسرا کوئی دین و مذہب کسی طرح بھی اس دین کا شریک و ہم نیم نہیں۔ ایک تکمیل دین، دوسرے حفاظت و تدوین کا پہلو۔

مسلمانوں کو اپنے دین کے ان نمایاں اوصاف پر بجا طور پر خوشی اور فخر ہے کہ ان کا دین مکمل اور محفوظ ہے۔ البتہ بعض کج رو اور گمراہ لوگ اسلام کی اس خوبی کو مشکوک بنانے کی ناکام سعی کرتے ہوئے گمان کرتے ہیں کہ وہ روشن خیال اور جدت پسند ہیں۔ انکار حدیث کا ایک بہانہ حدیث و سنت کے تدوینی پہلو کا بھی ہے۔ مگر یہ لوگ اپنے ہم صف و ہم مشرب غیر مسلم قائدین اور ان کی سیر کے تدوینی احوال کے مقابلے میں حدیث و سیرت نبوی کی حفاظت و اشاعت کے بے مثال و سنہری کارنامے کا امتیازی پہلو بھلا بیٹھے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی نے سیرت نبوی کے تدوینی وصف کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے۔ موصوف کے تجزیے سے استفادہ پیش خدمت ہے: ”جناب مسیح کی ۳۳ سالہ زندگی میں سے صرف تین برس کے حالات معلوم ہیں۔ فارس کے حملانی دین صرف شاہنامہ کے ذریعہ روشناس ہیں۔ ہندوستان کے

بغیر افسانوں کے حجاب میں گم ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت آج جو کچھ معلوم ہے اس کا ذریعہ صرف موجودہ تورات ہے، جو موسیٰ کے ۳۰۰ برس بعد عالم وجود میں آئی، یہ قدرت کی طرف سے اشارہ تھا کہ ان کے کارنامے اور اصول تعلیم ابدی نہ تھے۔ اس لیے نقل و روایت کے آئینہ میں جس قدر ان کا نام تمام عکس اتر اس سے زیادہ ضروری بھی نہ تھا“ (۱۳۸)۔

حیات مسیح کے تین برس کے حالات کی علامہ شبلی صاحب کی تحقیق کے برعکس انسائیکلو پیڈیا بریٹیکا میں اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی زندگی کے صرف پچاس دن کا ریکارڈ ہمارے پاس موجود ہے (۱۳۹)۔

علامہ موصوف سیرت نبویؐ کی خوبی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: دوسری طرف وسعت اور تفصیل کے لحاظ سے یہ حالت ہے کہ اقوال و افعال، وضع و قطع، شکل و شباہت، رفتار و گنتا، مذاق طبیعت، انداز گفتگو، طرز زندگی، طریق معاشرت، کھانے پینے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، ہنسنے بولنے کی ایک ایک ادا محفوظ رہ گئی، تو اس سوال (کہ کسی شخص کی زندگی / سیرت محفوظ ہے؟) کے جواب میں صرف ایک صدمہ بلند ہو سکتی ہے (عمر عربی رحمہ اللہ فدیۃ ہابی دای) (۱۴۰)۔

یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت، حدیث و سنت کی تدوین و تحفیظ بہترین طور پر ہوئی جو کہ درحقیقت فنائت الہی تھا کہ حضور سرور کونین کی زندگی قیامت تک آنے والے اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والوں کے لیے کامل نمونہ ہے جیسا کہ قرآن مجید کا فرمان ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ
الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (بے شک تمہارے لیے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ
ہے۔ ہر اس انسان کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی توقع رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرتا ہے)۔

خلاصہ بحث

زیر بحث مضمون میں ضرورت و اہمیت حدیث کے بعض پہلو بیان کیے گئے ہیں۔ حدیث و سنت کی حجیت پر اجماع امت ہے۔ قرآن و سنت کی تعلیمات اس مؤقف پر شاہد عدل ہیں۔ حجیت حدیث اور منکرین کے اعتراضات کا جائزہ بواہم اور تفصیل طلب موضوع ہے۔ محترم ڈاکٹر خالد ظفر

اللہ رندھاوا حفظہ اللہ تعالیٰ نے برصغیر میں حجیت حدیث پر لکھے جانے والے لٹریچر کی ایک جامع فہرست اپنے مضمون ”برصغیر میں حجیت حدیث پر تجزیاتی لٹریچر“ فکر و نظر جلد نمبر ۳۷ شمارہ نمبر ۴، اپریل جون ۲۰۰۰ء ص ۱۲۳-۱۵۴ میں دی ہے۔ نیز منکرین حدیث کے افکار اور اس کے جائزہ پر مبنی لٹریچر پر بھی ”برصغیر میں افکار حدیث کا لٹریچر“ کے عنوان سے ایک بہت اچھی فہرست مرتب کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا مقالہ ماہنامہ ”محدث“ لاہور کی اشاعت خاص ”فتنہ افکار حدیث“ اگست، ستمبر ۲۰۰۲ء میں سترہ صفحات (صفحہ نمبر ۲۲۱ تا ۲۳۷) پر شائع ہوا۔ تفصیلی مطالعہ اور تنقیدی جائزہ فتنہ افکار حدیث کے لیے مذکورہ مقالے مفید ثابت ہوں گے۔ اس کتاب میں مقالہ فتنہ افکار حدیث ملاحظہ کریں۔

کتابت حدیث

ارشادات نبوی ﷺ کی روشنی میں حکم کتابت اور منع کتبت حدیث میں تطبیق

حدیث رسول ﷺ شریعت اسلامیہ کا دوسرا قانونی ماخذ ہے۔ قرآن مجید پڑھنے سے کئی مقامات پر حدیث رسول ﷺ کی اہمیت کا علم ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی طرح اس کی حیثیت بھی مسلم ہے۔ اس کا انکار گویا قرآن مجید کا انکار ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”ويعلمهم الكتاب والحكمة“ (وہ انہیں کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں) (۱۳۲)۔

حکمت سے یہاں حدیث رسول ﷺ ہی مراد ہے۔ اکثر آئمہ حدیث اور علمائے سلف نے یہی مراد لی ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ اپنی کتاب ”الرسالہ“ میں لکھتے ہیں: ”ففرض اللہ علی الناس اتباع وحیہ وسنۃ رسولہ فقال فی کتابہ: ربنا وابعث فیہم رسولاً منہم یتلوا علیہم ایتک ویعلمہم الكتاب والحكمة ویزکیہم انک انت العزیز الحکیم..... فنکر اللہ الكتاب وهو القرآن، وذكر الحکمة، فسمعت من أَرْضی من أهل العلم بالقرآن یقول: الحکمة، سنۃ رسول اللہ“ (۱۳۳) (اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر وحی کی اطاعت فرض کی ہے اور آنحضرت ﷺ کی سنت کی اتباع ضروری قرار دی ہے۔ آیت قرآنی ”ربنا وابعث فیہم رسولاً.....“ (یہاں امام صاحب نے سات آیات ایسی درج کی ہیں جن میں حکمت کا لفظ بیان ہوا ہے) میں اللہ تعالیٰ نے جس کتاب کا ذکر کیا ہے وہ قرآن مجید ہے اور حکمت کا ذکر فرمایا۔ میں نے قرآن کا بہت زیادہ علم رکھنے والوں سے سنا ہے۔ کہتے تھے کہ یہاں حکمت سے مراد آنحضرت ﷺ کی سنت (حدیث) ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا: ”وما یَنطِق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی“ (۱۳۴) (وہ اپنی مرضی سے نہیں بولتے وہ تو ایک پیغام ہے جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے)۔ ایک ارشاد یہ ہے: ”وما اَتکم الرسول فخذوه وما نہاکم عنہ فانتهوا“ (۱۳۵) (اور جو کچھ رسول تمہیں دیں

اسے لے لو اور جس چیز سے تم کو منع کریں رک جاؤ۔ اس قسم کی کئی اور آیات قرآنی سے احادیث رسول ﷺ کی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

مگر میں احادیث رسول ﷺ نے کئی انداز سے احادیث رسول ﷺ پر تنقید کی ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خود احادیث کو لکھنے سے منع فرمایا تھا۔ حالانکہ آپ ﷺ نے منع فرمایا تھا تو وہ بھی احادیث ہیں، ان احادیث کی حیثیت کیا ہوگی۔ انہیں کیونکر تسلیم کر لیا جاتا ہے؟ سچ ہے۔

”دروغ گور حافظہ باشد“

محمد ثنین عظام اس بات کے قائل ہیں کہ احادیث کی کتابت آنحضرت ﷺ کے دور میں اور آپ ﷺ ہی کے حکم سے شروع ہو گئی تھی۔ اس مضمون میں پیغمبر اسلام ﷺ کے کراہت کتابت حدیث اور اباحہ کتابت حدیث سے متعلق ارشادات درج کیے گئے ہیں اور ان پر فنی نگاہ سے بحث کر کے دونوں حکموں میں تطبیق دی گئی ہے۔ سب سے پہلے ہم وہ احادیث درج کرتے ہیں جن میں کتابت کے بارے میں کراہت پائی جاتی ہے۔

حدیث ابوسعیدؓ

۱۔ ”عن ابی سعید الخدری أن رسول الله ﷺ قال: ”لا تكتبوا عني غير القرآن ومن كتب عني غير القرآن فليمح به ولا حرج ومن كذب على - قال همام احسبه قال متعمدا - فليتبوا مقعده من النار“ (۱۳۶) (حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھ سے سن کر قرآن کے علاوہ اور کوئی چیز نہ لکھو۔ جس کسی نے قرآن کے علاوہ کوئی چیز لکھی ہو وہ مٹا دے۔ حرام کا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے متعمداً فرمایا یعنی جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا، تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔)

حدیث کی دیگر کتب میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہ حدیث ہے: ”لا تكتبوا عني شيئا إلا القرآن فمن كتب عني شيئا غير فليمح به“ (مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ نہ لکھو، جس نے کچھ لکھا ہو وہ مٹا دے)۔ داری کے اصل الفاظ ”شيئا غير القرآن فليمح به“

ہیں (۱۳۷)۔

عدم کتبہ حدیث کی سب سے بڑی دلیل مندرجہ بالا حدیث ہے۔ امام بخاریؒ اور دیگر محدثین اس کو حضرت ابوسعید خدریؓ کا قول بتاتے ہیں۔ فتح الباری میں ہے: ”منہم من اعل حدیث ابی سعید وقال الصواب وقفہ علی ابی سعید“ قالہ البخاری“ (۱۳۸) (کچھ لوگوں نے حدیث ابی سعیدؓ کو مطول قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ ابی سعیدؓ پر موقوف ہے یہ بات امام بخاریؒ نے کہی ہے)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے۔ اگر بالفرض یہ بات نہ ہو تو بھی الفاظ حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مطلب ہے قرآن کے ساتھ کسی بھی چیز کو ملا کر نہ لکھا جائے تاکہ غلط ملط نہ ہو جائے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں حضرت ابوسعیدؓ سے مروی دیگر احادیث بھی بیان کر دی جائیں۔

۲۔ ”عن ابی سعید قال استاذنا النبی ﷺ فی الکتابۃ فلم یأذن لنا وقد روى هذا الحدیث من غیر هذا الوجه عن زید بن اسلم“ (۱۳۹) (حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ ہم نے آنحضرت ﷺ سے لکھنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے اجازت نہ دی۔ اس کے علاوہ یہ حدیث اور سند کے ساتھ زید بن اسلمؓ سے بھی مروی ہے)۔

یہی حدیث اور مقام پر الفاظ کے اختلاف کے ساتھ حضرت ابوسعیدؓ ہی سے مروی ہے کہ: ”انہم استاذنوا النبی ﷺ فی ان یتکتبوا عنہ فلم یأذن لہم“ (۱۴۰) (آنحضرت ﷺ سے انہوں نے لکھنے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت نہ دی)۔

داری کے حاشیہ پر اس کے متعلق لکھا ہے: ”وقد قیل انما نہی ان یتکتب الحدیث مع القرآن فی صفحۃ واحدة فیختلط بہ فیشتبہ“ (۱۴۱) (حدیث کو قرآن مجید کے ساتھ ایک ہی صفحہ پر لکھنے سے منع فرمایا تاکہ اشتباہ پیدا نہ ہو جائے)۔

علامہ خطابی نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: ”اتّما نہی ان یتکتب الحدیث مع القرآن فی صفحۃ واحدة للّا یختلط بہ ویشتبہ علی

القاری“ (۱۵۲) (ایک صفحہ میں قرآن کے ساتھ حدیث لکھنے سے اس لیے منع فرمایا تاکہ التباس نہ ہو اور قاری پر مشتبہ نہ ہو)۔ خود حضرت ابوسعیدؓ نے ابونضرہ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ایک دفعہ فرمایا: ”قال اردنم ان تجعلوه قرآنا؟ لا لا“ (۱۵۳) (کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم اسے قرآن بنا لو؟ نہیں، نہیں؟)

ابن عبد البر نے ایک اور روایت ابونضرہؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت ابوسعیدؓ سے کہا، جو کچھ ہم آپؓ سے سنتے ہیں اس کو لکھ لیا کریں؟ تو آپؓ نے فرمایا: ”اتريدون ان تجعلوها مصاحف“ (۱۵۴) (کیا تم اس کو مصاحف بنانا چاہتے ہو)۔

علوم الحدیث کے حاشیہ پر حدیث ابوسعیدؓ پر تبصرہ اس طرح کیا گیا ہے کہ: ”فاحسبه انه كان ممنوعاً اول الهجرة وحين كان لا يؤمن الاشتغال به عن القرآن“ (۱۵۵) (میرا خیال ہے کہ آغاز ہجرت میں ممنوع تھا بالخصوص اس وقت جب کہ اس میں لگ کر قرآن سے ہٹ جانے کا امکان تھا)۔ ایک اور روایت میں ان احادیث کی مزید وضاحت کی گئی ہے کہ ممانعت اس وجہ سے تھی کہ قرآن مجید کے ساتھ اختلاف حدیث نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اس وقت تشریف لائے جب ہم آپ ﷺ کی باتیں لکھ رہے تھے۔ فرمایا: ”کیا لکھ رہے ہو؟“ ہم نے کہا، وہ باتیں جو ہم نے آپ ﷺ سے سنی ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم کتاب اللہ کے سوا کوئی اور کتاب چاہتے ہو؟ تم سے پہلی امتوں کو اس کے سوا کسی چیز نے نہیں گمراہ کیا کہ انہوں نے کتاب اللہ کے ساتھ دیگر کتابیں بھی لکھ لیں (۱۵۶)۔“

صحیفہ ہمام بن منہ کے مقدمہ میں ڈاکٹر حمید اللہ نے بھی اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے کہ یمن سے نو مسلموں کی جماعت آئی۔ ان میں سے کچھ نے احادیث کو اپنے ان اوراق پر لکھ لیا جن پر قرآن مجید کی سورتیں لکھی تھیں، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کے علاوہ (جو کچھ لکھا ہے) اس کو مٹا دو۔ یہ بات واضح ہی ہے کہ نو مسلم لوگ اس اختلاف سے الجھ جاتے ہیں (۱۵۷)۔

علاوہ ازیں حضرت ابوسعیدؓ کی حدیث پر اور بھی کئی طرح سے تبصرہ کیا گیا ہے۔ مثلاً اہل عرب کا حافظہ بہت معروف تھا۔ اس وجہ سے اس شخص کو لکھنے سے روکا جس کے حافظے پر اعتماد تھا۔ ہم اس

حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیں کہ بعض محدثین کے نزدیک یہ منسوخ ہے (۱۵۸)۔

علامہ احمد شاہ کرنے بھی حدیث ابی سعیدؓ کو بالکل ابتدا میں بیان کرتے ہوئے کتابت کے متعلق لکھا ہے کہ پوری امت کا مجتمع ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ فیصلہ یہی ہے اور تو اترے ثابت ہے، اگر حدیث ابی سعیدؓ (کتابت) احادیث کے بعد ہوتی تو تمام صحابہؓ کو پتہ ہوتا (۱۵۹)۔

حدیث حضرت زید بن ثابتؓ پر تبصرہ

”حدثنا نصر بن علی نا ابو احمد نا کثیر بن زید عن المطلب بن عبد اللہ بن حنطب قال: دخل زید بن ثابت علی معاویۃ فسأله عن حدیث، فامر انسانا ینکته، فقال له زید: ان رسول اللہ امرنا ان لا نکتب شیئا من حدیثہ فمحاہ“ (۱۶۰) (حضرت زید بن ثابتؓ حضرت معاویہؓ کے پاس گئے۔ انہوں نے زیدؓ سے کسی حدیث کے متعلق پوچھا اور کسی آدمی کو حکم دیا کہ وہ لکھے۔ حضرت زیدؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اپنی احادیث لکھنے سے منع فرمایا ہے۔ تو اُس نے ان کو مٹا دیا)۔

یہ روایت صحیح نہیں ہے اس میں کثیر بن زیدؓ پر کلام کیا گیا ہے (۱۶۱)۔ اس کے علاوہ مطلب بن عبد اللہؓ آنحضرت ﷺ سے مرسل روایات بیان کرتا ہے۔ حالانکہ اس کی ملاقات آنحضرت ﷺ سے نہیں ہوئی۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے: ”کثیر التذلیس والارسال من السابعة“ (۱۶۲) (کثرت سے تدلیس کرنے والا اور مرسل روایت کرنے والا اور طبقات کے چوتھے درجے سے ہے)۔

اس حدیث پر مزید تبصرہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ اس میں دو راویوں پر کلام کیا گیا ہے۔ لہذا یہ صحیح نہیں ہے۔ جب احادیث بیان کرنے والے ہی اس حدیث کو قائل اعتبار نہیں سمجھتے تو اور کسی کو کیا حق حاصل ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی حدیث پر تبصرہ

”عن الاسود بن قیس قال سمعت سعید بن عمرو بن سعید انہ سمع ابن عمر یحدث عن النبی قال: انا امة امیة لا نکتب ولا نحسب، الشہر ہکذا

وہكذا وعقد الابهام فى الثالثة“ (۱۶۳) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہم انہی (ان پڑھ) اُمت ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں۔ مہینہ (الگلیوں کے اشارے سے) اس طرح، اس طرح اور اس طرح ہے اور تیسری دفعہ اگلوٹھے کو بند کر لیا (۲۹ دن کی طرف اشارہ کیا)۔

اس حدیث کا کتب حدیث کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ اس کو اگر کتب حدیث پر لاگو کیا جائے تو قرآن مجید کی کتابت پر بھی اس کا اطلاق ہوگا۔ اصل میں یہاں آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ ہمارے ہاں لکھنے کا رواج کم ہے۔ ہم مہینے کے دنوں کی گنتی اس طرح سے الگلیوں پر کر لیتے ہیں۔ زیادہ تر عرب لوگوں کا رحمان حافظ پر تھا۔ گھوڑوں کی نسلوں کے ان کو نسب یاد ہوتے تھے۔ لکھنے کو وہ انسان کے حافظے کی کمزوری کی علامت سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کی ضرب العقل تھی: ”العلم فى الصدور ليس فى السطور“ (اصل علم تو سینوں میں ہے، تحریر میں نہیں)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے عمر بن ابی ربیعہ کا قصیدہ اس سے ایک دفعہ سن کر یاد کر لیا تھا جس کے اتنی شعر تھے (۱۶۳)۔

قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کو نبی الائی کا لقب دیا ہے (۱۶۵) اور ”بعث فى الامیین رسولاً“ کہا ہے (۱۶۶)۔ لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ کے پاس کا مہینہ وحی موجود تھے جن سے آنحضرت ﷺ خود قرآن مجید لکھوایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل ہی عرب میں لکھنے کا رواج شروع ہو گیا تھا۔ یوں معلوم ہوا کہ یہ حدیث کتابت سے متعلق نہیں بلکہ ویسے مہینے کے دنوں کی گنتی کے متعلق ہے۔ اس کو کسی محدث نے بھی کتب حدیث میں درج نہیں کیا۔

حدیث حضرت ابو ہریرہؓ

”عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ: لا تکتبوا عنی الا القرآن فمن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ، وحدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج رواہ البزار وفيہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم وهو ضعيف“ (۱۶۷) (حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ نہ لکھو، جس نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہو وہ مٹا دے۔ بنی اسرائیل سے بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس کو بزار نے روایت

کیا ہے۔ اس میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم ضعیف ہیں۔

اس حدیث کی صحت پر مزید جرح کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ اس میں ایک راوی ضعیف ہے۔ جس کی نشاندہی خود علامہ بیہقی نے کر دی ہے۔ تاہم اس پر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ یہ اس لیے ہے کہ قرآن کے ساتھ التباس نہ ہو۔ جس طرح کہ پہلے حضرت ابوسعیدؓ کی حدیث لکھی جا چکی ہے۔ اس میں مطلق ممانعت نہیں بلکہ عام لوگوں کو روکا گیا ہے۔ جب کہ خاص لوگوں کو اجازت دی گئی ہے۔

”عن ابی سعید یعنی الخدری قال: کنا قعوداً نکتب ما نسمع من النبی ﷺ فخرج علينا فقال: ما هذا تکتبون فقلنا ما نسمع منك فقال: اکتب مع کتاب اللہ امحضوا کتاب اللہ وأخلصوه قال فجمعنا ما کتبتناہ فی صعید واحد ثم احترقناہ بالنار، فقلنا: ای رسول اللہ ﷺ نحدّث عنک؟ قال: نعم تحدّثوا عنی ولا حرج، ومن کذب علیّ متعمداً فیلتبوا مقعده من النار۔ رواہ احمد وفیہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم وهو ضعیف“ (۱۶۸) (حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ سے جوستے تھے اس کو بیٹھ کر لکھ رہے تھے، آپ ﷺ تشریف لائے تو پوچھا ”یہ کیا لکھ رہے ہو؟ ہم نے کہا ”جو کچھ آپ ﷺ سے سنتے ہیں“۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ اور کتاب لکھتے ہو؟ اللہ کی کتاب کو خالص رکھو“۔ حضرت ابوسعیدؓ نے کہا۔ ”اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم سے آپ ﷺ بیان کریں؟“ فرمایا: ”ہاں مجھ سے بیان کرو کوئی حرج نہیں۔ جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے“۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اس کو روایت کیا ہے۔ اس میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم ضعیف ہیں۔

مذکورہ ضعف کی بنا پر اس پر تبصرہ مناسب نہیں۔ تاہم حضرت ابوسعیدؓ کی حدیث گزر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عام لوگوں کو قرآن کے ساتھ لکھنے سے منع فرما دیا تھا تا کہ التباس نہ ہو۔ لیکن جب اس التباس کا خدشہ نہ رہا تو اجازت دے دی۔ مقدمہ ابن الصلاح میں اس طرح ہے: ”ولعلہ صلی اللہ علیہ وسلم اذن الکتابۃ عنہ لمن خشی علیہ التّسیان ونہی عن الکتابۃ عنہ من وثق بحفظہ مخافۃ الاتکال علی الکتاب، او نہی عن کتابۃ ذلک عنہ حین

خاف علیہم اختلاط ذلك بصحف القرآن العظيم واذن فی کتابتہ حین امن من ذلك“ (۱۶۹) امکان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو کتابت کی اجازت دی جس کو بھول جانے کا خوف تھا اور اس کو لکھنے سے منع فرمایا جس کے حافظے (یاد کرنے کا) کا آپ ﷺ کو یقین تھا۔ تاکہ وہ صرف کتابت پر بھروسہ نہ کرے یا اس کو لکھنے سے روکا جس کے متعلق ڈر تھا کہ وہ قرآن مجید کے صحائف کے ساتھ اختلاط نہ کر دے اور اس وقت لکھنے کی اجازت عنایت فرمائی جب اس بات سے بے غمی ہوئی۔

اب ہم ان چند احادیث کا جائزہ لیتے ہیں جن میں احادیث کی کتابت کا حکم ہے یا جن کی آنحضرت ﷺ کے سامنے کتابت ہوئی اور آپ ﷺ نے اسے مستحسن قرار دیا:

۱۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ خزاعہ نے فتح مکہ کے سال اپنے ایک مقتول کے بدلے میں بنو لہب کا ایک آدمی قتل کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کو اس کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے اپنی سواری پر سوار ہو کر خطبہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ سے قتل یا (اصحاب) قتل کو روک لیا (راوی کو شک ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قتل کا لفظ استعمال کیا یا قتل کا) رسول اللہ کو اور اہل ایمان کو اہل مکہ پر مسلط کر دیا۔ حرم کو نہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال کیا گیا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال کیا جائے گا۔ میرے لیے دن کے چند گھنٹوں کے لیے حلال کیا گیا اور پھر حسب سابق حرام ہو چکا ہے۔ حدود حرم میں نہ کائناتوں کو توڑا جائے، نہ درختوں کو کاٹا جائے۔ نہ یہاں کی گری ہوئی چیز اٹھائی جائے البتہ اس شخص کو اجازت ہے جو گری ہوئی چیز کو شہرت دینا چاہتا ہو (لوگوں کو بتائے تاکہ مالک لے لے)۔ جس قوم کا کوئی شخص مارا جائے اس کو دو ہاتھوں میں سے ایک کا اختیار ہے یا تو قاتلوں سے قصاص لے یا دیت لے۔ اس پر اہل یمن میں سے ایک شخص ابو شاہ نے عرض کیا: ”اكتب لى يا رسول الله“ [اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ (یہ باتیں) میرے لیے لکھ دیجیے]۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اكتبوا لابی شاہ“ (ابو شاہ کو لکھ دو)۔

حضرت عباسؓ نے کہا صرف اؤخر (گھاس کے کاٹنے) کی اجازت دے دیں، اس کو ہم گھروں اور قبروں میں استعمال کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔

امام اوزائیؒ سے ”اكتب لی یا رسول اللہ ﷺ“ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ: ”هذه الخطبة التي سمعها من رسول الله ﷺ“ (یہ وہ خطبہ ہے جو آنحضرت ﷺ سے انہوں نے سنا تھا)۔ یہ حدیث امام بخاریؒ نے کتاب العلم اور کتاب اللغۃ دونوں میں کچھ تغیر الفاظ سے لکھی ہے۔ دونوں کو ملا کر یہاں درج کیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس حدیث پر تبصرہ یوں کیا ہے: ”بهذا تظهر مطابقة هذا الحديث للترجمة“ (۱۷۱) (اس سے اس حدیث کے باب سے مطابقت ظاہر ہوتی ہے)۔ اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے برصغیر پاک و ہند کے معروف محدث، صاحب تحفۃ الاحوذی، مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ لکھتے ہیں: ”هذا دليل صريح على جواز كتابة الحديث“ (۱۷۲) (یہ کتب حدیث کے جواز پر صریح دلیل ہے)۔

یہ حدیث صحیحین کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں بھی ہے مثلاً ابوداؤد، السنن اور جامع بیان العلم (۱۷۳) اور اس میں آنحضرت ﷺ کا دیگر صحابہؓ کو یہ حکم کہ ”ابوشاہ کو لکھ دیں“ اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اگرچہ ابتداء میں قرآن مجید سے استہاء کی بنا پر کتابت حدیث سے روکا تھا لیکن بعد میں اجازت دے دی تھی۔ سنہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا یہ اُس کے بعد کا واقعہ ہے۔ گویا یہ عدم کتابت کی اجازت کے بعد کا ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: ”ما من اصحاب النبي احد اكثر حديثا مني الا ما كان من عبد الله بن عمر فانما كان يكتب ولا اكتب“ (حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے علاوہ کوئی اور صحابی مجھ سے زیادہ حدیثیں بیان نہ کرتا۔ وہ لکھتے تھے میں نہیں لکھتا تھا)۔ یہ حدیث بھی دیگر کتب احادیث میں ہے۔ سنن ترمذی کے یہ الفاظ ہیں: ”وكننت لا اكتب“ ”هذا حديث حسن صحيح“ (۱۷۵) (میں نہیں لکھتا تھا یہ حدیث حسن صحیح ہے)۔

علاوہ ازیں سنن داری، جامع بیان العلم اور شرح السنن میں بھی ہے (۱۷۶)۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ کتب حدیث آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے صحابی لکھتے تھے۔ ممانعت ہوتی تو آنحضرت ﷺ منع فرما دیتے جب کہ

یہاں لکھنے کی صراحت موجود ہے۔

فتح الباری میں اس حدیث کے متعلق یوں لکھا ہے کہ: (یہ روایت صحیح مسلم والی ابوسعید کی روایت کے متعارض ہے۔ ان میں تطبیق اس طرح سے ہے کہ نبی نزول قرآن کے (دوران) التباس کی وجہ سے کی گئی ہے۔ التباس کا خطرہ نہ رہا تو اجازت دے دی۔ یا ایک صفحہ پر قرآن مجید کے ساتھ کسی چیز کے لکھنے سے نفی خاص ہے اور اجازت الگ تھی۔ یا نبی مقدم ہے اور اذن ناخ ہے۔ یا نبی اس کے لیے ہے جو صرف کتب حدیث پر لکھ کرے اور حفظ کو چھوڑ دے، دوسرے کو اجازت ہے۔ روایت ابوسعید موقوف بھی کہا گیا ہے) (۱۷۷)۔

صحیح بخاری کے علاوہ دیگر حدیث کی کتابوں میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے اسی طرح کی حدیثیں بیان کی گئی ہیں جو اس موقف کو مزید تقویت دیتی ہیں۔ اگرچہ اس کی اپنی حیثیت بھی مسلم ہے۔

۲۔ حدیث ابی حنیفہؒ

”عن ابی حنیفۃ قال قلت لعلیٰ هل عندکم کتاب؟ قال: لا، الا کتاب اللہ، او فہم اعطیہ رجل مسلم، او ما فی ہذہ الصحیفۃ، قال: قلت: وما فی ہذہ الصحیفۃ؟ قال: العقل، وفکاک الاسیر ولا یقتل مسلم بکافر“ (۱۷۸) (حضرت ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علیؑ سے پوچھا، ”کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے؟ تو حضرت علیؑ نے کہا نہیں۔ لیکن اللہ کی کتاب یا فہم جو مسلمان آدمی کو قتل جائے یا جو اس صحیفہ میں ہے۔ میں نے پوچھا اس صحیفہ میں کیا ہے؟ حضرت علیؑ نے کہا، دیت، قیدی کو آزاد کرنا اور مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کرنا۔) اس حدیث کی صحت پر بھی گفتگو کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری میں اس کا موجود ہونا اس کی صحت کی دلیل ہے۔ بخاری کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں بھی موجود ہے۔

۳۔ حضرت عائشہؓ سے آنحضرت ﷺ کی ہجرت کی حدیث مروی ہے۔ اس میں سراقہ بن مالک مدنی کا واقعہ ہے کہ اس نے آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کا تعاقب کیا۔ قریب گیا تو اس کا گھوڑا زمین میں جنس گیا۔ پھر اس نے آنحضرت ﷺ سے امان طلب کی اور امن کا خط لکھنے کو کہا،

آپ ﷺ نے عامر بن لمیرہ کو حکم دیا، اس نے چڑے کے ایک کٹڑے پر لکھ لیا۔ پھر آنحضرت ﷺ آگے تشریف لے گئے (۱۷۹)۔

یہ واقعہ مکہ اور مدینہ کے درمیان کا ہے۔ اگر کتابت کی بالکل ممانعت ہوتی تو آنحضرت ﷺ کیوں اس کو امن کا پروانہ لکھ کر دیتے؟ یہ حدیث کتابت حدیث پر صریح دلیل ہے۔ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے مراقہ بن مالک کو کسری بن ہریرہ کے نگہن پہنانے کی بھی پیش گوئی فرمائی ہے۔ جس کا ذکر کتب حدیث میں تفصیل سے ہے۔

۵۔ ”عن حذیفۃ قال قال النبی ﷺ اکتبوا لی من تلفظ بالاسلام من الناس فکتبنا له الفا وخمس مائة رجل“ (۱۸۰) (حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لوگوں میں سے جو آدمی زبان سے اسلام کا اقرار کرتا ہے، اس کا نام لکھ لو۔ تمہیں حکم میں ہم نے ایک ہزار پانچ سو (۱۵۰۰) آدمیوں کے نام لکھے)۔

یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے۔ وہاں یہ الفاظ ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے شمار کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا۔ ”اتخاف علینا ونحن ما بین الست مایۃ الی السبع مایۃ“ (۱۸۱) (آپ ﷺ ہمارے ہارے میں ڈرتے ہیں جب کہ ہم چھ سات سو تک ہیں)۔

دونوں احادیث اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں۔ مسلم شریف کی حدیث کے مطابق چھ سات سو صرف مدینہ کے آدمی تھے۔ اور پندرہ سو کی تعداد میں مدینہ کے علاوہ ارد گرد کے مسلمان بھی شامل ہیں (۱۸۲)۔ اس حدیث کی صحت کے بارے میں بھی شک کا کوئی امکان نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے لکھنے کا حکم دیا اور پھر ہاتھ اٹھادہ لکھا گیا۔ اگر ممانعت ہوتی تو نہ آپ ﷺ حکم دیتے اور نہ صحابہؓ لکھتے۔

۶۔ ”عن زید بن ثابت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرہ ان یتعلم کتاب الیہود حتی کتبت للنبی کتبہ واقراہہ کتبہم اذا کتبوا الیہ“ (۱۸۳) (حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے یہودی لکھائی (عبرانی) سیکھنے کا حکم دیا حتیٰ کہ میں نے ان کے لیے آنحضرت ﷺ کے خطوط لکھے اور جو خط وہ آنحضرت ﷺ کو لکھتے وہ انہیں پڑھ کر سنا تا)۔

آنحضرت ﷺ کے خطوط آپ ﷺ کی حدیث کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ بھی آنحضرت ﷺ

کے حکم سے ہوا۔

بخاری شریف کی حدیث کے مطابق آنحضرت ﷺ کے دور مبارک میں ہاتھ فوجیوں کے نام درج کر کے ان کو جنگوں میں لڑنے کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ یہ کام بھی آنحضرت ﷺ نے اپنی موجودگی میں کرایا۔ اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کے خطوط اور معاہدات ہیں جو آنحضرت ﷺ نے دیگر قوموں سے کیے، وہ بھی گویا آپ ﷺ کے اپنے لکھوائے ہوتے تھے۔ ممانعت کی صورت میں ان کے لکھوانے کا جواز ہی نہیں تھا۔

۷۔ ”عن ابن عباس أنه سمع النبي ﷺ يقول: لا يخلون رجلٌ بامرأةٍ ولا تسافرن امرأةٌ إلا ومعها محرّمٌ فقام رجلٌ فقال: يا رسول الله، كتبت في غزوة كذا وكذا وخرجت امرأةً حاجّةً قال: اذهب فاحج مع امرأتك“ (۱۸۳) (حضرت ابن عباسؓ نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے، کوئی آدمی کسی غیر محرم عورت سے تنہائی میں نہ ملے اور نہ اکیلی عورت سفر کرے۔ جب بھی عورت سفر کرے محرم ساتھ ہو۔ ایک آدمی کھڑا ہو گیا کہنے لگا، یا رسول اللہ میرا نام فلاں غزوہ میں درج کیا گیا ہے، اور میری بیوی حج کرنے چلی گئی۔ آپؐ نے فرمایا ”ہا اور اس کے ساتھ حج کر۔“

۸۔ حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان کی حدیث

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان دونوں سے صلح حدیبیہ کی طویل حدیث مروی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ سہیل بن عمرو قاصد قریش نے آنحضرت ﷺ سے کہا، ”ہمارے مائین آپؐ تحریر کر دیں۔“ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلایا اور فرمایا، ”لکھو۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سہیل نے کہا۔ رخصن تو اللہ کی قسم میں نہیں جانتا۔ آپؐ لکھیں ”باسمک اللہم“ اس پر مسلمانوں نے کہا، بخدا ہم تو پوری بسم اللہ لکھیں گے! لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا، لکھیں باسمک اللہم! پھر فرمایا ”هذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ“ (یہ وہ چیز ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کی) سہیل نے کہا ”اللہ کی قسم اگر ہم آپؐ کو رسول تسلیم کر لیں تو نہ ہم آپؐ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ ہی ہم آپؐ سے لڑتے۔ آپؐ محمد بن عبد اللہ لکھیں! آنحضرت ﷺ نے فرمایا! ”خدا کی قسم، میں

ضرور اللہ کا رسول ہوں۔ اگرچہ آپ لوگوں نے مجھے جھٹلایا ہے۔ لکھو: ”محمد (ﷺ) بن عبد اللہ“ (۱۸۵)۔

اس حدیث کی مزید تشریح ایک اور حدیث میں ہے: ”عن ابی اسحاق قال سمعت البراء بن عازب قال لما صالح رسول اللہ ﷺ اهل الحديبية كتب علي بينهم كتاباً ”فكتب محمد رسول الله، فقال المشركون: لا تكتب محمد رسول الله، لو كنت رسولا لم نقاتلك، فقال لعلي: امحه قال علي: ما انا... فمحا رسول الله بيده وصالحهم“ (۱۸۶) (ابی اسحاق سے روایت ہے، انہوں نے براء بن عازب سے سنا کہ جب آنحضرت ﷺ نے اہل حدیبیہ سے صلح کی تو حضرت علیؑ نے تحریر لکھی۔ انہوں نے لکھا ”محمد اللہ کے رسول ہیں“۔ مشرکوں نے کہا ”محمد رسول اللہ نہ لکھیں“۔ اگر آپ (ﷺ) رسول ہوتے تو ہم آپ (ﷺ) سے نہ لڑتے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؑ سے کہا کہ اسے مٹا دیں۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ میں اس کو نہیں مٹا سکتا۔ تب آنحضرت ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے مٹا دیا اور ان سے صلح کر لی)۔

یہ تحریر آنحضرت ﷺ نے خود اپنی موجودگی میں لکھوائی۔ اگر لکھنا ناجائز ہوتا تو آپ ﷺ صحابہ کو بتا دیجئے۔ یہ آنحضرت ﷺ کی سیاسی تحریر تھی جو اہل مکہ اور مسلمانوں کے درمیان لکھی گئی۔ قرآن کے علاوہ اگر ہر چیز کے لکھنے کی ممانعت ہوتی تو اس معاہدے کو آنحضرت ﷺ زبانی ہی رکھتے۔ یہ حدیث دیگر کتب حدیث میں بھی موجود ہے خلاصہ صحیح مسلم (۱۸۷)۔

۹۔ آنحضرت ﷺ نے جو خطوط لکھوائے ان کا ذکر بھی بخاری شریف میں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے قیصر روم کو خط لکھا۔ جس کی تحریر یہ تھی: ”بسم الله الرحمن الرحيم من محمد عبدالله ورسوله الى هرقل عظيم الزوم سلام على من اتبع الهدى: اما بعد، فاننى ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم واسلم يؤتك الله اجرک مرتين وان توليت فعليك اثم الاريسين وياهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا باننا مسلمون“ (۱۸۸) (اللہ رحمن ورحیم کے

نام کے ساتھ۔ محمد اللہ کے بندے اور رسول کی طرف سے حرقل روم کے بادشاہ کی طرف، اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی اتباع کی۔ اس کے بعد میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ سلامت رہو گے۔ اسلام لے آؤ اللہ تمہیں دوہرا اجر دے گا۔ اگر تو نے اعراض کیا تو رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا (پھر قرآن مجید کی آیت لکھی) ”اے اہل کتاب! اس ایک حکم کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے مابین مشترک ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہمارا بعض بعض کو رب نہ بنائے، پھر اگر وہ پھر جائیں تو کہہ دیجئے گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔“

اس کے علاوہ دیگر حکمرانوں کے نام بھی آنحضرت ﷺ کے خطوط ہیں۔ یہ بھی کتب حدیث کا زندہ ثبوت احادیث کی کتب میں موجود ہے (۱۸۹)۔

۱۰۔ ”عن عبد اللہ بن عمر وقال: کنت اکتب کل شیء اسمعه من رسول اللہ ﷺ، أريد حفظه فنهاني قريش وقالوا: أنكتب كل شيء تسمعه، ورسول الله ﷺ بشر يتكلم في الرضا والغضب فأمسكت عن الكتابة فنكرت ذلك الى رسول الله ﷺ فإما يصعبه إلى فمه وقال: اكتب فوالذي نفسي بيده ما يخرج منه إلّا حق“ (۱۹۰) (حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ جو چیز میں آنحضرت ﷺ سے سنا لکھ لیتا تھا۔ ان کو یاد کرنا چاہتا تھا۔ قریش کے لوگوں نے مجھے روکا اور کہا، ہر چیز جو تو سنتا ہے لکھ لیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ انسان ہیں، خوشی میں اور غصہ میں بھی بات کرتے ہیں۔ چنانچہ میں لکھنے سے رُک گیا۔ پھر میں نے اس بات کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ تو آپ ﷺ نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ”لکھو! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اس (زبان) سے صرف حق ہی نکلتا ہے۔“

یہ حدیث دیگر کتب حدیث میں بھی موجود ہے۔ مثلاً جامع بیان العلم، اور سنن داری میں یہ الفاظ ہیں: ما خرج منه إلّا حق (۱۹۱)۔ مسند احمد میں یہ الفاظ ہیں: ما خرج مني إلّا حق (۱۹۲)۔ یہ روایت کتب حدیث پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں خصوصیت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ

نے صحابی حضرت عبداللہؓ کو اس لیے اجازت دی کہ وہ دیگر کتابوں اور قرآن مجید میں فرق سمجھتے تھے۔ ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیہ نے لکھا ہے کہ یا تو اس حدیث نے عدم کتابت کو منسوخ کر دیا یا پھر حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو دیگر کتب کے ماہر ہونے کی وجہ سے اجازت دے دی: ”ان یكون خص بهذا عبداللہ بن عمرو لانه كان قارئاً للكتب المتقدمة ويكتب بالسريانية والعربية وكان غيره من الصحابة أميين لا يكتب منهم إلا الواحد والاثنان وإذا كتب لم يتقن ولم يصب التهجى فلما خشى عليهم الغلط فيما يكتبون نهاهم، ولما أمن على عبداللہ بن عمرو ذلك اذن له“ (۱۹۳) (ممکن ہے آغضو ﷺ نے عبداللہ بن عمروؓ کو خصوصی طور پر اس لیے اجازت دی ہو کیوں کہ وہ کتب سابقہ پڑھ سکتے تھے۔ اور سریانی اور عربی لکھنا جانتے تھے۔ بخلاف ان کے دیگر صحابہ میں سے صرف ایک دو ہی لکھ پڑھ سکتے تھے۔ اور اس میں انہیں پوری مہارت حاصل نہ تھی۔ حروف عجیب بھی صحیح لکھنے پر قادر نہ تھے۔ چونکہ ان کی تحریروں میں غلطی کا احتمال تھا اس لیے ان کو منع کر دیا اور حضرت عبداللہؓ کو اس لیے اجازت دی کہ یہاں اس قسم کا خدشہ نہ تھا)۔

۱۱۔ ”عن عبداللہ بن عمرو أنه أتى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله، إني أريد أن أروي من حديثك، فأردت أن أستعين بكتاب يدي مع قلبي إن رأيت ذلك، فقال رسول الله ﷺ: إن كان حديثي ثم استعين بيدك مع قلبك (۱۹۴) (حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا، ”اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر اجازت دیں میں آپ ﷺ کی احادیث بیان کرنا چاہتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ”میری احادیث کو یاد رکھنے کے ساتھ ساتھ لکھ لیا کرو“۔

یہ حدیث اوپر والی حدیث کی مکمل تائید کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خود حدیث لکھنے کی اجازت دی۔ حاکم نے اس حدیث کو بیان کر کے لکھا ہے: ”هذا حديث حسن صحيح الاسناد، أصل في نسخ الحديث يعني الكتابة عن رسول الله ﷺ“ (۱۹۵) (یہ حسن حدیث صحیح استاد کے ساتھ ہے اور اصلاً حدیث کے لکھنے یعنی رسول اللہ ﷺ سے کتابت کے بارے میں ہے)۔

۱۲۔ ”عن أبي قهيل قال سمعت عبداللہ بن عمر وقال بينما نحن حول

رسول اللہ ﷺ نکتب اذ سئل رسول اللہ ﷺ ای المدینتین تفتح أولا قسطنطنیة او رومیة؟ فقال النبی ﷺ: لا، بل مدينة هرقل أولا (ابو یسیر سے روایت ہے، میں نے عبدالرحمن بن عمرو سے سنا، انہوں نے فرمایا، ”ہم رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد لکھ رہے تھے، جب آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ”دونوں شہروں میں سے کونسا شہر پہلے فتح ہوگا، قسطنطنیہ یا رومیہ؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں، بلکہ هرقل کا شہر پہلے فتح ہوگا۔“

یہ تمام احادیث بخاری شریف کی حدیث کی تائید کرتی ہیں۔ جو حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے متعلق روایت کی ہے۔ اس لیے ان کے متعلق شک کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ، صحابہ کرامؓ کی محفل میں تشریف فرما ہوتے اور صحابہؓ آپ ﷺ کے گرد حلقہ ہاندھ کر لکھتے، آپ ﷺ لکھواتے، صحابہؓ لکھتے جاتے تھے۔ یہ الطاء کی شکل تھی۔ وہ حدیث پیش نظر رہے جس میں بروایت حضرت انسؓ، آپ ﷺ ہر بات دو تین بار دہراتے تاکہ لوگوں کو سمجھنے میں سہولت ہو۔

۱۳۔ ”عن عطاء عن عبد اللہ بن عمرو و قلت: یا رسول اللہ، أقتد العلم؟ قال: قیت العلم، قال عطاء: قلت: وما تقييد العلم؟ قال: الكتاب“ (۱۹۷) حضرت عطاءؓ سے روایت ہے، وہ عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا ”کیا میں علم کو قید کر لوں (لکھ لوں)؟“ فرمایا، علم کو قید کر لو۔ عطاءؓ نے کہا، ”تھکید علم کیا ہے؟“ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے کہا، ”لکھنا۔“

یہ حدیث بھی اوپر کی حدیث کی تائید کرتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو لکھنے کی اجازت دی۔ یہ حدیث حافظ نور الدین علی بن ابی بکرؒ نے بھی لکھی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: ”فیہ عبد اللہ بن المؤمن، وثقه ابن معین، وابن حبان، وقال ابن سعد: ثقة قليل الحديث“ (۱۹۸) (اس میں عبداللہ بن مؤمنؓ ہیں۔ ابن معینؒ و ابن حبانؒ نے انہیں ثقہ کہا ہے۔ ابن سعدؒ بھی انہیں ثقہ قلیل الحدیث کہتے ہیں)۔ اگرچہ بعض نے ان پر کلام کیا ہے۔ لیکن دوسرے محدثین انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں اور یہ حدیث بھی دیگر احادیث کی تائید کرتی ہے اس وجہ سے جمع ہے۔

۱۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے: ”ما یرغبنی فی الحیاة الا الصداقة والوہط، فاما الصداقة فصحیفة کتبتہا عن رسول اللہ ﷺ واما الوہط فأرض تصدق بها عمرو بن العاص کان یقوم علیہا“ (۱۹۹) (دو چیزوں کی وجہ سے مجھے زندگی عزیز ہے، ایک صحیفہ صادقہ کی وجہ سے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے لکھا تھا اور دوسرے الوہط نامی اراضی کی بنا پر جو مجھے میرے والد عمرو بن العاص نے عطا کی تھی)۔ معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے خود یہ صحیفہ آنحضرت ﷺ سے سن کر لکھا اور اس کا ذکر انہوں نے خود لکھا (۲۰۰)۔

بقول ابن الاثیر، اس میں ایک ہزار احادیث تھیں (۲۰۱)۔ اگرچہ یہ اصالت ہمارے پاس نہیں لیکن مسند احمد میں یہ جوں کا توں محفوظ ہے (۲۰۲)۔ یہ صحیفہ اس بات کا قابل اعتماد ثبوت ہے کہ احادیث آنحضرت ﷺ کے حکم سے آپ ﷺ کی موجودگی میں لکھی جاتی تھیں۔ اس میں وہ فتویٰ بھی موجود ہے جو حضرت عبداللہ نے آپ ﷺ سے پوچھا تھا۔ آپ ﷺ سوالات پوچھتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ انہیں جوابات ارشاد فرماتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے، یہی صحیفہ صادقہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے پڑپوتے حضرت عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ کو ملا۔ ظن غالب یہی ہے کہ عمرو بن شعیب (۱۲۴ھ) اس صحیفہ کو زبانی یاد کر کے اس سے حدیثیں روایت کرتے تھے (۲۰۳)۔

جلیل القدر تابعی حضرت مجاہد (۱۰۳ھ) کہتے ہیں۔ ”یہ صحیفہ میں نے عبداللہ بن عمرو کے پاس دیکھا تھا“ (۲۰۴)۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ خود لکھواتے تھے۔ اس کے معلق مزید مختصر شرح و تہذیب سنن ابی داؤد میں لکھا گیا: ”واذن لعبد اللہ بن عمر وفی الکتابہ وحديثه متاخر من النهی لانه لم یزل یکتب ومات وعنده کتابته وهی الصحیفة الّتی کان یستہی الصداقة ولو کان النهی عن الکتابہ متاخرًا لمحاها عبداللہ لامر النبی ﷺ بمحو ما کتب عنه غیر القرآن فلما لم یحھا واثبتھا دلّ علی انّ الاذن فی الکتابہ متاخر عن النهی عنها وهذا واضح والحمد لله وانما نهی النبی ﷺ عن کتابة غیر القرآن فی اول الاسلام لئلا یختلط القرآن بغيره فلما علم القرآن وتمیز بآفرًا بالضبط والحفظ وامنت علیه مفسدة الاختلاط اذن فی الکتابہ

وقال بعضهم إنما كان النّهي عن كتابة مخصوصة وهي أن يجمع بين كتابة الحديث والقرآن في صحيفة واحدة خشية الالتباس وقد وقع الاتفاق على جواز الكتابة في وابقاءها ولو لا الكتابة ما كان بايدينا اليوم من السنّة الا اقلّ القليل“ (۲۰۵) (حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو آنحضرت ﷺ نے کتابت کی اجازت دی، ان کی حدیث ممانعت کتابت سے متاخر ہے۔ کیوں کہ وہ ہمیشہ لکھتے رہے۔ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کا لکھا ہوا ان کے پاس تھا۔ یہ وہی صحیفہ ہے جس کو ”الصادقہ“ کہتے تھے۔ اگر ممانعت، جواز کتابت سے متاخر ہوتی تو حضرت عبداللہؓ آنحضرت ﷺ کے حکم کی وجہ سے جو انہوں نے قرآن کے علاوہ لکھا ضرور مٹا دیتے۔ جب انہوں نے اس کو نہ مٹایا، بلکہ باقی رکھا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کتابت کی اجازت منع کرنے سے بعد کی ہے۔ اور یہ بات واضح ہے۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔ آنحضرت ﷺ قرآن پاک کے علاوہ کتابت کو ابتداء میں منع فرمایا تھا تا کہ قرآن مجید اپنے علاوہ کسی دوسری چیز سے ملتص نہ ہو۔ جب قرآن مجید کو جان لیا گیا اور وہ ممتاز ہو گیا اور حفظ کر لیا گیا اور اس پر اختلاط سے تحفظ ہو گیا تو آپ ﷺ نے کتابت کی اجازت دے دی، اور بعض نے کہا کہ ممانعت، خاص کتابت سے تھی، وہ یہ کہ حدیث اور قرآن کو ایک صفحے پر لکھنے سے التباس کا خطرہ تھا۔ کتابت (حدیث) اور اس کے باقی رکھنے پر اتفاق ہے۔ اگر احادیث کی کتابت نہ ہوتی تو آج ہمارے ہاتھوں میں سنت کا بہت ہی کم حصہ ہوتا۔

۱۵۔ ”عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال قلت يا رسول الله اكتب كلّ ما اسمع منك؟ قال نعم قلت في الرّضاء والغضب قال نعم. فانّی لا اقول فی ذلك الا حقاً“ (۲۰۶) (عمرو بن شعیب اپنے باپ، وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں (یعنی حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے) انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ”جو چیز بھی آپ ﷺ سے سنوں لکھ لیا کروں؟“ فرمایا: ”ہاں“۔ میں نے کہا: ”خوشی اور غصہ میں بھی“ فرمایا: ”ہاں، اس معاملہ میں میری ہر بات حق ہوتی ہے۔“

یہ حدیث اوپر والی حدیث کی تائید کرتی ہے۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے دادا تک سند پہنچاتے ہیں۔ پہلے بھی یہ حدیث دوسری سند سے گزر چکی ہے۔ گویا اس پر یہ تصدیق مزید ہے۔

۱۶۔ ”عن ابن راشد الجرائی قال اتیت عبداللہ بن عمرو بن العاص فقلت له حدّثنا ممّا سمعت من رسول اللہ فالقی الیّ صحيفة فقال هذا ما کتب لی رسول اللہ ﷺ قال فنظرت فیها فاذا فیها انّ ابا بکر الصّدیق قال یا رسول اللہ علّمنی ما اقول اذا اصبحْتُ واذا امسیت۔ قال یا ابا بکر قل اللّٰهُمّ فاطر السّموات والارض۔۔۔۔۔۔“ (۲۰۷) (ابوراشد جرائی سے روایت ہے کہ میں عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے پاس آیا اور کہا ”جو بات آپ نے آنحضرت ﷺ سے سنی ہو، وہ بتائیں۔“ انہوں نے مجھے ایک صحیفہ دیا اور کہا، ”یہ ہے وہ جو آنحضرت ﷺ نے میرے لیے لکھا (مجھ سے لکھوایا)۔ ابوراشد کہتے ہیں، میں نے دیکھا اس میں لکھا تھا، ابوبکر صدیقؓ نے کہا ”اے اللہ کے رسول ﷺ: مجھے سکھائیں جو میں صبح کے وقت اور شام کے وقت پڑھوں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکرؓ: کہو! ”اللّٰهُمّ فاطر السّموات والارض۔۔۔ الخ۔“)

۱۷۔ ”عن ابی بکر بن محمّد بن عمر وبن حزم عن ابیہ وجده انّ رسول اللہ کتب الی اهل الیمن وکان فی کتابہ انّ من اعتبط مؤمنا قتلاً عن بیّنة فانه قود الا ان یرضی اولیاء المقتول و انّ فی النّففس الذیّة مائة من الابل“ (۲۰۸) (آنحضرت ﷺ نے اہل یمن کو لکھا، ”جس نے مسلمان کو قتل کیا اور اس پر شہادت مل گئی تو اس کو قتل کیا جائے گا مگر اس صورت میں قتل نہ کیا جائے گا کہ مقتول کے درباری راضی ہو جائیں۔ اور جان کے بدلے دیت ایک سواونٹ ہے)۔ یہ حدیث طویل ہے اور داری میں بھی ہے۔ اس کے حاشیے پر عبداللہ ہاشم یمنی المدنی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے متعلق امام حاکم لکھتے ہیں ”اس کی سند صحیح ہے۔“ امام احمد نے کہا، ”حدیث صحیح ہے“ (۲۰۹)۔

نسائی شریف کے حاشیہ (العلل والالتفات) پر لکھا ہے: ”کتاب آل عمرو بن حزم کتاب جلیل کتبہ النبی ﷺ لاهل الیمن وارسل معہ عمرو بن حزم ثم وجد عنہ بعض آلہ رووہ عنہ واخذ الناس عنهم ساقہ الحاکم فی المستدرک وصححه“ (۲۱۰) (آل عمرو بن حزم کی کتاب بڑی طویل القدر ہے۔ جس کو آنحضرت ﷺ نے اہل

یمن کے لیے لکھ کر بھیجا۔ پھر اس کے خاندان میں سے کسی کے پاس رہی۔ لوگوں نے اس کو آگے روایت کیا۔ مستدرک میں حاکم نے اس کو روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔

دارقطنی، کتاب الخراج اور حلی ابن حزم میں بھی اس کو بیان کیا گیا ہے کہ اس کی صحت کے بارے میں شک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تحفہ برطیہ المصلوۃ والسلام نے خود لکھوا کر حضرت عمرو بن حزم کو بھیجا۔ اس صحیفہ کے متعلق اور بھی کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس میں آنحضرت ﷺ نے زکوٰۃ و صدقات، اور خون بہا کے احکام پوری تشریح کے ساتھ درج فرمائے ہیں (۲۱۱)۔ اس کی نقول حضرت ابو بکر صدیق اور عمرو بن حزم کے خاندان میں اور متعدد شخصوں کے پاس موجود تھیں (۲۱۲)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دور خلافت میں آنحضرت ﷺ کے ارشادات صدقات کی تلاش میں اہل مدینہ کے پاس آدمی بھیجا تو یہ مجموعہ احکام صدقات صحابی رسول عمرو بن حزم کے لڑکوں کے ہاں سے لیا گیا (۲۱۳)۔ اس پوری سند سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے صحیح ہونے میں ذرا براہ بھی شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے خود پوری شرح و بسط سے احکام لکھ کر بھیجوائے۔

۱۸۔ ”عن ابی ہریرۃ قال کان رجل من الانصار یجلس الی رسول اللہ ﷺ فیسمع من النبی الحدیث فیعجبہ ولا یحفظہ فشکا ذلک الی رسول اللہ فقال یا رسول اللہ انی لاسمع منک الحدیث فیعجبنی ولا احفظہ فقال رسول اللہ ﷺ استعن بيمينک واو ما بیدہ الخط وفی الباب عن عبد اللہ بن عمرو هذا الحدیث لیس اسنادہ بذاك القائم وسمعت محمد بن اسماعیل یقول الخلیل بن موزہ منکر الحدیث“ (۲۱۴) (حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری آنحضرت ﷺ کے پاس آتا تھا اور آپ ﷺ کی حدیثیں سنتا تھا یہ اسے اچھی لگتی تھیں لیکن یاد نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی کہ میں آپ ﷺ کی باتیں سنتا ہوں جو مجھے اچھی لگتی ہیں لیکن یاد نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو اور اپنے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ فرمایا۔ اس سلسلہ میں عبداللہ بن عمرو کی حدیث ہے، جس کی سند ٹھیک نہیں ہے۔ میں نے محمد بن اسماعیل سے سنا، فرماتے تھے کہ خلیل بن مرہ منکر الحدیث ہے۔ ابو حاتم نے کہا ہے کہ خلیل بن مرہ شیخ مجہول ہے میں اس کو نہیں

جانتا“ (۲۱۵)۔

تحفۃ الاحوذی میں حافظ عبدالرحمن مبارک پوری لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف منکر ہے لیکن اس حدیث کی ایک سند ایسی ہے جس میں طلیل بن مرہ نہیں ہے (۲۱۶)۔ اس لیے اس حدیث سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ اس حدیث کے تمام طرق ضعیف نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں دیگر صحیح احادیث اس کے صحیح ہونے کی شاہد ہیں۔

۱۹۔ آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لے گئے تو اوس، خزرج اور یہود کے قبائل بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قریظہ وغیرہ کئی ٹکڑوں میں منقسم رہے تھے اور ان میں عام طور پر لڑائی ہوتی رہتی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مسلمانوں، یہودیوں اور غیر مسلموں (غیر مسلم عربوں) سے مشورہ کے بعد ایک تحریری اعلامیہ نشر فرمایا۔ جس میں حاکم و محکوم دونوں کے حقوق و فرائض کی تفصیل تھی۔ تاریخ میں اس کو بیئاق مدینہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: ”بسم اللہ الرحمن الرحیم، هذا کتاب محمد النبی ﷺ (رسول اللہ) بین المومنین و المسلمین من قریش و اهل یثرب و من اتبعهم فلیحق بهم --- الخ“۔ پھر اس میں یہود کا ذکر ہے۔ ۲۸ دفعات کے اس اعلامیہ میں پانچ مرتبہ اہل هذه الصّحیفۃ کے الفاظ دہرائے گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک تحریر تھی ورنہ اس پر صحیفہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا“ (۲۱۷)۔ اس کے علاوہ بھی کئی معابدات آنحضرت ﷺ نے کئی موقعوں پر کیے جن کی مدون تحریر موجود ہے۔

۲۰۔ حضرت انس بن مالکؓ گوان کی والدہ نے مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا اور کہا کہ آپ ﷺ کے لیے وقف ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا: ”یا رسول اللہ! هذا ابنی وهو غلام کاتب“ (۲۱۸)۔ (اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ میرا بیٹا ہے، یہ بچہ فن کتابت جانتا ہے)۔

حضرت انسؓ ہمیشہ آنحضرت ﷺ کے پاس رہے۔ حضرت انسؓ کا خود بیان ہے: ”خدمت رسول اللہ عشر سنین فما قال لی اُتِ ولا لم صنعت ولا آلا صنعت“ (۲۱۹) (میں نے آنحضرت ﷺ کی دس سال خدمت کی، آپ ﷺ نے کبھی بھی (ڈانٹتے ہوئے) اف کا کلمہ نہ کہا اور نہ کبھی فرمایا ”یہ کیوں کیا؟“ اور نہ ہی یہ فرمایا ”یہ تم نے کیوں نہ کیا؟“۔

حضرت انسؓ کی والدہ نے آپ کو بتا دیا تھا کہ یہ بچہ کتابت سے آشنا ہے، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث لکھتے۔ صرف احادیث لکھتے ہی نہ تھے بلکہ لکھ کر ان کو پیغمبر ﷺ کی خدمت میں پیش بھی کرتے اور ان کی اصلاح اور تصحیح کرا لیا کرتے تھے۔

سعید بن حلال سے روایت ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ سے ہم زیادہ اصرار سے کہتے تھے، تو وہ (لکھی ہوئی) احادیث لاتے اور کہتے تھے یہ وہ احادیث ہیں جو میں نے آنحضرت ﷺ سے سنی ہیں اور انہیں لکھ کر آپ ﷺ کی خدمت میں (تصحیح کے لیے) پیش کیا ہے (۲۲۰)۔

حضرت انسؓ کا یہ بیان انتہائی اہم ہے۔ ان سے موجودہ کتب احادیث میں دو ہزار چھ سو چھیاسی (۲۶۸۶) احادیث مروی ہیں۔ ان کی احادیث کو مختلف لوگوں نے قلم بند کیا ہے۔ ابانؓ تابعی کا بیان ہے کہ ہم حضرت انسؓ کے پاس بیٹھ کر احادیث لکھا کرتے تھے۔ حضرت انسؓ اور دیگر صحابہ نہ صرف احادیث لکھتے بلکہ اپنے بچوں کو فہمیت کرتے کہ احادیث قلم بند کریں۔ حضرت انسؓ نے بچوں سے کہا: ”یا بنی قیندوا هذا العلم“ (میرے بچو، اس علم کو ضبط تحریر میں لے آؤ)۔ مستدرک حاکم میں: ”قیندوا العلم بالکتاب“ کے الفاظ ہیں (۲۲۱)۔

حضرت انسؓ نے خلوص و محبت سے آپ کی خدمت کی اور آپ ﷺ کے شب و روز کی باتوں کو ضبط تحریر میں لا کر اور پھر ان کی خود آنحضرت ﷺ سے تصدیق کرا کر امت پر احسان کیا کہ یہ احادیث مبارکہ لوگوں تک پہنچائیں۔ پھر چراغ سے چراغ جلتا گیا۔

۲۱۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت انسؓ کو بحرین کا عامل بنا کر بھیجا تو وہاں جاتے حکومت سے متعلق ایک تحریر لکھ دی۔ اس کی ابتدا اس طرح سے ہوتی ہے: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ هَذِهِ فَرِیْضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِیْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ وَالتِّیْ اَمَرَ اللّٰهُ بِهِ وَرَسُوْلُهُ“ (۲۲۲)۔

امام بخاریؒ نے کتاب الزکوٰۃ کے تین ابواب میں اس نوشتہ کی روایات کو درج کیا ہے۔ سنن دارمی میں ہے: ”عن ابن عمر أنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ الصَّدَقَةَ فَلَمْ تَخْرُجْ اِلَیْ عَمَّالِهِ حَتّٰی قَبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَلَمَّا قَبِضَ اَخَذَهَا اَبُو بَكْرٍ فَعَمِلَ بِهَا مِنْ

بعد “(۲۲۲) (حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے، آنحضرت ﷺ نے صدقہ کی تحریر لکھوائی۔ لیکن جمال کو نہ بھیجی تھی کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس تحریر پر عمل درآمد کرایا۔ پھر آگے بھی حدیث ہے۔۔۔۔۔ امام ابو داؤد نے اس صحیفہ کو حدیث کے مشہور امام حماد بن سلمہؒ سے روایت کیا گیا ہے۔ جس پر حماد بن سلمہؒ خود تصریح کرتے ہیں کہ میں نے خود اس نوشتہ کو حاصل کیا) (۲۲۳)۔ امام حاکم نے بھی یہ دستاویز نقل کی ہے (۲۲۵)۔

ابو جعفر طحاویؒ نے بھی یہ دستاویز بحوالہ حماد بن سلمہؒ لکھی ہے۔ اس میں حماد بن سلمہؒ کی یہ تصریح بھی موجود ہے کہ ثابت بنانی نے مجھے ثمامہ بن عبد اللہ کے پاس یہ دستاویز لینے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے یہ دستاویز مجھے دے دی، میں نے اسے دیکھا: ”فإذاذا عليه خاتم رسول الله“ (۲۲۶) (اس پر جناب رسول اللہ ﷺ کی مہر ثبت تھی)۔

۲۲۔ حضرت عبد اللہ بن حکیمؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک تحریر ہمارے قبیلہ جمہیہ میں پہنچی جس میں مختلف احادیث تھیں (۲۲۷)۔

۲۳۔ حضرت وائل بن حجرؒ حرموت کے شہزادوں میں سے تھے۔ یہ سنہ ۹ھ میں مدینہ منورہ تشریف لائے اور مسلمان ہوئے۔ ان کی آمد سے قبل آنحضرت ﷺ نے ان کی آمد کی خوش خبری دے دی تھی اور فرمایا تھا: ”راغبنا في الله عز وجل وفي رسوله وهو بقیة ابناء الملوك“ (۲۲۸) (وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ میں رغبت رکھتے ہیں۔ وہ بادشاہوں کے بیٹوں میں سے باقی رہ جانے والے ہیں)۔ یہ کچھ دیر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہنے کے بعد جب وہ جانے لگے تو آپ ﷺ نے ان کو ایک صحیفہ لکھوا کر دیا۔ جس میں نماز، روزہ، شراب اور سود وغیرہ کے احکام تھے (۲۲۹)۔

۲۴۔ مندرجہ بالا تحریموں کے علاوہ آنحضرت ﷺ کے سینکڑوں کی تعداد میں خطوط اور دوشیتے ہیں جو آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں بادشاہوں اور قبیلوں کے سرداروں کو لکھوائے اور ان پر اپنی مہر ثبت کی۔ اس قسم کے خطوط اور دوشائیں ڈاکٹر حمید اللہ نے جمع کیے ہیں۔ یہ مجموعہ ”الوثائق السياسية للعهد النبوی والخلافة الراشدة“ کے نام سے، پہلی دفعہ ۱۹۴۱ء میں قاہرہ سے اور تیسری مرتبہ بیروت سے ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعہ میں ۲۸۱ خطوط اور دوشائیں آنحضرت ﷺ سے متعلق ہیں۔ ان خطوط

میں سے ایک خط وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مقوقس شاہ مصر کو لکھا۔ یہ خط مصر کے آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران برآمد ہوا ہے اور آج بھی مصر میں موجود ہے (۲۳۰)۔ یہ خط حدیث کی مستند کتابوں میں منقول ہے۔ برآمدہ شدہ خط احادیث کی روایت کے عین مطابق ہے۔ یہ مطابقت کتب حدیث کے مستند ہونے کی واضح دلیل ہے۔

ان تمام حقائق کے باوجود اگر عہد نبوی میں کتب حدیث کا انکار کیا جائے تو اس کے لیے رازی وقت حضرت مولانا عبدالرحمن محدث مبارکپوری کا یہ قول نہایت موزوں ہے: ”قد ظنّ بعض الجهلة في هذا الزمان أنّ الأحاديث النبوية لم تكن مكتوبة في عهد رسول الله ﷺ ولا في عهد الصحابة وإنما كتبت وجمعت في عهد التابعين قلت ظنّ بعض الجهلة هذا فاسد مبني على عدم وقوفه على حقيقة الحال“ (۲۳۱) (اس دور کے بعض جاہلوں کا گمان ہے کہ احادیث نہ تو عہد نبوی ﷺ میں لکھی گئیں نہ عہد صحابہ میں بلکہ تابعین کے دور میں لکھی اور جمع کی گئیں۔ میں کہتا ہوں کہ جاہلوں کا یہ گمان فاسد ہے اور حقیقت حال سے عدم واقفیت کی بنا پر وہ ایسا کہتے ہیں)۔

الغرض جہاں تک عدم کتابت احادیث کا تعلق ہے ان کی اسناد سے معلوم ہو گیا کہ صرف ایک حدیث کے علاوہ باقی سب کمزور ہیں اور اس ایک کی حقیقت بھی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے قرآن مجید اور احادیث نبوی کو ایک صفحہ پر لکھنے سے منع فرمایا، تا کہ قرآن مجید اور احادیث میں التباس نہ ہو (۲۳۲)۔ الگ الگ لکھنے کی اجازت میں بعض (محدثین) نے اس قسم کی احادیث، جن میں ممانعت تھی، منسوخ قرار دی ہیں جب کہ لکھنے کی اجازت والی احادیث ناسخ ہیں (۲۳۳)۔ بعض نے یہ لکھا ہے کہ یہ ممانعت اس کے لیے ہے جو صرف کتابت پر اعتماد کرتا تھا اور حفظ بھول جاتا (۲۳۴)۔

۲ آنحضرت ﷺ کا آخری حکم بلاشبہ کتابت حدیث کے جواز سے متعلق تھا۔ کیونکہ خود آپ ﷺ احادیث لکھواتے اور صحابہؓ کو اس کی ترغیب دیتے تھے۔ آپ ﷺ کا کتابت سے روکنا صرف ایک ہی کاغذ پر قرآن مجید کے ساتھ حدیث کو اکٹھا لکھنے کی وجہ سے تھا۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قرآن و حدیث کا فرق صحابہؓ پر واضح ہو گیا یا جن صحابہؓ کو پہلے ہی اس

فرق کا بخوبی علم تھا۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمروؓ تو ان صحابہؓ کو لکھنے کی عام اجازت مل گئی اور ان صحابہؓ نے احادیث قلم بند کیں۔ وہ لوگ جو احادیث کو ویسے ہی نہیں مانتے، ان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ممانعت کتبہ حدیث کا احادیث سے استدلال کریں، کیوں کہ وہ ویسے ہی احادیث نبوی کے منکر ہیں۔

احادیث شریفہ جو قرآن کریم کی تفسیر اور دین اسلام کا اساسی حصہ ہیں۔ ان کے اعتماد کو مجروح کر کے قرآن اور اسلام کی جملہ تعلیمات کو مشکوک بنانے کی خاطر علمی طور پر ایسے کمزور اور پودے دلائل کا سہارا لیا جاتا ہے حالانکہ قرون اولیٰ میں احادیث نبویہ کی حفاظت کا اصل مدار صرف کتابت پر نہ تھا۔ بلکہ حفظ حدیث، تدوین حدیث، تعامل حدیث کے ذریعے بھی حفاظت و اشاعت حدیث کا انتہائی قابل اعتماد بندوبست موجود تھا۔ مزید احتیاط کے لیے کتابت حدیث کا بھی انتہائی ذمہ داری کے ساتھ وسیع پیمانے پر اہتمام کیا گیا۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی حدیث نبوی پر اپنے اعتماد کی بحالی کا سامان نہیں پاتا تو کوئی حیرانی کی بات نہیں۔ بعض بد نصیب نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کو سامنے پا کر بیان حق زبان اطہر سے سننے کے باوجود بھی ایمان نہیں لاتے تھے۔ اے کاش یہ لوگ اس قرآنی حقیقت کو ابھی سے دل کی آنکھوں سے دیکھ پائیں۔

”وَيَوْمَ يَعْصِي الظَّالِمُ أَمْرًا يُؤَيِّتُ بِيَمِينِهِ يُلْقِي يَدَيْهِ يَاقُولُ يَلَيْتَنِي أُتُخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا يُؤَيِّتُ بِيَمِينِهِ لَمْ أُتُخَذْ فَلَا نَصْرَ لَنَا خَلِيلًا لَقَدْ أَضَلَّتْ نَفْسِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا“ (۲۳۵) (اور اس دن تم مغمض اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کھے گا ہائے کاش کہ میں نے رسول کی راہ اختیار کی ہوتی۔ ہائے افسوس کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے تو مجھے اس کے بعد گمراہ کر دیا کہ نصیحت میرے پاس آن پہنچی تھی اور شیطان تو انسان کو وقت پر دعا دینے والا ہے۔)

TRUEMASLAK@INBOX.COM

حوالہ جات

- ۱- ابن الاثیر، عز الدین علی بن محمد البغیانی، النہایۃ فی غریب الحدیث والاشرا (انصار السنۃ الحمدیہ، لاہور ۳/۲۰۰۸۔
- ۲- ابن حجر، احمد بن علی الحسینی، نزہۃ النظر فی توضیح نخبہ الفکر (فاروقی کتب خانہ، ملتان) ص ۹۲۔
- ۳- المناوی، عبدالرؤف، البیواقیت والدرر (مکتبۃ ازشد الریاض، الطبعة الاولی ۱۹۹۱م) ۱/۱۱۶۔
- ۴- ایضاً، ۱/۲۳۶۔
- ۵- البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، (دار السلام، الریاض، الطبعة الثانیہ، ۱۹۹۹) حدیث نمبر ۹۹۰، ص ۱۵۹۔
- ۶- ابن الصلاح، ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمن، علوم الحدیث المعروف بہ مقدمہ ابن الصلاح مع شرح التہجید والایضاح (المکتبۃ العلمیہ المدینۃ المنورۃ) ص ۲۵۷۔
- ۷- ایضاً۔
- ۸- ابن الاثیر، النہایۃ فی غریب الحدیث، ۳/۲۹۳۔
- ۹- القاسمی، محمد جمال الدین، قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث (دار الکتب العلمیہ، بیروت الطبعة الاولی ۱۹۷۹ء) ص ۲۰۲: البیواقیت والدرر، ۳/۳۸۳ (حواشی)۔
- ۱۰- البیواقیت والدرر، ۲/۳۸۳۔
- ۱۱- ایضاً، ۳/۳۸۳ (حواشی)۔
- ۱۲- قواعد التحدیث، ص ۲۰۲۔
- ۱۳- الاصفہانی، ابو القاسم حسین بن محمد المعروف الراغب، المفردات فی غریب القرآن (دار المعرفۃ بیروت) ص ۱۱۰۔
- ۱۴- محمود طحان، تیسیر مصطلح الحدیث (نشر السنۃ ملتان) ص ۱۴۔
- ۱۵- لیس (۳۶) ۳۸۔
- ۱۶- المومنون (۲۳) ۱۴۔
- ۱۷- البہا (۳۳) ۱۹۔
- ۱۸- الانبیاء (۲۱) ۲۔
- ۱۹- الکہف (۲۸) ۷۰۔
- ۲۰- یوسف (۱۲) ۳۱۔

- ۲۱۔ النساء (۳) ۷۸۔
- ۲۲۔ التحریم (۶۶) ۳۔
- ۲۳۔ النساء (۳) ۸۷۔
- ۲۴۔ سلفی، مولانا محمد اسماعیل، حجیت حدیث (فاران اکیڈمی، لاہور) ص ۱۷۔
- ۲۵۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۶۵۷، ص ۱۱۳۶۔
- ۲۶۔ السہامی، ڈاکٹر مصطفیٰ، السنۃ و مکانتہا فی التشریع الاسلامی (مطبعہ المدنی، قاہرہ، الطبعہ الاولیٰ، ۱۹۶۱ء) ص ۱۵۹۔
- ۲۷۔ گوندلوی، حافظ محمد، درس صحیح بخاری (مرتب: منیر احمد سلفی) (اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور طبع اول ۱۹۸۲ء) ص ۲۹-۳۳۔
- ۲۸۔ النساء (۳) ۷۸۔
- ۲۹۔ الفضلی (۹۳) ۱۱۔
- ۳۰۔ النساء (۳) ۸۷۔
- ۳۱۔ النساء (۳) ۱۳۰۔
- ۳۲۔ یوسف (۱۲) ۶۔
- ۳۳۔ المؤمنون (۲۳) ۴۴۔
- ۳۴۔ الزمر (۳۹) ۲۳۔
- ۳۵۔ ابن ماجہ، ابو عبد اللہ، محمد بن یزید القزوینی، السنن (مکتبہ دار السلام الریاض الطبعہ الاولیٰ ۱۹۹۹م) حدیث نمبر ۱۲، ص ۲۔
- ۳۶۔ ایضاً، حدیث نمبر ۳۸، ص ۶۔
- ۳۷۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۱۱۹، ص ۲۵۔
- ۳۸۔ نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، ص ۸۔
- ۳۹۔ الرازی، المحصول، ۲/۷۔
- ۴۰۔ البیواقیت والدرر، ۱/۱۰۹۔
- ۴۱۔ لکھنوی، محمد عبدالحی، ظفر الامانی بشرح مختصر السید الشریف البحرانی فی مصطلح الحدیث (ملکۃ المطبوعات، الاسلامیہ حلب)، ص ۲۵۔

- ۴۲۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر، تدریب الراوی (المکتبہ العلمیہ، المدینۃ المنورہ، الطبعة الاولى ۱۹۵۹م) ۶۱/۱۔
- ۴۳۔ النووی، ابو زکریا یحییٰ بن شرف الدین الدمشقی، شرح صحیح مسلم (نور محمد اصح الطابع، کراچی) ۶۳/۱۔
- ۴۴۔ الجوزانی، طاهر بن صالح، توجیہ النظر الی اصول الاثر (دار المعرفۃ، بیروت) ص ۳۔
- ۴۵۔ البیواقیت والدردر، ۱۱۲/۱۔
- ۴۶۔ ظفر الامانی، ص ۲۵۔
- ۴۷۔ قواعد التحدیث، ص ۶۱۔
- ۴۸۔ سلفی، حجیت حدیث، ص ۱۷۔
- ۴۹۔ ایضاً، ص ۱۷۔
- ۵۰۔ ایضاً، ص ۱۸۔
- ۵۱۔ ایضاً۔
- ۵۲۔ التعلیٰ فی غریب الحدیث، ۴۰۹/۲ (تحت مادہ سنن)۔
- ۵۳۔ الجرجانی، شریف علی، التعلیٰ فیات (مکتبہ مصطفیٰ البانی وادلادہ، مصر ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸م) ص ۱۰۸۔
- ۵۴۔ البہاری، محبت اللہ بن عبدالمکثور، مسلم الثبوت مع فوائذ الرحمت (مطبعة الامیریہ، مصر ۱۳۲۲ھ) ص ۶۶۔
- ۵۵۔ ابن درید، کتاب الجمهرة (دائرة المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۱۳۳۲ھ) (تحت مادہ سنن)۔
- ۵۶۔ جوہری، جواہر القاموس (تحت مادہ سنن)۔
- ۵۷۔ الزنجری، ابو القاسم جار اللہ محمود بن عمر، اساس البلاغہ (دار الکتب المصریہ، قاہرہ، طبع اول ۱۳۲۲ھ)۔
- ۵۸۔ (۱۹۵۷ء) (ذیل مادہ سنن) ص ۲۲۱۔
- ۵۹۔ ابن منظور، ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب (دار صادر، بیروت) ۲۲۵/۱۳۔
- (تحت مادہ سنن)۔
- ۵۹۔ سلفی، حجیت حدیث، ص ۱۸۔
- ۶۰۔ التعلیٰ فیات، ص ۱۰۸۔
- ۶۱۔ ملا احمد جیون، نور الانوار (محمد سعید اینڈ سنز، کراچی) اقسام السنہ، ص ۱۷۔
- ۶۲۔ ابن حزم، علی بن احمد بن سعید، الاحکام فی اصول الاحکام (مکتبہ عاطف الازھر، الطبعة الاولى ۱۹۷۸م) ۱۷۳/۱۔
- ۶۳۔ توجیہ النظر الی اصول الاثر، ص ۳۔

- ۶۴۔ قنوجی، سید صدیق حسن خان، حصول المامول من علم الاصول (مکتبہ التجاریہ، مصر، ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸م)
- ص ۳۸۔
- ۶۵۔ محمد عجاج الخطیب، السنۃ قبل التمددین (مکتبہ صمدیہ، القاہرہ ۱۳۸۳/۱۹۶۳م) ص ۱۶۔
- ۶۶۔ ابوداؤد، السنن (دار السلام، الریاض، ۱۹۹۹ء) حدیث نمبر ۳۶۰۷، ص ۶۵۱۔
- ۶۷۔ الاسراء (۱۷) ۷۷۔
- ۶۸۔ الاحزاب (۳۳) ۳۸۔
- ۶۹۔ فاطر (۳۵) ۳۳۔
- ۷۰۔ الاسراء (۱۷) ۷۷۔
- ۷۱۔ آل عمران (۳) ۱۳۷۔
- ۷۲۔ الانفال (۸) ۳۸۔
- ۷۳۔ فاطر (۳۵) ۳۳۔
- ۷۴۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۵۰۶۳، ص ۹۰۶۔
- ۷۵۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، السنن (دار السلام، الطبعة الاولیٰ ۱۳۲۰ھ/۱۹۹۹ء) حدیث نمبر ۲۶۷۷، ص ۶۰۷۔
- ۷۶۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۳۱۹۸، ص ۳۶۷۔
- ۷۷۔ الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، ارشاد الخول (مصطفیٰ الحسنی واولادہ، مصر، الطبعة الاولیٰ، ۱۳۵۶ھ) ص ۳۱۔
- ۷۸۔ تدریب الراوی، ۱/۳۳۔
- ۷۹۔ الانصاری، حماد بن محمد، یانغ ائغر فی مصطلح اهل الاثر (مکتبہ ابن قیم المدنی المنورہ) ص ۱۰: تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۱۶۔
- ۸۰۔ تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۱۶۔
- ۸۱۔ تدریب الراوی، ۱/۲۵-۲۶۔
- ۸۲۔ ایضاً، ۱/۳۸؛ قواعد الحدیث، ص ۷۷۔
- ۸۳۔ ابن حجر، التلخیص علی مقدمہ ابن الصلاح (الجامعہ الاسلامیہ، مدینہ منورہ) ۱/۲۶۸۔
- ۸۴۔ قواعد الحدیث، ص ۷۷۔
- ۸۵۔ تدریب الراوی، ۱/۳۸۔
- ۸۶۔ ایضاً۔

- ۸۷۔ آل عمران (۳) - ۸۵۔
- ۸۸۔ محمد (۳۷) - ۳۳۔
- ۸۹۔ النساء (۴) - ۶۴۔
- ۹۰۔ النساء (۴) - ۱۶۳۔
- ۹۱۔ النجم (۵۳) - ۵۔
- ۹۲۔ محمد عبده القلاح تفسیر الحدیث المستی اشرف الحواشی (شیخ محمد اشرف ناشران قرآن مجید و تاجران کتب لاہور، س۔ن۔ ص ۶۲۸)۔
- ۹۳۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۴۶۰۴، ص ۶۵۱۔
- ۹۴۔ البقرۃ (۲) - ۱۵۱۔
- ۹۵۔ احمد، المسند (دار الفکر بیروت) ۵/۳۳۷۔
- ۹۶۔ النساء (۴) - ۱۱۳۔
- ۹۷۔ البقرۃ (۲) - ۲۳۱۔
- ۹۸۔ تفسیر الحدیث المستی اشرف الحواشی، البقرۃ آیت نمبر ۲۳۱، ص ۴۵۔
- ۹۹۔ الطبری، جامع البیان المعروف تفسیر طبری، ۲/۷۷۔
- ۱۰۰۔ الشافعی، الرسالة، ص ۷۸۔
- ۱۰۱۔ المحشر (۵۹) - ۷۷۔
- ۱۰۲۔ اشرف الحواشی، ص ۶۵۲۔
- ۱۰۳۔ الاعراف (۷) - ۱۵۷۔
- ۱۰۴۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سنت کی آئینی حیثیت (اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۴ء) ص ۷۳۔
- ۱۰۵۔ محمد ادریس میرٹھی، سنت کا شرعی مقام (بیت التوحید، آصف کالونی کراچی نمبر ۱۶) ص ۵۳۔
- ۱۰۶۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۴۶۰۴، ص ۶۵۱۔
- ۱۰۷۔ عظیم آبادی، بنس الحق، ج ۱، المعبود شرح سنن ابی داؤد (نشر السنہ ملتان) ۴/۳۲۹۔
- ۱۰۸۔ النحل (۱۶) - ۴۴۔
- ۱۰۹۔ سنت کی آئینی حیثیت، ص ۷۲۔
- ۱۱۰۔ اصلاحی، امین احسن، مہادی تدریج حدیث (فاران فاؤنڈیشن لاہور، ۲۰۰۰ء) ص ۲۶۔
- ۱۱۱۔ محمد (۳۷) - ۳۳۔

- ۱۱۲۔ حافظ صلاح الدین یوسف، تفسیر احسن البیان (دار السلام الریاض) سورہ محمد شرح، آیت نمبر ۳۳، ص ۸۲۷۔
- ۱۱۳۔ المائدہ (۵) ۹۲۔
- ۱۱۴۔ اشرف الخواشی (حاشیہ آیت مذکورہ) ص ۱۳۸۔
- ۱۱۵۔ التفتابین (۶۳) ۱۲۔
- ۱۱۶۔ تفسیر احسن البیان تحت آیت کریمہ، ص ۸۳۵۔
- ۱۱۷۔ التوبہ (۹) ۷۱۔
- ۱۱۸۔ ندوی، مولانا محمد حنیف، مطالعہ حدیث (علم و عرفان پبلیشرز، لاہور ۲۰۰۳) ص ۱۸۔
- ۱۱۹۔ بخاری، الجامع الصحیح، (دار السلام، ریاض ۱۹۹۹ء) حدیث نمبر ۱۳، ص ۶۔
- ۱۲۰۔ التوبہ (۹) ۲۳۔
- ۱۲۱۔ الطبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد، المعجم الاوسط (دار الحرمین، القاہرہ ۱۴۱۵ھ) ۱۶۹/۹۔
- ۱۲۲۔ النور (۲۳) ۵۳۔
- ۱۲۳۔ النساء (۴) ۸۰۔
- ۱۲۴۔ المجادلہ (۵۸) ۹۔
- ۱۲۵۔ الاحزاب (۳۳) ۳۶۔
- ۱۲۶۔ النور (۲۳) ۶۳۔
- ۱۲۷۔ الجن (۷۲) ۲۳۔
- ۱۲۸۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۷۲۸، ص ۱۲۵۲۔
- ۱۲۹۔ النجم (۵۳) ۳-۵۔
- ۱۳۰۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۳۲۲، ص ۵۲۵؛ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۲۶۵۶، ص ۲۰۳۔
- ۱۳۱۔ السیوطی، تدریب الراوی، ۱۵۹/۲۔
- ۱۳۲۔ شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ (حذیفہ اکیڈمی، لاہور ۲۰۰۰ء) ۲۸/۱۔
- ۱۳۳۔ النساء (۴) ۵۹۔
- ۱۳۴۔ اشرف الخواشی، تفسیر آیت مذکورہ، ص ۱۰۵۔
- ۱۳۵۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۴۶۰، ص ۶۵۱۔
- ۱۳۶۔ الاحزاب (۳۳) ۲۱۔
- ۱۳۷۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۵۰۶۳، ص ۹۰۶۔

- ۱۳۸۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ (المفصل، ناشران و تاجران کتب لاہور، ۱۹۹۱ء) ۲۱/۱۔
- ۱۳۹۔ Encyclopaedia Britannica (1958) vol.13, p.16-17۔
- ۱۴۰۔ شبلی، سیرت النبی، ص ۲۱/۱۔
- ۱۴۱۔ الاحزاب (۳۳)۔ ۲۱۔
- ۱۴۲۔ البقرة (۲)۔ ۱۲۹۔
- ۱۴۳۔ الشافعی، محمد بن ادريس، الرسالة (دار التراث، القاہرہ، ۱۳۵۸ھ) ص ۷۶-۷۸۔
- ۱۴۴۔ الفجر (۵۳)۔ ۳-۴۔
- ۱۴۵۔ البشر (۵۹)۔ ۷۔
- ۱۴۶۔ مسلم، الجامع الصحیح (نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۹۵۶ء) ۳۲۲/۱۔
- ۱۴۷۔ الدارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن، السنن (دار الفکر بیروت)، ۱/۹۸؛ ابن عبد البر، ابو عمر یوسف، جامع بیان العلم و فضلہ (دار الفکر بیروت) ۱/۶۳۔
- ۱۴۸۔ ابن حجر، فتح الباری شرح صحیح البخاری (دار النشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۱ء) ۱/۱۸۵۔
- ۱۴۹۔ الترمذی، السنن (قرآن مجل کراچی) ۲/۱۰۶۔
- ۱۵۰۔ الدارمی، السنن، ۱/۹۸۔
- ۱۵۱۔ ایضاً، ۱/۹۹ (الحواشی)۔
- ۱۵۲۔ الخطابی، ابوسلمیان محمد بن محمد النستی، معالم السنن (دار المعرفۃ، بیروت ۱۴۰۰ھ) ۱/۲۳۶۔
- ۱۵۳۔ جامع بیان العلم، ۱/۶۳۔
- ۱۵۴۔ ایضاً۔
- ۱۵۵۔ ابن الصلاح، علوم الحدیث (قاروقی کتب خانہ ملتان) ص ۹۔
- ۱۵۶۔ احمد بن حنبل، المسند (دار الفکر، بیروت) (مسند ابی ہریرۃ)۔
- ۱۵۷۔ ہمام بن منہ، الصحیفۃ الصحیحہ تحقیق ڈاکٹر حمید اللہ (ناشر رشید اللہ یعقوب، کراچی، طبع جدید ۱۹۹۸ء) (مقدمہ) ص ۶۸۔
- ۱۵۸۔ مولانا محمد علی، علوم الحدیث اور امام اعظم (دارالعلوم الشعاہیہ، سیالکوٹ) ص ۸۶۔
- ۱۵۹۔ احمد محمد شاہ، الباحث الحسیف شرح اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (دار الکتب العلمیہ، بیروت) ص ۱۳۳۔
- ۱۶۰۔ ابوداؤد، سلیمان بن الاصفہ الجعفی، السنن، حدیث نمبر ۳۶۳۷، ص ۵۲۳۔
- ۱۶۱۔ عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، ۳/۳۵۶۔

- ۱۶۲- ابن حجر، تفریب التحذیب (دار المعرفہ، بیروت) ۲/۲۵۴۔
- ۱۶۳- مسلم، الجامع الصحیح، ۱/۳۳۵؛ التسانی، عبدالرحمن احمد بن شعیب، السنن (دار السلام الریاض، ۱۹۹۹) حدیث نمبر ۲۱۳۲، ص ۳۰۰۔
- ۱۶۴- عبدالستار الشیخ، اعلام الحفاظ والمحدثین عبر اربعة عشر قرناً (دار القلم دمشق، الدار الشامیہ بیروت ۱۹۹۷ء، الطبعة الاولى) ۲/۳۳۵۔
- ۱۶۵- الاعراف (۷) ۱۵۸۔
- ۱۶۶- المجمعة (۶۲) ۲۔
- ۱۶۷- المصنفی، نور الدین علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد وفتح القوائد (دار الکتب العربی، بیروت) ۱/۱۵۱۔
- ۱۶۸- ایضاً۔
- ۱۶۹- مقدمہ ابن الصلاح، ص ۷۱۔
- ۱۷۰- البخاری، الجامع الصحیح (نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۹۶۱ء) ۱/۲۲؛ الترمذی، السنن، (قرآن محل کراچی) ۲/۱۰۷؛ مسلم، الجامع الصحیح، ۱/۲۳۹۔
- ۱۷۱- فتح الباری، ۱/۲۰۶۔
- ۱۷۲- مبارکپوری، عبدالرحمن، تحفة الاحوذی شرح السنن الترمذی (دار الکتب العربی، بیروت) ۳/۳۷۴۔
- ۱۷۳- بخاری، الجامع الصحیح، ۱/۲۲۔
- ۱۷۴- ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۳۶۳۹، ص ۵۳۳؛ جامع بیان العلم وفضلہ، ۱/۸۴۔
- ۱۷۵- الترمذی، السنن، ۲/۱۰۷۔
- ۱۷۶- الدارمی، السنن، ۱/۱۰۳؛ جامع بیان العلم، ص ۷۰؛ البیہقی، ابو محمد الحسین بن مسعود، شرح المسند، ۱/۲۔
- ۱۷۷- ابن حجر، فتح الباری، ۱/۱۸۵۔
- ۱۷۸- بخاری، الجامع الصحیح، ۱/۲۱۔
- ۱۷۹- بخاری، الجامع الصحیح، ۱/۵۵۴؛ احمد، المسند، ۲/۱۷۶؛ الحاکم، المستدرک (دار الکتب العربی، بیروت) ۳/۷۔
- ۱۸۰- بخاری، الجامع الصحیح، ۱/۳۳۰۔
- ۱۸۱- مسلم، الجامع الصحیح، ۱/۸۴۔
- ۱۸۲- صحیح مسلم مع شرح الملعودی (نور محمد اصح المطابع، کراچی، الطبعة الثانیہ، ۱۹۵۶ء) ۱/۸۴؛ صحیح بخاری مع حاشیہ احمد علی سہارنپوری (نور محمد اصح المطابع، کراچی، الطبعة الثانیہ، ۱۹۶۱ء) ۱/۳۳۰۔
- ۱۸۳- بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۷۱۹۵، ص ۱۲۳۹۔

- ۱۸۳۔ ایضاً، ۱/۳۲۱۔
- ۱۸۵۔ ایضاً، ۱/۳۷۹۔
- ۱۸۶۔ ایضاً، حدیث نمبر ۲۶۹۸، ص ۳۳۰۔
- ۱۸۷۔ بطور مثال مسلم، الجامع الصحیح، ۲/۴۔
- ۱۸۸۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۱/۴۱۳۔
- ۱۸۹۔ مسلم، الجامع الصحیح، ۲/۹۷۔
- ۱۹۰۔ ابوداؤد، السنن، کتاب العلم، ص ۵۱۴۔
- ۱۹۱۔ جامع بیان العلم، ۱/۷۱؛ دارمی، السنن، ۱/۱۰۳۔
- ۱۹۲۔ احمد، المسند، ۲/۱۶۲۔
- ۱۹۳۔ ابن قیم، عبد اللہ بن مسلم، تاویل مختلف الحدیث (دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۵ء) ص ۲۶۰۔
- ۱۹۴۔ الدارمی، السنن، ۱/۱۰۴۔
- ۱۹۵۔ المسند، ۱/۱۰۵۔
- ۱۹۶۔ الدارمی، السنن، ص ۲۵۵۔
- ۱۹۷۔ جامع بیان العلم، ۱/۷۳۔
- ۱۹۸۔ مجمع الرواۃ فی فضیل الفوائد، ۱/۲۱۸۔
- ۱۹۹۔ الدارمی، السنن، ۱/۱۰۵، جامع بیان العلم، ۱/۷۳۔
- ۲۰۰۔ صفی صالح، علوم الحدیث (اردو ترجمہ، غلام احمد حریری، مکتبہ کشمیر، فیصل آباد، بارخیزم ۱۹۹۷ء) ص ۲۵۔
- ۲۰۱۔ ابن الاثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ (دار احیاء التراث العربی، بیروت) ۳/۲۳۳۔
- ۲۰۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲/۲۲۶۵۸۔
- ۲۰۳۔ ابن حجر، احمد بن علی عسقلانی، تہذیب التہذیب (دائرة المعارف العلمیہ، حیدر آباد) ۸/۳۵-۵۵۔
- ۲۰۴۔ تہذیب التہذیب، ۸/۸۲؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲/۱۲۵۔
- ۲۰۵۔ ابوداؤد، السنن مع شرح معالم السنن للخطابی، ص ۲۳۵-۲۳۶۔
- ۲۰۶۔ جامع بیان العلم، ۱/۷۱۔
- ۲۰۷۔ مقدمہ، تجلۃ الاخوی، ص ۲۰۔
- ۲۰۸۔ نسائی، السنن، ۲/۲۳۶۔
- ۲۰۹۔ الدارمی، السنن، ۱/۳۲۰۔

- ۲۱۰۔ نسائی، السنن ۱/۳۹۷؛ دارقطنی، السنن، ص ۳۷۶۔
- ۲۱۱۔ الطحاوی، ابو جعفر احمد بن محمد، شرح معانی الآثار (سعید اچ ایم کمپنی، کراچی، ۱۹۷۵ء)، ۲/۴۱۷۔
- ۲۱۲۔ الدارقطنی، علی بن عمر، السنن (دارالحاسن، قاہرہ ۱۹۶۶ء)، ۲/۱۱۷۔
- ۲۱۳۔ الترمذی، السنن، ۲/۱۰۷۔
- ۲۱۴۔ تحفۃ الاحوذی، ۳/۳۷۵۔
- ۲۱۵۔ خطیب بغدادی، تہذیب العلم، ص ۶۶، بحوالہ مکی صالح، علوم الحدیث، ص ۳۹۔
- ۲۱۶۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسیہ، ص ۴۰۔
- ۲۱۷۔ ابن الاثیر، اسد الغابہ، ۱/۱۲۸۔
- ۲۱۸۔ خطیب الترمذی، مشکوٰۃ المصابیح (نور محمد اصح المطابع، کراچی)، ص ۵۱۸۔
- ۲۱۹۔ ابو بکر غزالی، کتابت حدیث محمد نبوی میں (مکتبہ غزنویہ لاہور) بحوالہ حاکم المسد رک۔
- ۲۲۰۔ الدارمی، السنن، ۱/۱۰۵۔
- ۲۲۱۔ حاکم، المسد رک، ۱/۱۰۶۔
- ۲۲۲۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۱/۱۹۵۔
- ۲۲۳۔ ایضاً، ۱/۳۳۰۔
- ۲۲۴۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ص ۲۳۰-۲۳۱۔
- ۲۲۵۔ حاکم، المسد رک، ۱/۳۰۹۔
- ۲۲۶۔ شرح معانی الآثار، ص ۳۱۶۔
- ۲۲۷۔ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی، ۱/۲۰۶۔
- ۲۲۸۔ مشکوٰۃ المصابیح، ص ۶۲۱۔
- ۲۲۹۔ الطبرانی، سلیمان بن احمد، المعجم الصغیر (دار احیاء التراث العربی بیروت)، ۱/۲۳۱۔
- ۲۳۰۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق السیاسیہ (دار الفہاش، بیروت، الطبعة الخامسة، ۱۹۸۵ء)، ص ۵۰۔
- ۲۳۱۔ مقدمہ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی، ص ۱۸۔
- ۲۳۲۔ بغوی، شرح المسند، ۱/۲۹۵۔
- ۲۳۳۔ ابن قتیبہ، تاویل مختلف الحدیث، ص ۲۸۶۔
- ۲۳۴۔ شرح المسند (حاشیہ)، ۱/۲۹۵۔
- ۲۳۵۔ الفرقان (۲۵)، ۲۷۔

باب دوم

سند حدیث

سند حدیث کی اہمیت

مشہور ضرب المثل ہے۔ ”وما آفة الاخبار الا روايتها“ (خبروں کی آفت ان کے راوی ہیں) اور یہ ضرب المثل ایک حقیقت ہے کہ اختلاف ملل و ادیان اور تہذیب و تمدن کے فرق کے باوجود سب لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ جھوٹے کی خبر کی تصدیق نہیں کی جاتی نہ اس کی روایت اور گفتگو کو قبول کیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ معلوم ہو کہ وہ کبھی سچ بھی بولتا ہے۔ عام طور پر سچے کی بات کو قبول کیا جاتا ہے اور اس کی بات کا یقین کرنے میں کسی کو کوئی تامل نہیں ہوتا۔ اگرچہ لوگ جانتے ہوں کہ سچے آدمی کے جھوٹ بولنے کا بھی امکان ہے۔ واقعات جو بیان کیے جاتے ہیں ان میں خبر کے غلط یا صحیح ہونے کا انحصار راوی پر ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خبر یا حدیث یا روایت کے بیان کرنے میں اصل چیز سند ہے۔ یعنی اس کے بیان کرنے والوں کی ایمان داری اور صداقت کی عادت، اس لحاظ سے حدیث کی صحت کو راوی کے صدق و عدل سے پرکھا جاتا ہے۔ کبھی کبھی راوی کا سوء حفظ اس کا سبب بنتا ہے۔ محدثین کے طریق کار پر کوئی کلام نہیں کیونکہ وہ اسناد میں شامل راویوں کی چھان بین کرتے ہیں۔ انہوں نے حدیث کے سلسلہ میں خصوصی توجہ دی بلکہ انہوں نے سند حدیث پر متن سے بڑھ کر توجہ دی۔ حضرات محدثین صرف حدیثوں کے ناقلین ہی نہیں بلکہ صحیح معنی میں ناقدین بھی ہیں۔ بتائیں معلوم ہوتا ہے کہ اسناد کی

اہمیت بیان کرنے سے پیشتر سند اور متن کے مفہوم کو واضح کر دیا جائے۔

السند

لفظی تعریف

- ۱۔ ”فلان سند ای معتمد“ (۱) (فلاں سند ہے یعنی معتمد ہے جس پر اعتماد کیا جاتا ہے)۔
- ۲۔ ”والاسناد فی الحدیث رفعہ الی قائلہ“ (۲) (اسناد حدیث میں اپنے قائل کی طرف منسوب کرتا)۔

- ۳۔ ”السند ما ارتفع من الارض فی قبل الجبل او الوادی والجمع الاسناد“ (۳) (پہاڑ یا وادی میں جو جگہ زمین سے بلند ہو اس کو سند کہتے ہیں اس کی جمع اسناد ہے)۔

اصطلاحی تعریف

- ۱۔ ”طریق متن الحدیث“ (۴) (متن حدیث کا راستہ یعنی راویوں کا سلسلہ ہے)۔ اس بارے میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ”هو الطريق الموصلة الى المتن“ (۵) (وہ ایسا راستہ ہے جو متن تک پہنچاتا ہو)۔
- ۲۔ ”وسند الحدیث هو ما ذکر قبل المتن، ویقال: الطريق لانه یوصل الی المقصود هنا وهو الحدیث کما یوصل الطريق المحسوس الی ما یقصد السالك فیہ“ (۶) (سند حدیث وہ ہے جو متن سے پہلے ہے اور اس کو طریق کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مقصد تک پہنچاتا ہے۔ جس طرح راستہ (طریق) چلنے والے کو اس کے مقصد تک جہاں تک اس کا ارادہ ہوتا ہے پہنچاتا ہے)۔

سند اور اسناد ہم معنی الفاظ ہیں۔ سیوطی فرماتے ہیں کہ ”قال الطیبی: وهما متقاربان فی المعنی اعتمد الحفاظ فی صحة الحدیث وضعفه علیہما وقال ابن جماعة: يستعملون السند والاسناد لانه واحد“ (۷) (طیبی نے کہا کہ یہ دونوں معنی میں ایک ہیں۔

حفاظ‘ حدیث‘ صحت حدیث اور ضعف حدیث میں ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور ابن جماعہ کہتے ہیں کہ سند اور اسناد ایک ہی معنی کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

حدیث میں ”اسناد“ مصدر استعمال نہیں ہوتا جس کی جمع نہیں بلکہ یہ وہ ہے جو کہ حثیہ اسنادان اور جمع اسانید استعمال ہوتا ہے (۸) اور لغوی، اصطلاحی تعریف کو بقول مولانا عطاء اللہ حنیف، صاحب التعلیقات السلفیہ علی النسائی اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے۔

”هو الاخبار عن طريق المتن مأخوذ اما من السند وهو ما ارتفع وعلى من سفع الجبل لان الراوى يرفعه الى قائله او عن قولهم فلان سند اى معتمد فسمى طريق الموصلة الى المتن اى الرواة الذين يتوصل بهم الى الحديث سموا بذلك لاعتماد الفاظ صحة الحديث وضعفه اليهم“ (۹) (وہ طریق متن کی خبر ہے یا تو یہ سند سے ماخوذ ہے جو کہ دامن کوہ سے بلند ہو کیونکہ راوی اس کو کہنے والے تک پہنچاتا ہے۔ یا ان کے کہنے سے ”فلان سند“ سے ماخوذ یعنی معتمد ہے اس کا نام، وہ راستہ ہے جو متن تک پہنچتا ہو۔ یعنی راویوں کا سلسلہ جن کی وجہ سے حدیث تک پہنچنے میں ان کا نام آئے۔ اس لیے یہ رکھا گیا۔ کیونکہ ان کی صحت اور ضعف حدیث کے الفاظ کا ان پر دار و مدار ہے۔)

المتن

لغوی تعریف

۱۔ ”المتن، متن الشی صلب وبابہ ظرف فهو متین ومتن الظہر سکتفا الصلب عن یمین وشمال عن عصب ولحم یذکر یؤنث“ (۱۰) (متن کے معنی سخت چیز، اس کا باب ظرف ہے۔ اس کا قائل متین ہے اور متین الظہر کے معنی پشت کا سخت ہونا، پٹھوں اور گوشت کا دائیں بائیں سے سخت ہونا۔ یہ مذکر اور مؤنث دونوں طرح سے استعمال ہو جاتا ہے۔)

۲۔ ”المتن من کل شی ما صلب ظہره والجمع متون ومتان“ (۱۱) (متن ہر ایک چیز میں سے جس کی پیٹھ سخت ہو اس کی جمع متون اور متان ہے۔)

۳۔ ”والمعاتنة المباعدة فى الغاية وسير معاتن بعيد (۱۲) (مما سترحتا کی طور پر دور چلے جانا اور سیر معاتن دور کی سیر ہے)۔

اصطلاحی مفہوم

۱۔ طیبی نے کہا ”الفاظ الحديث التى تتقوم بها المعانى (۱۳) (متن سے مراد حدیث کے الفاظ جن کے معانی بنتے ہیں)۔

۲۔ ابن جریر نے کہا ”وهو ما ينتهى اليه غاية السند من الكلام“ (۱۴) (متن وہ ہے کلام میں جہاں سند ختم ہوتی ہے)۔

۳۔ حافظ ابن حجر نے کہا ”وهو غاية ما ينتهى اليه الاسناد من الكلام“ (۱۵) (آخری جگہ جہاں کلام میں سند ختم ہو) اور اس کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم میں اس طرح سے اجماع ممکن ہے جیسا کہ علامہ محمد جمال الدین قاسمی فرماتے ہیں: ”واخذه اما من المعاتنة وهى المباعدة فى الغاية لانه السند او من متنت الكبش إذا شققت جلدة بيضه واستخرجتها فكان السند استخراج المتن بسنده او عن المتن وهو ما صلب وارتفع من الارض لان المسند يقويه بالسند ويرفعه إلى قائله أو من تمتين القوس أى شدها بالعصب لان المسند يقوى الحديث بسنده“ (۱۶) (متن المعاتنة سے ماخوذ ہے۔ وہ انتہائی دوری ہے کیونکہ وہ سند کی انتہا ہوتی ہے۔ یا یہ متنت الكبش“ (میں نے مینڈھے کی کھال اتار دی) سے ماخوذ ہے جس وقت آپ نے اس کی جلد پھاڑ دی اور اس کو باہر نکال دیا گویا کہ سند نے متن کو اپنی سند کے ذریعہ نکال دیا۔ یا متن سے ماخوذ ہے جو کہ سخت ہو اور زمین سے بلند ہو کیونکہ سند سے اس کو مستحکم کرنا اور قائل کی طرف لے جاتا ہے۔ یا تمتين القوس سے۔ یعنی اس نے اس کو سخت کر دیا یا مضبوط کر دیا۔ کیونکہ سند سے حدیث کو مستحکم کرتا ہے)۔

محدثین کا اسناد کی طرف رجحان

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسناد کی چھان بین کی طرف محدثین نے خصوصی توجہ دی تاکہ صحیح روایات کو موضوع روایات سے الگ کر دیا جائے اور خلوک و شحات رفع کر دیے جائیں۔ عبد اللہ ابن

مبارک سند کو دین کا حصہ قرار دیتے ہیں اور غلط احادیث روایت کرنے والوں کے لیے اسے ایک لگام تصور کرتے ہیں۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں: ”الاسناد من الدین لو لا الاسناد لقال من شاء ما شاء“ (۱۷) (اسناد دین سے ہیں۔ اگر سند نہ ہوتی تو جو کوئی چاہتا کہتا)۔

اسی طرح سفیان ثوریؒ اسناد کو مومن کے ہاتھ میں بمنزلہ قتال کرنے والے کے ہاتھ میں تلوار سمجھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ: ”الاسناد سلاح المؤمن إذا لم یکن معه سلاح فبأی شیء یقاتل“ (۱۸) (اسناد مومن کا ہتھیار ہے۔ جب اس کے پاس ہتھیار ہی نہ ہو تو وہ لڑائی کیسے کرے گا)۔ اور عائشہؓ جب کسی کو بغیر سند کے بیان کرتے تو کہتے کہ ”بقی رأس المال حدثنی فلان ثنا فلان من فلان“ (۱۹) (اصل زرباقی رہ گیا فلاں نے حدیث بیان کی اس نے کہا فلاں نے مجھے فلاں سے حدیث بیان کی ہے)۔ اسی طرح شعبہؒ ایسی حدیث کو جو کہ سند کے بغیر ہو ایسے کھانے سے تعبیر دیتے ہیں جو کہ بھوک نہ مٹا سکے۔ فرماتے ہیں: ”کل حدیث لیس فیہ أنا وحدثنا فهو خل وبقول“ (۲۰) (ہر وہ حدیث جس میں انا اور حدثنا نہیں وہ سرکہ اور سبزی کی مانند ہے)۔ انہی کا ایک اور قول ہے: ”کل حدیث لیس فیہ حدثنا واخبرنا مثل الرجل بالفلاة مع البعیر لیس له خطام“ (۲۱) (ایسی حدیث جس میں حدثنا اور اخبرنا نہ ہو۔ اس آدمی کی مانند ہے جس کے پاس جنگل میں بغیر مہار کے اونٹ ہو)۔

امام زہریؒ (محمد بن مسلم صحابہؓ) حدیث کی سند کے بغیر بیان کرنے کو اللہ پر جرات سمجھتے ہیں اور عقبہ بن حکیم نے بیان کیا کہ وہ اسحاق بن ابی فروہ کے پاس تھے اور ان کے پاس الزہریؒ تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ ابن ابی فروہؒ نے کہنا شروع کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الزہریؒ نے کہا اے ابن ابی فروہؒ! اللہ تجھے ہلاک کرے تو اللہ پر کتنی جرات کرتا ہے۔ حدیث کو سند سے کیوں بیان نہیں کرتا۔ تو ہمیں ایسی حدیثیں سناتا ہے جس کی نہ تکمیل ہے نہ مہار (یعنی بے سند حدیثیں) (۲۲)۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن شہاب زہریؒ جب کبھی حدیث بیان کرتے تو ساتھ سند بیان فرماتے۔ سند کے متعلق ان کا قول ہے کہ: ”لا یصلح ان یرقی السطح الا بدرجة“ (۲۳) (سیڑھی کے بغیر چھت پر چڑھنا ممکن نہیں)۔

امام شافعیؒ سند کے بغیر حدیث کو فائدہ مند کی بجائے نقصان دہ فرماتے ہیں۔ ان کا قول ہے: ”مثل الذی یطلب العلم بلا حجة کمثل حاطب اللیل یحمل حزمة حطب وفیه افعی تلدغه وهو لا یدری“ (۲۳) [ایسا شخص جو بلا دلیل (سند) علم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ حاطب اللیل (رات کو ککڑیاں اکٹھا کرنے والے) کی مانند ہے جو ککڑیوں کا کٹھا اٹھائے اور اس میں سے سانپ نکلے جو اس کو ڈس لے حالانکہ وہ اس سے بے خبر ہو]۔

اس سلسلے میں امام القسیمی کے اشعار قابل غور ہیں:

إذا لم یکن خبر صحیح عن الاشیخ متضح الطریق
فلا ترفع به رأساً ودعه فانی ناصح لك یا صدیقی
واسقاط المشائخ من حدیث أشد علی من ثكل الشقیق
وما فی الارض خیر من حدیث له نور باسناد وثیق (۲۵)

[جب صحیح سند والے شیوخ سے حدیث صحیح نہ ہو (یعنی بغیر سند کے ہو) تو اس کی طرف سراٹھا کر بھی نہ دیکھو۔ اے دوست میری یہی نصیحت ہے۔ حدیث کے مشائخ کا اسقاط میرے لیے حقیقی بھائی کی گمشدگی سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ اس حدیث سے بڑھ کر زمین میں کوئی چیز نہیں جس کے لیے با اعتماد سند کا نور ہو]۔

یہ بات باعث فخر ہے کہ علم الاسناد صرف مسلمانوں ہی میں پایا جاتا ہے اور کسی قوم میں نہیں۔ امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ: ”نقل الثقة كذلك یبلغ الی النبیؐ خص اللہ به المسلمین دون سائر اهل الملل کلها“ (۲۶) [ثقة کا ثقہ سے نقل کرنا یہاں تک کہ یہ نبی اکرم ﷺ تک پہنچے۔ یہ خصوصیت اللہ تعالیٰ نے تمام ملتوں میں سے صرف مسلمانوں ہی کو عنایت فرمائی ہے]۔ پھر آگے یہود و نصاریٰ کا ذکر کیا ہے کہ ان کا سلسلہ (اسناد) حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰؑ تک نہیں پہنچتا۔ لکھتے ہیں: ”وأما اقوال الصحابة والتابعین فلا یمکن الیہود أن یبلغوا الی صاحب النبیؐ أصلاً ولا الی تابع له ولا یمکن النصارى أن یصلوا أعلی من شمعون وبولص“ (۲۷) [جہاں تک یہود کا تعلق ہے ان کے صحابہ کرام (یہود) اور تابعین کے اقوال کے متعلق

ممکن ہی نہیں کہ وہ نبی کے صحابی تک (رسند) ہوں اور نہ ہی تابعی تک۔ اور عیسائیوں میں شمعون اور پولس سے آگے سند ممکن نہیں۔]

اسناد اور اصل حدیث کو محفوظ انداز میں دوسروں تک پہنچانے کا ایک سلسلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے سنا وہ فرماتے تھے: ”الاسناد من الدین“ (۲۸)۔

یحییٰ کہتے کہ انہوں نے شعبہ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ: ”انما تعلم صحة الحديث بصحة الاسناد“ (۲۹) (حدیث کی صحت کا علم سند کی صحت سے ہوتا ہے)۔ امام اوزاعیؒ کا قول ہے: ”ما ذهاب العلم الا ذهاب الاسناد“ (۳۰) (اسناد کا ضیاع علم کا ضیاع ہے)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے: ”ان هذا العلم دين فانظروا عمن تاخذونه“ (۳۱) (یہ علم دین ہے دیکھو کہ یہ آپ کس سے حاصل کر رہے ہیں)۔

امام مالکؒ نے فرمایا کہ چار آدمیوں سے علم حاصل نہ کرو ان کے علاوہ (اور جس سے چاہو) سے علم حاصل کرو۔ ایک بیوقوف سے، جس کی حماقت واضح ہو اگرچہ بہت زیادہ روایت کرنے والا ہو۔ نہ جھوٹے سے جو عام گفتگو میں جھوٹ بولتا ہو جب اس پر اس بات کا تجربہ نہ ہو جائے، اگرچہ آنحضرت ﷺ پر جھوٹ باندھنے کا اس پر اتہام نہ ہو۔ نہ صاحب حوئی (اہل بدعت) جو لوگوں کو اپنی احوال کی طرف بلاتا ہو اور نہ ایسے شیخ سے جو بڑا صاحب فضیلت اور عابد ہو مگر جو حدیث بیان کرے اس کو جانتا نہ ہو“ (۳۲)۔

امام مالکؒ خود بھی حدیث کے بارے میں بہت محتاط تھے۔ بشر بن عمر انرا حوائی سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کے متعلق امام مالکؒ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ”رأيتہ فی کتبی، قلت: لا، قال: لو کان الثقة لرأيتہ فی کتبی، قال ابن المدینی لا أعلم مالکاً ترک إنساناً إلا إنساناً فی حدیثہ شیء“ (۳۳) (کیا آپ نے اس کا ذکر میری کتابوں میں پڑھا! اس نے کہا نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر وہ ثقہ ہوتا تو آپ اس کو میری کتابوں میں دیکھتے۔ ابن مدینی نے فرمایا کہ امام مالکؒ نے صرف اس شخص کو چھوڑا جس کی حدیث میں خامی تھی)۔

عبدالحی الکتانی نے حافظ ابوالقاسم بن عساکر کے یہ اشعار پڑھے:

لقول الشیخ أنبأنی فلان وکان من الاثمة عن فلان
الی ان ینتهی الاسناد اعلی خیر من محادثة الحسان
ومستمل علی صوت فصیح الذّ لدی من صوت الیقین (۳۳)

(استاد کا انبائی فلاں کہتا جو کہ دیگر ائمہ فلاں سے روایت کریں یہاں تک کہ سند اپنی انتہا کو پہنچ جائے یہ بات میرے دل کو خوبصورت عورتوں سے گفتگو کرنے سے زیادہ اچھی لگتی ہے اور بلند آواز سے حدیث لکھوانے والا مجھے خوبصورت اور سریلی آواز میں گانے والیوں سے زیادہ محظوظ کرنے والا ہے)۔

قرآن مجید کی آیہ مبارکہ ”او اشارة من علم“ (۳۵) سے مراد اسناد الحدیث ہے۔ مشہور محدث ابواسحاق ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی نے لکھا ہے کہ علی ابن الحسن نے مجھے بتایا کہ اس نے عبداللہ (ابن المبارک) سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ جب کوئی فیصلہ آپ کو کرتا پڑے تو اثر پر اعتماد کرو۔ علی نے کہا میں نے اس بات کا ذکر ابو حمزہ بن صمون کسری سے کیا جو اہل مرو ہیں جو کہ ممتاز نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اثر کیا ہے؟ یہ کہ میں آپ کو کسی چیز کے متعلق حدیث بیان کر دوں اور آپ اس پر عمل کرنا شروع کر دیں۔ آپ سے قیامت کو کہا جائے گا کہ آپ کو اس بات کا حکم کس نے دیا ہے۔ آپ کہیں گے کہ ابو حمزہ نے۔ مجھے لایا جائے گا۔ کہا جائے گا کہ یہ خیال کرتا ہے کہ آپ نے اسے اس طرح سے حکم دیا ہے۔ اگر میں نے ہاں کہہ دی تو آپ کو چھوڑ دیا جائے گا اور مجھ سے پوچھا جائے گا کہ آپ نے یہ بات کہاں سے کی۔ اگر میں کہوں گا کہ مجھے اعمش نے کہا۔ پھر اعمش سے پوچھا جائے گا کہ آپ نے یہ بات کہاں سے کی۔ اگر اس نے ہاں کر دی تو مجھے چھوڑ دیا جائے گا اور اعمش سے کہا جائے گا کہ آپ نے کہاں سے کہا۔ وہ کہے گا مجھے ابراہیم نے بیان کیا۔ ابراہیم سے باز پرس ہوگی۔ اگر اس نے ہاں کہہ دی تو اعمش کو چھوڑ دیا جائے گا اور ابراہیم سے پوچھا جائے گا کہ آپ کو کس نے کہا۔ وہ کہے گا کہ مجھے علقمہ نے کہا۔ تو پھر علقمہ سے پوچھا جائے گا۔ اگر اس نے ہاں کر دی تو ابراہیم کو چھوڑ دیا جائے گا اور علقمہ کو کہا جائے گا کہ آپ سے کس نے کہا۔ وہ کہیں گے مجھے عبداللہ بن مسعود نے کہا تو پھر عبداللہ سے پوچھا جائے گا۔ اگر وہ ہاں فرمائیں گے تو علقمہ کو چھوڑ دیا جائے گا اور ابن مسعود سے کہا

جائے گا کہ آپ نے کس سے سنا۔ وہ کہیں گے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ سے کہا جائے گا تو آپ فرمائیں گے کہ مجھے جبریل نے کہا۔ یہاں تک کہ یہ سند اللہ تبارک و تعالیٰ تک پہنچے گی یہ اثر ہے۔ (۳۶)۔

اسناد کے بارے میں ابن الصلاح کا قول ہے کہ: "اصل الاسناد اولاً خصیصة فاضلة من خصائص هذه الأمة" (۳۷) (اسناد اس امت کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے)۔ اس طرح ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ: "لیس لامة من الأمم کاسنادهم یعنی هذه الأمة" (۳۸) (امتوں میں سے کسی امت کے پاس بھی اسناد نہیں جس طرح کہ اس امت کے پاس ہے)۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ: "علم الاسناد والرواية مما خص الله به أمة محمد وجعله سلعاً الى الدراية فاهل الكتاب لا اسناد لهم" (۳۹) (علم الاسناد اور روایت ایسی خصوصیت ہے جو اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو خاص عنایت کی۔ اس کی روایت کے لیے سیرمی بتایا اور اہل کتاب کے پاس اسناد نہیں ہے)۔

تاریخ ابن عساکر میں امام ابو حاتم الرازی کا قول ہے: "لم یکن فی أمة من الأمم منذ خلق الله آدم أمة یحفظون آثار نبیہم غیر هذه الأمة" (۴۰) (آدم کی تخلیق سے لے کر کوئی امت ایسی نہیں جو اپنے نبی کے آثار کی حفاظت اس طرح کرتی ہو جس طرح کہ یہ امت کرتی ہے)۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ: "اصل الاسناد خصیصة فاضلة من خصائص هذه الأمة" (۴۱) (اس امت کے خصائص میں سے ایک خصوصیت اسناد کا حامل ہونا ہے)۔ ابو بکر محمد نے فرمایا: "بلغنی ان الله خص هذه الامة بثلاثة اشياء لم یعطها من قبلها من الأمم، الاسناد، والانساب والاعراب" (۴۲) (مجھے یہ بات پہنچی کہ اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں اس امت کو عنایت فرمائیں جو کہ ان سے پہلے کسی امت کے پاس نہیں۔ اسناد، انساب اور اعراب)۔

امام احمد نے فرمایا کہ: "طلب الاسناد العالی سنة عن سلف" (۴۳) (اسناد عالی کی طلب ان لوگوں کی سنت ہے جو گزر گئے ہیں)۔ امام ابو عبد اللہ حاکم نے فرمایا کہ: "فلو لا الاسناد

وطلب هذه الطائفة له كثرة مواظبتهم على حفظه لدرس منار الاسلام ولتتمكن
أهل الالحاد والبدع فيه بوضع الاحاديث وقلب الاسانيد فان الاخبار اذا تعرت
عن وجود الاسانيد فيها كانت متبراهة (۴۳) [اگر اسناد کے لیے اس گروہ (محدثین) کی
طلب اور کثرت مواظبت نہ ہوتی تو اسلام کا مینار گر جاتا اور محمدین اور اہل بدعت کو وضع حدیث اور
سندوں کے بدلنے کا موقع مل جاتا۔ جب اخبار (حدیث) سندوں کے بغیر ہوں تو نامکمل ہوتی ہیں]۔

امام حاکم نے فرمایا کہ: "طلب الاسناد العالي سنة صحيحة" (۴۵) (اسناد عالی کی
طلب سنت صحیحہ ہے)۔ پھر انہوں نے اس سلسلے میں حضرت انسؓ سے حدیث نقل کی جس میں ایک اعرابی
نے آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر مختلف باتوں کی تصدیق کی۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہمیں اس
بات کی ممانعت تھی کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے کسی چیز کے متعلق سوال کریں۔ ہمیں یہ بات پسند تھی کہ کوئی
اعرابی آ کر آنحضرت محمد ﷺ سے سوال کرے اور ہم سنیں۔ ان میں سے ایک آدمی (اعرابی) آیا اس
نے کہا اے محمد ﷺ! آپ کا قاصد ہمارے پاس آیا اور اس کا یہ کہنا ہے کہ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا
ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے سچ کہا۔ اس نے پوچھا کہ زمین کس نے بنائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:
"اللہ نے"۔ اس نے پوچھا پہاڑ (زمین میں) کس نے نصب کیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ نے"۔
اس نے پوچھا اس میں قائدے کس نے بنائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ نے" اس نے کہا کہ اس
ذات کی قسم جس نے آسمان اور زمین کو بنایا اور پہاڑوں کو نصب کیا اور ان میں یہ منافع رکھے۔
(کیا) اللہ نے آپ ﷺ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں"۔ اس نے کہا
آپ ﷺ کے قاصد نے کہا ہے: "ایک دن اور ایک رات میں ہم پر پانچ نمازیں فرض ہیں۔
آپ ﷺ نے فرمایا: "اس نے سچ کہا"۔ اس نے کہا کہ (اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں) کیا اللہ
نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟ فرمایا: "ہاں"۔ اس نے کہا آپ ﷺ کے قاصد کا یہ خیال ہے کہ ہمارے مالوں
میں زکوٰۃ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس نے سچ کہا"۔ اس نے کہا: "اس ذات کی قسم جس نے
آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا کیا اللہ نے آپ ﷺ کو یہ حکم دیا ہے؟" فرمایا کہ "ہاں"۔ پھر اس نے کہا
آپ کے قاصد کا خیال ہے کہ سال کے ایک ماہ کے روزے ہم پر فرض ہیں۔ فرمایا: "ہاں" اس نے سچ

کہا۔“ اس نے کہا آپ ﷺ کے قاصد نے کہا ہم میں سے جو حج کی استطاعت رکھتا ہو وہ حج کرے۔ فرمایا: ”ہاں اس نے حج کہا۔“ پھر اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا نہ میں اس میں کمی کروں گا اور نہ کوئی زیادتی۔ جب وہ چلا گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ“ (اگر اس نے حج کہا تو وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا)۔

اس حدیث کو بیان کر کے امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ صحیح مسلم میں بھی ہے (۴۶)۔ یہ حدیث بھی اسناد زوادی کو چھوڑ کر علو اسناد کی اجازت کی دلیل ہے۔ اگر طلب علو اسناد اچھا کام نہ ہوتا تو آپ ﷺ اس کے سوال کو برا سمجھتے۔

ابوالعباس الدغولی فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن حاتم سے سنا فرماتے تھے کہ: ان الله اكرم هذه الامة وشرفها بالاسناد وليس لاحد من الامم قديما وحديثا اسناد موصل انما هي صحف في ايديهم وقد خلطوا بكتبهم الاخبار فليس عندهم تميز ما نزل من التوراة والانجيل وبين ما الحقوه بكتبهم من اخبارهم التي اتخذوها من غير الثقات“ (۴۷) (اللہ تعالیٰ نے اس امت کو کرم بنایا اور اسناد کے ساتھ اس امت کو شرف بخشا۔ قدیم اور جدید زمانہ میں کسی امت کے ہاں اسناد نہیں۔ ان کے پاس صحائف ہیں۔ انہوں نے اپنی کتابوں سے خبروں کو ملایا۔ ان کے ہاں توراة اور انجیل اور ان خبروں میں کوئی امتیاز نہیں ہے جو انہوں نے غیر ثقہ لوگوں سے لی ہیں)۔

ابوبکر ابن العربی المعافری نے فرمایا کہ: ”والله اكرم هذه الامة بالاسناد لم يعطه احدا غيرها فاحذروا ان تسلكوا مسلك اليهود والنصارى فتحدثوا بغير اسناد فتكونوا سالبين نعمة الله عن انفسكم مطرقين للثمة اليكم ولا حافظين لمنزلتكم ومشرکين مع قوم لعنهم الله وغضب عليهم وراكبين لسننتهم“ (۴۸) (اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اسناد کی وجہ سے مکرم کیا جو کہ ان سے پہلے کسی امت کے پاس نہ تھیں۔ آپ اس بات سے پرہیز کریں کہ یہود و نصاریٰ کے طریقہ کو اپنائیں کہ (ان کی طرح) سند کے بغیر حدیث کو بیان کرنے لگیں۔ اس صورت میں آپ اپنے آپ سے اللہ کی نعمت کو سلب کرنے والے ہوں گے اور آپ

تہمت کو اپنی طرف راستہ دینے والے ہوں گے اور اپنے مقام کو ضائع کرنے والے ہوں گے اور آپ اس قوم کے ساتھ مشترک ہوں گے جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ان پر اس کا غضب ہوا اور آپ اسی طریقہ پر چلنے والے ہوں گے۔

عبدالحی لکھنوی بحوالہ ”مواہب اللدنیہ“ فرماتے ہیں: ”الاسناد خضیصۃ فاضلۃ من خصائص هذه الامة وسنة بالغة من السنن المؤکدة“ (۳۹) (اسناد اس امت کی خاصیتوں میں سے ایک خاصیت اور سنن مؤکدہ میں سے ایک مکمل سنت ہے)۔ اس کے علاوہ انہوں نے امام الحسن الطہسی کا قول ان کی کتاب ”المخاصر“ سے نقل کیا ہے لکھتے ہیں: ”والاسناد خضیصۃ من خصائص هذه الامة وسنة من السنن البالغة وطلب العلوفہ سنة أيضًا ولذلك استحبت فیہ الرحلة“ (۵۰) (اسناد اس امت کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے اور مکمل سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔ اور علوفہ کی طلب بھی اسی طرح سنت ہے چنانچہ اس کے لیے اس میں سفر کرنا مستحب ہے)۔

حافظ ابن کثیرؒ ابلیس کے متعلق کردہ فرشتوں میں سے تھا یا نہیں کی بحث میں لکھتے ہیں: وقد روى في هذا آثار كثيرة عن السلف وغالبها من الاسرائيليات التي تنقل لينظر فيها والله اعلم بحال كثير منها ما يقطع بكذبه لمخالفة للحق الذي بأيدينا وفي القرآن غنية عن كل ما عدها من الاخبار المتقدمة لأنها لا تكاد تخلو من تبديل وزیاسة ونقصان وقد وقع فيها أشياء كثيرة وليس لهم من الحفاظ المتقين الذين ينفون عنها تحريف الغالين وانتحال المبطلين كما هذه الامة من العلماء والسادة والأتقياء والبررة والنجباء ومن الجهابذة النقاد والحفاظ الجياد الذين دونوا الحديث وحرروا وبينوا صحيحه من حسنه وضعيفه من نكره وموضوعه ومتروكه ومكذوبه وعرفوا الوضاعين والكذابين والمجهولين وغير ذلك من أصناف الرجال كل ذلك صيانة لجناح النبوى والمقام المحمدى خاتم الرسل وسيد البشر صلى الله عليه وسلم أن ينيب إليه كذب أو يحدث عنه بما ليس فيه

فرضی اللہ عنہم وأرضاهم وجعل الجنة الفردوس مأواہم وقد فعل" (۵۱) (اس سلسلے میں سلف سے بہت سے آثار مروی ہیں جن پر غور کی ضرورت ہے۔ ان میں اکثر کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ بعض ایسے ہیں جن کے جموٹ کا یقین ہے۔ حق سے اس کی مخالفت کی وجہ سے جو ہمارے پاس موجود ہے۔ قرآن مجید میں پہلی تمام خبروں سے استغناء ہے کیونکہ وہ بغیر زیادتی اور نقصان سے خالی نہیں ہیں۔ ان میں سے بہت سی موضوع چیزیں ہیں۔ اور ان کے لیے متقی حفاظ نہیں ہیں جو کہ عالمیوں کی تحریف کو دور کریں اور جموٹے لوگوں کی باتوں کی نشان دہی کریں۔ جس طرح اس امت میں علماء، سردار، متقی لوگ نیک اور شریف ہیں اور دانا قسم کے نفاذ ہیں اور اچھے حفاظ ہیں جنہوں نے حدیث کی تدوین کی اور اسے تحریر کیا اور صحیح کو حسن سے، ضعیف کو منکر سے اور موضوع، متروک اور مکذوب کو واضح کیا۔ انہوں نے وضاع، کذابین اور مجہولین لوگوں کو الگ کیا۔ یہ سب آنحضرت ﷺ کے مقام اور خاتم الرسل اور سید البشر کی وجہ سے کیا تاکہ جموٹ آپ ﷺ کی طرف منسوب نہ کیا جاسکے۔ یا آپ ﷺ سے وہ بات بیان نہ کی جاسکے جو کہ آپ ﷺ نے ارشاد نہ فرمائی ہو۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور ان کو راضی کر دیا اور ان کا مقام جنت الفردوس میں کیا)۔

اسحاق بن ابراہیم الحنظلیؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ظاہر حدیث کا پوچھتے تو میں انہیں سند کے بغیر حدیث بیان کرتا وہ سند کا پوچھتے اور فرماتے: "روایۃ الحدیث بلا اسناد من عمل المرصی، فان اسناد الحدیث کرامة من اللہ لامة محمد صلی اللہ علیہ وسلم" (۵۲) سند کے بغیر حدیث بیان کرنا مریضوں کا کام ہے۔ حدیث کی سند امت محمدیہ کے لیے کرامت (شرف) ہے۔]

امام الرازیؒ سے مروی ہے: "لم یکن فی امة من الامم امة یحفظون آثار بینہم غیر هذه الامۃ فقیل لا وبما رووا حدیثا لا اصل له قال علماء ہم یعرفون الصحیح من السقیم" (۵۳) (اس امت کے علاوہ کسی دوسری امت میں اپنے نبی کے آثار کو محفوظ کرنے کا رواج نہ تھا۔ ان سے کہا گیا کہ یہ کبھی وہ حدیث بیان کریں گے جس کی کوئی اصل نہ ہو تو انہوں نے فرمایا کہ ان کے علاحدہ کو تقسیم سے پہچانتے ہیں)۔

امام عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں کہ: "الاسناد مطلوب فی الدین قد رغبت الیہ ائمة الشرع المتین وجعلوه من خصائص أمة سید المرسلین وحکموا علیہ بکونه سنة من سنن الدین" (۵۴) (دین میں سند مطلوب ہے۔ علماء شریعت متین نے اس طرح رغبت کی ہے اور انہوں نے اسے سید المرسلین کی امت کی خاصیتوں میں سے ایک خاصیت قرار دیا اور اس کو دین کی سنن میں سے ایک سنت ہونے کا حکم لگایا)۔

"الفضل ما شهدت به الأعداء" مسلمانوں کی تاریخ کی اس طرح کوشش کے بارے میں مشہور انگریز مصنف (Springer) پر گزرنے لکھا ہے:

The glory of the literature of the Mohammadans is its literary biography(55).

اور مشکوٰۃ المصابیح کا مترجم رابسن (Robson) کہتا ہے:

In the gospels as they stand we don't have the various elements of the sources separated out for us as we do through the "isnads" of muslim tradition where at least apparently the transmission is traced back to the source"(56).

اور امام سخاویؒ اس راز کا پردہ فاش کرتے ہیں جس کے سبب مسلمانوں نے اسناد کی طرف بھروسہ کرنا ترک کر دیا۔ "علم تواریخ الرواة من الوفیات" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "وہو فن عظیم الوقع من الدین قديم النفع به للمسلمین لا یستغنی عنه ولا یعتنی بأعم منه خصوصاً ما هو القصد الأعظم منه وهو البحث عن الرواة والفحص عن أحوالهم فی ابتدائهم وحالهم واستقبالهم لان الأحكام الاعتقادیة والمسائل الفقهیة مأخوذة من کلام الہادی من الضلالة والمبصرین العمی والجهالة، والنقلة لذلك هم الوسائط بیننا وبینہ والرباط فی تحقیق ما أوجبه وسنه فكان التعریف بهم من الواجبات والتشريف بترجمهم من المهمات ولذا قام به فی القديم

والحدیث اهل الحدیث بل نجوم الهدی ورجوم العذی" (۵۷) (اس فن کا دین میں عظیم مقام ہے۔ مسلمانوں کے لیے اس کا فائدہ ہے نہ اس سے استغفار بتا جا سکتا ہے اور نہ اس سے کسی عام چیز کی وجہ سے استغفار ہو سکتا ہے۔ خاص کر اس میں جو بڑا مقصد ہے وہ راویوں کی تفتیش ہے۔ ان کی ابتداء، ان کے حال اور استقبال کے بارے میں کیونکہ اعتقادی احکام اور فقہی مسائل گمراہی، اندھے پن اور جہالت سے ہدایت دینے والے مبصرین کے کلام سے ماخوذ ہیں اور اس کے ناقل (رواق) ہمارے اور ان کے درمیان واسطہ ہیں اور جو چیز آپ نے ضروری قرار دی اور سنت بتائی، اس کے لیے ہمارے اور آنحضرت محمد صلعم کے درمیان بھی رابطہ ہیں ان کو جاننا لازمی ہے اور ان کے حالات کو جاننا بھی ضروری ہے۔ اس لیے اس کام کے لیے اہل حدیث بلکہ ہدایت کے ستارے اور دشمنوں کے لیے تیر ہیں اور قدیم اور جدید زمانہ میں اس کام پر لگے رہے۔)

وہ بات جس نے محدثین کو راویوں کی تحقیق و تفتیش کے بارے میں جاننے کے پیچھے لگایا اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "یا ایہا الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوماً بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین" (۵۸) (اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور اپنے کیے پر پشیمان ہو)۔ اسی طرح حضرت محمد ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "عن ابی ہریرۃ ان النبی قال کفی بالمرء کذباً ان یحدث بکل ما سمع" (۵۹) (آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ منہ بھری بات بیان کرے)۔ اس حدیث کے متعلق ابن حبان الہستی کا قول ہے: "فی هذا الخبر زجر للمرء ان یحدث بکل ما سمع حتی یعلم علی الیقین صحۃ ثم یحدث دون ما لا یصح" (۶۰) (اس روایت میں آدمی کے لیے تنبیہ ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو بیان نہ کرے یہاں تک کہ اس کی صحت (ثابت) کا علم نہ ہو جائے پھر اس کو بیان کرے اور جو صحیح نہ ہو اسے بیان نہ کرے)۔

سند حدیث کا آغاز و ارتقاء

اسناد حدیث کا اہتمام اور اس سے متعلق تحقیق و تفتیش تاریخ اسلام کے ابتدائی دور سے ہی شروع ہو گئی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے چھ سال بعد عبداللہ بن سبا اور اس کے ہم نوا لوگوں نے جو فتنہ شروع کیا تھا وہ آخر کار مجسمہ حیا، داماد رسول ﷺ، حضرت عثمانؓ کی شہادت کا باعث بنا۔ اس فتنہ کا سبب لوگوں کے متعارض سیاسی افکار اور آراء میں تعصب تھا۔ اس فتنہ نے حدیث نبویؐ میں کذب کو داخل کرنا شروع کیا۔ مذہبی اور سیاسی تعصب کی بنا پر ہر ایک چاہتا تھا کہ اپنے افکار و نظریات کو تقویت دے اور دوسروں کو نیچا دکھائے۔ جب علماء و محدثین نے یہ بات دیکھی تو انہوں نے حدیث کے مصادر کے متعلق بحث و تفتیش شروع کی اور جو راوی ان روایات کو نقل کرتے تھے ان کے متعلق چھان بین شروع کر دی۔

اسلام میں کسی خبر کو تحقیق کے بغیر قبول کرنا مناسب ہی نہیں سمجھا گیا قرآن مجید میں ارشاد ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْحَبُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ" (۶۱) (اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق شخص کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم بے جا نہ ہو جسے کسی قوم پر چڑھ دوڑا اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو)۔ اس آیت قرآنی سے معلوم ہوا کہ کسی بھی خبر کے مل جانے کے بعد فوراً ہی اس پر عمل نہیں کرنا چاہیے بلکہ اگر راوی اچھا نہیں ہے تو اس بات کی پوری تحقیق اور تفتیش کی جائے۔ امام خازن اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "أطلبوا بيان الامر وانكشاف الحقيقة ولا تعتمدوا على قول الفاسق" (۶۲) (امر کی وضاحت اور حقیقت کا انکشاف کرو اور فاسق کی خبر پر اعتماد نہ کرو)۔

آنحضرت ﷺ کے ارشادات عالیہ میں بھی اس بات کی وضاحت ملتی ہے کہ تحقیق و تفتیش کے بغیر کسی بات کو بیان نہ کیا جائے۔ "عن ابی ہریرۃ ان النبی ﷺ قال: کفی بالمرء اثماً ان یحدث بکل ما سمع" (۶۳) (حضرت ابو ہریرہؓ سے روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کسی آدمی کے گناہ گار ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی بات کو آگے بیان کرے)۔

اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حافظ ابن حبان الہستی فرماتے ہیں: ”فی هذا الخبر زجر للمرء ان يحدث بكل ما سمع حتى يعلم على اليقين صحته ثم يحدث دون ما لا يصح“ (۶۳) (اس حدیث میں اس آدمی کے لیے زجر و توبخ ہے کہ جو ہر چیز سننے سے بیان کرتا رہے۔ جب اسے خبر کی درستگی کا یقینی علم ہو جائے تو وہ وہی بیان کرے جو صحیح ہے)۔

اسلام میں عام جھوٹ کی عادت ہی ناجائز ہے اور پھر خاص طور پر آنحضرت ﷺ کی ذات پر جھوٹ بولنا نہ افضل ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: ”قال قال رسول الله ﷺ: حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج وحدثوا عنی ولا تکذبوا علی“ (۶۵) (بنی اسرائیل سے بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔ مجھ سے بیان کرو اور مجھ پر جھوٹ نہ بولو)۔

اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے امام شافعی فرماتے ہیں: ”هذا اشد حدیث روی فی تخریج الروایة عن لا یوثق بخبره عن النبی ﷺ“ (۶۶) (یہ حدیث تخریج حدیث کے متعلق شدید ہے ایسے شخص سے روایت کرنے میں جس کی خبر کا یقین نہ ہو)۔

اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے ”التمہید“ میں لکھا ہے جو کہ امام شافعی کے قول کا حصہ معلوم ہوتا ہے: ”فلا ینبغي لاحد ان يحدث عنه صلى الله عليه وسلم الا عن يثوق بخبره ويرضى دينه وامانته، لانها ديانة“ (۶۷) (کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کی حدیث کو بیان کرے مگر صرف ایسے شخص سے جس کے متعلق ثقہ ہونے کا یقین ہو اور اس کے دین اور امانت کے متعلق وہ خوش ہو کیونکہ یہ دین ہے)۔

ایک اور حدیث میں بھی ایسی ہی تہدید ہے: ”عن انس بن مالك قال قال رسول الله ﷺ من كذب على متعمداً فليتبوأ مقعده من النار“ (۶۸) (جس نے مجھ پر جھوٹ باعہ عہادہ اپنا ٹھکانا جہنم میں تیار کرے)۔

حدیث رسول ﷺ کی قدر و منزلت مسلمانوں کے ہاں قرآن مجید کے بعد ابتدائی زمانہ سے چلی آ رہی ہے۔ اس وجہ سے اس کے لیے حزم و احتیاط بھی ابتدائی دور میں ہی شروع ہو گئی تھی جس نے بعد میں باقاعدہ ایک علم کی صورت اختیار کر لی اور محدثین نے اس کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی حدیث رسول ﷺ کے متعلق خود بہت محتاط رویہ اختیار کرتے تھے۔ حضرت برائہ بن عازب سے روایت ہے ہم نے تمام احادیث آنحضرت ﷺ سے نہیں سنیں۔ ہمارے ساتھی بھی حدیثیں بیان کرتے تھے اور ہم ان سے سنتے۔ ہم اونٹ چرانے میں مشغول ہوتے۔ اصحاب رسول ﷺ میں سے جو حدیث سننے سے رہ جاتا وہ اپنے ساتھیوں سے سنتا اور ان (میں) سے (بھی) جو زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے (ان سے سنتے) اور جن سے وہ سنتے وہ نہایت حزم و احتیاط کرتے (کانوا یشدون علی ما یسمعون منه) (۶۹)۔ چنانچہ قبصہ بن ذکویب سے روایت ہے حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں ایک دادی اپنی وراثت طلب کرنے کے لیے آئی۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا ”کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں مجھے کچھ نہیں ملا، میں آج شام لوگوں سے اس معاملہ میں استفسار کروں گا“۔ جب انہوں نے ظہر کی نماز پڑھی تو لوگوں سے پوچھنے لگے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے فرمایا: ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا کہ آپ نے اسے چھٹا حصہ دیا“۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: ”کیا کسی اور نے آپ کے ساتھ سنا ہے؟“ محمد بن مسلمہ نے کھڑے ہو کر فرمایا: ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسے چھٹا حصہ دیتے ہوئے دیکھا“۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس حکم کو دادی کے لیے جاری کروا دیا (۷۰)۔

امام ذہبی نے اس روایت کو نقل کرنے سے قبل فرمایا: ”وکان اول من احتساط فی قبول الاخبار“ (۷۱) [وہ (حضرت ابو بکر صدیقؓ) پہلے شخص تھے جنہوں نے قبول اخبار میں احتیاط کی]۔ اس طرح حضرت عمر فاروقؓ بھی احادیث رسول ﷺ کے سلسلہ میں بہت محتاط رہے اس لیے انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے تین دفعہ سلام کرنے پر گواہ طلب کیا۔ امام ذہبی ان کے متعلق فرماتے ہیں: ”ففی هذا دلیل علی الخبر اذا رواه ثقتان کان اقوی وارجع مما انفرد به واحد“ (۷۲) (اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث کو جب دو ثقہ راوی بیان کریں تو زیادہ رائج ہوتی ہے۔ (بسیب) اس سے جس کو ایک بیان کرے)۔

حضرت علیؓ احادیث رسول ﷺ کے متعلق اتنے محتاط تھے کہ جو حدیث انہوں نے خود نہ سنی ہوتی کسی اور سے سنتے تو اس کے متعلق اس سے حلف لیتے: ”عن علی بن ربیعۃ عن اسماء بن الحکم الغزاری انه سمع علیا یقول: کنت اذا سمعت رسول اللہ ﷺ حدیثا نفعتی

اللہ بما شاء ان ینفعنی منه وکان اذا حدثنی عنه غیرہ استحلفته فاذا حلف صدقته، وحدثنی ابو بکر وصدق ابو بکر قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ما من عبد مسلم یذنب ذنباً ثم یتوضأ ویصلی رکعتین ثم یتستغفر اللہ الا غفر اللہ لہ" (۷۳) (علی بن ربیعہ اسماء بن الحکم المراری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو فرماتے سنا۔ کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کے کوئی حدیث سنتا تو اللہ جو چاہتا مجھے نفع دیتا۔ جب آپ ﷺ کے علاوہ کوئی اور مجھے حدیث بیان کرتا تو میں اس سے حلف طلب کرتا۔ جب وہ حلف اٹھا لیتا تو میں اس کو سچا سمجھتا۔ حضرت ابو بکرؓ نے مجھے حدیث بیان کی اور ابو بکرؓ نے سچ فرمایا۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا جب کوئی مسلمان آدمی گناہ کرتا ہے پھر وضو کرتا ہے اور دو رکعت نماز پڑھتا ہے پھر استغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے۔)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نے اگر خود آنحضرت ﷺ سے حدیث نہ سنی ہوتی تو کسی دوسرے سے سنتے ہوئے اس سے حلف لیتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہیں ان لوگوں پر یقین نہ تھا تمام صحابہ کرام سچے لوگ تھے بلکہ ان کو اطمینان قلب اسی طرح سے ہوتا تھا۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ سے جب حضرت علیؓ سنتے تو ان سے حلف نہ لیتے کیونکہ ان کو ایسا کہنا انہیں خود معیوب لگتا تھا اسی لیے کہ صدیق اکبرؓ سے بڑھ کر کون سچا ہو سکتا ہے۔

صحابہ کرامؓ حدیث رسول ﷺ کے سلسلے میں بہت محتاط تھے جب کذا اس زمانہ میں خدشہ بھی کم تھا۔ پھر بعد کے زمانہ میں اس کا خدشہ بھی بڑھ گیا۔ اسی وجہ سے آہستہ آہستہ اس معاملہ میں احتیاط اور تشدد بڑھتا گیا۔ حضرت عقبہ بن نافع کے متعلق ہے کہ وہ اپنی اولاد کو فرمایا کرتے: "لا تقبلوا الحدیث عن رسول اللہ ﷺ الا عن ثقة" (۷۴) (رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو صرف ثقہ ہی سے قبول کرو)۔

قال ابو ہریرۃ: "ان هذا العلم دین فانظروا عن تاخذونه" (۷۵) (حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا یہ علم دین ہے دیکھو آپ اس کو کس سے حاصل کرتے ہیں)۔

ابن معین نے اپنے بیٹے صہیب کو وصیت میں فرمایا: "یا بنی لا تقبلوا الحدیث عن

رسول اللہ ﷺ الا عن ثقة" (۷۶) (اے بڑے رسول اللہ ﷺ کی حدیث ثقہ کے علاوہ کسی سے قبول نہ کرو)۔ اسی قسم کا محمد بن سیرین کا بھی قول ہے: "انما هذا العلم دین فانظروا عمن تاخذونہ" (۷۷)۔

ایسے ہی ایک قول امام مالکؒ سے بھی مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: "یہ علم دین ہے دیکھو! آپ کن سے یہ دین حاصل کرتے ہو میں نے ستر ایسے آدمی دیکھے جو حدیثیں (مسجد نبوی کی طرف اشارہ کر کے ہی) بیان کرتے تھے۔ ہر ایک کہتا تھا فلاں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے کہا۔ میں نے ان سے کچھ بھی نہ لیا۔ اگر ان میں سے کسی کو بیت المال پر امن سمجھا جائے تو وہ امن ہوگا۔ ان سے حدیث نہ لینے کا سبب یہ تھا کہ وہ لوگ اس کے اہل نہ تھے۔ ابن شہاب ہمارے ہاں تشریف لاتے تو ہم ان کے دروازے پر ارہام کر لیتے تھے" (۷۸)۔

حدیث رسول ﷺ کے معاملہ میں جھوٹ بولنے والے کی لوگوں کے لیے نشاندہی کی جاتی تاکہ لوگ ان کے معاملہ میں دھوکہ نہ کھائیں۔ یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں: "میں نے عبدالرحمان بن مہدی کو کہتے سنا: میں نے شعبہ، ابن المبارک، الثوری اور امام مالک بن انس سے ایسے آدمی کے متعلق پوچھا جس پر جمع کذب ہو۔ انہوں نے کہا: "انشرہ فانہ دین" (۷۹) (اس کے متعلق بات کو پھیلائیے، یہ دین ہے)۔ اس معاملہ میں لوگ اپنے عزیز و اقارب کا بھی خیال نہ رکھتے تھے بلکہ اس کے متعلق گفتگو دین کا حصہ سمجھتے تھے۔

حماد بن زید کہتے ہیں کہ ہم نے شعبہ سے کہا کہ ابان بن سعید بن ابی عیاش کے متعلق اس کی عمر اور اس کے قریبی ہونے کی وجہ سے (آپ) بات (طعن کی) نہ کریں فرمانے لگے اے ابو اسماعیل: "لا یحل الکف عنہ لان الامر دین" (۸۰) (اس کے متعلق گفتگو سے رک جانا جائز نہیں کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے)۔

حضرت علی بن المدینیؒ سے ان کے والد کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا! میرے علاوہ کسی اور سے سوال کرو انہوں نے دوبارہ سوال کیا تو سر جھکا یا اور پھراٹھا کر فرمایا: "ہو دین انہ ضعیف" (۸۱) (یہ دین کا معاملہ ہے، وہ ضعیف ہے)۔

امام ذہبی نے اپنے بیٹے ابو ہریرہ کے متعلق فرمایا: ”انہ حفظ القرآن ثم تشاغل عنه“ (۸۲) (اس نے قرآن مجید کو حفظ کیا پھر اسے بھول گیا)۔

ان تمام حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین عظام حدیث اور دوسرے معاملات میں ائین لوگ تھے۔ ان کے سامنے جب بھی کوئی ایسی بات ہوتی تو حق بیان کر دیتے۔ اسناد کے سلسلہ میں خاص کر پوچھ گچھ اور چھان بین اس وقت شروع ہوئی جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد لوگوں کو احادیث کے متعلق خدشہ ہوا کہ اس میں ملاوٹ نہ کر دی جائے۔ اس سلسلہ میں محمد بن سیرین (م ۱۱۰ھ) جو کہ کبار تابعین میں سے ہیں، کا قول بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے وہ فرماتے ہیں: ”لم یكونوا یسئلون عن الاسناد حتی وقعت الفتنة فلما وقعت نظروا من كان من اهل السنة ومن كان من اهل البدع ترکوا حدیثہ“ (۸۳) (وہ اسناد کے متعلق فتنہ (شہادت عثمانؓ) کے وقوع سے قبل سوال نہ کرتے تھے جب فتنہ واقع ہوتا تو دیکھتے تھے کہ اہل سنت کون ہے اور اہل بدعت کون ہے؟ اس صورت میں اہل بدعت کی احادیث چھوڑ دیتے تھے)۔

انہی کا ایک اور قول ہے: ”لم یكونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قال سموا لنا رجالکم فی نظر الی اهل السنة فیؤخذ حدیثہم وینظر الی اهل البدع لا یؤخذ حدیثہم“ (۸۴) (وہ اسناد کے متعلق سوال نہ کرتے تھے۔ جب فتنہ وقوع پذیر ہوا تو انہوں نے کہا ان آدمیوں کے نام لو۔ پس اہل سنت کو دیکھا جاتا تھا اور ان کی احادیث لی جاتی تھیں۔ اہل بدعت کو دیکھا جاتا تھا اور ان کی احادیث نہیں لی جاتی تھیں)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ صغار صحابہ میں شمار ہوتے ہیں، ان کی پیدائش ہجرت سے تین سال قبل ہوئی اور وفات ۶۸ھ میں ہوئی۔ ان کے لیے آنحضرت ﷺ نے خود فہم قرآن کی دعا کی (۸۵)۔ ان کا ایک واقعہ امام مسلم نے نقل کیا ہے۔

صحابہ سے روایت ہے کہ بشیر العدوی حضرت ابن عباسؓ کے پاس آیا اور حدیث بیان کرنے لگا اور کہنے لگا۔ ”قال رسول اللہ ﷺ، قال رسول اللہ ﷺ صحابہ کہتے ہیں حضرت ابن عباسؓ نے اس کی روایت کی طرف کوئی توجہ نہ کی، نہ اصرار دیکھا۔ وہ کہنے لگا: ”اے ابن عباسؓ! کیا وجہ ہے کہ

آپ میری بات نہیں سنتے۔ میں تو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنانا ہوں اور آپ نہیں سنتے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ”ایک وقت تھا جب ہم کسی آدمی کو یہ کہتے سنتے، “قال رسول اللہ ﷺ تو ہماری نگاہیں اس پر جم جاتیں اور ہمارے کان اس کی بات سنتے۔ لیکن جب لوگ ہراوٹھی پٹی جگہ پر سوار ہونے لگے (صحیح اور غلط بیان کرنے لگے تو) ہم صرف وہی چیز لیتے ہیں جو جانتے ہیں“ (۸۶)۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کی حیات میں ہی حدیث رسول کے روادے کے متعلق احتیاط سے کام لیا جاتا تھا اور احادیث صرف ایسی لی جاتی تھیں جن کے متعلق ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا۔ حدیث رسول کی عظمت ان کے دلوں میں بہت زیادہ تھی، اس کی عظمت کی بنا پر اس میں احتیاط بھی زیادہ کی گئی۔ یحییٰ بن سعید القطانؒ کہتے ہیں۔ پہلا شخص جس نے اسناد حدیث کی تفتیش کی وہ عامر مضعیؒ (۱۷۱ھ-۱۰۶ھ) ہیں۔ ربیع بن خثیم نے ایک حدیث پڑھ کر سنائی، مضعی نے کہا میں نے کہا ”من حدثک؟“ (آپ کو کس نے حدیث سنائی؟) فرمایا: عمر بن میمون نے، اور اس سے میں نے پوچھا تھا ”من حدثک؟“ (آپ کو کس نے حدیث سنائی؟) فقال: ابو ایوب صاحب رسول اللہ ﷺ (اس نے کہا حضرت ابو ایوبؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی نے)۔ یحییٰ بن سعید القطانؒ فرماتے ہیں: ”وهذا اول من فتش عن الاسناد“ (۸۷) (یہ پہلا شخص ہے جس نے سند کے متعلق پوچھا)۔

صحابہ کرامؓ اور کبار تابعین کے زمانہ کے بعد کذب کے پھیلنے کے سبب سے سند کی تاکید زیادہ ہو گئی۔ بعد ازاں اس کی ضرورت اتنی بڑھ گئی کہ جو محدث چاہتا کہ اس کی روایات کو قبول کیا جائے اور ان کی تصدیق کی جائے تو وہ ضرور حدیث کو سند سے بیان کرتا۔ ابن سیرینؒ، شعبہؒ، محمد بن مسلم بن شہاب الزہریؒ، سفیان الثوریؒ اور عامر الشعمیؒ اسناد حدیث کے متعلق سوال کرتے تھے اور راوی حدیث کے حالات کا جائزہ لیتے تھے۔ بعض اقوال جوادر گزر چکے ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں مزید کچھ دلائل یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔

امام سفیان الثوریؒ نے فرمایا: ”لما استعمل الرواة الکذب استعملنا لهم التاریخ“ (۸۸) (جب راویوں نے جھوٹ بولنا شروع کیا تو ہم نے ان کے لیے تاریخ کو استعمال

کیا)۔ یعنی ماہ و سال کا حساب پوچھنا شروع کیا۔ جن سے وہ بیان کرتے تھے ان کے متعلق سوالات کہ کس وقت اور کس جگہ ان سے سنا۔ اس سے سچ اور جھوٹ کا پتہ چل جاتا تھا کیونکہ محدثین کو علم تھا کہ جس سے راوی بیان کر رہا ہے وہ کس زمانہ میں کہاں ہوا اور کب اور کہاں فوت ہوا۔

حفص بن غریث نے فرمایا: "اذا اهتمم الشيخ فحاسبوه بالسنيين يعني احسبوا سنه وسن من كتب عنه" (۸۹) (جب آپ شیخ کے متعلق بدگمان ہوں تو دو عمروں سے اس کا محاسبہ کرو یعنی اس کی عمر شمار کرو اور جس (راوی) سے وہ لکھتا ہے اس کی عمر کا حساب لگاؤ)۔

کتب رجال حدیث میں اس قسم کے کئی واقعات ملتے ہیں جن میں محدثین نے کذاب لوگوں کا ناٹھ بند کیا اور ان کو برسرعام رسوا کیا تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔ چنانچہ یحییٰ بن صالح سے روایت ہے: "حدثنا

عفیر بن معدان الکلاعی قال: "قدم علينا عمر بن موسى حمص، فاجتمعنا في المسجد فجعل يقول "حدثنا شيخكم الصالح" فلما اكثر قلت له من شيخنا

هذا الصالح سمعنا نعرفه" قال فقال خالد بن معدان قال: قلت له فاین لقیته؟ قال: لقیته فی غزاة ارمينية۔ قال: فقلت انتق الله يا شيخ ولا تكذب مات خالد

بن معدان سنة اربع ومائة وانت تزعم انك لقیته بعد موته باربع سنين وازيدك اخرى انه لم يغز ارمينية قط! كان يغزوا الروم" (۹۰) (الکلاعی فرماتے ہیں حمص میں

ہمارے ہاں عمر بن موسیٰ آئے ہم مسجد میں ان کے پاس اکٹھے ہو گئے وہ کہنے لگے "حدثنا شيخكم الصالح" (آپ کے شیخ صالح نے مجھے حدیث بیان کی) جب بہت زیادہ اس طرح سے کہنے لگا تو میں

نے کہا یہ کون ہمارا نیک شیخ ہے؟ ہمیں ان کا نام بتائیے تاکہ ہم جان لیں اس نے کہا: خالد بن معدان۔ میں نے کہا انہیں کس سال ملے تھے اس نے کہا ۱۰۸ھ میں ملا تھا۔ میں نے کہا آپ انہیں کہاں ملے تھے،

کہنے لگے میں انہیں ارمینہ کی جنگ میں ملا تھا۔ میں نے کہا اے شیخ! اللہ سے ڈرو اور جھوٹ نہ بولو۔ خالد بن معدان ۱۰۴ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ آپ کا بیان ہے کہ آپ (انہیں ان کی) وفات سے ۴ سال بعد

ملے۔ مزید برآں کہ انہوں نے ارمینہ میں کبھی جنگ نہیں کی۔ انہوں نے تو روم میں جنگ لڑی تھی)۔

اس قسم کا ایک واقعہ امام ابو عبد اللہ الحاکم صاحب المستدرک علی الصحیحین سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں ”ابو جعفر محمد بن حاتم الکشی ہمارے ہاں آئے اور عبد بن حمید سے حدیث بیان کرنے لگے۔ میں نے ان سے ان کی پیدائش کے بارے میں سوال کیا۔ کہنے لگے کہ میں دو سو ساٹھ ہجری میں پیدا ہوا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا اس شخص نے عبد بن حمید سے ان کی وفات کے تیرہ سال بعد سنا (۹۱)۔

اسی قسم کا ایک اہم واقعہ خطیب بغدادی کے زمانہ میں پیش آیا۔ بعض یہودی لوگوں نے قائم کے وزیر اعلیٰ ابوالقاسم کے سامنے ۴۳۷ھ میں ایک خط پیش کیا۔ جس کے متعلق دعویٰ کیا گیا کہ یہ آنحضرت ﷺ کا خط اور حضرت علیؑ کی تحریر تھی۔ اس خط میں یہ لکھا تھا کہ خیبر کے یہود سے جزیہ ساقط ہو گیا ہے، اس بات پر صحابہ کرامؓ کی گواہی مثبت تھی۔ وزیر اعلیٰ نے یہ خط الحافظ الحجۃ ابو بکر الخطیب کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے اس پر غور کرنے کے بعد فرمایا یہ جھوٹا خط ہے۔ کہا گیا آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ فرمایا اس میں حضرت معاویہؓ کی گواہی ہے۔ وہ (فتح مکہ) کے سال مسلمان ہوئے (فتح مکہ ۸ھ میں ہوا) اور فتح خیبر سات ہجری میں ہوئی۔ اس میں سعد بن معاذ کی گواہی ہے وہ یوم قرظہ کوفت ہو گئے جو کہ خیبر سے دو سال قبل ہوا۔ جو کچھ خطیب بغدادی نے ابوالقاسم سے کہا اس نے اسے قبول کیا اور ان کی بات پر یقین کیا۔ یہود کے بیان کردہ خط کے محتویات پر یقین نہ کیا کیونکہ یہ جھوٹا ثابت ہو گیا تھا (۹۲)۔

خطیب بغدادیؒ کے اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین نے راویوں کے حالات معلوم کرنے میں بہت دقت نظر سے کام لیا۔

محدثین حدیث کی تفتیش اور تحقیق کے لیے بڑے بڑے سفر کرتے تھے۔ نصر بن حماد اللوراق سے روایت ہے ہم شعبۃ کے دروازے کے پاس حدیث کا مذاکرہ کر رہے تھے۔ میں نے کہا ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی، اس نے ابواسحاق سے، اس نے عبد اللہ بن عطاء سے، اس نے عقبہ بن عامر الجہتی سے، انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں باری باری اونٹ چراتے تھے۔ ایک دن میں آیا آنحضرت ﷺ کے ارد گرد صحابہ تھے۔ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے سنا ”جس نے وضو کیا پھر دو رکعت نماز پڑھی پھر اللہ سے بخشش طلب کی اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔“ میں نے کہا واہ! میرے پیچھے سے ایک آدمی نے مجھے کہینچا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ عمر بن الخطاب تھے۔ فرمانے لگے تجھے کیا ہے

آفرین آفرین کہتا ہے۔ میں نے کہا اس بات کو پسند کرتے ہوئے۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے اگر تم نے اس سے پہلے والی بات سنی ہوتی تو تمہیں معلوم ہوتا کہ وہ اس سے بھی تعجب انگیز تھی میں نے کہا آپ ﷺ نے کیا فرمایا؟ حضرت عمرؓ نے کہا آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس نے گواہی دی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اسے کہا جائے گا آپ جنت کے جس دروازے سے چاہیں داخل ہو جائیں۔

نصر بیان فرماتے ہیں شعبہ ہائے تشریف لائے اور انہوں نے میرے منہ پر تھپڑ مارا پھر دوبارہ اندر داخل ہو گئے۔ نصر کہتے ہیں میں ایک طرف ہو کر رونے لگا۔ پھر وہ نکلے تو پوچھنے لگا اس کو کیا ہو گیا ہے کہ رو رہا ہے۔ عبداللہ بن ادریس نے کہا آپ نے اس سے زیادتی کی ہے۔ شعبہ کہنے لگے دیکھو وہ کیا بیان کرتا ہے۔ اسرائیل سے، وہ ابواسحاق سے، وہ عبداللہ بن عطاء سے، وہ عقبہ بن عامر سے، وہ آنحضرت ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ (شعبہ کہتے ہیں) میں نے ابواسحاق سے پوچھا: آپ کو کس نے بیان کیا۔ اس نے کہا: عبداللہ بن عطاء نے بیان کیا۔ انہوں نے عقبہ بن عامر سے، انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے۔ میں نے ابواسحاق سے کہا: کیا عبداللہ نے عقبہ سے سنا؟ (شعبہ) کہنے لگے وہ (ابو اسحاق) غصہ میں آ گئے۔ مسعر بن کدام بھی وہاں موجود تھے۔ مسعر نے مجھے کہا: تو نے شیخ کو ناراض کر دیا۔ میں نے کہا یا تو اس حدیث کو صحیح ثابت کریں ورنہ میں اس کو پھینک دوں گا۔ مسعر نے مجھے کہا: یہ عبداللہ بن عطاء مکہ میں ہیں۔ شعبہ نے کہا: میں نے مکہ کا سفر کیا، میرا حج کا ارادہ نہ تھا بلکہ اس حدیث کی طلب کا ارادہ تھا۔ میں عبداللہ بن عطاء سے ملا، ان سے اس روایت کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا سعد بن ابراہیم نے مجھے بیان کیا۔ شعبہ کہتے ہیں میں مالک بن انس سے ملا۔ اور ان سے سعد کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے کہا سعد بن ابراہیم مدینہ میں ہیں۔ اس سال انہوں نے حج نہیں کیا۔ میں نے مدینہ منورہ کا سفر کیا۔ مدینہ میں سعد بن ابراہیم سے ملا۔ اور میں نے ان سے پوچھا۔ انہوں نے کہا (یہ) حدیث آپ کے ہاں سے ہے مجھے زیاد بن خرق نے حدیث بیان کی جب انہوں نے زیاد بن خرق کا ذکر کیا تو میں نے کہا یہ کون سی چیز ہے؟ وہ کوئی تھا پھر مدنی ہو گیا پھر بصری ہو گیا۔ شعبہ کہتے ہیں میں نے بصرہ کا سفر کیا۔ میں زیاد بن خرق سے ملا وہ کہنے لگا: حدیث آپ کی ہانت (عمارت) میں سے نہیں

ہے۔ میں نے کہا آپ مجھے بیان کریں۔ کہنے لگا تو نہ لوٹائے گا۔ میں نے کہا: آپ یہ مجھے بتائیں (بیان کریں) کہنے لگا مجھے شہر بن حوشب نے بیان کیا۔ میں نے کہا: مجھے اس حدیث سے کیا اگر اس جیسی آنحضرت ﷺ سے صحیح (روایت) ہو تو یہ مجھے اپنے اہل و مال اور تمام لوگوں سے زیادہ پسند ہے۔

اس حدیث کو لکھنے کے بعد ابن عبد البر لکھتے ہیں: ”ہکذا یکون البحث والتفتیش وهذا معروف من شعبة“ (بحث اور تفتیش اس طرح ہوتی ہے اور شعبہ کے متعلق یہ بات مشہور ہے) اس لیے ان (شعبہ) کے بارے میں ابو عبد الرحمن النسائی نے کہا۔ اللہ کے رسول کی حدیث پر اللہ کے تین امین ہیں۔ مالک بن انس، شعبہ بن الحجاج اور یحییٰ بن سعید القطان (۹۳)۔

یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں جب سند کے متعلق عام بحث و تفتیش ہونے لگی تو اہل علم ہی نہیں بلکہ عام لوگ بھی سند کے متعلق پوچھنے لگ گئے۔ ایک عام اعرابی سفیان بن عیینہ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا۔ آپ حج کرنے والی ایسی عورت کے متعلق کیا کہتے ہیں جو بیت اللہ کے طواف سے پہلے حیض کی حالت میں ہو گئی؟ سفیان نے جواب دیا وہ سب کچھ کرے جو عام حاجی کرتے ہیں۔ صرف بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ اعرابی نے کہا: کوئی مومنہ ہے؟ سفیان نے کہا: ہاں۔ حضرت عائشہؓ کو بیت اللہ کا طواف کرنے سے قبل حیض آ گیا۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ طواف کے سوا سب کچھ کریں۔ اعرابی نے کہا ان تک بلاغ (سند) ہے؟ انہوں نے کہا ہاں مجھے عبد الرحمن بن القاسم نے اپنے باپ سے بیان کیا، انہوں نے حضرت عائشہؓ سے یہ بیان کیا۔ اعرابی کہنے لگا۔ آپ نے اچھا مومنہ بیان کیا اور صحیح پہنچایا۔ اللہ آپ کی صحیح رہنمائی کرے (۹۳)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ایک عام اعرابی نے سند کا اور پھر کامل سند کا سوال کیا اور ابن عیینہ نے ان کو جواب دینے اور اس کے سوال پوچھنے میں کوئی تنگی محسوس نہ کی۔ بلکہ جو کچھ ان سے پوچھا اس کا خوش دلی سے جواب دیا۔

محدثین حدیث کو ہر لحاظ سے پرکھتے تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ”ابن سیرینؒ، ابراہیم النخعیؒ اور کنی تابعین کا یہ خیال ہے کہ صرف اس شخص سے حدیث قبول کی جائے جو معروف ہو اور حفظ کرتا ہو۔ میں نے اہل علم میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو اس مذہب کا مخالف ہو“ (۹۵)۔

اس کے متعلق ابراہیم بن حمیش کے شعر بہت عمدہ ہیں:

يا طالبى العلم والروايات ان الروايات ذا آفات
لا تأخذو العلم عن أخى تهم الا عن الجائز الشهادات
اذا رضيتم منه الامانة والد ين له طوقوا الامانات (۹۶)

(اے طلبا! اور روایت کے طالبو، روایات میں بڑی مصیبتیں ہوتی ہیں، تہمت زدہ سے علم حاصل نہ کرو، ایسے آدمی سے علم حاصل کرو جس کی گواہی درست ہو۔ جب اس کی امانت اور دین سے خوش ہو جاؤ تو جو کچھ بھی دے لے لو)۔

امام شافعیؒ نے امام سفیان عیینہ کا مرثیہ اس طرح سے کیا:

من للحديث عن الزهري يسنده وللاحاديث عن عمرو بن دينار
ما قام من بعده من قال حدثنا الزهري في اهل البدو والحضر (۹۷)

اسناد کا ذکر اطمینان کا باعث تھا بھو بن حکیم کا یہ قول اس بات کا ثبوت ہے جب ان کے سامنے صحیح سند بیان ہوتی تو فرماتے: "ہذہ شہادات الرجال العدول المرضيين بعضهم على بعض" (۹۸) (یہ ایسے لوگوں کی گواہیاں ہیں جو عادل ہیں اور ایک دوسرے پر رضامند ہیں)۔

مستشرقین اور سند حدیث

سند حدیث کا مفہوم

سند در حقیقت متن حدیث کا طریقہ یعنی راویوں کا سلسلہ ہے (۹۹)۔ اس ہارے میں حافظ ابن حجر قمر ماتے ہیں: وہ ایسا راستہ ہے جو متن تک پہنچاتا ہو (۱۰۰)۔ سند حدیث متن سے پہلے آتی ہے اس کو طریق کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مقصد تک پہنچاتا ہے (۱۰۱)۔

قرآن حکیم کی روشنی میں سند حدیث کی اہمیت

اسلام میں تحقیق کے بغیر کسی بات کے قبول کرنے کو درست قرار نہیں دیا گیا۔ ارشاد ربانی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْحَبُوا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (۱۰۲) (اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم بے جا نہ ہو جیسے کسی قوم پر چڑھ دوڑو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو)۔

محدثین نے راویوں کی جانچ پرکھ کے لیے جرح و تعدیل جیسے اہم علم کی بنیاد ڈالی۔ "وَأَشْهَدُوا ذَوٰی عَدْلٍ وَنُكْمٍ" (۱۰۳) (اپنے میں سے دو منصف افراد کو گواہ کر لو)۔ جس طرح گواہ کے لیے قابل اعتماد اور منصف مزاج ہونا ضروری ہے ایسے ہی راوی کی بنیادی صفت بھی عدالت یعنی سیرت کی پاکیزگی ہے۔

حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں سند حدیث کی اہمیت

"عن ابن ابی بکرۃ عن ابیہ أن النبی ﷺ قال (فی خطبۃ یوم النحر) لیبلغ الشاہد الغائب فإن الشاہد عسی أن یبلغ من هو أوعی له منه" (۱۰۳) (ابن ابی بکرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے قربانی کے دن خطبے میں ارشاد فرمایا: جو حاضر ہیں وہ (میری باتیں) اُن تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ حاضر کی بہ نسبت غائب زیادہ قوت حافظہ رکھتا ہو)۔

آپ ﷺ کے اس فرمان کی بنا پر آپ ﷺ کی احادیث صحابہ کرامؓ کے توسط سے تابعین کو، اُن سے تبع تابعین کو اور پھر یہ روایات کتب حدیث کے توسط سے ہم تک پہنچیں۔

”عن سمرة بن جندب والمغيرة بن شعبة قالوا قال رسول الله من حدث عني بحديث يرى انه كذب فهو احد الكاذبين“ (۱۰۵) (سمرة بن جندب اور مغيرة بن شعبہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”جو مجھ سے حدیث روایت کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کدو جھوٹ ہے تو ایسا شخص جھوٹوں میں سے ایک ہے۔)

احادیث کا گھڑنا اور نبی اکرم ﷺ کے نام انہیں منسوب کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ حدیث روایت کرنے سے پہلے رواۃ حدیث کے بارے میں جانیں، راوی کے سچے اور جھوٹے ہونے کی پہچان سند کے بغیر ممکن نہیں۔

راوی کی تحقیق کے بغیر محض سنی سنائی باتوں کو دوسروں تک پہنچانا بھی جھوٹ ہی کی ایک قسم ہے اس کے متعلق میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”عن المغيرة بن شعبة قال سمعت رسول الله يقول: ان كذبا على ليس ككذب على احد فمن كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار“ (۱۰۶) (حضرت مغيرة بن شعبہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا مجھ پر جھوٹ اور افترا پروازی کسی عام انسان پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں ہے۔ اس لیے کہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا (جان بوجھ کر) وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔)

سند حدیث کا آغاز و ارتقاء

قرآن حکیم کے بعد حدیث رسول ﷺ کی قدر و منزلت ابتدائی دور سے چلی آ رہی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ کی قبولیت کے لیے احتیاط بھی ابتدائی دور سے ہی شروع ہو گئی تھی۔ اسی نے بعد میں ایک علم کی صورت اختیار کر لی۔

صحابہ کرامؓ روایت حدیث کے لیے بہت محتاط رویہ اختیار کرتے تھے۔ حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ ہم نے تمام احادیث آنحضرت ﷺ سے نہیں سنیں۔ ہمارے ساتھی بھی حدیثیں بیان کرتے تھے جو حدیث نہ سن سکتے وہ اپنے ساتھیوں سے سنتے اور ان سے جو زیادہ یاد رکھتے

والے ہوتے اور جن سے وہ سنتے وہ نہایت حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے (۱۰۷)۔

حضرت ابو بکر حدیث کے بارے میں بہت محتاط روش کے علمبردار تھے۔ انہوں نے بغیر تحقیق کے روایات کی کثرت کو روکنے اور احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھنے اور فروغ دینے کے لیے حدیث میں اصول شہادت کو بنیاد بنایا۔ کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو صحابہؓ سے پوچھتے اور اطمینان حاصل کرتے جیسا کہ دادی کی میراث والے مسئلے میں آپؐ نے کیا (۱۰۸)۔

امام ذہبیؒ کہتے ہیں: ”حضرت ابو بکر صدیقؓ پہلے شخص تھے جنہوں نے قبول اخبار میں احتیاط کی“ (۱۰۹) حضرت عمر فاروقؓ بعض صحابیوں کی روایات پر مزید تائید کا مطالبہ کرتے۔ ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنی تائید میں کسی کو پیش کرنے کا اہتمام کرنا پڑا اور انہوں نے ابو سعید خدریؓ کو بطور گواہ پیش کیا، چنانچہ حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے دروازے کے پیچھے سے تین دفعہ حضرت عمرؓ کو سلام کہا انہوں نے اجازت نہ دی (نہ جواب دیا) وہ لوٹ گئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کے پیچھے پیغام بھیجا اور پوچھا کہ آپ لوٹ کیوں گئے تھے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ”اذا سلم احدکم ثلاثا فلم یجب فلیرجع“ (۱۱۰) (جب کوئی تم میں سے تین دفعہ سلام کرے اور اسے جواب نہ دیا جائے تو لوٹ جائے)۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”آپ اس بات پر کوئی دلیل (گواہ) لائیں ورنہ میں نہ چھوڑوں گا۔ حضرت ابو موسیٰ ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ ان کا رنگ خفیر تھا۔ ہم نے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا اور پوچھا کہ آپ میں سے کسی نے یہ سنا ہے۔ ہم نے کہا کہ ہم تمام نے سنا ہے۔ انہوں (صحابہؓ) نے ایک آدمی ان کے ساتھ بھیج دیا اور اس نے حضرت عمرؓ کو جا کر بتایا۔ حضرت عمرؓ نے اس بات کو پسند فرمایا کہ حضرت ابو موسیٰؓ کی حدیث کی تائید ہو جائے۔ اس کو نقل کر کے امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: ”اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث کو جب دو ثقہ راوی بیان کریں تو وہ زیادہ راجح ہوتی ہے بہ نسبت اس کے جس کو ایک بیان کرے“ (۱۱۱)۔

حضرت علیؓ بھی روایت حدیث کے قبول کرنے میں اتنے احتیاط پسند تھے کہ جو حدیث انہوں نے خود نہ سنی ہوتی اسے کسی اور سے سنتے ہوئے اطمینان کے لیے قسم لیتے تھے (۱۱۲)۔

سیدنا علیؑ نے خود اس بات کو ابو بکر صدیقؓ سے حدیث بیان کرتے ہوئے اپنی مذکورہ شرط کا ذکر کیا (۱۱۳)۔ حضرت علیؑ جس طرح حدیث روایت کرنے والے سے قسم لیتے تھے اسی طرح اگر کوئی پوچھنے والا حدیث کے بارے میں آپ سے پوچھتا تو جوتا خود بھی قسم کھاتے اور فرماتے (ای و رب الکعبۃ) (۱۱۴)۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: "ان هذا العلم دین فانظروا عمن تاخذونہ" (۱۱۵) (یہ علم دین ہے، اس لیے دیکھو کہ تم کس سے اس کو حاصل کر رہے ہو)۔ حضرت عقبہؓ بن نافع اپنی اولاد کو ان الفاظ میں وصیت کیا کرتے تھے: "لا تقبلوا الحدیث عن رسول اللہ ﷺ الا عن ثقۃ" (۱۱۶) (رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو صرف ثقہ سے ہی قبول کرو)۔

مشہور تابعی عطاء بن ابی رباحؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مشہور صحابی حضرت ابو ایوب انصاریؓ، حضرت عقبہ بن عامرؓ کے پاس مصر تشریف لے گئے۔ جب ابو ایوب انصاریؓ مصر کے امیر مسلمہ بن علقمہ کے مکان پر پہنچے تو اطلاع ملنے پر مسلمہؓ فوراً باہر آئے اور گلے ملے اور دریافت کیا، کیسے یہ سفر فرمایا؟ حضرت ابو ایوبؓ نے فرمایا ایک حدیث میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی اب اس کے سننے والوں میں سے میرے اور عقبہؓ کے سوا اور کوئی باقی نہیں رہا ہے۔ آپ میرے ساتھ کسی کو بھیج دیجیے جو عقبہؓ کا مکان مجھے بتلا دے۔ جب ابو ایوبؓ عقبہؓ کے پاس پہنچے تو وہ فوراً باہر تشریف لائے، معائنہ کیا اور اس سفر کی زحمت گوارا کرنے کی وجہ دریافت کی۔ حضرت ابو ایوبؓ نے فرمایا "ستبر المؤمن" کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے براہ راست حدیث سننے والا میرے اور آپ کے سوا کوئی باقی نہیں رہا ہے، حضرت عقبہ بن عامرؓ نے فرمایا جی ہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "من ستر مؤمناً فی الدنیا علی خزینۃ سترہ اللہ یوم القیامۃ" (جس نے کسی مومن کے شرمناک عمل پر پردہ پوشی کی تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے عیوب پر پردہ ڈال دے گا)۔

یہ روایت سننے کے بعد ابو ایوبؓ نے فرمایا "صدقت" عقبہؓ آپ نے سچ فرمایا۔ اس کے بعد ابو ایوبؓ اپنی سواری کی طرف پلٹے اور مدینہ منورہ واپسی کے لیے اس پر سوار ہو گئے۔ امیر مصر کا عطیہ ان کو اس وقت ملا جبکہ وہ مصر کی سرحد پر پہنچ چکے تھے (۱۱۷)۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے مدینہ سے مصر تک کا طویل سفر ایک حدیث کی خاطر کیا تاکہ

اس حدیث کے لفظوں میں کسی قسم کا شک نہ رہ جائے۔ حضرت ابو ایوبؓ اپنے شاگردوں سے اس کی تصدیق مدینہ ہی میں کر سکتے تھے لیکن انہوں نے براہ راست حضرت عقبہؓ سے معلوم کرنا ضروری خیال کیا اس لیے کہ انہوں نے براہ راست نبی ﷺ سے حدیث سنی تھی۔

ابن عقیل سے روایت ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ طلب حدیث کیلئے اپنے سفر کا قطعہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے اونٹ خرید لیا اور ایک ماہ کا سفر طے کر کے ملک شام میں عبد اللہ بن انیسؓ کے مکان پر پہنچا۔ قاصد کے ذریعے گھر اطلاع کرائی گئی۔ وہاں سے سوال کیا گیا کہ جابر بن عبد اللہ حشریف لائے ہیں؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو فوراً عبد اللہ بن انیسؓ باہر تشریف لائے اور مجھے گلے لگایا، میں نے ان سے کہا، مجھے ایک حدیث کا علم ہوا ہے جسے براہ راست میں نے آپ سے نہیں سنا ہے، مجھے ائمہ یضہ ہوا کہ کہیں ہم دونوں میں سے کسی کو موت کا پیغام نہ آ جائے اس لیے میں نے سفر میں جلدی کی، عبد اللہ بن انیسؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ”اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا اس حال میں کہ وہ برہنہ بدن، بے ختنہ اور بے سرو سامان ہوں گے، ہم نے پوچھا یہنا کے معنی کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا، ایسے اشخاص جن کے پاس کچھ نہ ہو پھر اللہ تعالیٰ ان کو پکارے گا ایسی آواز جس کو دور والے بھی سنیں گے۔ راوی کا بیان ہے کہ میرا گمان ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے بعد فرمایا جیسے قریب والے سنتے ہیں (اللہ تعالیٰ فرمائے گا) میں ہی بادشاہ ہوں، کوئی جنتی، جنت میں داخل نہ ہو گا اس حال میں کہ کوئی دوزخی ظلم کی بنا پر اس سے (قصاص) کا مطالبہ کر رہا ہو، اور کوئی دوزخی دوزخ میں داخل نہ ہو گا اس حال میں کہ کوئی جنتی اس سے ظلم کی وجہ سے بدلہ کا تقاضا کر رہا ہو“ (۱۱۸)۔ اگر صحابہ کے نزدیک سند کی کوئی اہمیت نہ ہوتی تو صحابی رسول حضرت جابر بن عبد اللہ صرف ایک حدیث کی خاطر اتنا لہبا دشوار گزار سفر اختیار نہ کرتے۔

عبد اللہ بن ابی فروہ، امام زہریؒ کے پاس گئے اور حدیث بیان کرنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، دو دفعہ کہا۔ امام زہریؒ نے فرمایا ابن ابی فروہ اللہ حمیں جہاد و برباد کرے تو اللہ کے ہارے میں کتنی جرات کرنے والا ہے۔ اپنی حدیث کی سند بیان نہیں کرتا تو ایسی حدیث بیان کرتا ہے جس کی نہ تکمیل ہے نہ مہار (یعنی بے سند حدیثیں) (۱۱۹)۔ یہاں پر امام ڈہری ابن

ابن فروہ سے سند بیان نہ کرنے پر سخت رویہ اختیار کئے ہوئے نظر آتے ہیں جس سے محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف نے اسناد کو کس قدر اہمیت دی ہے۔

ابوالعباس الدغولیؒ نے محمد بن حاتم سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسناد کے ذریعہ اس امت کو شرف بخشا ہے (۱۳۰)۔ ابوبکر ابن العربی المعافری سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے (۱۳۱)۔

مستشرقین

مشرق کے معنی مشرقی علوم کا ماہر اور مشرقی آداب سے آگاہ ہونے والے کے ہیں (۱۳۲)۔ ڈاکٹر عمر فروغ کے مطابق مستشرق علوم اسلامیہ کا وہ مغربی اسکالر ہوتا ہے جو غیر مسلم ہو (۱۳۳)۔ مستشرق درحقیقت ایک ایسے غیر مشرقی محقق کو کہتے ہیں جو مشرقی علوم، معاشرت اور ادب وغیرہ میں دلچسپی رکھتا ہے۔ معن زلفوندینہ نے مغرب کے ان اسکالروں کو مستشرق کہا ہے جو اسلام، اسلامی تہذیب، اسلامی معاشرت اور اسلامی زبانوں میں دلچسپی رکھتے ہوں (۱۳۴)۔

تحریک استشرق کا آغاز و ارتقاء

تحریک استشرق کا آغاز اسلام کے ابتدائی دور ہی میں ہو گیا تھا۔ اسلام کے خلاف سب سے پہلے تحریک چلانے والا ساتویں صدی عیسوی کا جان آف دمشق تھا۔ بارہویں صدی عیسوی کے اختتام تک صرف دو مستشرق ایسے ملتے ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کی زندگی اور اسلامی تہذیب کا مطالعہ معروضی انداز میں کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں سے ایک پیٹر الفانسی (Peter Alfansi) جو ہسپانوی یہودی ہے اور دوسرا ولیم آف مالسمبری (William of Malmosbury) ہے (۱۳۵)۔

تحریک استشرق کا باقاعدہ اور منظم آغاز صلیبی جنگوں (۱۳ تا ۱۱ صدی عیسوی) کے بعد ایک دینی تحریک کے طور پر ہوا۔ اس تحریک کو سلطنت روم اور پاپائیت کی سرپرستی حاصل تھی۔ سترھویں صدی میں لندن، پیرس، کیمبرج، آکسفورڈ، گلاسگو، ایڈنبرا اور سینٹ انڈریوس کی جامعات میں علوم شرقیہ کی تدریس کے لیے شعبہ جات نے کام شروع کر دیا (۱۳۶)، اسی صدی میں بڈویل (Bedwell) (م ۱۶۳۲ء) نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "Muhammad The Imposture" (محمد

الکاذب) ناصی (نعوذ باللہ)۔ نجیب الحق نے اس عہد میں متعدد کتب کے تراجم عربی سے لاطینی زبان میں کیے جانے کا ذکر کیا ہے (۱۲۷)۔

استشر اق کے تیسرے اور موجودہ دور کا آغاز آٹھارویں صدی عیسوی سے ہوا اور یہ اب تک جاری ہے۔ فرانس کے سلوسٹروی ساسی (۱۶۵۸-۱۷۳۸ء) اور برطانیہ کے ایڈورڈ ولیم لین (۱۸۰۱-۱۸۷۶) کو دور جدید کے استشر اق کا بانی قرار دیا جاسکتا ہے (۱۲۸)۔ مستشرقین کی پہلی کانفرنس ۱۸۷۳ء میں پیرس میں ہوئی یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۱۹۷۳ء تک ان میں ہر ایک کو شرکت کی اجازت تھی اب صرف اہل مغرب ہی کو شرکت کی اجازت ہے (۱۲۹)۔

بیسویں صدی کے اواخر میں صورت حال یہ ہے کہ اب مستشرقین، مستشرق کہلوانا پسند نہیں کرتے دوسری عالمگیر جنگ کے بعد وہ "ایڈوانز" یا "ایریسٹڈ" سیشلسٹ/ ایکسپٹ کہلوانا پسند کرتے ہیں (۱۳۰)۔

سندِ حدیث پر مستشرقین کے اعتراضات اور ان کے جوابات

اسنادِ حدیث کی ابتدا کے بارے میں مستشرقین کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثر مستشرقین کی رائے میں اس کا آغاز دوسری صدی ہجری کے اواخر یا تیسری صدی ہجری کے آغاز میں ہوا۔ لیکن ہورڈوٹز اور رابسن اسنادِ حدیث کا آغاز پہلی صدی سے تسلیم کرتے ہیں۔

ہورڈوٹز Horovitz کہتا ہے:

"The first entry of the Isnad into the literature of tradition was in the last 3rd of first century" (131).

(ادبِ حدیث میں پہلی بار اسناد کے سلسلے کا آغاز پہلی صدی کے آخر تہائی میں ہوا)۔

را بسن کے مطابق:

"It is during the middle years of the first century of Islam that one would first expect anything like an Isnad. By then many of the companions were dead, and people who had not seen the Prophet would be telling stories about him. It might then

naturally occur to some to ask these men for their Authority. The growth of a hard and fast system must have been very gradual" (132).

[اسلام کی پہلی صدی کے وسط میں اسناد (جاری ہونے) کی توقع کی جاسکتی ہے، اس وقت تک بہت سے صحابہ وفات پا چکے تھے اور جن لوگوں نے نبی ﷺ کو نہیں دیکھا تھا وہ (صحابہ) اُن (ﷺ) کے بارے میں بہت سی باتیں بتاتے تھے۔ لہذا یہ قدرتی امر تھا کہ اُن سے اُن کی ثقاہت کے بارے میں پوچھا جائے۔ اسناد کا باضابطہ نظام بتدریج ظہور پذیر ہوا]۔

وہ مستشرقین جن کے خیال میں اسناد کا آغاز دوسری صدی کے اواخر یا تیسری صدی کے آغاز میں ہوا ان میں کچانی (Caetani)، اسپرگر، گولڈزیہر اور شاخت شامل ہیں۔

کچانی (Caetani) کے مطابق قدیم محدث عروہ بن زبیر (م ۹۴ھ) نے کسی سند کو پیش نہیں کیا۔ کچانی نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے چونکہ محمد ﷺ کی وفات کے تقریباً ساٹھ برس بعد عبدالملک کے دور تک اسناد کا رواج نہیں تھا۔ لہذا اسناد کا آغاز عروہ (م ۹۴ھ) اور ابن اسحاق (م ۱۵۱ھ) کے دور کے مابین ہوا۔ اس کے خیال میں اسناد کا سلسلہ دوسری صدی کے آخر یا شاید تیسری صدی کے آغاز میں ہوا (۱۳۳)۔

اسپرگر (Springer) کے مطابق عروہ (م ۹۴ھ) نے جو کچھ عبدالملک کو تحریر کیا وہ سند کے بغیر تھا بعد میں اس کے ساتھ اسناد جوڑی گئیں (۱۳۳)۔

شاخت لکھتا ہے: "There is no reason to suppose that the regular practice of using Isnad, is older than the beginning of the second century A.H." (135).

(اس مفروضے کو قائم کرنے کی کوئی دلیل نہیں کہ اسناد کے باقاعدہ استعمال کا رواج دوسری صدی ہجری کے آغاز سے قبل کا ہے)۔

گولڈزیہر نے مؤطا امام مالک (م ۱۷۹ھ) جس کا تعلق دوسری صدی ہجری سے ہے، پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کے مطابق معنوی اعتبار سے یہ احادیث کا مجموعہ نہیں بلکہ اس میں عدالتی

فیصلوں کو ثابت کرنے کے لیے احادیث کو استعمال کیا گیا ہے۔ گولڈ زیہر کے خیال میں امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) نے اسناد کی تفصیل بیان کرنے کے لیے کوئی مخصوص طریقہ اختیار نہیں کیا تھا بلکہ اکثر وہ بیشتر وہ عدالتی فیصلوں کے لیے ایسی احادیث بیان کرتے ہیں جن کا سلسلہ اسناد صحابہ تک ملا ہوا نہیں اور اس میں متعدد خامیاں موجود ہیں (۱۳۶)۔

مستشرقین نے اسناد حدیث پر جو اعتراضات کیے اس کی بنیاد امام ابن سیرین کا یہ قول ہے۔ وہ اسناد کے متعلق فتنہ کے وقوع سے قبل سوال نہ کرتے تھے۔ جب فتنہ واقع ہوا تو دیکھتے تھے کہ اہل سنت کون ہے اس کی حدیث لے لیتے تھے اور اہل بدعت کی احادیث چھوڑ دیتے تھے (۱۳۷)۔ ایک اور روایت میں انہی کا قول ہے۔ وہ اسناد کے متعلق سوال نہ کرتے تھے جب فتنہ وقوع پذیر ہوا تو انہوں نے کہا ان آدمیوں کے نام لو جو اہل سنت ہیں ان کی احادیث لے لی جاتی تھیں اور اہل بدعت کی احادیث نہیں لی جاتی تھیں (۱۳۸)۔

شاخص نے اس روایت کو من گھڑت قرار دیتے ہوئے اسے رد کیا ہے۔ اس لیے کہ اس نے فتنے سے مراد اموی خلیفہ ولید بن یزید (۱۲۶ھ) کے قتل کا واقعہ لیا ہے اور جبکہ امام ابن سیرین کی وفات ۱۱۰ھ میں ہو چکی تھی (۱۳۹)۔

راہسن اپنے مقالہ The Isnad in Muslim Tradition میں شاخص کے رائے سے اتفاق نہیں کرتا کہ فتنے سے مراد ۱۲۶ھ کے واقعات ہیں جس کی بنا پر اس نے ابن سیرین کے قول کو من گھڑت قرار دیا ہے۔ راہسن لکھتا ہے: ”مجھے ان نتائج کی محنت پر شک ہے۔ اس میں جس زمانہ کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ واقعی فتنے کا دور تھا، فتنے کے دور کا آغاز نہیں تھا۔ اس سے قبل علیؓ اور معاویہؓ کے درمیان خانہ جنگی رہی ہے جو اسلام میں فرقہ بندی کا باعث بنی جس کے اثرات ابھی تک باقی ہیں۔ لیکن یہ دور بھی انتہا ابتدائی ہے کہ ہمیں اس سے صرف نظر کیے بغیر چارہ نہیں۔ زیادہ قرین قیاس وہ دور ہو سکتا ہے جب عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی خلافت کا اعلان کیا۔ موطا میں امام مالک ابن عمرؓ کی یہ خواہش نقل کرتے ہیں کہ وہ فتنہ کے دوران مکہ جانا چاہتے تھے لیکن انہوں نے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ اگر انہیں وہاں تک پہنچنے نہ دیا گیا تو وہ نبی ﷺ کے اسوہ پر عمل کریں گے جب کہ انہیں صلح حدیبیہ کے سال

مکہ جانے سے روک دیا گیا تھا“ (۱۴۰)۔

یہ واقعات ۶۲ھ اور ۷۷ھ کے درمیان کے ہیں جب مکہ میں عبداللہ بن زبیرؓ محصور کر دیا گیا تھا۔ ابن سیرینؒ کی پیدائش ۳۳ھ کی ہے اور اس دور میں وہ عمر کی پختگی کے اس مرحلے میں تھے جہاں وہ پورے یقین کے ساتھ اپنی بات کر سکتے تھے۔ لہذا ابن سیرین سے منسوب قول کو درست مانا جاسکتا ہے اور یہ درست ہو تو ہو روڈو (Horovitz) کا نظریہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ادب حدیث میں اسناد کا آغاز پہلی صدی کی تیسری تہائی میں ہوا ہے۔

مستشرقین کی جانب سے بیان کی گئی مختلف آراء یہ ظاہر کرتی ہیں کہ اسناد کی ابتدا کے بارے میں کسی ایک نکتہ نظر پر ان کا اتفاق نہیں۔ بعض اس کو دوسری صدی کی پیداوار قرار دیتے ہیں اور بعض پہلی صدی کی آخری تہائی کی۔ جبکہ مسلمانوں کا یہ نکتہ نظر ہے کہ احادیث کو صحابہ کرامؓ نے پیغمبر علیہ السلام سے روایت کیا۔ صحابہ کرامؓ بھی حدیث کو سند سے بیان کرتے تھے اور تابعین نے اُن (صحابہ) کے واسطے سے نبی ﷺ سے روایت کیا مثلاً: ”حدثنا ابراهيم بن يعقوب حدثنا زيد بن الحباب حدثنا ميمون ابو عبد الله حدثنا ثابت البناني قال: قال انس بن مالك: يا ثابت! خذ عني فانك لن تأخذ عن احد واوثق مني، اني اخذته عن رسول الله واخذه رسول الله عن جبرئيل اخذه جبرئيل عن الله عز وجل“ (۱۴۱) (۵) ثابت بنانی فرماتے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے تھے۔ اے ثابت! مجھ سے احادیث لو آپ مجھ سے بڑھ کر کسی ثقہ سے احادیث نہیں لے سکتے۔ میں نے ان احادیث کو رسول اللہ ﷺ سے لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل سے اور جبرئیل نے اللہ سے)۔

محدثین نے حدیث کی خدمت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کیں اس کے لیے کہیں وہ بڑے بڑے سفر کرتے نظر آتے ہیں کہیں راویوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے تک و دو کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی کاوشوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس کے لیے باقاعدہ علم اسماء الرجال وجود میں آیا۔ اسی طرح سے اصول حدیث اور الجرح والتعديل جیسے علوم وجود میں آئے۔ عام راویوں پر الگ کتابیں لکھی گئیں۔ خاص کتب کے راویوں، ثقہ اور ضعیف راویوں، صحابہ اور تابعین سے متعلق کتب الگ لکھی گئیں۔ مختلف

شہروں اور انساب کے بارے میں بھی کتابیں لکھی گئیں۔ اس سلسلے میں اگر کسی نے کوئی چیز وضع کر کے اُس کو بغیر علیہ السلام کے نام منسوب کرنے کی کوشش کی تو اس کا باقاعدہ محاسبہ کیا گیا۔

اسی قسم کا ایک اہم واقعہ خطیب بغدادی کے زمانے میں پیش آیا۔ بعض یہودی لوگوں نے قائم باللہ کے وزیر اعظم ابوالقاسم علی کے سامنے ۴۴۷ھ میں ایک خط پیش کیا جس کے متعلق دعویٰ کیا کہ یہ آنحضرت ﷺ کا خط تھا اور حضرت علیؓ کی تحریر تھی۔ اس خط میں یہ لکھا تھا کہ خیر کے یہود سے جز یہ ساقط ہو گیا ہے۔ جسے خطیب بغدادی نے دلائل سے جھوٹا ثابت کر دیا (۱۳۲)۔ اسناد اور واقعات کی چھان بین اور تحقیق کا شرف دنیا کے کسی اور مذہب کو حاصل نہیں اسلام کو حاصل ہے۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ: ”نقل الثقة عن الثقة كذلك يبلغ الى النبي ﷺ خص الله به المسلمين دون سائر اهل الملل كلها“ (۱۳۳) (ثقة کا ثقہ سے نقل کرتا یہاں تک کہ یہ آنحضرت ﷺ تک پہنچے۔ یہ خصوصیت اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں میں سے صرف مسلمانوں ہی کو عنایت فرمائی ہے)۔

ابن حزمؒ نے یہود و نصاریٰ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: ”واما اقوال الصحابة والتابعين فلا يمكن اليهود ان يبلغوا الى صاحب النبي اصلاً ولا الى تابع ولا يمكن النصارى ان يصلوا اعلی من شمعون وبولص“ (۱۳۴) (جہاں تک یہود کا تعلق ہے ان کے صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال کے متعلق ممکن ہی نہیں کہ وہ نبی کے صحابی تک پہنچتے ہوں اور نہ ہی تابعی تک اور عیسائیوں میں وہ شمعون اور پولس سے آگے نہیں جاسکے)۔

امام شعبہ سے تحقیق حدیث کے لیے سفر اور روایت حدیث میں احتیاط پر مبنی واقعہ کتب حدیث میں منقول ہے۔ تفصیل سابقہ مقالے ”سید حدیث اور اس کا آغاز“ میں گزر چکی ہے۔ اس واقعہ کو لکھنے کے بعد ابن عبدالبر لکھتے ہیں: ”هكذا يكون البحث والتفتيش وهذا معروف من شعبة“ (بحث اور تفتیش اس طرح ہوتی ہے اور شعبہ کے متعلق یہ بات مشہور ہے)۔ اس لیے ان (شعبہ) کے لیے ابو عبد الرحمن السائی نے کہا۔ رسول اکرم ﷺ کی حدیث پر اللہ کے تین امین ہیں۔ مالک بن انسؒ، شعبہ بن الحجاج اور یحییٰ بن سعید القطان (۱۳۵)۔

یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں جب سند کے متعلق عام بحث و تفتیش ہونے لگی تو اہل علم ہی نہیں بلکہ عام لوگ بھی سند کے متعلق پوچھنے لگ گئے۔ ایک اعرابی سفیان بن عیینہ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا۔ آپ حج کرنے والی عورت کے متعلق کیا کہتے ہیں جو بیت اللہ کے طواف سے پہلے حیض کی حالت میں ہو گئی؟ سفیان نے جواب دیا وہ سب کچھ کرے جو عام حاجی کرتے ہیں صرف بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ اعرابی نے کہا ان تک بلاغ (سند) ہے؟ انہوں نے کہا ہاں مجھے عبدالرحمان بن القاسم نے اپنے باپ سے بیان کیا، انہوں نے حضرت عائشہؓ سے بیان کیا۔ اعرابی کہنے لگا۔ آپ نے اچھا نمونہ بیان کیا اور صحیح پہنچایا۔ اللہ آپ کی صحیح رہنمائی کرے (۱۳۶)۔

اس روایت سے معلوم ہوا ایک عام اعرابی نے سند کا اور پھر کامل سند کا سوال کیا اور ابن عیینہ نے ان کو جواب دینے اور اس کے سوال پوچھنے میں کوئی تنگی نفس محسوس نہ کی بلکہ جو کچھ ان سے پوچھا اس کا خوش دلی سے جواب دیا۔

مشہور مستشرق سپرگر Springer لکھتا ہے کہ:

"The Glory of the literature of the Mohammadans is its literary biography. There is no nation nor has there been any which like them has during the 12 centuries recorded the life of every man of letters. If the biographical records of the muslimans are collected, we should probably have accounts of the lives of half a million of distinguished persons, and it would be found that there is not a decennium of their history, nor a place of importance which has not its representatives"(147).

اور مکملۃ المصانع کا مترجم (Robson) کہتا ہے:

"In the gospels as they stand we don't have the various elements of the sources separated out for us as we do through the "Isnads" of muslim traditions where at least apparently, the transmission is traced back to the source"(148).

امام بخاری سند کی اہمیت اور اس کے فوائد و ثمرات کی بنا پر اس فن سے واقفیت اہل اسلام کے لیے لازمی قرار دی ہے (۱۳۹)۔

ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اسلام میں سند حدیث کو از حد اہمیت دی گئی۔ اسی پر حدیث کی صحت کا مدار ہے۔ محدثین کسی ایسی حدیث کو قبول نہیں کرتے جس کے اندر مجرد روای ہوں۔ حدیث کو روایت کرنے سے پہلے انہوں نے ہر طرح سے چھان بھنگ کی۔ اس معاملے میں شک کی بنیاد پر بھی راویوں کو چھوڑ دیا گیا۔ سند حدیث کا آغاز حدیث کی روایت کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔

حضرت انسؓ کا یہ کہنا کہ مجھ سے بڑھ کر کوئی بہتر راوی نہیں ہو سکتا کہ میں نے نبی ﷺ سے، انہوں نے حضرت جبرائیل اور انہوں نے اللہ سے سنا۔ حضرت ابو بکرؓ کا قبول روایت میں احتیاط کرنا۔ حضرت علیؓ کا راویوں سے قسم لینا۔ ابتدائی دور سے ہی روایت حدیث میں احتیاط کے ساتھ ساتھ روایت پر کسی دوسرے راوی کی گواہی لینا سند کو ثابت کرتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ سلسلہ سند کا آغاز دور صحابہ سے ہی ہو گیا تھا۔ لہذا یہ الزام درست نہیں ہے کہ پہلے روایات وجود میں آئیں اور پھر اسناد کو روایات سے جوڑا گیا۔

جہاں تک تابعین کا تعلق ہے وہ احادیث کو صحابہ کے توسط سے نبی ﷺ سے روایت کرتے تھے اور اس طرح یہ سلسلہ بعد میں آنے والے راویان حدیث میں پایا جاتا ہے۔ ان کے بعد جو کتابیں لکھی گئیں ان میں راویوں کا سلسلہ زنجیر کی کڑیوں کی طرح متصل ہے۔ لکھنے والے محدثین کو راویوں کے بارے میں تمام قسم کی معلومات ہیں۔ مسلمانوں کو تمام اقوام عالم میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ سند کا سلسلہ انہی کی میراث ہے۔

اسناد حدیث کی مسلمانوں کے ہاں اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ عبداللہ بن مبارکؓ اس کو دین کا حصہ قرار دیتے ہیں۔ اس علم کی وجہ سے ہزاروں لوگوں کے حالات زندگی کی چھان بھنگ کی گئی۔ ان کے متعلق ہر قسم کی معلومات لکھی گئیں۔ ان کے اخلاق کو پرکھا گیا۔ خورد و بینی انداز میں ان کے اعمال کا محاسبہ کیا گیا۔ ان کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگوں کے بارے میں معلومات اکٹھی کی گئیں۔ ان کے متعلق حزم و احتیاط سے کام لیا گیا۔ ان کی تحقیق و تفتیش کی گئی۔ اس طرح کی تحقیق کسی اور

مذہب کے ماننے والوں میں موجود نہیں ہے۔ اس کی گواہی مشہور مستشرق سپرنگر نے بھی دی ہے۔ جرح و تعدیل کے علم میں بڑے سے بڑے آدمی سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے آدمی کی جانچ پرکھ کی گئی۔ کسی کی حکومت یا جاہ و شہم اُس پر تنقید کو نہ درک سکی۔ اگر کسی کے متعلق کسی شبہ کا اظہار کیا گیا تو اس کی روایت کو چھوڑ دیا گیا۔

سند حدیث کی معلومات کے لیے کئی قسم کی کتب لکھی گئیں۔ ان میں معرفۃ الصحابہ، معرفۃ الابیہن، کتب طبقات، کتب الانساب، تاریخ احوال رواۃ الحدیث، کتب مشیخت، کتب وفیات، کتب رجال، کتب مخصوصہ کے رجال، کتب ثقات اور کتب ضعفاء وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد نے اُن سے سُن کر جو احادیث لکھیں اُسے ”صحیفہ ہام بن منہ“ کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی وفات ۵۹ھ میں ہوئی اس کا مطلب ہے اسے اس سے قبل نقل کیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ یعنی تھے اور ان کے شاگرد ہام بن منہ یعنی تھے۔ وہ ان سے احادیث لکھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ پہلی صدی کے وسط میں یہ تمام احادیث حضرت ابو ہریرہؓ کی سند سے ضبط تحریر میں آ گئی تھیں یہ تمام احادیث صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں۔ صحیفہ ہام بن منہ کے خطوط کے دو قلمی نسخے برلن اور دمشق سے حاصل کر کے ڈاکٹر حمید اللہ نے ان پر تحقیق کی اور اسے شائع کر دیا۔ یہ خطوط پہلی صدی ہجری کا ہے جس سے مستشرقین کا یہ مفروضہ غلط ثابت ہوتا ہے کہ اسناد کا تعلق دوسری صدی ہجری کے اواخر یا تیسری صدی ہجری کے آغاز سے ہے۔

TRUEMASLAK@INBOX.COM

حوالہ جات

- ۱۔ الرازی، محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر، عقار الصحاح (مکتبہ لبنان بیروت ۱۹۸۵ء) تحت سادہ، ص ۱۸۰۔
- ۲۔ ایضاً۔
- ۳۔ لسان العرب، ۲/۲۲۰۔
- ۴۔ توجیہ النظر، ص ۲۲۵۔
- ۵۔ نزعة النظر فی توضیح الحق الفکر، ص ۹۲۔
- ۶۔ توجیہ النظر، ص ۲۵۔
- ۷۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن، تدریب الراوی فی شرح تقریب الراوی (دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۸۹ء، الطبعة الثانیة) ۱/۳۱-۳۲۔
- ۸۔ توجیہ النظر، ص ۲۵۔
- ۹۔ شاہ ولی اللہ، اتحاف النبیہ فیما یشتمل علیہ المحدث والفقہ (مقدمہ) (المکتبہ السلفیہ لاہور، ۱۹۶۹ء) ص ۱۳۔
- ۱۰۔ عقار الصحاح، ص ۲۵۶۔
- ۱۱۔ لسان العرب، ۱۳/۳۹۸۔
- ۱۲۔ ایضاً، ص ۳۹۹۔
- ۱۳۔ تدریب الراوی، ۱/۳۲۔
- i۔ المقوی، ابو الطیب السید صدیق حسن، الخلل فی الذکر الصحاح الستہ (اسلامی اکادمی لاہور، الطبعة الاولى، ۱۹۷۷ء) ص ۱۱۔
- ii۔ عثمانی، ظفر احمد، مقدمہ اعلاء السنن (ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ، کراچی) ۱/۲۰۔
- ۱۴۔ تدریب الراوی، ۱/۳۲۔
- ۱۵۔ نزعة النظر شرح تجرید الفکر، ص ۹۲-۹۳۔
- ۱۶۔ قواعد التحدیث، ص ۲۰۲۔
- i۔ الحاکم، معرفۃ علوم الحدیث، ص ۶۔
- ii۔ مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح (مصر) ۱/۳۵۔

- ۱۸- ابن حبان، محمد، کتاب البحر وچین من الحمد شین والضعفاء والحر وکین (دائرة المعارف العثمانية حیدرآباد، الطبعة الاولى، ۱۹۵۱ء) ۱/۲۷۔
- ۱۹- ایضاً۔
- ۲۰- الخطیب البغدادی، الکفایة فی علم اصول الروایة ص ۲۸۳۔
- ۲۱- i- کتاب البحر وچین، ۱/۲۷۔
- ii- ابن عدی، الکامل فی ضعفاء الرجال (دار الفکر بیروت، الطبع الثانی، ۱۹۸۵ء) ۱/۴۸۔
- ۲۲- i- معرفۃ علوم الحدیث، ص ۶۔
- ii- الکفایة فی علم اصول الروایة، ص ۳۹۱۔
- ۲۳- ابن ابی حاتم، کتاب البحر والترحیل (دائرة المعارف العثمانية، حیدرآباد، الطبعة الاولى، ۱۹۶۳ء) ۱/۱۳۔
- ۲۴- الطبری، ابوبکر احمد بن محمد بن احمد، مناقب الشافعی (دار التراث، القاہرہ) ۱/۲۰۔
- ۲۵- قاضی عیاض بن موسیٰ الیصمسی، الامارح.... (دار التراث، القاہرہ، الطبعة الاولى، ۱۹۷۰ء) ص ۱۸۹۔
- ۲۶- ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد، کتاب الفصل فی السبل والاهواء والنحل (مکتبہ الخانی، القاہرہ ۱۳۳۲ھ) ۲/۸۲۔
- ۲۷- ایضاً۔
- ۲۸- ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ، التمهید لمانی الموطأ من المعانی والاسانید (الرباط، ۱۴۰۶ھ) ۱/۵۷۔
- ۲۹- ایضاً۔
- ۳۰- ایضاً۔
- ۳۱- ایضاً، ص ۴۵۔
- ۳۲- الکفایة فی علم الروایة، ص ۱۱۶۔
- ۳۳- السیوطی، اسعاف المہذب رجال الموطأ مع موطأ (دار الآفاق النجدیة، بیروت، ۱۹۸۵ء) ص ۸۷۳۔
- ۳۴- الکتانی، عبدالحی، فهرس المصادر والاسباط وجمع المعاجم والمصنفات والمسلسلات (المطبعة النجدیة القاہرہ، ۱۳۳۶ھ) ۱/۲۔
- ۳۵- الاحقاف (۴۶) ص ۴۔
- ۳۶- لکھنوی، عبدالحی، الازجوبة الفاضلة..... (مکتب المطبوعات الاسلامیہ، طبع ۱۹۴۶ء) ص ۲۳۔
- ۳۷- ابن الصلاح، ابو عمر عثمان بن عبد الرحمان، علوم الحدیث المعروف مقدمة ابن الصلاح (دار الفکر، بیروت، ۱۳۸۹ء) ص ۳۵۷۔
- ۳۸- المرعی، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ۱/۱۶۶۔

- ۳۹۔ ابن تیمیہ، ابو العباس تقی الدین احمد بن عبد الحلیم، جمع و ترتیب ابو عبد الرحمن بن محمد، مجموعہ فتاویٰ (الریاض ۱۳۸۱ھ)، ۹/۱۔
- ۴۰۔ المنادی، محمد عبدالرؤف، فیض القدر، شرح جامع الصغیر (مکتبہ التجاریہ مصر القاہرہ، المطبعہ الاولیٰ، ۱۳۵۶ھ) ۴۳۳/۱-۴۳۳۔
- ۴۱۔ ملا علی قاری، علی بن سلطان محمد، شرح شرح نخبہ الفکر (مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ، ۱۳۹۷ھ) ص ۱۹۴۔
- ۴۲۔ المواہب اللدیۃ، ۵/۲۵۳ بحوالہ الاجوبہ الفاضلۃ، ص ۲۵۔
- ۴۳۔ الاجوبہ الفاضلۃ، ص ۲۳۔
- ۴۴۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص ۶۔
- ۴۵۔ ایضاً، ص ۶۔
- ۴۶۔ ایضاً، ص ۵۔
- ۴۷۔ فہرس الممارس، ۵۰/۱۔
- ۴۸۔ ایضاً۔
- ۴۹۔ الاجوبہ الفاضلۃ، ص ۲۵۔
- ۵۰۔ ایضاً، ص ۲۶۔
- ۵۱۔ ابن کثیر، ابو القاسم اسماعیل، تفسیر القرآن العظیم (سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۹۷۳ء)، ۶/۶۵۔
- ۵۲۔ الاجوبہ الفاضلۃ، ص ۲۲-۲۳۔
- ۵۳۔ ایضاً، ص ۳۳۔
- ۵۴۔ ایضاً، ص ۳۱۔
55. "Introduction to "Al-Isabah" by Ibn-i-Hajar, A biographical dictionary of persons who knew Muhammad, (Bishop's College Press. Calcutta 1856.)
56. Robson's James, Ibn-i-Ishaq's, use of isnads (Bulletin of the John Ryland Library, university of Manchester, UK), Vol 38, 2nd March 1956.
- ۵۷۔ السخاوی، محمد بن عبد الرحمن، فتح المغنی شرح الفہم الحدیث للعراقی (الکتب العلمیۃ بیروت)، ۲۸۱/۳-۲۸۲۔
- ۵۸۔ الحجرات، ۷۔
- ۵۹۔ ابوداؤد، السنن (مکتبہ النجفی القاہرہ)، ۲۰۲/۲-۲۰۳۔

- ۶۰۔ کتاب البحر وجین، ۱/۷۔
- ۶۱۔ الحجرات (۳۹)۔
- ۶۲۔ الخازن، علاء الدین علی بن محمد البغدادی، تفسیر الخازن المسمیٰ بلباب التاویل فی معانی اشقریل (دار الفکر، بیروت ۱۹۷۹ء/۱۳۹۹ھ) ۶/۲۲۲۔
- ۶۳۔ البوداؤد، السنن (القاهرة) ۲/۲۰۳۔
- ۶۴۔ ابن حبان، محمد البستی، کتاب البحر وجین من المحدثین والفضلاء والمحدثین (وزارة الاوقاف والشؤون الرباط ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۹ء) ۱/۳۲۔
- ۶۵۔ ابن عبد البر، احمدیہ وزارة الاوقاف والشؤون المسلمة المغربیہ ۱۹۷۹ء، ۳۲/۱۔
- ۶۶۔ ایضاً۔
- ۶۷۔ التمهید (مکة المکرمه) ۱/۳۳۔
- ۶۸۔ ایضاً، ص ۳۳۔
- ۶۹۔ معرفۃ علوم الحديث، ص ۴۔
- ۷۰۔ ایضاً، ص ۱۵۔
- ۷۱۔ تذکرۃ الحفاظ (حیدرآباد) ۲/۱۔
- ۷۲۔ ایضاً، ۱/۶۔
- ۷۳۔ ایضاً، ص ۱۰؛ محمد بن ابراہیم الوزير الیہانی، العواصم والقواصم فی الذب عن سید ابی القاسم (دار البشیر، عمان الطبعة الاولى ۱۳۰۵ھ/۱۹۸۵ء)۔
- ۷۴۔ التمهید، ۱/۳۵۔
- ۷۵۔ (۱) ایضاً۔
(۲) ابن عدی، "احمد عبد اللہ، الکامل فی شفاء الرجال (دار الفکر بیروت، الطبعة الثانية ۱۳۰۵ھ/۱۹۸۵ء) ۱/۵۶۔
- ۷۶۔ التمهید، ۱/۳۵۔
- ۷۷۔ ایضاً، ص ۳۶۔
- ۷۸۔ ایضاً، ۱/۶۷۔
- الخطیب البغدادی، احمد بن علی، الکفاية فی علم الروایة، ص ۱۵۹۔ روایت، "انما هذا العلم دین فانظروا عنم تاخذونه"، مختلف محدثین نے مختلف لوگوں سے منسوب کیا ہے۔ المجتہد بن سیرین سے

امام سخاوی نے بھی اسے محمد بن سیرین سے ہی بحوالہ صحیح مسلم روایت کیا ہے۔ (اسحاوی، محمد عبدالرحمان، المقاصد الحسنة (دار الکتب العربی بیروت الطبعة الاولى ۱۹۸۵ء/۱۴۰۵ھ) ص ۲۱۵-۲۱۶ صاحب تہذیب الکمال نے اسے محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے اور امام مالک بن انس سے وہ روایت نقل کی ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ (الحری، جمال الدین ابوالعجاج یوسف، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال (مؤسسۃ الرسالہ بیروت الطبعة الثانیہ ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء) ۱/۱۶۰-۱۶۱۔

ابن عسلی نے یہ الفاظ آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کیے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ”حدیثنا محمد بن احمد بن حمدان البلدی، ثنا ابراہیم بن الہیثم البلدی، ثنا عبد الوارث ابن مقاتل الخراسانی، عن خلید بن دعلج عن انس قال: قال رسول اللہ ﷺ (ان هذا العلم دین فلینظر احدکم ممن یاخذ دینہ) وهذا الحدیث یرویہ عن خلید عبد الوارث هذا وروح بن عبد الواحد الحرانی“ لیکن حاشیہ میں محقق نے اس کے ایک راوی پر اس طرح سے بحث کی ہے۔

ابن عدی نے ہی محمد بن سیرین سے یہ الفاظ جو دو الگ طرق سے روایت کیے ہیں۔ (ابن عدی، الکامل فی ضعف الرجال، ۱/ ۱۵۵ تا ۱۵۷)۔ خلیفہ بن علی کو دارقطنی نے ضعیف میں شمار کیا ہے۔ (الدارقطنی، علی بن عمر بن احمد، کتاب الضعفاء والمزورین، المکتب الاسلامی بیروت، دمشق الطبعة الاولى ۱۳۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء) ص ۱۲۰۔

خلید کے متعلق حافظ ابن حجر یوں رقم طراز ہیں: "خلید بن دعلج السدوسی البصری نزل الموصل ثم بیت المقدس ضعیف من السابعة مات سنة ست وستین (ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی، تقریب المعتمد) دار المعرفہ و المطبعہ الشریعہ ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء، ۱/۲۲۷۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

احمد بن الخطاب، نایوسف بن موسیٰ المرودی، أنا من حیم بن سعید، نا روح بن عبد الواحد، نا خلیل بن دعلج عن قتادة، عن انس قال، قال رسول الله ﷺ ان هذا العلم دین فلینظر احدکم من یأخذ دینہ۔“

اس پر ڈاکٹر محمود الطحان نے حاشیہ میں یوں تبصرہ فرمایا ہے: ”هذا الحديث أخرجه الحاكم مرفوعاً عن انس أيضاً وأخرجه السجزي في الأمانة عن أبي هريرة، ورمز السيوطي في الجامع الصغير ۵۳۵/۲ الى ضعفه ورواية المصنف ضعيفة أيضاً لأن في أسنادها خليل بن دعلج السدوسي البصري وهو ضعيف كما قال عنه الحافظ في التقریب لكن هذا القول رواه مسلم في المقدمة، ۱۳/۱ من قول ابن سيرين بسند صحيح۔“

حضرت ابو ہریرہؓ سے اس طرح سے روایت کیا ہے: عن ابی ہریرۃ قال ”ان هذا العلم دین، فانظروا من تأخذونه۔“

محمد بن سیرین کی روایت کے الفاظ یہ ہیں ”عن محمد ان هذا العلم دین فانظروا من تأخذون دینکم۔“ ڈاکٹر محمود الطحان نے اس روایت پر اس طرح سے تبصرہ کیا ہے: تقدم قبل قليل أن مسلماً أخرج هذا القول عن ابن سيرين في مقدمة صحيحه بلفظه إلا أنه، قال ”عن بدل ”من“ ۱۳/۱۔ (احمد بن علی الخطیب بغدادی، الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع ج ۱، ص ۱۳۹، مکتبۃ المعارف الریاض)۔

قاضی الحسن نے محمد بن سیرین سے اس روایت کو الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ چار سندوں سے بیان کیا ہے۔ (الرائع حرّی، القاضی الحسن بن عبد الرحمن، المحدث الفاصل بین الراوی والواعی (دار الفکر بیروت الطبعة الاولى ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) ص ۳۱۵-۳۱۳۔

ان تمام اقوال پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی طرف منسوب روایات میں ضعف ہے اور حضرت محمد بن سیرین کی طرف یہ الفاظ مختلف کتب حدیث میں وارد ہوئے ہیں۔ سرخیل محدثین حضرت امام مسلم نے اپنی الجامع الصحیح میں بھی انہیں حضرت محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ انہیں کے الفاظ ہیں اور ممکن ہے بعد میں آنے والے حضرات نے ان کی خوش چینی کی ہو۔

هذا ما عندي والله اعلم بالصواب۔

۷۹۔ التبیہ ۱/۲۷۔

۸۰۔ ایضاً۔

۸۱۔ السخاوی، محمد بن عبد الرحمن، الاعلان بالتوبع لمن ذم التاريخ (دار الکتاب العربی بیروت) ۶۶۔

۸۲۔ ایضاً۔

- ۸۳۔ الذہبی، میزان الاعتدال (دارالسرفہ بیروت ۱۳۵۲ھ/۱۹۶۲م، الطبعہ الاولیٰ) ۳۰۴/۱۔
- ۸۴۔ مسلم بن حجاج القشیری، الجامع الصحیح (کراچی) ۳۲۵/۱۔
- ۸۵۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب (دارالسرفہ، بیروت، الطبعہ الثانیہ ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵م، ۳۲۵/۱)۔
- ۸۶۔ مسلم، الجامع الصحیح ۳۳/۱۔
- ۸۷۔ الرازمی، ابو محمد حسن بن عبد الرحمن بن خلاد، المحدث الفاصل بین الراوی والواہی (دار الفکر بیروت ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱م) ۲۰۸؛ حواشی: وقد مات الربیع بن خثیم بالكوفۃ ولایۃ عبید اللہ بن زیاد علیہا (طبقات ابن سعد ۶/۱۳۳)۔
- ۸۸۔ ابن الصلاح، علوم الحدیث السروف المقدمہ (المطبعہ العلمیہ حلب ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱م، الطبعہ الاولیٰ) ص ۳۳۳۔
- ۸۹۔ ایضاً۔
- ۹۰۔ الکلبانی فی علم الروایۃ، ص ۱۱۹۔
- ۹۱۔ مقدمہ ابن الصلاح، ص ۳۳۳۔
- ۹۲۔ الاعلان بالتوقع لمن ذم التاريخ، ص ۱۰۔
- ۹۳۔ التہذیب ۱/۳۵-۵۱۔
- ۹۴۔ الکلبانی فی علم الروایۃ، ص ۳۰۳-۳۰۴۔
- ۹۵۔ ایضاً، ص ۱۳۳۔
- ۹۶۔ ایضاً۔
- ۹۷۔ المحدث الفاصل بین الراوی والواہی، ص ۱۸۔
- ۹۸۔ الکامل فی شعفاء الرجال، ۱/۳۸۔
- ۹۹۔ الجزای، التوجیہ الفکر الی الاصول الاثر، ص ۳۲۵۔
- ۱۰۰۔ نزہۃ الفکر فی توضیح غیۃ الفکر، ص ۹۲۔
- ۱۰۱۔ توجیہ الفکر، ص ۲۵۔
- ۱۰۲۔ الحجرات (۳۹) ۶۔
- ۱۰۳۔ المطلاق (۶۵) ۲۔
- ۱۰۴۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۶۷۷، ص ۱۶۔
- ۱۰۵۔ مسلم، الجامع الصحیح مع شرح النووی (نور مراح الطالعی کراچی) ۶۲/۱۔

- ۱۰۶- مسلم مقدمۃ الجامع الصحیح ۶۹/۱۔
- ۱۰۷- معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۶۔
- ۱۰۸- ایضاً، ص ۱۵۔
- ۱۰۹- تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۔
- ۱۱۰- ایضاً، ۶/۱۔
- ۱۱۱- ایضاً۔
- ۱۱۲- ایضاً، ۶/۱۔
- ۱۱۳- ایضاً، ۱۰/۱۔
- ۱۱۴- الجوداد، السنن حدیث نمبر ۶۳۶۳، ص ۶۷۳-۶۷۴۔
- ۱۱۵- التعمید لما فی المواطن العانی والاسانید (المملکۃ المغربیہ ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۹ء) ۱/۳۵۔
- ۱۱۶- ایضاً۔
- ۱۱۷- معرفۃ علوم الحدیث، ص ۸۔
- ۱۱۸- البخاری، الادب المفرد، (میراث) ص ۳۳۷۔
- ۱۱۹- معرفۃ علوم الحدیث، ص ۶؛ الکفایۃ فی علم الروایۃ، ص ۳۹۱۔
- ۱۲۰- کتاب فی عبدالحی، فہرس البہارس (المطبۃ المجدیدۃ، القاہرہ ۱۳۳۶ھ) ۱/۵۰۔
- ۱۲۱- ایضاً۔
- ۱۲۲- Hans wehr; Dictionary of Modern written Arabic, (ed. J.K. cowon, New York, 1961), p10
- ۱۲۳- عمر فروخ، الاستشر اق والاستشر قون (حد فاض، مجلۃ المصل، عدد ۱۷۲، اپریل، مئی ۱۹۸۹ء) ص ۱۵۔
- ۱۲۴- محمد یوسف امپوری، تحریک استشر اق (مجلۃ ”دارالعلوم“ دیوبند) ص ۳۵-۳۵۔
- ۱۲۵- Karen Armstrong, Muhammad: A Bibliography of the Prophet (New York, 1992) p25.
- ۱۲۶- تحریک استشر اق، ص ۲۲-۲۳۔
- ۱۲۷- ایضاً، ص ۲۳۔
- ۱۲۸- Edward w. saeed, Orientalism (New York, 1978) p 17-18.
- ۱۲۹- السامرائی، عبدالرزاق، الفکر العربی والفکر الاستشر اق (الریاض ۱۹۸۹ء) ص ۳۰۔

- ۱۳۰۔ الندوی، ابو الحسن علی، الاسلامیات بین کتابات المستشرقین (مؤسسة الرسالة، بیروت ۱۹۸۶ء) ص ۱۵-۱۶۔
- ۱۳۱۔ Dar Islam 1918 vol.8, pp39-47.
- ۱۳۲۔ J.Robson. The Isnad in Muslim Tradition University (Glasgow oriental society) 1955, vol.xv, p21.
- ۱۳۳۔ Ibid, pp:18
- ۱۳۳۔ Ibid.
135. Schacht, Origins of Muhammeden Jurisprudence, p:36-37.
136. Gold Ziher, Muslim Studies (George Allen & unwin Ltd. 1971, London, vol.2) p 213
- ۱۳۷۔ الذہبی، میزان الاعتدال، دارالعرفہ بیروت، الطبعة الاولى ۱۳۵۲ھ/۱۹۶۲ء) ۳۰۴/۱۔
- ۱۳۸۔ مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح (نور محمد، اصح الطابع، کراچی) ۳۳/۱۔
- ۱۳۹۔ The Isnad in Muslim Traditions p20-21
- ۱۴۰۔ Ibid, p.21-22
- ۱۴۱۔ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۳۸۳۱ ص ۸۶۷۔
- ۱۴۲۔ الاعلان بالتوبخ لمن ذم التاريخ ص ۱۰۔
- ۱۴۳۔ ابن حزم، کتاب الفصل فی الملل ۸۲/۲۔
- ۱۴۳۔ ایضاً۔
- ۱۴۵۔ التمهید، ۱/۳۵-۵۱۔
- ۱۴۶۔ الکفاية فی علم الرواية، ص ۴۰۳-۴۰۴۔
- ۱۴۷۔ Ibn-i-Hajar, Al-Isabah (Introduction by Springer) Biship's CollegePress Calcutta, 1856.
- ۱۴۸۔ Robson, Ibn-i-Ishaq's use of Isnad, Bulletin of the John Rylands library Manchster, March 2, 1956, vol.38, p.449-465.
- ۱۴۹۔ فتح المغنی شرح المصنف الحديث للعراقي ۳۰۹/۳-۳۱۰۔

باب سوم

علوم الحدیث

محدث و طالب حدیث کے آداب

ادب وہ نعمت الہی ہے جس سے انسانیت اپنی زندگی کو منظم کرتی اور ایسے ضوابط بتاتی ہے جس سے اس کی بقا ممکن ہوتی ہے اور اپنی ذمہ داری کو نبھاتی ہے۔ قوموں کی ترقی علم و عمل اور تجربہ کی مرہونِ منت ہے۔ یہ دونوں چیزیں انسانیت کے لیے صرف اس صورت میں مفید ہو سکتی ہیں جب ادب و اخلاق کے ستون پر قائم ہوں۔ بقول شاعر:

لا تحسبن العلم ینفع وحدہ

ما لم یتوج ربہ بخلاق (۱)

”علم اکیلا فائدہ نہیں دیتا جب تک صاحب علم اس کو (اخلاق) بہتری کے ساتھ مزین نہ کرے۔“

ہر قوم کا ایک منہج ہوتا ہے جس پر چل کر وہ اپنے افراد کی تربیت کرتی ہے۔ یہ منہج یا توحی الہی سے حاصل ہوتا ہے یا اور لوگوں کو دیکھ کر یا اپنے بڑے لوگوں کی زندگی اپنا کر اختیار کیا جاتا ہے۔ اسلام میں تربیت کا منہج شریعت اسلامیہ اور صاحب الشریعہ کو سامنے رکھ کر مرتب کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام، تابعین، سلف صالحین کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ انہوں نے آنے والی نسلوں کے لیے بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے جس سے افراد اور جماعتیں تربیت حاصل کر سکتی ہیں۔

آداب

علماء اسلام نے عام طور پر اور محدثین نے خاص کر تربیت میں ادب کو بہت اہمیت دی۔ محدثین طالب علم کی حرکات و سکنات کا خیال رکھتے تھے۔ کتب حدیث میں کتاب الادب کے نام سے ایک حصہ مخصوص ہوتا ہے۔ محدثین نے آداب طالب پر طویل بحث کی ہے۔ بعض محدثین نے اس نام سے الگ کتب لکھیں۔ جیسے امام بخاریؒ کی کتاب ”الادب المفرد“ خطیب بغدادیؒ کی کتاب ”الجامع الاخلاق الراوی و آداب السامع“ اور ابن عبد البرؒ کی ”جامع بیان العلم وفضله“ ہیں۔

ادب کی اہمیت کا اندازہ رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے ہوتا ہے: ”ما نحل والد ولده احسن من ادب حسن“ (۲)۔ (کسی والدین نے ادب سے بڑھ کر کوئی تحفہ اولاد کو پیش نہیں کیا)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”علمنی ربی فأحسن تعلیمی و أدبنی ربی فأحسن تأدیبی“ (۳)۔ (میرے رب نے مجھے بہترین علم دیا اور بہترین ادب سکھایا)۔ اس کے متعلق محدثین و علماء کے بہت سے اقوال و آثار ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جن صحابہ سے علم حاصل کرتے تھے۔ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت زید بن ثابتؓ کی سواری کی رکاب کو پکڑ لیا۔ انہوں نے فرمایا: اے ابن عم الرسول کیا کرتے ہو؟ تو فرمایا: ”ہکذا امرنا بعلماءنا وکبراءنا“ (ہمیں اپنے علماء و کبراء سے اس طرح حکم دیا گیا)۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تعلّموا العلم، وتعلّموا له السکينة والوقار، وتواضعوا لمن تتعلمون منه ولا تكونوا جبابرة العلماء“ (۴)۔ (علم کو حاصل کرو اور اس کے لیے سکون و وقار بھی حاصل کرو اور جن سے تعلیم حاصل کرتے ہو ان کا احترام کرو اور متکبر علماء میں سے نہ بن جاؤ)۔

ابن وہبؒ فرماتے ہیں: ”ما تعلّمت من ادب مالک أفضل من علمه“ (۵)۔ (میں نے امام مالکؒ سے ادب سے افضل علم حاصل نہیں کیا)۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں: ”ان حقا علی من طلب الحديث ان یکون له وقار وسکينة وخشية وان یکون متبعا لآثار من مضی قبله“ (۶)۔ (جو حدیث طلب کرے اس کے لیے وقار، سکون اور خشیت کا ہونا ضروری ہے اور پہلے کے

لوگوں کے آثار کی اتباع کرے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: ”كان الرجل يطلب العلم فلا يلبث ان يرى ذلك في تخشعه وهديه ولسانه وبصره ويده“ (۷) (جو آدمی علم حاصل کرتا ہے تو اس کا اثر اس کے خشوع میں نظر آئے اور اس کی چال ڈھال اور زبان آنکھ اور ہاتھوں میں محسوس ہو)۔

امیر ایم الحرمی کا قول ہے: ”ينبغي للرجل اذا سمع شيئا من آداب النبي ﷺ أن يتحسسك به“ (۸) (آدمی کے لیے مناسب ہے کہ جب نبی ﷺ کے آداب میں سے کچھ سنے تو ان پر عمل کرے)۔

محدثین نے تمام آداب کی رہنمائی کی ہے۔ طلب علم کی حرص، اخلاص نیت، اساتذہ کے آداب اور ان کے ہاں جانے کے آداب۔ اساتذہ کرام کا احترام، غور سے ان کی باتوں کو سننا، سن کر لکھنا۔ لکھنے کے آداب و اصول۔ سوال کرنے کے آداب، مجالس کے آداب۔ خواہ استاد پڑھ رہا ہو یا شاگرد پڑھ رہے ہوں۔ مذاکرہ ہو رہا ہو یا اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا ہو۔ صرف سماع کے لیے آیا ہو یا مستملی ہو۔ کسی سے اگر کتاب عارضی ہے تو اس کے کیا آداب ہیں، واپس کس طرح کرنی ہے۔ اس کا خیال کس طرح سے رکھنا ہے۔ ان تمام چیزوں کی تفصیل احوال محدثین اور کتب میں موجود ہیں۔ محدثین نے ان تمام معاملات میں تربیت طلباء کا ہر لحاظ سے خیال رکھا اور ان کی توجہ اور دلی رجحان کا بھی خیال رکھا۔ ان کو کس طرح پیار اور خوش طبعی سے متوجہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق میں مزاج تھا ”انه كان يعزج ولا يقول الا حقا“ (۹) (آپ ﷺ مزاج کرتے تھے لیکن کہتے حق ہی تھے)۔

اخلاق

محدثین نے طلباء کو برے اخلاق سے روکنے اور بہترین اخلاق سے مزین کرنے کے لیے تنبیہات کی ہیں۔ محدثین کی مجالس علم کے ساتھ ساتھ خوش مزاجی کی مجالس تھیں۔ ان کا اختتام اچھی حکایات، اشعار، ادب و زہد اور مخلوق کے عجائبات پر ہوتا تھا۔ ان کی مجلسیں خشک نہ ہوتی تھیں۔ اصل مقصد علم کو ان تک صحیح انداز سے پہنچانا ہوتا ہے۔

صرف علم سے قوموں کی تربیت نہیں ہوتی۔ تربیت کے لیے نمونہ پیش کرنا اور ساتھ ساتھ ترغیب دینا ضروری ہے۔ تربیت ایسے آداب کی حامل ہوتی ہے جس میں فرد کے تمام اعمال کا خیال رکھا جاتا ہے۔ لوگوں سے اس کے تعلقات کیسے ہیں؟ مسلمان اس تربیت کی وجہ سے اور لوگوں سے ممتاز ہیں۔ اس کی وجہ سے کئی لوگ مسلمان ہو جاتے ہیں۔ تربیت میں اعتدال ضروری ہے۔ یہ امت ہی امت وسط ہے۔ تربیت کے لیے معلم کا خود عمل کرنا ضروری ہے اور ڈاکٹر کی طرح اپنے طالب علم کی طبیعت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اگر استاد اس بات کا خیال نہ کرے کہ طلباء کی حالت کیا ہے تو علم سیکھ کر بھی ایسے طلباء و طالبات، استاد اور معاشرے کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے:

علمته الرماية كل يوم فلما اشتد ساعده رمانی

وكم علمته نظم القوافی فلما قال قافیہ هجانی (۱۰)

(میں نے ہر روز اسے تیر اندازی سکھائی۔ جب اس کا نشانہ صحیح ہو گیا تو مجھے ہی نشانہ بتایا۔ میں نے اس کو نظم لکھنا سکھایا۔ جب قافیہ بنانے لگا تو اس نے میری ہی ہجو کی)۔
یہ باتیں طلباء میں عدم تربیت، حسد، سوء ظن، والدین کی لاپرواہی اور اساتذہ میں عملی کمی کی وجہ سے صادر ہوتی ہیں۔ شاعر کہتا ہے:

وينشأ ناشئ الفتيان منا على ما كان عودہ أبوه

(ہمارا نوجوان اس چیز پر پرورش پاتا ہے جس کی عادت والدین ڈالتے ہیں)۔

طالب حدیث کے آداب سے مراد وہ بلند و عالی آداب اور مطلوب علم یعنی رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے شرف و مقام کے مناسب عمدہ اخلاق ہیں جن کے ساتھ اس طالب علم کو متصف ہونا چاہیے۔ طالب حدیث کے لیے چند عمدہ اوصاف و آداب یہ ہیں:

۱۔ نیت کا خالص ہونا

طلبا کا علم حدیث کے حصول کے لیے خالص نیت ضروری ہے۔ محدثین کرام ان باتوں کا خاص خیال کرتے۔ علامہ ابواسحاق شاطبی فرماتے ہیں ”کل علم شرعی فطلب الشارع له ان یکون من حیث هو وسیلة إلى التعبد به لله تعالى، لا من جهة أخرى“ (۱۱) (ہر شرعی

علم کے لیے صاحب شریعت ﷺ اللہ کے لیے خلوص کا مطالبہ کرتے ہیں کسی اور فائدہ کے لیے وہ علم نہیں ہوتا۔

تمام معاملات کی طرح عبادت کے لیے بھی اخلاص ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين حنفاء ويقيموا الصلوة ويؤتوا الزكوة وذلك دين القيمة“ (۱۲) (انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں۔ ایک طرفہ ہو کر اور نماز کو قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں یہی دین درست اور مضبوط ہے)۔ اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ”انما الاعمال بالنيات“ (۱۲-۱) (تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے)۔

علم حدیث ہی وہ ذریعہ ہے جس سے قرآن اور دین الہی کی تشریح و توضیح ہوتی ہے اور یہ تمام اعمال سے افضل عمل ہے۔ حضرت سفیان الثوری فرماتے ہیں: ”ما اعلم عملاً هو افضل من طلب الحديث لمن اراد الله تعالى“ (۱۳) (میں اللہ کی رضا کے لیے حاصل کیے ہوئے علم حدیث سے بڑھ کر کوئی عمل بہتر نہیں سمجھتا)۔ اگر طلب حدیث کی نیت صرف دنیا کے اغراض و مقاصد کے لیے ہو تو رسول اللہ ﷺ نے سخت وعید سنائی ہے ”عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من تعلم علماً مما یبتغی بہ وجہ اللہ لا یتعلمہ الا لیصیب بہ عرضاً من الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القیامۃ“ (۱۴) (حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ایسا علم سیکھا جس سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہو وہ اس نیت سے حاصل نہیں کرتا مگر اسے دنیا کے کسی فائدے کے لیے سیکھتا ہے تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہیں پائے گا) اور حماد بن سلمہ فرماتے ہیں ”من طلب الحديث لغير الله مکر بہ (۱۵) (جس نے غیر اللہ کے لیے حدیث کا علم حاصل کیا۔ وہ اس (علم) کے ساتھ سازش کر رہا ہے)۔

خلق انسانی کے مقصد کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون“ (۱۶) (میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے)

انسان کو اپنا مقصد خلق ہی میں رکھنا چاہیے۔ نیت کی صفائی کے بغیر کوئی صالح عمل ممکن

نہیں۔ محدثین کے ہاں نیت بہت اہم چیز ہے۔ اس لیے امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کی ابتداء ”انما الاعمال بالنیات“ سے کی ہے تاکہ طالب علم اپنی نیت کو علم کے لیے خاص کرے۔ اس سے اس کی محنت میں برکت اور اس کا مقصد پورا ہوگا وہ ہمیشہ اللہ کی حفاظت اور معیت میں ہوگا۔ فرشتے اس کے پاؤں کے نیچے پڑ بچائیں گے۔ حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِنْ الْمَلَائِكَةُ لَتُذَكِّرُنَ أَجَنَّتْهَا رِضًا لَطَالِبِ الْعِلْمِ وَإِنَّ الْعَالَمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْحَيِثُوتِ فِي جَوْفِ الْمَاءِ۔۔۔ (۱۷) (جو علم حاصل کرنے کے کسی راستہ پر چلے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستے پر چلائے گا۔ بے شک فرشتے طالب علم کے لیے پڑ بچاتے ہیں۔ عالم کے لیے جو کچھ آسمانوں و زمین میں ہے استغفار کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ پانی میں مچھلیاں بھی اس کے لیے استغفار کرتی ہیں۔۔۔)۔

محدثین نے نیت کے متعلق بہت تنبیہات فرمائی ہیں۔ لوگوں کو اس وجہ سے عذاب ہوگا کہ ان کی نیت صاف نہ ہوگی۔ حضرت کعب بن مالک سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيَجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيَمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءُ أَوْ يَصْرِفَ وَجْهَهُ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ (۱۸) (جو علم کو اس لیے طلب کرے کہ علماء سے مقابلہ کرے اور نادانوں کے ساتھ جھگڑا کرے یا یہ چاہے کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں داخل کرے گا)۔

۲۔ ضیاع وقت کا خیال

طالب حدیث، وقت سے صحیح فائدہ اٹھائے۔ ہر چیز کے لیے مناسب وقت کا خیال کرے۔ طلب حدیث کے لیے نکلنے کے اوقات، لکھنے کے اوقات، ساتھیوں کے مذاکرہ کے اوقات، ملاقات کے اوقات، کھانے کے اوقات، لکھنے کا سامان تیار کرنے کے اوقات وغیرہ۔ یہ تمام چیزیں محدثین نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی، صحابہؓ اور تابعین کی زندگی سے حاصل کیں۔ محدثین نے طلب حدیث کے لیے صبح کے وقت نکلنے کو ترجیح دی ہے۔ صبح کی اپنی اہمیت ہے۔ معنوی لحاظ سے اور حسی لحاظ سے اللہ نے اس میں برکت اور نفع رکھا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے صبح کے وقت کے لیے دعا کی ہے۔ حضرت صفر

الغامی سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللهم بارک لا متی فی بکورها“ (۱۹) (۱۷) اللہ میری امت کی صبح کی صبح کے وقت میں برکت کر دے۔ اس حدیث کے متعلق حضرت نافع نے اپنے استاد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: ”فی طلب العلم والصف الاول“ (۲۰) علم حاصل کرنے اور پہلی صف میں پہنچنے میں برکت ہے۔ یہ حدیث تمام دنیاوی معاملات کے متعلق ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے صرف اہم امور کا ذکر کیا۔

حافظ ابن حجرؒ نے صبح کی اہمیت کے پیش نظر فرمایا: اس کی کئی خسی برکتیں ہیں۔ اس وقت کا نفع ظاہر ہے۔ آدمی نیند اور آرام کے بعد تمام کام کرنے کے لیے مستعد ہوتا ہے۔ اس کی پوری تیاری ہوتی ہے۔ عقلی، جسمانی اور ذہنی لحاظ سے وہ تیار ہوتا ہے۔ تمام کاموں کو پوری توجہ سے کر سکتا ہے۔ طلبہ علم میں ہر لحاظ سے ذہن تیار ہونا ضروری ہے۔

شریک بن عبداللہ النخعی کوفہ کے قاضی بیان کرتے ہیں۔ میں نے ابواسحاق السبعی کے ساتھ ایک ہزار مرتبہ صبح کی نماز پڑھی، جب وہ علم حدیث حاصل کرتے تھے۔ یہ ان کی عمر کے تقریباً ۳ سال بنتے ہیں (۲۱)۔ شریک سے پوچھا گیا آپ کی احادیث بالکل صحیح کیوں ہیں؟ تو اس نے جواب دیا ”لترکی العصائد بالغدوات“ (۲۲) (صبح کے وقت کے کھانے چھوڑنے کی وجہ سے) وہ کھانوں کی بجائے علم حدیث طلب کرتے تھے۔

صاحب جرح و تعدیل ابو حاتم رازی کا اس کے متعلق عجیب قصہ ہے۔ وہ اپنے وطن ”رقی“ جو کہ اب ایران کے شمالی حصہ میں ہے، سے طلب حدیث کے لیے مصر گئے اور سات ماہ رہے۔ وہ کچھ کھا نہ سکتے تھے۔ تمام دن اساتذہ کی مجالس کے لیے مخصوص تھا اور رات لکھنے اور اس کے تقابل کرنے کے لیے مخصوص تھی۔ ایک دن کسی دوست کے ساتھ کسی استاد سے حدیث سننے گئے تو پتہ چلا کہ وہ بیمار ہیں۔ واپس آ گئے۔ راستے میں ایک مچھلی دیکھی اچھی لگی تو خرید لی۔ جب گھر گئے تو کسی استاد کی مجلس حدیث کا وقت ہو گیا۔ مچھلی کو درست نہ کر سکے۔ مجلس کی طرف چلے گئے۔ اس حال میں کہ تین دن گزر گئے۔ اس کے خراب ہونے کا خطرہ تھا۔ اس کو کچا ہی کھالیا۔ اس کو پکانے کے لیے کسی کو دینے کا وقت بھی نہ تھا۔ پھر فرمایا: ”لا یستطاع العلم براحة الجسد“ (۲۳) (جسم کو آرام دینے سے علم حاصل نہیں کیا جاتا)

محمد ثین حفظ اور مذاکرہ کا وقت رات کا آخری حصہ رکھتے تھے۔ احمد بن فرات کہتے ہیں ”لم یزل شیوخنا یذکرون اشیاء فی الحفظ فاجمعوا علی انه لیس شیء ابلغ فیہ الا کثرة النظر وحفظ اللیل غالب علی حفظ النہار“ (۳۳) (ہمارے اساتذہ حفظ کے متعلق بعض اشیاء کا ذکر کرتے رہے ان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس معاملہ میں کثرت نظر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ رات کا حفظ دن کے حفظ پر غالب ہے)۔

اسماعیل بن ابی اویس نے اپنے شاگردوں کو وصیت کی: ”اذا هممت ان تحفظ شیئا فتم، وقم عند السحر، فاسرج وانظر فیہ فانک لا تنساه بعد ان شاء اللہ“ (۳۵) (جب آپ کسی چیز کو حفظ کرنے کا ارادہ کریں تو سو جائیں اور صبح کے وقت انہیں (آخری حصہ رات کا) چراغ جلائیں اور اسے دیکھیں پھر کبھی نہ بھولیں گے۔ ان شاء اللہ)۔

عمر بن دینار نے نیند، نماز اور مذاکرہ حدیث کے لیے رات کو تقسیم کیا ہوا تھا (۳۶)۔ ہر ایک چیز کا وقت مقرر تھا۔ بلکہ بیماری کی حالت میں بھی وہ کتابوں کو پڑھتے۔
شاعر کتب کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

اذا مرضنا تد اوینا بذکرکم ونترك الذکر احيانا فننتکس (۳۷)

(جب ہم بیمار ہوتے ہیں تو آپ کو یاد کر کے علاج کرتے ہیں جب آپ کی یاد چھوڑ دیتے ہیں تو دوبارہ بیمار ہو جاتے ہیں)۔

وقت کا خیال ضروری ہے۔ حضرت ابن مسعود کا قول ہے: ”انسی لامقت الرجل ان اراه فارغاً، لیس فی شیء من عمل الدنيا ولا عمل الآخرة“ (۳۸) (میں کسی آدمی کو دنیا و آخرت کے اعمال سے فارغ دیکھتا ہوں تو ناراض ہوتا ہوں)۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو وصیت کی جب انہیں غلیفہ بنایا ”ان للہ حقاً فی اللیل لا یقبلہ فی النہار، و ان للہ حقاً فی النہار لا یقبلہ فی اللیل“ (۳۹) (اللہ کے بعض حقوق رات کے ہیں جو وہ دن کو قبول ہیں اور بعض حقوق دن کے ہیں ان کو رات کو قبول نہیں کرتا ہے)۔ وقت پر کام کرنا ان کی عادت تھی۔

علامہ نیشاپوری قرآن مجید کی آیت ”والعصر ان الانسان لفي خسر“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں ”لا شیء انفس من العمر“ (۳۰) (عمر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے)۔ امام رازی فرماتے ہیں ”زمانہ مکاں سے زیادہ اعلیٰ و اشرف ہے اس لیے اس کی اللہ نے قسم کھائی“ (۳۰-۱)۔

حدیث میں ہے ”عن ابی ہریرۃ الأسلمی أن رسول اللہ ﷺ قال: لا تزول قدما عبد يوم القيامة حتى يسأل عن عمره فيما أفناه وعن علمه فيما فعل وعن ماله من أين اكتسبه وفيما أنفقہ وعن جسمه فيما ابلاه“ (۳۱) (حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: ابن آدم کے قدم قیامت کے روز نہ حرکت کر سکیں گے۔ یہاں تک کہ اس سے پوچھا جائے گا۔ اس نے اپنی زندگی کس طرح گزاری۔ اور علم پر کیا عمل کیا۔ اور مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور جسم کے متعلق سوال ہوگا کہ اسے کن کاموں میں لگایا)۔

۳۔ طلب حدیث کا آغاز

طلب حدیث کا آغاز مستند عالم سے کرنا چاہیے۔ امام ابن سیرین فرماتے ہیں ”ان هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم“ (۳۲) (بیشک یہ علم دین ہے سو دیکھا کرو کہ کن لوگوں سے تم اپنا دین حاصل کرتے ہو)۔

دمشق یونیورسٹی کے ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب آداب طالب حدیث کے زیر عنوان لکھتے ہیں ”وعلى الطالب ان يتحمل عن الشيوخ الثقات“ (۳۳) (طالب علم کو مستند عالموں سے حدیث حاصل کرنا لازمی ہے) اور حضرت عقبہ بن نافع نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی ”یا بنی لا تقبلوا الحديث عن رسول الله ﷺ الا من ثقة“ (۳۴) (اے میرے بیٹو! رسول اللہ کی حدیث کسی معتمد آدمی سے ہی لیا کرو)۔

انسان کی علم کے بغیر مسئلہ بتانے اور غیر معتمد لوگوں سے حدیث لینے سے بڑی جہالت اور کیا ہوگی؟ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پوتے حضرت قاسم بن محمد جو اپنے دور کے سب سے بڑے عالم تھے بجا فرماتے ہیں ”أقبح من الجمل ان أقول بغير علم او أحدث من غير ثقة“ (۳۵) (میں اونٹ سے بدتر ہوں گا اگر بغیر علم کے کوئی بات کہوں یا غیر معتمد سے حدیث بیان کروں)۔ ایک اور جگہ انہیں

سے منقول ہے: ”لا تاخذوا الحديث عن رسول الله ﷺ الا عن ثقة“ (۳۶) (تم رسول اللہ ﷺ سے روایت کردہ حدیث اسی شخص سے لیا کرو جو ثقہ ہو)

غلیفہ راشد سیدنا علی المرتضیٰ فرماتے ہیں: ”اذا كُتِبَتم الحديث فاكتبوه باسنادہ فان يك حقا كنتم شركاء في الاجر وان يك باطلا كان وزره عليه“ (۳۷) (جب تم کوئی حدیث لکھو تو اسے اس کی سند کے ساتھ لکھا کرو اگر وہ صحیح ہوگی تو تم اس کے اجر و ثواب میں شریک ہوں گے اگر روایت غلط ہوگی تو اس کا گناہ اس راوی پر ہی ہوگا)۔

صحابہ سے روایت کرنے والا راوی اگر کمزور بھی ہو تو اس سے اتنا نقصان نہیں پہنچ سکتا جتنا کہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے والا کمزور راوی دین کے لیے وجہ خلفشار ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے حدیث بیان کرنے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس لیے علم حدیث صرف ثقہ مستند عالم سے حاصل کرے۔

صحابہ کرامؓ سے بھی لوگ پوچھتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت انس بن مالکؓ حدیث بیان فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا: ”انت سمعته من رسول الله ؟“ تو حضرت انسؓ کو سخت غصہ آیا اور کہا ”والله ما كل ما نحدثكم سمعناه من رسول الله، ولكن يحدث بعضنا بعضا، ولا يتهم بعضنا بعضا“ (۳۸) (اللہ کی قسم تمام وہ احادیث جو رسول اللہ سے ہم روایت کرتے ہیں، ضروری نہیں کہ آپ ﷺ سے ہم نے خود سنی ہوں بلکہ ایک دوسرے سے سن کر بھی روایت کرتے ہیں کیونکہ ہم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو جھوٹ نہیں بیان کرتا)

۳۔ محدث اساتذہ کے ہاں جانے کے آداب

معروف محدث، مفسر نقوی ابو عبیدہ قاسم بن سلام فرماتے ہیں: میں محدث کے ہاں (گھر) اجازت لے کر فوراً نہ جاتا تھا بلکہ انتظار کرتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ خود گھر سے باہر آئیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تاویل کرتا تھا۔ ”لوا انهم صبروا حتى تخرج اليهم لكان خيرا لهم“ (۳۹) (اگر وہ آپ کے ان کی طرف تشریف تک مبر کریں تو ان کے لیے بہتر ہے)۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی میں نے ایک انصاری

آدی سے کہا آؤ صحابہؓ سے پوچھیں وہ ان دنوں زیادہ ہیں تو وہ کہنے لگا۔ ابن عباسؓ آپؐ پر تعجب ہے۔ آپؐ کا خیال ہے لوگوں کو آپؐ کے علم کی ضرورت ہوگی حالانکہ صحابہ کرام میں بڑے بڑے لوگ ہیں۔ اس نے علم حاصل کرنا چھوڑ دیا لیکن میں صحابہ رسول ﷺ سے حدیث کے متعلق پوچھتا رہتا۔ مجھے کسی صحابی سے حدیث کے متعلق پتہ چلتا تو میں اس کے دروازے پر رہتا جبکہ وہ قیلولہ کر رہا ہوتا تھا۔ میں اپنی چادر کا ٹکیر بنا کر اس کے دروازے پر بیٹھا رہتا۔ ہوا مجھ پر مٹی پھیلتی۔ جب وہ نکلتا تو کہتا: اے ابن عم الرسول ﷺ، آپؐ کیوں تشریف لائے؟ آپؐ نے مجھے پیغام کیوں نہ بھیجا، میں خود آتا۔ میں کہتا: میں اس بات کا زیادہ حق دار ہوں کہ میں آپؐ کے پاس آؤں پھر میں ان سے حدیث کا سوال کر لیتا۔ یہ انصاف ہی زندہ رہا یہاں تک کہ اس نے مجھے دیکھ لیا کہ لوگ میرے ارد گرد جمع ہوتے اور مجھ سے سوال کرتے تھے۔ تو وہ (انصاری) کہتا یہ نوجوان مجھ سے زیادہ عقل مند ثابت ہوا (۳۰)۔

۵۔ اساتذہ کا احترام

ہر طالب علم کو اساتذہ کا احترام کرنا چاہیے۔ خصوصاً حدیث کے طالب علم پر لازم ہے کہ اپنے استاذ کا بہت احترام کریں۔ امام زہریؒ جو حدیث کے مدون اول ہیں۔ اپنے استاذ کا بے انتہا احترام کرتے تھے۔ درس حدیث سے پہلے اپنے استاذ کا ایک باغ سینچنے اور کنویں سے ڈول بھر بھر کر پانی نکالتے اور یہ عمل روز کرتے (۳۱)۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ اختلاف رائے کے باوجود، امام ابوحنیفہؒ کی بے حد تعظیم فرماتے، ایک شخص نے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں کچھ گستاخانہ سوال کیا۔ آپؒ نے اس کی سرزنش کی (۳۲)۔ امام ابوحنیفہؒ خود بھی احترام اساتذہ میں بے نظیر تھے۔ فرماتے ہیں: میری عمر گزری لیکن اس مدت میں میں نے کوئی ایسی نماز نہیں پڑھی جس میں والدین کے ساتھ اساتذہ کے لیے دعا نہ کی ہو (۳۳)۔ امام احمد بن حنبلؒ بھی اپنے استاذ امام شافعیؒ کے لیے ہمیشہ دعائیں فرماتے تھے (۳۴)۔

معروف محدث سفیان بن عیینہؒ فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد کی نصیحت تھی کہ اپنے اساتذہ کی خدمت و اطاعت کو واجب سمجھوں، اس لیے میں اساتذہ کی خدمت میں مشہور تھا، میرے والد کا مقولہ ہے "لَنْ يَسْعَدَ بِالْعُلَمَاءِ إِلَّا مَنْ اطَاعَهُمْ فَاطِعُهُمْ تَسْعَدُ وَاخْدَمَهُمْ تَقْتَبِسُ مِنْ

علمہم“ (۳۵) (علماء سے وہی فیض اٹھائے گا جو ان کی اطاعت کرے گا ان کی اطاعت کرو سعادت حاصل ہوگی۔ ان کی خدمت کرو ان کے علم سے (فیض) حاصل کرو گے)۔ شاعر کہتا ہے:

رایت احق الحق المعلم اوجبه حفظا علی کل مسلم

لقد حق ان یهدی الیہ کرامتہ لتعلیم حرف واحد الف درهم

(میں نے دیکھا استاذ کا حق سب حقوق سے بڑھ کر ہے اور ہر مسلمان کو اس کا لحاظ ضروری ہے اور استاذ تو اس لائق ہے کہ اس کے احترام میں ایک ایک حرف پر ہزاروں درہم نذر کیے جائیں)۔

۶۔ ذوق علم و مطالعہ

امام ابن شہاب زہری بہت بڑے تابعی ہیں۔ امام مالک اور سفیان ثوری جیسے محدث ان کے شاگرد ہیں۔ امام موصوف کے مطالعہ کا یہ حال تھا کہ جب اپنے گھر میں کتب بنی کے لیے بیٹھ جاتے ہیں تو ایسے مصروف ہو جاتے ہیں کہ ان کو کسی چیز کی کچھ خبر نہ رہ جاتی۔ ایک دن ان کی بیوی نے تنگ آ کر کہہ دیا۔ خدا کی قسم یہ کتابیں مجھ پر تین سو کنوں سے بھی زیادہ بھاری ہیں (۳۶)۔

امام احمد بن محمد کے بارے میں ابن حجر لکھتے ہیں ”کان مکبا علی الاشتغال حتی عرض له وجع المفاصل بحيث کان الثوب اذا لمس جسمه المہ ومع ذلك معه کتاب ينظر إلیه وربما انکب علی وجهه وهو یطالع“ (۳۷) (رات دن کے کثرت مطالعہ سے جوڑوں میں درد کی تکلیف ایسی ہو گئی کہ جسم پر کپڑا چھو جانے سے بھی تکلیف ہوتی تھی۔ اس کے باوجود مطالعہ میں کتاب رہتی تھی۔ جس کا مطالعہ کرتے ہوئے کبھی کبھی چہرہ کے تل گر پڑتے)۔

علامہ سید رشید رضا صاحب ”تفسیر المنار“ اپنے وطن میں تعلیم پا کر فارغ التحصیل ہو چکے تو آپ کو سید جمال الدین افغانی کے رسالہ ”العروة الوثقی“ کے مطالعہ کا اتفاق ہوا۔ رشید رضا نے فوراً عزم کر لیا کہ اپنی زندگی اسلام اور مسلمانوں کی خدمت پر وقف کر دیں گے، رشید رضا نے اپنا پیام سید جمال الدین افغانی کو بھیجا مگر جواب دینے سے پہلے ہی فوت ہو گئے۔ اب ان کے شاگرد شیخ محمد عبدہ مصری موجود تھے۔ رشید رضا نے طے کیا کہ مصر جائیں گے اور محمد عبدہ کی صحبت اختیار کریں گے۔ شادی ہو چکی تھی۔ بیوی سے اپنا ارادہ ظاہر کیا وہ سفر کے لیے راضی نہ ہوئی۔ رشید رضا نے بیوی کو طلاق دی اور محمد

عہدہ کی خدمت میں مصر کو روانہ ہو گئے (۳۸)۔ اولوالعزم لوگوں نے کبھی بیوی بچوں کی پرواہ نہیں کی۔
امام رازی کو کھانے کے وقت علمی شغل و کتب بینی کا موقع فوت ہونے پر افسوس ہوتا تھا،
فرماتے ہیں۔ ”واللہ انسی لا تأسف فی الفوات عن الاشتغال بالعلم وقت الاکل، فان
الوقت و الزمان عزیزان“ (۳۹) (اللہ کی قسم میں علم چھوڑ کر کھانے کے لیے وقت لگانے پر بھی
افسوس کرتا ہوں وقت اور زمانہ عزیز ہیں)۔ معلوم ہوا کہ مطالعہ چھوڑ کر کھانا کھانے میں جو وقت
خرچ ہوتا تھا۔ اس پر امام کو تاسف ہوتا تھا اور آج جس قدر وقت ہمارے طلباء ضائع کرتے ہیں ویسے ہی
وقت ان کو ضائع کر رہا ہے۔

مسٹر آرملڈ جو علامہ اقبالؒ و علامہ شبلیؒ کے استاد تھے، موصوف علی گڑھ میں فلسفہ کے پروفیسر
تھے۔ ان کے وطن جانے کے موقع پر شبلیؒ بھی ساتھ گئے۔ بمبئی میں جہاز پر سوار ہوئے جب جہاز عدن پہنچی
کر آگے بڑھا تو جہاز کا انجن ٹوٹ گیا، جہاز کے ملازمین اور کپتان گھبرائے گھبرائے تدبیریں کرتے
تھے، انجن بالکل بے کار ہو چکا تھا، جہاز سست رفتار ہو گیا، عین اسی حالت میں شبلیؒ بعد اضطراب دوڑتا ہوا
مسٹر آرملڈ کے پاس پہنچا۔ دیکھتا ہے کہ وہ نہایت اطمینان سے کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ شبلیؒ نے کہا
آپ کو کچھ خبر بھی ہے؟ بولے، کہ ہاں انجن ٹوٹ گیا ہے، شبلیؒ نے کہا ایسی حالت میں یہ کتاب دیکھنے کا
موقع ہے؟ جواب ملتا ہے ”جہاز کو اگر برباد ہی ہوتا ہے تو یہ تھوڑا سا وقت اور بھی قدر کے قابل ہے“
(۵۰)۔

۷۔ تکرار و مذاکرہ

حدیث کے طالب علم کو روز کے سبق دہرانا چاہیے اور آپس میں مذاکرہ کرنا چاہیے۔ حضرت
جعفر بن محمد فرماتے ہیں ”القلوب ترب والعلم غراسها، المذاكرة ماؤها، فاذا انقطع عن
الترب ماؤها، جف غراسها“ (۵۱) (دل زمین ہے علم پودا ہے مذاکرہ پانی ہے جب زمین سے
پانی کا انقطاع ہو جائے تو اس کا پودا سوکھ جائے گا)۔

علامہ ابواسحاق شیرازی کا معمول تھا کہ اپنے اساتذہ سے روز جو کچھ حاصل کرتے تھے اس کو
گھر جا کر بلاناغہ روزانہ سو بار تکرار کر کے حفظ تک پہنچا دیتے۔ آپ مشہور کتاب ”مہذب“ کے مصنف

ہیں۔ جس پر جودہ برس کا زمانہ آپ نے صرف کیا (۵۲)۔

حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں: ”تذاوروا وتذاکروا هذا الحديث ان لا تفعلوا یدرس ای ینسی“ (ایک دوسرے کو طاکرہ اور علم حدیث کا مذاکرہ کرو، اگر ایسا نہ کرو گے تو بھول جائے گا)۔

عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں ”انما مثل صاحب الحديث بمنزلة السمسار، اذا غاب عن السوق خمسة ايام تغير بصره“ (۵۳) (صاحب حدیث کی مثال منظم بازار ہے جب وہ بازار سے پانچ دن تک غائب ہو جائے تو اس کی نظر بدل جاتی ہے، یعنی اس کو چیزوں کے متعلق معلومات نہیں رہتی)۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں: ”کنا نكون عند النبي ﷺ فنسمع منه الحديث فاذا قمنا تذاكرنا فيما بيننا حتى نحفظه“ (۵۴) (جب ہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ہوتے تو آپ ﷺ سے حدیث سنتے تھے جب آپ ﷺ کی مجلس سے اٹھتے تو آپس میں مذاکرہ کرتے یہاں تک کہ اسے یاد کر لیتے)۔ حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں: ”تحدثوا وتذاكروا، فان الحديث يذكر بعضه بعضا“ (۵۵) (تم حدیث بیان کرو اور مذاکرہ کرو بیشک حدیث بعض، بعض کو یاد دلاتی ہیں)۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: ”اذا سمعتم مني حديثا فتذاكروه بينكم“ (۵۶) (جب مجھ سے کوئی حدیث سنے تو اس کا مذاکرہ کرو)۔

ابراہیم اسمان فرماتے تھے: ”كل من حفظ حديثا فلم يذاكر به تغفلت سنه“ (۵۷) (ہر اس شخص سے حدیث ضائع ہو جاتی ہے جو یاد کرنے کے بعد مذاکرہ نہیں کرتا)۔
مندرجہ بالا اقوال ذکر کرنے کے بعد خطیب بغدادی لکھتے ہیں: ”واذا لم يجد الطالب من يذاكره، أدام ذكر الحديث مع نفسه، وكرره على قلبه (۵۸) (مذاکرہ کرنے کے لیے کوئی طالب علم نہ ملے تو اپنے نفس کے ساتھ حدیث کا مذاکرہ کرے اور دل میں دہرائے)۔

شاعر نے عبداللہ ابن مبارک کی مجلس کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

ما لذتي الا رواية مسند قد قيدت بفصاحة الالفاظ

ومجالس فيها تحل سكينه ومذاكرات معاشر الحفاظ
نالوا الفضيلة والكرامة والنهي من ربههم برعاية وحفاظ
(مجھے مسند کی روایت میں لذت محسوس ہوتی ہے جس میں الفاظ کی فصاحت ہو۔ ایسی مجالس
میں لذت محسوس ہوتی ہے جس میں سکینہ اترتی ہو۔ اور حفاظ لوگوں سے مذاکرات میں لذت آتی وہ
اللہ کی طرف سے فضیلت اور کرامت اور عقل پاتے ہیں اور ان کا خیال رکھا جاتا ہے اور حفاظت کی
جاتی ہے)۔

۸۔ عمل

علم حدیث حاصل کرنے کے ساتھ اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر صرف اسے حاصل
کرتے رہے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس لیے سلف صالحین حدیث کو یاد رکھنے کے لیے اس پر عمل
بھی کرتے تھے۔ جلیل القدر محدث ابراہیم بن اسماعیل فرماتے ہیں ”کنا نستعين بالحديث على
حفظه بالعمل“ (۵۹) (ہم حدیث کو یاد کرنے کے لیے عمل سے مدد لیتے تھے)۔ یعنی حدیث پر فورا
عمل کرتے تھے اس سے ہمیں حدیث یاد رہتی تھی۔

امام قسیمی بھی یہی فرماتے ہیں: ”کنا نستعين على حفظ الحديث بالعمل به
وكنا نستعين على طلبه بالصوم“ (۶۰) (ہم حدیث یاد کرنے کے لیے اس عمل کرنے سے (حفظ
میں) مدد لیتے اور حدیث تلاش کرنے کے لیے روزہ سے مدد لیتے تھے)۔

حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں ”ویل لمن لا یعلم ولا یعمل مرة ویل لمن یعلم
ولا یعمل سبع مرات“ (اس شخص کو ”ہلاکت“ ایک مرتبہ ہے جو جانتا بھی نہیں، عمل بھی نہیں کرتا اور
اس شخص کے لیے سات مرتبہ ہلاکت ہے جو جانتا ہے اور عمل نہیں کرتا ہے)۔

بے عمل خطیب کی تقریر بھی بے اثر ہوتی ہے۔ حضرت مالک بن دینار کہتے ہیں ”ان العالم
اذا لم یعمل زلت موعظته عن القلوب كما یزل القطر عن الصفا“ (۶۱) (بے عمل عالم کی
نصیحت (وعظ) دلوں سے ایسے اتر جاتی ہے جیسا کہ پہاڑ کے پتھر سے ہارش کا قطرہ)۔

زیاد بن ابی سفیان فرماتے ہیں: ”اذا خرج الکلام من القلب وقع فی القلب واذا

خرج من اللسان لم يجاوز الاذان“ (۶۲) (جب بات دل سے نکلے تو دل میں اتر جاتی ہے اور جب زبان سے نکلے تو کانوں سے تجاوز نہیں کرتی)۔

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں: ”تعلّموا العلم واعملوا به ولا تتعلموه لتتجملوا به فإنه يوشك ان طال بكم زمان ان يتجمل بالعلم كما يتجمل الرجل بثوبه“ (۶۳) (علم حاصل کرو اور اس پر عمل کرو، اور علم کو خوبصورتی کے لئے حاصل نہ کرو۔ قریب ہے اگر تمہاری عمر لمبی ہو جائے تو دیکھو گے کہ آدمی کی علم سے اس طرح خوبصورتی حاصل کی جائے گی جس طرح آدمی کپڑے سے خوبصورتی حاصل کرتا ہے)۔

۹۔ حفظ وضبط

طالب حدیث کے لیے ضروری ہے کہ حدیث اللہ کی رضا مسلمانوں کو نصیحت اور آگے پہنچانے کے لیے یاد کرے۔ علامہ محمد مجد الدین فیروز آبادی جس پایہ کے فاضل تھے وہ ان کی تصنیف ”قاموس“ سے ظاہر ہے تیمورنگ جب علامہ فیروز آبادی سے ملتا تو نہایت تعظیم سے پیش آتا۔ لیکن یہ بلند پایہ مقام ان کو بلا کوشش حاصل نہ ہوا تھا۔ خود ان کا بیان ہے کہ ہر روز میں جب تک دو سو سطریں نہ حفظ کر لیتا رات کو آرام نہ کرتا۔ یہ شوق سفر میں بھی قائم رہتا (۶۴)۔

امام زہریؒ کے متعلق منقول ہے کہ بعض خلفائے ابن شہاب زہری کو بلوا کو چار سو حدیثیں لکھوائیں۔ ایک مدت کے بعد خلیفہ نے امام زہری کو بلوایا اور کہا کہ وہ رسالہ تم ہو گیا ہے پھر سے لکھا دیجیے تو امام نے لکھوا دیں۔ جب پہلے رسالہ سے ان کا مقابلہ کیا گیا تو ایک حرف تک کی کمی بیشی نہ تھی (۶۵)۔

امام بخاریؒ کے ذوق ضبط و حفظ کا اندازہ اس واقعہ سے کر سکتے ہیں کہ جب امام بخاری بغداد میں رونق افروز ہوئے تو آپ کے کمال و ذکاوت و حافظہ کا جو غلطہ تھا بغداد کے محدثین نے اس کا امتحان لینا چاہا۔ چنانچہ اصحاب حدیث نے سوحدیثوں کی اسناد و متون الٹ پلٹ کر آپ کے سامنے پیش کیں امام بخاری نے ہر متن کو اس کی اصل سند کے ساتھ اور ہر سند کو اس کے اصلی متن کے ساتھ ملحق کر کے ترتیب وار سنادیا: ”فاقرّ الناس له بالحفظ واذ عنوا له بالفضل“ (لوگوں نے امام بخاری

کے حفظ کا اقرار کیا آپ کی فضیلت کے آگے جھک گئے) (۶۶)۔

امام بخاری نے لاکھوں حدیثیں یاد کر رکھی تھیں۔ خود فرماتے ہیں: ”احفظ مائة الف حدیث صحیح واحفظ مائتے الف حدیث غیر صحیح“ (۶۷) (مجھے ایک لاکھ صحیح روایات یاد ہیں اور دو لاکھ غیر صحیح روایات یاد ہیں)۔

امام بخاریؒ کے رفقاء درس بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری ہمارے ساتھ بصرہ کے شیوخ حدیث کے پاس جاتے تھے۔ ہم سب احادیث قلم بند کر لیتے تھے اور وہ کسی حدیث کو نہیں لکھتے تھے۔ سولہ سترہ دن جب اسی حالت میں گزر گئے تو ہم نے ان کو ملامت کی کہ جب تم احادیث کو ضبط تحریر میں نہیں لاتے تو اس طرح وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟ امام بخاری نے فرمایا کہ جو کچھ ان سولہ سترہ دنوں میں، میں نے شیخ سے سنا ہے مجھے بخوبی یاد ہے آپ لوگ اپنی لکھی ہوئی کاپیاں لکالے اور مجھ سے زبانی سنئے۔ امام نے اپنے حافظہ سے سنا شروع کیا، پندرہ ہزار سے زائد حدیثیں امام بخاری نے پوری صحت کے ساتھ ہم کو سنا دیں (۶۸)۔

۱۰۔ تحصیل علم کے لیے سفر

تحصیل علم کے لیے سفر کرنا اور نامور علماء سے ملاقاتیں کرنا طلباء کے لیے لازمی منصوبہ ہونا چاہیے۔ علم میں وسعت اور عمق حاصل کرنے کے لیے سفر لازمی ہے۔ حضرت علی بن حصین کہتے ہیں ”لا يستطيع العلم براحۃ الجسم“ (۶۹) (تحصیل علم جسمانی راحت اور آرام طلبی کے ساتھ ناممکن ہے)۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے ”اذا جاء الموت طالب وهو على تلك الحال مات شهيداً“ (۷۰) (جب طالب علم پر اس حال میں موت آجائے کہ وہ علم حاصل کر رہا ہو تو وہ شہید ہے)۔

دوران سفر جس قدر مشہور علماء سے ملاقات ہو سکے ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ علاوہ ازیں ایک بات یہ بھی ہے کہ اساتذہ کی تعداد بھی طالب علم کی قابلیت کی ضمانت بن جاتی ہے۔ طالب علم کو انتہائی کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے عہد کے زیادہ سے زیادہ اساتذہ سے تعلق رکھے۔

صحابہ کرامؓ کو دیکھیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ مدینہ میں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ مکہ میں، حضرت معاویہ بن جبلؓ یمن میں، حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ بصرہ میں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ میں،

حضرت عبادہ بن الصامت اور حضرت ابوالدرداء شام میں اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے مصر میں مسند درس و ارشاد قائم کی تھی۔

اکثر احادیث کا علم براہ راست چند صحابہ ہی کو تھا۔ دوسرے صحابہ اسے حاصل کرنے کے لیے مہینوں سفر کرتے تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں ”بلغنی حدیث عن رجل من اصحاب رسول اللہ ﷺ فابتعت بعيرا فشددت عليه رحلي ثم سرت اليه شهرا حتى قدمت الشام فاذا عبد اللہ بن انيس الانصاري فقال: جابر بن عبد اللہ، فقلت: نعم، فخرج الی فاعتنقته واعتنقني، قال: قلت حدیث بلغنی انك سمعته من رسول اللہ ﷺ في المظالم لم أسمعه أنا منه، قال سمعت رسول اللہ ﷺ۔۔ الخ“ (۱) (نبی اکرم ﷺ کے اصحاب میں سے ایک صحابی کے بارے میں مجھے معلوم ہوا کہ ان کے پاس نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث مظالم سے متعلق ہے) (اس حدیث کا علم اس صحابی سے براہ راست حاصل کرنے کے لیے) میں نے ایک اونٹ خرید اور پلان ڈالا اور شام کی طرف روانہ ہوا۔ ایک ماہ تک برابر چلتا رہا حتیٰ کہ شام پہنچ گیا اور عبداللہ بن انیس انصاری (جن کے نام سے انہیں حدیث پہنچی تھی) کے گھر پہنچا۔ ان کے مکان کے اندر کسی قاصد کو بھیجا اور کہا اطلاع کرو تو ہمارے دروازے پر جابر کھڑا ہے۔ قاصد نے واپس آ کر پوچھا کہ کیا جابر بن عبداللہ ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ یہ سن کر عبداللہ بن انیس باہر نکل آئے۔ دونوں ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے۔ اس کے بعد حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا مجھے آپ کے نام سے ایک حدیث رسول پہنچی ہے جو آپ ﷺ نے مظالم کے متعلق ارشاد فرمائی ہے۔ میں نے یہ حدیث خود رسول اللہ سے نہیں سنی ہے۔ آپ نے یہ حدیث سنی ہے؟ عبداللہ بن انیس نے جواب میں کہا۔ ہاں میں نے خود رسول اللہ سے یہ حدیث سنی ہے (اس کے بعد عبداللہ بن انیس نے پوری حدیث سنائی)۔

اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ کا تذکرہ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے کہ ایک حدیث کی خاطر مدینے سے شام تک کا سفر کیا جو ایک مہینہ کا تھا۔ بخاری کے الفاظ یہ ہیں: ”رحل جابر عبد اللہ میسرة شهر الی عبد اللہ بن انيس في حدیث واحد“ (۲) (حضرت جابر بن

عبداللہؑ نے عبداللہ بن امیس کی طرف صرف ایک حدیث کے لیے ایک مہینہ کا سفر اختیار کیا۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں ”فخشیت ان اموت او تموت قبل ان اسمعه“ (۷۳) (مجھے یہ خوف دامن گیر ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ سے اس حدیث کے سننے سے پہلے میں یا آپ فوت ہو جائیں)۔ اسی طرح حضرت ابوالیوب انصاریؓ صرف ایک حدیث کی سماع کے لیے مدینہ سے مصر گئے۔ ان کا اس سفر سے سماع حدیث کے علاوہ اور کچھ مقصد نہ تھا۔ چنانچہ کھڑے کھڑے سواری پر اس حدیث کو سنا اور پھر اس وقت سواری کو واپس موڑ لیا (۷۴)۔

عہد صحابہ میں ایک شخص حدیث کی تلاش میں مدینہ سے سفر کر کے حضرت ابوورداءؓ کے پاس دمشق آتا ہے ”قدم رجل من المدينة على أبي الدرداء وهو بدمشق فقال ما اقدمك يا اخي؟ فقال: حديث بلغني انك تحدثه عن رسول الله قال: اما جئت لحاجة؟ قال: لا۔ قال: اما قدمت لتجارة؟ قال: لا، قال: ما جئت الا في طلب الحديث قال: فاني سمعت رسول الله --- الخ“ (۷۵) (ایک شخص مدینہ سے حضرت ابوورداءؓ کے پاس دمشق آیا۔ ابوورداءؓ اسے سوال کرتے ہیں میرے بھائی تو کس لیے آیا۔ اس نے کہا۔ میں نے ایک حدیث سنی ہے جو آپ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ ابوورداءؓ پوچھتے ہیں کسی اور کام کے لیے تو نہیں آیا جواب دیا۔ نہیں پوچھتے ہیں تجارت کی غرض سے تو نہیں آنا ہوا؟ جواب دیتے ہیں نہیں، میں صرف حدیث کی تلاش میں آیا ہوں۔ جب ابوورداءؓ نے حدیث روایت فرمائی)۔

خلوص نیت ہی کی کشش تھی کہ لوگ ایک حدیث کے لیے سینکڑوں میل کا سفر اختیار کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کی طرح سلف الصالحین بھی علم حدیث کی تلاش میں سفر کرتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز امام داری کے بارے میں لکھتے ہیں ”آپ نے کثرت سے سفر کیا اور اکثر بلاد اسلام کا سفر کیا نیز دور دراز شہروں میں گشت کر کے علم حدیث کو جمع کیا“ (۷۶)۔

سعید بن المسیبؓ فرماتے ہیں: ”ان كنت لأسير الليالي والأيام في طلب الحديث الواحد“ (۷۷) (میں ایک حدیث کے لیے کئی رات دن سفر کرتا تھا)۔

۱۱۔ راہِ علم میں خرچ

محدثین عظام و در سلف میں طلبِ حدیث کے لیے کثیر روپیہ خرچ کرتے تھے۔ خطیب بغدادی کے بارے میں صاحبِ معجم الادباء نے لکھا ہے ”والخطیب البغدادی قد بذل لطلب الحدیث عشرين الف الف دينار“ (۷۸)۔

خطیب بغدادی نے علمِ حدیث کی طلب میں دو کروڑ روپیہ خرچ فرمایا (۷۹)۔ امام ذہبی نے طلبِ حدیث کے سلسلے میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ کیا تھا (۸۰)۔ امام بخاری بن معین نے طلبِ حدیث میں اپنا سامان، گھر کا اثاثہ بیچ کر ایک کروڑ پچاس لاکھ درہم خرچ کر دیا حتیٰ کہ گھر میں کچھ باقی نہ رہا (۸۱)۔ امام عبد اللہ ابن مبارک نے طلبِ حدیث میں چالیس ہزار درہم خرچ کیے (۸۲)۔

۱۲۔ طلبِ حدیث میں صبر

علم اور آرام دو متضاد چیزیں ہیں۔ اس لیے کہ طلبِ آرام و طلبِ علم دونوں اکٹھی پوری نہیں ہو سکتیں یا تو طالبِ علم ہو، من حیث ہو طالب یا طالبِ راحت ہو۔ دونوں طلبیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ امام طبرانی سے کسی شخص نے پوچھا کہ آپ کو یہ بے شمار معلومات کیسے حاصل ہوئیں؟ فرمایا: ”كنت انام على البوارى ثلاثين سنة“ (۸۳) (تیس برس تک میری کرنے بوریہ کے سوا کسی بستر کا لطف نہیں اٹھایا)۔ اس واقعہ کو پڑھ کر طلباء اور شائقینِ علم کو غور کرنا چاہیے کہ آج ہم راہِ علم میں کتنی قربانی دے رہے ہیں۔

فہم حدیث کے امام ابو حاتم رازی فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہم چند طالبِ علم ایک سفر میں تھے، بیدل چلتے چلتے جب توشہ ختم ہوا تو بے آب و دانہ تیس دن تک چلتے رہے ہم میں سے ایک زیادہ عمر رسیدہ تھے۔ وہ برداشت نہ کر سکے بے ہوش ہو کر گر پڑے، ہم لوگ اس کو حرکت دینے لگے تو دیکھا کہ بالکل بے حواس ہو چکے ہیں۔ ہم ان کو چھوڑ کر ایک میل تک ہی گئے ہوں گے کہ میں اس مقام پر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ میرا ساتھی مجھے چھوڑ کر آگے گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک کشتی بان کو اشارہ سے بلایا، اس نے آکر اس کو پانی پلایا۔ پھر اس نے کہا کہ میرے دوست ساتھی بے ہوش پڑے ہیں ان کی خبر لو۔ چنانچہ مجھے کچھ ہوش نہیں تھا۔ ایک آدمی مجھ پر پانی چھڑک رہا تھا اس وقت مجھے آفاقہ ہوا اور میں نے تھوڑا سا

پانی پیا، اس کے بعد اسی طرح اس شیخ کو ہوش میں لایا گیا (۸۳)۔
 شاعر کہتا ہے: آخر العلم لذیذ طعمه و بده الذوق منه كالصبر (۸۵)۔
 (یعنی علم کا آغاز صبر سے کریں تو انجام میٹھا ہو سکتا ہے)۔

محدث کے آداب و فرائض

بعض چیزیں محدث اور طالب علم دونوں میں مشترک ہوتی ہیں۔ مثلاً نیت، حفظ، عمل، وقت کی قدر، ذوق مطالعہ، رحلات علم پر اخراجات وغیرہ، لیکن بعض چیزیں محدث استاد کے لیے ضروری ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ علم حدیث کو نشر کرنا

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ما تصدق رجل بصدقة افضل من علم ينشره“ (۸۶) (آدمی کا علم پھیلانے سے بہتر کوئی صدقہ نہیں)۔ امام زہری فرماتے ہیں ”ما صبر احد على العلم صبرى ولا نشره احد نشرى“ (۸۷) (کس نے حصول علم میں میری طرح (جیسے) صبر نہیں کیا اور نہ کسی نے میری طرح علم پھیلا یا)۔

حضرت اہل بن سعد بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”لان يهدى الله بك رجلا واحدا خير لك من حمر النعم“ (۸۸) (اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے ایک آدمی کو ہدایت دے تو وہ تمہارے لیے سرخ اونٹ سے بہتر ہے)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ نے فرمایا: ”مثل الذى يتعلم العلم ولا يحدث به كمثل الذى يكتنز الكنز ولا ينفق“ (اس آدمی کی مثال جو علم حاصل کرتا ہے اور اسے بیان نہیں کرتا اس شخص کی طرح ہے جو خزانہ اکٹھا کرتا ہے اور اسے خرچ نہیں کرتا) (یعنی اس کا کوئی فائدہ نہیں)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مثل الذى يتعلم العلم لا يحدث به الناس كمثل الذى رزقه الله ما لا ولا ينفق منه“ (۸۹) (اس شخص کی مثال جو علم حاصل کرتا ہے اسے لوگوں کو بیان نہیں کرتا اس شخص کی طرح ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے اسے وہ

خریج نہیں کرتا۔

حضرت امام مالک اپنے شاگردوں کو کہا کرتے تھے: ”اتقوا اللہ وانشروا هذا العلم وعلموہ ولا تکتُمُوہ“ (اللہ سے ڈرو اور اس علم کو پھیلاؤ، اسے سکھاؤ اور اسے نہ چھپاؤ)۔

رسول اللہ ﷺ نے علم کو چھپانے والے کے لیے سخت وعید سنائی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”من سئل عن علم علمہ ثم کتمہ الجم یوم القیامۃ بلجام من نار“ (۹۰) (جس کو علم کے بارے میں پوچھا جائے اور وہ جانتا ہو پھر بھی اسے چھپائے تو اس کو قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی)۔

خلفاء و امراء لوگوں سے علم پھیلانے کے عہد لیتے خطبوں میں زور دیتے اور عہد کی طرف تحریر بھیجتے تھے۔ خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ علم پھیلانے کا عہد لیتے تھے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں ”لم یؤخذ علی الجاہل عہد بطلب العلم حتی أخذ علی العلماء ببذل العلم للجهال“ (۹۱) (جاہل سے علم حاصل کرنے کا عہد نہ لیا جائے جب تک عالم سے یہ عہد نہ لیا جائے کہ علم پوری کوشش سے جاہلوں تک پہنچائے)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جعفر بن برقان کو لکھا ”فمر اهل الفقه والعلم من عندك فلينشر واما علمهم الله في مجالسهم ومساجدهم“ (۹۲) (جو عالم اور فقیہ آپ کے پاس ہے انہیں حکم دو کہ وہ علم جو اللہ تعالیٰ نے انہیں سکھایا ہے اسے لوگوں کی مجلسوں اور مسجدوں میں پھیلائیں)۔

محمد شین کو علم پھیلانے کا اتنا شوق تھا جب انہیں حدیث سنانے کو کوئی نہ ملتا تو مسافروں اور بچوں کو سناتے تھے۔ محدث عطاء خراسانی کے بارے میں آتا ہے۔ ”اذا لم یجد احدا یحدثہ اتی المساکین فحدثهم“ (۹۳) (جب حدیث سنانے کو کوئی نہ ملتا تو مساکین کے پاس آتے انہیں حدیث بیان کرتے تھے)۔ اور محدث اسماعیل بن رجاہ کے بارے میں حضرت اعش فرماتے ہیں ”کان اسماعیل بن رجاہ یجمع الصبیان فیحدثهم“ (۹۴) (محدث اسماعیل بن رجاہ بچوں کو جمع کرتے تھے پھر انہیں حدیث بیان فرماتے تھے)۔

۲۔ محدث کا وقار (لباس، عزت نفس وغیرہ)

محدث کے ہاں یعنی نیت خالص ہونے کے ساتھ ظاہری حالت بھی عمدہ اور طالب حدیث کے لیے نمونہ ہونا چاہیے۔ بنو ہاشم کے خلفاء، امراء اور علماء کے لئے رسول اکرم ﷺ کا لباس نمونہ تھا۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ کا لباس نہایت سادہ تھا۔ ابن عباس فرماتے ہیں ”کان النبی ﷺ یلبس قمیصا فوق الکعبین مستوی الکمین باطراف اصابعه“ (۹۵) (حضور ﷺ کی قمیص ٹخنوں سے اوپر ہوتی تھی اور آپ کے کف مبارک انگلیوں کے کناروں کے برابر تھے)۔

رسول اللہ سفید کپڑا پہننے کا حکم فرماتے تھے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں ”البسوا من ثيابکم البیاض فانها من خیر ثيابکم“ (۹۶) (اپنے کپڑوں میں سے سفید کپڑے پہنا کر بے شک یہ تمہارے کپڑوں میں سے بہتر ہیں)۔ اور ابو سلمہ فرماتے ہیں ”ان النبی ﷺ کان یتختم فی یمینہ“ (۹۷) (رسول اللہ ﷺ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے)۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں ”کنا نعرف خروج النبی بربیع الطیب“ (۹۸) (ہم رسول اللہ ﷺ کے گھر سے نکلنے کا پتہ خوشبو سے لگا لیتے تھے)۔

یحییٰ بن محمد اشعید، محدث یحییٰ بن یحییٰ کے لباس کے بارے میں کہتے ہیں ”ما رأیت محدثا اورع من یحییٰ بن یحییٰ ولا احسن لباسا منه“ (۹۹) (میں نے یحییٰ بن یحییٰ سے بڑھ کر ہر چیز کا نہیں دیکھا اور نہ ان سے بڑھ کر خوبصورت لباس والا)۔ صاف اور سلیقے سے سلا ہوا لباس اور صاف ستھری ظاہری شکل و صورت کو ہر شخص سراہتا ہے۔

حضرت امام مالکؒ لباس کے معاملے میں بہت باذوق تھے۔ یمن، مصر اور خراسان تک سے عمدہ عمدہ کپڑے منگواتے۔ عطر کا بہت شوق تھا۔ درس سے پہلے نیا جوڑا پہن کر اور خوشبو لگا کر مجلس علمی کی صدارت کے لیے مسجد نبوی میں تشریف لاتے۔ حضرت مولانا داؤد غزنویؒ کے بارے میں سید ابو بکر غزنوی لکھتے ہیں: ”طبیعت میں نفاست بہت تھی۔ بد تہذیبی اور ناشائستگی سے ان کی طبیعت مکدر بہت ہوتی تھی۔ کپڑا ہمیشہ نئیں پہنتے۔ کتاب کی جلد نئیں بند ہوا کرتے، قلم نئیں خریدتے۔ ان کی کتابوں پر کبھی

داغ و دھبہ میں نے نہیں دیکھا۔ لباس ہمیشہ اجلا پہنتے تھے۔ میں نے ان کے کپڑوں پر کبھی میل نہیں دیکھی“ (۱۰۰)۔

۳۔ محدث کی مجلس درس

حضرت امام مالک جب درس حدیث کے لیے مجلس لگاتے تو اتنے ادب اور احترام کے ساتھ بیٹھتے کہ مجلس میں کسی قسم کی کوئی حرکت نہ ہو، جس سے سوائے ادب کا شائبہ ہو۔ سامعین بھی بالکل خاموشی سے مؤدب ہو کر آپ کی بات سنتے۔ مولانا سید سلیمان ندوی امام ذہبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ”یہاں تک کہ امام ابو حنیفہ بھی جب امام (مالک) کی مجلس درس میں آ کر شریک ہوئے تو وہ بھی اسی طرح مؤدب ہو کر بیٹھے اور سید صاحب نے امام مالک کی مجلس درس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے ”جاہ و جلال اور شان و شکوہ سے کاشانہ امامت پر بارگاہ شاعی کا دھوکہ ہوتا تھا۔ طلبہ کا ہجوم، مستغنیوں کا ازدحام، امراء کا درود، علماء کی تشریف آوری، سیاحوں کا گزر، حاضرین کی مؤدب نشست، درخانہ پر سوار یوں کا انبوه، دیکھنے والوں پر عرب و قارطاری کر دیتا تھا (۱۰۱)۔“

محدث مجلس میں شامل ہونے والے طلباء کو کلمات ترحیب کہے۔ ابن ابی حنیفہ اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں ”دخلت على النبی ﷺ انا ورجل من بني عامر فقال: مرحبا بكما، انتما منی“ (۱۰۲) (میں ابو حنیفہ اور بنو عامر کے ایک شخص رسول اللہ ﷺ پر داخل ہوئے تو رسول اللہ نے کلمہ ترحیب ”مرحبا بك“ کہا۔ اور فرمایا: آپ دونوں مجھ سے ہیں۔

اگر طالب علم سے غلطی ہو جائے تو محدث کو غصہ و درگزر کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں ”لم یکن رسول اللہ بفاحش ولا متفحش، ولا سخاب فی الاسواق، ولا یجزیء بالسبیۃ مثلها ولكن یعفو ویصفح“ (۱۰۳) (رسول اللہ ﷺ نہ بدگو تھے نہ بدگوئی پھیلانے والے تھے اور نہ ہزاروں میں شور مچاتے تھے۔ برائی کا بدلہ نہیں لیتے بلکہ معاف کرتے اور درگزر کرتے تھے)۔ محدث طلباء کے ساتھ شفقت سے پیش آئے اور ان سے ایسا سلوک کرے جیسے اپنی اولاد کے ساتھ کرتا ہو (۱۰۴)۔

رسول اللہ کی مثال سامنے رکھ کر توبہ و توبہ میں کوشش کرے اور کسی معاوضے کی توقع ہرگز نہ

رکھے (۱۰۵)۔ حتی الوسع اپنے شاگردوں کو یہی نصیحت کرے کہ وہ سند فضیلت حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں جب تک کہ اس کے اہل نہ ہو جائیں (۱۰۶)۔

اپنے طالب علموں کے سامنے دوسرے اساتذہ کے مضامین کی برائی نہ کرے بلکہ اس بات پر اصرار کرے کہ طلبا حتی الوسع زیادہ سے زیادہ شعبہ ہائے علوم کی تحصیل پر توجہ دیں (۱۰۷)۔ طالب علم کی غلطی پر مناسب سزا اور اچھے کام پر انعام دینا چاہیے جس سے طالب علم کا دل خوش ہوتا ہے اور ہمت بڑھ جاتی ہے (۱۰۸)۔

۴۔ محدث کی مجلس کا احترام

طالب حدیث کو محدث کے سامنے بڑے ادب و احترام سے بیٹھنا چاہیے۔ حضرت امام بخاری نے باب باندھا ہے ”باب من برك على ركبتيه عند الامام او المحدث“ (۱۰۹) (جو شخص امام اور محدث کے سامنے تلمذ کا شرف حاصل کر رہا ہو اسے دو زانو ہو کر بیٹھنا چاہیے)۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ حدیث بیان فرما رہے تھے۔ حضور ﷺ پر ایک خاص کیفیت طاری تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”سلونی“ (مجھ سے کچھ پوچھ لو) اس پر حضرت عمرؓ فرمود زانو ہو گئے ”فبرك عمر على ركبتيه“ (۱۱۰)۔

امام بخاری نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جب حدیث بیان ہو تو اپنی ہیئت اور انداز نشست میں بھی ادب کا خیال رکھے اور دو زانو بیٹھے۔ حدیث شریف پڑھاتے وقت کسی کی طرف توجہ بھی نہ کرے اور درمیان قرأت حدیث یا سماع حدیث میں کسی کی بات کا جواب نہ دے۔ حضرت امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے: ”باب من سئل علما وهو مشغول في حديثه فأنتم الحديث ثم اجاب السائل“ (۱۱۱) (اگر کوئی تم سے اس حال میں کوئی مسئلہ دریافت کرے کہ تم حدیث نبوی میں مشغول ہو تو تم پر لازم ہے کہ پہلے حدیث کا اتمام کرو پھر اس سائل کا جواب دو)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ایک دفعہ ایک مجلس میں حدیث بیان کر رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور آپ ﷺ سے پوچھا ”متی الساعة“ (قیامت کب آئے گی)؟ رسول اللہ ﷺ اپنی پہلی بات میں ہی مصروف رہے۔ جب آپ اپنی حدیث پوری کر چکے تو دریافت فرمایا: سائل کہاں ہے؟

اس اعرابی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں ہوں۔ فرمایا: جب امانتیں ضائع ہونے لگیں تو قیامت کا انتظار کرو۔ اس نے پوچھا امانتیں کس طرح ضائع ہوں گی؟۔ آپ نے فرمایا (خصوصاً حکومت) جب کام نا اہل لوگوں کے سپرد ہونے لگے تو قیامت کا انتظار کرو (۱۱۲)۔ رسول اللہ کے عمل سے ثابت ہوا کہ حدیث کی مجلس کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف متوجہ ہونا خلاف ادب ہے۔

حضرت ابو قتادہ فرماتے ہیں۔ امام مالک ہمارے سامنے حدیث بیان کر رہے تھے تو ان کو کچھو نے سولہ مرتبہ ڈنگ مارا اور امام مالک کا رنگ مخمیر ہو گیا۔ چہرہ زرد پڑ گیا کہ حدیث کو ذریعہ بیان میں قطع نہیں فرمایا جب حدیث بیان کرنے سے فارغ ہو گئے تو میں نے ان سے عرض کیا۔ اے ابوعبداللہ! میں نے آج آپ کا عجیب حال پایا؟ امام مالک نے فرمایا کہ حدیث پڑھاتے وقت کچھو نے سولہ جگہ ڈنگ مارا۔ مجھے اس سے تکلیف ہو رہی تھی لیکن میں حدیث کی اجلال و تعظیم کی بنا پر صبر کرتا رہا (۱۱۳)۔

۵۔ آداب روایت

’محدث جب اپنی سند سے روایت کر رہا ہو۔ تو وہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ادا کر رہا ہوتا ہے۔ اسے چاہیے ہا وضو ہو کر قبلہ رخ ہو کر حدیث پڑھائے۔ حضرت قتادہ کے بارے میں آتا ہے:”
لقد كان يستحب ان لا تقرا الاحاديث التي عن النبي الاعلى وضوء“ (۱۱۴) (اس بات کو اچھا سمجھا جاتا تھا کہ نبی ﷺ کی احادیث کو ہا وضو پڑھا جائے)۔

’یحییٰ بن معین لکھتے ہیں:”كان سفيان اذا حدث اسقبل القبلة“ (۱۱۵) (سفيان جب حدیث بیان کرتے تو قبلہ کی طرف متوجہ ہو جاتے)۔ حضرت امام بن مالک اور حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہما دونوں وضو کے ساتھ حدیث لکھا کرتے تھے (۱۱۶)۔ اور امام بخاری کے متعلق بھی آتا ہے کہ ”اپنی صحیح میں ہر حدیث کی کتابت سے پہلے آپ غسل فرماتے تھے پھر دو رکعت نماز نفل ادا کرتے تھے۔ بعض نے کہا کہ آپ زم زم سے غسل فرمایا کرتے تھے اور ”مقام ابراہیم“ پر دو نفل ادا کرتے تھے (۱۱۷)۔ علماء حدیث کو حدیث بیان کرتے وقت صحت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ خصوصاً ضعیف حدیث بیان کر رہا ہو تو اس کی وجہ اور ضعف کی وضاحت کرنا چاہیے۔ اس طرح حدیث کو مختصر کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ محدث یحییٰ بن معین کے بارے میں آتا ہے ”كان يكره الانتخاب ويذمه

ویقول صاحب الانتخاب یندم ولذلك کان یکتب علی وجه لئلا یسقط علیہ حدیث“ (۱۱۸) (وہ حدیث سے انتخاب کو بُرا سمجھتے تھے اور اس کی مذمت کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ انتخاب کرنے والا شرمندہ ہوگا۔ اس لیے وہ حدیث کو اسی طرح لکھ دیتے تھے تاکہ حدیث ساقط نہ ہو)۔ اسی طرح روایت بالمعنی سے بھی حتی الوسع احتراز کرنا چاہیے۔ رسول کا ارشاد ہے: ”نفسر اللہ امرۃ اسمع منا حدیثا فبلغہ کما سمعہ“ (۱۱۹) (اللہ اس شخص کو مرہن فرمائے جس نے میری کوئی بات سنی اسے یاد رکھا اور اسے آگے اسی طرح نقل کیا جیسا کہ اس نے سنا تھا)۔ صرف بیان حدیث پر اکتفا نہ کرے، بلکہ احادیث مذکورہ احکام بھی بیان کرے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ حدیث منسوخ ہو شاذ ہو، یا قابل عمل نہ ہو۔ حدیث کے ساتھ تشریح و توضیح بھی کرے اور حالات حاضرہ پر بھی روشنی ڈالے۔

مقام صحابہؓ اور کتب معرفۃ الصحابہ

لغوی مفہوم

صحابی صحبہ سے ماخوذ ہے۔ جو ہری نے کہا: صحبہ، یصحابہ، صحبۃ غیش۔ کے ساتھ اور صحابہ فتح۔ کے ساتھ صحابہ صاحب کی جمع ہے۔ اصحبۃ: میں نے اسے ساتھی بنایا (۱۲۰)۔ فیروز آبادی کہتے ہیں: صحبہ، کسبوعہ، صحابۃ، بکسر و استصحابہ دعاء إلی الصحبة (۱۲۱)۔ ابن منظور نے لکھا ہے: صحابی محب سے ماخوذ ہے۔ صحبہ، مَحْبُوب، مَحْبُوبِ شَیْءٍ کے ساتھ اور صحابہ زیر کے ساتھ۔ صاحب کی جمع اصحاب اور اصحاب اور صحابان ہے۔ جیسے شاب اور شبان اور صحاب جیسے جالغ اور جیالغ اور محب اور صحابہ (۱۲۲)۔

اصطلاحی مفہوم

صحابی کی شرعی تعریف علما نے مختلف کی ہے۔ ہم بعض کا ذکر کرتے ہیں: امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: ”ہر وہ آدمی جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک سال ایک ماہ ایک دن یا ایک گھڑی رہا، آپ ﷺ کی باتیں سنیں اور آپ ﷺ کو دیکھا وہ صحابی ہے“ (۱۲۳)۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں: ”من صحب النبی ﷺ اور آہ من المسلمین فهو من أصحابہ“ (۱۲۴) (مسلمانوں میں سے جو آپ ﷺ کے ساتھ رہا یا جس نے آپ ﷺ کو دیکھا وہ صحابی ہے)۔

حافظ ابن حجرؒ صحابی کی تعریف یوں فرماتے ہیں اور یہ سب سے اچھی اور مقبول تعریف ہے: ”مومنوں میں سے جو آپ ﷺ کے ساتھ رہا اور اس کا خاتمہ بھی اسلام پر ہوا، آپ ﷺ کی مجلس میں داخل ہوا، مجلس طویل ہو یا چھوٹی آپ ﷺ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوا یا نہیں جس نے صرف دیکھ لیا اگرچہ مجلس بھی نصیب نہیں ہوئی یا کسی عارضہ کی وجہ سے نہ دیکھ سکا۔ جیسے آپ ﷺ کا نابینا صحابی (سب صحابی کی تعریف میں داخل ہیں)“ (۱۲۵)۔

عدالت صحابہ

تمام صحابہ عادل ہیں یعنی جملہ صحابہ کرام حق و انصاف پر قائم تھے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ خود باری تعالیٰ اور پھر اس کے رسول ﷺ نے ان کا تذکرہ فرمایا۔ اور ساتھ ہی ان کے پیشوا، مقتدا، ہادی اور جنتی ہونے کی خوشخبری بھی سنادی۔ صحابہ کے مشاجرات سے ان کی عدالت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ظاہر ہے کہ کسی صحابی سے اگر کوئی چوک ہوئی اس نے فوراً ایسی تلافی کردی کہ گناہ یا معصیت کا تصور بھی باقی نہ رہا۔ پھر قرآن عظیم نے ان کی تعریفوں کے پل باندھ دیے اور آنحضرت ﷺ نے ان کے اوصاف بیان فرمائے۔ اس لیے اہل اسلام کے تمام گروہ اس بات پر متفق ہیں کہ تمام صحابہ عادل ہیں۔

عدالت کا لغوی مفہوم

المنجد میں عدالت کا لغوی مفہوم یوں بیان کیا ہے ”انصاف کرنا، سیرت کا پاک ہونا، کردار کا بے داغ ہونا (۱۲۶)۔ علامہ باہلیؒ کا قول ہے: ”رجل عادل“ سے مراد پسندیدہ اور مقبول الشہادہ“ (۱۲۷)

عدالت کا اصطلاحی مفہوم

بعض محدثین کا قول ہے۔ عدالت وہ ملکہ ہے جو ان کو کبیرہ اور صغیرہ گناہ کے ارتکاب سے روک دے۔ اصطلاح میں راوی کا مسلمان، بالغ، عاقل، گناہ کے اسباب اور برے اخلاق سے پاک ہونا ہے (۱۲۸)۔ امام غزالی کا قول ہے: دین میں استقامت حاصل ہو یعنی آدمی کے نفس میں ایسی پختہ قوت ارادی ہو جس کی وجہ سے وہ تکلی اور تنجیدگی کو اپنی عادت بنالے اور لوگوں کو اس کی سچائی پر اعتماد ہو جائے“ (۱۲۹)۔

عبداللہ بن مبارک عادل کے متعلق کہتے ہیں: وہ جماعت میں حاضر ہوتا ہو، شراب نہ پیتا ہو، اس کے دین میں خرابی نہ ہو، جھوٹ نہ بولے، اس کی عقل بھی درست ہو“ (۱۳۰)۔

”الصحابہ کلہم عدول“ کا مفہوم

مذکورہ بالا معانی کے اعتبار سے سب کے سب صحابہ عادل ہیں۔ وہ کفر و فسق سے متنفر، پرہیز گاروں اور راشدوں کے سرخیل تھے۔

عذالت صحابہ: قرآن مجید کی روشنی میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ان الذین آمنوا وعملوا الصلحت اولئک ہم خیر البریۃ جزاؤہم عند ربہم جنت عدن تجری من تحتہا الانہر خلدین فیہا ابدًا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ذلک لمن خشى ربہ" (۱۳۱) (جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ تمام مخلوق سے بہترین ہیں۔ ان کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ابد الابد تک ان میں رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔ یہ (صلہ) ان کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے۔)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "لکن الرسول والذین آمنوا معہ جاهدوا باموالہم وانفسہم واولئک لہم الخیرات واولئک ہم المفلحون" (۱۳۲) (لیکن رسول اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے۔ سب اپنے مال و جان سے لڑے۔ انہی کے لیے بہلائیاں ہیں اور یہی لوگ مراد پانے والے ہیں)۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "والتسبیحون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوہم بإحسان رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ وأعد لہم جنت تجری تحتہا الانہر خلدین فیہا ابدًا ذلک الفوز العظیم" (۱۳۳) (اور مهاجرین اور انصار میں سے) جو ہجرت اور اسلام میں) سبقت لے جانے والے ہیں اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہو اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باغ تیار کر رکھے ہیں۔ جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "لقد رضی اللہ عن المؤمنین إذ یبایعونک تحت الشجرة فعلم ما فی قلوبہم فأنزل السکینۃ علیہم واثابہم فتحا قریبًا" (۱۳۴) اے پیغمبر ﷺ! اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے راضی ہو چکا جب وہ (کیکر یا بیری کے) درخت کے تلے (حدیبیہ میں) تھے سے بیعت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جان لیا جو (اخلاص) ان کے دلوں میں تھا تو ان (کے دلوں) پر تسلی اتاری اور ایک نزدیک والی فتح ان کو انعام میں دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "للفقراء المهاجرین الذین اخرجوا من دیارہم وأموالہم یبتغون فضلاً من اللہ ورضوانا ینصرون"

اللہ ورسولہ اولئک ہم الصدقون" (۱۳۵) [ان مہاجرین محتاجوں کا بھی (حق) ہے جو اپنے گھر بار مال و دولت سے نکال دیئے گئے خدا کے فضل اور اس کی رضا مندی کی تلاش میں ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ تو سچے (ایماندار) ہیں]۔

ارشاد ربانی ہے: "محمد رسول اللہ والذین معہ أشدّاء علی الکفار رحماء بینہم ترہم رکتًا سجّدًا یبتغون فضلًا من اللہ ورضوانًا سیماہم فی وجوہہم من اثر السجود ذلک مثلہم فی التوراة ومثلہم فی الانجیل" (۱۳۶) [محمد ﷺ اللہ کا پیغمبر ہے اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں (یعنی صحابہؓ) وہ کافروں پر سخت ہیں۔ آپس میں (ایک دوسرے پر) رحم دل ہیں (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے (کبھی) رکوع کر رہے ہیں (کبھی) سجدہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا مندی کی فکر میں رہتے ہیں ان کی نشانی ان کے چہروں پر ہے یعنی سجدہ کی نشانی یہی حال ان کا تورات اور انجیل میں (بیان ہوا) ہے]۔

ارشاد ربانی ہے: "یوم لا یخزی اللہ النبی والذین آمنوا معہ نورہم یسعی بین أیدیہم وبایمانہم" (۱۳۷) [جس دن اللہ تعالیٰ (اپنے) پیغمبر کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے، رسوا نہ کرے گا۔ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا]۔

ارشاد ربانی ہے: "ولکن اللہ حبّب إلیکم الإیمان وزینہ فی قلوبکم وکثرہ إلیکم الکفر والفسوق والعصیان أولئک ہم الزّاشدون فضلًا من اللہ ونعمۃ واللہ علیم حکیم" (۱۳۸) [اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی ہے، اور تمہارے دلوں میں اس (ایمان) کو اچھا کر دکھایا ہے اور کفر اور نافرمانی اور گناہ سے تم میں نفرت ڈال دی ہے یہی لوگ تو اللہ کے فضل و کرم سے ٹھیک رہتے رہیں اور اللہ تعالیٰ (سب کچھ) جانتا ہے اور حکمت والا ہے]۔

ارشاد ربانی ہے: "فإن امنوا بمنزل ما منتم بہ فقد اہتدوا وإن تولّوا فلانما ہم فی شقاق" (۱۳۹) [اگر وہ (یہود، نصاریٰ دیگر غیر مسلمین) تمہاری طرح ایمان لاویں تو راہ پا گئے۔ اگر نہ مانیں تو ضد میں گرفتار ہیں]۔

ارشاد ربانی ہے: "إنّ الذین امنوا والذین ہاجروا وجاہدوا فی سبیل اللہ اولئک یرجون رحمت اللہ واللہ غفور رحیم" (۱۴۰) [اور جو

لوگ ایمان لائے اور (اللہ کے لیے) اپنا ملک چھوڑا (ہجرت کی) اور خدا کی راہ میں لڑے انہی کو اللہ کی رحمت کی امید ہے اور اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے۔

ارشادِ ہانی ہے: ”وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ“ (۱۴۱) اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا (یعنی مہاجرین صحابہؓ) اور جن لوگوں نے ان (مہاجرین) کو پناہ دی اور (ان کی) مدد کی (یعنی انصار) یہی سچے مسلمان ہیں۔ ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے (آخرت میں) اور عزت کی روزی (دنیا میں)۔

ارشادِ ہانی ہے: ”الْقَائِمُونَ الْعَابِدُونَ الْحَمْدُونَ السَّاقِحُونَ الزَّكَاةُونَ السَّجْدُونَ الْأَمْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ“ (۱۴۲) (یہ لوگ ایسے ہیں ہر ایک گناہ سے) توبہ کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی عبادت (اخلاص کے ساتھ) کرنے والے اور اللہ کی تعریف کرنے والے (ہر حال میں شکر گزار) روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے (یعنی نمازی) اچھی بات کا حکم دینے والے اور بُری بات سے منع کرنے والے اور اللہ تعالیٰ نے جو حدیں ہامدہ دیں اور ان کو سنبھالنے والے اور (اے پیغمبر ﷺ) ایسے مسلمانوں کو (جنت اور اللہ کی رضامندی کی خوشخبری دے)۔

عدالت صحابہؓ احادیثِ نبویہ ﷺ کی روشنی میں

رسول اللہ ﷺ نے اپنے کئی ارشادات میں صحابہ کرام کے فضائل بیان فرمائے۔ چند ملاحظہ ہیں: ”عن ابی بردۃ عن ابیہ قال النبی ﷺ: النجوم امنۃ للسماء، فاذا ذهبت النجوم، اتی السماء ما توعد، وانا امنۃ لاصحابی، فاذا ذهبت انا اتی اصحابی ما یوعدون، واصحابی امنۃ لامتی، فاذا ذهب اصحابی اتی امتی ما یوعدون“ (۱۴۳) ستارے آسمان کی امان کا سبب ہیں۔ جب ستارے ختم ہوں گے تو قیامت آجائے گی۔ میں صحابہ کے لیے امن کا سبب ہوں۔ جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہؓ کو وہ وقت آجائے گا جس کا وعدہ ان سے کیا جاتا ہے۔ میرے صحابہ میری امت کے لیے امان کا سبب ہیں۔ جب یہ چلے

جائیں گے تو میری امت پر وہ وقت آجائے گا جس کا وعدہ کیا جاتا ہے (قیامت)۔

عبداللہ بن بریدہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "ما من أحد من أصحابي يموت بأرض إلا بعث قائداً ونورا لهم يوم القيامة" (۱۳۳) (میرا جو صحابی بھی کسی سرزمین میں فوت ہوا وہ قیامت کے دن اس سرزمین کے (مدفون) لوگوں کے لیے پٹیلا اور نمونہ بنا کر اٹھایا جائے گا)۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "مثل اصحابي في امتي كالملح في الطعام، لا يصلح الطعام إلا بالملح" (۱۳۵) (میری امت میں میرے صحابہ کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کھانے میں نمک اور کھانا نمک کے بغیر لذیذ نہیں ہوتا)۔

حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "خير الناس قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم" (۱۳۶) (میری امت کا سب سے بہتر طبقہ وہ ہے جو میرے ساتھ ہے۔ پھر وہ جو اس کے ساتھ ہے)۔

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "خير امتي قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم" (۱۳۷) (سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو میرے زمانے کے ہیں پھر جو ان کے ساتھ ہیں پھر وہ جو اس کے ساتھ ہے)۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے آنحضرتؐ نے فرمایا: "يأتي على الناس زمان فيغزو فقام من الناس فيقولون: هل فيكم من صاحب رسول الله ﷺ؟ فيقولون لهم: نعم، فيفتح لهم، ثم يأتي على الناس زمان فيغزو فقام من الناس فيقال: هل فيكم من صاحب أصحاب رسول الله ﷺ؟ فيقولون: نعم، فيفتح لهم، ثم يأتي على الناس زمان فيغزو فقام من الناس فيقال: هل فيكم من صاحب أصحاب أصحاب رسول الله ﷺ؟ فيقولون: نعم، فيفتح لهم" (۱۳۸) (لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا۔ جب کسی جگہ کے لیے لشکر روانہ ہوگا تو کہا جائے گا کیا تم میں کوئی صحابی موجود ہے۔ وہ کہیں گے ہاں۔ چنانچہ (صحابی کے وجود کے برکت سے) انہیں فتح حاصل ہوگی۔ پھر لوگوں پر ایک

وقت آئے گا لوگ جنگ کریں گے پس ان سے کہا جائے گا۔ کیا تم میں صحابی کی زیارت کرنے والا (تابعی) موجود ہے۔ وہ کہیں گے ہاں چنانچہ (تابعی کے باعث) فتح ہوگی اور پھر زمانہ آئے گا تو وہ لوگوں سے جنگ کریں گے ان سے پوچھا جائے گا کیا تم میں تابعی کی زیارت کرنے والا ہے (تابعی) وہ کہیں گے ہاں (اس کی وجہ سے) فتح ہوگی۔

جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لا تمس النار مسلماً رآنی أو رأی من رآنی“ (۱۳۹) مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا جس نے مجھے دیکھنے والے کو دیکھا۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لا يدخل النار أحد ممن بايع تحت الشجرة“ (۱۵۰) (جس شخص نے درخت کے نیچے بیعت (رضوان) کی وہ آگ میں نہیں جائے گا)۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لا تسبوا أصحابی، فوالذي نفسي بيده لو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهباً ما أدرك مذكأحدهم ولا نصيفه“ (۱۵۱) (میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو۔ اللہ کی قسم اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے (تو پھر بھی ثواب میں) ان کے مد (تھوڑی مقدار میں) (صدقہ کے ثواب) کے برابر یا اس کے نصف کے برابر (ثواب) بھی حاصل نہیں کر سکے گا)۔

عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا لعنة الله على شرکم“ (۱۵۲) (جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں تو تم کہو اللہ کی لعنت ہو تمہاری اس برائی پر)۔

عبد اللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ اللہ فی أصحابی، لا تتخذوهم غرضاً من بعدی، فمن أحبهم فبحبی أحبهم، ومن أبغضهم فببغضی أبغضهم، ومن آذاهم، فقد آذانی، ومن آذانی فقد آذی اللہ، ومن آذی اللہ فیشک أن يأخذه“ (۱۵۳) (میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرنا میرے بعد انہیں (اپنی بیہودہ حرکات سے) نشانہ نہ بنانا۔ جس نے ان سے محبت کی (گویا کہ) اس نے میری محبت کی وجہ سے

ان سے محبت کی (اسی طرح) جس شخص نے ان (صحابہ کرام) سے بغض رکھا (گویا کہ) اس نے میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔ جس نے ان کو تکلیف دی (زہانی، تحریری وغیرہ) (گویا کہ) اس نے مجھے تکلیف پہنچائی۔ اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی (گویا کہ) اس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی اور جس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی عنقریب اللہ اسے پکڑے گا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے فضائل

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لو كنت متخذًا خليلًا لاتخذت أبا بكر خليلًا، ولكن أخى وصاحبى“ (۱۵۴) (اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکرؓ کو بناتا لیکن وہ میرا بھائی اور ساتھی ہے۔)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”فمن كان من أهل الصلاة دعى من باب الصلاة، ومن كان من أهل الجهاد دعى من باب الجهاد، ومن كان من أهل الصدقة دعى من باب الصدقة، ومن كان من أهل الصيام دعى من باب الصيام وباب الريان، فقال أبو بكر: ما على هذا الذى يدعى من تلك الأبواب من ضرورة؟ وقال: هل يدعى منها كلها أحد يا رسول الله؟ فقال: نعم، وأرجو أن تكون منهم يا أبا بكر“ (۱۵۵) (قیامت کے دن جنت میں داخلہ کے لیے) جو اہل الصلاة میں سے ہوگا اسے ”باب الصلاة“ سے بلایا جائے گا اور جو اہل الجہاد میں سے ہوگا اسے ”باب الجہاد“ سے بلایا جائے گا اور جو اہل الصدقہ میں سے ہوگا اسے ”باب الصدقہ“ سے بلایا جائے گا۔ اور جو اہل الصیام میں سے ہوگا اسے ”باب الصیام“ اور ”باب الريان“ سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا، اس شخص کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں ہے جسے ان تمام دروازوں سے بلایا جائے اور پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ! کوئی ایسا شخص بھی ہوگا جسے ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکرؓ میں امید کرتا ہوں کہ تو ان میں سے ہوگا۔

فضائل الشَّخِصِ

حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے: ”أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَهُ عَلَى جَيْشِ ذَاتِ

السَّلاسل، فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ: أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: عَاشِشَةٌ، فَقُلْتُ: مَنْ الرِّجَالُ؟
فَقَالَ: أَبُوهُاءُ، فَقُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَعَدَّ رِجَالًا" (۱۵۶) مجھے رسول
ﷺ نے ذات السلاسل کی مہم پر بھیجے جانے والے لشکر کا سپہ سالار رہنا کر بھیجا جب میں آپ ﷺ کے
پاس آیا (میں نے آپ ﷺ سے) پوچھا آپ ﷺ کو سب سے پیارا (محبوب) کون ہے؟ تو آپ ﷺ
نے فرمایا عائشہؓ میں نے عرض کی، مردوں میں سے، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا باپ (ابوبکرؓ)۔ پھر میں
نے پوچھا اس کے بعد کون محبوب ہے، آپ ﷺ نے فرمایا عمر بن الخطابؓ۔ پھر آپ نے چند آدمیوں
کے نام لیے۔]

محمد بن حنفیہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے باپ (حضرت علیؓ سے پوچھا: "أَيُّ النَّاسِ
خَيْرٌ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ؟ قَالَ: أَبُو بَكْرٍ، قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ عُمَرُ" (۱۵۷) رسول
ﷺ کے بعد لوگوں میں سے کون افضل ہے؟ فرمایا ابوبکرؓ میں نے پوچھا پھر (ان کے بعد) کون؟
فرمایا عمرؓ ہے۔]

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اُحد (پہاڑ) پر چڑھے
تو (اُحد پہاڑ) پہنچے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "أَثْبَتَ أَحَدٌ فِإِنَّمَا عَلِيٌّ، نَبِيٌّ وَصَدِيقٌ
وَشَهِيدَانِ" (۱۵۸) اے اُحد (پہاڑ)! تمہرے دو پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید (موجود)
ہیں۔]

آپ ﷺ نے فرمایا: "بَيْنَ أَنَا نَاقِمٌ شَرِبْتُ - يَعْنِي - اللَّبَنَ حَتَّى انْظُرَ إِلَى
الرَّيِّ يَجْرِي فِي ظَفَرِي، أَوْ فِي أَظْفَارِي، ثُمَّ نَاولْتُ عُمَرَ، قَالُوا: فَمَا أَوْلَتْهُ يَا رَسُولَ
اللَّهِ؟ قَالَ: الْعِلْمُ" (۱۵۹) میں سویا ہوا تھا کہ (خواب میں) میں نے پیالہ دودھ یہاں تک کہ
میرے ناخن یا ناخنوں تک (دودھ کی) تری آگئی (خوب سیر ہوا) پھر میں نے عمرؓ کو دے دیا، صحابہ نے
پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: علم۔]

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "إِنَّ اللَّهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلَى لِسَانِ
عُمَرَ وَقَلْبَهُ" (۱۶۰) (اللہ تعالیٰ نے حق کو حضرت عمرؓ کی زبان اور دل پر جاری کر دیا ہے)۔

جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابو بکرؓ کو کہا:

”یا خیر الناس بعد رسول اللہ ﷺ فقال أبو بکر: أما إنك إن قلت ذاك فلقد سمعت رسول اللہ ﷺ يقول: ما طلعت الشمس على رجل خير من عمر“ (۱۶۱) (اے تمام لوگوں سے رسول اللہ کے بعد بہتر انسان“ تو ابو بکرؓ نے کہا اگر آپ نے یہ بات کہی ہے تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا وہ کہتے تھے عمر سے بہتر کسی شخص پر سورج طلوع نہیں ہوتا)۔

عدالت صحابہ اقوال صحابہ و آئمہ کی روشنی میں

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: ”ان الله نظر في قلوب العباد فوجد قلب محمد ﷺ خير قلوب العباد، فاصطفاه لنفسه، فابتعته برسالته، ثم نظر في قلوب العباد بعد قلب محمد ﷺ، فوجد قلوب اصحابه خير قلوب العباد، فجعلهم وزراء نبيه يقاتلون على دينه“ (۱۶۲) (اللہ تعالیٰ نے بندوں کے قلوب کا معائنہ فرمایا۔ محمد ﷺ کے دل کو سب بندوں کے دلوں سے بہتر پایا۔ ان کو اپنے لیے منتخب کر لیا اور انہیں اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث کیا پھر اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کے دل کے بعد لوگوں کے دلوں کو دیکھا تو آپ ﷺ کے صحابہ کے دلوں کو (باقی) لوگوں کے دلوں سے بہتر پایا۔ ان کو اپنے نبی کا وزیر بنا دیا جو اس (اللہ) کے دین کی خاطر جنگ کریں گے)۔

”وقال ابن عباس رضى الله عنه: لا تسبوا أصحاب محمد ﷺ فلمقام أحدهم ساعة (يعنى مع صلى الله عليه وسلم) خير من عمل أحدكم أربعين سنة“ (۱۶۳) (حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا محمد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو برا نہ کہو، ان میں سے کسی کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کچھ دیر ہونا تم میں سے کسی کے چالیس سال کے عمل سے بہتر ہے)۔

”ويقول عبد الله بن مسعود في تفسير قول الله عز وجل: ”وقل هذه سبيلي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ وَمَنِ اتَّبَعْنِي“ (۱۶۴)۔

”من كان مستنًا فليستن بمن قدما فإن الأحياء لا تؤمن عليهم الفتنة، أولئك أصحاب محمد صلى الله عليه وآله وسلم كانوا أفضل هذه الأمة، أبرها

قلوبًا وأعمقها علمًا وأقلها تكلفًا، اختارهم الله لصحبة نبيه ولإقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم على أثرهم وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم وسيرهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم“ (۱۶۵) (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر بیان فرماتے ہیں: کہہ دیجیے یہ میرا راستہ ہے۔ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں اور میری اتباع کرنے والے بصیرت پر ہیں) (جو کوئی طریقہ اختیار کرنا چاہے تو ان کا طریقہ اختیار کرے جو فوت ہو گئے ہیں۔ زندہ لوگوں سے فتنہ کی بے خونی نہیں ہوتی۔ وہ محمد ﷺ کے ساتھی تھے۔ اس امت میں سب سے بہتر نیک دل، علم میں عمیق کم تکلف کرنے والے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لیے پسند فرمایا اور اپنے دین کی اقامت کے لیے، ان کی نفیلت کو پہچاننا اور ان کے پیچھے چلنا اور ان کے اخلاق اور سیرت سے جتنا ہو سکے اپناؤ۔ وہ سیدھے راستے پر تھے)۔

”وقال أبو زرعة الرازي رحمه الله: إذا رأيت الرجل ينتقص أحدًا من أصحاب رسول الله ﷺ فاعلم أنه زنديق، وذلك أن الرسول ﷺ عندنا حق والقرآن حق وإنما أذى إلينا هذا القرآن والسنن أصحاب رسول الله ﷺ وإنما يريدون أن يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة والجرح بهم أولى وهم زنادقة“ (۱۶۶) (ابو زرعة رازی فرماتے ہیں: آپ جب کسی آدمی کو اصحاب رسول ﷺ میں سے کسی کو برا بھلا کہتے دیکھیں تو آپ جان لیں کہ وہ بے دین ہے۔ یہ اس لیے کہ بے شک رسول ﷺ ہمارے نزدیک سچے ہیں اور قرآن سچا ہے۔ قرآن اور سنتوں (احادیث) کو اصحاب رسول اللہ نے ہم تک پہنچایا ہے۔ وہ (صحابہ کو بُرا کہنے والے) چاہتے ہیں کہ ہمارے واسطوں (گواہوں) کو مجروح کر دیں تاکہ کتاب اور سنت کو باطل کر دیں۔ لہذا ان پر جرح کرنا زیادہ بہتر ہے وہ زنادقہ ہیں)۔

”وقال الإمام مالك بن أنس الأصبحي إمام دار الهجرة: من تنقص أحدًا من أصحاب رسول الله ﷺ وكان في قلبه عليهم غل فليس له حق في فيثي المسلمين ثم تلا قوله تعالى: ”ما آفأ الله على رسوله“ حتى أتى قوله ”والذين جاءوا من بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذين سبقونا بالآيمان ولا تجعل

فِي قُلُوبِنَا غَلَا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ“ (۱۶۷) امام داراللمحجرات امام مالک بن انسؒ فرماتے ہیں: جو اصحاب رسول اللہؐ میں سے کسی کو برا کہے اور اس کے دل میں ان کے متعلق کینہ ہو۔ اس کے لیے مسلمانوں کی فقی (مال غنیمت) میں حصہ نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھا۔ جو مال اللہ نے اپنے رسول کو دیا (یہاں تک کہ اس مقام تک آگے پڑھا) وہ لوگ جو ان کے بعد آئے کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ان لوگوں کو جو ہم سے ایمان میں سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کینہ نہ رکھیں۔ بے شک تو شفقت کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔]

”وقال الإمام أحمد بن حنبل امام أهل السنة والجماعة رحمه الله تعالى: إذا رأيت أحداً يذكر أصحاب رسول الله ﷺ بسوء فاتهمه على الإسلام (۱۶۸) وقال أبو محمد ابن حزم: الصحابة كلهم من أهل الجنة النج“ (۱۶۹) (امام اہل سنت والجماعت احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں۔ جب آپ کسی کو دیکھیں کہ وہ اصحاب رسول اللہؐ کو برے الفاظ میں یاد کرتا ہے تو اس کے اسلام کو ٹھیک نہ سمجھو۔ ابو محمد ابن حزمؒ فرماتے ہیں: تمام صحابہ اہل جنت ہیں)۔

عدالت صحابہ اور اجماع

”وقد أجمع أهل السنة والجماعة على عدالتهم“ (۱۷۰) (صحابہ کی عدالت پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے)۔

يقول الحافظ ابن الصلاح في علوم الحديث: للصحابة بأسرهم خصيصة وهي أنه لا يستل عن عدالة أحد منهم بل ذلك أمر مفروغ منه لكونهم على الإطلاق معدلين بنصوص الكتاب والسنة وإجماع من يعتد به في الإجماع من الأمة“ (۱۷۱) حافظ ابن الصلاح علوم الحديث میں فرماتے ہیں: تمام صحابہ کی ایک خصوصیت ہے وہ یہ کہ ان میں سے کسی کی عدالت کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ ایسا معاملہ ہے جس سے فراغت پائی گئی ہے اور یہ کہ وہ کتاب و سنت کی نصوص سے عادل ہیں اور جوامت میں سے صاحب اجماع ہیں ان کے اجماع سے بھی ثابت ہے۔]

”يقول حافظ المغرب الإمام ابن عبد البر في كتابه الإستهيعاب في

معرفة الأصحاب: فهم خير القرون وخير أمة أخرجت للناس ثبتت عدالة جميعهم بثناء الله عز وجل وثناء رسول الله ﷺ ولا أعدل ممن ارتضاه لصحبة نبيه ﷺ ونصرته ولا تزكية أفضل من ذلك ولا تعديل أكمل منه قال تعالى: "محمد رسول الله والذين معه أشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعاً سجداً يبتغون فضلاً من الله ورضواناً" (۱۷۲) (حافظ مغرب امام ابن عبد البر اپنی کتاب الاستيعاب فی معرفة الاصحاب میں فرماتے ہیں: وہ بہتر زمانے کے لوگ تھے اور بہتر گروہ تھا جس کو لوگوں کے لیے بنایا گیا۔ ان تمام کی عدالت اللہ کی ان کے لیے تعریف اور رسول اللہ کی تعریف سے ثابت ہو چکی ہے۔ اس سے بڑھ کر عادل کون ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور مدد کے لیے منتخب فرمایا۔ اس سے بڑھ کر کیا تزکیہ ہوگا اور نہ اس سے کامل تعدیل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔ آپ انہیں رکوع و سجود میں دیکھتے ہیں۔ وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں)۔

"ويقول الخطيب البغدادي: عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعديل الله لهم وأخباره عن طهارتهم واختياره لهم في نص القرآن: كنتم خير أمة أخرجت للناس"، فيذكر الخطيب آيات من القرآن ويقول في النهاية في آيات يكثر إيرادها ويطول تعدادها" (۱۷۳) (خطیب بغدادی فرماتے ہیں: صحابہ کی عدالت اللہ کی ان کے لیے تعدیل ان کی طہارت کی خبر اور ان کی نص قرآن سے پسندیدگی ثابت ہوتی ہے۔ ارشاد ہے "تم بہترین امت ہو۔ جن کو لوگوں کے لیے چنا گیا۔ خطیب بغدادی" نے قرآن کی متعدد آیات ذکر کی ہیں اور آخر میں فرمایا ہے۔ اس معاملے میں آیات بہت ہیں۔ ان کی تعداد کافی ہے)۔

"يقول الإمام النووي: الصحابة كلهم عدول من لا بس الفتن وغيرهم بما جماع من يعتد به" (۱۷۴) (امام نووی فرماتے ہیں: اجماع کے لحاظ سے تمام صحابہ عادل ہیں۔ جو جنگوں میں شریک ہوئے ہیں اور جو نہ ہوئے)۔ "ويصرح السيوطي ردًا على من جرح عدالة الصحابة: والقول بالتعميم هو الذي صرح به الجمهور وهو

المعتبر“ (۱۷۵) (امام سیوطی صحابہؓ کی عدالت پر جرح کرنے والوں پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تمام صحابہؓ کی عدالت کا قول ہے جمہور اس کی صراحت کرتے ہیں)۔

”يقول الإمام ابن تيمية: ومن أصول أهل السنة والجماعة سلامة قلوبهم وألسنتهم لأصحاب رسول الله ﷺ كما وصفهم الله تعالى في قوله تعالى: والذين جاءوا من بعدهم“ (۱۷۶) (امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں اہل سنت والجماعت کے اصول میں سے ہے کہ ان کے دل اور زبانیں اصحاب رسول اللہ سے سلامت رہتی ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت بیان کی ہے کہ جو لوگ بعد میں آتے ہیں وہ پہلے لوگوں کے لیے استغفار کی دعا کرتے ہیں)۔

”يقول الإمام أبو الحسن الأشعري: وكل الصحابة أئمة مأمونون غير متهمين في الدين، وقد أثنى الله ورسوله على جميعهم وتعبدنا بتوقييرهم وتعظيمهم وموالاتهم والتبري من كل من يتنقص أحدا منهم رضي الله عن جميعهم“ (۱۷۷) (امام ابو الحسنؒ اشعری فرماتے ہیں تمام صحابہؓ میں امام ہیں۔ دین میں ان پر کوئی اثرام نہیں ہے۔ ان تمام کی اللہ اور اس کے رسول نے تعریف کی ہے اور ہمیں بھی ان کی تعظیم اور اکرام کا پابند کیا ہے اور ان سے محبت کا سبق دیا ہے اور ہر اس آدمی سے ہمیں بیزاری کرنے کا کہا ہے جو ان میں سے کسی کی عیب جوئی کرے۔ اللہ ان تمام سے راضی ہو گیا)۔

”وقال ابن كثير: والصحابة كلهم عدول عند أهل السنة والجماعة بما أثنى الله عليهم في كتابه وبما نطقت به السنة النبوية في المدح لهم في جميع أخلاقهم وأفعالهم. وقد ل ابن الصلاح: إن الأمة مجمعة على تعديل جميع الصحابة“ (۱۷۸) (ابن کثیرؒ فرماتے ہیں تمام صحابہؓ اہل سنت والجماعت کے ہاں عادل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان کی تعریف کی ہے اور سنت نبویؐ میں بھی ان کی مدح کی گئی ہے۔ اور ان کے اخلاق کو اور افعال کو بہتر قرار دیا گیا ہے۔ ابن الصلاحؒ کہتے ہیں امت کا اس پر اجماع ہے کہ تمام صحابہؓ عادل ہیں)۔

”وقال الصابوني: ويرون الكف عما شجر بين أصحاب رسول الله ﷺ، ونظهر الألسنة عن ذكر ما يتضمن عيباً لهم ونقصاً فيهم، ويرون الترحم على جميعهم والموالاتة لكافتهم، كذلك يرون تعظيم قدر أزواجه رضي الله عنهن والدعاء لهن ومعرفة فضلهن والإقرار بأنهن أمهات المؤمنين“ (۱۷۹) (صابونی کہتے ہیں کہ وہ (سلف) جن باتوں میں صحابہ کی لڑائیاں ہوئیں۔ ان سے رکنا اور اپنی زبانوں کو روکنا ضروری قرار دیتے ہیں اور ان کے عیب نکالنے کو روکتے ہیں اور ان سے محبت کرنا اور قلبی تعلق رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح سے رسول اللہ کی ازواج مطہرات کی تعظیم بھی ضروری قرار دیتے ہیں اور ان کے لیے دعا کو بھی ضروری سمجھتے ہیں اور ان کی فضیلت کا اقرار کرنا اور یہ کہنا کہ وہ مسلمانوں کی مائیں ہیں ضروری ہے۔)

کتاب معرفۃ الصحابہ

- ۱۔ معرفۃ من نزل من الصحابہ سائر البلدان، علی بن المدینی (۲۳۷ھ) (۱۸۰)۔
- ۲۔ فضائل الصحابہ، احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) (۱۸۱)۔
- ۳۔ الصحابہ، محمد بن اسماعیل بخاری (۲۵۶ھ) (۱۸۲)۔
- ۴۔ کتاب الصحابہ، ابوالحسن بن سبیح (۲۵۹ھ) (۱۸۳)۔
- ۵۔ کتاب اولاد الصحابہ، مسلم بن حجاج القشیری (۲۶۱ھ) (۱۸۴)۔
- ۶۔ الصحابہ، ابوبکر احمد بن عبد اللہ بن عبد الرحیم المعروف بابن البرقی (۲۷۰ھ) (۱۸۵)۔
- ۷۔ الصحابہ، محمد بن عوف الطائی (۲۷۲ھ) (۱۸۶)۔
- ۸۔ ذکر مال الصحابہ من الحديث من العدد، ابو عبد الرحمن بن محمد الاندلسی (۲۸۶ھ) (۱۸۷)۔
- ۹۔ تسمیہ اصحاب رسول اللہ، محمد بن یحییٰ بن سورۃ الترمذی (۲۷۹ھ) (۱۸۸)۔
- ۱۰۔ الصحابہ، ابن ابی نعیم احمد بن زحیر (۲۷۹ھ) (۱۸۹)۔

- ۱۱۔ الوجدان، ابن ابی عامر احمد بن عمرو النخعی (م ۲۸۷ھ) (۱۹۰)۔
- ۱۲۔ کتاب المعرفة، ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یحییٰ الرورزی (۲۲۰-۲۹۳ھ) (۱۹۱)۔
- ۱۳۔ الصحابہ، محمد بن عبد اللہ بن سلیمان المعروف بمطین (م ۲۹۷ھ) (۱۹۲)۔
- ۱۴۔ المقلین من الصحابة، محمد بن عثمان بن ابی حمیة (م ۲۹۷ھ) (۱۹۳)۔
- ۱۵۔ الصحابة، علی بن سعید العسکری (م ۳۰۰ھ) (۱۹۳)۔
- ۱۶۔ الصحابة، محمد بن سعد البادری (م ۳۰۱ھ) (۱۹۵)۔
- ۱۷۔ فضائل الصحابة، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب التسانی (م ۳۰۲ھ) (۱۹۶)۔
- ۱۸۔ الصحابة، ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن موسیٰ المعروف بحافظ عبدان (م ۳۰۶ھ) (۱۹۷)۔
- ۱۹۔ معجم الصحابة، ابو یعلیٰ احمد بن علی بن الحنفی الموصلی (م ۳۰۷ھ) (۱۹۸)۔
- ۲۰۔ الاحاد فی اسماء الصحابة، ابو محمد عبد اللہ بن جارد النیشابوری (م ۳۰۷ھ) (۱۹۹)۔
- ۲۱۔ الصحابة، ابو بکر عبد اللہ بن ابی داؤد سلیمان بن الاصفہانی (۳۳۰-۳۱۶ھ) (۲۰۰)۔
- ۲۲۔ معجم الصحابة، الحافظ ابو القاسم عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز بن المرزبان البغوی (۳۱۸-۳۰۱ھ) (۲۰۱)۔
- ۲۳۔ الصحابة، ابو محمد عبد اللہ بن علی بن الجارود (م ۳۲۰ھ) (۲۰۲)۔
- ۲۴۔ الصحابة، الامام ابو جعفر العقلمی (م ۳۲۲ھ) (۲۰۳)۔
- ۲۵۔ معرفة الصحابة الذين نزلوا حمص، ابو القاسم عبد الصمد بن سعید الحمصی (م ۳۲۳ھ) (۲۰۳)۔
- ۲۶۔ الصحابة، الامام الحافظ ابو العباس محمد بن عبد الرحمن الدغلی (م ۳۲۵ھ) (۲۰۵)۔
- ۲۷۔ کتاب الصحابة او تاریخ الصحابة، ابو محمد عبد الرحمن بن محمد المعروف ابن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ) (۲۰۶)۔
- ۲۸۔ تاریخ الصحابة، محمد بن اسحاق النیشابوری (م ۳۳۲ھ) (۲۰۷)۔
- ۲۹۔ فضائل الصحابة، ابو الحسن غیثمہ بن سلیمان (۳۵۰-۳۳۳ھ) (۲۰۸)۔

- ۳۰۔ فضائل الصحابه، ایضاً (۲۰۹)۔
- ۳۱۔ الصحابه، محمد ابن احمد الخصال (م ۳۳۹ھ) (۲۱۰)۔
- ۳۲۔ معجم الصحابه، حافظ عبد الباقي بن قانع بن مرزوق الاموي (۲۰۷-۳۰۱ھ) (۲۱۱)۔
- ۳۳۔ كتاب الصحابه، محمد بن حبان البستي (۲۷۰-۳۵۳ھ) (۲۱۲)۔
- ۳۴۔ المعروف في اسماء الصحابه، حافظ الحجة بن اسكن علي بن سعيد (م ۳۵۳ھ) (۲۱۳)۔
- ۳۵۔ كتاب من حدث هو وابوه عن النبي، ابو بكر محمد بن عمر الجعفي (م ۳۵۵ھ) (۲۱۴)۔
- ۳۶۔ اسماء الصحابه، ابو احمد عبدالله بن عدي (۲۷۷-۳۶۰ھ) (۲۱۵)۔
- ۳۷۔ الصحابه، ابو القاسم سليمان بن احمد الطبراني (م ۳۶۰ھ) (۲۱۶)۔
- ۳۸۔ المعجم الكبير، ابو القاسم سليمان بن احمد الطبراني (م ۳۶۰ھ) (۲۱۷)۔
- ۳۹۔ اسم كل صحابي روى عن رسول الله امرأ دينية، ابو الفتح محمد بن الحسين الازدي (م ۳۶۷ھ) (۲۱۸)۔
- ۴۰۔ تسميه من وافق اسمه واسم ابيه والتابعين ومن بعدهم من المحدثين، ابو الفتح الازدي (م ۳۶۷ھ) (۲۱۹)۔
- ۴۱۔ معجم الصحابه، حافظ ابو بكر احمد بن ابراهيم بن اسماعيل الجرجاني (م ۳۸۲ھ) (۲۲۰)۔
- ۴۲۔ كتاب الصحابه، ابو احمد الحسن بن عبدالله العسكري (م ۳۸۲ھ) (۲۲۱)۔
- ۴۳۔ فضائل فاطمه، ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان بن شاهين (۲۶۷-۳۸۵ھ) (۲۲۲)۔
- ۴۴۔ معجم الصحابه، ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان (ت ۳۸۵ھ) (۲۲۳)۔
- ۴۵۔ معجم الصحابه ومناقبهم، الدارقطني، علي بن عمر (۳۰۵-۳۸۵ھ) (۲۲۴)۔
- ۴۶۔ معرفة الصحابه، ابو عبدالله محمد بن اسحاق ابن مندة (۳۱۰-۳۹۵ھ) (۲۲۵)۔
- ۴۷۔ معجم الصحابه، امام احمد بن علي بن لال الحمداني الشافعي (م ۳۹۸ھ) (۲۲۶)۔
- ۴۸۔ فضائل الصحابه، ابو الطرف عبد الرحمن بن محمد (م ۴۰۲ھ) (۲۲۷)۔
- ۴۹۔ فضائل الفاطمه الزهراء، ابو عبدالله محمد بن عبدالله الحاكم (م ۴۰۵ھ) (۲۲۸)۔

- ۵۰۔ فضائل ابو بکر وعمر و عثمان وعلى من الصحابه، ابوشمان سعيد بن محمد حرب (م ۳۲۷ھ) (۲۲۹)۔
- ۵۱۔ معرفة الصحابة، ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصمغانی (م ۳۳۰ھ) (۲۳۰)۔
- ۵۲۔ الاصابہ لاوهام وقعت فی معرفة الصحابة لابی نعیم، عبد الغنی بن عبد الواحد (م ۶۰۰ھ) (۲۳۱)۔
- ۵۳۔ کتاب المصابیح فی الصحابه، یحییٰ بن یونس الشیرازی (م ۳۳۲ھ) (۲۳۲)۔
- ۵۴۔ الصحابه، ابوالعباس جعفر بن محمد بن معمر المستغفری (م ۳۳۲ھ) (۲۳۳)۔
- ۵۵۔ فضائل ابو بکر الصديق، العشاری (م ۳۳۱ھ) (۲۳۴)۔
- ۵۶۔ قد استدرک علی الحافظ ابن عبد البر كثير من العلماء ومؤلفات بعضهم كما یلی، ابو عمرو یوسف بن عبد البر النمری القرطبی (م ۴۶۳ھ) (۲۳۵)۔
- ۵۷۔ ذیل الاستیعاب، الحافظ محمد بن خلف بن فتحون (م ۵۱۹ھ) (۲۳۶)۔
- ۵۸۔ اوهام ابن عبد البر، الحافظ محمد بن خلف بن فتحون (م ۵۱۹ھ) (۲۳۷)۔
- ۵۹۔ ذیل علی ابن فتحون، الحافظ ابن السکان احمد بن محمد بن میمون الاشعری (۲۳۸)۔
- ۶۰۔ حاشیة علی الاستیعاب، ابوطی الحسین بن محمد (م ۴۹۸ھ) (۲۳۹)۔
- ۶۱۔ حاشیة علی الاستیعاب، ابراہیم بن یحییٰ ابی اسحاق بن امین (م ۵۳۳ھ) (۲۴۰)۔
- ۶۲۔ استدرک علی الاستیعاب، ابوالولید بن الدباغ (ت ۵۴۶ھ) (۲۴۱)۔
- ۶۳۔ آخر من مات من الصحابة، یحییٰ بن عبد الواحد (م ۵۱۱ھ) (۲۴۲)۔
- ۶۴۔ خصائص العشرة المبشرة، محمود بن عمر الزعفرانی (م ۵۳۸ھ) (۲۴۳)۔
- ۶۵۔ اقتباس الانوار والتماس الازهار فی انساب الصحابه، ابو محمد عبد اللہ بن علی النعمی (م ۵۳۳ھ) (۲۴۴)۔
- ۶۶۔ فضائل الصحابه، حسن بن ابی الغتاتم بن مصری (م ۵۸۶ھ) (۲۴۵)۔
- ۶۷۔ فضائل اهل بدر، ابوالفرج عبد الرحمن المعروف بابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) (۲۴۶)۔

- ۶۸۔ فضائل الصديق،----- ابن الجوزي (۲۳۷)۔
- ۶۹۔ فضائل عمر،----- ابن الجوزي (۲۳۸)۔
- ۷۰۔ مناقب علي،----- ابن الجوزي (۲۳۹)۔
- ۷۱۔ مناقب الحسن والحسين، ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمن الاندلسي (م ۶۱۰ھ) (۲۵۰)۔
- ۷۲۔ الاستبصار في نسب الصحابة من الانصار، موفق الدين عبد اللہ بن قدامة المقدسي (م ۶۲۰ھ) (۲۵۱)۔
- ۷۳۔ اسد الغابة في معرفة الصحابة، ابوالحسن عز الدين علي بن محمد المعروف بابن الاثير (م ۶۳۰ھ) (۲۵۲)۔
- ۷۴۔ حاشية علي اسد الغابة، مغلطائي بن قليج التركي (م ۶۲۳ھ) (۲۵۳)۔
- ۷۵۔ التعريف باسماء الصحابة، ابن خلفون (م ۶۳۶ھ) (۲۵۴)۔
- ۷۶۔ ذخائر العقبى في مناقب ذوى القربى، ابو جعفر احمد الطبري (م ۶۲۴ھ) (۲۵۵)۔
- ۷۷۔ الرياض النضرة في مناقب العشرة، محبت الطبري (۲۵۶)۔
- ۷۸۔ السمط الثمين في مناقب امهات المؤمنين، محبت الطبري (۲۵۷)۔
- ۷۹۔ الصحابة، ابو القاسم بهاء الدين بن عبد اللہ المعروف بابن سيد الكل القفطي (م ۶۹۷ھ) (۲۵۸)۔
- ۸۰۔ فضائل العشرة المبشرة، برهان الدين ابراهيم بن عبد الرحمن (م ۷۳۹ھ) (۲۵۹)۔
- ۸۱۔ اسماء الصحابة الشعراء، ابن سيد الناس (م ۷۳۳ھ) (۲۶۰)۔
- ۸۲۔ تجريد اسماء الصحابة، شمس الدين ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذهبي (م ۷۴۸ھ) (۲۶۱)۔
- ۸۳۔ كشف النقاب عما روى الشيخان للاصحاب، ابوسعيد صلاح الدين خليل بن كيكليدي (م ۷۶۱ھ) (۲۶۲)۔
- ۸۴۔ الاصابة في تمييز الصحابة، احمد بن علي المعروف بابن حجر العسقلاني

(۲۶۳) (۸۵۲م)۔

۸۵۔ الرياض المستطابة فيمن روى في الصحيحين من الصحابة، عماد

الدين محمد بن ابی بکر العامري (۸۱۶-۸۹۳) (۲۶۳)۔

۸۶۔ در لاصحابه فيمن دخل مصر من الصحابة، الحافظ جلال الدين عبدالرحمن

السيوطي (۸۳۹-۹۱۱ھ) (۲۶۵)۔

۸۷۔ البدر المنير في صحابة البشير النذير، محمد قائم بن صالح السندھی

(۱۱۳۵ھ) (۲۶۶)۔

۸۸۔ الصحابه، محمد بن الوجب (۲۶۷)۔

۸۹۔ معجم الصحابه، بشير ابن اسحاق (۲۶۸)۔

۹۰۔ الصحابه، محمد بن صالح الطمري (۲۶۹)۔

الاستيعاب في معرفة الاصحاب

ابن عبدالبر الاذلي (۳۶۳ھ) کی تصنیف ”کتاب معرفة الصحابة“ میں بہت بڑی ہے۔ اس میں صحابہ کے تراجم کی تعداد تین ہزار پانچ سو ہے۔ اور معجم کے لحاظ سے صحابہ کے نام مرتب کیے ہیں۔ پہلے ناموں کا ذکر کیا ہے پھر ناموں میں سے مشہور کتبوں کا ذکر کیا ہے۔ پھر صحابیات کے ناموں کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ان کی مشہور کتبوں کا ذکر کیا ہے۔

اسد الغلبة في معرفة الصحابة

عزالدین ابی الحسن علی بن محمد ابن الاثیر الجزري (۶۳۰ھ) کی یہ کتاب معرفة اسماء الصحابة کے لحاظ سے بڑی نفیس ہے۔ اس میں سات ہزار پانچ سو چوں صحابہ کے تراجم ہیں۔ ان کے ناموں کو حروف معجم کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔ پہلے دوسرے حرف سے لے کر آخر تک۔ اسی طرح ان کے باپ دادا اور قبائل کا ذکر ہے۔ اور اس میں ناموں کے بارے میں پہلے دوسرے اور تیسرے حروف تک، ب، ت، ث کا خیال رکھا گیا ہے۔ اسی طرح آخری نام تک۔ اسی طرح ان کے باپ، دادا اور قبائل کے بارے میں بھی۔ بعد میں ناموں کو ترتیب دیا ہے۔ پھر عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے (۲۷۰)۔

فہم اسماء الرجال (اہمیت، ارتقاء و کتب)

فہم اسماء الرجال کی تعریف

فہم کے معنی ”کام“ کے ہیں۔ اسماء اسم کی جمع ہے جس کے معنی ”نام“ کے ہیں اور رجال کا واحد رجل ہے جس کے معنی ”آدمی“ کے ہیں۔ راویان حدیث کے حالات و کوائف سے آگاہی حاصل کرنا اور ان کی سیرت و سوانح اور تراجم و احوال کو معرض بیان میں لانا ”فہم اسماء الرجال“ یا ”علم اسماء الرجال“ کہلاتا ہے (۲۷۱)۔

ڈاکٹر مکی صالح نے اسماء الرجال کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: ”وہو یعرف رواۃ الحدیث من حیث انہم رواۃ الحدیث“ (یہ وہ علم ہے جو رواۃ حدیث کو بطور راوی حدیث تعارف کراتا ہے) (۲۷۲)۔

فہم اسماء الرجال کی اہمیت و ضرورت

لغت عربیہ میں ”حدیث“ کا لفظ نئی بات، گفتگو، نئی چیز، قابل ذکر واقعہ یا کلام و احوال کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مگر اصطلاح میں رسول اللہ ﷺ کے فرامین، افعال اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں حدیث کا یہ علم ”علم الحدیث“ کہلاتا ہے۔ جب علم حدیث میں وسعت پیدا ہوئی تو اس کی مختلف شاخیں بن گئیں۔ ان میں ایک نہایت اہم شاخ علم ”اسماء الرجال“ ہے۔ علم حدیث اور اسماء الرجال دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات و طبع کے روح پرور حالات، آپ ﷺ کے اقوال و افعال، عادات و معمولات اور اسوۂ حسنہ کو علمائے حدیث کی رفیع المرتبت جماعت نے اس طریقے سے محفوظ و مدون کیا کہ دنیا کی پوری تاریخ اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ اس سلسلے میں علامہ شبلی کی یہ بات حقیقت حال کی عکاسی کرتی ہے۔

”مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے اپنے پیغمبر

ﷺ کے حالات و واقعات کا ایک ایک حرف استقصا کے ساتھ محفوظ رکھا کہ کسی شخص کے حالات آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلم بند نہیں ہو سکے اور نہ آئندہ اس کی توقع کی جاسکتی ہے۔ اس سے زیادہ کیا عجیب بات ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال کی تحقیق کی غرض سے آپ ﷺ کو دیکھنے والوں اور سنے والوں میں سے تقریباً تیرہ ہزار شخصیتوں کے نام اور حالات قلم بند کیے گئے اور یہ اس زمانے میں ہوا جب تصنیف و تالیف کا ابھی آغاز ہی تھا“ (۲۷۳)۔

اس ساری بحث سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کو ہی اس بات کا اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے روایت حدیث و آثار کے حالات و زندگی کو قلم بند کیا اور ان کی تعداد مستشرقین نے پانچ لاکھ تک بتائی ہے۔ چنانچہ مشہور جرمن مستشرق ڈاکٹر پیرنگر نے ’الاصابہ فی تمییز الصحابہ‘ کے ۱۸۸۶ء کے ایڈیشن کے مقدمہ میں لکھا ہے: ”کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گزری اور نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو۔ جس کی بدولت پانچ لاکھ مسلمانوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے“ (۲۷۴)۔

مسلمانوں میں سلسلہ نسب اور علم رجال کا ہونا ایک امتیاز ہے اور یہ شرف حدیث نبوی ﷺ کی عظمت کی بنا پر حاصل ہوا۔ اس علم میں یہ تحقیق کی جاتی ہے کہ جو حضرات سلسلہ روایت حدیث میں ہیں، وہ کون تھے؟ کہاں سے تھے؟ کیسے تھے؟ ان کا سلسلہ نسب کیا تھا؟ ان کی سمجھ بوجھ کیسی تھی؟ ان کے مشاغل کیا تھے؟ ان کا چال چلن کیسا تھا؟ سنی الذہن تھے یا فکیر؟ عالم تھے یا جاہل؟ کس تخیل اور کس مشرب کے تھے؟ ان کا سن پیداؤں و وفات کیا تھا؟ کہاں رہے؟ کن سے علم حاصل کیا؟ ان کے شاگرد کون سے تھے؟ تھوڑی اور پرہیزگاری میں ان کا کیا مقام تھا؟ تاکہ ان کے ذریعے سے حدیث کی صحت و سقم دریافت کی جاسکے۔ ان جزئی باتوں کا دریافت کرنا اور ان کا پتہ لگانا مشکل تھا لیکن محدثین نے اپنی عمریں اس کام میں صرف کیں اور رحلت کے ذریعے ایک ایک شہر کے راویوں سے ان کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کیے۔ انہی تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال کا ایک عظیم الشان فن ایجاد ہوا۔ جس کے ایجاد و تکمیل کا شرف مسلمانوں کو حاصل ہوا۔

حدیث کے دو حصے ہوتے ہیں یعنی متن اور سند۔ سند راویوں کا وہ سلسلہ ہے جو الفاظ حدیث

سے قبل ہوتا ہے۔ اس پر حدیث کا مدار ہے اگر اس حصے کی واقفیت نہ ہو تو حدیث سمجھ میں نہیں آسکتی۔ گویا اسماء الرجال کے علم کے بغیر فہم علم حدیث ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ امام بخاریؒ کے استاد امام علی بن المدینی (۲۳۴ھ) فرماتے ہیں۔ ”التفقه فی معانی الحدیث نصف العلم ومعرفة الرجال نصف العلم“ (۲۷۵) (معانی حدیث کو سمجھنا نصف علم ہے اور معرفت رجال نصف علم ہے)۔ علی بن المدینی کا ایک اور قول ہے: ”اشد التصحیف التصحیف فی اسماء الرجال“ (۲۷۶) (زیادہ تھحیف (نقاط کا فرق) ان لوگوں کے ناموں میں ہوتی ہے)۔

ابو اسحاق ابراہیم بن عبد اللہ الخیرمی کا قول ہے: ”اولی الاشیاء بالضبط اسماء الناس لانه شیء لا يعرف بالقیاس، فلا قبله شیء یدل علیہ، ولا بعده شیء یشیر الیہ“ (۲۷۷) (سب سے زیادہ جس چیز پر ضبط ہونا چاہیے وہ (حدیث روایت کرنے والے) لوگوں کے نام ہیں کیونکہ کوئی ایسی چیز نہیں جس میں قیاس کام کر سکے اور نہ ان سے پہلے اور نہ ان کے بعد کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جو اس کا پتہ دے سکے)۔

ابن عبد البر کا قول ہے: ”معرفة أعمار العلماء والوقوف علی وفیاتہم من علم خاصة اهل العلم یعنی من علم علیہ اهل العلم أنه لا ینبغی لمن وسم نفسه بالعلم جهل ذلك وأنه مما یلزمه من العلم العناية به والقیامة بحفظه“ (۲۷۸) (علماء کی عمروں کی پہچان اور ان کی وفات کی واقفیت اہل علم کا خاصہ ہے۔ یعنی بلند پایہ اہل علم جو شخص اپنے آپ کو علم سے متعلق سمجھتا ہے۔ اس کے لیے اس کی عدم واقفیت مناسب نہیں ہے۔ اس کے لیے خصوصی توجہ اور اس کی حفاظت کے لیے قیام کی ضرورت ہوتی ہے)۔

شیخ الاسلام مصطفیٰ مبریؒ تو قادی (۱۳۷۳ھ) اپنی کتاب ”موقف العقل والعلم والعالم من رب العالمین وعبادہ المرسلین“ میں مسلمانوں کا حدیث کی حفاظت کے متعلق اہتمام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”الطریقة المتبعة فی الاسلام لتوثیق الاحادیث النبویة: أفضل طریق وأعلاها، لا تُدانیها فی دقتها وسموها أي طریقة علمية غریبۃ اتبعت فی توثیق الروایات، ففی صحیح البخاری مثلاً: ألفان وست مئة

واثنان من الأحادیث المُسنَّدة، سوى المَكْرُرة، انتقاها البخاری من مئة ألف حدیث صحیح یحفظها، وفيه قریب من ألفی راوی، اختارهم من نیف وثلاثین ألفاً من الرِّوَاة الثقات الذین یعرفهم. وكتاب البخاری، البالغ اربع مجلدات كبيرة یبقى بعد حذف اسانیده على حجم مجلد واحد متوسط الحجم. فهل سمعتم وسمعت الدنيا أن كتاب تاریخ فی هذا الحجم، یروی ما فیہ سماعاً من ألفی رجل ثقة یعرفهم المؤلف و غیره من أهل العلم، بأسمائهم وأوصافهم، على أن تكون كل جملة معینة من الكتاب، مؤلفة من سطرٍ أو أكثر أو أقل تقریباً، سمعها فلان، وهو من فلان، إلى أن اتصل الإسنادُ والسماعُ بالنبی ﷺ، فیکام لكل سطرٍ من سطورِ الكتاب تقریباً شهودٌ من الرِّوَاة یتحملون مسؤولية روايته “ (۲۷۹) (اسلام میں احادیث نبویہ ﷺ کی توثیق کا معروف طریقہ بہترین اور عالی مرتبہ ہے۔ کوئی علمی، منفرد اور بہتر طریقہ توثیق روایات میں لطافت اور بلندی میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری میں کمر احادیث چھوڑ کر ۲۶۰۲ مسند احادیث ہیں۔ جن کو امام بخاریؒ نے ایک لاکھ صحیح احادیث سے منتخب کیا جو ان کو یاد تھیں اور ان میں تقریباً دو ہزار راوی ہیں، جن کو انہوں نے ان ۳۰ ہزار سے زائد ثقہ راویوں میں سے منتخب کیا جن کو وہ جانتے تھے۔ بخاری کی کتاب چار بڑی جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی اسانید کو حذف کر کے بھی متوسط حجم کی ایک جلد رہ جاتی ہے۔ کیا آپ نے سنا اور کیا دنیا نے سمجھا کہ تاریخ کی کتاب اس ضخامت کی ہو کہ جس میں دو ہزار ثقہ آدمیوں کا سماع ہو۔ جن کو مؤلف اور دیگر اہل علم جانتے ہوں۔ ان کے نام، ان کے اوصاف اس لحاظ سے کہ اس کتاب کا ہر جملہ جو ایک سطر یا اس سے کم ہو کو فلاں نے فلاں سے سنا یہاں تک کہ اتصال اسناد و سماع نبی ﷺ تک پہنچ جائے اس کتاب کی ہر سطر پر راوی بطور گواہ موجود ہوں جو اس حدیث کی روایت کے متعلق جواب دہ ہوں)۔

وہ مزید فرماتے ہیں: ”اَدَى كَمَالُ الْاِعْتِنَاءِ الْاِسْلَامِ بِحَيَاةِ نَبِيِّنَا ﷺ، وَتَتَّبِعْ اقْوَالَهُ وَافْعَالَهُ، إِلَى الْاِعْتِنَاءِ بِحَيَاةِ الْمُتَّبِعِينَ اَنْفُسَهُمْ اَعْنَى الرِّوَاةِ عَنْهُ، وَلَيْسَ اَحَدٌ فِي الدُّنْيَا عُنِيَ فِي سَبِيلِ الْعُنَايَةِ بِهِ، بَكُلٍّ مِنْ لَقِيهِ وَبَكُلٍّ مِنْ رَوَى عَنْهُ شَيْئًا،

وبمن روى، عمن روى، عمن روى الى آخره، الى رسول الله سيدنا محمدًا ﷺ (ہمارے نبی ﷺ کی زندگی کے اقوال و افعال کی تلاش پر خصوصی توجہ دی گئی یہاں تک کہ آپ ﷺ سے روایت کرنے والوں پر پوری توجہ کی گئی) (معلومات کے لحاظ سے) دنیا میں کسی کے متعلق اتنی توجہ نہیں کی گئی۔ اور وہ شخص جو آپ ﷺ کو ملایا جس نے آپ ﷺ سے کچھ روایت کیا اور اس پر جس نے روایت کیا اور جن سے روایت کیا اور یہ بھی سلسلہ سیدنا محمد رسول ﷺ تک پہنچ جائے۔

اسحاق بن ابراہیم بیان کرتے ہیں۔ ہارون الرشید نے ایک زندیق کو گرفتار کرایا اور اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس زندیق نے کہا۔ آپ مجھے کیوں قتل کرتے ہیں؟ تو ہارون نے کہا: تاکہ لوگوں کو آپ سے آرام دوں، تو اس نے کہا: اے امیر المؤمنین، آپ ان چار ہزار احادیث کے متعلق کیا کریں گے جو میں نے وضع کی ہیں؟ میں نے ان میں حلال کو حرام قرار دیا ہے، اور حرام کو حلال قرار دیا ہے اور ان میں ایک لفظ بھی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد نہیں فرمایا۔ ہارون الرشید نے کہا: ”آین أنت یا عدو اللہ من أبی إسحاق الفزاری وعبد اللہ بن المبارك؟ ينخلانها نخلًا، فيخرب جانها حرفًا حرفًا“ (۲۸۱) (اے اللہ کے دشمن تم ابواسحاق فزاری اور عبد اللہ بن مبارک سے بچ کر کہاں جا سکتے ہو جو ان کو چھلنی کی طرح چھان کر ایک حرف نکال بھیٹیں گے)۔

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں: ”لا تنظروا الى الحديث ولكن انظروا الى الاسناد، فان صح الاسناد والآ فلا تغتروا بالحديث اذا لم يصح الاسناد“ (۲۸۲) (حدیث کو نہ دیکھو۔ اسناد کو دیکھو اگر اسناد ٹھیک ہو تو بہتر ہے۔ اگر اسناد ٹھیک نہ ہو تو حدیث کے متعلق دھوکہ نہ کھاؤ)۔ یزید بن زریع کہتے ہیں: ”لکل دین فرسان و فرسان هذا الدین اصحاب الاسانید“ (۲۸۳) (ہر دین کے شامسوار ہوتے ہیں اور اس دین کے شامسوار اصحاب اسناد ہیں)۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں ”آلة الحديث الصدق والشهرة والطلب وترك البدع واجتناب الکبائر“ (۲۸۴) (حدیث کا ہتھیار، سچائی، شہرت، طلب، ترک بدعت اور کبائر سے اجتناب ہے)۔ امام شافعی (ت ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ حدیث کی اس وقت تک حجت قائم نہیں ہو سکتی جب تک مندرجہ ذیل امور پیش نظر نہ ہوں:

”أن يكون من حدث به عالما بالسنة، ثقة في دينه، معروفا بالصدق في حديثه، عاقلا لما يحدث به، عالما بما يحيل معاني الحديث من اللفظ، أو يكون ممن يؤدي الحديث بحروفه كما سمعه لا يحدث به على المعنى؛ لأنه إذا حدث به على المعنى وهو غير عالم بما يحيل معناه، لا يدرى لعله يحيل الحلال إلى الحرام، فإذا آذاه بحروفه، لم يبق فيه وجه يخاف فيه إحالة الحديث. ويكون حافظا إن حدث من حفظه، حافظا لكتابه إن حدث من كتابه، إذا شرك لهم الحفظ في الحديث وافق حديثهم، بريئا من أن يكون مدلسا يحدث عن لقي بما لم يسمع أو يحدث عن النبي ﷺ بما يحدث الثقات بخلافه عنه عليه السلام. ويكون هكذا من فوقه ممن حدثه، حتى ينتهي بالحديث موصولا إلى النبي ﷺ (۲۸۵) (حدیث بیان کرنے والا سنت کا عالم ہو، دین کے معاملے میں معتبر ہو، گفتگو میں سچا ہو، جو حدیث بیان کرے اس کو سمجھتا ہو، لفظی معانی بدلنے کا علم رکھتا ہو۔ یا ان لوگوں سے ہو جو روایت باللفظ بیان کرتے ہیں جس طرح سنا، روایت بالمعنی بیان نہ کرے۔ کیونکہ اگر وہ روایت بالمعنی بیان کرے اور روایت بالمعنی کو سمجھتا نہ ہو (یعنی بدلنے کو نہ سمجھے) تو ہو سکتا ہے کہ حلال کو حرام بتا دے۔ جب وہ روایت باللفظ بیان کرے گا تو اس بات کا کوئی ڈر نہ ہوگا کہ حدیث کسی اور معنی میں بیان ہو جائے گی۔ اگر حافظ سے بیان کرے تو حدیث اس کو خوب یاد ہو۔ اگر کتاب سے بیان کرے تو کتاب کی اچھی طرح حفاظت کرتا ہو۔ اگر اور لوگوں کے ساتھ یاد کرنے میں شریک ہو تو ان کی حدیث کے مطابق بیان کرے۔ وہ مدلس نہ ہو کہ وہ اس سے بیان کرنے لگے جسے وہ ملا ہو یا رسول اللہ ﷺ سے وہ بیان کرے کہ اس سے نہ سنا ہو۔ ثقات راوی اس کی حدیث کے خلاف رسول اللہ ﷺ سے بیان کریں۔ اس قسم کے راوی اس کے اوپر ہوں جن سے وہ بیان کرے۔ یہاں تک کہ حدیث موصول رسول اللہ ﷺ تک پہنچ جائے۔)

احمد بن محمد قسطلانی (م ۹۲۳ھ) فرماتے ہیں کہ محدث بغداد ابو بکر محمد بن احمد فرمایا کرتے تھے:

”بلغني أنَّ اللَّهَ خَصَّ هَذِهِ الْأُمَّةَ بِثَلَاثَةِ أَشْيَاءَ لَمْ يَعْطُهَا مِنْ قَبْلُهَا مِنْ الْأُمَمِ:

الإسناد، والأنساب، والإعراب" (۲۸۶) مجھے یہ بات پختی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو تین چیزوں کی خصوصیت دی ہے جو پہلے کسی امت کو نہیں دی تھیں۔ علم الاسناد، علم الانساب اور علم الاعراب)۔ امام ابن حزم (۳۵۶ھ) لکھتے ہیں "نقل الثقة عن الثقة، حتی يبلغ به النبی ﷺ مع الاتصال، يخبر كل واحد منهم باسم الذي اخبره ونسبه، وكلهم معروف الحال والعين والعدالة والزمان والمكان: خص الله به المسلمين دون سائر اهل الملل كلها" (۲۸۷) (تقدراوی تقدراوی سے بیان کرتے ہوئے اتصال کے ساتھ رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک جس سے روایت کرتے ہیں اس کے نام و نسب بھی بیان کرتے ہیں۔ ہر ایک معروف الحال اور زمان و مکان کے اعتبار سے عادل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسرے سارے ادیان و مذاہب کے سوا صرف مسلمانوں کو یہ خصوصیت بخشی ہے)۔

امام عبد اللہ بن عبد الرحمن الداری نے اس کی مفصل کیفیت بیان کی ہے۔ اس سے احادیث نبوی کی شرعی نوعیت اور صحابہ کی کمال درجہ احتیاط کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ "میمون بن مہران کہتے ہیں کہ ابو بکر صدیق کے زمانہ خلافت میں جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو ابو بکر پہلے قرآن میں تلاش کرتے۔ وہاں اس کا حکم مل جاتا تو فیصلہ دے دیتے۔ اگر قرآن سے فیصلہ نہ ملتا تو اپنی معلومات احادیث پر غور کرتے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ مل جاتا تو اس پر حکم نافذ کر دیتے۔ اگر اس میں بھی قاصر رہتے تو عام طور پر صحابہ میں منادی کراتے کہ ہمارے پاس اس قسم کا مقدمہ اور مسئلہ درپیش ہے، کیا آپ صاحبان کو اس کے متعلق آنحضرت ﷺ کا کوئی فیصلہ معلوم ہے؟ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ لوگ خود حاضر ہو جاتے اور آپ سے علم نبوی بیان کرتے اور اس کو سن کر حضرت صدیق اکبر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے کہ ہم میں رسول اللہ ﷺ کی باتوں کے یاد رکھنے والے موجود ہیں اور اگر پھر بھی غیر ممکن ہوتا تو صحابہ سے مشورہ لے کر اتفاق رائے سے فیصلہ کر دیتے" (۲۸۸)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو صحابہ سے ہی احادیث کو حفظ کرنے والے لوگوں کے متعلق معلومات حاصل کی جاتی رہی ہیں۔

قرآن مجید میں فن اسماء الرجال

مولانا عبدالغفار حسن فرماتے ہیں: ارشاد باری ہے "قُلْ اَرْتَبِعُوا مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ

اللہ ارونی ماذا خلقوا من الارض ام لهم شرك في السموات ايتونی بكتب من قبل هذا او اثرة من علم ان كنتم صدقین“ (۲۸۹) (کہو کہ بھلا تم نے ان چیزوں کو دیکھا ہے جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو (ذرا) مجھے بھی دکھاؤ کہ انہوں نے کون سی زمین پیدا کی ہے یا آسمان میں ان کی شراکت ہے، اگر سچے ہو تو اس سے پہلے کی کوئی کتاب میرے پاس لاف یا علم (انبیاء میں) سے کچھ منقول چلا آتا ہو تو اسے پیش کرو)۔

اس آیت میں لفظ ”اثارة“ محل استدلال ہے، لفظ اثارة کی اصل ”اثر“ ہے جس کے معنی روایت کے ہیں اس کے تین مصدر مستعمل ہیں۔ اثرۃ، اثارة، اثر۔ قاضی شوکانی تفسیر ”فتح القدیر“ میں لکھتے ہیں: ”أصل الكلمة من الاثر وهي الزاوية يقال: أثرت الحديث وأثره أثره وأشاره وأثراه، اذا ذكرته عن غيرك وقال عطاء أو شيء ثأثرونه عن نبي كان قبل محمد صلى الله عليه وسلم، قال مقاتل: أو رواية من علم الأنبياء (۲۹۰) (یہ لفظ اثر کے مادے سے ہے، جب کسی دوسرے سے بات نقل کی جائے تو اس موقع پر یہ کلمہ بولا جاتا ہے۔ عطاء تابعی کہتے ہیں ”یا کوئی ایسی چیز پیش کرو جس کو تم آنحضرت ﷺ سے پہلے کسی نبی سے روایت کرتے ہو“۔ مقاتل مفسر کہتے ہیں ”یا علم انبیاء میں سے کوئی روایت پیش ہو)۔

قاموس میں ہے ”الاثرة المكرمة المتوارثة، كالماثرة والبقية من العلم توثر كالاثرة والأثارة“ (۲۹۱) (اثرة اس خوبی کو کہتے ہیں جو آباء اجداد سے اولاد کی طرف منتقل ہوتی چلی آتی ہے اور اس بقیہ علم کو بھی کہتے ہیں جو منقول ہوتا چلا آتا ہے جیسا کہ اثرة اور اثارة کا مفہوم ہے)۔

خلاصہ کلام یہ کہ لفظ اثارة نقل اور روایت کا مفہوم رکھتا ہے۔ آیت مذکورہ بالا میں مشرکین سے ان کے شرک کے ثبوت میں دو چیزوں کا مطالبہ کیا گیا ہے:

(الف) کسی سابق کتاب سے اس کی دلیل لاؤ۔

(ب) یا کوئی ایسی نقل و روایت پیش کرو جس کی بنیاد علم پر ہو، ظاہر ہے کوئی سی نقل و روایت بغیر ناقل و راوی کے اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی اس لیے سند یعنی سلسلہ زواۃ کا اہتمام ضروری ہے اس کے بغیر کلام

منقول کا صحت و ضعف واضح نہیں ہو سکتا (۲۹۲)۔

حدیث نبوی میں فن اسماء الرجال

رسول اللہ کی احادیث مبارکہ میں بھی رجال پر بحث ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ”اُن رجلا استاذن علی النبی ﷺ فقال ائذنوا لہ، فلبس ابن العشیرۃ أو بلس رجل العشیرہ“ (۲۹۳) (ایک آدمی نے آنحضرت ﷺ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ نے فرمایا کہ اس کو اجازت دے دو، قبیلے کا بُرا بیٹا ہے یا وہ قبیلے کا بہت بُرا آدمی ہے)۔

مشہور صحابیہ حضرت فاطمہ بنت قیس (رضی اللہ عنہا) کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی تھی۔ نئی شادی کے مشورے کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں کہ معاویہ بن ابی سفیانؓ اور ابوجہمؓ دونوں نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ اب مجھے کیا کرنا چاہیے تو حضور ﷺ نے فرمایا: ”أما ابو الجهم فلا یضع عصاه عن عاتقه، وأما معاویۃ فصعلوک لا مال لہ“ (۲۹۴) (ابوجہم عورتوں کو مارنے والا ہے اور معاویہ تنگ دست آدمی ہے اس کے پاس مال نہیں ہے)۔ ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ زبان نبوی سے بھی رجال پر گفتگو ہوئی ہے۔

فن اسماء الرجال کا ارتقا

علم اسماء الرجال آنحضور ﷺ کے صحابہؓ سے ہی شروع ہو گیا تھا چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عائشہؓ انساب کے ماہر تھے انساب کی مہارت علم اسماء الرجال سے ہی متعلق ہے۔

صحابہ کرام میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ اور حضرت انس بن مالکؓ بھی صفِ اوّل کے رجال الحدیث ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے متعلق ہے کہ انہوں نے فاطمہ بنت قیس کی روایت کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا ”لا نترك کتاب اللہ و سنۃ نبینا لقول امرأۃ لا ندری أصدقت أم کذبت أم حفظت أو نسیت“ (۲۹۵) (ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کو ایک عورت کی وجہ سے نہیں چھوڑیں گے ہمیں کیا معلوم اس نے سچ کہا یا جھوٹ اس نے یاد رکھا یا بھول گئی)۔

تابعین میں سعید بن جبیر (م ۹۵ھ) ابراہیم نخعی (م ۹۵ھ) عامر الشعمی (م ۱۰۳ھ) طاؤس (م ۱۰۵ھ) اور حسن بصری (م ۱۱۰ھ) نے رجال پر کلام کیا ہے۔ اسی طرح ایوب سختیانی (م ۱۳۱ھ) عبد اللہ بن عون (م ۱۵۱ھ)، سلیمان جمہی (م ۱۴۳ھ)، شعبہ بن حجاج (م ۱۶۰ھ)، سفیان الثوری (م ۱۶۱ھ)، مالک بن انس (م ۱۷۹ھ)، اوزاعی (م ۱۵۷ھ) عبد اللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ)، یحییٰ بن سعید القطان (م ۱۴۳ھ)، وکیع بن الجراح (م ۱۹۷ھ) اور عبد الرحمن بن احمدی (م ۱۹۸ھ) جیسے اہل علم نے بھی رجال میں کلام کیا ہے۔

تیسری صدی ہجری میں علی بن المدینی (م ۲۳۳ھ) نے ”کتاب العلل“ میں، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) نے ”کتاب العلل و معرفة الرجال“ میں، امام بخاری (م ۲۵۶ھ) نے ”تاریخ“ میں، امام مسلم (م ۲۶۱ھ) نے ”مقدمہ صحیح مسلم“ میں، امام ترمذی (م ۲۷۹ھ) نے ”کتاب العلل“ میں رجال پر کلام کیا ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں اس فن پر کام کرنے والے درج ذیل لوگ ہیں امام نسائی (م ۳۰۳ھ) نے ”کتاب الضعفاء و المتروکین“ اور محمد بن حماد الدولابی (م ۳۱۰ھ) نے ”کتاب الاسماء و الکئی“ تصنیف کی اس کتاب میں راویان حدیث کے ناموں اور کئیوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم الرازی (م ۳۴۷ھ) ”کتاب الجرح و التحدیل“ کے مصنف ہیں اس کا مقدمہ قائل دید ہے اس کے علاوہ ”کتاب الکئی“ اور ”کتاب الرائیل“ بھی ان کی تصانیف ہیں جو اسی موضوع پر مشتمل ہیں۔ امام محمد بن حبان بہقی (م ۳۵۴ھ) نے ”کتاب الثقات“ اور ”کتاب البحر و معین“ لکھی ہیں۔ ابو احمد علی بن ہدی بن علی قطان (م ۳۶۵ھ) نے ”فن اسماء الرجال پر“ اکال فی ضعفاء الرجال“ کے نام سے کتاب لکھی، د. قطنی (م ۳۸۵ھ) نے اپنی ”کتاب العلل“ میں رجال پر بہت مفید بحثیں کی ہیں۔ امام دارقطنی نے ”کتاب الضعفاء“ تالیف کی جو چھپ چکی ہے۔ اسی طرح ان کی کتاب ”المؤلف و المتکلف“ بھی چھپ چکی ہے۔

پانچویں صدی ہجری میں ابو یوسف بن عمر بن عبد البر (م ۴۶۳ھ) اور خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) نے بھی اسماء الرجال پر بہت کام زیادہ کیا۔

چھٹی صدی ہجری کے مؤلفین رجال میں سے امام بیہقی (م ۵۵۸ھ) امام ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) ہیں۔ اس کے علاوہ معروف محدث عبدالحق مقدسی (م ۶۰۰ھ) نے ”الکمال فی اسماء الرجال“ لکھی۔

ساتویں صدی ہجری میں امام نووی (م ۶۷۷ھ) نے اس فن پر گراں قدر کام کیا۔ ان کی کتاب ”تہذیب الاسماء واللغات“ بہت معروف ہے۔

آٹھویں صدی ہجری میں حافظ یوسف بن زکی حزی (م ۷۴۲ھ) حافظ ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے ”تاریخ الاسلام“، ”سیر اعلام النبلاء“ اور ”تذکرۃ الحفاظ“ میں اور ابوالفداء عماد الدین ابن کثیر (م ۷۷۷ھ) نے ”البدایہ والنہایہ“ میں رجال پر کام کیا۔

نویں صدی ہجری میں حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) نے اس فن پر گراں قدر کام کیا۔ ان کی کتب میں ”الاصابہ فی تمییز الصحابہ“، ”تہذیب الصحابہ“ اور ”تقریب التہذیب“ بہت معروف ہیں۔ تقی الدین بن فہد (م ۸۷۱ھ) نے بھی اس فن پر کام کیا۔

دسویں صدی ہجری میں شمس الدین سخاوی (م ۹۰۲ھ) اور امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے بھی اس فن پر کام کیا۔

گیارہویں صدی ہجری کے رجال کے متعلق محمد الحمی نے ”خلاصہ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر“ لکھی اور بارہویں صدی ہجری میں اسماء الرجال کے متعلق ابوالفضل محمد غلیل بن علی المرادی (م ۱۲۰۶ھ) نے ”سک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر“ لکھی۔

فہم اسماء الرجال پر تحقیق کا یہ سلسلہ پہلی صدی ہجری سے لے کر اب تک جاری ہے۔ اس عرصہ میں حدیث اور رجال پر بے پناہ کام ہوا اور مختلف محدثین نے اس پر عمریں صرف کر دیں۔ ”علم الاسماء الرجال آغاز تا عصر حاضر“ کے عنوان پر رفعت طاہرہ نے محترمہ ڈاکٹر جمیلہ شوکت کی زیر نگرانی 2004ء میں شیخ زید اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ فل کا مقالہ لکھا ہے۔ حال ہی میں محترمہ سمیہ نے پروفیسر ڈاکٹر فضل احمد کے زیر نگرانی ”فہم رجال کی منتخب تالیفات کا تحقیقی مطالعہ“ (تیسری تا دسویں صدی ہجری) پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ کر شعبہ علوم اسلامیہ کراچی یونیورسٹی سے 2005ء میں ڈگری

حاصل کی ہے۔ رجال کے متعلق معروف کتب کا ذکر مناسب ہوگا۔

کتب معرفۃ الصحابہ

یہ وہ کتب ہیں جن میں صحابہ کرام کی کے حالات مدون کیے گئے ہیں۔ صحابہ کرام کے حالات پر مشتمل کتابیں لکھنے کی کئی وجوہات ہیں۔ سب سے پہلی اور اہم وجہ حدیثوں میں مرسل اور مرفوع کی معرفت ہے۔ اگر صحابہ کے حالات اور ان کے اسما معلوم نہ ہوں تو مرفوع، مرسل اور مقطوع حدیث کی تیز مشکل ہو جائے گی۔

معرفۃ الصحابہ

یہ کتاب حافظ ابو نعیم، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق الاصمہانی (م ۴۳۰ھ) کی ہے۔ حافظ ابو نعیم ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے (۲۹۶)۔ حصول تعلیم کی خاطر شام، بغداد، کوفہ، بصرہ، نیشاپور اور مکہ کا سفر کیا اور وہاں کے ممتاز اہل علم سے کسب فیض کیا۔ امام ذہبی لکھتے ہیں ”کان ابوہ من علماء المحدثین والرحالین، فاستجاز له جماعة من كبار المسندین“ (۲۹۷) (اس کا والد علمائے محدثین اور حدیث کے لیے سفر کرنے والوں میں سے تھا۔) (ابو نعیم کو) عالی سندر رکھنے والے کبار محدثین نے اسے روایت کی اجازت دی۔ اسی وجہ سے ابو بکر الخطیب آپ کے بارے میں فرماتے تھے ”لم أر أحدا أطلق عليه اسم الحافظ غیر رجلین، ابو نعیم الاصمہانی و ابو حازم العبدوی“ (۲۹۸) (میں نے نہیں دیکھا کہ ابو نعیم اصمہانی اور ابو حازم العبدوی کے علاوہ کسی اور کے لیے حافظ کا اطلاق ہو سکتا ہو)۔ ابو نعیم نے ۴۳۰ھ میں وفات پائی (۲۹۹)۔

حافظ ابو نعیم کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ ان میں سے ایک اہم تصنیف ”معرفۃ الصحابہ“ ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ کتاب کا آغاز ایک مقدمہ سے ہوتا ہے۔ جس میں سبب تالیف اور کتاب کا منہج بیان کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں ”بدأت باخبار فی مناقبہم و مراتبہم ثم قدمت ذکر العشرة المشهود لهم بالجنة واتبعتهم بمن وافق اسمه اسم الرسول ﷺ ثم رتبته اسامی الباقرین علی ترتیب حروف المعجم“ (۳۰۰) (میں نے ان (صحابہ) کے مناقب اور مراتب کے حالات سے آغاز کیا ہے اور ان دس صحابہ کو مقدم کیا۔ جن کو جنت کی بشارت دی

گئی اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے نام کے موافق (ہم نام محمد) کو۔ پھر باقی تمام ناموں کو حروف مجم پر مرتب کیا ہے۔

عشرہ مبشرہ کی فضیلت اجمالاً بیان کرنے کے بعد ان میں سے پہلے حضرت ابوبکر کے حالات ”معرفة نسبة الصديق العتيق ابى بكر ومولده وفاته“ (۳۰۱) کے عنوان کے تحت سند کے ساتھ مختصراً اس طرح بیان کیا ہے: ”حدثنا عبد الله بن محمد بن جعفر ثنا موسى بن هارون ثنا حامد بن يحيى البلخي ثنا سفیان بن عیینہ عن زیاد بن سعد عن عامر بن عبد الله بن الزبير عن أبيه قال كان اسم أبى بكر عبد الله بن عثمان فلما قال له رسول الله ﷺ أنت عتيق الله من النار سمى عتيقا وقد قيل فيه وجه آخر“ (۳۰۲)۔

اسی طرح دوسرے رواۃ کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً ”باب الماء“ میں ”ثابت بن قیس بن اشماس“ کے عنوان کے تحت پہلے معنف نے اپنی طرف سے ان کے مختصر حالات بیان کیے ہیں۔ لکھتے ہیں ”ابن ثعلبه بن زهير بن امرئ القيس بن مالك بن الحارث بن الخزرج يكنى أبا محبة كان خطيب الأنصار جهير الصوت شهد له النبي ﷺ بالجنة استشهد باليمامة سنة اثنتى عشرة روى عنه أنس بن مالك وبنوه محمد وإسماعيل وقيس وعبد الرحمن بن أبى لیلی وغيرهم أوصى بعد موته فأنفذت وصيته بعد موته“ (۳۰۳)۔

اس کے بعد باقی تمام اصحاب رسول ﷺ کے حالات پوری سند کے ساتھ نقل کیے ہیں۔

الاستيعاب فی معرفة الاصحاب

یہ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر النری کی تصنیف ہے جو ۳۶۸ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ علمی دنیا کے کہار اور عظیم علماء سے استفادہ کیا اور حدیث، فقہ، علم الانساب اور علم الاخبار میں بھی پوری دسترس حاصل کی۔ ”ابن خلکان لکھتے ہیں۔ ”کان مع تقدمه فی علم الأثر وبصره بالفقه ومعانى الحديث، له بسطة كبيرة فی علم النسب“ (۳۰۴)۔ آپ ۴۶۳ھ میں

وفات پاگئے (۳۰۵)۔

”الاستیعاب“ صحابہ کرام کی معرفت کے لیے اہم تصانیف میں سے ہے۔ دوسرے اہل علم نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے جن میں ابن الاثیر (م ۶۳۰ھ) نے ”اسد الغابہ“ میں ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے ”تجريد اسماء الصحابة“ میں اور ابن حجر (م ۸۵۲ھ) نے ”الاصحابہ“ میں رواقہ کے حالات و تراجم کا مآخذ اس کتاب کو بنایا ہے (۳۰۶)۔ اس کے ابتدا میں رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے وفات تک کے اہم واقعات ہیں۔ اس کے بعد صحابہ کرام کو حروف معجم کی ترتیب سے بیان کیا ہے۔ اور مشترک ناموں کو ایک باب میں بیان کرتے ہیں۔ اگر کسی نام کا ایک ہی راوی ہو تو ایسے ناموں کو ہر حرف کے آخر میں ”باب الافراد“ کے تحت بیان کیا ہے۔

اس کتاب میں تین ہزار پانچ سو صحابہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب حروف حتمی کے حساب سے مرتب ہے لیکن اس سلسلے میں کام سے پہلے حرف کا اعتبار کیا گیا ہے۔ نام کے بعد ان لوگوں کا ذکر ہے جو اپنی کنیت کی وجہ سے مشہور ہیں۔ اس کے بعد صحابیات کا نام ذکر کیا گیا ہے۔ پھر ان عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو اپنی کنیت سے مشہور تھیں۔

اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ

یہ عزالدین ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالکریم بن الواحد الشیبانی (م ۶۳۰ھ) جو ابن الاثیر کے نام سے مشہور ہیں کی تصنیف ہے۔ ابن الاثیر نے اپنی کتاب میں سات ہزار پانچ سو چوں (۷۵۵۳) اسمائے گرامی کا ذکر کیا ہے (۳۰۷)۔ ان تمام اسمائے گرامی کو حروف حتمی کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے اور اس سلسلے میں ہر نام کے پہلے، دوسرے اور تیسرے حرف کا اعتبار کیا ہے۔ اس طرح صحابہ کرام کے آباء اجداد اور قبائل کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ اس کے بعد ان کی کنیتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور کتاب کے آخر میں صحابیات کے اسمائے گرامی کا ذکر ہے (۳۰۸)۔ اس کتاب کے رموز درج ذیل ہیں:

الف: ابن مندہ ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ (م ۳۹۵ھ) جو ابن مندہ کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی صحابہ سے متعلق کتاب معرفۃ الصحابہ ہے۔

ع: ابو نعیم (م ۳۳۰ھ) کی کتاب معرفۃ الصحابہ۔

ب: ابن عبد البر، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ (م ۴۶۳ھ) کی کتاب ”الاستیعاب“۔

س: ابو موسیٰ محمد بن عمر المدینی (م ۵۸۱ھ) کی کتاب ”معرفة الصحابة“ (۳۰۹)۔

تجريد اسماء الصحابة

یہ حافظ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد ذہبی (۶۷۳ھ-۷۴۸ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ ابن اثیر الجزیری کی کتاب ”اسد الغابہ فی معرفة الصحابة“ کا اختصار ہے اور اس کا منہج بھی کافی حد تک اسد الغابہ سے ملتا جلتا ہے۔ کتاب حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب کی گئی ہے اور صحابہ کرام کو مختلف انواع کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً صحابی کا نام، کنیت، باپ کا نام اور قبیلہ وغیرہ (۳۱۰)۔

الاصابة فی تمییز الصحابة

یہ شهاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) کی تصنیف ہے (۳۱۱)۔ صحابہ کرام کی معرفت کے لیے یہ بھی اہم کتاب ہے۔ کتاب کے آغاز میں مختصر مقدمہ تحریر کیا گیا ہے جس میں امام بخاریؒ سے امام ذہبیؒ تک جن لوگوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ ان کا مختصر ذکر کیا گیا ہے اور ان میں سے بعض پر تنقید بھی کی گئی ہے۔

اس کے بعد صحابہ کرام کی معرفت اور عدالت وغیرہ بیان کی ہے۔ اور مختصر کتاب کا منہج بھی ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں ”رتبته علی اربعة اقسام فی کل حرف“ (۳۱۲) (میں نے اس کتاب میں صحابہ کرام کو ہر حرف میں چار اقسام میں تقسیم کیا ہے)۔

پہلی قسم: ان صحابہ کرام کے ساتھ خاص ہے جن کے صحابہ ہونے کی صراحت موجود ہو یا کسی راوی سے اس کی وضاحت ہو۔

دوسری قسم: صحابہ کرام کے ان بچوں کے بارے میں ہے جو نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں پیدا ہوئے اور آپ ﷺ کی وفات کے وقت وہ چھوٹی عمر کے تھے۔ ان کا ذکر اس گمان پر کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ضرور نبی اکرم ﷺ کو دیکھا ہوگا کیونکہ صحابہ کرام عام طور پر یہ کوشش کرتے تھے کہ اپنے بچوں کو آپ ﷺ کے پاس لے جائیں تاکہ آپ ﷺ ان کا کوئی نام تجویز کریں اور ان بچوں کے لیے برکت کی دعا فرمائیں۔

تیسری قسم: تھنر میں کے تراجم پر مشتمل ہے جنہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا اور ان کے بارے میں کوئی روایت بھی نہ ملے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے ملاقات کی ہو یا دیکھا ہو۔ اہل علم کے نزدیک بالاتفاق یہ صحابی نہیں ہیں۔

چوتھی قسم: ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کو فطی کی بنا پر صحابہ کرام میں شمار کیا گیا ہے (۳۱۳)۔ کتاب حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب ہے اور یہ ترتیب ان کے باپ اور دادا کے نام میں بھی موجود ہے انہوں نے سب سے پہلے مردوں کا ذکر کیا ہے پھر ان کی کتیبوں کا اس کے بعد عورتوں اور ان کی کتیبوں کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب میں ۱۲۲۶ راویوں کا ذکر ہے۔ جو راوی اپنے نام سے مشہور تھے ان کی تعداد ۹۴۷ ہے۔ جو کتیب کے لحاظ سے مشہور تھے ان کی تعداد ۱۲۸۸ ہے۔ اور جو صحابیات ناموں اور کتیبوں سے مشہور ہیں ان کی تعداد ۱۵۲۲ ہے (۳۱۳)۔

تراجم بیان کرتے ہوئے ابن حجر نے اختصار سے کام لیا ہے کیونکہ ان کا مقصد صحابہ کرام کی محبت یا عدم محبت کی وضاحت کرنا ہے اس لیے عموماً نام و نسب، کنیت، لقب اور مشہور نسبت پر اکتفا کرتے ہیں اور کبھی ہجرت، غزوہ میں شرکت کی طرف دیکھتے ہوئے سن و وفات کا بھی ذکر کر دیتے ہیں۔

کتب طبقات

صحابہ کے علاوہ طبقات پر بھی کتب لکھی گئیں۔ یہ وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفین نے رجال کے مختلف طبقات قائم کیے ہیں اور ان کے حالات طبقہ بہ طبقہ اپنے عہد تک بیان کیے ہیں۔ اس طرز پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں حسب ذیل مشہور ہیں:

طبقات ابن سعد

یہ کتاب محمد بن سعد بن منیع البصری، ابو عبد اللہ کی ہے۔ جو ۶۸ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے اور بصرہ کے نامور علماء سے اکتساب فیض کے بعد بغداد تشریف لے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ طویل عرصہ اپنے استاد محمد بن عمر الواقدی کے کاتب کی حیثیت سے گزارا اس لئے کاتب الواقدی کے نام سے مشہور ہو گئے (۳۱۵)۔

ابن سعد کو اہل علم نے ثقہ اور معتبر مانا ہے۔ اگرچہ بعض نے اس پر جرح کی ہے۔ خطیب

بغدادی لکھتے ہیں ”محمد بن سعد عندنا من اهل العدالة وحديثه يدل على صدقه فانه يتحري في كثير من رواياته“ (۳۱۶) (ہمارے ہاں محمد بن سعد اہل عدالت میں سے ہیں اور اس کی حدیث اس کی سچائی پر دلیل ہے کیونکہ وہ روایات زیادہ حاصل کرنے کی کوشش میں رہتا تھا)۔ ابن سعد نے ۲۳۰ھ میں وفات پائی (۳۱۷)۔ طبقات ابن سعد، الطبقات الکبریٰ لابن سعد کے نام سے ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء میں دارصادر، بیروت سے نو جلدوں میں شائع ہوئی۔

اس کی پہلی جلد سیرت طیبہ پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد آنحضرت ﷺ کے غزوات، مرض اور وفات کا ذکر ہے نیز جو حضرات مدینہ منورہ میں مفتی کے فرائض سرانجام دیتے تھے ان کا ذکر کرنے کے ساتھ قرآن پاک کو جمع کرنے والے صحابہ کرامؓ خواہ ان کا تعلق آنحضرت ﷺ کے دور کے ساتھ ہو یا بعد کے دور سے، ان سب کا ذکر کیا گیا ہے۔ تیسری جلد میں ان مہاجرین اور انصار کے حالات کا ذکر ہے جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی۔ چوتھی جلد میں ان قدیم الاسلام صحابہ کا ذکر ہے جو غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ اس کے ساتھ ان صحابہ کرامؓ کا ذکر بھی ہے جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ پانچویں جلد میں تابعین مدینہ کا ذکر ہے نیز ان صحابہ کا جو مکہ، طائف، یمن، یمامہ اور بحرین میں سکونت پذیر ہوئے اور آخر میں مذکورہ شہروں میں صحابہ کرامؓ کے بعد ان کی جگہ لینے والے تابعین کا ذکر ہے۔ چھٹی جلد میں ان صحابہ کا ذکر ہے جو کوفہ میں قیام پذیر ہوئے۔ پھر کوفہ کے تابعین اور ابن اہل علم کا ذکر ہے جو معصف کے دور تک ہوئے۔ ساتویں جلد میں ان صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کا ذکر ہے جو مختلف شہروں میں قیام پذیر ہوئے لیکن ان میں اہل بصرہ، شام اور مصر کا ذکر زیادہ ہے۔ جبکہ باقی شہروں کے رہنے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔ آٹھویں جلد میں صحابیات کا ذکر ہے۔

ابن سعد نے طبقات کو نسبی، طبقاتی اور مکانی اعتبار سے ترتیب دیا ہے۔ اور صحابہ کرام کی سبقت فی الاسلام کو ملحوظ رکھا ہے بالخصوص مدینہ منورہ کے صحابہ کرام کی سبقت فی الاسلام کو بنیاد بنایا ہے۔ اس لحاظ سے انہوں نے صحابہ کرام کو تین طبقات میں تقسیم کیا ہے:

- ۱۔ ہجری، مہاجرین و انصار
- ۲۔ وہ اصحاب جو حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔
- ۳۔ جو فتح مکہ سے قبل اسلام لائے۔

ابن سعد نے صحابہ کرام اور بعض تابعین کے تراجم قدرے تفصیل سے بیان کیے ہیں جوں جوں وہ اپنے زمانے سے قریب ہوتے جاتے ہیں تراجم بھی مختصر ہوتے ہیں۔ ابن سعد نے رجال پر جرح و تعدیل بھی کی ہے۔ ان کی اصطلاحات تعدیل کے لیے ”ثقة“، ”ثقة ثبت“، ”صالح الحدیث“، ”ثقة ثبت مامون“ وغیرہ جبکہ جرح کے لیے ”منکر الحدیث“، ”متروک الحدیث“، ”ضعیف“ ”مجهول“ کیس یحتج بحديثه وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے (۳۱۸)۔

تذکرۃ الحفاظ

یہ کتاب شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی کی ہے۔ جو ۶۷۳ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے شروخ میں والد کا پیشہ صرافی اپنایا تھا۔ اس لیے معاصرین انہیں الذہبی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ذہبی نے ۱۸ سال کی عمر میں طلب حدیث کی طرف خصوصی توجہ دی اور تحصیل علم کے لیے مختلف شہروں کا سفر کیا اور وہاں کے ممتاز اہل علم سے اکتساب فیض کیا (۳۱۹)۔ آپ کے شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ انہوں نے اپنی مشہور کتاب ”مجمعی شیوخ“ کی دو ضخیم جلدوں میں ان کو درج کیا ہے نیز ”تذکرۃ الحفاظ“ کے آخر میں بھی ۳۶ شیوخ کا مختصر تذکرہ کیا ہے۔

علامہ ذہبی نے اپنے دور کے مشہور مدارس میں حدیث کی تدریس کی۔ شیخ الحدیث کے منصب پر ہوتے ہوئے اس محنت و جانفشانی سے کام کیا کہ آپ کی شہرت چار داغ عالم میں پھیل گئی۔ علامہ ذہبی نے حدیث، فقہ، تاریخ اور اسماء الرجال میں ممتاز مقام حاصل کیا۔ آپ نے دمشق میں واقع ”تربت ام صالح“ کے مقام پر ۴۸ھ میں وفات پائی اور آپ کو ”باب الصغیر“ میں دفن کیا گیا (۳۲۰)۔

”تذکرۃ الحفاظ“ دار الکتب العلمیہ بیروت سے متعدد بار شائع ہو چکی ہے (۳۲۱)۔ اس کے چار اجزاء کا اردو ترجمہ دو جلدوں میں اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کا ایک ایڈیشن شیخ زکریا عیرات کے حاشیے کے ساتھ ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا ہے جس میں ۶۷۱ روایات کے تراجم کے علاوہ ۳۶ شیوخ کے تراجم اور آخر میں ”لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ“، ”ملکی اور“ ذیل طبقات الحفاظ“، ”سیوطی بھی شامل ہیں (۳۲۲)۔ علامہ ذہبی نے اس کتاب کو اکیس طبقات پر مرتب کیا ہے۔

انہوں نے صرف حفاظ کو شمار کیا ہے۔ غیر حفاظ کو ذکر کیا ہے لیکن شمار نہیں کیا ہے۔

تراجم بیان کرتے ہوئے علامہ ذہبی نے زیادہ طوالت سے گریز کیا ہے۔ ہر حافظ حدیث کے نام و نسب، تاریخ پیدائش، اساتذہ اور حلقہ کا ذکر کیا ہے مثلاً سعید بن المسیب کے ترجمے میں لکھا ہے ”سعید بن المسیب الامام شیخ الاسلام فقیہ المدینہ ابو محمد المخزومی: أجل التابعین ولد لسنتين مفتا من خلافة عمر وسمع من عمر شيا وهو يخطب وسمع من عثمان وزيد بن ثابت وعائشة وسعد وسعيد وأبي هريرة رضى الله عنهم وخلق“ (۳۲۳)۔ پھر اس کے اخلاق و عادات، علم و فضل اور ثقاہت و عدالت وغیرہ کے بارے میں معاصرین و متاخرین کی آراء بیان کرتے ہیں: قال احمد بن حنبل وغيره: ”مراسلات سعيد صحاح“، ”وقال قتاده“ ما رایت احدا اعلم من سعيد بن المسیب“ (۳۲۴)۔ خود امام ذہبی بھی اس پر تبصرہ کرتے ہیں۔ ”كان واسع العلم وافر الحرمة متين الديانة، قوالا بالحق فقيه النفس“ (۳۲۵)۔

اس کے علاوہ راوی کی تالیفات، تاریخ وفات اور اسی سال انتقال پانے والے محدثین اور ان کی عمر اور جائے تدفین کا بھی تذکرہ کرتے ہیں مثلاً ابو عوانہ کے ذکر میں لکھتے ہیں: ”مات في شهر ربيع الأول سنة ست وسبعين ومائة بالبصرة رحمة الله عليه“ (۳۲۶)۔

طبقات الحفاظ

جلال الدین عبدالرحمان بن ابوبکر السیوطی (ل ۹۱۱ھ) کی تالیف ہے۔ انہوں نے علم کے تمام شعبوں میں دسترس حاصل کی اور ہر ایک پر قلم اٹھایا۔ ان کے شاگرد داؤدی کے مطابق ان کی تالیفات کی تعداد ۵۰۰ ہے (۳۲۷)۔

”طبقات الحفاظ“ متعدد ہار شائع ہو چکی ہے (۳۲۸)۔ ایک جلد میں مختصر یہ کتاب علامہ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ کا خلاصہ اور ذیل ہے جیسا کہ علامہ سیوطی نے مقدمہ میں بیان کیا ہے: ”هذا كتاب طبقات الحفاظ ومعدلي حملة العلم النبوي ومن يرجع إلى اجتهدهم في التوثيق والتجريح، والتضعيف والتصحيح لخصتها من ”طبقات“ إمام الحافظ

ابی عبداللہ الذہبی وذیلت علیہ من جاء بعده“ (۳۲۹)۔

علامہ سیوطی نے ”تذکرۃ الحفاظ“ کے بعض ناموں کو حذف کیا ہے۔ بعض ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ یہ کتاب ۲۳ طبقات پر مشتمل ہے۔ اکیسویں طبقہ کے آخر میں لکھا ہے ”هذا آخر ما اوردہ الحافظ الذہبی وأنا اذیل علیہ لمن جاء بعده“ (۳۳۰)۔ اس کے بعد امام ذہبی اور ان کے بعد آنے والے دیگر علماء کو شامل کیا ہے۔ ان میں سب سے آخری حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) ہیں۔ اس کتاب کا پہلا طبقہ صحابہ کرام کا ہے۔ علامہ سیوطی نے تراجم میں مختصر اسلوب اختیار کیا ہے۔ صحابہ کرام کے صرف نام ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

مثلاً ۱۷۔ ثم عبداللہ بن عمر ۱۸۔ وعبداللہ بن عباس ۱۹۔ وعبداللہ بن عمرو بن العاص ۲۰۔ وعقبہ بن عامر (۳۳۱)۔ (صحابہ کرام کے ناموں کے ساتھ ذکر کردہ نمبر وہی ہیں جو طبقات الحفاظ میں ہیں)۔

باقی طبقات میں تراجم بیان کرتے ہوئے نام کے ساتھ نسب، کنیت، نسبت اور شیوخ و تلامذہ کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً سعید بن ابی عروبہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں ”سعید بن ابی عروبہ مہران العدوی مولاہم أبو النضر البصری، روی عن الحسن، وابن سیرین، وأیوب، وزیاد بن کلیب، وقتادة، وخلق وعنه الاعمش أحد شیوخہ، وشعبہ، والثوری، وابن المبارک ویحیی القطان، ویزید بن زریع، وخلق“ (۳۳۲)۔ اسی طرح غزوات اور معرکوں میں شرکت کا ذکر ہے۔ راویوں کے اہم مناصب کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان کے علم و فضل کو بھی بیان کیا ہے۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق لکھتے ہیں ”وهو أحفظ الصحابة، قال الشافعی: أبو هريرة أحفظ من روی الحديث فی الدنيا“ (۳۳۳)۔

جرح و تعدیل سے متعلق آئمہ کی آراء، تالیفات اور خود بھی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے آخر میں دفات کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً فریابی کے بارے میں لکھتے ہیں: ”قاضی الدینور، وصاحب التصانیف، رحل من الترمک إلى مصر، وكان ثقة مأمونا۔ ورد إلى بغداد فاستقبل بالطیارات والزبازب، وحضر مجلسه نحو ثلاثین ألفاً، وكان

المستملون ثلاث مائة وستة عشر۔ وقال الخطيب كان من أوعية العلم۔ من اهل
 "معرفة والفهم طوف شرقا وغربا۔ ولد سنة سبع ومائتين، ومات في محرم سنة
 حدى وثلاث مائة" (۳۳۳)۔

جرح و تعدیل کے لیے امام صاحب عموماً یہ اصطلاحات استعمال کرتے ہیں۔ تعدیل کے
 لیے: ثقة، صالح الحديث، ليس به باس وغيره۔ جرح کے لیے: ضعيف، كذاب، منكر
 الحديث، لا يكتب حديثه وغيره۔

کتب التاريخ

راویوں کے درمیان ناموں یا ان کے باپ و ادا کے ناموں اور کتبوں میں التباس ہو جاتا
 ہے جس سے یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں ایک راوی کو التباس کی وجہ سے دوسرے راوی کی جگہ یا ایک ہی راوی
 کو دو الگ الگ شخص نہ سمجھ لیا جائے۔ اس لیے محدثین نے راویوں کے اسماء اور کتبوں کی باقاعدہ تحقیق
 کر کے ان کو مستقل کتابوں میں منضبط کر دیا ہے۔ جیسے تاریخ الکبیر بخاری اور تاریخ الثقات وغیرہ۔

تاریخ یحییٰ بن معین

یہ کتاب ابو زکریا یحییٰ بن معین (م ۲۳۳ھ) کی ہے جو بغداد میں ۱۵۸ھ میں پیدا
 ہوئے (۳۳۵)، تحصیل علم حدیث کی خاطر والد کی تمام متروکہ رقم خرچ کر ڈالی۔ ابن خلکان لکھتے ہیں
 "خلف لابنه يحيى، الف الف درهم وخمسين الف درهم، فانفق جميع المال على
 الحديث حتى لم يبق له نعل يلبسه" (۳۳۶)۔ آپ نے مدینہ میں ۲۳۳ھ کو وفات پائی
 (۳۳۷)۔

"تاریخ یحییٰ بن معین" اکثر کتابوں میں "التاریخ والعلل" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ
 کتاب جرح و تعدیل میں ان کے اقوال کا مجموعہ ہے۔ جس کے راوی ان کے شاگرد خاص، ابوالفضل
 عباس بن محمد بن حاتم الدوری (م ۲۷۱ھ) ہیں۔ اس کتاب کے اکثر مضامین ان کے تلمیذ مذکور کے
 سوالات کے جوابات یا تلمیذ مذکور کی موجودگی میں دوسرے لوگوں کے سوالات کے جوابات ہیں۔ یہ
 کتاب صحابہ کرام سے لے کر مؤلف کے دور تک کے راویان حدیث پر مشتمل ہے۔ سب سے پہلے صحابہ

کرام کا ذکر ہے پھر مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، خراسان، واسط، مدائن، بغداد، شام، مصر، جزیرہ وغیرہ کے بعد تابعین و دیگر اہل علم کا مختصر تذکرہ ہے۔ اگر کوئی راوی کثیت سے معروف ہے تو اس کا نام بھی ذکر کرتے ہیں اور جو نام سے معروف ہے تو اس کی کثیت بھی بتاتے ہیں۔ اسی طرح اس کی نسبت اور طبقہ کو بتلایا ہے کہ وہ صحابی ہے یا تابعی۔ نیز یہ بھی بتاتے ہیں کہ اس سے کسی نے روایت نہیں کی ہے اور کبھی ان سے مروی کوئی حدیث بھی ذکر کرتے ہیں اور بسا اوقات راوی کے منصب یا غزوہ/معرکہ میں شرکت کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔ بعض رواۃ کے وفات اور اس کو کسی ایسے واقعہ سے مربوط کر دیتے ہیں جس سے تاریخ وفات کا تعین ہو سکے۔

امام عینی بن معین اس فن کے امام ہی نہیں بلکہ امام الائمہ سمجھے جاتے تھے انہوں نے رواۃ کی تعدیل یا ترجیح سے متعلق جو حکم لگایا ہے اس کے بعد کے محدثین و اہل علم نے ان اقوال کو بہت اہمیت دی ہے (۳۲۸)۔

التاریخ الکبیر

یہ کتاب امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم کی ہے۔ جو ۱۹۴ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں یتیمی چلی گئی۔ والدہ کی گریہ زاری اور دعا کی کثرت سے ان کی یتیمی لوٹ آئی۔ ابتدائی تعلیم بخارا کے شیوخ سے حاصل کی۔ گیارہ برس کی عمر میں علامہ داغلی جیسے قہر عالم اور محدث کو ایک سند پر ٹوک دیا اور صحیح کرا دی (۳۲۹)۔

طلب علم کے لیے مختلف شہروں کا سفر کیا اور ممتاز علماء سے مستفید ہوئے۔ خطیب بغدادی ان کے مختلف شہروں کے سفر کے بارے میں لکھتے ہیں ”ورحل فی طلب العلم الی سائر محدثی الأمصار وکتب بخراسان والجبال، ومدن العراق کلها وبالبحاز والنشام ومصر (۳۳۰)۔“

امام بخاری صرف حافظ حدیث ہی نہ تھے بلکہ آپ کو فقہ و اجتہاد کے ساتھ ساتھ علل حدیث میں بھی بلند مقام حاصل تھا۔ علل حدیث کے بہت بڑے ماہر تھے اور اپنے وقت کے امام گردانے جاتے تھے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: ”لم أر بالعراق ولا بخراسان فی معنی العلل والتاریخ

ومعرفة الأسانید من محمد بن اسماعیل“ (۳۳۱)۔

بقول خطیب: بڑے بڑے محدثین آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر علل حدیث کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تھے (۳۳۲)۔

امام بخاری جرح و تعدیل میں بہت احتیاط کرتے تھے اور سخت قسم کے جرح استعمال نہیں کرتے تھے اکثر ”فیہ نظر“ ”لم یصح حدیثہ“ ”یخالف بعض حدیثہ“ وغیرہ کہتے تھے (۳۳۳)۔ اگر کہیں سخت قسم کے الفاظ استعمال کرنا ہوں تو ”مکر الحدیث“ ہی کہتے ہیں ”کذاب“ ”ذو ضاع“ کے الفاظ بہت کم استعمال کرتے ہیں بلکہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ ”فلاں نے اسے جھوٹا قرار دیا“ یا ”فلاں نے اس پر جھوٹ کی تہمت لگائی ہے“۔ امام بخاریؒ نے ۲۵۶ھ میں وفات پائی (۳۳۴)۔

امام بخاریؒ کی تصانیف میں بیس، پچیس کتابوں کے نام ملتے ہیں۔ جن میں سے کچھ ناپید ہیں، کچھ مخطوطات کی شکل میں کتب خانوں میں محفوظ ہیں اور کچھ طبع ہو چکی ہیں۔ التاريخ الکبیر متعدد بار شائع ہو چکی ہے (۳۳۵)۔ اس کتاب میں امام بخاریؒ نے صحابہ کرامؓ سے لے کر اپنے عہد تک کے راویان حدیث کے تراجم بیان کیے ہیں۔

مقدمہ میں مختصر انبی اکرم ﷺ کی سیرت کا بھی ذکر کیا ہے۔ راویوں کو حروف مجمع پر ترتیب دیا ہے اور ہر ایک کے پہلے حرف ہی کی رعایت رکھی ہے۔ لیکن اسم محمد کے شرف کی بناء پر محمد نام کے رواة کا ذکر پہلے کیا ہے۔ اس طرح دوسرے پیغمبروں کے نام الف میں ”ابراہیم“، ”اسامیل“، ”اسحاق“ اور ”ایوب“ کے نام کے رواة کو بھی مقدم کیا ہے۔ حروف جعجی کے اعتبار سے ایک نام سے باب شروع کرتے ہیں اور ہر باب میں کسی ترتیب کا خیال رکھے بغیر صحابہ کا ذکر پہلے کرتے ہیں۔ اگر اس نام کے رواة کی تعداد زیادہ ہو تو ان کی ولدیت کے اعتبار سے ان کو ذیلی ابواب میں تقسیم کرتے ہیں اور اس میں بھی ترتیب موجود ہے۔ جن راویوں کی ولدیت مجہول ہے ان کو باب ”من اسماء الناس ممن لا یعرف بابیہ“ کے تحت بیان کیا ہے۔ جو راوی اپنے آباء کے ناموں سے معروف ہیں ان کا ذکر آخر میں ”باب من لا یعرف له اسم و یعرفون بابائهم“ میں کیا ہے۔ سب سے آخر میں کنیتوں

کے ساتھ معروف رواد کا ذکر ہے۔ اس میں بھی حروفِ حجبی کی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ امام بخاریؒ نے کتاب میں طوالت اور کثرت واقعات سے احتراز کیا اور مختصر اسلوب اختیار کیا ہے۔ اس بات کی وضاحت امام بخاریؒ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔

فرماتے ہیں: ”قل، اسم فی التاریخ الا ولہ عندی قصة الا انی کرهت تطویل الكتاب“ (۳۳۶)۔ رواد کے تعارف میں راوی، اس کے باپ اور دادا کا نام، اس کی کنیت، قبیلہ، شہر یا دونوں ہی کی طرف نسبت بیان کرتے ہیں۔ راوی کے بعض شیوخ و تلامذہ اور اس کی ایک یا ایک سے زائد روایتوں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ اس کی مختلف غزوات، معرکوں میں شرکت کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔ بسا اوقات راوی کے کسی اہم منصب کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ بعض رواد کے سال وفات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اگر سن وفات کی تحدید نہ ہو سکے تو وفات کے وقت کو ایسے مشہور واقعہ سے مربوط کر دیتے ہیں جس سے اس کے سال وفات کا پتہ ہو سکے۔

امام بخاریؒ اس کتاب میں حدیث کے بہت سے ایسے متون لائے ہیں جنہیں ہم حدیث کی دوسری بڑی کتابوں میں نہیں پاتے اور اس میں کچھ عجیب نہیں کیونکہ وہ حدیث کے اماموں کے امام ہیں اور امیر المؤمنین فی الحدیث کا درجہ رکھتے ہیں۔

التاریخ الاوسط

یہ امام بخاریؒ کی تالیف ہے۔ اس کتاب کے دو راوی ہیں۔ ابو محمد عبد اللہ بن احمد الحافظ اور ابو محمد زنجویہ بن محمد المہابد (۳۴۷)۔ اس کتاب کے آغاز میں امام بخاریؒ لکھتے ہیں ”كتاب المختصر من تاریخ هجرة رسول الله والمهاجرين، والأخبار، وطبقات التابعين بإحسان ومن بعدهم، ووفاتهم، وبعض نسبهم، وكناهم، ومن يرغب عن حديثه“ (۳۴۸) (اس مختصر کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی ہجرت، مهاجرین، انصار، طبقات تابعین اور اس کے بعد (تابعین) کے وفات، نسب، کنیت اور جس کو حدیث رسول میں رغبت ہو گا ذکر ہے)۔

امام بخاریؒ نے صحابہ کرام کے حالات کو تاریخ وفات کے لحاظ سے ترتیب دی ہے اور دوسرے رواد کو زمانہ کے لحاظ سے ترتیب دی ہے۔ تاریخ اوسط کا اسلوب تقریباً آپ کی دوسری کتاب

تاریخ الصغیر جیسا ہے بعض رواۃ اور قصے زائد ہیں۔

التاریخ الصغیر

یہ کتاب بھی امام بخاریؒ کی تالیف ہے یہ کتاب متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ امام بخاریؒ نے تاریخ الکبیر کو حروف تہجی کے مطابق ترتیب دیا ہے۔ جب کہ ”التاریخ الصغیر“ میں زمانی ترتیب کو مدنظر رکھا ہے۔ یہ عہد نبویؐ سے لے کر اپنے زمانے کے رواۃ کے حالات پر مشتمل ہے۔ بعض نے اسے صرف صحابہ کے تراجم کا مجموعہ قرار دیا ہے۔

آغاز میں نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک کے اہم واقعات اور آپ ﷺ کی سیرت کا مختصر ذکر کیا ہے اور آپ ﷺ کی فضیلت میں چند احادیث بھی بیان کی ہیں جن میں وفات پانے والے ان صحابہ کرامؓ کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے آپ ﷺ سے احادیث بیان کی ہیں۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بارے میں اختلافی روایات بیان کی ہیں اور ان میں سے بعض روایات پر تبصرہ بھی کیا ہے۔ پھر بالترتیب حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے عہد میں وفات پانے والے صحابہ کرامؓ کا ذکر کیا ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد کے بعد انہوں نے رواۃ کو طبقات میں تقسیم کیا ہے اور ہر طبقہ دس سال پر محیط ہے۔

امام بخاریؒ نے راویوں پر جرح و تعدیل بھی کی ہے اور تعدیل و ترجیح کے لیے یا تو خود حکم لگاتے ہیں یا پھر دیگر آئمہ کی آراء بیان کرتے ہیں۔ اس کتاب میں بھی زیادہ تر وہی اصطلاحات استعمال کی ہیں جو تاریخ الکبیر میں کی ہیں (۳۳۹)۔

رجال کتب الصحاح الستہ

صحاح ستہ احادیث کی معروف کتب ہیں ان کے رجال پر مختلف لوگوں نے کام کیا ہے جن میں چند درج ذیل ہیں۔

تہذیب الکمال

جمال الدین ابوالحاج یوسف المزی کی تالیف ہے جو حلب کے نواح میں ۶۵۳ھ میں پیدا

ہوئے (۳۵۰)۔ اور ”مرۃ“ دمشق کی ایک بستی ہے (۳۵۱) جس میں پرورش پائی۔ بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا اور فقہ میں معمولی سوجھ بوجھ پیدا کرنے کے بعد علم حدیث کی طرف متوجہ ہوئے۔ مکہ، مدینہ، حلب، مصر، حماہ اور بعلبک وغیرہ کے علماء و شیوخ سے اکتساب فیض کیا (۳۵۲)۔

امام مزی فن حدیث میں منفرد علمی شخصیت کے حامل تھے۔ علم لغت اور علم ادب میں مہارت حاصل کی (۳۵۳)۔ اسماء الرجال میں آپ نے کمال پیدا کیا۔ اس فن میں ان کی مہارت کا اندازہ ان کی کتاب ”تہذیب الکمال فی اسماء الرجال“ سے لگایا جاسکتا ہے (۳۵۴)۔ یہ کتاب کتب صحاح ستہ کے رجال کے ساتھ ساتھ ان اصحاب کی مشہور مصنفات کے رجال کے تراجم پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں مختصر اکتب ستہ کا تعارف اور اپنی کتاب کا مئج بیان کیا ہے۔ اگرچہ یہ کتاب رجال سے متعلق ہے لیکن ابتدائی اکرم رحمہم اللہ کے ذکر سے کی ہے۔

تراجم بیان کرتے ہوئے ہر راوی کے نام کے ساتھ حدیث کی کتب کے رموز دیے گئے

ہیں جو یہ ہیں:

ع:	کتب الستہ کا اتفاق۔	۴:	کتب اربعہ کا اتفاق۔
خ:	الجامع الصحيح للبخاری۔	خت:	تعلیقات بخاری۔
ز:	كتاب القراءة خلف الامام للبخاری۔		
ی:	كتاب رفع اليدين في الصلاة للبخاری		
بخ:	كتاب الادب المفرد للبخاری۔	عخ:	كتاب خلق افعال العباد للبخاری۔
م:	الجامع الصحيح لمسلم۔	مق:	مقدمہ الجامع الصحيح لمسلم۔
د:	السنن لاہی داؤد۔	مد:	كتاب المراسيل لأبي داؤد۔
قد:	كتاب الرد على اهل القدر لاہی داؤد۔		
خد:	كتاب الناسخ والمنسوخ لاہی داؤد۔		
ف:	كتاب التفرّد لاہی داؤد۔	صد:	فضائل الانصار لاہی داؤد۔
ل:	كتاب المسائل التي سأل عنها احمد بن حنبل۔	كد:	مسند حديث مالك

بن انس۔

ت:	السنن للترمذی۔	تم:	شمائل الترمذی۔
س:	السنن للنسائی۔	سی:	کتاب عمل اليوم والليلة للنسائی۔
ص:	خصائص امیر المؤمنین علی للنسائی		
عس:	مسند علی۔	کن:	مسند حدیث مالک بن انس۔
ق:	السنن لابن ماجہ۔		
فق:	کتاب التفسیر ابن ماجہ (۳۵۵)۔		

یہ کتاب حروفِ حتمی پر مرتب ہے اور یہ ترتیبِ راوی کے باپ اور دادا کے نام میں بھی موجود ہے۔ لیکن بعض ناموں کے شرف کی بنا پر مقدم کیا ہے کہ الف میں احمد اور میم میں محمد کو مقدم کیا ہے۔ امام مزی نے فصول کی ترتیب میں پہلے ناموں کو پھر لکنتی پھر الانساب پھر الانقباء اور آخر میں مبہمات من الرجال کا ذکر کیا ہے۔ ہر فصل میں رجال کو حروفِ حتمی سے بیان کیا ہے اور سب سے آخر میں عورتوں کا ذکر کیا ہے اور ان کو بھی اسی ترتیب سے بیان کیا ہے۔ امام مزی کی اس ترتیب سے ایک راوی کا ذکر کئی مقامات پر آ سکتا ہے۔ تراجم بیان کرتے ہوئے امام مزی راوی کا نام و نسب، کنیت کے بعد علمی مقام بیان کرتے ہیں اور حصولِ علم کے لیے جن شہروں کا سفر کیا کبھی ان کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان شیوخ و تلامذہ کا تفصیلی ذکر حروفِ حتمی کی ترتیب سے کیا ہے اور ان کے ساتھ بھی ان کتابوں کی علامات بیان کی ہیں۔ جن میں ان کی کوئی روایت موجود ہے۔ پھر ان کی جرح و تعدیل سے متعلق آئمہ کے اقوال اور آراء بیان کیے ہیں۔ آخر میں رداۃ کی وفات بھی ذکر کرتے ہیں۔

اکمال تہذیب الکمال

یہ کتاب ابو عبد اللہ علاء الدین، مغلطائی بن قلیچ بن عبد اللہ الکنجوری کی تالیف ہے۔ مؤلف ۶۸۹ھ میں پیدا ہوئے (۳۵۶)۔ آٹھویں صدی کے نامور محدث تھے، معرفتِ حدیث و رجال میں اپنے معاصرین میں نمایاں تھے۔ ان کے بارے میں حافظ محمد کی فرماتے ہیں: ”الامام، العلامة، الحافظ، المحدث، المشہور“ (۳۵۷) (علاء الدین مغلطائی، امام، علامہ، حافظ اور مشہور محدث ہیں)۔

امام ابن حجر لکھتے ہیں ”وقد تلقاه عنه اکثر مشائخنا وقلدوه فيه لأنه انتهت إليه رئاسة الحديث في زمانه فاخذ عنه عامة من لقيناه من المشايخ كالعراقي والبلقيني والرحوي“ (۳۵۸) (ہمارے اکثر مشائخ نے مغلطائی سے حدیث میں استفادہ کیا اور اس امر میں انہی کے پیروکار رہے۔ کیونکہ اس دور کے حدیث میں فرمانروائی کا خاتمہ انہی پر ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ہمارے اکثر مشائخ جیسے عراقی، بلقینی اور رحوی وغیرہ نے انہی سے علم حدیث حاصل کیا)۔

عراقی فرماتے ہیں ”کان عارفاً بالأنساب معرفة جيدة، وأما غيرهامن متعلقات الحديث فله بها خبرة متوسطة، وتصانيفه أكثر من مائة“ (۳۵۹)۔ (وہ انساب میں زیادہ معرفت رکھتے تھے لیکن حدیث کے دوسرے متعلقات کے بارے میں درمیانہ درجہ رکھتے تھے اور ان کی تصانیف سو سے زائد ہیں)۔

مغلطائی کی تصانیف میں سے ایک اہم تصنیف اکمال تہذیب الکمال ہے (۳۶۰)۔ ”اکمال“ کے بارے میں خود مؤلف لکھتے ہیں ”رأيت أن أذكر في هذا الكتاب ما يصلح أن يكون اكمالاً لتهديب الكمال الذي ألفه شيخنا العلامة الحافظ المتقن المتفطن جمال الدين المزي (۳۶۱)۔“ ”زیر نظر کتاب علامہ حافظ جمال الدین مزی کی ”تہذیب الکمال“ کے لئے بطور اکمال دہتر ہے“ مزید لکھتے ہیں کیونکہ امام مزی نے اپنی کتاب میں بعض اہم امور سے اہتمام نہیں کیا اور کچھ غیر ضروری اشیاء کا تذکرہ کیا ہے مثلاً:

- ۱۔ بعض جگہ عالی السند احادیث کا تذکرہ کیا ہے جبکہ یہ رجال کی کتاب ہے۔
 - ۲۔ اپنی بساط کے مطابق رواد حدیث کے شیوخ اور تلامذہ کا مکمل ذکر کیا ہے۔ حالانکہ ان کا استیعاب اور تمام کا احاطہ ایک مشکل امر ہے۔
 - ۳۔ اسی طرح بعض اوقات رجال پر غیر ضروری تذکرہ کرتے ہیں جس سے رجال کی رفعت شان یا ان کا ضعف معلوم نہیں ہوتا۔ جب کہ یہی امور تو رواد حدیث کی جرح و تعدیل اور ان کے حالات زندگی کو پرکھنے میں مقصود سمجھے جاتے ہیں (۳۶۲)۔
- معصنف نے علامہ مزی سے ”تہذیب الکمال“ میں کتب مستہ کے جو روادہ گئے تھے۔ ان کا

تذکرہ کیا ہے۔

رواۃ حدیث پر جرح و تعدیل میں بعض نادر کتابوں کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ ان میں سے رشاطی اور زبیر بن یکار کی کتابیں، عبدالباقی بن قانع کی ”کتاب الوفيات“ احمد بن ابی خالد کی کتاب ”المتریف بفتح التاریخ“ اور ”تاریخ القرب“ قابل ذکر ہیں۔

مغلطائی نے متاخرین میں سے حاکم، ابن شاہین، ابن حزم اور ابواسحاق صریفی کے اقوال بھی ذکر کیے ہیں جس سے علامہ مزی نے اعتناء نہیں کیا۔ جس راوی سے ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ابن الجارود وغیرہ نے کوئی روایت لی ہو تو اس کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں جس سے راوی کی توثیق کے لیے مزید تائید ہوتی ہے (۳۶۳)۔

تحدیب الکمال

یہ حافظ ابن حجر کی تالیف ہے۔ یہ کتاب، کتب ستہ کے رجال کے ساتھ ساتھ دوسرے ائمہ کی مشہور کتب کے رجال کے احوال پر مشتمل ہے۔ ابن حجر نے امام مزی کی ”تحدیب الکمال“ کا اختصار کیا ہے اور علامہ ذہبی (م ۷۴۸ھ) کی ”تذہیب تحدیب الکمال“ اور مغلطائی بن قلیج (م ۷۶۳ھ) کی کتاب اکمال تحدیب الکمال میں بعض چیزوں کا اضافہ کیا ہے۔

ابن حجر نے اس کتاب کو حروف جمعی کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے اور یہ ترتیب رواۃ کے باب کے ناموں میں بھی موجود ہے لیکن امام مزی کی طرح احمد اور محمد کے شرف کی بناء پر ”الف“ میں ”احمد“ اور ”میم“ میں ”محمد“ نام کے رجال کا ذکر پہلے کیا ہے۔ ابن حجر نے ترجمہ راوی کی ابتداء ایسے رموز سے کی ہے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اصحاب کتب ستہ میں سے کس نے اور کس کتاب میں اس سے روایت کی تخریج کی ہے۔ اور انہوں نے بھی ان کتب کے لیے وہی رموز استعمال کیے ہیں جو امام مزی نے تحدیب الکمال میں استعمال کیے ہیں۔

راوی کے حالات بیان کرتے ہوئے اس کا نام و نسب، کنیت، نسبت اور اس کے معروف شیوخ و تلامذہ کا ذکر کرتے ہیں۔ شیوخ و تلامذہ میں انہوں نے امام مزی کی ترتیب (حروف جمعی) کا التزام نہیں کیا ہے۔ راوی کی ثقاہت و عدالت اور علم و فضل کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال

بیان کیے ہیں اور اپنی رائے لفظ ”قلت“ کہہ کر شروع کی ہے۔ اس طرح انہوں نے امام مزنی کی ”تہذیب الکمال“ کی احسن طریقے سے تہذیب کی اور ”تقریب التہذیب“ کے نام سے دو جلدوں میں اس کا اختصار کیا ہے (۳۶۳)۔

تقریب التہذیب

یہ تہذیب التہذیب کا خلاصہ ہے۔ یہ بھی ابن حجر کی تالیف ہے (۳۶۵)۔ تہذیب التہذیب کی طرح اصحاب کتب ستہ کے رجال پر مشتمل ہے۔ البتہ اس میں رجال کے نام و نسب، کنیت، نسبت اور جرح و تعدیل میں ان کا مرتبہ اور طبقہ بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ مترجم کے شیوخ و تلامذہ اور اس کی جرح و تعدیل سے متعلق آئمہ کی آراء کو حذف کر دیا ہے۔

ابن حجر نے اس کتاب کو حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دیا ہے اور یہ ترتیب ان کے باپ کے ناموں میں بھی موجود ہے لیکن ”الف“ میں ”احمد“ اور ”میم“ میں ”محمد“ کو شرف کی بنا پر مقدم کیا ہے۔ فصول کی ترتیب کو ”تہذیب التہذیب“ کی ترتیب پر برقرار رکھا ہے۔ ابن حجر نے مقدمہ میں رجال کے ۱۲ طبقات بیان کیے ہیں جن کی مختصر تفصیل درج ہے:

پہلا: صحابہ کرامؓ۔

دوسرا: کبار تابعین کا ہے جیسے سعید بن المسیبؓ وغیرہ۔

تیسرا: تابعین میں سے وسطیٰ تابعین کا ہے جیسے حسن بصریؓ اور ابن سیرینؓ وغیرہ۔

چوتھا: کبار تابعین سے روایت کرنے والوں کا ہے جیسے زہریؓ، قتادہؓ وغیرہ۔

پانچواں: طبقہ مغزی ہے۔ ان میں سے جنہوں نے ایک یا دو سے روایت کیا ہے اور ان سے بعض کا

صحابہ کرامؓ سے سماع ثابت نہ ہو، جیسے اعمش۔

چھٹا: ان لوگوں کا ہے جو پانچویں طبقہ کے زمانے کے تھے لیکن ان کی کسی صحابی سے ملاقات ثابت

نہ ہو جیسے ابن جریج۔

ساتواں: کبار تبع تابعین کا ہے جیسے امام مالکؓ اور سفیان الثوریؓ۔

آٹھواں: تبع تابعین میں سے طبقہ وسطیٰ ہے جیسے ابن علیہؓ اور ابن عیینہؓ۔

نواں: تبع تابعین میں سے طبقہ صغریٰ ہے جیسے یزید بن ہارون، امام شافعی، ابو داؤد و الطیالسی وغیرہ۔

دسواں: تبع تابعین میں سے اخذ کرنے والے کبار جنہوں نے تابعین سے ملاقات نہ کی ہو جیسے امام احمد بن حنبل۔

گیارہواں: تبع تابعین روایت کرنے والوں کا طبقہ وسطیٰ ہے جیسے امام ذہبی اور امام بخاری۔

بارہواں: تبع تابعین سے اخذ کرنے والے صغار جیسے امام ترمذی (۳۶۶)۔

تعییل المصنفہ بزواند رجال الائمہ الاربعہ

یہ کتاب حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) کی ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے ائمہ اربعہ امام احمد بن حنبل، امام مالک بن انس، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کی کتب حدیث کے ان راویوں کے حالات کا تذکرہ کیا ہے۔ جن سے ”کتب ستہ“ میں کوئی حدیث مذکور نہیں ہے اور علامہ حزی نے بھی انہیں تہذیب الکمال میں ذکر نہیں کیا۔ حافظ ابن حجر نے ابو عبد اللہ الدمشقی الحسینی کی کتاب ”التذکرۃ فی رجال الکتاب العشرۃ“ سے استفادہ کیا اور اس پر کچھ روادا کے اضافہ کے ساتھ مستقل کتاب کی شکل دی اور دارقطنی کی کتاب ”الغرائب من مالک“، بیہقی کی کتاب معرفۃ السنن و لاہار امام احمد بن حنبل کی کتاب ”الترہد“، امام محمد بن الحسن کی کتاب لاہار سے بھی بعض روادا کا اضافہ کیا۔ اس کتاب کے بعض رموز یہ ہیں:

(۱) امام احمد۔ (ک) امام مالک۔

(فح) امام شافعی۔ (فہ) امام ابو حنیفہ۔

(عب) امام احمد فیرابیہ اور کتب الستہ کے چار رموز کو اسی حالت پر رکھا ہے (۳۶۷)۔

کتب الجرح والتعذیل

کتب جرح والتعذیل میں راویوں کے ثقہ و غیر ثقہ، عادل و غیر عادل وغیرہ پر بحث کی جاتی ہے۔ ”جرح“ کے معنی زخمی کرنا، صیب لگانے کے ہیں۔ یعنی صیب کی بنا پر راوی کی روایت کو رد کیا جاتا ہے۔ تعذیل کا لفظ عدل سے ہے۔ جس کے معنی برابر کے ہیں اور جو روایت کے معیار پر پورا اترنے کی

خبر دیتا ہے۔ جرح و تعدیل سے راویوں کے حالات پہچانے جاتے ہیں۔ راویوں کو پہچاننے میں سستی برتی جائے اور ان کی جانچ پڑتال پر محنت نہ کی جائے تو پورے دین کے بگڑنے کا اندیشہ پیدا ہوتا ہے۔ اسے مد نظر رکھ کر محدثین نے راویوں کے قابل اعتماد، قابل اعتراض اور مجروح روایات پر مشتمل کتابیں لکھیں۔

کتاب العلل و معرفۃ الرجال

یہ کتاب ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل کی تالیف ہے جو ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے (۳۶۸)۔ والد بچپن میں وفات پا گئے۔ ماں کے زیر سایہ پرورش پائی (۳۶۹)۔ طلب حدیث کے لیے کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام اور جزیرہ کا سفر کیا اور وہاں کے ممتاز شیوخ سے مستفید ہوئے (۳۷۰)۔

امام احمدؒ اپنے وقت کے اجل علما میں سے تھے۔ حدیث اور فقہ میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ آپ قوی حافظہ کے مالک اور نہایت ہی متقی اور پرہیزگار تھے۔ معاصرین آپ کے علم و فضل کے معترف تھے۔ امام علی بن المدینی فرماتے تھے ”لیس فی أصحابنا أحفظ من أخی عبد اللہ أحمد بن حنبل، أنه لا یحدث الا من کتابہ، ولنا فیہ أسوة حسنة“ (۳۷۱)۔ (ہمارے ساتھیوں میں ابو عبد اللہ احمد بن حنبل جیسا قوی حافظہ والا شخص نہیں تھا۔ پھر بھی وہ کتاب ہی سے حدیث بیان کرتے تھے اور یہ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے)۔ امام احمد ۲۴۱ھ میں وفات پا گئے۔

امام احمد کی یہ کتاب رجال کی جرح و تعدیل کے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہے (۳۷۲)۔ اس کتاب کو ان کے بیٹے نے بعض حواشی و اضافہ کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب راویوں کے حالات اور حدیث کی صحت و قسم کے بارے میں ہے لیکن کسی خاص طریقے پر مرتب نہیں ہے۔ اس میں نہ کسی ترتیب پائی جاتی ہے اور نہ زمانی و مکانی اور نہ ہی حروفِ معجم پر مرتب ہے۔

راویوں کے تعارف میں نام، ولدیت، کنیت، شہر یا قبیلہ کی طرف نسبت کا ذکر کرتے ہیں۔ کبھی راوی کے شیوخ و تلامذہ کا بھی ذکر کرتے ہیں لیکن اس میں بھی کوئی خاص ترتیب نہیں ہے۔ راویوں کے ثقہ یا ضعیف ہونے کے بارے میں خود بھی حکم لگاتے ہیں اور دوسرے شیوخ کی آراء بھی بیان کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ) نے اپنی کتاب ”المجرح و التعدیل“ کا بڑا حصہ اسی سے لیا ہے۔

التاریخ الثقات

یہ کتاب ابو الحسن احمد بن عبد اللہ بن صالح الجعفی کی ہے جو ۱۸۲ء میں کوفہ میں پیدا ہوئے (۳۷۳)۔ کوفہ، بصرہ اور بغداد میں اقامت اختیار کی۔ پھر علق قرآن کے فتنہ میں عراق چھوڑ کر طرابلس العرب میں آئے (۳۷۴)۔ حدیث کی معرفت میں ان کا خاص مقام تھا۔ متقی اور پرہیزگار تھے۔ ۳۶۱ھ میں وفات پائی (۳۷۵)۔

علامہ عجلی کی یہ کتاب اسماء الرجال کے قدیم ماخذ میں سے ہے اور بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ کتاب حروف حتمی کے مطابق مرتب ہے۔ اسم ”احمد“ سے اس کی ابتدا ہوتی ہے۔ مؤلف لکھتے ہیں ”رتبته علی حروف المعجم و بدأت بمن اسمه أحمد تبرکاً بالنبی ﷺ“ (۳۷۶)۔ رواد کے تراجم میں علامہ عجلی نے اختصار سے کام لیا ہے زیادہ تر راویوں کا تذکرہ ایک یا دو سطروں میں ہے۔ مثلاً عبد اللہ بن ذکوان ابو الزناد: مدنی، تابعی، ثقة، سمع من انس (۳۷۷)۔ صرف چند رجال کے تراجم کسی حد تک طویل ہیں مثلاً حجاج بن ارطاة الجعفی کا ترجمہ تقریباً دو صفحات کا ہے (۳۷۸)۔ تراجم میں راوی، اس کے والد کا نام، کنیت، شہر کی طرف نسبت اور عقیدہ ذکر کرتے ہیں مثلاً اسحاق بن منصور السلولی: کوفی، ثقة، کان فیہ تشیع، وقد کتبت عنه (۳۷۹)۔

رواد کے شیوخ و تلامذہ کو کم ہی بیان کرتے ہیں اگر وہ صحابہ یا تابعین میں سے ہوں تو ان کا طبقہ بھی بیان کرتے ہیں مثلاً عبد اللہ بن سنجرۃ، ابو معمر: من أصحاب عبد اللہ، ثقة وکان مجاہد یقول: هو عاشر عشرة من اصحاب عبد اللہ (۳۸۰)۔ راوی کے متعلق بعض احادیث بھی بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ابو موسیٰ الأشعری کے بارے میں لکھتے ہیں: کان أحسن أصحاب رسول اللہ صوتاً۔ قال رسول اللہ لقد أوتی هذا زمماراً من زمایر آل داؤد“ (۳۸۱)۔

یہ کتاب نام سے ظاہر ہے ثقہ رواد کی تاریخ کے بارے میں ہے لیکن اس میں کچھ اصحاب قدر، اصحاب تشیع اور بعض ضعفاء کا ذکر بھی ملتا ہے۔ مثلاً ”ابان بن یزید العطار: کان یری رأی

القدر لا يتكلم فيه“ (۳۸۲)۔

”إسماعيل بن أبان الغنوی: كوفي، ضعيف الحديث يحدث عن ابن أبي خالد، وهشام بن عروة، أدركناه، ولم نكتب عنه شيئاً“ (۳۸۳)۔ القاسم بن عبدالله بن عمر بن حفص، متروك الحديث (۳۸۴)۔ انہوں نے رواد کی تعدیل کے لیے زیادہ تر ثقہ، ثقہ ثقہ، صدوق، جافز الحديث کی اصطلاحات کو استعمال کیا ہے۔

کتاب الثقات

یہ حافظ محمد بن حبان بن احمد ابی حاتم المستی کی تالیف ہے جو ابن حبان کے نام سے مشہور ہیں۔ ابن حبان نے تحصیل علم کے لیے بہت سے شہروں کا سفر کیا اور وہاں سے اکتساب فیض کیا (۳۸۵)۔ ابن حبان نے اپنے زمانے کے مشہور محدث ہونے کے ساتھ فقہ، لغت، طب اور فلکیات کے بھی عالم تھے۔ ایک عرصہ سمرقند میں قاضی کے عہدے پر فائز رہے۔ ابوسعید اور یسعی کہتے ہیں ”کان علی قضاء سمرقند زمانا وکان من فقهاء الدين، وحفاظ الآثار، عالما بالطب، وبالنجوم، وفنون العلم“ (۳۸۶)۔ ابن حبان نے ۳۵۴ھ میں بست کے مقام پر وفات پائی (۳۸۷)۔

یہ کتاب جس طرح کہ نام سے ظاہر ہے حدیث کے ثقہ اور عادل راویوں کے حالات کے متعلق ہے اور صحابہ کرام سے لے کر مؤلف کے زمانے تک کے رواد پر مشتمل ہے۔ لیکن ابتداء نبی اکرم ﷺ کے ذکر سے کی ہے۔ آپ ﷺ کی پیدائش سے وفات تک کے اہم واقعات، بعثت، ہجرت، غزوات کا تذکرہ کیا ہے۔ پھر حضرت علی کی شہادت تک خلفائے راشدین کی مختصر تاریخ کا بیان ہے۔ اس کے بعد بنو امیہ اور بنو عباس کے خلفاء و ملوک کا مختصر تذکرہ کیا ہے۔ ان کے نام و نسب، وفات و مقام وفات، بحیثیت خلیفہ تقرر کی کا وقت اور ان کی مدت خلافت وغیرہ بیان کی ہے۔ اس کے بعد صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

ابن حبان نے کتاب کو چار طبقات میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ۲۔ تابعین کرام ۳۔ تابعین کرام

۳۔ تج تابعین ۴۔ اتباع تابعین

ان تمام طبقات کو حروفِ معجم پر ترتیب دیا ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے پہلے عشرہ مبشرہ کا ذکر کرتے ہیں اور باقی صحابہ کرام کو حروفِ حتمی کی ترتیب سے بیان کیا ہے۔ یہ ترتیب نام کے صرف پہلے حرف میں ہے۔ ہر حرف میں پہلے مردوں کا اس کے بعد عورتوں کا اور ہر طبقہ کے آخر میں کنیت سے معروف مردوں اور عورتوں کا ذکر کیا ہے۔

رواۃ کے تراجم میں نام، نسب، کنیت، نسبت، شیوخ و تلامذہ، منصب، غزوات، فتوحات میں شرکت ذکر کرتے ہیں۔ صحابہ کے تراجم میں مختلف شہروں میں ان کی تعداد اور ان کی روایات کے پھیلنے کے مقامات کا ذکر بھی کرتے ہیں (۳۸۸)۔

کتاب الضعفاء والمختار وکین

یہ ابوالفرج، عبدالرحمان بن ابوالحسن ابن الجوزی کی تالیف ہے جو ۵۱۰ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ ابن الجوزی بہت بڑے مفسر، مؤرخ اور محدث تھے۔ آپ نے ۵۹۷ھ میں وفات پائی (۳۸۹)۔

ابن الجوزی نے اس کتاب کو حروفِ حتمی پر ترتیب دیا ہے اور یہ ترتیب ان کے باپ کے ناموں میں بھی موجود ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے نام سے معروف رواۃ کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ”باب الکئی“ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ جو اپنے نام کی بجائے کنیت سے معروف ہیں اور آخر میں ان کا ذکر کیا ہے جن کا نہ تو نام معلوم ہے اور نہ ہی کنیت، بلکہ وہ کسی اور کے نام سے معروف ہیں اور رواۃ پر تعدیل و تخریج کی ہے۔

میزان الاعتدال فی نقد الرجال

یہ کتاب ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی (ت ۷۴۸ھ) کی تالیف ہے۔ نقد رجال کے موضوع پر میزان الاعتدال کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس کتاب کا موضوع ضعیف راوی ہیں۔ جن راویوں کے بارے میں تھوڑا سا بھی کلام کیا گیا ہے ان کو بھی شامل کیا ہے۔ اگرچہ بعض ان کے نزدیک ثقہ ہیں۔ ثقہ راویوں کو ذکر کرنے کا مقصد، ان سے پہلے جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں ان ثقہ

راویوں کو ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ ان کے مقابلے میں ان کا دفاع ہے خود اس کی وضاحت کرتے ہیں۔ "فأصله وموضوعه فى الضعفاء، وفيه خلق كما قدمنا فى الخطبة من الثقات ذكرتهم للذتب عنهم ولأن الكلام فيهم غير مؤثر ضعفاً" (۳۹۰)۔

علامہ ذہبی نے گیارہ ہزار ترین (۱۱۰۵۳) روایات کے تراجم ذکر کیے ہیں۔ کتاب کو حروف تہجی پر ترتیب دیا ہے اور یہ ترتیب راویوں کے باپ کے ناموں میں بھی موجود ہے۔ روایت کو مختلف فصول اور ابواب کے تحت بیان کیا ہے جن کی فصول کی تفصیل حسب ذیل ہے:

- ۱۔ مردوں اور خواتین کے تراجم پر مشتمل ہے۔ جیسے الف، تا، یا، حروف معجم پر ترتیب دیا ہے۔
- ۲۔ کئیوں سے معروف روایت پر مشتمل ہے۔
- ۳۔ ان راویان حدیث پر مشتمل ہے جو اپنے نام سے معروف ہیں۔
- ۴۔ نسب سے معروف روایت پر مشتمل ہے۔
- ۵۔ غیر معروف روایت کے بارے میں ہے۔
- ۶۔ غیر معروف خواتین کے متعلق ہے۔
- ۷۔ خواتین کی کئیوں پر مشتمل ہے۔
- ۸۔ یہ فصل بغیر نام والے راویوں کے بارے میں ہے اور لفظ "والدہ" سے شروع ہوتی ہے۔ مثلاً والدہ خطاب بن صالح (۳۹۱)۔

مصنف نے کتب ستہ کے لیے بعض رموز استعمال کیے ہیں اور جس راوی کی کوئی روایت ان میں سے کسی کتاب میں ہو تو اس راوی کے نام کے ساتھ اس کتاب کی علامت تحریر بیان کی ہے۔ رموز یہ ہیں:

خ:	بخاری	م:	صحیح مسلم
د:	سنن ابی داؤد	ق:	سنن ابن ماجہ
ت:	سنن ترمذی	س:	سنن نسائی
ع:	سنن اربعہ	ع:	کتب ستہ (۳۹۲)

تراجم بیان کرتے ہوئے راوی کا نام اور اس کا سبب بیان کرنے کے بعد اس کے شیوخ و
 علامہ کا ذکر کرتے ہیں، پھر علماء جرح و تعدیل کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ جس راوی کو مجہول قرار دیا ہو
 اور اس قول کی نسبت قائل کی طرف نہ کی تو اپنی رائے لفظ ”فیہ جہالة“، ”نکرة“، ”یجهل“ لا
 يعرف، ”ثقة“، صدوق، صالح الحدیث جیسے دوسرے الفاظ سے ظاہر کرتے ہیں۔
 مصنف راویوں کے متعلق ائمہ جرح و تعدیل کی آراء کو نقل کرنے کے ساتھ ان پر خود بھی
 جرح و تنقید کرتے ہیں اور اگر کوئی راوی ان کے نزدیک ثقہ ہو تو اس پر کی گئی جرح کو رد کرتے ہوئے اس
 کی توثیق کرتے ہیں (۳۹۳)۔

لسان المیزان

یہ کتاب حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) کی تالیف ہے۔ مصنف نے علامہ ذہبی کی
 ”میزان الاعتدال“ کا اختصار کیا ہے اور حکم فیہ رواۃ کا اضافہ کیا ہے۔ اضافی ترجمہ کے بعد لفظ (ز) اور
 حافظ عراقی نے میزان الاعتدال پر حاشیہ سے جو اضافہ کیا ہے تو اس کے لیے لفظ (د) بطور رمز استعمال کیا
 ہے اور آخر میں ایک فصل کا اضافہ کیا ہے۔ اس میں ان تمام رواۃ کا ذکر کرنے کی کوشش کی ہے جو میزان
 الاعتدال میں نہیں ہیں یا ان سے رہ گئے۔

اس فصل کے شروع میں مؤلف نے اپنا منہج اور رموز کے بارے میں بتایا ہے۔ رموز میں سے
 کچھ کے مطلب یہ ہیں: ”صح“ راوی پر بلا دلیل جرح کی گئی۔ اس سے پہلے ”ع“ لکھا ہوا ہو تو اس کا
 مطلب ہے اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ مصنف نے اس کے دو فوائد بیان کیے ہیں:
 ۱۔ ان تمام راویوں کا تعارف جن کا ذہبی نے ”تذہیب العہد“ میں ذکر کیا ہے۔
 ۲۔ محققین کی سہولت کے لیے جو ان رواۃ کے بارے میں جاننا چاہیں (۳۹۳)۔

شیعہ کی کتب رجال

شیعہ کی کتب حدیث اصول اربعہ کے نام سے معروف ہیں۔ ان کے رواۃ بھی اپنے ہیں اور
 ان کی کتب رجال بھی علیحدہ ہیں۔ چند کتب کے نام درج ذیل ہیں:

- ۱۔ ابو عمرو کشی (ت ۳۷۰ھ) ”رجال کشی“ کے مؤلف ہیں ان کی یہ تالیف اہل تشیع کے ہاں معتبر ہے۔
- ۲۔ علامہ نجاشی (ت ۳۵۰ھ) نے ”رجال نجاشی“ لکھی۔ اس میں جاہل رجال کشی کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی کے پاس قدما کی لکھی گئی کتب رجال موجود تھیں۔ متعدد مقامات پر اس قسم کی عبارات ملتی ہیں۔ ایک جگہ یہ بھی ملتا ہے کہ حمزہ بن قاسم نے امام باقر کے رجال لکھے تھے۔
- ۳۔ رجال طوسی، یہ محمد بن حسن طوسی (م ۳۶۰ھ) ”تہذیب الاحکام“ اور ”الاستبصار“ کے مؤلف ہیں ان کی ایک فہرست بھی ہے جو اسماء الرجال میں ہے۔ رجال طوسی اس کے علاوہ ہے۔
- ۴۔ متاخرین میں محمد بن علی استرآبادی رجالی کے نام سے معروف ہیں۔
- ۵۔ علامہ باقانی کی کتاب ”تنقیح المقال“ شیعہ اسماء الرجال کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔

TRUEMASLAK@INBOX.COM

علم جرح و تعدیل کا تحقیقی جائزہ

سیرت نبوی کا ایک درخشندہ پہلو

رسول اللہ ﷺ کی ذات کائنات میں ایسی شخصیت ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک لوگوں کی رہنمائی کیلئے مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کی تعلیمات عالم گیر ہیں اور زندگی کے ہر معاملے میں آپ ﷺ کی زندگی سے نمونہ ملتا ہے۔ کائنات کے انسان اوّل سے لے کر آج تک کے انسانوں میں سے سب سے زیادہ محفوظ اور صحیح آپ ﷺ کی زندگی کے حالات ہیں۔ اس کا اعتراف مسلمان ہی نہیں مستشرقین بھی کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ کارنامہ ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کے ہر قول اور فعل کو بہت اچھے انداز سے محفوظ کیا۔ اس کے لیے انہوں نے زندگیاں وقف کیں۔ حدیث رسول ﷺ کے لیے سفر کیے، صعوبتیں برداشت کیں۔ انہیں کی محنتوں اور کاوشوں کا نتیجہ آج ہمارے سامنے علوم الحدیث کی شکل میں ہے۔ ابتدائی طور پر یہ علم حدیث یاد کرنے اور لکھنے تک محدود تھا لیکن آہستہ آہستہ اس علم میں ارتقاء ہوا۔ اس کی مختلف قسمیں بنیں۔ انہیں علوم میں علم اسماء الرجال مرتب ہوا۔ جس کی مثال کسی اور قوم میں نہیں ہے۔ اس کا ذکر مشہور مستشرق اسپرگر نے ”الاصابة فی تمييز الصحابة“ کے مقدمہ میں کیا۔ حدیث سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کے مکمل حالات مرتب کئے گئے تاکہ حدیث نبوی ہر شک و شبہ سے بالاتر ہو۔ اسماء الرجال میں سے پھر علم جرح و تعدیل نے الگ ایک علم کی حیثیت اختیار کی جس پر حدیث نبوی کی قبولیت اور عدم قبولیت کا مدار ہے۔

علم جرح و تعدیل کا بنیادی تعلق تو علم حدیث کے ساتھ ہے، لیکن سیرت طیبہ سے بھی دو وجوہ سے اس کا گہرا اور قریبی تعلق ہے، اور سیرت طیبہ کا صحیح اور مستند بیان علم جرح و تعدیل کو نظر انداز کر کے کسی صورت مکمل نہیں ہو سکتا۔ ایک تو اس لیے کہ سیرت طیبہ کا بہت بڑا حصہ خود کتب احادیث میں محفوظ ہے، جس سے استفادے کے لیے علم جرح و تعدیل سے کما حقہ واقفیت ضروری ہے۔ دوسرا خود کتب سیرت میں موجود روایات سیرت کی بھی جانچ اور پرکھ کے لیے علم جرح و تعدیل ہی واحد ذریعہ ہے۔ جب سے سیرت طیبہ پر نئے اسلوب اور تحقیق کے روایتی و بنیادی اصولوں کی روشنی میں کام کا آغاز ہوا

ہے، اس کے بعد علم سیرت کے نقطہ نظر سے بھی علم جرح و تعدیل کی اہمیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ ان سطور میں اسی پہلو کو سامنے رکھ کر علم جرح و تعدیل کے حوالے سے بنیادی معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ سب سے پہلے چند بنیادی تعریفیں بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ جرح کی تعریف

i۔ لغوی تعریف:

جرح جَرَحَ یَجْرَحُ کا مصدر ہے۔ جرح: اثر داء فی الجلد مجروح ”زخمی جلد پر بیماری کا نشان“۔ والاستجراح، النقصان والعیب والفساد ”الاستجراح بمعنی نقصان، عیب اور فساد ہے“ (۳۹۵)۔

ii۔ اصطلاحی تعریف

”الجرح فی اصطلاح المحدثین هو ظهور وصف فی الراوی یثلم عدالتہ، او یخل حفظہ وضبطہ“ (۳۹۶) (اصطلاح محدثین میں جرح سے مراد: ”راوی کے اس وصف کا ظاہر ہونا ہے۔ جس سے اسکی عدالت میں نقص پیدا ہو یا جس سے اسکا حافظہ خراب ہو جائے یا یادداشت میں خرابی ہو)۔

علامہ فہوی نے لکھا ہے: ”الجرح مما یترتب علیہ ردّ شہادۃ او خبرہ، او التوقف فیہ، والتجریع هو اثبات وصف من الاوصاف الجارحة“ (۳۹۷) (جرح پر اس کی راوی شہادت اور روایت کو رد کرنے کا مدار یا توقف ہے۔ تجریع مجروح کرنے والے اوصاف میں سے کسی وصف کا ثابت ہونا ہے)۔

ان دونوں تعریفوں سے معلوم ہوا کہ گواہ یا راوی کے وہ اوصاف جو تحقیق کے بعد اس کے عیوب کو ظاہر کریں اور ان کی بنا پر اس کی روایت اور گواہی کو رد کیا جائے جرح کہلاتے ہیں۔“

۲۔ عدالت کی تعریف

i۔ لغوی تعریف

عدالت اور تعدیل کا مادہ عدل ہے۔ یہ لفظ ظلم کا متضاد ہے ”العدالة

الاقتضاء فی الامور، وهو خلاف الجور وما وقع فی النفس انه مستقیم“ (۳۹۸) (عدالت معاملات میں میمانہ روی ہے اور یہ جور کے لفظ کا متضاد ہے جو چیز دل کے اندر بیٹھ جائے کہ وہ ٹھیک ہے)۔

ii: عدالت کی اصطلاحی تعریف

”العدالة انما هي التزام العدل، والعدل هو القيام بالفرائض واجتناب المحارم والضبط لما روى واخبر به فقط“ (۳۹۹) (عدالت، عدل کو لازم کرنا ہے۔ عدل سے مراد فرائض کا قیام ہے اور حرام چیزوں سے بچنا اور وہ چیز جو روایت کرے اور بتائے اس کو اچھی طرح سے یاد رکھنا ہے)۔ تعدیل محبت یا عادل قرار دیتا ہے۔ تحقیق کے بعد کسی گواہ یا راوی کو عادل قرار دیتا۔

iii: علم جرح و تعدیل کی تعریف

”فهو علم يبحث في احوال الرواة من حيث قبول رواياتهم اوردها بالفاظ مخصوصة ويرتب بفرق في مراتب تلك الالفاظ“ (۴۰۰) (علم جرح و تعدیل ایسا علم ہے جس میں راویوں پر انکی روایات کو قبول و رد کے لحاظ سے مخصوص الفاظ سے بحث کی جاتی ہے۔ اور ان الفاظ کے مراتب میں فرق کی بنا پر رواۃ کے مراتب مرتب کیے جاتے ہیں)۔

iv: علم جرح و تعدیل کی اہمیت

جرح و تعدیل علوم حدیث کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ جرح و تعدیل کا علم ہر عالم کو نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ کام تو فی الواقع انہیں ائمہ کا حصہ تھا جو اس فن میں کامل مہارت و امامت کا مقام رکھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ائمہ حضرات کو اپنے نبی ﷺ کی سنت کی حفاظت کے لیے پیدا فرمایا تھا۔ موجودہ دور میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنی ناقص و محدود عقل سے حدیثوں کو پرکھنے اور جانچنے کی کوشش کر رہے ہیں جو نہ صرف فن حدیث سے ناواقف بلکہ اسلام کے اصول و مبادی سے بھی نا آشنا ہیں۔ درحقیقت یہ مستشرقین کے فکری طائفہ اور مقلدین ہیں۔ مستشرقین نے جو شوگر کوئٹہ زہر انہیں اسلام کے خلاف پلایا ہے۔ یہ لوگ مختلف انداز میں اسی کو ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ احادیث کی صحت اور سقم کا اپنی جہالت کے باوجود فیصلہ کرنا انکی واضح دلیل ہے جو کہ مریدانہ گمراہی و خطا ہے۔

اس علم کی بنا پر ہی حدیث کی صحیح پرکھ ہوتی ہے اور روایۃ کا صحیح پتہ چلتا ہے۔ علم حدیث میں اس علم کا بہت بڑا حصہ ہے۔ روایۃ کی جانچ پرکھ کی بنا پر ہی احادیث کے صحیح، متواتر، شاذ، ضعیف، منکر، موضوع اور متصل ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ محدثین کی محنت شاقہ اور جدوجہد کے نتیجہ میں اصول جرح و تعدیل وضع ہوئے بعد میں بعض دیگر علوم میں بھی انہی اصولوں کو مد نظر رکھا گیا۔ لیکن اس علم کی ابتداء کا سہرا محدثین کے سر ہے باقی لوگ ان کے خوشہ چیں ہیں۔

علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں علم حدیث کی ترانویں (۹۳) انواع بیان کی ہیں اور ہر نوع کی مختلف اقسام بتائی ہیں۔ اس سے اس علم کی اہمیت و افادیت اور وسعت و جامعیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے متعلق محدثین نے کس طرح سے محنت کی ہے۔ علم جرح و تعدیل کے مطالعہ سے ہی راویوں کے مکمل حالات کی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ان کی دیانت، امانت، صداقت اور لین دین کیساتھ؟ وہ حدیث کے معاملے میں کیسے تھے؟ ان کا حافظہ کیسا تھا؟ اعلیٰ درجے کے محدث کے مقابلے میں اگر اس سے کم درجے کا محدث کسی معاملے میں مخالفت کرے تو وہ حدیث شاذ ہوگی۔ جس حدیث کے تمام راوی عادل، کامل الضبط اور دیگر اعلیٰ صفات رکھتے ہوں تو وہ صحیح کہلائے گی۔ حافظہ کی کمزوری ہو تو حسن بن جائے گی۔ اگر کوئی راوی استاد کا نام چھپا کر کسی اور طرح سے ظاہر کرنے یا جس روایت کو بیان کر رہا ہو وہ اس استاد سے نہ سنی ہو تو وہ مدلس کہلائے گا۔ ان تمام چیزوں کی جانچ پرکھ کے لیے محدثین نے اپنی زندگیوں وقف کر دیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی صحیح میں جن روایۃ سے بیان کیا ہے ان کے متعلق انہیں ہر قسم کی معلومات ہیں۔ اپنے علم و تقویٰ کے باوجود انہوں نے سولہ سال میں اپنی الجامع الصحیح کو مکمل کیا۔

تعدیل تو ظاہر ہے کہ روای کی مدح و ثنا ہے اس کے جواز میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ البتہ جرح بظاہر برائی و غیبت ہے جسے شریعت عام انسانوں کے لیے پسند نہیں کرتی چہ جائیکہ اہل علم کی زبان سے ہو اور وہ بھی اہل اسلام و اہل علم کے متعلق ہو۔ مگر چونکہ اس کا تعلق دین کی ایک اہم ضرورت ہے بلکہ دین و احکام کی حفاظت ہے۔ اس لیے اس کا اظہار ضروری ہے اور اس کو غیبت شمار نہیں کیا جاتا۔

۱۔ ابن سیرین کا مقولہ ہے: ”ان هذا العلم دين فانظروا عمن تاخذونه“ (۴۰۱)

علم دین ہے لہذا خوب اچھی طرح غور کر لیا کرو کہ تم اپنا دین کن لوگوں سے حاصل کر رہے ہو۔

۲۔ ابن مبارک کا قول ہے: ”الاسناد من الدین لو لا الاسناد لقال من شاء ما

شاء“ (۴۰۲) (اسناد دین کا ایک جزو ہے اگر یہ مبارک سلسلہ نہ ہوتا تو ہر شخص جو چاہتا کہتا)۔

۳۔ ابن سیرین کا بیان ہے: ”لم یكونوا یستقلون عن الاسناد حتی وقعت الفتنة

فلما وقعت نظروا من كان من اهل السنة، ومن كان من اهل البدع ترکوا

حدیثہ“ (۴۰۳) (وہ حضرات (صحابہ و تابعین) اسناد کے متعلق سوال نہیں کیا کرتے تھے مگر جب

فتنوں کا دور دورہ ہوا تو دیکھتے تھے کہ اہل سنت کون ہے۔ اور اہل بدعت کون ہے۔ اس صورت میں اہل

بدعت کی حدیث کو چھوڑ دیتے تھے)۔

اس لیے امت نہ صرف اسکے جواز کی بلکہ استحسان اور ضروری ہونے کی قائل رہی ہے اور اس کا

ثبوت قرآن اور حدیث میں موجود ہے ”یا ایہا الذین امنوا ان جاءکم فاسق نبیاً فتابیونوا

ان تصیبوا قوماً بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم ندمین“ (۴۰۴) (اے ایمان والو! اگر

کوئی فاسق آدمی تمہارے سامنے کوئی خبر بیان کرے تو چھان بین کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کو نقصان

پہنچا دو پھر اپنے کئے پر شرمندہ ہو)۔

امام خازن اس کے بارے میں فرماتے ہیں: ”اس امر کی وضاحت اور حقیقت کا انکشاف کرو

اور فاسق کی خبر پر اعتماد نہ کرو (۴۰۵)۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کے متعلق وضاحت فرمائی کہ تحقیق کے

بغیر بات نہ کی جائے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ”کفی بالمرء اثماً ان یحدث بکل ما

سمع“ (۴۰۶) (کسی انسان کے لیے یہ گناہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی بات کو آگے بیان کرے)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”واذا جاءهم امر من الامن او الخوف اذا عوابہ ولو

ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منہم لعلہ الذین یتستنبطونہ منہم ولو لا فضل

اللہ علیکم ورحمۃ لا تبعتم الشیطان الا قلیلاً“ (۴۰۷) (اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر

پہنچتی ہے خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اس کو رسول ﷺ کے اور جو ان

میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان تک پہنچائیں تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کر

لیا کرتے ہیں اور اگر تم لوگوں پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم سب کے سب شیطان کے پیرو ہو جاتے سوائے تھوڑے سے آدمیوں کے۔

حضور ﷺ سے تعدیل بھی منقول ہے اور جرح بھی حضرت عبداللہ بن عمر کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد: ”ان عبد اللہ رجل صالح“ (۴۰۸) (عبداللہ ایک نیک آدمی ہے) ان کے حق میں تعدیل ہے۔

حدیث نبوی ہے: ”عن عائشة ان رجلا استاذن علی النبی ﷺ فلما راه قال بئس اخو العشيرة وبئس ابن العشيرة، فلما جلس تطلق النبی ﷺ فی وجهه وانبسط الیہ فلما انطلق الرجل قالت له عائشة یا رسول اللہ ﷺ! حین رايت الرجل قلت له کذا وكذا ثم تطلعت فی وجهه وانبسطت الیہ فقال رسول اللہ ﷺ یا عائشة: متى عهدتني فاحشًا؟ ان شر الناس عند اللہ منزلة يوم القيامة من تركہ الناس اتقاء شرہ“ (۴۰۹) (حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول پاک ﷺ کے پاس آنے کی اجازت مانگی جب آپ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا قبیلے کا برا بھائی یا قبیلے کا برا بیٹا ہے۔ پھر جب وہ آپ ﷺ کے پاس بیٹھ گیا تو نبی کریم ﷺ کے چہرے سے خوشی کے اثرات نمایاں تھے پھر جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہ نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ جب آپ ﷺ نے اس آدمی کو دیکھا تو ایسے کہا اور پھر اس کے سامنے آپ ﷺ کے چہرے پر خوشی کے اثرات تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! آپ نے کب مجھے فحش پایا ہے۔ اللہ کے ہاں قیامت کے روز برے وہ لوگ ہیں جن کو ان کے شرکی وجہ سے لوگ چھوڑ دیں۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آ خر کب تک تم کروار کے ذکر سے گریز کرو گے، اسکی برائیاں بیان کرو تا کہ لوگ اس سے ہوشیار رہیں) (۴۱۰)۔

عدالت صحابہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”کنتم خیر امة اخرجت للناس تاملون بالمعروف وتنبهون عن المنکر وتؤمنون باللہ“ (۴۱۱) (تم بہترین امت ہو جن کو لوگوں کے لئے نکالا گیا تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان لاتے ہو)۔

حدیث نبوی ہے: ”لا تمس النار مسلما رآنی او رأی من رانی“ (۴۱۲) (جس

مسلمان نے مجھے دیکھا اسے آگ نہیں چھوئے گی اور جس نے اس مسلمان کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا، اسے بھی آگ نہیں چھوئے گی۔

عدالت صحابہ کے متعلق قرآن مجید کی کئی آیات، زبان نبوی سے متعدد احادیث میں ان کی عدالت بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح اہل ایمان کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں جب کہ کفار کی برائیاں بیان کی گئی ہیں۔

۵۔ علم جرح و تعدیل کا ارتقاء

جرح و تعدیل کا سلسلہ دور صحابہ میں شروع ہو چکا تھا۔ خوارج و روافض کے ظہور کے بعد تحقیق اور تفتیش روایت قبول کی جاتی تھی۔ قرآن و حدیث سے بھی جرح و تعدیل ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”مکنتم خیر امة اخرجت“ (۴۱۳) ”تم بہترین امت نکالی گئی ہو“۔

حزب فرمایا گیا: ”ان جاء کم فاسق نبأ فتبینوا“ (۴۱۴) (اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے سامنے کوئی خبر یا واقعہ بیان کرے تو چھان بین کر لیا کرو)۔ اس طرح ارشاد و ہدایت ہے: ”مکذلک جعلنا کم امة وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویكون الرسول علیکم شہیدا“ (۴۱۵) (اور ہم نے تم کو ایسی ہی ایک جماعت بنا دیا ہے جو اعتدال پر ہے تاکہ تم لوگوں کے مقابلے میں گواہ ہو اور تمہارے لیے رسول ﷺ گواہ ہوں)۔

حدیث نبوی ﷺ ہے: ”عن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ قال: مر رجل علی رسول اللہ فقال: ما تقولون فی هذا؟ قالوا: حری ان ینکح، وان شفیع ان یشفع وان قال ان یستمع له قال ثم مر رجل من فقراء المسلمین فقال: ما تقولون فی هذا؟ قالوا: حری ان ینکح، وان شفیع ان لا یشفع، وان قال ان لا یستمع الیه فقال رسول اللہ ﷺ: هذا خیر من ملء الارض مثل هذا“ (۴۱۶) (ایک آدمی رسول ﷺ کے پاس سے گزرا تو آپ نے فرمایا اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اگر یہ شخص نکاح کا پیغام لائے تو اسے قبول کیا جائے اور اگر سفارش کرے تو سفارش قبول کی جائے گی۔ اگر یہ بات کہے تو اس کی بات سنی جائے گی۔ پھر مسلمان فقراء میں سے

ایک آدمی گزرا تو آپ ﷺ نے پوچھا آپ کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے تو انہوں نے کہا اگر یہ نکاح کا پیغام بھیجے تو اس کو قبول نہ کیا جائے گا اور اگر سفارش کرے تو سفارش قبول نہیں کی جائے گی اور کہے تو اس کی بات کو بھی نہیں سنا جائے گا۔ رسول ﷺ نے فرمایا: ”یہ اُس جیسے لوگوں سے بہتر ہے خواہ اُن سے تمام زمین بھر جائے۔“

اس حدیث کے اندر اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی کسی شخص یا بات کے متعلق بتائے کہ اس کی دینی حیثیت کیا ہے اور ایسا کہنا غیبت نہیں کیونکہ حضور ﷺ نے خود اس کے بارے میں بتایا تا کہ اگر وہ سچا آدمی ہو تو اس کا لوگوں کو پتہ چلے اور اگر جھوٹا آدمی ہو تو اس کے بارے میں بھی لوگوں کو پتہ چل جائے (۴۱۷)۔

امام حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری فرماتے ہیں ”جن صحابہ و تابعین و ائمہ سے جرح و تعدیل ثابت ہے ان کو دس طبقات پر تقسیم کیا گیا ہے اور ہر طبقہ میں سے چار افراد کو لیا گیا ہے۔ طبقہ اولیٰ میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ ہیں۔ ان حضرات نے جرح و تعدیل اور روایات کی صحت و سقم پر بحث کی ہے اور دسویں طبقہ میں ابو اسحاق ابراہیم بن حمزہ اسمعہانی، ابو علی نیشاپوریؒ، ابو بکر محمد بن عمر بن سلمہ بغدادیؒ اور ابو القاسم حمزہ بن علی کنانی مصریؒ ہیں“ (۴۱۸)۔ صحابہ میں سے سب سے پہلے ابو بکرؓ نے جرح و تعدیل فرمائی۔

حضرت ابو بکرؓ کے پاس کسی کی دادی میراث کے بارے میں سوال کرنے کے لیے آئیں تو آپؓ نے فرمایا: ”قرآن اور حدیث میں اسکے بارے میں کوئی حکم نہیں پاتا میں لوگوں سے پوچھ کر بتاؤں گا۔“ جب لوگوں سے پوچھا تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے جواب دیا کہ دادی کو چھنا حصہ ملنا چاہیے۔ حضور ﷺ سے ایسا ہی مروی ہے۔ ابو بکر صدیقؓ نے اس پر کوئی گواہ مانگا تو محمد بن سلمہؓ نے اس پر گواہی دی (۴۱۹)۔ اس طرح حضرت عمر فاروقؓ بھی احادیث رسول ﷺ کے سلسلہ میں بہت محتاط تھے۔ امام ذہبی ان کے متعلق فرماتے ہیں: ”وہو الذی سنّ للمحدثین الثبوت فی النقل و ربما کان یتوقف فی خبر الواحد إذا ارتاب“ (وہی ہیں جنہوں نے نقل حدیث میں ثبوت کو محدثین کے لیے جاری کیا۔ جب کبھی خبر واحد کے متعلق شک ہوتا تو توقف فرماتے)۔

حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے حضرت ابوموسیٰؓ نے دروازے کے پیچھے سے تین دفعہ حضرت عمرؓ کو سلام کہا۔ انہوں نے اجازت نہ دی (نہ جواب دیا)۔ وہ لوٹ گئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کے پیچھے پیغام بھیجا اور پوچھا کہ آپ لوٹ کیوں گئے تھے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا تھا: ”اذا سلم احدکم ثلاثا فلم یجب فلیرجع“ (جب آپ میں سے کوئی تین دفعہ سلام کرے اور اسے جواب نہ دیا جائے لوٹ جائے)۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ اس بات پر کوئی دلیل (گواہ) لائیں ورنہ میں نہ چھوڑوں گا (لا فعلن بك)۔ حضرت ابوموسیٰؓ ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ ان کا رنگ متغیر تھا۔ ہم نے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا اور پوچھا کہ آپ میں سے کسی نے یہ سنا ہے۔ ہم نے کہا ہم تمام نے سنا ہے۔ انہوں (صحابہؓ) نے ایک آدمی ان کے ساتھ بھیج دیا اور اس نے حضرت عمرؓ کو جا کر بتایا۔ حضرت عمرؓ نے اس بات کو پسند فرمایا کہ حضرت ابوموسیٰؓ کی خبر کی تائید ہو جائے۔ اس کو نقل کر کے امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: ”نفی هذا دلیل علی الخبر اذا رواه ثقتان کانا اقوی وارجع مما انفرد به واحد“ (۳۲۰) (اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث کو جب دو ثقہ راوی بیان کریں تو زیادہ رائج ہوتی ہے نہایت اس کے جس کو ایک بیان کرے)۔

حضرت علیؓ جب کسی سے حدیث سنتے تو یقین کرنے کے لیے حلف لیتے تھے۔ اگرچہ وہ ثقہ اور مامون ہوتا۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ جب میں پیغمبر ﷺ سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ جو چاہتا مجھے اس سے نفع دیتا اور جب میں کسی اور سے حدیث سنتا تو میں اس سے قسم لیتا۔ حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے حدیث بیان کی اور ابوبکرؓ نے مجھ سے پوچھا: ”قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ما من عبد مسلم یذنب ذنباً ثم یتوضأ ویصلی رکعتین ثم یتستغفر اللہ الا غفر له“ (۳۲۱) (انہوں (ابوبکرؓ) نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے ہیں کوئی مسلمان اگر کوئی گناہ کرے پھر وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے اور استغفار کرے تو اسے بخش دیا جائے گا)۔

صحابہ کرامؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ وغیرہ اپنے ساتھی صحابہ کرامؓ وغیرہ کو حدیث کے معاملے میں متہم نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ایسا احتیاط کے تقاضے سے کرتے تھے تاکہ کوئی آدمی ایسی جرأت

نہ کر سکے (۳۲۲)۔

حافظ وہابی فرماتے ہیں کہ رجال پر کلام بہت سے صحابہ کرام نے کیا ہے، تابعین کے عہد میں اس سلسلے میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ آگے چلتا رہا۔

چند آئمہ جرح و تعدیل

یوں تو بڑے بڑے محدثین نے مختلف راویوں پر بحث کی ہے۔ لیکن جو حضرات اس موضوع پر زیادہ مشہور ہوئے، انہیں جرح و تعدیل کے امام کہا جاتا ہے۔ ابن الصلاح نے صالح بن محمد الجزری سے بیان کیا کہ پہلے جس نے اماموں میں سے رجال کے متعلق کلام کیا شعبہ بن الحجاج، یحییٰ بن سعید القطان پھر احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ ہیں۔ انہوں نے بطور علم اس پر کام کیا ہے۔ ان سے قبل رسول اللہ ﷺ اور بہت سے صحابہ کرامؓ اور تابعین نیز ان کے بعد آنے والوں سے جرح و تعدیل کا کلام ثابت ہے (۳۲۳)۔ مندرجہ ذیل حضرات اس ابتداء کی طور پر اس باب میں بہت معروف رہے ہیں:

- ۱۔ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج (ت ۱۲۰ھ)
- ۲۔ امام سفیان ثوری (ت ۱۶۱ھ)
- ۳۔ امام مالکؒ (ت ۱۷۹ھ)
- ۴۔ عبد اللہ بن مبارک (ت ۱۸۱ھ)
- ۵۔ سفیان بن عیینہ (ت ۱۹۷ھ)
- ۶۔ وکیع بن الجراح (ت ۱۹۷ھ)
- ۷۔ یحییٰ بن سعید القطان (ت ۱۹۸ھ)
- ۸۔ عبد الرحمن بن مہدی (ت ۱۹۸ھ)
- ۹۔ یحییٰ بن معین (ت ۲۲۳ھ)
- ۱۰۔ علی بن المدینی (ت ۲۳۳ھ)
- ۱۱۔ امام احمد بن حنبلؒ (ت ۲۴۱ھ)
- ۱۲۔ امام بخاری (ت ۲۵۶ھ)

۱۳۔	امام مسلم	(ت ۵۲۶۱)
۱۴۔	ابوزر عدرازی	(ت ۵۲۶۳)
۱۵۔	ابوداؤد سجستانی	(ت ۵۲۷۵)
۱۶۔	امام نسائی	(ت ۵۳۰۳)
۱۷۔	ابوحاتم رازی	(ت ۵۳۲۷)
۱۸۔	عبد اللہ بن عدی	(ت ۵۳۶۵)
۱۹۔	امام ابو عبد اللہ حاکم	(ت ۵۴۰۵)
۲۰۔	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	(ت ۵۴۶۳)
۲۱۔	ابو عمر یوسف بن عبد البر	(ت ۵۴۶۳)
۲۲۔	ابن الجوزی	(ت ۵۵۹۷)
۲۳۔	ابن الاثیر	(ت ۵۶۰۲)
۲۴۔	امام ذہبی	(ت ۵۷۲۸)
۲۵۔	ابن حجر	(ت ۵۸۵۲)
۲۶۔	دارقطنی	(ت ۵۳۸۵)

ان حضرات نے جرح و تعدیل کے قوانین وضع کیے۔ رواد حدیث کے درجات متعین کیے اور ایک لاکھ کے قریب اشخاص کے حالات زندگی چھان مارے۔ یہی وہ حضرات ہیں جنہوں نے علم نبی کو نکھارا۔ یہ امت مسلمہ کا ایسا عظیم علمی کارنامہ ہے کہ اقوام عالم میں اسکی نظیر نہیں ملتی۔

دوسری صدی آئی تو اسلام میں مزید بہت سے نئے نئے فرقے پیدا ہوئے۔ حافظ ذہبی ”تذکرۃ الحفاظ“ میں فرماتے ہیں۔ ”اس طبقہ کے دور میں دولت اسلامیہ بنی امیہ سے بنی عباس کی طرف ۱۳۲ھ میں منتقل ہوئی۔ اسی زمانے میں بصرہ میں عمرو بن عبیدہ اور واصل بن عطاء نمایاں ہوئے۔ جنہوں نے لوگوں کو مذہب اعتزال کی طرف دعوت دی۔“

حافظ شمس الدین سخاویؒ لکھتے ہیں: ”جب تابعین کا دور ختم آیا، یعنی ۱۵۰ھ کے قریب تو آخر

کی ایک جماعت نے توشیح و تصنیف پر ہا قاعدہ کلام کیا۔ حافظ سیوطی فرماتے ہیں: ”یہ جو کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے رجال پر شعبہ بن حجاج اور یحییٰ بن سعید قطان نے کلام کیا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے ہا قاعدہ جرح و تعدیل کو فن کی حیثیت دی اور اس کو مدون کیا“ (۴۲۳)۔

۶۔ شروط جرح و تعدیل

شروط تعدیل

قبول تعدیل کے چار شروط ہیں:

- ۱۔ معدل عادل ہو: فاسق کی تعدیل مقبول نہیں ہوگی۔
- ۲۔ معدل معیض ہو: مغفل نہ ہو کہ راوی کے حالات ظاہری سے دھوکہ کھا جائے۔
- ۳۔ معدل اسباب تعدیل کا عارف ہو: جو صفات قبول و رد کو نہ جانتا ہو اس کی تعدیل مقبول نہیں ہوگی۔
- ۴۔ وہ پرہیزگار ہو: اس کی پرہیزگاری اس کو تعصب اور خواہشات سے روکے (۴۲۵)۔

شروط جرح:

قبول جرح کے پانچ شروط ہیں:

- ۱۔ جارح عادل ہو، فاسق کی جرح مقبول نہیں ہوگی۔
 - ۲۔ جارح معیض ہو، مغفل کی جرح مقبول نہیں ہوگی۔
 - ۳۔ جارح اسباب جرح کا عارف ہو، غیر عارف کی جرح مقبول نہیں ہوگی۔
 - ۴۔ جارح اسباب جرح کا بیان کرنے والا ہو، جرح مبہم مقبول نہیں ہوگی۔
- اس سلسلے میں حافظ ابن حجرؒ جرح مبہم کے قبول کے قائل ہیں۔ الا یہ کہ جن رداۃ کی عدالت معلوم ہے ان کے بارے میں جرح مبہم اس وقت تک قبول نہیں کرتے جب تک کہ سبب جرح بیان نہ کر دیا جائے۔

- ۵۔ جن کی امامت لوگوں کے درمیان مشہور ہو اور جن کی عدالت حد قوا تر کو پہنچتی ہو ایسے اماموں پر واقع جرح غیر مقبول ہوگی جیسے نافع، شعبہ، مالکؒ اور بخاریؒ وغیرہ (۴۲۶)

۷۔ تعارض جرح و تعدیل

تعارض جرح و تعدیل کی چار حالتیں ہیں:

اؤل: جرح و تعدیل دونوں ہی مبہم ہوں۔ یعنی اسباب جرح یا اسباب تعدیل غیر منسہر ہوں ایسی صورت میں اگر ہم جرح مبہم کے عدم قبول کے قائل ہوتے ہیں تو گویا تعدیل مبہم کے قبول کے قائل ہوئے کیونکہ فی الواقع اسکا کوئی تعارض نہیں۔ اگر جرح مبہم کے قائل ہوتے ہیں اور یہی راجح ہے تو اس وقت تعارض لازم آتا ہے۔ پس راجح پر عمل ہوگا۔ مرجحات یہ ہیں:

۱۔ قائل عادل ہو۔

۲۔ راوی کے حالات کو اچھی طرح جاننے والا ہو۔

۳۔ اسباب جرح و تعدیل کا جاننے والا ہو۔

۴۔ کثرت تعداد کی رعایت کی جائے گی۔ جارج کی تعداد زیادہ ہو تو وہ مجروح سمجھا جائے گا۔ اگر معدل کی تعداد زیادہ ہو تو اس کو عادل سمجھا جائے گا۔

حانی: جرح و تعدیل دونوں ہی منسہر ہوں یعنی اسباب جرح یا اسباب تعدیل متین ہوں تو جرح مقبول ہوگی۔ کیونکہ جارج کے پاس زیادہ علم ہے۔ اگر کوئی معدل یہ کہے کہ جن اسباب کی بنا پر اس کو مجروح کیا گیا ہے وہ اسباب و بنیاد ازل ہو گئے ہیں۔ اس وقت تعدیل مقبول ہوگی کیونکہ معدل کے پاس زیادتی علم ہے۔

حالف: تعدیل مبہم ہو اور جرح منسہر ہو تو اس وقت جرح مقبول ہوگی۔ کیونکہ جارج کے پاس زیادتی علم ہے۔

راوی: جرح مبہم ہو اور تعدیل منسہر ہو تو اس وقت تعدیل مقبول ہوگی راجح ہونے کی بنا پر (۴۲۷)۔

۸۔ وجہ طعن فی راوی

طعن راوی کے دس اسباب ہیں جن میں سے پانچ کا تعلق عدالت سے ہے اور پانچ کا تعلق ضبط سے ہے۔

(الف) طعن متعلقہ عدالت

- ۱۔ کذب ۲۔ تہمت کذب ۳۔ بدعت
۴۔ فسق ۵۔ جہالت

(ب) طعن متعلقہ ضبط

- ۱۔ زبانی اغلاط۔ ۲۔ یادداشت کی خرابی
۳۔ غفلت و لاپرواہی ۴۔ کثرت و ہم۔
۵۔ مخالفت ثقات (۳۲۸)

۹۔ مراتب جرح و تعدیل

تعدیل کے مراتب اور ان کے الفاظ:

(الف) ”ما دل علی المبالغة فی التوثیق أو کان علی وزن أفعّل۔ وہی أرفعها مثل، فلان الیہ المنتہی فی التثبت، أو فلان أثبت الناس“ (کسی راوی کی توثیق میں مبالغہ پر مشتمل لفظ یا اسم تفضیل ہو جو فعل کے وزن پر آئے۔ یہ تعدیل کے سب سے ارفع معیار کو ظاہر کرتا ہے مثلاً یوں کہا جائے فلاں شخص وہ ہے جس پر حجت اور پختہ روی کی انتہا ہوتی ہے یا فلاں شخص وہ ہے جو لوگوں میں سب سے زیادہ ثقاہت کا حامل ہے)۔

(ب) ”ثم ما تاکد بصفة أو صفتین من صفات التوثیق کثقة ثقة، أو ثقة ثبت“ (۳۲۹) (پھر توثیق کے لیے ایک یا دو صفات استعمال کر کے توثیق کو موکد بنایا گیا ہو جیسے ”ثقة ثقة“ یا ”ثقة ثبت“)۔

(ج) ”ثم ما عبر عنه بصفة دالة علی التوثیق من غیر توکید کثقة، أو حجة“ (۳۳۰) (اس کے بعد توثیق کا درجہ ہے جس میں ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہو جو توثیق پر دلالت کرتا ہو لیکن اس کی تاکید نہ ہو جیسے کہا جائے ثقة یا حجة)۔

(د) ”ثم ما دل علی التعديل من دون اشعار بالضبط، کصدوق۔ أو محله

الصدق، أو لا بأس به عند غير ابن معين، فان "لا بأس به" اذا قالها ابن معين في الراوى فهو عنده ثقة" (۳۳۱) (ایسے الفاظ جو راوی کی تعدیل پر دلالت کریں لیکن اس میں ضبط شامل نہ ہو۔ مثلاً کہا جائے "صدوق" یا "محلہ الصدق" یا "لا بأس" بہ وغیرہ البتہ "لا بأس بہ" کا فقرہ ابن معین کسی راوی کے سلسلے میں استعمال کریں تو یہ فقرہ ثقہ اور پوری طرح با اعتماد راوی ہی کے بارے میں استعمال کرتے ہیں)۔

(ه) "ثم ما ليس فيه دلالة على التوثيق او التحريج، مثل فلان شيخ، او روى عنه الناس" (پھر ایسے الفاظ بھی ہوتے ہیں جن میں راوی کو توثیق یا تحریج کی کوئی علامت نہیں ہوتی جیسے کوئی کہے "فلان شيخ" یا "روى عنه الناس" (فلاں شیخ ہے یا لوگوں نے اس سے روایت کیا)۔

(و) ثم ما أشعر بالقرب من التحريج: مثل: فلان صالح الحديث أو يكتب حديثه (۳۳۲) (پھر ایک ایسا طریق بیان بھی ہے جو جرح راوی کی طرف اشارہ کرنے والا ہے جیسے فلاں صالح الحديث یعنی فلاں شخص روایت حدیث کی صلاحیت رکھتا ہے یا اس کی حدیث کو لکھا جاتا ہے)۔

جرح کے مراتب اور اس کے الفاظ

الف: ما دل على التليين: وهى أسهلها فى الجرح مثل: فلان لين الحديث أو فيه مقال (نرم رویہ پر دلالت کرنے والے الفاظ، جیسا کہ کہا جائے "فلاں لین الحديث یا فيه مقال" (فلاں حدیث میں نرم ہے یا اس میں گھٹکو ہے)۔

ب: "ثم ما صرح بعدم كتابة حديثه ونحوه، مثل: فلان لا يكتب عنه، أو لا تحل الرواية عنه أو ضعيف جدًا، أو واه بمرّة" (پھر ایسے الفاظ جن میں زیر بحث راوی کی روایات کی عدم کتابت کی مراحات ہو جائے۔ مثلاً "فلاں لا يكتب" یا "لا تحل الرواية وغيره" یا "واه بمرّة"۔

ج: "ثم ما صرح بعدم الاحتجاج به وشبهه: مثل فلان لا يحتج به، أو

ضعیف، اولہ مناکیر“ (پھر ایسے الفاظ جن میں ناقابل حجت ہونے کی صراحت اور اس سے ملنے چلتے الفاظ ہوں۔ مثلاً ”فلان لا یحتج“ یا ”ضعیف“ یا ”لہ مناکیر“۔)

و: ”ثم ما فيه اتهام بالكذب أو نحوه: مثل فلان متهم بالكذب، أو متهم بالوضع، أو يسرق الحديث، أو ساقط، أو متروك، أو ليس بثقة“ (پھر وہ الفاظ جن کے ذریعے راوی پر جھوٹ وغیرہ تہمت لگائی جائے مثلاً ”فلان متهم بالكذب“ یا ”فلان متهم بالوضع“ یا ”يسرق الحديث“ یا ”ساقط“ یا ”متروك“ یا ”ليس بثقة“۔)

ھ: ”ثم ما دل على وصفه بالكذب ونحوه: مثل كذاب أو دجال أو وضاع“ (پھر ایسے الفاظ جو اس کے جھوٹ ہونے پر دلالت کرتے ہوں مثلاً ”كذاب“ ”دجال“ یا ”وضاع“۔)

و: ثم ما دل على المبالغة في الكذب (وہی اسوھا) مثل فلان أكذب الناس، أو اليه المنتهى في الكذب، أو هو ركن الكذب (پھر وہ الفاظ جو اس کے جھوٹ کی عادت کی انتہا کو بیان کریں۔ یہ صورت سب سے بری ہے مثلاً ”فلان أكذب الناس“ یا ”اليه المنتهى في الكذب“ یا ”هو ركن الكذب“ (۴۳۳)۔

۱۰۔ کتب جرح و تعدیل

(الف) کتب ضعفاء

- ۱۔ علل حدیث و معرفۃ الرجال، علی بن المدینی (م ۲۳۳ھ)۔
- ۲۔ کتاب الضعفاء، یحییٰ بن معین (م ۲۳۳ھ)۔
- ۳۔ کتاب العلل و معرفۃ الرجال، احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)۔
- ۴۔ کتاب الضعفاء، محمد بن عبد اللہ البرقی الزہری مولانا (م ۲۳۹ھ)۔
- ۵۔ الضعفاء الصغیر، محمد بن اسماعیل البخاری (م ۲۵۶ھ)۔
- ۶۔ احوال الرجال، ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی (م ۲۵۹ھ)۔
- ۷۔ الضعفاء والمترکون، ابو زرعہ عبد اللہ بن عبد الکریم بن یزید الرازی (م ۲۶۲ھ)۔

- ۸۔ الضعفاء والمتر وكون من اصحاب الحديث، ابو عثمان سعيد بن عمرو بن عمار الازدي البرزعي (م ۲۹۲ھ)۔
- ۹۔ الضعفاء والمتر وكون، ابو عبد الرحمن احمد بن علي بن شعيب بن علي التستائي (م ۳۰۳ھ)۔
- ۱۰۔ الضعفاء، ابو يحيى زكريا الساجي (م ۳۰۷ھ)۔
- ۱۱۔ الضعفاء، ابو بشر محمد بن حماد الدولابي (م ۲۳۰ھ)۔
- ۱۲۔ كتاب الضعفاء، ابو العرب محمد بن احمد بن تميم التميمي (م ۳۳۳ھ)۔
- ۱۳۔ كتاب الضعفاء والمتر وكون، ابو الحسين علي بن احمد بن المهدي الدارقطني (م ۳۸۵ھ)۔
- ۱۴۔ الضعفاء، ابو تميم الاصمعي (م ۴۳۰ھ)۔
- ۱۵۔ كتاب الضعفاء والمتر وكون، ابو الفرج بن الجوزي (م ۵۹۷ھ)۔

کتاب ثقات

- ۱۔ الثقات، ابو اسحاق ابراهيم بن يعقوب بن اسحاق السعدي الجوزجاني (م ۲۵۹ھ)۔
- ۲۔ الثقات ابو الحسن احمد بن عبد الله العجلي (م ۲۶۱ھ)۔
- ۳۔ الهدية والارشاد في معرفة اهل الثقة والسند، ابو نصر احمد بن محمد الكلاباذي (م ۳۱۸ھ)۔
- ۴۔ الثقات، ابو العرب محمد بن احمد التميمي (م ۳۳۳ھ)۔
- ۵۔ الثقات، محمد بن احمد بن حبان البستي (م ۳۵۳ھ)۔
- ۶۔ تاريخ اسماء الثقات، عمر بن احمد بن شاہين الواعظ (م ۳۷۵ھ) (مقدمه الجرح والتعديل، ۱۶۷ تا ۱۳۹)۔
- ۷۔ ذكر اسماء تابعين ومن بعدهم۔۔۔ ابو الحسن علي بن عمر الدارقطني (م ۳۸۵ھ)۔
- ۸۔ تذكرة الحفاظ، شمس الدين الذهبي (م ۷۴۸ھ)۔

کتاب ثقات وضعفاء

- ۱۔ التاريخ الكبير، ابو عبد الله محمد بن اسماعيل بخاري (م ۲۵۶ھ)۔
- ۲۔ التاريخ الاوسط، ابو عبد الله محمد بن اسماعيل بخاري (م ۲۵۶ھ)۔

- ۳۔ تاریخ الصغیر، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری (م ۲۵۶ھ)۔
- ۴۔ الجرح والتعديل، ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم الرازی (م ۳۴۷ھ)۔
- ۵۔ اخبار اصحاب، ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی (م ۴۳۰ھ)۔
- ۶۔ تاریخ بغداد، ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ)۔
- ۷۔ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ابو العجاج یوسف بن المزی (م ۷۴۲ھ)۔
- ۸۔ الذکرۃ فی رجال العشرہ، ابو عبد اللہ محمد بن علی الحسینی (م ۷۶۵ھ)۔
- ۹۔ المغنی فی ضبط الرجال محمد طاہر ثنی (ت ۹۸۶ھ) (۴۳۴)۔

فہم تخریج حدیث: ایک مطالعہ

لغوی مفہوم

- ۱۔ تخریج ”اخراج“ سے لیا گیا ہے جس کے معنی خارج ہونے کے ہیں۔
- ۲۔ کسی ایک چیز میں دو متضاد محاطات کا اکٹھا ہونا بھی تخریج کہلاتا ہے اس لفظ کے کئی معنی ہیں ان میں زیادہ اہم استنباط، تدریب اور توجیہ ہیں (۴۳۵)۔ احمد بن فارس نے ”تخریج“ کے معنی لکھے ہیں:
 - ۱۔ النفاذ عن الشيء: (کسی چیز سے نکلتا)۔
 - ۲۔ اختلاف اللونین: (دو رنگوں کا اختلاف) (۴۳۶)۔
- ابن منظور نے لکھا ہے: خارج کل شیء: (ہر چیز کا ظاہر)، وخرجت خوارج فلان: ظہرت نجابتہ: (اس کی شرافت ظاہر ہو گئی)۔ وخراج: اسم لعبة لهم معروفة، وهو أن يمسك أحدهم شيئاً بيده ويقول لسايرهم: اخرجوا مافى يدي: (یہ ایک معروف کھیل کا نام ہے وہ اس طرح سے کہ ایک شخص کسی چیز کو اپنے ہاتھ میں پکڑتا ہے۔ اور باقی لوگوں سے کہتا ہے جو میرے ہاتھ میں ہے اسے نکالو) (۴۳۷)۔
- امام بغوی نے آیت: ”أخرج ضحها“ کی تفسیر میں لکھا ہے: ای ابرز و اظہر نہارها (۴۳۸) (اس نے اپنے دن کو ظاہر کیا)۔ المعجم الوسيط میں ہے:
 - ۱۔ خرج خروجاً: برز من مقره أو حاله وانفصل: (وہ اپنے مقام سے نکلا یا کسی حالت سے نکلا اور الگ ہو گیا)۔
 - ۲۔ خرجت السماء: اصحت وانقشع عنها الغيم: (آسمان صاف ہو گیا اور اس سے بادل چھٹ گئے)۔
 - ۳۔ خرجت خوارج فلان: خرجت نجابتہ: (اس کی شرافت ظاہر ہو گئی)۔
 - ۴۔ خرج من الامراو الشدة: خَلَصَ منه: (وہ محاطے یا سختی سے نکل گیا، یعنی نجات پا گیا)۔

- ۵۔ خرج من دينه: قضاہ: (اس نے قرضہ ادا کر دیا)۔
- ۶۔ خرج على السلطان: تمرد: (اس نے حکمران کے خلاف سرکشی کی)۔
- ۷۔ خرج في العلم او الصناعة: (وہ علم میں یا کسی صنعت میں فائق ہو گیا)۔
- ۸۔ اخرج الحديث: نقلہ بالاسانید الصحيحة (اس نے احادیث کو صحیح اسانید سے نقل کیا) (۳۳۹)۔

مصباح اللغات میں ہے: خرج ومخرجا من موضعه: نکلنا، فی العلم: فائق ہونا، بہ: نکالنا، علیہ، جنگ کے لئے نکلنا، الرعية على الملك: سرکشی وبغاوت کرنا،۔ الی فلان من دینہ: ادا کرنا، خرجہ من المكان: نکالنا۔ الارض: خراج مقرر کرنا، خرج المسئلة: مسئلہ کی توجیہ کرنا، خرج الولد فی الادب: مہذب و تجربہ کار بنانا، العمل: ایک دوسرے کے مخالف مختلف قسم کے کام کر دینا، خرج الغلام اللوح: کچھ لکھنا اور کچھ چھوڑ دینا (۳۴۰)۔

اصطلاحی مفہوم

- ۱۔ تخریج سے مراد اصلی مصادر میں سے حدیث کے مقام کی دلالت ہے جس میں اس کو سند کے ساتھ بیان کیا گیا ہو۔ پھر ضرورت کے وقت اس کا مرتبہ بیان کرنا ہے۔
- ۲۔ کسی چیز کو باضابطہ انداز سے لکھنا اور اس کا پورا حوالہ دینا تخریج کہلاتا ہے۔
- ۳۔ کتب فقہ و تفسیر وغیرہ کی احادیث کو جداگانہ مجموعوں میں جمع کرنا۔
- ۴۔ حدیث کی کسی کتاب سے خاص قسم کی احادیث مثلاً مرفوع، متصل، مرسل وغیرہ کو الگ کرنا۔
- ۵۔ حدیث کا حوالہ دینے کیلئے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ یہ حدیث ہمیں کہاں سے ملے گی۔ اس کی درست نشاندہی کرنے کو تخریج حدیث کہتے ہیں (۳۴۱)۔

غماری نے لکھا ہے:

- ۱۔ تخریج احادیث کو ان کتب کی طرف منسوب کرنا ہے۔ جن میں وہ بیان ہوئی ہیں۔ ان پر صحت اور ضعف کے لحاظ سے کلام کیا جائے یا محض اصل کتب کی طرف منسوب کر دیا جائے (۳۴۲)۔

۲۔ اخراج: اس کا مطلب حدیث کو اسناد کے ساتھ رسول ﷺ تک رواۃ کا بیان ہے اگر مرفوع ہو تو رسول اللہ ﷺ تک بیان ہے۔ اگر موقوف تو صحابی تک بیان ہے اگر مقطوع ہو تو تابعی تک بیان ہے (۴۴۳)۔

ابن الصلاح نے کہا: محدثین کے ہاں تصنیف کے دو طریقے ہیں: احداہما: التصنیف علی الأبواب، وهو تخریجہ علی أحكام الفقہ وغیرہا (۴۴۴) (ایک ابواب کے لحاظ سے تصنیف وہ احکام فقہ وغیرہ کے لحاظ سے تخریج ہے)۔ اس کا مطلب لوگوں کے سامنے لانا اور اپنی کتاب میں بیان کرنا ہے۔

اخراج الحدیث کا معنی اصل کتب میں اس کا بیان کرنا ہے امام بخاری نے لکھا ہے: التخریج اخراج المحدث الأحادیث من بطون الأجزاء والمشیخات والکتب ونحوها ومیاقہا من مرویات نفسه أو بعض شیوخہ أو أقرانہ أو نحو ذلك والکلام علیہا وعزوها من رواہا من أصحاب الکتب والدواوین (۴۴۵) (محدث کا احادیث کو اجزائے احادیث، مشیخات اور کتب سے روایت کرنا ہے۔ اسے اپنی مرویات میں سے، یا اپنے بعض اساتذہ کی مرویات سے، یا اپنے ہم عصروں وغیرہ سے روایت کرنا، ان پر گفتگو کرنا اور کتب احادیث اور دواوین احادیث میں سے جس کسی نے بیان کیا ہو تو اس کی طرف منسوب کرنا ہے)۔

امام سیوطی نے اپنی کتاب الجامع الصغیر میں فرمایا: بالغت فی تحریر التخریج (میں نے تخریج کی پوری کوشش کی ہے)۔ امام عبدالرؤف المناوی نے سیوطی کی اس عبارت کی شرح میں لکھا ہے: بمعنی اجتہدت فی تہذیب عزو الأحادیث الی مخرجیہا من أئمة الحدیث، من الجوامع والسنن والمسانید، فلا أعزو الی شیء منها إلا بعد التفتیش عن حاله وحال مخرجه، ولا أکتفی بعزوه من لیس من أہلہ - وإن جل - کعظماء المفسرین (۴۴۶) (میں نے احادیث کو ان کے اصل مصادر کی طرف منسوب کرنے کی انتہائی کوشش کی ہے۔ آئمہ حدیث میں جس امام نے اس حدیث کو اپنی الجامع، السنن یا المسند میں روایت کیا، میں کسی حدیث کو اس کو بیان کرنے والے کی طرف تحقیق کے بغیر منسوب نہیں کروں گا، اور نہ

اس کو اس کی طرف منسوب کروں گا جو اس کا اہل نہ ہو اگرچہ وہ عام لحاظ سے بڑا آدمی ہو جیسے عظیم مفسر ہیں۔)

ان تمام تعریفوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اصطلاحی لحاظ سے تخریج حدیث کا مطلب ہے اس حدیث کو اس کتاب کی طرف منسوب کرنا جس میں ابتداء میں بیان ہوئی ہو۔ خواہ وہ کتاب مسند ہو یا جامع، سنن ہو یا معجم۔ اگر ابتدائی طور پر کسی بھی اصل کتاب میں ہو خواہ وہ چھوٹی کتاب ہو جیسے امام بخاری کی جزء رفع الیدین یا جزء القراءة وغیرہ۔ کیونکہ امام بخاری امیر المؤمنین فی الحدیث اور ابتدائی محدث ہیں۔ اگر کوئی حدیث صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں آگئی تو صحت بتانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ان کتب کی صحت پر اتفاق ہے ورنہ اگر اسنن کی کسی کتاب میں ہو تو صحت کا جاننا ضروری ہے اس سلسلہ میں معروف محدث الشیخ محمد ناصر الدین البانی کی کتب صحیح سنن ترمذی، صحیح سنن ابی داؤد، صحیح سنن نسائی اور صحیح سنن ابن ماجہ بہت مفید ہیں۔ انہوں نے چاروں سنن کی ضعیف بھی الگ کر کے لکھی ہیں جو چھپ گئی ہیں۔ اسی طرح ان کی دیگر کتب سلسلہ الاحادیث الصحیحہ اور سلسلہ الاحادیث الضعیفہ میں بھی انہوں نے احادیث کی وضاحت کر دی ہے۔ جزاء اللہ خیراً۔

تخریج حدیث کی اہمیت

فن تخریج حدیث کو جاننا علم حدیث کے طالب علم کے لیے بے حد ضروری ہے۔ اس علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ ہر دینی گفتگو اور تحریر میں احادیث کا ذکر آتا ہے۔ جن کا اعتبار احادیث کے ماخذ اور مراتب کے علم پر موقوف ہے۔ تخریج حدیث کو جاننا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث کے اصلی مصادر تک کیسے رسائی ہو سکتی ہے۔ علم حدیث کا کوئی طالب علم کسی حدیث سے اس وقت تک استفادہ نہیں کر سکتا جب تک اسے پتہ نہ چلے کہ مصنفین نے اس حدیث کو کس کتاب میں سے بیان کیا ہے۔ تخریج حدیث کے ذریعے ہی حدیث کے اصلی مصادر اور ان آئمہ کا پتہ چلتا ہے جنہوں نے اس کو بیان کیا ہو۔

تخریج حدیث کے فوائد

علم تخریج حدیث کے بے شمار فوائد ہیں جن میں چند درج ذیل ہیں:

- ۱۔ معرفت مصدر یا مصادر حدیث: حدیث کی تخریج سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث کو کن آئمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں کن مقامات پر شامل کیا ہے۔
- ۲۔ اگر ایک حدیث کسی ایک ہی کتاب میں کئی مقامات پر ہو مثلاً صحیح بخاری میں ایک حدیث جو پانچ مقامات پر ہے تو ممکن ہے امام بخاری اسے ایک سے زیادہ جگہ بیان کر کے جہاں ایک ہی حدیث سے مختلف احکامات کا استنباط کر رہے ہوں وہیں اس کی الگ الگ اسناد روایت بھی کر رہے ہوں یوں ایک حدیث کی پانچ سندوں کا پتہ چل سکتا ہے۔ اسی طرح سے حدیث کی دس بارہ کتابوں سے وہ حدیث مل جائے تو ہمیں اس حدیث کی کئی سندوں کا پتہ چلتا ہے۔ جس سے اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا جاسکتا ہے۔
- ۳۔ کثرت اسناد کی معرفت سے سند کی پوری معلومات حاصل ہوتی ہیں اور مختلف سندوں کا تقابل کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کونسی حدیث معضل کوئی مرسل اور کونسی منقطع ہے۔
- ۴۔ کثرت طرق حدیث سے اگر ایک حدیث ایک سند سے تو ضعیف ہو اور دوسری سند سے وہ صحیح ہو یا ایک سند سے منقطع ہو تو ممکن ہے کہ دوسری سند سے متصل ہو۔ اس سے مزید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔
- ۵۔ کثرت طرق حدیث سے ہمیں احادیث کے متابعات اور شواہد مل جاتے ہیں جن سے ہم ضعف کی بجائے اس پر حسن کا حکم لگا سکتے ہیں۔
- ۶۔ حدیث کے بارے میں ہمیں مختلف آئمہ کے اقوال ملتے ہیں کہ انہوں نے اس کی صحت یا ضعف کے بارے میں کیا حکم لگایا ہے۔
- ۷۔ سند میں مہمل راویوں کا پتہ چل جاتا ہے کیونکہ ایک سند میں کوئی راوی مہمل ہوتا ہے جبکہ کسی دوسری سند کے اندر اس مہمل راوی کا پتہ چل جاتا ہے۔ مثلاً عن احمد یا عن محمد ایک سند میں جبکہ دوسری سند اس کے باپ یا قبیلہ کی نسبت کا ذکر ہو تو راوی کی تعیین ہو جاتی ہے۔
- ۸۔ مبہم راوی کا تعین ہو جاتا ہے مثلاً ایک روایت میں یہ لفظ ہوتے ہیں ”عن الرجل“ یا

”عن فلان“ لیکن تخریج حدیث سے اس روایت کی دوسری سند کے اندر اس کا نام آ جاتا ہے اور یوں نام کا پتہ چل جاتا ہے۔

۹۔ جو راوی ”صعصعہ“ کے ساتھ مدلس ہو اس کا شک دور ہو جاتا ہے ایک سند کے اندر وہ مدلس راوی ”عن“ کے ساتھ روایت کرتا ہے لیکن دوسری سند کے ساتھ ”صعصعہ“ یا ”حدثنا“ کہہ کر اپنے استاد سے وہ متصل بیان کرتا ہے اس سے سند سے انقطاع ختم ہو جاتا ہے۔ اور مدلس کا ”عن“ سے روایت کرنا ظاہر ہو جاتا ہے کہ دراصل اس کی سند متصل ہے۔ یوں اس کا ”عن“ سے روایت کا کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۰۔ روایت میں اختلاط کا ذرا اہل ہوتا

جب کوئی ایسی حدیث ہو جس میں مغلط راوی ہو اور ہمیں یہ پتہ نہ چلے کہ اس راوی کے اختلاط سے پہلے بیان کیا گیا ہے یا بعد میں بیان کیا گیا ہے۔ جب حدیث کی تخریج کی جاتی ہے تو اس سند کے علاوہ کسی اور سند میں یہ پتہ چل جاتا ہے کہ اس نے اختلاط سے قبل اس روایت کیا ہے۔

۱۱۔ روایت کے صحیح راویوں کا پتہ چلنا

بعض اوقات سند میں راوی کی کنیت، لقب یا نسبت کا ذکر ہوتا ہے اور کئی راویوں کی کنیتیں اور لقب ایک جیسے ہوتے ہیں۔ تخریج حدیث کی صورت میں مختلف سندوں کے اندر کسی نہ کسی سند میں اس کے نام کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

۱۲۔ روایت میں زیادتی کی معرفت

بعض اوقات روایت ایسی ہوتی ہے کہ حکم مرتب کا ہمیں پتہ نہیں چلتا لیکن کئی روایات سامنے آنے کی صورت میں اصل حکم کا پتہ چل جاتا ہے اور معنی واضح ہو جاتے ہیں۔

۱۳۔ غریب کے معنی کا بیان

بعض اوقات حدیث کے اندر کوئی غریب لفظ ہوتا ہے تو دوسری روایت کی تخریج سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ بعض اوقات دوسری روایت میں وہ غریب لفظ

نہیں ہوتا یا کسی اور سند کے ساتھ بیان کردہ حدیث میں اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔
 ۱۳۔ شذوذ کے حکم کا زائل ہونا

بعض اوقات کوئی حدیث شاذ ہوتی ہے لیکن جب زیادہ روایات کا ہمیں پتہ چلتا ہے تو کسی اور سند کے ساتھ جو روایت آتی ہے اس سے اس کا شاذ ہونا ختم ہو جاتا ہے۔

۱۵۔ مدرج کا بیان

بعض اوقات کسی حدیث کے متن میں کوئی راوی اپنا کلام داخل کر دیتا ہے۔ روایات کے تقابلیں سے راوی کے کلام کے داخل کرنے کا پتہ چل جاتا ہے۔

۱۶۔ نقص کی وضاحت

بعض اوقات کسی حدیث کا کوئی حصہ راوی بھول جاتا ہے یا اس کو مختصر کر دیتا ہے۔
 تخریج حدیث سے ہمیں بھولے ہوئے یا مختصر کیے ہوئے حصے کا پتہ چل جاتا ہے۔

۱۷۔ اوہام اور رواۃ کی غلطیوں کا انکشاف

بعض اوقات راوی کوئی غلطی کرتا ہے یا اسے روایت میں وہم ہوتا ہے تو تخریج حدیث سے ہمیں اس وہم اور غلطی کا پتہ چل جاتا ہے۔

۱۸۔ معرفت روایت باللفظ

بعض اوقات کوئی راوی حدیث بالمعنی بیان کرتا ہے اور تخریج حدیث سے ہمیں روایت باللفظ کا پتہ چل جاتا ہے۔

۱۹۔ واقعات کے وقت اور مقام کا بیان

کثرت روایات سے یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ ہمیں اس کے زمانے اور مقام کا پتہ چلے کیونکہ بعض راوی اس کا ذکر کر دیتے ہیں۔

۲۰۔ کاتبوں کی غلطیوں کا علم

بعض اوقات کوئی ناخ (کاتب) سند یا متن میں غلطی کرتا ہے تو تخریج حدیث سے دیگر روایات میں اس کی وضاحت ہو جاتی ہے (۴۴۷)۔

فن تخریج حدیث کا ارتقائی جائزہ

دینی علوم کا اصل ماخذ کتاب و سنت ہے۔ ہر آدمی جو علوم دین کے بارے میں کلام کرنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ کلام مجید اور حدیث نبوی، آثار صحابہ اور تابعین سے دلیل لائے۔ قرآن مجید حتمی کتاب ہے۔ نہ اس میں کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی۔ اس کے احکامات اور آیات و دلائل تخریج سے بالا ہیں۔ حدیث نبوی کے معاملہ میں غور و فکر ضروری ہے کیونکہ احادیث میں متواتر، خبر احاد، صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع ہر قسم کی روایات شامل ہوتی ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ان کی پوری طرح سے وضاحت ہو۔

ابتدائی چند صدیوں میں حدیث سے متعلق وسعت معلومات کی بنا پر احادیث کی تخریج کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ اس لیے کہ حدیث کے سامنے آتے ہی اہل علم کے ذہنوں میں اس کے مآخذ آ جاتے تھے۔ مگر بعد میں علوم و فنون کی کثرت و وسعت اور علوم حدیث سے عدم واقفیت کی بنا پر اس کی ضرورت محسوس کی گئی تاکہ عام طالبین تحقیق کا وقت مطلوبہ احادیث کی تحقیق میں صرف نہ ہو۔ چنانچہ بعض متحققین نے تفسیر، فقہ اور تاریخ وغیرہ کی کتابوں میں ذکر کردہ احادیث کی مستقل کتابوں کی صورت میں تخریج کی ہے (۳۳۸)۔

اغذ حدیث میں تحقیق کی ابتداء صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے ہو گئی تھی۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم حدیث کو صحابہ کرامؓ سے بھی تحقیق کے بعد لیتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وادی کی وراثت کے سلسلے میں تحقیق سے کام لیا (۳۳۹)۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے سلام کے سلسلے میں بیان کردہ روایت کی تحقیق کی (۳۵۰)۔ اسی طرح حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے عورت کے اسقاط حمل کے بارے میں مشورہ کیا تو حضرت مغیرہؓ نے فرمایا: اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ایک غلام کی دیت دینے کا فیصلہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر آپ سچے ہیں تو کسی اور کو بھی گواہ لائیں جو اس بات کو جانتا ہو۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے اس بات کی گواہی دی کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح فیصلہ کیا ہے (۳۵۱)۔ اسی طرح حضرت علیؓ روایت کے سلسلے میں سوائے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صحابہ کرامؓ سے قسم لیتے تھے (۳۵۲)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔ ہم رسول اللہؐ سے حدیثوں کو بیان کرتے تھے اور انہیں یاد کرتے تھے جب لوگوں نے غلط سلط بیان کرنا شروع کر دیا تو ہم بہت احتیاط کرنے لگے (۲۵۳)۔

حدیث کی تحقیق و تثبیت کے متعلق صحابہ کرامؓ کے بہت سے اقوال ہیں، اسی طرح سے تابعین سے بھی کہ وہ حدیث کو دیکھتے ہوئے اس کی سند کو اچھی طرح دیکھتے تھے اور اہل سنت کی حدیث کو لیتے اور بدعتی کی حدیث کو نہیں لیتے تھے۔ تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں احادیث کی جمع و تدوین کا کام شروع ہوا تو بعض محدثین نے احادیث کی مستقل کتابیں لکھیں جیسے امام مالکؒ اور ان کے بعد کے دور کے لوگ اور امام شافعیؒ وغیرہ، اسی طرح سے اس زمانے کی بعض کتب میں مراسیل، تعلقات اور محصل روایات بھی آگئیں۔ یہاں تک کہ حضرت امام بخاریؒ نے اپنی الجامع الصحیح میں ترجمۃ الابواب میں بعض متعلق روایات بھی لکھیں۔ جن کو انہوں نے بعض اور مقامات پر متصل بیان کیا اور بعض کے متعلق صحیح بخاری کی شروع میں ان کا متصل ہونا بیان کیا گیا۔

حافظ ابن حجرؒ نے ایک کتاب بیام تطلیق التعلیق لکھی جس میں بخاری شریف میں متعلق روایات کی پوری تفصیل بیان کی ہے یہ کتاب مطبوع ہے۔ اسی طرح سے باقی کئی لوگوں نے بھی دیگر کتب احادیث کے بارے میں ایسا ہی کیا۔ حافظ ابو عمر احمد بن خالد قرطبیؒ (م ۲۴۲ھ) نے بھی ”مسند مؤطا“ لکھی۔

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد البرؒ (م ۳۶۳ھ) نے ”کتاب التمهید لمافی المؤطا من المعانی والاسانید“ لکھی۔ اس میں انہوں نے مؤطا کی تمام احادیث کو سند سے بیان کیا اور جن روایات کو امام مالکؒ نے موصول یا مرسل بیان کیا ان پر کلام کیا اور چار روایات کے علاوہ تمام مراسیل کو متصل بیان کیا۔ اسی طرح سے امام ابو بکر احمد بن حسین البیہقیؒ (م ۳۵۸ھ) نے کتاب ”معرفة السنن والآثار“ کتاب لکھی جس میں انہوں نے وہ روایات لکھیں جن سے امام شافعیؒ نے اپنی کتب میں دلیل پکڑی۔ اسی طرح سے امام قضاویؒ (م ۳۵۴ھ) نے ”مسند الشہاب“ لکھی جو کہ دراصل تخریج احادیث ہی کی ایک کتاب ہے۔ اس فن میں باقاعدہ طور پر چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں کام ہوا۔

چھٹی صدی ہجری میں ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی (م ۵۰۷ھ) نے ”احادیث الشہاب“ لکھی جس میں انہوں نے قضائی کی احادیث کو مسند بیان کیا۔ حافظ ابو منصور شہر دار بن شیروہ الدیلمی (م ۵۵۸ھ) نے کتاب ”احادیث کتاب الفردوس“ لکھی جس میں انہوں نے اپنے والد کی کتاب مسند الفردوس کی تخریج کی اور اسے حروف معجم کے لحاظ سے مرتب کیا۔ اس میں دس ہزار احادیث ہیں جن میں سے زیادہ تر موضوع اور منکر ہیں۔

حافظ ابو بکر محمد بن موسیٰ الحارثی (م ۵۸۴ھ) نے ابو اسحاق شیرازی کی کتاب ”المہذب فی الفقہ الشافعی“ کی تخریج کی۔ کتاب کا نام ”تخریج المہذب“ رکھا۔ عبد اللہ بن یوسف البریلیمی (م ۶۲۶ھ) نے ”نصب الراية فی تخریج احادیث الہدایہ“ لکھی۔ جس کا خلاصہ ”الدراية“ کے نام سے حافظ ابن حجر (م ۸۵۴ھ) نے لکھا۔ یہ دونوں کتب مطبوع ہیں۔ برہان الدین مرغینانی (م ۵۹۳ھ) کی الہدایہ کی تخریج علاء الدین محمد بن عثمان المازنی المعروف الترمذی (م ۷۵۶ھ) نے بھی کی اور کتاب کا نام ”الکفایہ فی المعرفة لحديث الہدایہ“ لکھا۔

ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب الترمیزی (م ۷۹۶ھ) نے امام بخاری (م ۵۱۶ھ) کی کتاب ”مصالح السنہ“ کی احادیث کی تخریج کی اور اس کے ہر باب میں تیسری فصل کا اضافہ کیا اور کتاب کا نام ”مکتوۃ المصالح“ رکھا اس کام کی تکمیل ۷۷۷ھ میں کی۔ مختصر ابن حاجب کی تخریج حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن عبد الحادی (م ۷۴۴ھ) نے کی۔

اسی طرح کئی اور لوگوں نے آٹھویں صدی ہجری میں مختلف کتابوں کی احادیث کی تخریج کی۔ نویں صدی ہجری میں ابو المعالی محمد بن ابراہیم (م ۸۰۳ھ) نے ”احادیث المصالح“ کی تخریج کی اور ”الشرح الکبیر للرافعی“ کی احادیث کی تخریج سراج الدین عمر بن علی المعروف ابن ملقن (م ۸۰۴ھ) نے کی اور اس کا نام ”البدرا لمعمر فی تخریج احادیث ولا آثار الواعظ فی الشرح الکبیر“ رکھا۔

امام غزالی کی احیاء العلوم کی احادیث کی تخریج زین الدین ابو الفضل عبد الرحیم بن الحسین عراقی (م ۸۰۶ھ) نے ”إخبار الأحياء بأخبار الإحياء“ کے نام سے کی۔ بعض نے اس کا نام ”المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار“ لکھا ہے۔ دسویں صدی میں حافظ محمد بن عبد الرحمن

ہادی (۹۰۲ھ) نے شیخ عبدالقادر جیلانی کی کتاب ”غنیۃ الطالبین“ کی تخریج بنام ”البغیۃ بتخریج الاحادیث الغنیۃ“ لکھی۔ اسی طرح سے جلال الدین عبدالرحمان سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے ”الانفا“ کی احادیث کی تخریج ”مناہل الصفا“ کے نام سے لکھی۔ اس صدی میں اور بھی کئی لوگوں نے کام کیا۔

گیارہویں صدی میں ملا علی قاری (م ۱۰۱۳ھ) نے ”شرح عقائد نسفیہ“ کی احادیث کی تخریج کی۔ اسی طرح سے عبدالرؤف السنادی (م ۱۰۳۱ھ) نے تفسیر بیضاوی کی احادیث کی تخریج بنام ”تحفة الراوی فی تخریج احادیث البیضاوی“ کی۔

اسی طرح تفسیر البیضاوی کی احادیث کی تخریج محمد بن حمات زادہ (م ۱۱۷۵ھ) نے کی۔ عبدالستار بن عبدالوہاب صدیقی ہندی نزہیل مکہ (م ۱۳۵۴ھ) نے شعرانی کی کتاب ”کشف الغمہ“ کی احادیث کی تخریج کی (۳۵۴)۔ اسی طرح مولانا وحید الزمان نے ”تخریج احادیث شرح العقائد للتفتازانی“ لکھی۔ شیخ احمد صمد اللہ مدراسی نے ”تخریج احادیث مفتوحہ“ لکھی۔ شیخ محمد سعید صمد اللہ مدراسی نے حضرت مجدد الف ثانی کے مکاتیب میں ذکر کردہ احادیث کی تخریج لکھی: ”نشید المبانی فی تخریج احادیث مکتوبات الربانی“ لکھی (۳۵۵)۔ راقم الحروف نے ”حمیدۃ الزمان بافضلیۃ الرسول الاعظم بنص القرآن“ تصنیف منیر دہشتی کی احادیث کی تخریج کی (۳۵۶)۔ اسی طرح ہم نے مولانا ابوالقاسم بخاری (۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء) کی کتاب ”جمع القرآن والا احادیث“ کی تخریج کی (۳۵۷)۔

تخریج حدیث کے طریقے

تخریج حدیث کے کئی طریقے ہیں جن میں اہم درج ذیل ہیں:

- ۱۔ راوی کی معرفت کے طریقے سے تخریج۔
- ۲۔ حدیث کے موضوع کی معرفت کے طریقے سے تخریج۔
- ۳۔ حدیث کے پہلے حصے کی معرفت کے طریقے سے تخریج۔
- ۴۔ متن و سند کے لحاظ سے حدیث کی تخریج۔

۵۔ حدیث کے الفاظ کے ذریعے تخریج (۲۵۸)۔

۱۔ راوی کی معرفت کے طریقے سے تخریج

اس طریقے میں ہم راوی کا نام معلوم ہونے کی بنا پر حدیث معلوم کر لیتے ہیں اس میں صحابی کا نام معلوم ہونا ضروری ہے لیکن اگر راوی صحابی کا نام معلوم نہ ہو تو اس طریقے سے حدیث معلوم نہیں کی جا سکتی۔ اس طریقے میں ہم مندرجہ ذیل تین قسم کی کتب سے مدد لے سکتے ہیں:

(i) السانید

۱۔ مسند ابی داؤد، سلیمان بن داؤد الطیالسی (م ۲۰۴ھ)۔

۲۔ مسند اسد بن موسیٰ الاموی (م ۲۱۲ھ)۔

۳۔ مسند الحمیدی (م ۲۱۹ھ)۔

۴۔ مسند امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)۔

۵۔ مسند ابی یعلیٰ الموصلی (م ۳۰۷ھ)۔

یہ مسانید صحابہ کے نام پر مرتب ہوئی ہیں اور ان کے نام حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب ہوئے ہیں۔ بعض اوقات یہ نام اسلام میں سبقت کی بنا پر مرتب کئے جاتے ہیں۔ بعض اوقات قبائل اور شہروں کے لحاظ سے ترتیب دی جاتی ہیں۔ بطور مثال مسند ابی داؤد طیالسی میں ترتیب اس طرح سے ہے۔ سب سے پہلے عشرہ مبشرہ کی احادیث کو لیا گیا ہے اور ان میں سے احادیث ابی بکر الصدیقؓ کو پہلے لیا گیا ہے۔ ان کی پہلی حدیث یہ لکھی ہے۔ ابو بکر صدیقؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کوئی گناہ کرے پھر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے پھر اللہ سے استغفار کرے تو اس کو بخش دیا جائے گا (۲۵۹)۔ اس کے بعد باقی لوگوں کی احادیث لکھی ہیں۔ امام احمد بن حنبلؓ نے مسند میں حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ابتدا کی ہے اور پھر باقی تین خلفاءؓ اور پھر عشرہ مبشرہ میں سے باقی لوگوں کی احادیث لکھی ہیں پھر دیگر صحابہ کرامؓ کی احادیث ہیں (۲۶۰)۔

(ii) العاجم

مجم میں حدیث کی ترتیب مسانید صحابہ، بلدان یا شیوخ کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ عام طور پر

معجم حروف کے لحاظ سے مرتب کی جاتی ہیں۔ معجم کی مشہور کتابیں:

۱۔ المعجم الکبیر: ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (۳۶۰ھ) یہ حروف معجم کے

لحاظ سے مرتب کی گئی ہے۔

۲۔ المعجم الاوسط: ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (۳۶۰ھ)۔

۳۔ المعجم الصغیر: ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (۳۶۰ھ)۔

۴۔ المعجم الصحابہ: ابوعلی احمد بن علی الموصلی (۳۰۷ھ)۔

۵۔ المعجم الصحابہ: احمد بن علی الحمدانی (۳۹۸ھ)۔

بطور مثال المعجم الصغیر میں طبرانی نے ایک ہزار ایک سوا کٹھ (۱۱۶۱) احادیث لکھی ہیں۔ اس

کتاب کو انہوں نے اساتذہ کی ترتیب سے لکھا ہے۔ لکھتے ہیں: هذا اول كتاب فوائد مشافحي

الذين كتبت عنهم بالامصار، خرجت عن كل واحد منهم حديثا واحدا، وجعلت

اسماءهم على حروف المعجم (۴۶۱)۔

(iii)۔ کتب الاطراف

یہ کتب عام طور پر مسانید صحابہ کے لحاظ سے مرتب کی جاتی ہیں۔ ان کے نام حروف معجم کے

لحاظ سے لکھے جاتے ہیں مثلاً وہ صحابی جن کے نام الف سے شروع ہوتے ہیں وہ پہلے پھر باء سے شروع

ہونے والے نام آتے ہیں۔ اس طرح باقی ناموں کی ترتیب ہوتی ہے۔ اس قسم کی کتب کا انحصار حدیث

کی ایک طرف (ابتداء) پر ہوتا ہے جو کہ باقی پر دلالت کرتی ہے پھر وہ سندیں بیان کی جاتی ہیں جن کے

ذریعہ مذکورہ متن بیان کیا گیا ہے۔ اس فن کی مشہور کتب درج ذیل ہیں:

۱۔ تحفة الاشراف بمعرفۃ الاطراف، حافظ جمال الدین یوسف بن عبدالرحمن المزی

(۷۴۴ھ)۔ اس میں کتب ستہ اور بعض دیگر کتب کی احادیث ہیں۔

۲۔ ذخائر الموارث فی الدلالة علی مواضع الحديث، شیخ عبدالغنی الزاہلی البلیسی الدمشقی

(۱۱۴۳ھ)۔ اس میں کتب ستہ اور مؤطا امام مالک کی احادیث ہیں۔

بطور مثال تحفة الاشراف کے ابتداء میں مقدمہ ہے اس کے بعد رموز کتاب کی وضاحت ہے

پھر ابتدا میں حرف الالف میں پہلے نمبر پر ایض بن حمال النخعی الماری ہے:

- ۱۔ انه وفد الى النبي ﷺ فاستقتطعه الملح الذي بمآرب: الحديث.. د فی الخراج... ت فی الاحکام... س فی احياء الموات (فی الكبرى) .. ق فی الاحکام (۴۶۲)۔

۲۔ حدیث کے موضوع کی معرفت کے طریقے سے تخریج

اس طریقے میں وہ شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جو حدیث کے موضوعات کا علمی ذوق رکھتا ہو۔ عام طور پر اس طریقہ سے تلاش کی جانے والی حدیث کئی موضوعات سے متعلق ہوتی ہے۔ مطالعہ حدیث کرنے والے اساتذہ و طلباء احادیث کے موضوعات کو اچھی طرح سے سمجھتے ہیں۔ موضوع کا تعین کر کے حدیث تین قسم کی کتابوں سے تلاش کی جاسکتی ہے:

- ۱۔ عام مشہور کتابیں: وہ کتب جن میں کئی قسم کی احادیث ہوتی ہیں۔
 ۱۔ الجوامع
 ۲۔ المستخرجات علی الجوامع
 ۳۔ المسند رکات علی الجوامع
 ۴۔ الجامع
 ۵۔ التروائد
 ۶۔ کتاب مقارح کنوز السنۃ
 ۱۔ الجوامع

جوامع ”جامع“ کی جمع ہے اور محدثین کی اصطلاح میں جامع ہر اس حدیث کی کتاب کو کہتے ہیں کہ جس میں تمام قسم کی ضروری احادیث موجود ہوں۔ مثلاً عقائد، احکام، رقائق (نری)، کھانے پینے، سفر و قیام کے آداب اور تفسیر کے متعلقات، تاریخ و سیر، فتن اور مناقب و مثالب وغیرہ موجود ہوں۔ مشہور ترین جامع، الجامع الصحیح للبخاری و الجامع الصحیح لمسلم ہے۔

۲۔ المستخرجات علی الجوامع

”مستخرجات“ (مستخرج) کی جمع ہے اور محدثین کے ہاں مستخرج وہ کتاب حدیث ہے کہ جس کا مصنف کسی ایک کتاب کا استخراج کرتے ہوئے اس کتاب کی احادیث کو اپنی ذاتی سند سے بیان کرتا ہے اور صاحب کتاب کی سند کو چھوڑتا ہے اور یہ مستخرج صاحب کتاب کے ساتھ اس کے استاد اور یا

پھر اوپر جا کر مل جاتا ہے اگرچہ صحابی میں ہی ملے اور اسکی شرط یہ ہے کہ وہ اتنے دور والے شیخ کے ساتھ نہ جا ملے کہ قریب والے تک پہنچانے والی سند مفقود ہو کر ہی رہ جائے۔ بسا اوقات مستخرج اُن احادیث کو حذف کر جاتا ہے جن کی اسے اپنی پسند کی سند نہیں ملتی اور بسا اوقات ان کی صاحب کتاب کے طریق سے ذکر بھی کر دیتا ہے مثلاً مستخرج اسماعیلی علی البخاری۔

۳۔ المستدرکات علی الجوامع

المستدرکات جمع ہے ”مستدرک“ کی۔ ہر اس کتاب کو مستدرک کہا جاتا ہے جس میں اس کا مؤلف ایسی احادیث ذکر کرے جن کا کسی اور کتاب پر اس نے استدراک کیا ہو اور اس پہلی کتاب سے وہ روایات رہ گئی ہوں جبکہ یہ روایات اس کتاب کی ہی شروط پر ہوں جیسے (مستدرک علی التلخیص)۔

۴۔ الجامع

یہ ”جمع“ کی جمع ہے اور مجمع ہر اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں مصنف کتاب بہت سی تصنیفات کی احادیث کو جمع کر دیتا ہے اور اس کتاب کی ترتیب وہی ہوتی ہے جو ان کتابوں کی جن کی احادیث کو اس نے جمع کیا ہے۔

۵۔ الزوائد

وہ تصنیفات جن میں ان کے مؤلفین ایسی احادیث جمع کرتے ہیں جو کہ بعض کتابوں میں نہیں ہوتیں اور دوسری کتب میں وہ موجود ہوتی ہیں۔

۶۔ معراج کنوز السنہ

اس کتاب میں موضوعاتی فہرست کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ اس کا مصنف مستشرق ڈاکٹر ارند جان ہے۔ یہ انگریزی تصنیف ہے مگر استاذ محمد فواد عبدالباقی نے تصحیح و تنقیح کے بعد اس کا عربی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اس میں مؤلف نے چودہ کتابوں کی احادیث کی فہرست مرتب کی ہے۔ اس کتاب کی تیاری میں مصنف کو دس سال کا طویل عرصہ لگا اور مترجم رحمۃ اللہ کو چار سال ترجمہ کرتے ہوئے لگ گئے۔

ii۔ ایسی کتب حدیث جو دین کے اکثر ابواب اور موضوعات پر مشتمل ہوں:

۱۔ الموطات ۲۔ السنن ۳۔ المصنفات

۱۔ الموطات

موطات، مؤطا کی جمع ہے۔ لغوی طور پر ہموار کی ہوئی جگہ کو کہتے ہیں۔ محدثین کی اصطلاح میں ہر وہ کتاب جس کی ترتیب فقہی ابواب بندی کے مطابق ہو۔ اس میں مرفوع، موقوف اور مقطوع تمام قسم کی احادیث موجود ہوں مؤطا کہلاتی ہے اور مؤطا کو مؤطا اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا مصنف اسے لوگوں کیلئے آسان بنا کر پیش کرتا ہے۔ اس صنف کی مشہور کتاب مؤطا امام مالک ہے۔

۲۔ السنن

ایسی کتب حدیث جن کی ترتیب فقہی ابواب بندی پر ہو، لیکن ان میں صرف مرفوع احادیث مذکور ہوتی ہیں، موقوف اور مقطوع قسم کی روایات ان میں نہیں ہوتیں۔ مشہور سنن میں سے سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ سنن نسائی ہیں۔

۳۔ المصنفات

ایسی کتب جن کو فقہی ابواب بندی کے تحت مرتب کیا گیا ہو۔ اور ان میں مرفوع، موقوف اور مقطوع تمام قسم کی احادیث مذکور ہوں، یعنی ان میں احادیث نبویہ، اقوال صحابہ، تابعین کے فتوے اور بسا اوقات تبع تابعین کے فتویٰ بھی ہوتے ہیں۔ جیسے مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ (م ۲۳۵)۔

iii۔ ایسی کتب حدیث جو کسی ایک موضوع پر مشتمل ہوں

۱۔ اجزاء: یہ جزء کی جمع ہے اور محدثین کی اصطلاح میں جزء اس کتاب کو کہتے ہیں:

(i) جس میں صرف ایک صحابی یا تابعی کی مرویات جمع کی گئی ہوں۔

(ii) جس میں ایک ہی موضوع سے متعلقہ احادیث کو جمع کیا گیا ہو۔

جیسے جزء رفع الیدین فی الصلوٰۃ و جزء القراءة خلف الامام۔ دونوں کے مصنف امام بخاری (م ۲۵۶ھ) ہیں۔

۲۔ الترغیب والترہیب

کتاب ترغیب وترہیب میں ایسی احادیث کو جمع کیا جاتا ہے کہ جن میں آپ ﷺ نے کسی مستحسن کام کا مطالبہ امر کے ساتھ کیا ہو جیسے بر الوالدین اور ایسی احادیث جن میں برے کاموں سے منع کر کے ترہیب دلائی گئی ہو جیسے والدین کی نافرمانی والی احادیث۔ اس قسم کی کتاب میں حدیث تلاش کرنا مشکل نہیں ہے۔ جیسے امام منذری (م ۶۵۶ھ) کی الترغیب والترہیب۔

۳۔ حدیث کے پہلے حصے کی معرفت کے طریقے سے خرّج

اگر حدیث کے پہلے حصے کا علم ہو تو اس طریقے سے حدیث معلوم ہو سکتی ہے اور اگر پہلا کلمہ معلوم نہ ہو تو اس طریقے سے حدیث معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس طریقے سے تین قسم کی کتاب میں احادیث ملتی ہیں۔

الف: مشہور احادیث کی کتاب

ان کتاب میں وہ احادیث ہوتی ہیں جو لوگوں کی زبان پر عام ہوتی ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہوتی ہیں۔ ان سے مراد اصطلاح حدیث کی وہ قسم نہیں جس میں تین راوی ہوں۔ یہاں مشہور سے مراد شہرت ہے۔

۱۔ المقاصد الحسنہ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتهرة علی اللسان، محمد بن عبدالرحمن السخاوی (م ۹۰۴ھ)۔

۲۔ الدرر المنتشرة فی الاحادیث المشتهرة، جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)۔

۳۔ تمییز الطیب من الخبیث فیما یدور علی السنة الناس من الحدیث، عبدالرحمن بن علی بن الدبیع الہیمانی (ت ۹۳۳ھ)۔

۴۔ التذکرہ فی الاحادیث المشتهرة، بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی (م ۹۷۷ھ)۔

۵۔ کشف الخفا ومزیل الالباس عما اشتهر من الاحادیث علی السنة الناس، اسماعیل بن محمد عجولونی (ت ۱۱۶۲ھ) (یہ پانچوں کتاب مطبوع ہیں) ان میں مشہور احادیث ہیں اور ان کا ابتدائی حصہ معلوم ہو تو احادیث مل جاتی ہیں۔

بطور مثال امام سیوطی نے ”الدرر المنتشرة فی الاحادیث المشتهرة“ میں الف

باقی ترتیب سے کل ۱۳۶۳ احادیث لکھی ہیں۔ پھر ۳۶۳ تا ۳۹۳ احادیث ترتیب کے بغیر لکھی ہیں۔ پہلی حدیث: ابغض الحلال الی اللہ الطلاق ہے (۳۶۳)۔ ترتیب میں آخری حدیث نمبر ۳۶۳: یا خیل اللہ اڑکبی ہے (۳۶۳)۔ اسی طرح کا انداز اس قسم کی دیگر کتب میں بھی ہے۔
ب: وہ کتاب جن میں احادیث حروفِ معجم کی ترتیب سے مرتب ہوئی ہیں۔

الجامع الصغیر فی احادیث البشیر والنذیر، جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)
الجامع الصغیر کوالف باقی ترتیب سے لکھا گیا ہے۔ مختصر مقدمہ کے بعد رموز کتاب لکھے ہیں۔ پہلے ہمزہ سے شروع کیا ہے۔

پہلی حدیث: آتی باب الجنة فاستفتح فيقول الخازن: من انت؟ فاقول: محمد، فيقول: بك امرت (حم-م) عن انس لکھا ہے (۳۶۵)۔

ج: المفاتیح اور المنہاس جن کو علماء نے خاص کتب کے لیے تصنیف کیا ہے مثلاً:
مفتاح المسحورین: توقادی۔

البغیۃ فی ترتیب احادیث المحليۃ: غماری۔

فہرست ترتیب احادیث ابن ماجہ: محمد زواید عبد الباقی۔

فہرست مشکاة المصابیح، محمد جمیل العطار (دار الفکر بیروت، ۱۹۹۳ء)۔

الاطراف السنۃ لمجمع الزوائد المطالب العالیہ، عمر (مکتبہ دار المطاوعی الرياض)۔

فہارس الام، د۔ عبد الرحمن المرعشی (دار المعرفہ بیروت ۱۹۸۸ء)۔

فہارس احادیث السنن الکبریٰ للبیہقی، عبد الرحمن یوسف، (دار المعرفہ بیروت ۱۹۸۸ء)۔

فہارس حلیۃ الاولیاء، ابی ہاجر السعید، (دار الفکر بیروت ۱۹۹۲ء)۔

فہرست احادیث وآثار صحیح البخاری، عالم الکتب، بیروت۔

فہارس صحیح مسلم، وهو المجلد الخامس للمحقق بالکتاب، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔

فہارس (سنن) الداری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

فہارس السنن

- فہارس سنن ابی داؤد، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔
- فہارس سنن ابن ماجہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔
- فہارس احادیث وآثار سنن الدارمی، عالم الکتب، بیروت۔
- فہارس احادیث وآثار سنن الدارقطنی، عالم الکتب، بیروت۔

فہارس المصنفات

- فہارس احادیث وآثار مصنف عبدالرزاق، عالم الکتب، بیروت۔
- فہارس احادیث وآثار مصنف ابن ابی ہشیم، عالم الکتب، بیروت۔

فہارس الجامع

- معجم جامع الاصول، دارالفکر، بیروت۔
- المرشد إلى كنز العمال، مؤسسة الرسالة، بیروت۔
- مفاتیح الوصول إلى التاج الجامع للأصول، داراحیاء التراث العربی، بیروت۔

فہارس الزوائد

- فہارس احادیث موارد الظمآن، دارالبشائر الإسلامیہ، بیروت۔
- فہارس احادیث المطالب العالیہ، دارالمعرفۃ، بیروت۔
- فہارس احادیث کشف الاستار عن زوائد الخوارزمی، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔
- فہارس مجمع البحرین فی زوائد المعجمین، مکتبۃ الرشد، الریاض۔

فہارس المستدرکات

- الإبانی فی ترتیب احادیث وآثار مسند ابی حنیفہ، مکتبۃ دارالافتاء، الکویت۔

فہارس کتب موضوع عام

- فہارس الترغیب والترہیب، داراحیاء التراث العربی، بیروت۔

- قرّة عين المسعد بترتيب اطراف الأدب المفرد، مكتبة المجلد، الكويت۔
- فہرس احاديث كتاب الزهد، للإمام احمد، دار البشائر الإسلامية، بيروت۔
- فہرس احاديث وآثار كتاب الأموال، لابن عبيد، عالم الكتب، بيروت۔
- فہارس احاديث الأموال، لمحمد بن زنجويه والخراج لمحي بن آدم القرشي والخراج لابن يوسف، دار المعجزة، الرياض۔
- فہارس احاديث وآثار كتاب السنن، لابن ابى عاصم، مكتبة الرشد، الرياض۔
- فہرس احاديث الزهد، لابن المبارك، دار البشائر الإسلامية، بيروت۔
- فہرس احاديث نوار الاصول، للحكم الترمذی، دار البشائر الإسلامية، بيروت۔
- كنوز الباحثين: التراجم والفهارس التفصيلية لكتاب رياض الصالحين، دار الفكر المعاصر، بيروت۔
- فہارس شعب الإيمان، للبيهقي، دار الكتب العلمية، بيروت۔
- فہرس الأحاديث التي رواها ابن ابى الدنيا (اطراف احاديث ۳۹ كتاباً) دار ابن حزم، بيروت۔
- فہارس زاد المعاد، مؤسسة الرسالة، بيروت۔
- فہارس كتب احاديث الاحكام
- فہرس الاحاديث والآثار، للمحقق، دار الزية، الرياض۔
- تنوير اولي الابصار بترتيب احاديث نيل الاوطار، دار الكتب العلمية، بيروت۔
- فہارس شرح معاني الآثار للطحاوي، دار الجليل، بيروت۔
- فہارس كتب التخریج
- فہرس احاديث وآثار كتاب نصب الراية، عالم الكتب، بيروت۔
- فہارس التلخيص الحبير، دار المعرفة، بيروت۔

- فهارس الدراية في تخريج احاديث الهداية، دارالحرية، بيروت.
- إسعاف الملحين بترتيب احاديث إحياء علوم الدين (وتخرجه) دار
المهاجر الإسلامية، بيروت.

- فتح الوقاب بتخريج احاديث الشهاب، عالم الكتب، بيروت.

فهارس المسانيد

- فهرس احاديث وآثار مسند احمد، المكتب الاسلامي، بيروت.
- فهرس احاديث مسند الحميدي، دارالمهاجر الإسلامية، بيروت.
- ترتيب اطراف احاديث مسند الطيالسي، مكتبة دارالآمين، الكويت.
- فهارس مسند أبي يعلى الموصلي، دارالمأثور للتراث، دمشق.

فهارس المعاجم

- فهارس المعجم الاوسط، للطبراني، مكتبة المعارف، الرياض.
- فهارس المعجم الكبير، للطبراني، دارإحياء التراث العربي، بيروت.
- فهارس كتب التزمّت الصّحّة سوى الصحيحين والمستدرّكات
والمستخرجات السابقة

- فهارس صحيح ابن خزيمة، دارالكتب العلمية، بيروت.
- فهرس الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان، مؤسسة الرسالة، بيروت.
- فهارس كتب يغلب على احاديثها الضعف إذا انفردت بإخواجه سوى

كتب التراجم

- فهرس احاديث نواذر الاصول، دارالمهاجر الإسلامية، بيروت.
- فهرس الفردوس بمأثور الخطاب، دارالكتب العلمية، بيروت.
- قبس الأنوار وتذليل الصعاب في ترتيب أحاديث الشهاب، المطبعة

العلمية، حلب۔

فہارس کتب الأحادیث الموضوعية

- فہارس کتاب الموضوعات، دارالبہائر للإسلامیۃ، بیروت۔
- الدرر المجموعة بترتيب احاديث الآلئہ المصنوعة، دارالبہائر للإسلامیۃ، بیروت۔
- فہارس احاديث الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعية، مكتبة الرشد، الرياض۔
- التذكرة المشفوعة في ترتيب احاديث تنزيه الشريعة المرفوعة، البہائر للإسلامیۃ، بیروت۔

فہارس کتب علل الحديث

- فہارس علل الحديث لابن ابی حاتم، دارالمعرفة، بیروت۔

فہارس کتب المراسيل

- فہرس احاديث المراسيل لأبي داود، دارالمعرفة، بیروت۔

فہارس کتب التفسير

- فہرس احاديث تفسير البغوي، دارالبہائر للإسلامیۃ، بیروت۔
- فہرس احاديث تفسير القرآن العظيم لابن كثير، دارالمعرفة، بیروت۔
- فہرس احاديث الدرر المنثور في التفسير بالمأثور، عالم الكتب، الرياض۔
- فہارس تفسير البحر المحيط لأبي حيان، دارالكتب العلمية، بیروت۔
- فہارس الجامع لأحكام القرآن، دارإحياء التراث العربی، بیروت۔
- فہارس التفسير الكبير للرازي، دارالكتب العلمية، بیروت۔
- فہارس روح المعاني للآلوسي، دارالكتب العلمية، بیروت۔

فهارس كتب الشروح

- فهارس إتحاف السادة المتقين، دار إحياء التراث العربي، بيروت.
- فهارس فتح البارني، دار الكتب العلمية، بيروت.
- فهارس الفتح الرباني، دار الجيل، بيروت.
- فهارس التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد المغرب، وزارة الأوقاف.
- فهارس الاستنكار، دار قتيبة، بيروت.

فهارس كتب غريب الحديث

- فهرس غريب الحديث، لأبي عبد القاسم بن سلام، دار البشائر الإسلامية، بيروت.
- فهارس غريب الحديث، للخطابي والحري وابن قتيبة، دار البشائر الإسلامية، بيروت.

فهارس كتب التاريخ

- فهارس تاريخ الطبري، دار الكتب العلمية، بيروت.
- فهرس عام لكتاب البداية والنهاية، مكتبة المعارف، بيروت.

مراجع لا بدّ منها في المكتبة الحديثية

- المعجم المفهرس لألفاظ الحديث الشريف للفنك.
- مفتاح كنوز السنّة لفنسنك القاهرة، بحمد ترجمة دائرة المعارف الإسلامية.
- مفتاح المعجم المفهرس، لمأمون صاغري، دار الفكر المعاصر، بيروت.
- موسوعة اطراف الحديث النبوي الشريف، لمحمد السعيد بن سيموني زغلول، دار الفكر، بيروت.
- الرسالة المستطرفة، للكتاني، دار البشائر الإسلامية، بيروت.

فہارس کتب الرجال غیر المختصۃ بالضعفاء

- فہرس الاحادیث والآثار لكتاب الكنى والأسماء، للدولابی، عالم الکتب، بیروت۔
- فہارس التاریخ الكبير للتخاري، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔
- فہارس کتاب الجرح والتعديل لابن ابی حاتم الرازي، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔
- فہرس احادیث حلیۃ الاولیاء، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔
- فہرس احادیث و آثار تاریخ جرجان، جلد۱۰ لامحمد بن سعود، الرياض۔
- فہارس کتاب الثقات لابن حبان، مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت۔
- فہارس مختصر تاریخ دمشق لابن منظور، دارالفکر المعاصر، بیروت۔
- فہارس الطبقات الكبير لابن سعد، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔
- فہارس تاریخ بغداد، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔
- فہارس ذیول تاریخ بغداد، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔

فہارس کتب الرجال الضعفاء

- بلوغ الآمال فی ترتیب احادیث میزان الاعتدال، المکتب الاسلامی، بیروت۔
- فہرس کتاب المجروحین والضعفاء لابن حبان، دارالبحر، بیروت۔
- معجم الکامل فی ضعف الرجال، دارالفکر، بیروت۔
- مندرجہ بالا تمام کتب میں احادیث الف بائی ترتیب سے لکھی گئی ہیں۔

۴۔ متن وسند کے لحاظ سے (حدیث کا حال معلوم کر کے) تخریج حدیث

حدیث کے متن یا سند میں جو چیزیں اور صفات ہوں ان پر غور و فکر کر کے حدیث کا تخریج تلاش کیا جائے۔ یا وہ صفات معلوم ہونے کی بنا پر کتب حدیث میں تلاش کی جائیں جو کتب ان صفات کے لیے سند یا متن کے لحاظ سے لکھی گئی ہوں۔

۱۔ البعث

جب حدیث کے متن میں وضع کی علامات ظاہر ہوں اور اس میں رکاکت لفظی یا فساد معنی یا قرآن کی صریح خلاف ورزی ہو تو عام طور پر یہ احادیث موضوعات کی کتابوں میں ملیں گی ان میں اس حدیث کی تخریج ہوگی اور وضع کرنے والے کا نام ہوگا اس سلسلے کی چند کتب درج ذیل ہیں:

۱۔ الموضوعات الکبریٰ، ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ)۔

۲۔ تنزیة الشريعة المرفوعة عن الاحادیث الشنیعة

الموضوعة۔ ابن عراق (م ۹۶۳ھ) یہ ابواب پر مرتب ہے۔

۳۔ المصنوع فی معرفة الحديث الموضوع المسمى:

الموضوعات المصغری: ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ)، یہ معجم کے حروف پر

مرتب ہے۔

(ii) اگر تلاش کی جانے والی حدیث قدسی ہوگی تو ہم اس کو حدیث قدسیہ کی کتابوں میں تلاش کریں گے۔

الاتحافات السنیة بالاحادیث القدسیة: عبدالرزاق منادی (م ۱۰۳۱ھ)۔

ب: السند جب کسی حدیث میں لطائف سند کے سے متعلق بات ہو تو ایسی حدیث کو سند سے متعلق کتب میں دیکھا جائے گا مثلاً:

(i) کوئی حدیث باپ کی بیٹے سے مروی ہو تو تخریج کے وقت سے روایت لا باء عن الابیاء کی حدیث میں دیکھیں گے۔ مثلاً: کتاب رولیت الابیاء عن الابیاء کی کتب: خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ)۔

(ii) اگر حدیث مسلسل ہو تو ایسی کتب سے مدد لی جائے گی جو حدیث مسلسلہ کے بارے میں ہوں، مثلاً: المسلسلات الکبریٰ: امام سیوطی (م ۹۱۱ھ)۔

(iii) حدیث مرسل ہو تو مراسیل کی کتابوں میں دیکھا جائے گا مثلاً: مراسیل ابی داؤد (م ۲۷۵ھ) المراسیل عبدالرحمن بن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ)۔

(iv)۔ اگر سند میں راوی ضعیف ہو تو کتب ضعیفہ میں دیکھا جائے گا مثلاً:

i۔ الکامل فی ضعف الرجال: ابن عدی (م ۳۶۵ھ)۔

ii۔ میزان الاعتدال: ذہبی (م ۷۴۸ھ)۔

iii۔ لسان المیزان: ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)۔

متن و سند کا اکٹھا ہونا

اگر مذکورہ بالا صفات و احوال جب متن و سند میں اکٹھے ہو جائیں گے تو ایسی کتابوں کو دیکھیں گے جو ان کے لیے تیار کی گئیں ہیں: مثلاً

- ۱۔ علل الحدیث: ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ) یہ ابواب پر مرتب ہے۔ اور اس میں ۲۸۴۰ احادیث ہیں۔ اس کی ابتدا میں علل احادیث کے متعلق مکمل اسانید کے ساتھ محدثین کے اقوال لکھے ہیں۔ مثلاً عبد الرحمن بن مہدی کا قول: لان اعرف علة حدیث هو عندی احب الی من ان اکتب حدیثا لیس عندی (۳۶۶)۔
- ۲۔ الاسماء المبهمة فی الانباء المحکمة: خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ)۔
- ۳۔ المستفاد من مهمات المتن والاسناد: ابو زرعة (م ۸۲۶ھ) یہ فقہی ابواب پر مرتب ہے۔

۵۔ حدیث کے الفاظ کے ذریعے تخریج

اس طریقہ میں ایسے کلمہ کے ذریعے تخریج کی جاتی ہے جو حدیث میں کم آتا ہے۔ یعنی عبارت میں آنے والا ایسا لفظ جو بکثرت استعمال نہ ہوتا ہو اس کو اس کتاب میں بنیاد بنایا گیا ہے۔ مثلاً المعجم المفہر س لا لفاظ الحدیث النبوی، پروفیسر ونسک، اس کتاب کو نو (۹) کتب حدیث سے مرتب کیا گیا ہے۔ کتب صحاح ستہ، سنن داری (کتاب پر سند داری لکھا ہے) مؤطا مالک، مسند احمد بن حنبل۔ صفحات کے نیچے مختلف الفاظ دے گئے ہیں ملاحظہ ہوں۔ رخ یعنی البخاری، م یعنی مسلم بن الحجاج، و یعنی ابوداؤد، ت یعنی الترمذی، ن یعنی النسائی، ق یعنی ابن ماجہ، دی یعنی الداری، ط یعنی المؤطا، حم یعنی احمد بن حنبل (۴۶۷)۔ اس وجہ سے آسانی رہتی ہے۔ اس کتاب کو احادیث کے مادہ کے لحاظ سے

مرتب کیا گیا ہے۔ الفاظ کے ساتھ حدیث میں کتاب کا نام، اس کی کتاب کا نام مثلاً: الصلاۃ، اور پھر باب کا نمبر لکھا ہوتا ہے، سوائے مسند احمد کے، اس کے قدیم مصری نسخے کی جلد اور صفحہ نمبر بھی ہوتا ہے۔ احادیث کے الفاظ معلوم ہونے کی صورت میں احادیث تلاش کر لی جاتی ہیں، مثلاً حدیث: ایاکم والجلوس علی الطرقات، کو جلوس کے مادۃ: جلس میں تلاش کیا تو اس طرح سے ملا: ایاکم والجلوس علی الطرقات، رخ مظالم ۲۲، استخدا ان ۲، ملباس ۱۱۴، داوب ۱۲، ت استخدا ان ۳۰، دی، استخدا ان ۲۲، حم ۳/۳۶ (۳۶۸) اسی حدیث کو: طرقات کے مادے طرق میں دیکھا تو اس طرح سے ملا: ایاکم والجلوس علی الطرقات، رخ مظالم ۲۲، استخدا ان ۲، ملباس ۱۱۴، داوب ۱۲، حم ۳/۳۶، ۴۷، ۶۱ (۳۶۹) لیکن بعض اوقات اس کتاب میں احادیث نہیں ملتیں۔ معلوم ہوتا ہے ان کتب کی احادیث مکمل طور پر نہیں لی گئیں۔

نامور محدثین کی تخریج حدیث کے شاہکار نمونے

۱۔ معروف محدث احمد مقرر نے ”دلائل النبوة“ ثلاثاً ما بتلوی کواثریث کیا۔ اس کے مقدمہ تحقیق کے آخر میں لکھا ہے: وبعد: فإني أرجو أن أكون قد وفقت في تحقيق هذا الكتاب وتخریج نصوصه على نحو يرضى كرام العلماء، وأسأل الله سبحانه أن يتقبل عملي فيه، وأن يذيقني ومؤلفه من رحمته ومثوبته يوم تجد كل نفس ما عملت من خير محضراً، إنه أكرم مسئول وأجود مأمول، وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم (۴۷۰)۔

اس کتاب پر ان کی تخریج بطور نمونہ پیش کی جاتی ہے ”دلائل النبوة“ کی عبارت ملاحظہ ہو: عن عبد الرحمن بن عبد الله بن مسعود، عن أبيه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نَضَرَ اللَّهُ أَمْرَهُ اسْمِعْ مَنَا حَدِيثًا فَأَذَاهُ كَمَا سَمِعَهُ، وَرَبِّ مَبْلَغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ (۴۷۱)۔

اس حدیث پر احمد مقرر نے یہ حاشیہ لکھا ہے: الحديث من رواية ابن مسعود أخرجه أحمد في المسند ۶/۹۶ والشافعي في الرسالة ص ۴۰۱-۴۰۲، وابن

أبي حاتم في الجرح والتعديل ۱/۱۷۹-۱۰ وابن ماجه في مقدمة السنن ۱/۸۵، والترمذي في جامعه: كتاب العلم: باب ما جاء في الحث على تبليغ السماع ۲/۱۰۹-۱۱۰، وابن حبان في صحيحه ۱/۲۲۴ (المعارف) وانظره في جامع بيان العلم ۱/۴۰، والكفاية ص ۲۹، ۹۴، ومعرفة السنن والآثار ۱/۱۵-۱۶. والإلماع ص ۱۵۳.

اس حدیث سے آگے اصل کتاب ”دلائل النبوة“ کی عبارت اس طرح ہے: قال الشافعي: فلما ندب رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى استماع مقالته وأدائها امرأة يؤذيها- والامر واحد - دلّ أنه لا يأمر أن يؤذى عنه إلا ما تقوم الحجة به على من أُوذِيَ إليه (۴۷۲)۔ اس پر یہ حاشیہ لکھا ہے: الرسالة ص ۴۰۲، ومعرفة علوم الحديث للحاكم ص ۲۶۰، والكفاية ص ۲۹، ومفتاح الجنة ص ۵، ومعرفة السنن والآثار ۱/۱۶۔

۲۔ مشہور محدث احمد محمد شاكر نے مندر لاء امام احمد بن حنبل كوايڈٹ كيا، ان كى تحقيق كا نمونہ مع عبارت مشرطاً حظہ: حدثنا أبو سعيد مولى بني هاشم حدثنا شداد، يعني ابن سعيد، حدثنا غيلان بن جرير عن مطرف قال: قلنا للزبير: يا أبا عبد الله، ما جاء بكم؟ ضيعتم الخليفة حتى قُتل، ثم جئتم تطلبون بدمه! قال الزبير: إنا قرأناها على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر وعثمان: (واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة) لم تكن نحسب أنا أهلها، حتى وقعت منا حيث وقعت (۴۷۳)۔

اس پر یہ حاشیہ لکھا ہے: إسناده صحيح. شداد بن سعيد الراسبي: ثقة. غيلان بن جرير الأزدي: ثقة. مطرف: هو ابن عبد الله بن الشخير الحرشي العامري، وهو تابعي ثقة، كان ذا فضل وورع وأدب، ولد في حياة رسول الله. ”الشخير“ بكسر الشين وتشديد الخاء المكسورة. ”الحرشي“ بفتح الحاء والراء.

والحدیث ذکرہ ابن کثیر فی التفسیر ۳۹:۴ عن المسند۔ ثم قال: "وقد رواه البزار من حدیث مطرف عن الزبیر، وقال: لا نعرف مطرفاً روى عن الزبیر غیر هذا الحدیث۔" وهو أيضاً فی الزوائد ۲۷:۷ وقال: "رواه أحمد بإسنادین، رجال أحدهما رجال الصحيح"، یرید به هذا، یرید بالإسناد الآخر ما یأتی ۱۴۳۸۔

ایک اور روایت اس طرح ہے: حدثنا رَوْحُ حدثنا محمد بن أبي حفصة حدثنا الزهري عن عُبَيْدِ اللَّهِ بن عبد الله عن ابن عباس قال: سمعت عبد الرحمن بن عوف يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا كان الوباء بأرض ولست بها فلا تدخلها، وإذا كان بأرض وأنت بها فلا تخرج منها (۳۷۳)۔ اس پر احمد محمد شاكر نے حاشیہ اس طرح لکھا ہے: إسنادہ صحيح۔ محمد بن أبي حفصة البصري: ثقة، وثقه ابن معين وأبو داود وغيرهما، وترجمه البخاري في الكبير ۱/۱/۲۲۶ باسم "محمد بن ميسرة" وهو اسم أبي حفصة، وأخرج له الشيخان۔ عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود: تابعي ثقة فقيه شاعر، كثير الحديث والعلم۔ والحدیث رواه البخاري ۱۰:۱۵-۱۴۱ و ۱۲:۳۰۳ ومسلم ۱: ۱۸۸ وأبو داود ۳: ۱۵۳-۱۵۴ من طريق الزهري عن عبد الحميد بن عبد الرحمن بن زيد بن الخطاب عن عبد الله بن عبد الله بن الحرث بن نوفل عن ابن عباس، وفيه قصة عند البخاري ومسلم۔ وسيأتي من هذه الطريق ۱۶۷۹ والمراد بالوباء هنا الطاعون، وانظر ۱۶۷۸۔

۳۔ معروف محدث ناصر الدین الالبانی نے "سلسلة الاحاديث الصحيحة" میں یہ حدیث لکھی ہے: إنما بعثت لأتمم مكارم (وفى رواية صالح) الأخلاق (۴۷۵)۔

اس پر حاشیہ اس طرح لکھا ہے: رواه البخاري في "الأدب المفرد" رقم (۲۷۳)، وابن سعد في "الطبقات" (۱/۱۹۲)، والحاكم (۲/۶۱۳)، وأحمد (۲/۳۱۸)، وابن عساكر في "تاريخ دمشق" (۶/۲۶۷/۱) من طريق ابن عجلان عن

الققعقاع بن حکیم عن ابي صالح عن ابي هريرة مرفوعاً۔ وهذا إسناد حسن، وقال الحاكم: "صحيح على شرط مسلم" ووافقه الذهبي! وابن عجلان، وإنما أخرج له مسلم مقروناً بغيره۔ وله شاهد، أخرجه ابن وهب في "الجامع" (ص ۷۵): أخبرني هشام بن سعد عن زيد بن أسلم مرفوعاً به۔ وهذا مرسل حسن الإسناد، فالحديث صحيح۔ وقد رواه مالك في "الموطأ" (۲/ ۸۰۴) بلاغاً، وقال ابن عبد البر: "وهو حديث صحيح متصل من وجوه صحاح عن أبي هريرة وغيره"۔

۳۔ ناصر الدین الالبانی نے "سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة" میں یہ حدیث لکھی ہے: كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ: مِنْ غَرَضِهَا وَطَوِيلِهَا (۳۷۲)۔ اس پر حاشیہ اس طرح لکھا ہے: موضوع أخرجه الترمذي (۱۱/۳)، والعقيلي في "الضعفاء" (ص ۲۸۸)، وابن عدي (۲/۲۴۳)، وأبو الشيخ في "أخلاق النبي ﷺ" (۳۰۶) من طريق عمر ابن هارون البلخي عن أسامة بن زيد عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده مرفوعاً۔ وقال الترمذي: "هذا حديث غريب، سمعت محمد بن إسماعيل يقول: عمر بن هارون مقارب الحديث، لا أعرف له حديثاً ليس له أصل۔ أو قال: يتفرد به۔ إلا هذا الحديث"۔ قلت: وفي ترجمته رواه العقيلي، ثم قال: "ولا يُعرف إلا به، وقد رُوي عن النبي ﷺ بأسانيد جيدة أنه قال: "أعفوا اللحى، وأحفوا الشوارب"، وهذه الرواية أولى"۔ وعمر هذا: قال في "الميزان": "قال ابن معين: كذاب خبيث۔ وقال صالح جزرة: كذاب"۔ ثم ساق له هذا الحديث۔ لكن قال ابن عدي عقبه: "وقد رُوي هذا عن أسامة غير عمر بن هارون"۔ فلينظر، فإنه خلاف ما قاله البخاري والعقيلي أنه تفرد به عمر۔

۵۔ امام بخاری کی مصابیح السنن کی تحقیق یوسف عبدالرحمن المرعشی، محمد سلیم سارہ، اور جمال حمزہ الذہبی نے کی ہے بطور مثال حدیث اس طرح ہے: وقالت عائشة رضی اللہ عنہا: كَانَ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّيَ الصُّبْحَ فَيَنْصَرِفَ النِّسَاءُ مُتَلَفَّعَاتٍ بِمَرْوُطِهِنَّ مَا يُعْرِفْنَ مِنَ الْفَلَسِ (۴۷۷)۔

اس پر حاشیہ اس طرح لکھا ہے: متفق علیہ۔ أخرجه: البخاري في الصحيح ۳۴۹/۲، كتاب الأذان (۱۰)، باب انتظار الناس قيام الإمام العالم (۱۳۳)، الحديث (۸۶۷)۔ ومسلم في الصحيح ۴۴۶/۱، كتاب المساجد (۵)، باب استحباب التبكير بالصبح في أول وقتها، وهو التغليس (۴۰)، الحديث (۶۴۵/۳۳۲)۔ ومتلفعات: أي متجللات ومتلففات، وبمروطهن: أي بأكسيتهن واحدها ومرت بكسر الميم (النووي، شرح صحيح مسلم ۱۴۳/۵-۱۴۴)۔ و (الفلس): ظلمة آخر الليل۔

علم تخریج حدیث سے متعلق کتب

علم تخریج حدیث دیگر علوم کی طرح قدیم نہیں بلکہ اس کا رواج بعد میں پڑا، خاص کر اس وقت جب طالب علموں کو اسے پڑھانے کی ضرورت پڑی۔ اساتذہ نے اپنے پڑھانے اور طلباء کے فائدے کے لیے بعض کتب لکھیں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

- ۱۔ حصول التخرج بأصول التخرج، لأبي الفیض احمد بن الصدیق الغماری (م ۱۳۸۰ھ) بمکتبة الطمیریا لریاض۔
- ۲۔ اصول التخرج ودراسة لأسانید، للدكتور محمود الطحان، دار القرآن الکریم، بیروت ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱م۔
- ۳۔ کشف اللثام عن اسرار تخریج احادیث سید الأنام، الدكتور عبدالموجود محمد عبداللطیف، بدار ابن حمیمہ، مصر، ۱۹۸۵م۔
- ۴۔ طرق تخریج حدیث رسول اللہ ﷺ، الدكتور عبدالمحمد عبد القادر عبدالحادی، بدار الاعتصام، مصر، ۱۹۸۷م۔
- ۵۔ اصول التخرج وطرق تخریج الحدیث، للدكتور شاکر زب فنیاض۔

- ۶۔ منہج دراستہ لاء سائید والحکم علیہا، ویلیہ دراستہ فی تخریج لاء حادیث، للدکتور ولید بن حسن
العالمی (۱۴۱۶ھ-۱۹۹۶م) بدار القاس، الارون، ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۷م۔
- ۷۔ علم تخریج لاء حادیث: اصول۔ طرائق۔ مناهج۔ لدکتور محمد محمود بکار۔ دار طبعیۃ الرياض،
۱۴۱۸ھ۔
- ۸۔ تخریج الحدیث، لدکتور ہمام عبدالرحیم سعید۔ جلد۱ القدس المستنیرہ فی عمان ۱۹۹۶م۔
- ۹۔ تبصیر علم التخریج، الدکتور مصطفیٰ سلیمان الندوی۔ نشر دار الکلمۃ۔
- ۱۰۔ التامیل لاء اصول التخریج، للشیخ بکر بن عبداللہ ابوزید۔ نشر بدار العاصمة فی الرياض،
۱۴۱۳ھ۔
- ۱۱۔ مفاتیح علوم الحدیث وطرق تخریج، لجمہ عثمان الخشت۔ مکتبۃ الساعی الرياض۔
- ۱۲۔ فن تخریج الحدیث، للدکتور عزت علی عید عطیہ۔ وهو مقال نشر فی مجلۃ کتبہ الشریعہ واصول
الدین والعلوم العربیۃ والاجتماعیۃ بالقسم، ۱۴۰۱ھ-۱۴۰۲ھ، السنۃ الثانیۃ، العدد الثانی۔
- ۱۳۔ مناهج المحدثین: حدودها وغاياتها ومصادرها، الدکتور نور الدین عتر حفظہ اللہ ورعاه۔ وهو
مقال نشر فی مجلۃ لاء حمیہ، العدد الخامس، المحرم ۱۴۲۱ھ نیسان ۲۰۰۰م۔ نیز فیہ بین التخریج
ومناهج المحدثین۔
- ۱۴۔ طرق تخریج اقوال الصحابہ والتابعین: تکملۃ کتاب طرق تخریج حدیث رسول اللہ ﷺ،
د۔ عبدالحمید عبدالقادر عبدالهادی مکتبۃ الایمان، القاہرہ، ۱۴۱۷ھ۔
- ۱۵۔ تخریج الحدیث الشریف، د۔ علی تائف بقای، دار البعائر الاسلامیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰م
الطبعۃ الاولی۔

علم الانساب

تعریف

انساب نسب کی جمع ہے اور کتب انساب سے مراد ایسی کتب ہیں جو راویوں کے نسب سے متعلق ہوں اور ان میں ان کی نسبتوں کا ذکر ہو۔ ان میں سے بعض کتب اور ان کے مؤلف درج ذیل ہیں: ہو علم يتصرف منه أنساب الناس وقواعد الكلية والجزئية والفرض منه الاحتراز عن الخطأ في النسب شخص (۳۷۷-۱) (یہ ایسا علم ہے جس کے ذریعے لوگوں کے نسب، کلی اور جزئی قاعدہ سے پہچانا جاتا ہے۔ اور اس علم کا غرض وعایت نسب میں غلطیوں سے بچنا ہے)

۱۔ امام محمد بن طاہر المقدسی شیبانی (م ۵۰۷ھ)۔

ان کی پیدائش شوال ۳۳۸ھ میں ہوئی۔ آپ کی کنیت ابو الفضل اور نام محمد بن طاہر ہے۔ بیت المقدس کے رہنے والے مشہور حافظ حدیث ہیں۔ آپ نے طلب علم کے لیے تمام اسلامی ممالک کے علمی سرچشمے کھگال ڈالے اور اپنے قلب و دماغ میں علم کا اتنا وسیع ذخیرہ جمع کیا جو کسی نے جمع نہیں کیا ہوگا۔ آپ ابن قیصرانی شیبانی کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں (۳۷۸)۔

ابن طاہر اپنے متعلق کہتے ہیں کہ تحصیل حدیث میں، میں نے کبھی جانور پر سواری نہیں کی بلکہ اپنی کتابیں اپنی کمر پر اٹھا کر پیدل چلتا تھا۔ میں نے طالب علمی کے زمانہ میں کبھی کسی سے کوئی چیز نہیں مانگی جو مل جاتا اس پر گزراہ کر لیتا تھا۔ آپ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ سفر میں ہمیشہ دن رات ۲۰ فرلانگ فاصلہ طے کرتے تھے اور انہیں اس پر قدرت حاصل تھی (۳۷۹)۔

اساتذہ

آپ نے اپنے شہر میں فقیہ لھر، ابو عثمان بن ورقاء اور بغداد میں ابو محمد صریفی، ابو المعصور اور ان کے طبقے سے، مکہ معظمہ میں حسن بن عبد الرحمن شافعی، سعد بن علی زنجانی، مصر میں ابو اسحاق حبال سے علم حدیث حاصل کیا (۳۸۰)۔ اصفہان میں عبد الوہاب بن مندہ، نیشاپور میں فضل بن محبت، ہرات میں محمد بن ابی مسعود قاری، آمد میں قاسم بن احمد اصفہانی سے علم حدیث کی سند حاصل کی (۳۸۱)۔

دینور میں ابو بکر بن لال کے شاگرد ابن عباد، رے میں ابو زکریا مزی کے شاگرد اسماعیل بن علی سے، سرخس میں محمد بن مظفر سے، قزورین بن ابو عمر بن مہدی کے شاگرد محمد بن ابراہیم عجمی سے، کوفہ میں ابوالقاسم حسین بن محمد سے، موصل میں حبیب اللہ بن احمد مرقی سے علم حدیث حاصل کیا۔ اس کے علاوہ مرد الروز، نوقان، حرین شریفین، ہمدان، واسط، اسد آباد، بسطام اور دیگر شہروں میں بھی پہنچے اور وہاں کے سرچشمہ ہائے علم سے اپنی پیاس بجھائی (۳۸۲)۔

تلامذہ

آپ سے استفادہ کرنے والوں میں شیروہ بن شہر دار، ابو جعفر بن ابی علی، ابو نصر غازی، عبد الوہاب سلفی اور ان کے صاحبزادے، ابو زرہ محمد بن اسماعیل طرطوسی اور دوسرے لوگ شامل ہیں (۳۸۳)۔

مقام و مرتبہ

ابوالقاسم ابن عساکر کہتے ہیں: میں نے حافظ محمد بن اسماعیل کو فرماتے سنا، کہتے تھے جن محدثین کو مجھے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان میں ابن طاہر سب سے بڑے حافظ حدیث ہیں (۳۸۴)۔ حافظ سلفی کہتے ہیں میں نے ابن طاہر سے سنا ہے کہ میں نے رے میں معین، سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ کو سات مرتبہ لکھا (۳۸۵)۔ سعانی کہتے ہیں کہ میں نے ابوالحسن کوفی سے ابن طاہر کے متعلق پوچھا تو بولے روئے زمین پر ان کی نظیر نہیں ملتی (۳۸۶)۔

ابو مسعود عبدالرحیم حامی کہتے ہیں میں نے ابن طاہر سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ طلب حدیث میں مجھے دو بار خون کا پیشاب آنے لگا تھا۔ ایک دفعہ بغداد میں اور دوسری دفعہ مکہ معظمہ میں۔ کیونکہ سخت گرمی میں نیچے پاؤں سفر کرتا تھا جس کی وجہ سے مجھے یہ بیماری لاحق ہو گئی۔

دقاق اپنے رسالہ میں ان پر کتبہ چینی کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”یہ طاعت گرو صوفی تھے۔ پہلے رے پھر ہمدان میں سکونت پذیر تھے۔“ صفوۃ التصوف ”نامی کتاب کے مصنف ہیں۔ بخاری، مسلم اور دیگر محدثین کے شیوخ کے بارے میں انہیں معمولی واقفیت حاصل تھی۔ امام ذہبی لکھتے ہیں۔“ اے کتبہ چینی! یہ تم سے کہیں زیادہ حافظ حدیث ہے۔“ دقاق نے یہ بھی کہا ہے کہ مجھے ان کے متعلق بتایا

گیا ہے کہ یہ ہر چیز کی اباحت کے قائل تھے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کے مسلمان تھے۔ سنت کے پابند تھے۔ عملیات میں حدیث کو کبھی نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ ہاں سماع کی اباحت کے قائل تھے۔ زندقہ اور کفر کی قسم کی مطلق اباحت سے کوسوں دور تھے“ (۳۸۷)۔

سماع حدیث

ابن طاہر کہتے ہیں کہ ۴۶۰ھ میں میں نے حدیث کا سماع شروع کر دیا اور مزید تعلیم کے لیے ۴۶۷ھ میں بغداد میں داخل ہوا (۳۸۸)۔ شیرویه، تاریخ ہمدان میں لکھتے ہیں ”ابن طاہر نے ہمدان میں مکان تعمیر کیا اور وہاں سکونت پذیر ہو گئے۔ آپ ثقہ اور حافظ حدیث تھے۔ صحیح اور ضعیف حدیث کو خوب جانتے تھے۔ رجال اور متون کے متعلق انہیں معرفت تامہ حاصل تھی۔ آپ کی تصانیف کا دائرہ بہت وسیع تھا، خط عمدہ تھا، اتباع سنت آپ کا اڑھنا بچھونا تھا اور فضولیات و تعصب سے دور بھاگتے تھے۔ ہلکے پھلکے جسم کے باوجود بڑے قوی تھے (۳۸۹)۔

تصانیف

ابن عساکر کہتے ہیں آپ کی تصنیف کردہ کتابوں کی فہرست بہت طویل ہے اور ان میں اہام بھی بہت زیادہ ہیں۔ شعر البتہ اچھے کہتے تھے لیکن نحو میں کچھ ماہر نہیں تھے۔ مبارک بن کامل کہتے ہیں: مجھے ابن طاہر نے یہ شعر سنایا۔

سار و ابھا کالبدر فی ہودج یعیس محفوفاً بآثر ابہ (۴۹۰)

(رقیب چاند جیسی محبوبہ کو کچا وے میں سوار کر کے لے چلے جو اپنی بھولیوں میں گھری جا رہی تھی)۔

وفات

شجاع ذیلی کہتے ہیں: ”ابن طاہر نے حج سے واپسی پر جمعہ کے دن ربیع الاول اور بقول ابو العرفصہ ربیع الاول ۵۰۷ھ میں بغداد میں داعی اجل کو لبیک کہا“ (۴۹۱)۔

۲۔ امام رشتا طحطاوی لکھی مری (۵۳۲ھ)

آپ کی کنیت ابو محمد، نام عبداللہ بن علی بن عبداللہ اور لقب رشتا طحطاوی ہے۔ آپ ۴۶۶ھ میں

پیدا ہوئے۔ ابن عارف نے آپ کا سال پیدائش ۳۶۵ھ لکھا ہے مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے (۳۹۲)۔
مریہ کے رہنے والے نامور حافظ حدیث اور علم الانساب کے بہت بڑے عالم ہیں (۳۹۳)۔ ابو جعفر بن
زبیر کہتے ہیں۔ آپ نے ابو علی غسانی، ابو الحسین، ابو علی صدیقی، ابن فحون اور بعض دوسرے علما سے علم کی
تحصیل کی (۳۹۴)۔

آپ متعدد کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ جن میں سے قابل ذکر یہ ہیں:

- ۱۔ اقتباس الانوار والتماس الازہار فی انساب الصحابة رواة الآثار
 - ۲۔ الاعلام لما فی المختلف والمؤتلف للدارقطنی من الأوهام۔
 - ۳۔ الانتصار من القاضی أبی محمد بن عطیہ۔
- ان کے علاوہ بھی آپ کی تصنیف کردہ کتب بہت ہیں (۳۹۵)۔

مقام و مرتبہ

آپ صاحب ضبط و اتقان اور امام ہیں۔ علم الرجال کے ماہر، تاریخ و انساب کے حافظ، با
کمال فقیہ اور محدث ہیں۔ آپ ان محدودے چند مشاہیر میں سے ایک ہیں جن کی طرف اگلیوں سے
اشارہ کیا جاتا ہے۔ آپ سے ابو محمد عبید اللہ، احمد بن حمر، ابن مضہ، ابن خالد بن رفاعہ، ابو محمد عبد الرحیم اور
ابو بکر بن ابی جرہ روایت کرتے ہیں (۳۹۶)۔ آپ نے جمادی الآخر ۵۳۲ھ میں شہر ”مریہ“ پر دشمن کے
قبضہ کے وقت جام شہادت نوش فرمایا (۳۹۷)۔

۳۔ امام علامہ ابن الاثیر الجزری (م ۶۳۰ھ)

آپ کی کنیت ابو الحسن، نام علی بن اثیر، ابو اکرم محمد بن محمد بن عبد اکرم شیبانی، لقب عز
الدین، جزیرہ ابن عمر کے رہنے والے بلند پایہ حافظ حدیث، نامور محدث اور جلیل القدر لغوی ہیں۔ شہرہ
آفاق کتب ”تاریخ کامل“ ”اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ“ اور ”الانساب“ وغیرہ کے مصنف اور صاحب
”جامع الاصول“ علامہ محمد الدین اور صاحب کتاب ”الثل السائر“ وزیر ضیاء الدین نصر اللہ کے بھائی
ہیں (۳۹۸)۔ ۵۵۵ھ میں جزیرہ ابن عمر میں پیدا ہوئے اور موصل میں خطیب ابو الفضل طوسی اور یحییٰ
الفہمی وغیرہ سے، بغداد میں عبد السمعم بن کلیب اور دمشق میں ابو القاسم بن صغری اور زین الامناء سے

حدیث کا سماع کیا۔ اپنی تصانیف میں ان شیوخ سے روایت کرتے ہیں۔ مختلف اوقات میں موصل، دمشق اور حلب میں حدیث پڑھاتے رہے ہیں (۳۹۹)۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست خاصی طویل ہے۔ قابل ذکر درج ذیل ہیں۔

ابن دیناری، قوسی، محمد الدین عقیلی، شرف الدین ابن عساکر اور قضائی وغیرہ (۵۰۰)۔

عام حالات

آپ کی ذات مجمع فضائل اور آپ کا گھر مجمع علما تھا۔ آپ بہت بڑے عالم، علم الانساب اور علم الرجال کے ماہر اور نامور مؤرخ تھے۔ تواضع پسند، سخی اور امانت دار تھے۔ آپ ایک دفعہ شاہی ایلچی کی حیثیت سے شام بھی تشریف لائے تھے۔ آپ نے موصل کی ایک تفصیلی تاریخ لکھنا شروع کی تھی لیکن وہ پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکی (۵۰۱)۔

آپ کا شہر جزیرہ ابن عمر ہے بقول ابن خلکان اس کے بانی رئیس اعظم عبدالعزیز بن عمر برقعیدی ہیں انہیں کی طرف یہ منسوب ہے۔ ابن المستوفی مؤرخ ارمل نے دوسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ اس شہر کو عمر بن اوس تقطی کے دونوں بیٹوں اوس اور کامل نے آباد کیا تھا۔ جوان کی طرف انتساب کی وجہ سے جزیرہ ابن عمر کہلایا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ گورنر عراق یوسف بن عمر ثقفی کی طرف منسوب ہے۔

علامہ ابن اثیر نے اواخر شعبان ۶۳۰ھ میں انتقال فرمایا (۵۰۲)۔

۴۔ امام السمعانی مروزی قمی (م ۵۶۲ھ)

آپ کی کنیت ابوسعید اور نام عبدالکریم بن حافظ تاج الاسلام ابوبکر محمد بن علامہ مجتہد ابوالمظفر منصور بن محمد ہے۔ مرو کے رہنے والے نامی گرامی اور باکمال حافظ حدیث ہیں۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ شعبان ۵۰۶ھ میں پیدا ہوئے (۵۰۳)۔ ۵۰۹ھ کے آخر میں آپ کے والد انہیں نیشاپور لے گئے اور عمر رسیدہ شیخ عبدالغفار بن محمد شیرازی، عبید بن محمد قشیری اور متعدد دوسرے محدثین کی مجلس میں حاضر کیا (۵۰۳)۔ مرو میں ابومنصور محمد بن علی نافذ کرامی کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع بھی ملا پھر ۵۱۰ھ میں والد ماجد کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا تو آپ نے اپنے چچاؤں اور خاندان کے دوسرے افراد کے زیر کفالت تربیت پائی (۵۰۵)۔

قرآن مجید حفظ کیا اور علم فقہ کی تعلیم حاصل کی پھر علم حدیث کی طرف رغبت ہوئی اور اس کی محبت دل میں اس طرح سمائی کہ اس میں کمال پیدا کیا جائے چنانچہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے زنجب سفر باندھا اور دور دراز ممالک کی طرف روانہ ہو گئے (۵۰۶)۔ نیشاپور میں ابو عبد اللہ فراوی، زاہر شحامی اور اس طبقہ کے دوسرے محدثین سے فیض حاصل کیا (۵۰۷)۔ اصفہان میں حسین بن عبد الملک خلال، سعید بن ابوالرجاء اور اس طبقہ کے دوسرے اہل علم سے، بغداد میں ابو بکر محمد بن عبد الباقی انصاری اور دوسرے مشاہیر سے، کوفہ میں عمر بن ابیہم علوی سے اور دمشق میں ابوالفتح مصعصی سے حدیث کا سماع کیا (۵۰۸)۔ اس کے علاوہ بخارا، سمرقند اور بلخ کے علمی سرچشموں سے بھی سیراب ہوئے۔ فراغت کے بعد متعدد جلدوں میں ایک معجم لکھی (۵۰۹)۔

مقام و مرتبہ

آپ بہت ذہین اور حیرت انگیز تھے۔ آپ کی تحریر بہت خوشخط اور خوش نمائشی اور لکھنے میں سبک رفتار تھے۔ عرصہ تک درس و تدریس اور فتویٰ نویسی میں مصروف رہے۔ وعظ بھی کیا کرتے تھے۔ حدیث کی الامامی کرایا کرتے تھے۔ آنے جانے والے مشاہیر سے علمی فوائد لکھ لیا کرتے تھے (۵۱۰)۔ ثقہ، حافظ اور جہت تھے۔ حصول علم کے لیے آپ کے سفر کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ راست گواور دیاندار تھے۔ آپ کی سیرت بے داغ تھی۔ دوستوں کے ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔ علم کا وسیع ذخیرہ اپنے قلب و دماغ میں محفوظ رکھتے تھے (۵۱۱)۔

ابن نجار کہتے ہیں ”میں نے بہت سے لوگوں سے سنا ہے کہ آپ کے شیوخ اور اساتذہ کی تعداد سات ہزار افراد تک پہنچتی ہے اور یہ وہ تعداد ہے کہ آپ کے سوا اتنے شیوخ سے استفادہ کا موقع کسی کو کم ہی ملا ہوگا۔ آپ کی تصانیف عمر کی اور حسن ترتیب میں شاہکار ہیں۔ جن کو جگہ جگہ ظریفانہ لطائف اور بر محل اشعار نے چار چاند لگا دیے ہیں“ (۵۱۲)۔ آپ ثقہ، صاحب دیانت، ظریف الطبع اور کثیر السطر تھے۔ تبحر علمی کا یہ حال ہے کہ نہ صرف اقران بلکہ اکثر شیوخ بھی آپ سے استفادہ کرنے پر مجبور تھے (۵۱۳)۔

امام ذہبی لکھتے ہیں ہمیں محدثین کی ایک جماعت نے آپ سے بلا واسطہ حدیث بیان کی

ہے۔ میں کہتا ہوں آپ کے تلامذہ میں آپ کے صاحبزادے عبدالرحیم مفتی مرو، حافظ ابوالقاسم ابن عساکر، ان کے صاحبزادہ قاسم، عبدالوہاب بن سیکہ، عبدالغفار بن منعماء، ابوروح عبدالعزیز بن محمد ہروی، ابوالعوذ شہاب شندیانی، افتخار عبدال مطلب حلبي، ابوالفتح محمد بن محمد صالح اور دوسرے مشاہیر شامل ہیں (۵۱۳)۔

تصانیف

آپ کی تصنیف کردہ کتابوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ ان میں سے مندرجہ ذیل کتابوں کے نام ابن نجار نے نقل کیے ہیں:

۱۔ الذیل علی تاریخ الخطیب	۲۔ تاریخ مرو
۳۔ ادب الطلب	۴۔ الاسفار عن الاسفار
۵۔ الاطباء والاستملاء	۶۔ معجم البلدان
۷۔ معجم الشیوخ	۸۔ تحفۃ المسافر
۹۔ الہدیۃ	۱۰۔ عز العزلہ
۱۱۔ الادب واستعمال الحسب	۱۲۔ المناسک
۱۳۔ الدعوات	۱۴۔ الدعوات المہوۃ
۱۵۔ غسل المیدین	۱۶۔ امانین السہا تین
۱۷۔ دخول الحمام	۱۸۔ صلوٰۃ التبیح
۱۹۔ التحایا	۲۰۔ تحفۃ العید
۲۱۔ الرسائل والوسائل	۲۲۔ فضل الہر
۲۳۔ الانساب	۲۴۔ صلوٰۃ الضحیٰ
۲۵۔ الصدق فی الصدقات	۲۶۔ تخفیف الصلوٰۃ
۲۷۔ لغتہ المصباح الی ساکن العراق	۲۸۔ من کنیتہ ابوسعید
۲۹۔ فضائل الشام (۵۱۵)	

علامہ ابوسعید بیت المقدس بھی گئے اس وقت اس پر عیسائیوں کا قبضہ تھا۔ آپ نے اپنی تصنیف کتاب التجیر میں اپنے شیوخ کے حالات قلمبند کیے اور اس میں بڑے عمدہ فوائد جمع فرمائے ہیں (۵۱۶)۔ آپ نے ۵۶ سال کی عمر میں شروع ربیع الاول ۵۶۲ھ شہر مرو میں داعی اجل کو لبیک کہا (۵۱۷)۔

۵۔ امام خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ)

آپ کی کنیت ابو بکر نام احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی اور لقب محدث الشام والعراق ہے۔ آپ بغداد کے رہنے والے بہت بڑے عالم اور نامور حافظ حدیث ہیں۔ بہت سی عمدہ اور عمد مغز کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۳۹۲ھ میں پیدا ہوئے (۵۱۸)۔ آپ کے والد عراق کی ایک بستی درزبجان کے خطیب تھے۔ انہوں نے علامہ کتانی سے قرآن مجید پڑھا تھا اور انہی سے حدیث کا سماع کیا تھا۔ وہ اپنے اس لڑکے یعنی صاحب ترجمہ کی تعلیم و تربیت کے لیے بڑے حریص تھے۔ اس لیے انہوں نے ان کو بچپن ۴۰۳ھ میں ہی حدیث کا سماع کرانا شروع کر دیا تھا (۵۱۹)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس بچے کے دل میں مرید اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا کر دیا۔ چنانچہ وہ مختلف ممالک کی طرف دیوانہ وار لپکے اور نور علم سے اپنے قلب و دماغ کو منور کیا (۵۲۰)۔ فراغت کے بعد ایسی جامع کتابیں لکھیں جو آپ کی زندگی میں ہی چار واکب میں عالم پھیل گئیں (۵۲۱)۔ اور آپ جملہ فنون و حدیث میں اپنے ہم عصروں سے سبقت لے گئے۔ آپ نے بغداد میں ابوالحسن بن ملت اہوازی، ابوعمر بن مہدی، ابوالحسن بن عظیم، ابن زرقوبہ، ابراہیم بن قلد باخری اور اس شہر میں موجود دوسرے اہل علم سے حدیث کا سماع کیا (۵۲۲)۔ پھر ۳۱۲ھ میں بصرہ گئے اور راویہ السنن ابو عمر قاسم بن جعفر ہاشمی، علی بن قاسم عبدالرحمان بن محمد سراج، قاضی ابو بکر حیری، ابولھر کسار اور ایک جماعت سے امدان میں محمد بن عیسیٰ سے اکتساب فیض کیا (۵۲۳)۔ اس طرح کوفہ، رے، حرین شریفین، دمشق، قدس، صور وغیرہ کے علمی سرچشمے کو کھنگالا۔ آپ حج کرنے کے لیے گئے اور ۳۵۱ھ میں دوبارہ شام آئے اور گیارہ سال تک مقیم رہے (۵۲۴)۔

تلامذہ

آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے چند مشہور شخصیات کے نام درج ذیل ہیں:

شیخ برقانی، ابو الفضل بن خیرون، فقہیہ مصر مقدی، ابو عبد اللہ حمیدی، عبد العزیز کستانی، ابوالھر بن ماکولا، عبد اللہ بن احمد سرقدی، مبارک بن طیوری، عبد الرحمان بن محمد قزازیانی، یوسف بن ایوب ہمدانی نزہل مصر اور دوسرے بہت سے لوگ جن کا شمار مشکل ہے (۵۲۵)۔ ابن ماکولا کے بقول ”جن چوٹی کے علما سے ہمیں ملنے کا اتفاق ہوا خطیب ان میں سے معرفت، حفظ، ضبط و اتقان، علل و اسانید کی چھان بین اور حدیث صحیح و غریب، فرد و منکر اور مطروح کے جاننے میں آخری شخص ہیں“ (۵۲۶)۔

مؤرخین سیاحی کہتے ہیں ”بغداد نے امام دارقطنی کے بعد خطیب جیسا کوئی آدمی پیدا نہیں کیا (۵۲۷)۔ ابوسعید سمعانی کہتے ہیں ”خطیب بارع، پر وقار، ثقہ، حق کے متلاشی اور حجت تھے۔ آپ کی تحریر بڑی دلکش ہوتی تھی کثیر الفہم اور فصیح الکلام تھے۔ آپ پر حفاظ حدیث کا خاتمہ ہوا (۵۲۸)۔

علامہ خطیب کا اپنا بیان ہے کہ جب وہ حج کے لیے گئے تو انہوں نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہ جس مقصد کے لیے آپ زم زم یا جائے وہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ زم زم کا پانی تین مرتبہ پیا اور اللہ تعالیٰ سے تین حاجتیں طلب کیں۔ پہلی حاجت یہ تھی کہ انہیں اپنی مشہور عالم کتاب ”تاریخ“ بغداد میں پڑھانے کا موقع ملے۔ دوسری حاجت یہ تھی کہ وہ جامع منصور میں حدیث ائمہ کرائیں۔ تیسری حاجت یہ تھی کہ انہیں مرنے کے بعد مشہور ولی اللہ بشرحانی کے جوار میں دفن کیا جائے۔ چنانچہ اللہ نے ان کی یہ تینوں خواہشیں پوری کیں (۵۲۹)۔ آپ کا میاب مصنف تھے۔ علامہ سمعانی نے آپ کی تصنیف کردہ کتابوں کی تعداد ۵۲۵ بتائی ہیں۔ ان میں سے چند مشہور کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ تاریخ بغداد	۲۔ الجامع لا غلاق الراوی و آداب السامع
۳۔ الکفایہ	۴۔ السابق و البلا حق
۵۔ شرف اصحاب الحدیث	۶۔ المستحق و المستحق
۷۔ الفصل والوصل	۸۔ الموضح
۹۔ التظیم	۱۰۔ الفقہ و الحنفیہ
۱۱۔ الرواۃ عن مالک	۱۲۔ البیلا
۱۳۔ الفنون	۱۴۔ الجہر بہا

۱۵۔	من حدیث نسی	۱۶۔	الحیل۔
۱۷۔	الرحلۃ فی طلب الحدیث	۱۸۔	اتقاء العلم
۱۹۔	مقلوب الاسماء	۲۰۔	صلوة التسبیح
۲۱۔	صوم یوم العکک	۲۲۔	اجازۃ الجہول (۵۳۰)

ابو الحسن ہمدانی کہتے ہیں۔ خطیب کی وفات کے ساتھ یہ علم مر گیا۔ رئیس الرؤساء نے شہر کے واعظوں اور خطیبوں کو حکم دیا تھا کہ وہ خطیب کو دکھائے اور ستائے بغیر کوئی حدیث روایت نہ کریں۔ ایک دفعہ ایک یہودی نے ایک ایسی دستاویز پیش کی جس میں حضور ﷺ کے اہل خیر سے جزیہ معاف کر دینے کا ذکر تھا اور اس دستاویز پر بعض صحابہ کی شہادت بھی ثبت تھی۔ وزیر نے یہ دستاویز علامہ خطیب کو دکھائی تو انہوں نے کہا یہ دستاویز جعلی ہے۔ وزیر نے آپ سے پوچھا کس بنا پر اس کو جعلی کہتے ہیں؟ بولے اس میں حضرت معاویہؓ کی شہادت درج ہے اور اس وقت وہ مسلمان ہی نہیں تھے۔ وہ خیر کے بعد فتح مکہ کے سال اسلام لائے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں حضرت سعد بن معاذ کی گواہی ہے اور وہ جنگ خیبر سے پہلے انتقال کر گئے تھے (۵۳۱)۔

شجاع ذہلی کہتے ہیں، خطیب امام، مصنف اور ایسے ہا کمال حافظہ حدیث تھے کہ ان کی نظیر نہیں ملتی تھی (۵۳۲)۔ جب خطیب بغداد آئے اور انہیں پتا چلا کہ ایک کتاب میں خلیفہ قائم بامر اللہ کے سماع کا ذکر ہے تو دار الخلافہ پہنچے اور کتاب مذکور کے مطالعہ کی اجازت چاہی خلیفہ کو معلوم ہوا تو بولے یہ بڑے آدمی ہیں۔ اس کتاب کو پڑھنے سے ان کی کیا غرض ہو سکتی ہے؟ انہیں کوئی اور کام ہوگا؟ دیکھو وہ کیا کام ہے؟ جب آپ سے پوچھا گیا کہ دراصل آپ کا مقصد کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میرا مقصد یہ ہے کہ مجھے جامع منصور میں حدیث الما کرانے کی اجازت مل جائے (۵۳۳)۔

امیر ابو منصور علی بن علی کہتے ہیں خطیب نے خلیفہ قائم باللہ کو ایک مکتوب لکھا کہ میرے بعد میرا مال بیت المال میں جائے گا۔ مجھے اسے اپنی مرضی کے مطابق تقسیم کرنے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ خلیفہ نے اجازت دے دی اور آپ نے اپنا سارا مال محدثین میں تقسیم کر دیا (۵۳۴)۔

کئی ریشلی کہتے ہیں علامہ خطیب ۱۵ رمضان المبارک ۴۶۳ھ میں بیمار ہوئے۔ دو مہینے برابر

بیمار ہے۔ ذی الحجہ کے شروع میں بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور ذی الحجہ کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا (۵۳۵)۔

علم الانساب پر اہم تصنیفات

- ۱۔ انساب حمیر و طوکلہ لابن حشام صاحب السیرۃ (م ۲۱۳ھ)۔
- ۲۔ کتاب النسب لابن عبید قاسم بن سلام الکھروی (م ۲۲۳ھ)۔
- ۳۔ انساب الشعراء لابن جعفر محمد بن حبیب البغدادی (م ۲۴۵ھ)۔
- ۴۔ نسب قریش، للزبیر بن بکار (م ۲۵۶ھ)۔
- ۵۔ انساب الاشراف، للہما ذری (م ۲۷۹ھ)۔
- ۶۔ نسب مدائن و قحطان، لابن العباس محمد بن یزید البرداجی (م ۲۸۵ھ)۔
- ۷۔ الاکلیل فی الانساب حمیر وایام طوکلہ لابن محمد الحسن بن احمد الحمداہنی (م ۳۳۳ھ)۔
- ۸۔ نسب عبد شمس، لابن الفرغ علی بن حسین اللاصحانی (م ۳۵۶ھ)۔
- ۹۔ نسب بنی شیبان، لابن الفرغ علی بن حسین اللاصحانی (م ۳۵۶ھ)۔
- ۱۰۔ نسب آل المصعب، لابن الفرغ علی بن حسین اللاصحانی (م ۳۵۶ھ)۔
- ۱۱۔ القصد والاہم الی انساب العرب والجم لابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ القرطبی (م ۴۶۳ھ)۔
- ۱۲۔ اقتباس الاوار والتماس الازہار فی انساب الصحابہ ورواۃ الامار، لابن محمد عبد اللہ بن علی اللغنی الرضا علی (م ۵۳۳ھ)۔
- ۱۳۔ التعریف بالانساب، لابن الحسن احمد بن محمد بن ابراہیم الأشعری (م ۵۵۰ھ)۔
- ۱۴۔ الانساب لابن محمد الحسن بن علی المعروف بالقاضی (م ۵۶۱ھ)۔
- ۱۵۔ انساب للسمعانی عبد الکریم (م ۵۶۳ھ)۔
- ۱۶۔ الجوہرۃ فی نسب النبی واصحابہ العشرۃ، لکمال الدین عبد الرحمن بن محمد الانباری (م ۵۷۷ھ)۔

- ١٧- عجله البتدي في الأناساب، لزين الدين، ابني بكر محمد بن موسى الحازمي (م ٥٨٣هـ).
 ١٨- تاج الأناساب، لمحمد بن اسعد الحسيني (م ٥٨٨هـ).
 ١٩- أنساب الحمد شين للمحافظ محبت الدين محمد بن محمود ابن التجار البغدادي (م ٦٣٣هـ).
 ٢٠- الشجرة في الأناساب، لمحمد بن رضوان (م ٦٥٤هـ).
 ٢١- بغية ذوي الهمم في معرفة...، للملك الفضل عباس ابن الملك الجاهد (م ٤٨٤هـ).
 ٢٢- أسماء القبائل واناسابها، لسيد معز الدين محمد الحمد ي قزويني (م ١٣٠٠هـ).
 ٢٣- دلو ان العرب ووجهة الادب في البضاح النسب، لمحمد بن احمد بن عبد الله الأسدی.

ابوسعبد عبدالکریم بن محمد بن منصور التمیمی السمعانی (۵۶۲ھ) کی کتابوں میں سے یہ مشہور ترین کتاب ہے۔ اس کے بارے میں صاحب کشف الظنون کہتے ہیں کہ یہ اس فن کی سب سے ضخیم اور کامل کتاب ہے جو آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ حجم میں بڑا ہونے کی وجہ سے اس کے مختلف لوگوں نے تراجم و خلاصے بھی لکھے ہیں (۵۳۶)۔

ابن الاثیر (م ۶۳۹ھ) نے اس کی تلخیص ”اللباب“ کے نام سے کی ہے اور اس میں کافی چیزیں شامل کی ہیں جو سمعانی سے رہ گئی تھیں۔ اور سیوطی نے اس کی بھی تلخیص لکھی اور بہت چیزوں کا اضافہ کیا۔ اور اس کا نام ”لب اللباب“ رکھا اور اس طرح قاضی قطب الدین محمد بن محمد الجھیری (م ۸۹۳ھ) نے بھی تلخیص کی لکھی۔ اور اس میں ابن الاثیر کے اضافوں کو بھی شامل کیا۔ اور اس کا نام ”الاکتاب“ رکھا (۵۳۶)۔ لائساب کے شروع میں علم الانساب کی تعریف، انساب کی معروف تصانیف، کتاب کا تعارف، مؤلف کے حالات زندگی، موجودہ ایڈیشن میں جس نسخہ پر اعتماد کیا ہے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد اصل کتاب مقدمہ سے شروع ہوتی ہے اور بعد میں علم الانساب کی تعلیم و معرفت کی ترغیب، رسول اللہ اور عرب قبائل کے نسب کا بیان ہے۔ پھر صفحہ ۵۶ سے حروف حجبی کا لحاظ رکھتے ہوئے ابواب میں نسب بیان کیا ہے۔ مثلاً باب الاقنین وما یثلبہما کے تحت سب سے پہلے لا یحیی کے متعلق لکھا ہے۔ روی عن ابیہ وعنه ابو النضر محمد بن یوسف الفقیہ، اخرج

حدیثہ الحاکم فی امالیہ (۵۳۷)۔ اور باب العین والطاء میں ”الطائر“ کی نسبت یوں لکھا ہے ہذہ النسبة الى بيع ”العطر“ والطيب، والمنتسبون الى هذه الصنعة جماعة كثيرة من العلماء والمحدثين (۵۳۸)۔ (یہ نسبت عطر اور خوشبو فروش پیشہ افراد کی طرف منسوب ہے اس پیشے کی نسبت علماء اور محدثین کی ایک جماعت کی طرف ہے)۔ پھر آگے ان کی تفصیل بیان کی ہے۔

کتاب النسب

یہ ابو عبید قاسم بن سلام (۱۵۴ھ-۲۲۳ھ) کی تالیف ہے جس کی مریم محمد خیر الدرع نے دمشق یونیورسٹی میں ڈاکٹر سہیل زکاء کی نگرانی میں تحقیق کی ہے اور ایم اے تاریخ کی ڈگری حاصل کی ہے (۵۳۹) اس کتاب کے شروع میں مقدمہ نے ۱۳۳ صفحات پر علم الانساب اور کتاب الانساب پر مفید بحث کی ہے۔ اس کے بعد مصنف پر بھی تفصیلی نوٹ تحریر کیا ہے۔ پھر کتاب النسب کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ اس میں عرب قبائل اور چند رؤساء کے نسب کو بیان کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے بنو ہاشم کے نسب کو بیان کیا ہے لکھتے ہیں ”ولد ہاشم بن عبد مناف: عبد المطلب وامہ سلمی بنت عمرو، من بنی عدی ابن النجار، ونضلة واسد، وصیفتا و ابا صیفی۔ فولد عبد المطلب: عبد اللہ، و ابا طالب والزبیر و عبد الکعبہ و امہما فاطمة بنت عمرو بن عائد بن عمران بن مخزوم، والعباس، وضرار، و امہا نثیلة بنت جناب ابن النمیر بن قاسط، وحمزة، والمقوم، و حنظل و امہم ہالة بنت اہیب بن عبد المناف بن زہرة، و ابا لہب و قثم، و الحارث و الغیداق (۵۴۰)۔ اس طرح ہر ایک پر تفصیل سے لکھا ہے۔

اقتباس الانوار

یہ عبد اللہ بن علی بن عبد اللہ الغنی (۳۶۶-۵۴۲ھ) اندلس کی تالیف ہے۔ جنہوں نے مرثیہ میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ علم حدیث اور انساب کے بڑے عالم تھے۔ اور ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ ان میں سے ایک ”اقتباس الانوار و التماس الازہار الصلیبہ و رواة الامار“ ہے (۵۴۱)۔

ابن خلکان نے اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے ”أحسن فيه وجمع وما قصر، وهو على أسلوب السمعاني (الانساب یہ بہت عمدہ مجموعہ ہے اور اس کا جمع و اختصار سمعانی کے اسلوب پر ہے) (۵۳۲)۔ یہ کتاب پانچ اسفار میں منقسم ہے (۵۳۳) اور حروف تہجی کا لحاظ رکھتے ہوئے ترتیب دیا ہے۔ شروع میں الباجی کی نسبت پر تبصرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں ”باجہ فی افريقية وباجہ فی الاندلس، رایت فی بعض التواریخ: ان تفسیر باجہ فی لغة العجم السلم“ (۵۳۴) (باجہ ایک افریقہ میں ہے اور دوسرا باجہ نامی شہر اندلس میں ہے، بعض تاریخ کی کتب میں اس کے معنی تہجی زبان میں سیر می ہے)۔ پھر آگے جا کر لکھتے ہیں ”فمن باجة الاندلس جماعة من العلماء، منهم: الفقيه القاضي ابو وليد سليمان بن خلف بن سعد بن ايوب الباجي، شارح الموطا (۵۳۵) (باجہ اندلس سے علماء کی ایک جماعت مشہور ہوئی ان میں ایک فقیہ ابو الولید سلیمان نامی ہے جو مؤطا امام مالک کے شارح ہیں)۔

اسماء القبائل و انسابها

سید معز الدین محمد الحمدی قزوینی (م ۱۳۰۰ھ) ہے ۱۲۲۲ھ میں نجف اشرف میں پیدا ہوئے۔ اپنے چچا سید باقر سے ۲۳ سال تک علوم عقلیہ و نقلیہ حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد درس و تدریس تصنیف و تالیف شروع کیا۔ اور ۱۳۰۰ھ میں وفات پا گئے (۵۳۶)۔ یہ کتاب کامل سلیمان الجہوری کے تحقیق و حاشیہ کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ کتاب حروف تہجی کے ترتیب پر ابواب میں تقسیم کیا ہے مثلاً باب ”الالف“ میں لکھتے ہیں اعا جب: قبيلة من الممعة وية في العراق“ (۵۳۷)۔ اس طرح باب ”میم“ میں مرة کے قبیلہ کی نسبت یوں بیان کیا ہے: ابو قبيلة من قريش وهو مرة بن كعب بن لؤي بن غالب بن فهر بن مالك بن النضر (۵۳۸) اور ”باب هاء“ میں یھوذ کی نسب ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں: اخو يوسف الصديق، ابو قبيلة من بني اسرائيل (۵۳۹)۔

علم معرفۃ الاسماء والکنی

نام اور کنیت کی معرفت

علم حدیث ایک گلدستہ کی مانند ہے جس میں کئی قسم کے پھول ہوتے ہیں۔ اس کی مختلف انواع و اقسام ہیں۔ ان میں اصول حدیث، تاریخ حدیث، علم جرح و تعدیل، متن حدیث پھر ان کی کئی اقسام ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک قسم، معرفۃ الاسماء والکنی واللقاب ہے۔ بعض اوقات کسی راوی کا نام اور کنیت بھی وہی نام ہوتا ہے بعض اوقات وہ اپنے نام کے ساتھ مشہور ہوتا ہے۔ کنیت کے ساتھ نہیں یا اس کے برعکس یعنی کنیت کے ساتھ مشہور ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ اپنی کنیت سے مشہور ہیں جبکہ امام مالک اپنے نام سے مشہور ہیں۔

کنیت کی تعریف

اپنے بیٹے یا باپ کے نام کی طرف منسوب ہونے کو عربی میں کنیت کہتے ہیں۔ مثلاً ابوالقاسم، ابوالحسن ابو عبد اللہ اور ابن عمر وغیرہ۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ کنیت لازماً بیٹے کی وجہ سے ہی ہو۔ بیٹے کے بغیر ویسے بھی بعض لوگوں نے کنیت اختیار کی۔ مثلاً ابو بکرؓ حالانکہ ابو بکر کا کوئی ایسا بیٹا نہ تھا، جس کا نام بکر ہو۔ اسی طرح ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ کی کنیت ام عبد اللہ تھی حالانکہ ان کا بیٹا عبد اللہ نہ تھا (۵۱۰)۔ یہ بڑا پیچیدہ فن ہے جس کی کئی قسمیں ہیں:

- ۱۔ نام اور کنیت ایک ہی ہو جیسے ابوبالال الاشعری۔
- ۲۔ کنیت مشہور ہو مگر یہ علم نہ ہو کہ اس شخص کا اصل نام کوئی ہے یا نہیں۔ مثلاً ابواناسؓ نبیؐ کی ہیں۔
- ۳۔ کوئی شخص کسی کنیت سے مشہور ہو جائے۔ حالانکہ اس کا اپنا نام اور اپنی حقیقی کنیت موجود ہو۔ جیسے ابوتراب علیؓ بن ابی طالب کی کنیت ہے حالانکہ ان کا نام علیؓ اور اصل کنیت ابوالحسن تھی۔
- ۴۔ جس کی دو کنیتیں ہوں۔ مثلاً ابن جریج کی دو کنیتیں تھیں:

i۔ ابوالولید ii۔ ابو خالد

- ۵۔ کنیت میں اختلاف ہو مثلاً اسامہ بن زیدؓ ان کی کنیت کے بارے میں تین اقوال ہیں:

- i۔ ابو محمد ii۔ ابو عبد اللہ iii۔ ابو خاریج
- ۶۔ کنیت تو مشہور ہو مگر نام میں اختلاف ہو۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ کے نام کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ ان کا نام عبد الرحمن بن صخر تھا۔
- ۷۔ جس کے نام اور کنیت دونوں میں اختلاف ہو۔ مثلاً سفینہ کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کا نام عمیر یا صالح یا مہران تھا اور کنیت ابو عبد الرحمن یا ابوالخیر تھی۔
- ۸۔ جس کی کنیت اور نام دونوں معروف ہوں اور دونوں کے ذریعے شہرت رکھتا ہو۔ مثلاً ابو عبد اللہ سفیان ثوری، ابو عبد اللہ امام مالک، ابو عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی، ابو عبد اللہ احمد بن حنبل (۵۵۱)۔

فائدہ

اس علم کا فائدہ یہ ہے کہ ایک ہی کنیت رکھنے والے دو اشخاص کے درمیان اشتباہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب ایک شخص کا کبھی نام ذکر کیا جائے اور کبھی کنیت تو یہ گمان ہوتا ہے کہ دو آدمی ہیں حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا، اس کا علم ہو جاتا ہے۔

تالیف کا طریقہ

اس فن میں تالیف کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے کنیت ذکر کی جاتی ہے اور لفظ ”ابو“ کو چھوڑ کر اس کے بعد پہلے حرف کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس طرح ”ابو“ کے بعد آنے والے تمام اسماء حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کئے جاتے ہیں مثلاً: ابواسحاق حرف الف میں ہوگا، پھر اس کے نام کا ذکر آئے گا۔ اسی طرح باب الباء میں ”ابوبشر“ پھر اس کا نام آئے گا۔

اسی طرح ابو عبد اللہ حرف عین میں ہوگا

ابو محمد حرف میم میں ہوگا (۵۵۲)۔

الاسماء والکنیٰ پر اہم تصنیفات

محدثین کرام نے جس طرح راویان حدیث کے تراجم و احوال پر کتابیں تصنیف کیں۔ اسی

طرح ان حضرات نے اس ضرورت کے پیش نظر کہ ان کے ناموں میں اشتباه و التباس نہ پیدا ہو سکے۔ بعض راوی اپنے ناموں سے مشہور ہوتے ہیں بعض کیتوں سے مشہور ہوتے ہیں۔ بعض دونوں سے مشہور ہوتے ہیں اور بعض کسی خاص صفت کی وجہ سے مشہور ہوتے ہیں یا لقب کی وجہ سے یا اپنے نسب کی وجہ سے مشہور ہوتے ہیں۔ ان چیزوں کو جاننے کے لیے مختلف لوگوں نے کتب لکھی ہیں۔ بعض نے صرف اسماء پر بعض نے کیتوں پر اور بعض نے القاب کے بارے میں۔ بعض نے انساب پر بھی کتابیں لکھی ہیں۔ ان تمام کا مقصد یہ تھا کہ راوی کے بارے میں معلومات ہو جائیں۔ ان میں سے چند کتابوں کا اجمالی تعارف مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ ”الاسامی والکئی“

تعارف مصنف

نام و نسب ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی۔ آپ بغداد میں ۱۶۳ھ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنے آپ کو سماع حدیث کے لیے وقف کر دیا۔ آپ اسلامی دیار و بلاد میں خوب سیر کی اور وقت کے نامور اساتذہ سے حدیثیں سنیں۔ آپ کے شیوخ میں ہشیم اور ابراہیم بن سعید اور سفیان بن عیینہ جیسے اکابر محدثین شامل ہیں۔ آپ نے حدیث کی جانب پوری توجہ مبذول کی۔ حتیٰ کہ اہل الحدیث آپ کو اپنا امام قرار دیتے ہیں۔ امام شافعی حدیث و فقہ میں مہارت کے باوجود احادیث کی تصحیح و تصنیف کے بارے میں امام احمد پر اعتماد کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بغداد میں امام شافعی کی ملاقات ان سے ہوئی تو فرمایا: ”جب کسی حدیث کی صحت آپ کے نزدیک ثابت ہو جائے تو مجھے بتا دیا کریں تاکہ میں اس پر عمل کروں خواہ اس کے راوی شامی اور عراقی ہوں یا حجازی اور یمنی“ (۵۵۳)۔

امام شافعی فرماتے ہیں: ”جب میں عراق سے نکلا تو اپنے پیچھے احمد بن حنبل سے بڑھ کر صاحب علم و فضل اور عابد و زاہد شخص نہیں چھوڑا“ (۵۵۴)۔ تمام معاصرین نے باختلاف مذاہب و مسلک آپ کے علم و فضل اور حدیث نبوی میں مہارت کا اعتراف کیا ہے۔

اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: ”احمد بن حنبل کائنات پر اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے

درمیان حجت ہیں“ (۵۵۵)۔

خلیفہ ماموں و معتمد پر غلبہ پا کر بعض معتزلہ نے ان سے یہ کہا تھا کہ لوگوں کو خلق قرآن کا عقیدہ تسلیم کرنے پر مجبور کیا جائے آپ کو بھی مجبور کیا گیا مگر آپ نے انکار کر دیا۔ اس کی پاداش میں آپ کو قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا اور آپ کو دڑے مارے گئے۔ مگر آپ اپنے عقیدہ پر جیسے رہے۔ اس واقعہ کے بعد بشر الحافی نے بیان کیا ہے کہ ”امام احمد کو بھٹی میں ڈالا گیا تو آپ کندن بن کر نکلے۔ امام احمد بغداد میں ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے جبکہ تمام علماء آپ کے ثنا خواں اور مدح گستر تھے“ (۵۵۶)۔

تعارف کتاب

امام احمد بن حنبل نے جو کتاب لکھی ہے۔ اس کا نام ”کتاب الاسامی والکنی“ ہے۔ جس میں انہوں نے روائے کے نام لکھے ہیں۔ اور اگر کسی راوی کا نام معلوم ہو تو اس کی کنیت کا ذکر کیا ہے۔ اگر کسی کی کنیت معلوم تھی تو اس کا نام لکھا ہے اور بعض واقعات کو انہوں نے سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ امام احمد نے اس کتاب میں ۳۳۸ راویوں کا نام اور کیتھوں کا ذکر کیا ہے اور اس کی پوری وضاحت کی ہے۔ کتاب ابتداء سے (حافظ ابوطاہر سلفی) سے پوری سند کے ساتھ امام احمد بن حنبل تک پہنچتی ہے (۵۵۷)۔

سب سے پہلے انہوں نے ابو بکر صدیق کا نام ذکر کیا ہے کہ ایک سند کے مطابق عتیق بن عثمان تھا (۵۵۸) پھر دوسری سند سے نام عبداللہ بن عثمان ذکر کیا ہے (۵۵۹)۔ بعد ازاں اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ ان کی شان میں قرآن کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

فَامَا مِنْ اعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَقَ بِالْحَسَنٰی فَنَیْسِرَہُ لِلْیَسْرٰی (۵۶۰) (وہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور سب سے اچھی بات کی تصدیق کی۔ ہم اس کو آسان راستے کی سہولت دیں گے)۔ اسی طرح انہوں نے ہند بن ابی طالب کی کنیت ام حانی لکھی ہے (۵۶۱)۔ اسی طرح مشہور صحابی ابو مرہ الغنوی کا نام کناز بن حصین لکھا ہے (۵۶۲)۔ بعض ناموں کو رسول اللہ ﷺ نے بدلا اس کا ذکر کیا ہے۔ مثال کے طور پر عبداللہ بن سلام کا نام الحصین تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کا نام عبداللہ رکھا (۵۶۳)۔

عبدالرحمن بن عوف کا نام عبد عمر تھا ان کا نام عبدالرحمن رکھا (۵۶۴)۔ ابوسفیان کا نام صخر بن

حرب لکھا ہے (۶۱۵)۔ ابو ذر کا نام جناب بن جنادہ لکھا ہے (۵۶۶)۔ بعض لوگوں کے بارے میں ناموں کے علاوہ اور بھی وضاحتیں دے دیتے ہیں۔ مثلاً حضرت قتادہ بن نعمان کے بارے میں لکھا ہے کہ بدری صحابی تھے اور حضر۔ ابو سعید خدریؓ کے ماں جائے بھائی تھے (۵۶۷)۔ بعض راویوں کی احادیث کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ بعض اوقات اگر دو کنیتیں ایک جیسی ہوں تو ان کی وضاحت کی جائے مثلاً لکھا ہے: ام الدرداء الصغریٰ کا نام حمیمہ تھا بعض نے حمیمہ بنت فلان الوصابہ لکھا ہے (۵۶۸)۔ پھر لکھا ہے ام الدرداء الکبریٰ کا نام خیرۃ البی حدرو ہے۔

اسی کے آخری راوی ابویاز معاویہ بن قرۃ ہیں (۵۶۹)۔

۲۔ الکلی

تعارف مصنف

نام ونسب ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم تھے۔ آپ امام المحدثین و شیخ الحفاظ کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ آپ بخارا کے شہر میں ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اٹھارہ برس کی عمر میں انہوں نے اپنی پہلی کتاب ”قضايا الصحابة والتابعين“ مرتب کی۔ اس کے بعد حضورؐ کے روضہ کے پاس بیٹھ کر دوسری کتاب ”تاریخ کبیر“ لکھی اور اس کے علاوہ متعدد کتب کے مصنف بھی ہیں اور آپ کی مشہور تصنیف ”الجامع الصحیح“ ہے۔ جسے اصح الکتاب بعد کتاب اللہ سمجھا جاتا ہے یعنی قرآن پاک کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب ہے۔ آپ نے ۲۵۶ھ میں بائیس سال کی عمر میں وفات پائی (۵۷۰)۔

تعارف کتاب

امام بخاری نے نہایت گراں قدر اور مفید تصنیفات مسلمانوں کے لیے پیچھے چھوڑیں۔ اسماء الرجال پر جہاں دوسرے لوگوں نے لکھا وہاں امام صاحب بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ آپ نے اسماء الرجال پر ایک کتاب ”الکلی“ کے نام سے لکھی۔ دراصل ”الکلی“ امام بخاری کی تاریخ کا ہی ایک حصہ ہے۔ یہ کتاب الگ بھی شائع ہوئی ہے (۵۷۱)۔ اس کتاب میں امام بخاری نے ۹۹۳ راویوں کے بارے میں لکھا ہے۔

یہ کتاب امام کے شاگرد ابوالحسن محمد بن ابراہیم بن شعیب المعروف بالغازی کی روایت سے ہے۔ شروع کتاب سے لے کر تقریباً ص ۱۸ تک مطلقاً ”باب“ سے شروع کیا ہے پھر ہر حرف کے لیے الگ الگ باب بنائے ہیں مثلاً باب الالف، باب الجیم، باب الحاء وغیرہ۔ ابتداء میں بسم اللہ کے بعد باب الکنی لکھا ہے۔ اس کے پہلے راوی ابوامیہ بن احسف ہیں۔ دوسرے راوی ابوامیہ مخزومی ہیں۔ تیسرے راوی ابوامیہ انصاری ہیں (۵۷۲)۔

امام بخاری نے راویوں کی کنیت کا ذکر کیا ہے اور بعض اوقات ان کی احادیث بھی بیان کی ہیں۔ مثلاً دوسرا راوی ابوامیہ مخزومی (۵۷۳)۔ بعض اوقات راوی کی کنیت کے ساتھ اس کا نام بھی ذکر کیا ہے۔ اور جس سے روایت کی اس (استاد) کا بھی ذکر کیا ہے۔ مثال کے طور پر ابوالاحسف ان کا نام عطار لکھا ہے۔ اور جن سے وہ روایت کرتے ہیں ان کا نام حمزہ اسلمی ہے۔ ان سے روایت کرنے والے احسف بن سوار کا ذکر ہے (۵۷۴)۔

امام بخاری نے راویوں کی کنیت کے سلسلہ میں بھی ہر باب میں حروف تہجی کا لحاظ رکھا ہے اور بعض مقام پر کنیت کے ساتھ ان کے قبیلہ کے تعلق کو بھی بیان کرتے ہیں (یعنی ان کے قبیلے کا ذکر کرتے ہیں)۔ مثلاً ابوالاسود الریاض، ابوالاسود الخفاری وغیرہ (۵۷۵)۔ اور کبھی کنیت کے ساتھ ان کی علاقائی نسبت کو بیان کرتے ہیں جیسے ابوالاسود الہمری وغیرہ (۵۷۶)۔ بعض اوقات صرف شاگرد کا ذکر کرتے ہیں۔ جیسے اکیسواں راوی ابوالصح ہے۔ ان سے ابن جریج نے بیان کیا ہے۔ بعض راویوں کے استادوں اور شاگردوں کا بھی ذکر کیا ہے (۵۷۷)۔

۳۔ کتاب الاسماء والکنی

تعارف مصنف و کتاب

علی بن المدینی (۱۶۱-۲۳۴ھ) ممتاز ائمہ میں سے تھے۔ اسماء الرجال اور علل حدیث میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ آپ نے اس ضمن میں عدیم الظہیر کتاب میں تصنیف کی ہیں۔ اس لیے علمائے حدیث نے آپ کی تحسین کی اور آپ کی مہارت و بصیرت کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ سفیان بن عیینہ اور یحییٰ القطان جو کہ دونوں ان کے استاد ہیں۔ یحییٰ قطان فرماتے ہیں: ”بخدا جس قدر علم وہ مجھ سے

حاصل کرتے تھے اس سے کئی گنا زیادہ میں ان سے حاصل کرتا تھا“ (۵۷۸)۔

ابن المدینی امام بخاری کے استاد ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں: ”علی بن المدینی کے سوا کسی اور کے سامنے مجھے اپنی بے مانگی کا احساس نہیں ہوا“ (۵۷۹)۔ ابو حاتم فرماتے ہیں: ”ابن المدینی حدیث اور علل کی پہچان میں نہایت بلند مقام رکھتے ہیں“ (۵۸۰)۔

امام حاکم نے اپنی کتاب ”معرفۃ علوم حدیث“ میں ابن المدینی کی متعدد تصانیف کا تذکرہ کیا ہے۔ جن سے ان کے بلند پایہ عالم ہونے اور علوم الحدیث میں مہارت و بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔ (۵۸۱)۔ ”کتاب الاسماء والکنی“ اسامہ الرجال پر ان کی اہم تصنیف ہے۔ یہ کتاب بہت جامع ہے اور آٹھ اجزاء پر مشتمل ہے۔ علی بن المدینی کا دور ۱۶۱ھ سے ۲۳۳ھ تک ہے۔ یہ کتاب غیر مطبوع ہے۔

۳۔ الکُنَی

ابو احمد محمد بن احمد المعروف حاکم کبیر

تعارف مصنف و کتاب: اس کتاب کے مصنف نیشاپور کے بلند پایہ حافظ حدیث محمد بن محمد بن احمد بن اسحاق ہے۔ حاکم کبیر کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ ۲۸۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اس کتاب کے مصنف نیشاپور کے بلند پایہ حافظ حدیث محمد بن محمد بن احمد بن اسحاق ہیں۔ حاکم کبیر کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ ۲۸۵ھ میں پیدا ہوئے۔

امام ذہبی لکھتے ہیں: ”ابو احمد، الحاکم، محدث خراسان، الامام، الحافظ الجہیز، محمد بن محمد بن احمد بن اسحاق النیسابوری الکراہیسی صاحب التصانیف وهذا هو الحاکم الکبیر مؤلف کتاب الکُنَی“ (۵۸۲)۔ ۳۳۳ھ ہجری میں منصب قضاء پر فائز ہوئے اور مدت تک مختلف شہروں کے قاضی (جج) رہے۔ ان کے کمرہ عدالت میں ہمیشہ کتابوں کا ڈھیر ہوتا تھا جب فریقین کے درمیان فیصلہ کرنے سے کچھ وقت بچتا تو کتابوں کے مطالعہ میں مصروف ہو جاتے تھے (۵۸۳)۔

آخر عمر میں آبائی وطن خراسان میں رہ کر عبادت الہی، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے

لیے صرف کر دی۔ امام حاکم کے مطابق آپ نے صحیحین اور جامع ترمذی پر فوائد علیہ کا اضافہ کیا (۵۸۳)۔ اپنے دور کے فن حدیث کے امام اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ شردط صحیح، اسامی اور کئی کی معرفت میں سب پر مقدم سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے ۹۳ سال کی عمر میں ۳۷۸ھ کو وفات پائی (۵۸۵)۔

آپ کی تصانیف میں سے ایک اہم تصنیف ”کتاب الکئی“ ہے۔ یہ کتاب چودہ مجلدات پر مشتمل ہے۔ یہ بہت عمدہ کتاب ہے۔ اس میں دوسری کتب سے زائد مواد موجود ہے۔ حافظ ذہبی نے اس کتاب کو از سر نو حروف تہجی کے مطابق مرتب کیا اور اس کا نام ”المقننی فی سرد الکئی“ رکھا (۵۸۶)۔

۵۔ کتاب الکئی والاسماء

تعارف مصنف و کتاب

ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری امام کبیر اور عظیم حافظ حدیث تھے۔ آپ ۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ احادیث کی تلاش میں مختلف اسلامی بلاد و امصار میں گھومے پھرے (۵۸۷)۔ آپ کی امامت و جلالت اور مہارت و صداقت پر علماء کا اجماع ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل آپ کی کتاب صحیح مسلم ہے۔ اس کے علاوہ متعدد تصانیف ہیں۔ اسماء الرجال پر بھی انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ”کتاب الکئی والاسماء“ ہے۔ آپؑ نے ۲۶۱ھ میں وفات پائی (۵۸۸)۔

۶۔ الکئی والاسماء

تعارف مصنف و کتاب

یہ کتاب رے کے مشہور حافظ حدیث ابو البشر محمد بن احمد بن حماد بن بن سعید بن مسلم انصاری، الدولابی کی ہے۔ آپ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ انہوں نے ۳۱۰ھ میں وفات پائی (۵۸۹)۔ یہ کتاب دو اجزاء پر مشتمل ہے اس کے ابتداء میں رسول اللہ ﷺ کے نام، کنیت اور آپ کے ہم نام کنیت رکھنے کی ممانعت وغیرہ عنوانات کے تحت تفصیلات جمع کی ہیں اور احادیث و اقوال کو سند

کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پھر ان صحابہ کرام کے کتبوں کو بیان کیا ہے جن کو رسول اللہؐ نے جنت کی بشارت دی تھی اور وہ کنیت سے بھی معروف تھے انہیں مستقل عنوان کے تحت بیان کیا ہے مثلاً ”کنیۃ سعد بن ابی وقاص“ (۵۹۰)۔ پھر ان تمام صحابہ کرام کے کتبوں کے متعلق احادیث و اقوال کو سند کے ساتھ ابواب کی شکل میں بیان کیا ہے۔ لفظ باب کی بجائے ”من ابتداء کنیتہ ---“ استعمال کیا ہے۔ مثلاً ”من ابتداء کنیتہ ت“ اور حروف جمعہ کی کالچاظر کچھ ہوئے جمع کیا ہے (۵۹۱) اور تابعین میں سے بھی جو کنیت سے معروف تھے ان کو بھی اسی ترتیب سے جمع کیا ہے لیکن ان کے لیے لفظ باب استعمال کیا ہے۔ مثلاً باب الفین (۵۹۲)۔ اس کتاب کی اطراف حدیث کو مولانا برق توحیدی نے ”مفتاح الہدیٰ لاحادیث الکئی“ کے نام سے جمع کیا ہے اور اس میں حروف جمعہ کی کالچاظر رکھا ہے (۵۹۳)۔

۷۔ الاسامی من يعرف بالکئی

تعارف مصنف و کتاب

آپ کی کنیت ابو حاتم، نام محمد بن حبان اور بست مقام کی نسبت کی وجہ سے البستی مشہور ہے۔ تحصیل علم کے لیے مصر سے خراسان تک تمام شہروں کا سفر کیا۔ اور ابو عبد الرحمن نسائی، ابو یعلیٰ موصلی اور ابو بکر بن خزیمہ جیسے نامور محدثین سے استفادہ کیا (۵۹۴)۔ کچھ عرصہ سمرقند اور نساء میں قضاء عہدہ پر فائز رہے (۵۹۵)۔ ۳۴۰ھ میں واپس اپنے وطن خراسان آ کر درس و تدریس شروع کیا تو آپ سے پڑھنے کے لیے طلبہ کے قافلے مختلف شہروں سے آئے تھے (۵۹۶)۔

امام حاکم فرماتے ہیں: ”ابن حبان لغت اور حدیث میں علم کا خزانہ تھے“ (۵۹۷)۔ آپ نامور شاگردوں میں امام حاکم، منصور بن عبد اللہ خالدی، ابو معاذ عبد الرحمن بن محمد بن رزق اللہ، ابوالحسن محمد بن احمد بن ہارون زوزنی، محمد بن احمد بن منصور لو قانی شامل ہیں (۵۹۸)۔

درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ تصنیف و تالیف میں بھی پیش پیش تھے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں ”صاحب تصانیف“ (۵۹۹)۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں سے ایک مقید تصنیف ”الاسامی من يعرف بالکئی“ ہیں۔ انہوں نے یہ کتاب ان راویوں کی کتبوں کے بارے میں لکھی ہے جو راویان حدیث اپنے نام کے ساتھ معروف تھے۔ یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے اور بہت

عمدہ کتاب ہے۔ ابن حبان نے ۳۵۴ھ میں وفات پائی (۶۰۰)۔

۸۔ الاکمال فی رفع الارتیاب عن المؤلف والمختلف فی

الاسماء الکئی والانساب

تعارف مصنف و کتاب

حافظ امیر ابو نصر علی بن ہبہ اللہ بن جعفر بغدادی (۳۲۱ھ - ۴۷۵ھ) یہ ابن ماکولا کے نام سے مشہور تھے۔ ان کی یہ کتاب نہایت مفید ہے (۶۰۱)۔ مؤرخ ابن خلکان نے اس کو بے نظیر کتاب قرار دیا ہے (۶۰۲)۔ اس کتاب کو تصنیف کرتے وقت مصنف نے عبد الغنی ازدی اور خطیب بغدادی کی کتب کو پیش نظر رکھا ہے۔ مصنف اپنی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب میں نے خطیب احمد بن علی بن ثابت کی کتاب ”تکلمة المؤلف والمختلف“ اور دوسرے مصنفین کی کتب کو دیکھا تو ان میں بکثرت اغلاط پائیں۔ انہوں نے بعض لوگوں کی نسبتیں غلط بیان کیں۔ کئی ایک کا ذکر نہیں کیا اور بعض کا تعارف مشکوک کر دیا۔ یہ دیکھ کر میں نے ایک جامع اور درست کتاب لکھنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے اس کام کا آغاز حصول ثواب و قبولیت کی نیت سے کیا۔ اور میں نے اس کتاب کو حروف معجم کی ترتیب سے مرتب کیا ہے۔ ابواب کا آغاز اسی سے کیا۔ پھر کیتوں اور آباؤ اجداد کی نسبت کا لحاظ رکھا۔ اسی طرح میں نے رواة، امراء اور اشراف کا لحاظ رکھا ہے (۶۰۳)۔

مصنف مزید لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے میں نے صحابہ، پھر تابعین اور اتباع تابعین کا ذکر کرنے کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے لوگوں کا تعارف کر دیا ہے (۶۰۳)۔

ابن ماکولا اپنے تحقیقی کام کے اوصاف بیان کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ ذار قطنی، خطیب بغدادی اور ابن سعید ازدی کی کتب میں جن باتوں میں اضطراب تھا، میں نے ان کی تحقیق کی اور ان حضرات کے ادہام کی تصحیح کی۔ مجھے اس فن پر تصنیف میں اولیت کا دعویٰ ہے اور نہ ہی اسلاف کی برابری کا گمان۔ مگر میں یہ کہتا ہوں کہ میں نے اپنے پیش رو علماء کی پیروی کی ہے (۶۰۵)۔

کتاب الاکمال کا ذیل (ضمیمہ) حافظ ابو بکر محمد بن عبد الغنی بغدادی نے ”اکمال

الاکمال" کے نام سے لکھا تھا۔ اس کتاب (ضمیمہ) کا تکمیلہ اکمال الکمال فی الانساب والاسماء ولا نساب" کے نام سے شیخ جمال الدین ابو حامد محمد بن علی ابن الصابونی (م ۶۸۰ھ) نے تحریر کیا جو کہ ابن ماکولا کی الاکمال کی ساتویں جلد کے ساتھ شائع ہوا ہے جو کہ ۴۳ صفحات پر مشتمل ہے (۶۰۶)۔

۹۔ تحفة ذوی الارب فی مشکل الاسماء والنسب

یہ کتاب ابن خطیب الدمشقی محمد بن احمد ہمدانی (۵۰-۸۳۴ھ) کی ہے۔ مصنف نے اس کتاب کو ۸۰۴ھ میں تالیف کیا تھا (۶۰۷)۔

۱۰۔ الکئی

اس نام کی امام ہنسائی اور عبدالرحمن بن ابی حاتم وغیرہ کی کتابیں ہیں (۶۰۸)۔

۱۱۔ الاستغناء فی معرفۃ الکئی

ابن عبدالبر (ت ۵۶۳ھ)۔

۱۲۔ اللمئی فی الکئی

حافظ سیوطی (ت ۹۱۱ھ)۔

معرفۃ الالقاب

تعریف القاب، لقب کی جمع ہے۔ لقب اس صفت کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے کوئی شخص مشہور ہو جائے۔ خواہ وہ اچھے معنی پر دلالت کرے یا برے معنی پر دلالت کرے (۶۰۹)۔ بعض محدثین اور راویان حدیث القاب سے مشہور ہیں۔ اس لیے ان کے اصل نام معلوم کرنے کے لیے اور لقب کا صحیح تلفظ واضح کرنے کو معرفۃ الالقاب کہتے ہیں۔ اس کے دو فائدے ہیں: ۱۔ بعض لقب سے مشہور ہوتے ہیں کوئی شخص لقب کو نام نہ سمجھ بیٹھے اور جس شخص کا کبھی نام ذکر ہوتا ہو لوگ نام کو لقب نہ سمجھ لیں کبھی لقب اور نام الگ ہوتے ہیں تو اس پر دو شخصوں کا گمان نہ ہو۔ ۲۔ وہ سب معلوم ہو جائے جس کی بناء پر وہ شخص اس لقب سے مشہور ہو۔ کیونکہ لقب کے معنی کبھی کبھی اچھے نہیں ہوتے۔ اس لیے اسباب جاننا ضروری ہے (۶۱۰)۔ القاب کی دو قسمیں ہیں:

الف: ایک وہ جو صاحب لقب کو پسند ہو۔ اور اس کی عظمت پر دلالت کرے جیسے زین العابدین۔
ب: دوسرے وہ جو صاحب لقب کو پسند ہو یا نہ ہو اور اس کی صفت معلوم رہے انف الناقۃ (۶۱۱)۔
مثالیں ۱۔ الفضل: جس کے معنی گمراہ کے ہیں۔ یہ معاویہ بن عبدالکریم کا لقب ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ کے راستے میں بھول گئے تھے۔

۲۔ الضعیف: اس کے معنی کمزور کے ہیں یہ عبداللہ بن محمد کا لقب الضعیف تھا۔ وہ جسمانی طور پر کمزور تھے۔ حدیث میں نہیں (۶۱۲)۔ عبدالغنی بن سعید فرماتے ہیں ”دو جلیل القدر آدمیوں کے ساتھ قبیح لقب لگ گئے ہیں ایک الفضل دوسرا الضعیف“ (۶۱۳)۔

۳۔ عُتدِر: مجازی لغت میں اس کے معنی ہیں ”شور مچانے والا“ اور یہ محمد بن جعفر البصری کا لقب ہے جو کہ شعبۃ بن الحجاج کے ساتھی تھے۔ اس لقب کا سبب یہ ہوا کہ وہ ابن جریج کے پاس آئے تو انہوں نے شور مچایا تو ابن جریج نے فرمایا کہ ”اسکت یا عتدر“ (۶۱۴)۔

۴۔ مقلد: عبداللہ بن عمر الاموی کا لقب ہے۔ فارسی کا لفظ ہے۔ جس کا معنی ہے مفک کا دانہ یا مفک رکھنے کا برتن (۶۱۵)۔

- ۵۔ مطین: ابو جعفر محمد بن عبد اللہ بن سلیمان الکوفی الحضرمی کا لقب ہے۔ جب وہ بچے تھے تو دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ بچے مٹی لا کر ان کی پیٹھ پر مل رہے تھے۔ مٹی کو عربی میں طین کہتے ہیں۔ ابو نعیم دیکھیں وہاں سے گزرے کہنے لگے ”اے مطین تم علم کی مجلس میں کیوں نہیں بیٹھتے“۔ چنانچہ ان کا یہ لقب پڑ گیا (۶۱۶)۔
- ۶۔ غنچار: رخساروں کی سرخی کی وجہ سے۔ عیسیٰ بن موسیٰ اعمی کا لقب تھا۔
- ۷۔ صاعقہ: حافظ محمد بن ابراہیم، استاد بخاری کا لقب تھا۔ ان کی قوت حفظ و یاد کی وجہ سے (۶۱۷)

القاب پر مشتمل کتب

- ۱۔ نزہۃ الالباب یہ حافظ ابن حجر کی کتاب ہے۔ آپ کی تالیفات کی تعداد ۱۵۰ سے بھی زائد ہے (۶۱۸)۔ القاب پر آپ کی سب سے عمدہ تصنیف ”نزہۃ الالباب“ ہے (۶۱۹)۔ بعد ازاں آپ کے شاگرد سخاوی (ت ۹۰۲ھ) نے اس میں مفید اضافے بھی کیے ہیں اور الگ مستقل کتاب بنادی جس کا نام ”عمدة الاصحاب فی معرفة الالقاب“ رکھا۔ آپ ۸۵۲ھ میں فوت ہوئے۔
- ۲۔ کتاب الاسماء والالقاب ابو الفرج بن الجوزی (م ۵۹۷ھ)۔
- ۳۔ کتاب الالقاب والکنی ابو بکر احمد بن عبد الرحمن (م ۴۰۷ھ)۔
- ۴۔ کتاب مجمع الآداب فی معجم الاسماء والالقاب ابو الولید الفرضی محدث اندلس۔
- ۵۔ فتح الباب فی الکنی والالقاب محمد بن اسحاق ابن مندہ (۳۱۵ھ-۳۵۵ھ) (۶۲۰)
- ۶۔ المنہج فی الکمال فی معرفة الرجال ابو الفضل علی بن الحسین (م ۴۰۷ھ یا ۴۲۷ھ)
- ۷۔ عمدة الاصحاب فی معرفة الالقاب، سخاوی (۹۰۲ھ)۔
- ۸۔ کشف القباب عن الالقاب، سیوطی (م ۹۱۱ھ) (۶۲۱)۔
- عبد الغنی بن سعید الازدی المصری (م ۴۰۹ھ) اور ابو الولید ابن الدباغ یوسف بن عبد العزیز الاندلسی (م ۵۴۶ھ) نے بھی القاب پر کتابیں لکھی ہیں۔

علم الطبقات

لغوی مفہوم

لغوی اعتبار سے لفظ ”طبقة“ میں کسی جماعت یا گروہ کے لوگوں کے درمیان موافقت، مطابقت، انضمام، مناسبت، تشابہت یا درجہ اور مرتبہ کا مفہوم پایا جاتا ہے (۶۲۲)۔ طبقات، طبقہ کی جمع ہے۔ جب اسم زماں کے طور پر آئے تو نسل کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن اسم مکاں میں ایک جیسے کے معنی پائے جاتے ہیں۔ طبقات میں لوگوں کے ایسے گروہ کا تذکرہ ہوتا ہے جن میں زمانہ، نسل، علاقہ، رقبہ، شیوخ یا کسی اور لحاظ سے موافقت و مطابقت ہو۔

اصطلاحی مفہوم

محدثین کے نزدیک طبقہ سے مراد ہے۔ ”هم القوم المتشابهون في السن وفي الشيوخ الذين اخذوا عنهم العلم“ (۶۲۳) (علماء کا، ایسا گروہ جو ہم عصر اور شیوخ کے اعتبار سے تشابہ ہو جن سے انہوں نے علم (حدیث) اخذ کیا ہو)۔

طبقہ کی عصری تحدید

امام ہجری نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں طبقہ بیس سال کا ہوتا ہے (۶۲۳)۔ جبکہ امام بخاری اور امام ذہبی نے طبقہ کا لحاظ دس سال کے اعتبار سے کیا ہے (۶۲۵)۔

امام حاکم نے طبقہ سے لوگوں کے مراتب میں اختلاف مراد لیا ہے۔ انہوں نے صحابہ کے آپس میں مقام و مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں بارہ طبقات میں تقسیم کیا ہے جس میں قبول اسلام میں سبقت، ہجرت نیز غزوات وغیرہ میں آپؐ کی معیت کو مد نظر رکھا گیا ہے جبکہ تابعین کو پندرہ طبقات میں منقسم کیا ہے (۶۲۶)۔ اسی طرح ابن سعد نے صحابہ کرام کے تین اور تابعین کے چار طبقے گردانے ہیں (۶۲۷)۔

طبقات کے مراتب

تقریب الجہدیب میں امام ابن حجر نے طبقات کی درج ذیل اعتبار سے درجہ بندی کی ہے:

- ۱۔ استاد اور شاگرد کے درمیان ملاقات کے اعتبار سے۔
- ۲۔ پیدائش کے اعتبار سے۔
- ۳۔ وفات کے اعتبار سے۔
- ۴۔ عمر کے اعتبار سے۔
- ۵۔ زمانے/عہد کے اعتبار سے۔
- ۶۔ سن طلب کے اعتبار سے (مفسرین میں کثیر شیوخ سے ملاقات کرنے یا کبرسنی میں ملاقات کے اعتبار سے) (۶۲۸)۔ مراتب کے ساتھ ساتھ زمانے کے لحاظ سے امام ابن حجر نے طبقات کی درج ذیل تقسیم کی ہے:

پہلا طبقہ: اپنے اپنے مرتبے کے لحاظ سے صحابہ کرام۔

دوسرا طبقہ: کبار تابعین، جیسے ابن مسیبؓ، اگر حضرمی ہو تو صراحت کر دی ہے۔

تیسرا طبقہ: درمیانہ طبقہ کے تابعین۔ جیسے حسن بصریؓ اور ابن سیرینؓ وغیرہ۔

چوتھا طبقہ: وہ تابعین جنہوں نے کبار تابعین سے روایت کی ہو جیسے زہری یا قتادہ۔

پانچواں طبقہ: چوتھے طبقے سے چھوٹے تابعین جنہوں نے ایک یا دو صحابہ کو دیکھا مگر ان کا صحابہ سے

سماع ثابت نہ ہو جیسے اعمش۔

چھٹا طبقہ: وہ رواۃ جو پانچویں طبقہ کے ہم عصر ہوں مگر ان کی صحابہ سے ملاقات نہ ہوئی ہو، جیسے

ابن جریجؓ۔

ساتواں طبقہ: کبار تبع تابعین جیسے امام مالکؓ، امام ثوریؓ۔

آٹھواں طبقہ: درمیانہ طبقہ کے تبع تابعین جیسے ابن عیینہ، ابن علیہ۔

نواں طبقہ: صغار تبع تابعین جیسے امام شافعیؒ، ابو داؤد الطیالسی، عبد الرزاق۔

دسواں طبقہ: تبع تابعین سے روایت کرنے والے کبار رواۃ جو تابعین سے نہیں ملے جیسے امام احمد

بن حنبلؓ۔

گیا رحوال طبقہ: دسویں طبقہ کے درمیانے درجے کے روادے جیسے امام ذہلی، امام بخاری۔

بارحوال طبقہ: قبیح تابعین سے روایت کرنے والے چھوٹے راوی جیسے امام ترمذی (۲۶۹)۔

ان میں سے پہلے اور دوسرے طبقہ کے روادے کا تعلق سن ۱۰۰ ہجری سے قبل زمانہ سے ہے۔

جبکہ تیسرے سے آٹھویں طبقہ تک کا زمانہ سن ۱۰۰ ہجری کے بعد کا ہے، اسی طرح نویں سے لے کر

بارھویں طبقہ کا تعلق سن ۲۰۰ ہجری کے بعد سے ہے۔ امام ابن حجر نے جس وقت نظر اور باریک بینی سے

طبقہ کے مراتب اور ان کی درجہ بندی کی ہے اس سے ان کی علم طبقات میں مہارت اور درک کا اظہار ہوتا

ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں ”امیر المؤمنین فی علم طبقات الرجال“ کہا گیا ہے (۶۳۰)۔

طبقات کا تعلق علوم الحدیث میں نقد اسناد سے ہے۔ اسے اگر علم اسماء الرجال کی تاریخ کہا

جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ جس میں روادے کے حالات بیان کر کے اس کا طبقہ متعین کیا جاتا ہے جو علم تاریخ کا

وعیفہ نہیں ہے۔ شاہد حدیث پر خارجی بحث میں علم اسماء الرجال کو بہت زیادہ اہمیت کے باعث اسے

نصف علم حدیث گردانا گیا ہے۔ فن جرح و تعدیل بھی اسماء الرجال کی جانچ پڑتال کی ایک شاخ ہے۔ ان

علوم کے باہمی ارتباط و تعلق سے ہمیں علم طبقات کی علوم الحدیث میں اہمیت و مقام کا پتہ چلتا ہے۔ درج

ذیل چند مثالیں علم طبقات کے فوائد اور اس کی اہمیت پر شاہد عدل ہیں۔

(الف) علم طبقات کے ذریعے ہم نام روادے میں تمیز کرتا:

طبقات روادے کی معرفت سے ہی یہ چیز ممکن ہو سکتی ہے کہ قشابہ اور ایک جیسے ناموں کے روادے

میں تمیز کی جاسکے۔ ایک مثال سے اس کی اہمیت واضح ہوگی۔

کوفہ میں اسماعیل بن ابان نام کے دو ہم عصر راوی تھے۔ ایک اسماعیل بن ابان الوراق

اللازوی (۲۱۶ھ) سے ہے جبکہ دوسرا اسماعیل بن ابان (۲۱۰ھ) الغنوی ان میں سے الوراق ثقہ راوی

اور امام بخاری کے شیوخ میں سے ہے جبکہ دوسرا راوی الغنوی کذاب اور وضاع ہے (۶۳۱)۔ ان دونوں

سے حافظ یعقوب ابن ابی حمیہ بن الصلت البغدادی (۲۶۲ھ) روایت کرتا ہے۔ روایت میں ان

دونوں کے درمیان تمیز کرنے کے لیے ہمیں علم الطبقات کا مہربان منت ہونا پڑے گا۔ جس سے ان کے

شیوخ کا تعین ہوگا نیز ان سے روایت کرنے والے طبقہ سے بھی ان کی وضاحت ہوگی۔

(ب) تاریخی اعتبار سے غلطیوں کی تصحیح

ابوالقاسم الطبرانی (۲۶۰ھ-۳۶۰ھ) نے بعض روایتیں ابوبکر احمد بن عبد اللہ بن عبد الرحیم بن البرقی سے روایت کی ہیں (۶۳۲)۔ محدثین نے اسے طبرانی کا وہم گردانا ہے کیونکہ جب ۲۷۰ھ میں البرقی مصر میں فوت ہوئے تو طبرانی ابھی فلسطین میں اپنی بچپن کی عمر کو پہنچے تھے اور تحصیل علم کا مرحلہ اس کے بعد طے کیا تھا۔ ان کے شیوخ کے طبقہ میں البرقی کے بھائی عبد الرحیم بن البرقی (م ۲۸۶ھ) ہیں۔ طبرانی نے ان سے سنا اور گمان کیا کہ وہ احمد بن عبد اللہ البرقی ہیں۔

(ج) سند میں وارد غیر منسوب راوی کا تعین

بعض دفعہ سند میں راوی کو اس کی کنیت یا صرف نام سے ذکر کیا جاتا ہے جس سے صراحۃً اس کا تعین نہیں ہو پاتا تو طبقات رواۃ کی مدد سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔ سفیان بن سعید الثوری (۹۷ھ-۱۶۱ھ) اور سفیان بن عیینہ (۱۰۷ھ-۱۹۸ھ) نے اکثر ایک ہی سلسلہ شیوخ سے روایت کی ہے۔ اور اسناد میں سفیان کے نام کا تعین نہیں ہو پاتا کہ دونوں میں سے کون ہے۔ اس کی وضاحت یوں ہوتی ہے کہ امام ثوری نے ابن عیینہ کے مقدم طبقہ سے اخذ کیا ہے جنہیں ابن عیینہ نے نہیں پایا۔ جیسا عمرو بن مرثۃ اور ذبید الیامی وغیرہ۔ اسی طرح ابن عیینہ امام ثوری سے ۳۷ سال بعد تک زندہ رہے اور ان سے محدثین کے دو طبقات نے اخذ کیا ہے اور انہوں نے امام ثوری سے روایت نہیں کیا چنانچہ جب امام احمد اور ان کے طبقہ کے محدثین اپنی روایت میں بغیر وضاحت کے سفیان کے نام سے روایت کریں تو اس سے مراد ابن عیینہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب عبد اللہ بن مبارک، یحییٰ القطان، وکیع، ابو نعیم الفضل بن دیکین وغیرہ ”حدیثا سفیان“ کہیں تو اس سے مراد سفیان ثوری ہیں جبکہ سفیان بن عیینہ کو ان کے والد کی نسبت سے روایت کرتے ہیں (۶۳۳)۔

علم طبقات کے ذریعے کذاب اور متر و کین کی نشاندہی

علم طبقات کے ذریعے کذاب اور ضعیف و متروک رواۃ کی اغلاط کی نشاندہی بڑی آسانی سے ہو جاتی ہے کہ جب ایک راوی ایک طبقہ کے راوی سے روایت کر رہا ہو اور پھر اس سے ایک طبقہ

آگے جا کر روایت شروع کر دے یا دونوں کو اکٹھا ملا دے مثلاً

امام حاکم، ابو زرہ اور خطیب البخاری نے احمد بن علی الحسن بن شاذان نیشاپوری (م ۳۵۰ھ) کو کذاب گردانا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا امام ابو یوسفی الترمذی (م ۲۷۹ھ) اور ابو حاتم الرازی (م ۲۷۷ھ) سے سماع بالکل صحیح ہے۔ یہ دونوں احمد بن علی نیشاپوری کے طبقہ سے ہیں۔ لیکن پھر ابن شاذان اس سے آگے بڑھتے ہوئے جب مسلم بن حجاج (م ۲۶۱ھ) اور احمد بن ازھر (م ۲۶۳ھ) سے بھی سماع کا دعویٰ کرتا ہے تو نفاد فوراً اس کے کذب کو آشکار کر دیتے ہیں (۶۳۳)۔ اسی طرح وکیع سے روایت ہے کہ انہوں نے غالب بن عبید اللہ الجعفی سے ایک حدیث کے بارے سوال کیا۔ اس نے بیان کیا کہ ”حدثنا سعید بن المسيب والاعمش“ وکیع کہتے ہیں کہ میں نے اسے چھوڑ دیا اور اس سے نہ پوچھا (۶۳۵)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ہی روایت میں اعمش اور سعید بن المسيب سے سماع کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ سعید بن المسيب تو اعمش کے شیوخ کے طبقہ سے ہیں اور اعمش نے نہ انہیں پایا ہے نہ ان سے سنا ہے کیونکہ وہ سعید بن مسیب کی زندگی میں کوفہ میں تھا۔ چنانچہ امام وکیع نے فوراً اس حقیقت کو پالیا اور اس کی روایت کو ترک کر دیا۔

اخبار اور نقل میں خلط ملط ہونے کی نشاندہی

المزی نے بیان کیا ہے کہ ”اعمش نے ابو بکرہ کی رکاب تھامی“ یہ کیسے ممکن ہے کہ پانچویں طبقہ کے اعمش دوسرے طبقہ کے ابو بکرہ کو پالیں۔ ان کی تو پیدائش ہی ابو بکرہ کی وفات کے بعد ہوئی (۶۳۶)

کتاب طبقات

دوسری صدی ہجری کے ابتداء تک تدوین حدیث اور مجموعہ احادیث کے حوالے سے بعض اہم کتب منظر عام پر آ چکی تھیں مگر علم الرجال کے حوالے سے کسی تصنیف کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی اس کی ایک وجہ تو تفصیر سند تھی اور دوسری وجہ شیوخ محدثین کا معروف ہونا تھا کہ ہر عام و خاص انہیں جانتے تھے لیکن دوسری صدی کے اختتام تک جب اسلامی حکومت کی سرحدیں وسیع ہوئیں وہیں محدثین نے رحلات علمیہ سے دور دراز کے علماء سے اکتساب کیا۔ اس وقت اس بات کی ضرورت سامنے آئی کہ

رجال حدیث کے اسماء و احوال کو ضبط تحریر میں لایا جائے۔ اس وقت کتب طبقات کو احاطہ تحریر میں لانے کا آغاز ہوا۔ اس ضمن میں ہم تک پہنچنے والی کتب طبقات تین طرح کی ہیں:

اول: ایسی کتب طبقات جس میں تمام علاقوں کے رجال کا تذکرہ ملتا ہے۔ جیسے طبقات ابن سعد یا طبقات خلیفہ بن خیاط وغیرہ۔

دوم: ایسی کتب جس میں کسی خاص شہر یا ایک علاقہ کے محدثین کا ذکر کیا گیا ہو جیسے طبقات الشامین لابی زرعة الدمشقی، طبقات المحمدین باصحان لابی الشیخ الاصمعیانی۔

سوم: ایسی کتب جس میں بعض مشہور محدثین کے شیوخ یا رجال یا معرکہ الاخوة والاخوات کا تذکرہ کیا گیا ہو جیسے شیوخ مالک لمسلم بن حجاج یا رواة عن مالک خطیب بغدادی وغیرہ (۶۳۷)۔ چند اہم کتب طبقات کا تعارف پیش خدمت ہے۔

i۔ طبقات الفقہاء والمحدثین: الہیثم بن عدی بن عبد الرحمن الطائفی الحنفی الکوفی (۱۱۳-۲۰۷ھ) اسے علم الطبقات میں خصوصاً اور علم الرجال میں عمومی طور پر ابتدائی کتب میں شمار کیا جاتا ہے (۶۳۸)۔ اب اس مفقود کتاب کا تذکرہ صرف کتابوں میں ہی ملتا ہے۔ اس میں سے صرف ابو بکر الخطیب کی ”تاریخ بغداد“ میں منقول ۲۳ نصوص اس کتاب کے ایک حصہ کو زندہ رکھے ہوئے ہے (۶۳۹)۔

الہیثم بن عدی کی طبقات الصحابة میں بھی ایک کتاب ہے (۶۴۰)۔

کتاب الطبقات

محمد بن عمر بن واقد الواقدی (۱۳۰-۲۰۷ھ)۔ مغازی اور حدیث کے کبار علماء میں شمار کیے جانے والے الواقدی نے رجال میں کئی ایک کتب تصنیف کی ہیں۔ اس میں اس کی کتاب الطبقات بھی ہے (۶۴۱) جو کہ اپنے فن میں ایک ممتاز تصنیف گردانی جاتی ہے جس سے بہت سے اہل علم مستفید ہوئے۔

الطبقات الکبریٰ

محمد بن سعد بن منیع البغدادی کاتب الواقدی (۱۶۸-۲۳۰ھ) طبقات ابن سعد کے نام سے معروف اس جامع کتاب نے اہل علم کے ہاں بہت شہرت و مقام حاصل کیا ہے۔ ابن سعد بصرہ میں

پیدا ہوئے۔ مدینہ منورہ میں الواقدی کی محبت سے بہت زیادہ مستفید ہونے پر ”کاتب الواقدی“ سے ملقب ہوئے۔ ابن سعد سے واقدی سے مغازی، سیر اور رجال میں بہت زیادہ اخذ کیا ہے۔ واقدی کے علاوہ دیگر اہل انساب اور مؤرخین جیسے عسّام بن النکس، العیثم بن عدی سے بھی روایت کیا ہے، تین ہزار سے زائد صحابہ و تابعین کے تذکرہ کا احاطہ کرنے والی طبقات الکبریٰ کی پہلی جلد سیرت الرسول پر مشتمل ہے۔ کتاب کی ایک خاص بات اس کی آخری جلد تذکرہ خواتین کے لیے مختص ہے۔ سب سے پہلے یہ کتاب ۱۹۰۳ء میں مستشرق سٹاڈ اور دیگر مستشرقین کی کاوشوں سے منظر عام پر آئی۔ بعد میں مصر اور بیروت سے چھپی ہے (۶۳۲)۔

کتاب الطبقات

ابو عمرو خلیفہ بن خیاط المصری (۱۶۰ھ-۲۳۰ھ) آٹھ اجزاء پر مشتمل کتاب الطبقات، ابو عمرو خلیفہ بن خیاط المعروف بشار کی بہت اہم اور وقیع تصنیف ہے۔ علم الطبقات میں اسے ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اس کتاب کی سب سے اہم خوبی انساب کا خاص طور پر اہتمام ہے۔ مؤلف نے کتاب کی ابتداء میں ان شیوخ کا تذکرہ کیا ہے جن سے اس نے اخذ کیا تھا۔ علم الانساب پر بعض احادیث اور روایات ذکر کرنے کے بعد سب سے پہلے رسول اکرمؐ کے نسب کو ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد مدینہ کے صحابہ کرام کا تذکرہ ہے۔ ان کے بعد وہ صحابہ جو کوفہ میں آباد ہوئے ان کے نسب کا ذکر کیا ہے۔ بعد ازاں تابعین کو گیارہ طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ طبقات کوفہ کے بعد طبقات بصرہ پھر اہل مدینہ (جس میں صحابہ کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ ان کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے) بعد ازاں اہل مکہ، پھر اہل طائف، پھر اہل یمن، اہل یمامہ، مصر، شام پھر اہل موصل و خراسان اور رے اور واسط اور بغداد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب پہلے دمشق۔ ۱۹۶۶ء میں ڈاکٹر سہیل زکا کی تحقیق سے شائع ہوئی پھر بغداد سے ۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر اکرم ضیاء العری کی تحقیق انق سے چھپی ہے (۶۳۳)۔

الطبقات امام مسلم بن حجاج غیثا پوری (م ۲۶۱ھ)۔

الطبقات، امام مسلم بن حجاج کی ایک چھوٹی سی کتاب ہے جسے مصنف نے صرف صحابہ اور

تابعین کے تذکرہ تک ہی محدود رکھا ہے۔ اس میں انہوں نے صحابہ کا ایک طبقہ جبکہ تابعین کے تین طبقات بنائے ہیں۔ امام مسلم نے صحابی کا تابعین سے امتیاز کیا ہے اور ان کے بلاد کی تحدید کی ہے۔ جس سے علم طبقات میں کسی راوی کے تذکرہ کے تعین میں بہت مدد ملتی ہے (۶۳۳)۔

مشاہیر علماء الامصار ابو حاتم ابن حبان

اس میں ابن حبان نے مشہور معروف اہل علم کے بلاد اور طبقات کے لحاظ سے تراجم قلم بند کیے ہیں۔ مصنف نے رواد احادیث کو چار طبقات میں منقسم کیا ہے۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین سے روایت کرنے والے اس طرح بلاد اسلام کو چھ اقالیم میں تقسیم کیا ہے۔ اس کتاب میں بہت سے اوہام و تاریخی اغلاط پائے جاتے ہیں (۶۳۵)۔ خاص شہر یا علاقہ کے لحاظ سے لکھی جانے والی بعض کتب طبقات کا تعارف پیش خدمت ہے۔

طبقات الشامیین

حافظ ابوالقاسم محمود بن ابراہیم بن محمد بن یحییٰ بن القاسم بن سراج الدمشقی (م ۲۵۹ھ)۔ ابن سراج کی یہ بہت معروف کتاب ہے جس کا امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ذکر کیا ہے (۶۳۶)۔ تاریخ دمشق میں اس کی بہت سی نصوص نقل کی گئی ہیں۔

طبقات علماء افریقیہ

حافظ ابوالعرب محمد بن احمد بن حمیم التمیمی البقری وئی۔ طبقات افریقیہ کے بارے لکھی جانے والی کتب میں سے سب سے زیادہ وسیع اور پہلے لکھی جانے والی کتاب ابوالعرب کی ”طبقات علماء افریقیہ“ ہے۔ یہ حافظ ابو عبد اللہ محمد بن حارث بن اسد الخفصی القروی نزیل اندلس کی روایت سے ہم تک پہنچی ہے۔ جس پر اس کے حواشی اور زیادات بھی ہیں۔

طبقات علماء افریقیہ سات اجزاء پر مشتمل ہے۔ اہل قیروان کے حالات پر مشتمل ہے تین اجزاء ابوالعرب کے جبکہ اگلے تین اجزاء ابن حارث کی تالیف ہیں۔ ساتواں جزء پھر ابوالعرب کا تحریر کردہ ہے۔ جس میں علماء تونس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں افریقیہ کے فضائل کے بارے ہاتل

اور موضوع روایات نے بھی جگہ پائی ہے۔ سب سے پہلے ۱۹۱۳ء میں علامہ محمد العربی بن ابی نعیم الجوزی (م ۱۳۳۷ھ) کی تحقیق سے شائع ہوئی (۶۳۷)۔

طبقات اہل کوفہ ابو جعفر محمد بن عثمان بن ابی شیبہ العیسیٰ (م ۲۹۷ھ)۔

حافظ الحزلی نے سلیمان بن عبد الرحمن مولیٰ بن اسد کے ترجمہ میں اس کتاب سے نقل کیا

ہے (۶۳۸)۔

طبقات المحدثین باصمان والواردین علیہما

حافظ ابوالشیخ عبد اللہ بن محمد بن جعفر بن حیان الاصمانی (۲۷۳-۳۶۹ھ)۔ ۱۶۵ صفحات

پر مشتمل اس کا ایک نسخہ مکتبہ الفاہریہ دمشق میں موجود ہے جو ابو صالح عبید اللہ بن عمر بن عبد الرحیم العجی اعلیٰ کے خط سے ہے۔

مقدمہ میں اصمان کی فضیلت اور اس کو دوسرے علاقوں سے ممتاز کرنے والی باتوں کا تذکرہ ہے۔۔۔ پھر پہلے طبقہ میں ان صحابہ کا تذکرہ ہے جنہوں نے اصمان کی فتح میں حصہ لیا۔ دوسرے طبقہ میں ان کبار تابعین کا تعارف کروایا گیا ہے جو یہاں داخل ہوئے ان میں سب سے پہلے اخف بن قیس کا تذکرہ ہے۔ پھر درجہ بدرجہ ذکر کرتے ہوئے گیارہ طبقات قلم بند کیے گئے ہیں۔

مصنف نے بعض جگہ پر مقدم اور متاخر کا خیال نہیں رکھا جیسے بشر بن الحسین کو تیسرے طبقہ میں ذکر کیا جبکہ مبارک بن فضالہ اور اللیث بن سعد کو چوتھے طبقہ میں ذکر کیا ہے جبکہ دونوں اس سے بڑے اور سامع میں مقدم ہیں۔ یہ کتاب بیروت سے دودفعہ طبع ہو چکی ہے (۶۳۹)۔ یہ مضمون درج ذیل کتب سے اخذ کیا گیا ہے۔ تفصیلات اور مصادر و مراجع کے لیے ملاحظہ ہو:

i۔ المحدثین اسد سالم قیم، علم طبقات المحدثین، اہمیت و فوائد، مکتبہ الرشید، الریاض ۱۹۹۳ء۔

ii۔ ابوالبرکات محمد الیاس عبد الرحمن الفاوڑہ، مدخل الی علم الطبقات، مکتبہ نداری، ۲۰۰۱ء۔

نقد حدیث

لغوی معنی

نقد کا لغوی مفہوم ہے: ”تمیز الدراہم و اخراج الزیف منها“ (۶۵۰) (دراہم کی تمیز کرنا اور ردی دراہم کو الگ کرنا) یعنی اس میں صحیح اور درست کو تقسیم اور غیر میاری سے الگ کرنا کے معنی پائے جاتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف

نقد حدیث کی اصطلاحی تعریف یوں کی گئی ہے: ”هو تمیز الاحادیث الصحيحة من السقيمة، والحکم علی روايتها تجریحا أو تعدیلا بالفاظ مخصوصة ودلائل معلومة“ (۶۵۱) (صحیح احادیث کو تقسیم (ضعیف) احادیث سے ممتاز کرنا اور اس کے روادع پر مخصوص اور علمی دلائل سے جرح و تعدیل کرنا نقد حدیث کہلاتا ہے)۔

نقد حدیث کی ضرورت و تاریخی پس منظر

خطا و نسیان انسانی فطرت کا خاصا ہے۔ انسان سے غلطی کا صدور بھول چوک سے یا پھر دانستہ ہو سکتا ہے لیکن احادیث کے معاملہ میں کسی قسم کی بھی غلطی قطعاً قابل قبول نہیں کیونکہ احادیث کی حیثیت دین کے مصادر و اساس کی ہے لہذا ضروری ہے کہ احادیث کو بشری خطا اور غلطیوں کی تمام آلائشوں سے پاک کیا جائے۔ دین و شریعت میں اسی مرکزی حیثیت کے پیش نظر مسلمانوں نے ابتداء سے خدمت حدیث کی طرف بھرپور توجہ دی اور حدیث کو قرآن مجید کے ساتھ ساتھ بقیہ علوم کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دی۔ اخذ و قبول، جمع و تدوین، تصحیح و تنقیح کے لیے بیسیوں انواع پر مشتمل علوم الحدیث کا فن ساختھک بنیادوں پر تشکیل دیا (۶۵۲) اور اس میدان میں ایسی روایات قائم کیں کہ دنیا کی کوئی قوم ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

محدثین کی ان مساعی جلیلہ میں سے نقد حدیث کا پہلو بہت نمایاں ہے جس میں یہ جانچنے کی بھرپور کوشش ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب یہ بات درست ہے یا نہیں تاکہ اسے قبول

کرتے ہوئے اس میں مذکور حکم کو فرض سمجھتے ہوئے اس پر عمل کیا جائے یا پھر نسبت غلط ہونے کی صورت میں اس سے احتراز کیا جائے۔ اس جذبہ کے تحت بالکل ابتداء سے ہی روایتوں کی جانچ پڑتال کا کام بڑی جانفشانی سے شروع ہو گیا تھا اگرچہ اخذ و رد کے لیے نقد کے اصول و معیار کا رنگ وہ نہیں تھا جو بعد کے ادوار میں ٹھہرا۔ اسلامی فتوحات کے ساتھ ساتھ احادیث کی نشر و اشاعت کا دائرہ مکانی طور پر وسیع ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ احوال و ظروف کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ احادیث کے پرکھنے کے معیار بھی سخت اور کڑے ہوتے چلے گئے۔ محدثین عظام نے ہر دور میں اس کی طرف خاص توجہ دی ہے۔ نقد تابعی ربیع بن خثیم (م ۶۳ھ)، خطیب بغدادی (م ۳۶۳ھ)، ابن عساکر (م ۵۷۱ھ)، ابن جوزی (م ۵۹۷ھ)، امام ابن الصلاح (م ۶۴۳ھ)، امام صفائی (م ۶۵۰ھ)، ابن دققی العید (م ۷۰۲ھ)، امام ذہبی (م ۷۴۸ھ)، امام ابن قیم (م ۷۵۱ھ)، ابن ملقن (م ۸۰۴ھ)، امام بلقینی (م ۸۰۷ھ)، ابو الحسن علی الحسینی (م ۸۳۷ھ)، امام سخاوی (م ۹۰۲ھ)، امام سیوطی (م ۹۱۱ھ)، ابن عراق الکفائی (م ۹۶۳ھ) علامہ عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ)، علامہ قاسمی (م ۱۳۳۲ھ) وغیرہ چند ایک نام ہیں جنہوں نے نقد حدیث کے حوالے سے قلم اٹھایا اور اس کے اصول و معیارات مقرر کیے۔ صدیوں پر محیط تاریخ علوم الحدیث میں سے صدی وار چند ایک حوالہ جات داخلی نقد حدیث کی فکر کا تسلسل ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں (۶۵۳)۔

امام ابن قیم (م ۷۵۱ھ) سے جب اس نوعیت کا سوال ہوا کہ کیا نقد سند کے بغیر محض متن پر غور و فکر سے حدیث نبوی کی پہچان ممکن ہے؟ تو آپ نے نہ صرف ہاں میں جواب دیا بلکہ اپنی کتاب ”المنار المنیف“ میں پچاس کے قریب نقد کے حوالے سے درایتی معیاروں کی نشان دہی فرمادی۔ ان سے پہلے امام صفائی (م ۶۵۰ھ) اپنی موضوعات میں ان سے حقدم امام ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) موضوعات میں اور ان کے پیش رو جوزقانی (م ۵۳۳ھ) ”کتاب الا باطل والنائر“ میں درایتی معیاروں پر نقد حدیث کی راہ اختیار کر چکے ہیں۔ عقلی و روایتی معیاروں پر نقد حدیث کے رویہ کا تسلسل صحابہ کرام تک جا پہنچتا ہے (۶۵۳)۔

نقد حدیث کی ماہیت

ترکیب و ہیئت کے لحاظ سے حدیث دو اجزاء پر مشتمل ہوتی ہے:

i۔ سند (خارجی جزء) ii۔ متن (داخلی جزء)

سند پر ہونے والا نقد خارجی نقد جبکہ متن پر ہونے والی تحقیق و تنقیح داخلی نقد کے طور پر معروف ہے (۶۵۵)۔ خارجی نقد میں سند، سلسلہ سند، رواۃ اور احوال رواۃ کی تحقیق اور درجہ بندی کی جاتی ہے۔ راوی کے ذاتی احوال، کردار، قوت حافظہ، بصیرت، ذہنی و علمی استعداد، اخلاق و کردار، ذریعہ معاش اور اس کے مشاغل کو کھنگالا جاتا ہے اور یہ تحقیق کی جاتی ہے کہ اس نے روایت حدیث کی شرائط کا کس قدر لحاظ کیا ہے۔

داخلی نقد میں متن حدیث کو دیکھنا ہوتا ہے کہ اس کے الفاظ اور جملوں کی ساخت، اس کے معانی اور مفہوم زمانے کے عقلی، تجرباتی اور طبعی تقاضوں، مسلمہ اصولوں اور شرعی اصولوں کے موافق ہیں یا نہیں۔ خارجی اور داخلی نقد کو الگ الگ زیر بحث لایا جاتا ہے۔

خارجی نقد حدیث

محدثین نے دینی فریضہ سمجھ کر شک و شبہ سے پاک احادیث کو آگے روایت کرنے کے لیے بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے کام لیا کیونکہ ان کے ہاں ”الاسناد من الدین“ (۶۵۶) کی سوچ پائی جاتی ہے۔ محدثین نے سند کے مختلف پہلوؤں کے حوالے سے بہت سی اصطلاحات وضع کی ہیں۔ یہ تمام تر معرفت سند اور تحقیق سند کی غرض سے وضع کی گئی ہیں۔ سند پر نقد و جرح میں محدثین انہیں اصطلاحات کے پیش نظر حدیث پر حکم لگاتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک کی تعریف ذکر کی جاتی ہے:

i۔ مرفوع

اس قول (ہات)، فعل (کام) اور تقریر (تائید) کو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب ہو۔ خواہ اس کی نسبت آپ کی طرف صحابی نے کی ہو یا تابعی نے یا کسی اور نے اور خواہ اس کی سند متصل ہو یا نہ ہو۔

۲۔ موقوف

وہ حدیث ہے جو صحابی کی طرف منسوب ہو خواہ قول ہو یا فعل ہو، خواہ اس کی سند متصل ہو یا منقطع۔

۳۔ مقطوع

وہ قول و فعل ہے جس کی کسی تابعی کی طرف نسبت کی جائے۔

۴۔ صحیح

اس مسند حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند متصل ہو جس کو صاحب عدالت اور ضابطہ راوی دوسرے عادل اور ضابطہ راوی سے روایت کرے۔ یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ یا صحابی و تابعی تک پہنچ جائے اور وہ معلل اور شاذ بھی نہ ہو۔

۵۔ حسن

وہ حدیث ہے جس کا کوئی راوی خفیف الضبط ہو، یعنی اس کی یادداشت ناقص ہو، اور صحیح لذات کی باقی سب شرطیں اس میں موجود ہوں یعنی: سند کا اتصال، روایت کی عدالت، روایت کا شاذ نہ ہونا اور اسناد کا علت خفیفہ سے پاک ہونا۔

۶۔ ضعیف

ایسی روایت جس میں صحیح اور نہ حسن کی صفات پائی جائیں۔

۷۔ موضوع

موضوع اس روایت کو کہتے ہیں جس کو کوئی کذاب گمراہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دے۔

۸۔ شاذ

وہ حدیث ہے جسے کوئی مقبول راوی ایسے راوی کے خلاف روایت کرے جو مرتبہ میں اس سے فائق ہو۔

۹۔ منکر

وہ حدیث ہے جو کسی ایسے راوی سے مروی ہو جو فسق یا فحش غلط یا کثرت غفلت کے ساتھ

مطعون ہو یا جس روایت میں ضعیف راوی ثقہ راوی کی مخالفت کرے۔

۱۰۔ مسند

وہ حدیث ہے جو کسی صحابی نے مرفوعاً بیان کی ہو اور ایسی سند سے مروی ہو جو بظاہر متصل ہو، پس وہ حدیث جس میں انقطاع خفی ہو وہ بھی مسند کہلائے گی۔

۱۱۔ معلق

وہ حدیث ہے جس کی سند کا ابتدائی حصہ حذف کر دیا ہو، یا تمام سند حذف کر دی ہو یا صحابی اور تابعی کے علاوہ باقی سند حذف کی ہو، یا مصنف نے اپنی جانب سے ابتدائے سند سے صرف ایک یا چند راویوں کو حذف کیا ہو، سب کو معلق کہا جاتا ہے۔

۱۲۔ معطل

وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان میں سے دو یا زیادہ راوی مسلسل حذف ہو گئے ہوں۔

۱۳۔ مرسل

وہ حدیث ہے جس کی سند کا آخری حصہ تابعی کے بعد بیان کیا گیا ہو۔ یعنی تابعی قال رسول اللہ کہے اور حدیث بیان کرے۔

۱۴۔ مدلس

وہ حدیث ہے جس میں سقط خفی ہو، یعنی راوی اپنے استاد کو (جس سے یہ حدیث سنی ہے) حذف کر کے مافوق سے (جس سے لقاء تو ہو مگر اس سے یہ حدیث نہ سنی ہو) اس طرح روایت کرے کہ استاد کا محذوف ہونا معلوم نہ ہو بلکہ یہ محسوس ہو کہ مافوق ہی سے سنا ہو (۶۵۷)۔

داخلی نقد حدیث

لم يقف العلماء عند نقد الحديث من حيث سندده بل تعدوا الى النظر في متنه (۶۵۸) (علماء نے نقد حدیث کے معاملہ میں صرف سند پر ہی اکتفا کیا بلکہ متن کی طرف بھی توجہ دی)۔ محدثین نے متن حدیث پر نقد کے بہت سے معیار اور اصول مقرر کیے ہیں جن میں سے بعض کا

بیان ذیل میں کیا جا رہا ہے۔ جن کا ذکر مولانا تقی امینی نے ”حدیث کا دلائلی معیار“ میں کیا ہے۔ ان کا اختصار پیش خدمت ہے۔

۱۔ حدیث میں رکاکت کا پایا جانا

آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب روایت میں کسی قسم کی لفظی یا معنوی رکاکت (طحیث) پائی جائے۔ ملا علی قاری کہتے ہیں ”وضع ہونے کی پہچان حدیث کے الفاظ کی رکاکت اور خرابی ہے جو سننے والے کو ناگوار گزرے اور طبیعت اس کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو۔“ یہ رکاکت دو طرح کی ہو سکتی ہے:

(۱) لفظی رکاکت (۲) معنوی رکاکت

i۔ لفظی رکاکت

لفظی رکاکت یہ ہے کہ الفاظ و جملوں میں وضاحت و بلاغت کے معیار اور قواعد عربیہ کی خلاف ورزی ہو جسے دیکھ کر ”عربی زبان کا ماہر جان لے کہ اس قسم کا کلام کسی فصیح اللسان کا نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ رسول اللہ ﷺ کا کلام ہو، جو فصیح ترین تھے۔“

ii۔ معنوی رکاکت

معنوی رکاکت یہ ہے کہ معنی و مفہوم میں تاوانی و کم عقلی کی بات پائی جائے جو شان نبوت سے فروتر ہو اور کلام معیار نبوت سے گر جائے۔ بقول د۔ مصطفیٰ السباعی ”حدیث کم عقلی و بھونڈے پن پر مشتمل ہو کہ جس سے عقلاً محفوظ رہتے ہیں۔“ مثلاً اربع لا یشبعن من اربع، ارض من مطر، وأنثی من ذکر، وعین من نظر، وعالم من علم (چار کو چار سے شکم سیری نہیں ہوتی، زمین کو بارش سے، عورت کو مرد سے، آنکھ کو دیکھنے سے اور عالم کو علم سے)۔

۲۔ حدیث میں مختلف پیشے اختیار کرنے کی برائی ہو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث میں مختلف پیشوں اور ان کے اختیار کرنے والوں کی برائی بیان کی گئی ہو۔ وحدیث ذم الحاکة والاصاکفة والصواغین او صنعة من الصنائع المباحة کذب علی رسول اللہ ﷺ اذ لا یذم اللہ ورسوله الصنائع

المباحة (پابجہ باتوں، موجہوں، سناروں یا مباح دستکاریوں سے کسی دستکاری کی برائی کرنے والی حدیث رسول اللہ پر جھوٹ ہے۔ اللہ اور اس کا رسول مباح دستکاریوں کی برائی نہیں کرتا) مثلاً ”شہرار امتی الصانعون والصابغون“ (میری امت کے بدترین لوگ دستکار اور سنار ہیں)۔

۳۔ کسی خاندان قوم یا شہر کی برائی ہو

آنحضرت کی طرف منسوب حدیث میں کسی خاندان، قوم یا شہر کی برائی ہو: ”احادیث ذم الحبشة والسودان کلھا کذب ومنها احادیث ذم الترك واحادیث ذم الخصیان واحادیث ذم المالیک“ (جسہ اور سوڈان کی برائی سے متعلق احادیث سب جھوٹی ہیں۔ اسی طرح ترک، خصی اور غلاموں کی برائی سے متعلق حدیثیں بھی جھوٹی ہیں)۔ مثلاً زنجی إذا شبع زنی وإذا جاع سرق (جس جی بھرا ہو تو زنا کرتا ہے اور جب بھوکا ہوتا ہے تو چوری کرتا ہے)۔
 - اربع مدائن من مدن النار فی الدنیا القسطنطینیة والطبریة وانطاکیہ المحترقة وصنعاء (چار شہر دوزخ کے شہروں میں سے ہیں قسطنطنیہ، طبریہ، جلا، ہوا، انطاکیہ اور صنعاء)
 - شر المال فی آخر الزمان المالیک (آخری زمانہ میں بدترین مال غلام ہوں گے)

۴۔ بے ڈھنگی اور اوٹ پٹانگ باتیں پائی جائیں

آپ ﷺ سے منسوب حدیث میں بے ڈھنگی اور اوٹ پٹانگ باتیں پائی جائیں جو رسول اللہ کی شان سے بعید ہوں۔ اشتعالہ علی أمثال هذه المجازفات التي لا يقول مثلها رسول الله ﷺ (رسول اللہ ﷺ کی حدیث ایسی بے ڈھنگی باتوں پر مشتمل ہو جو آپ کی زبان سے نہیں نکل سکتی ہیں) مثلاً: اعتبروا عقل الرجل فی طول لحیته ونقش خاتمه وکنیتہ (داڑھی کی لمبائی انگوٹھی کے نقش اور کنیت سے آدمی کی عقل کا اندازہ کرو)۔

۵۔ لغویت، تمسخر اور کم عقلی و بے وقوفی کی بات پائی جائے

جس حدیث میں ایسی لغویت و تمسخر اور کم عقلی و بے وقوفی کی بات پائی جائے جس سے ذمہ دار لوگ پرہیز کرتے ہیں۔ سماعة الحدیث وكونه مما یسخر منه (حدیث میں لغو پن اور ایسی

بات ہو جس سے تسخیر کیا جاسکتا ہو) مثلاً: لو كان الأرز رجلا لكان حليما ما أكله جافع إلا شبعه (اگر چاول مرد ہوتا تو وہ بردبار ہوتا جو بھوکا بھی اسے کھاتا حکم سیر ہو جاتا)۔

۶۔ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے واقعہ میں شان نبوت پر حرف آئے اور معیار نبوت برقرار نہ رہے

رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے واقعہ کی تشریح اس انداز میں ہو کہ نبوت پر حرف آئے اور معیار نبوت برقرار نہ رہے۔ مثلاً حضرت آمنہ سے منقول ہے پیدائش کے بعد آپ ﷺ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور آپ کے ساتھ ایک نور لکھا جس نے مشرق و مغرب کو روشن کر دیا۔ میں نے اس کے ذریعہ شام کے محلات دیکھے یہاں تک کہ بصری میں اونٹوں کو سر اٹھائے دیکھا۔

۷۔ کلام انبیاء کے مشابہ نہ ہو

رسول اللہ کی طرف منسوب حدیث کلام انبیاء کے مشابہ نہ ہو۔ چہ جائیکہ رسول اللہ ﷺ کا کلام جس کو مختلف وجوہ سے فوٹیت حاصل ہے۔ ان یکون کلامہ لا یشبہ کلام الأنبياء فضلا عن کلام رسول اللہ ﷺ (آپ کی طرف منسوب کلام نبیوں کے کلام سے مشابہ نہ ہو چہ جائیکہ رسول اللہ ﷺ کا کلام) مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے رونے سے متعلق روایتیں کہ تمام آدمیوں کا رونا جمع کیا جائے تو بھی اس کے برابر نہیں ہو سکتا یا ان کے آنسوؤں کو اولاد آدم کے آنسوؤں سے وزن کیا جائے تو آدم کے آنسو کا پلہ جھلک جائے وغیرہ۔

۸۔ عرش معلیٰ پر جانے کی روایت

واقعہ معراج میں آنحضرت کا عرش معلیٰ پر پہنچ کر جوتے اتارنے کا ارادہ کرنے کی روایت کہ ”یا محمد لا تخلع نعلیک فان العرش یتشرف بقدمک متنعلا“ (اے محمد! اپنے نعلین نہ اتار یہ عرش آپ کے نعلین پہن کر آنے سے شرف حاصل کرے گا)۔

۹۔ خرقہ صوفیاء کی نسبت آپ کی طرف صحیح نہیں ہے

آنحضرت کی طرف خرقہ صوفیہ کی روایات کا کوئی اصل نہیں ہے۔ امام سخاوی کہتے ہیں:

انه ليس في شيء من طرقها ما يثبت ولم يرو في خبر صحيح ولا حسن ولا ضعيف أن النبي ﷺ ألبس خرقه على الصور المتعارفة بين الصوفية لأحد من أصحابه ولا أمر أحداً من أصحابه يفعل ذلك وكل ما يروى في ذلك صريحا فباطل (صوفیہ میں خرقہ پہنانے کی جو صورتیں متعارف ہیں ان کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا کسی صحابی کو خرقہ پہنانا، ان کو ایسا کرنے کا حکم دینا کسی صحیح، حسن اور ضعیف روایت سے ثابت نہیں ہے جو کچھ اس سلسلہ میں روایت کیا جاتا ہے وہ سب مراعات باطل ہے)۔

۱۰۔ فقراء صوفیاء کے متعلق روایتیں

صوفیہ فقراء سے متعلق احادیث بھی اس زمرے میں آتی ہیں۔ مثلاً حضور رسول اللہ ﷺ مجلساً للفقراء ورقص حتى شق قميصه (رسول اللہ ﷺ فقراء کی مجلس میں تشریف لے گئے رقص کیا یہاں تک کہ اپنی قمیص پھاڑ ڈالی) نعوذ بالله من ذلك۔

۱۱۔ رسول اللہ کی طرف منسوب حدیث فی نفسہ باطل ہو

رسول اللہ کی طرف منسوب حدیث ایسی کھلی ہوئی باطل ہو کہ اس کا بطلان خود ثابت کرتا ہو کہ یہ اللہ کے رسول کا کلام نہیں ہو سکتا۔ ان يكون الحديث باطلا في نفسه فيدل بطلانه على انه ليس من كلام الرسول ﷺ (حدیث فی نفسہ ایسی باطل ہو جس کا بطلان دلالت کرتا ہو کہ رسول اللہ کا کلام نہیں ہو سکتا) مثلاً ابغض الكلام الى الله تعالى الفارسية وكلام الشيطان الخوزية وكلام اهل النار النجارية (اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ کلام فارسی ہے اور شیطان کا کلام خوزیوں (ایک قبیلہ) کا کلام ہے اور دوزخیوں کا کلام نجاریوں کا کلام ہے)۔

۱۲۔ حدیث محسوس عام مشاہدہ اور عادت کے خلاف ہو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث محسوس عام، مشاہدہ اور عادت کے خلاف ہو۔ ابو الحسن علی کتانی کہتے ہیں: ويلحق به ما يدفعه الحس والمشاهدة أو العادة (رکاکت میں وہ حدیثیں بھی آتی ہیں جو حس، مشاہدہ اور عادت کے خلاف ہو) مثلاً السواك يزيد الرجل

۱۳۔ حدیث عقل عام کے خلاف ہو

ابن جوزی کہتے ہیں: ”کل حدیث رایتہ یخالف المعقول۔۔۔۔۔ فاعلم أنه موضوع فلا تتكلف اعتباره“ (ہر وہ حدیث جس کو تم معقول (عقل) کے مخالف دیکھو۔۔۔۔۔ تو سمجھ لو کہ وہ موضوع ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا)۔ ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی کہتے ہیں: ان یکون الحدیث مخالفا لیدیهات العقول من غیر ان یمنک تاویلہ (حدیث عقل کی بدیہات کے خلاف ہو جس کی تاویل ممکن نہ ہو) مثلاً: ان سفینة نوح طافت بالبيت سبعا و صلت عند المقام رکعتین (حضرت نوحؑ کی کشتی نے بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی)۔ طول اللحية دلیل قلة العقل (داڑھی کی درازی کم عقلی کی دلیل ہے)۔

۱۴۔ حدیث حکمت و اخلاق کے اصول کے خلاف ہو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث حکمت و اخلاق کے عام اصول کے خلاف ہو۔ ان
یکون مخالفا للقواعد العامة فی الحکم والأخلاق (حدیث حکمت و اخلاق کے عام قواعد
کے خلاف ہو) مثلاً شرارکم معلومو صبیانکم أقلهم رحمة علی الیتیم و أغلظهم علی
المساکین (تم میں سے سب سے زیادہ برے بچوں کے معلم ہیں وہ یتیموں پر بہت کم مہربان اور
مسکینوں پر زیادہ سخت ہوتے ہیں) النظرة الی المرأة الحسناء یزید فی البصر (خصوصاً عورت
کی طرف دیکھنے سے بصارت بڑھتی ہے)۔

۱۵۔ حدیث شہوت و فساد کی داعی ہو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث شہوت و فساد کی رغبت دلاتی ہو۔ او داعیا الی

الشهوة والمفسدة (یا حدیث شہوت وفساد کی داعی ہو) مثلاً شهوة النساء تضاعف علی شهوة الرجال (عورتوں کی شہوت مردوں کی شہوت سے کئی گنا ہوتی ہے) شکوت إلی جبریل ضعفی من الوقاع فأمرنی بأکل الهريسة (میں نے جبریل سے نفسانی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے حریرہ کھانے کا حکم دیا)۔

۱۶۔ حدیث قواعد طب کے خلاف ہو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث قواعد طب کے خلاف ہو۔ او یکون مخالفا لقواعد الطب المتفق علیها (یا حدیث طب کے متفقہ قواعد کے خلاف ہو) مثلاً الباذ نجان شفاء من کل داء (بگین میں ہر بیماری کی شفاء ہے)۔ یا علی: عليك بالملح فإنه شفاء من سبعین داء الجذام والبرص والجنون (اے علی! نمک استعمال کرو اس میں ستر بیماریوں کی شفاء ہے جذام، برص اور جنون سے)۔

۱۷۔ حدیث تاریخی حقائق کے خلاف ہو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث تاریخی حقائق کے خلاف ہو۔ مخالفة لحقائق التاريخ المعروفة فی عصر النبیؐ (یا حدیث ان تاریخی حقائق کے خلاف ہو جو رسول اللہ کے زمانہ میں مشہور تھے) مثلاً: ان النبیؐ وضع الجزية علی أهل خیبر ووقع عنهم الکلة والسخرة بشهادة سعد بن معاذ وكتابة معاوية۔ یہ روایت ان وجہ سے باطل ہے۔

i۔ جس وقت اہل خیبر سے سنہ ۷ ہجری میں معاہدہ ہوا تو اس وقت تک جزیہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ یہ حکم غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوا۔

ii۔ اس میں حضرت سعد بن معاذ کی گواہی ہے حالانکہ ان کی وفات غزوہ خندق (۵ ہجری) کے ایک ماہ بعد ہوئی تھی۔

iii۔ اس کے کاتب حضرت معاویہؓ ہیں حالانکہ اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ فتح مکہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔

iv- اس میں بطور نشان کلمہ (سر پر پٹی باندھنے) اور بیگار کا ذکر ہے۔ حالانکہ اس زمانہ میں یہ دونوں چیزیں نہیں تھیں۔

۱۸۔ حدیث کے خلاف صحیح شواہد موجود ہوں

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث کے خلاف ایسے شواہد موجود ہوں جن سے اس کا باطل ہونا ظاہر ہوتا ہو۔ اُن یکون الحدیث مما تقوم الشواہد الصحیحہ علی بطلانہ (حدیث ایسی ہو کہ اس کے بطلان پر صحیح شواہد موجود ہوں) مثلاً: عوج بن صق کے بارے میں ہے۔ ان طویلہ ثلاثۃ الاف ذراع وثلاث مائة وثلاثة وثلاثین وثلاثا (عوج بن صق (جسے حضرت موسیٰ نے قتل کیا تھا) کا قد تین ہزار تین سو تینتیس اور ٹکٹ ذراع تھا)۔

رتن ہندی کے متعلق ہے: عاش سست مائة سنة وثلاثین سنة (وہ چھ سو تیس سال تک زندہ رہا)۔

۱۹۔ حدیث اللہ کی تزییہ و کمال کے خلاف ہو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث اللہ تعالیٰ کی تزییہ و کمال کے خلاف ہو۔ او مخالفاً لما یوجبہ العقل للہ من تزییہ و کمال (حدیث اس کے مخالف ہو جو انسانی عقل اللہ کے لیے تزییہ و کمال واجب کرتی ہو) مثلاً: ان اللہ خلق الفرس فاجراها فعرقت فخلق نفسه منها (اللہ نے گھوڑا پیدا کیا اس کو دوڑایا، وہ پسینہ پسینہ ہو گیا اس سے اپنی ذات کو پیدا کیا) نعوذ باللہ من ذلك۔

۲۰۔ حدیث صراحت قرآن کے خلاف ہو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث صراحت قرآن کے مخالف ہو۔ مخالفۃ الحدیث صریح القرآن (حدیث صریح قرآن کے خلاف ہو) مثلاً: یحشر اولاد الزنا فی صورة القرۃ والخنازیر (قیامت کے دن ولد الزنا بندر اور خنزیر کی شکل میں جمع کیے جائیں گے)۔ لا یدخل الجنة ولد الزنا ولا بشیء من نسلہ الی سبعة آباء الجنة (ولد الزنا اور اس کی

نسل سے سات پشت تک کوئی شخص جنت میں نہیں جائے گا) جبکہ قرآن صراحتاً بیان کرتا ہے: ولا تنذر وازرة ووزر اخری (کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا)۔

۲۱۔ حدیث سنت صریحہ کو توڑنے والی ہو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث سنت صریحہ کو کھلم کھلا توڑنے والی ہو۔ مناقضة الحديث لما جاء به السنة الصريحة مناقضة بينة (حدیث ان باتوں کو کھلم کھلا توڑنے والی ہو جو سنت صریحہ سے ثابت ہوں)۔ اس اصول کے تحت ہر وہ حدیث موضوع قرار پائی گئی جو:

i۔ فسادِ قلم، نقلِ عبث، باطل کی تعریف اور حق کی برائی پر مشتمل ہو۔

ii۔ جن میں نام والقیاب کی اس قدر اہمیت بیان کی گئی ہو کہ اس سے ایمان و عمل صالح کی اہمیت

مجروح ہوتی ہو۔ مثلاً إذا أتت من امتی ثلاث مائة وثمانون سنة فقد حلت لهم العزبة والقهر علی رؤوس الجبال (جب میری امت پر تین سو اسی سال گزر جائیں گے تو ان کے مجرد رہنا اور پہاڑوں کی چوٹی پر رہبانیت اختیار کرنا حلال ہے)۔

۲۲۔ حدیث قرآن و سنت کے قواعد خلاف ہو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث ان عام قواعد کے خلاف ہو جو قرآن و سنت سے مستنبط کیے گئے ہوں۔ او یکون مخالفا للقواعد العامة المأخوذة من القرآن والسنة (یا حدیث قواعد عامہ کے مخالف ہو جو قرآن و سنت سے نکالے گئے ہیں) مثلاً الصلوة خلف العالم بأربعة آلاف وأربعمائة وأربعين صلوة (عالم کے پیچھے نماز چار ہزار چار سو چالیس نمازوں کے برابر ہے)۔

۲۳۔ حدیث میں پیشین گوئی ماہ و سن کے تعیین کے ساتھ ہو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث میں آئندہ واقعات کی ایسی پیشین گوئی ہو جو ماہ و سال کے تعیین کے ساتھ ہو۔ محدثین نے اسے قابل اعتبار نہیں گردانتا ہے۔ او یکون فی الحديث تاریخ کذا وکذا (یا ایسی حدیث جس میں فلاں فلاں تاریخ ہو) مثلاً إذا كانت سنة ستین

ومائة كان الغرباء اربعة قرآن في جوف ظالم ومصحف في بيت قوم لا يقرؤن فيه ومسجد في نادى قوم لا يصلون ورجل صالح بين قوم سوء (سن ایک سو ساٹھ میں چار چیزیں اجنبی ہو جائیں گی قرآن ظالم کے پیٹ (سینہ) میں، مصحف ایسے لوگوں کے گھر جو اس سے تلاوت نہ کریں گے، مسجد قوم کی مجلس میں کہ وہ نماز نہ پڑھیں گے اور صالح آدمی برے لوگوں میں)۔

۲۴۔ چھوٹے کام پر بھاری ثواب کی بشارت ہو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ایسی حدیث جس میں چھوٹے کام پر بھاری ثواب کی بشارت دی گئی ہو۔ اشتعال الحدیث علی افراط فی الثواب العظیم علی الفعل الصغیر (حدیث میں چھوٹے کام پر عظیم ثواب کی افراط ہو) مثلاً من اغتسل يوم الجمعة نبیة وحسبته كتب الله له بكل شعرة نورا يوم القيامة ورفع الله له بكل قطرة درجة فی الجنة من الدر والياقوت والزبرجد بین کل درجتین مسيرة مائة عام (جس نے جمعہ کے دن طلب ثواب کی نیت سے غسل کیا، اللہ تعالیٰ ہر بال کے بدلے قیامت کے دن نور لکھے گا اور ہر قطرہ کے بدلے جنت میں موتی یا قوت اور زمرہ کے درجات بلند کرے گا جس کے ہر دو درجوں میں دو سو سال کی مسافت ہوگی)۔

۲۵۔ حدیث میں چھوٹی بات پر سخت وعید کا مبالغہ ہو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث میں چھوٹی بات پر سخت وعید کا مبالغہ ہو۔ اشتعال الحدیث علی المبالغة بالوعید الشدید علی الامر الحقییر (حدیث امر حقیر پر مبالغہ آمیز سخت وعید پر مشتمل ہو)۔ مثلاً من قرض بین شعر بعد العشاء الاخر لم تقبل له صلوة تلك الليلة (جس نے عشاء کی نماز کے بعد شعر کہا تو اس کی اس رات کی کوئی نماز قبول نہ ہوگی)۔

۲۶۔ حدیث میں مفاد، عصبیت اور اختلاف کو دخل ہو

حدیث روایت کرنے میں ذاتی مفاد، گروہی عصبیت دین و مسلک کے اختلاف کو دخل ہو۔

محمد ثین کے نزدیک اس ضمن میں اصول بیان ہوئے ہیں: الا یکون ناشیا عن باعث نفسی حمل الراوی علی روایتہ (کوئی ذاتی محرک راوی کو روایت پر ابھارنے والا نہ ہو) نیز موافقۃ الحدیث لہذہب الراوی وهو متعصب فقال فی تعصبہ (حدیث راوی کے مسلک کے موافق ہو اور وہ مسلک میں اعتنائی درجہ کا متعصب ہو)۔ مثلاً ایک حریرہ کی تجارت کرنے والے نے اپنے کاروبار کو فروغ کے لیے حدیث وضع کی۔ الہریسۃ تشدد الظہر (حریرہ کو مضبوط کرتا ہے)۔

گروہی عصیت کے تحت امام ابو حنیفہ کی تعریف میں روایت بیان کی گئی۔ ابو حنیفہ سراج امتی (ابو حنیفہ میری امت کا چراغ ہے)۔ اور امام شافعی کی خدمت میں کہا گیا: سیکون فی امتی رجل یقال لہ محمد بن ادریس ہو أضمر علی امتی من ابلیس (میری امت میں ایک آدمی ہوگا جس کا نام محمد بن ادریس ہے وہ میری امت کے لیے ابلیس سے زیادہ ضرر رساں ہے)۔ مسلکی اختلاف کے تحت بہت سی روایات بتائی گئیں جیسے: من رفع یدہ فی الصلوۃ فلا صلوۃ لہ (جس شخص نے نماز میں اپنے ہاتھ اٹھائے اس کی نماز نہ ہوگی) (۶۵۹)۔

نقد حدیث کے بارے میں رویہ

مقاصد و نتائج کے حوالے سے تین مختلف رویے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ان تینوں کی تہہ میں خلوص، جہل و فرار اور تعصب کا الگ الگ جذبہ کارفرما ہے:

- ۱۔ محمد ثین کا نقد حدیث کے بارے میں رویہ۔
- ۲۔ منکرین حدیث کا نقد حدیث کے بارے میں رویہ۔
- ۳۔ مستشرقین کا نقد حدیث کے بارے میں رویہ۔

ان تینوں کا مختصر اجازہ پیش خدمت ہے۔

محمد ثین کا نقد حدیث کا اہتمام

کہا گیا ہے کہ العلائکہ حراس السماء واصحاب الحدیث حراس الارض (۶۶۰) خلوص پر مبنی صحیح اہداف اور ثبت نتائج کا حامل رویہ اختیار کرنے والا پہلا گروہ محققین روایات امت محمد ثین عظام کا ہے۔ انہوں نے بڑی حزم و احتیاط سے احادیث کو تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر

پر کہا۔ اصول تنقید، علم جرح، علم تعدیل اور علم اسماہ الرجال وغیرہ ترتیب دے کر نہایت جانفشانی اور محنت شاقہ سے صحیح اور ضعیف احادیث میں تمیز کی کوشش کی۔ اس ضمن میں انتہائی باریک بینی اور وقت نظر سے جہاں راوی اور سلسلہ حدیث پر بڑی غیر جانبداری سے بحث کی وہیں متن حدیث کا عقلی اور درایتی معیاروں کے ذریعے صحیح و متصحیح کا فریضہ بڑی ذمہ داری سے انجام دیا اور وہ اس سلسلہ میں کسی تسامح و تساهل کو قبول کرنے کے روادار نہیں ہیں۔ دراصل اس کی تہہ میں محدثین کے پیش نظر مقام نبوت تھا اور اس کے ساتھ اپنے پختہ ایمان اور دینی حیثیت کا مظاہرہ تھا کہ دین کے اس چشمہ صافی کو کوئی چیز گدلا نہ دے۔

بقول گولڈ زیہر محدثین عظام کا اسلامی دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک، اندلس سے وسط ایشیاء تک شہر شہر، قریہ قریہ اور بستی بستی، رحال (بہت زیادہ سفر کرنے والے) ہوال (بہت زیادہ سیاحت کرنے والے) اور طواف الاقالیم (ملکوں کا طواف کرنے والے) جیسے قابل فخر القاب حاصل کرنا کوئی استعارہ نہیں تھا نہ ہی مبالغہ تھا اور نہ ہی یہ صرف محض سیر و سیاحت یا تجربہ حاصل کرنے کے لیے تھا۔ بلکہ ان کا مقصد صرف احادیث کو جاننے والوں کو ملنا اور ان سے صحیح احادیث حاصل کرنا تھا (۶۶۱)۔

سہولیات کے فقدان اور مصائب و آلام پر مبنی سفر کر کے کیا محدثین ہر رطب و یابس اور غیر ثقہ بات کو حدیث مان کر بیٹھ رہے، یقیناً نہیں۔ انہوں نے اس ضمن میں بہت عرق ریزی سے کام لے کر صحیح اور سقیم کی پہچان کے بعد صحیح روایات کو ہی اپنے دفاتر کی زینت بنایا۔ اس نقد حدیث کا رویہ شروع سے ہی محدثین کے ہاں موجود ہے اور احادیث نبوی انتہائی سخت جانچ پڑتال کے بعد ہی نسل در نسل آئے منتقل ہوتی رہی ہیں۔ یہ تاریخی تسلسل ہر دور میں نظر آتا ہے۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ محدثین کا نقد حدیث کا مقصد وحید احادیث کی رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کی صحیح پرکھ کرنا ہے۔ اس میں ان کا غلوں اور تفریق ایمان بالرسالت کا اظہار ہوتا ہے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ محدثین کے ایمان کا ایک جز یہ بھی تھا۔ ”قال رسول اللہ ﷺ ایک ایسا کلمہ ہے جسے صحیح حدیث کے سوا کسی بھی صورت میں استعمال نہیں کیا جانا چاہیے“ (۶۶۲)۔

منکرین حدیث کا نقد حدیث کے بارے میں رویہ

جہالت کا شکار منکرین حدیث کے رویے کا تحلیلی جائزہ لینے سے ان کی فکر کی تہہ میں درج ذیل بعض عوامل کا فرمانظر آتے ہیں:

- i- احکام شریعت کی پابندی سے فرار
- ii- رسالت پر ایمان میں جھول
- iii- اپنی انفرادی ناقص عقل کو بزم خویش عقل کل گردان کر اسے کسوٹی قرار دینا۔
- iv- مرموعیت کا شکار ہو کر دشمنان دین کے اعتراضات و شبہات سے متاثر ہونا۔
- v- علوم الحدیث کا سطحی علم (۶۶۳)۔

بظرف عمیق مطالعہ سے آشکار ہوتا ہے کہ منکرین حدیث کی احادیث پر تنقید انہی عوامل کا نتیجہ ہے مزید برآں بعض جگہ وہ مخصوص احوال کے رد عمل کا شکار ہو گئے، کج فکری کا شکار اور جہل مرکب میں جتلا یہ گروہ حق سے کوسوں دور جا نکلا اور اندھیرے میں ٹانک ٹوٹیاں مارتے ہوئے دین اسلام کی خود ساختہ تعبیر و تشریح کرنے لگا جو کہ عقلاً و عملاً حماقت کے سوا کچھ نہیں (۶۶۳) انکار حدیث میں ان کے علم حدیث کا سطحی علم ایک اہم عنصر ہے اس ضمن میں حقائق پر مبنی تبصرہ ملاحظہ ہو "انکار حدیث کا سب سے پہلا اور بنیادی سبب یہ ہے کہ منکرین حدیث راسخ فی علم القرآن ہی نہیں وہ علم حدیث میں بھی مکمل عبور نہیں رکھتے اور حدیث کی مختلف انواع و اقسام اور راویوں سے متعلق فن تنقید و تحقیق سے بے خبر واقع ہوئے ہیں (۶۶۵)۔

منکرین حدیث کے مختلف گروہوں کے ہاں نقد حدیث کے حوالے سے یکسانیت نظر نہیں آتی بلکہ بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہوئے نقد حدیث کے حوالے سے اپنے اپنے اصول و معیارات وضع کیے ہیں۔ نقد حدیث کے ضمن میں دور انداز کا رخن و تخمین اور انکل پچھو علمی اصولوں پر ترجیح دی۔ حدیث کے ٹھکرانے اور رد و قبول کا معیار اپنی عقل، مشاہدہ اور ذہنی approach کو رکھا (۶۶۶)۔ حدیث خواہ کتنی ہی صحیح اور بے نقص ہو، سند کتنی ہی عالی ہو، رواۃ کی عدالت جتنی بھی بے عیب ہو نیز امت نے اسے قبول کا درجہ دے رکھا ہو ان کی بلا سے وہ اسے قبول نہیں کرتے (۶۶۷)۔ بلکہ اکثر الگ الگ وادی

میں سرگرداں ہونے کے باوجود مکرین حدیث اور مستشرقین کے الزامات، شبہات اور اعتراضات میں ایک گونا گونا مٹ پائی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ مکرین حدیث کے بارے میں عمومی تاثر پایا جاتا ہے کہ ان لوگوں کے اعتراضات مستشرقین کے اعتراضات سے براہ راست ماخوذ ہیں (۶۶۸)۔ گولڈ زیمر، شاخت، ڈوزی اور اسپرگر وغیرہ کے افکار کا جائزہ لیں تو فوراً یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ مکرین حدیث کی طرف سے کیے جانے والے بڑے بڑے اعتراضات من و عن وہی ہیں جو ان معاندین اسلام نے کیے ہیں (۶۶۹)۔ مستشرقین کی متعصبانہ تحقیق و تنقید سے متاثر ہونا دراصل اپنی علمی سطح، یعنی مرعوبیت اور فکری کج روی کا نتیجہ تھا۔ میدان جنگ میں مغلوب ہونے والی قوم اپنی شکست کا شکار ہو جاتی ہے۔ دنیائے اسلام پر مغرب کے سیاسی و تہذیبی تسلط کے دوران یہاں کے مختلف خطوں میں مصلحین اور دانشوروں کے ایسے گروہ منظر عام پر آئے جو مغربی تہذیب و تمدن سے مرعوب اور مستشرقین کی تحقیقات و تصانیف سے متاثر تھے۔ انہوں نے حدیث و سنت کی روایت و حفاظت اور اس کی حجیت کے بارے میں ایسا نقطہ نظر اپنایا جو مستشرقین کے خیالات سے ہم آہنگ تھا احساس کتری کا شکار ہو کر یہ ان کے دام میں پھنس گئے (۶۷۰)۔ احادیث میں عیب نکالتے ہوئے بے بنیاد شبہات و اعتراضات کا دفتر کھول کر ان کی استنادی و تشریحی حیثیت کو مٹھوک ٹھہرانے لگتے ہیں۔ چہ جائیکہ اسلام کے استدلالی طریق کار سے حدیث نبوی کی استنادی حیثیت کو محدثین کے مسلمہ اصولوں پر پرکھ کر تسلیم کر لیتے۔

مستشرقین کا نقد حدیث کے بارے میں

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جب نشاۃ ثانیہ اور احیائے علوم کی تحریک سے مغرب کا علمی و فکری، تہذیبی و معاشی اور سیاسی غلبہ کی جانب سفر کا آغاز ہوا تو بالخصوص عالم اسلام کے حوالے سے اس کے ہر اول دستے کے فرائض مستشرقین نے ہی انجام دیئے (۶۷۱)۔ انہوں نے جہاں دین اسلام کی حقانیت اور پیغمبر اسلام کی نبوت و رسالت کو محو تنقید بنایا وہیں اسلام کی ایک اہم اساس احادیث و سنن کو ساقط الاعتبار اور بے وقعت ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ انہوں نے احادیث کی حجیت اور تاریخی حیثیت کو پوری قوت سے چیلنج کرنے کی کوشش کی۔ احادیث رسول کو نشانہ تنقید بنانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ اسلام کو ایک مٹھوک، باہم متعارض، غیر عقلی اور نیم مہذب و تمدن دین کی شکل میں پیش

کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے مختلف جہات اور زاویوں سے احادیث رسول کو نقد و تحلیل کا نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ احادیث کے اخذ و قبول اور جرح و تعدیل کے جامع اور منظم علوم الحدیث پر جہاں محدثین عظام تعریف و توصیف کے مستحق تھے ان ”سکالرز“ نے محض ضد و عناد کی بناء پر اس ساخنتک علم کو ناقابل اعتبار گردانا۔ حالانکہ محدثین عظام کے اخذ حدیث کے بارے میں متین کردہ اصول و معیارات بہر حال ان یورپین محققین کے وضع کردہ اصولوں سے زیادہ سخت اور بہتر تھے جو انہوں نے خود قدیم تاریخ کے ماخذ کی جانچ پڑتال کے لیے اختیار کیے تھے۔ احادیث کی صحت کی جانچ و پڑتال کے بارے میں مستشرقین کا انداز تحقیق اور نقد تاریخی دیانت کے اصولوں سے بھی میل نہیں کھاتا بلکہ یہ صرف ان کا اسلام کے بارے میں تعصب و عناد کا مظہر ہے (۶۷۲) اگر ہم مستشرقین کے اس رویہ کا نفسیاتی جائزہ لیں تو اس کا ایک ذہنی پس منظر سامنے آتا ہے۔ یورپ میں جب مذہبی اداروں کے گھناؤنے کردار کے رد عمل میں اصلاح اور مذہب بیزا قسم کی تحریکیں چل رہی تھیں تو انتقاد عالیہ (Hi-criticism) کے حوالے سے مسلم مذہبی حقائق کو عقلی معیار اور تاریخی اصولوں پر پرکھنے کا رجحان بڑھا۔ جس کا نتیجہ محدود مشاہدے اور دستیاب ناکافی تاریخی مواد کی بناء پر مذہبی اساسوں کا سرے سے انکار ہوتا چلا گیا (۶۷۳)۔ نوبت بایں جارسید رائیسن ممبر پرلوی کونسل نے ثابت کیا کہ تاریخ میں یسوع نامی کا کوئی شخص موجود ہی نہیں (۶۷۴)۔ اس سے ہم تعجباً اخذ کر سکتے ہیں کہ تائبناک اور درخشنده روایات کے حامل علم حدیث سے حقیقی دامن اقوام کے نمائندہ سکالرز کا اصول حدیث کو غیر مفید گردانا دراصل اپنی بے بسی پر پردہ ڈالنے کی سعی لا حاصل ہے۔

حدیث پر مستشرقین کی نقد و جرح کی تحقیق کو ڈاکٹر خالد علوی صاحب نے یوں بیان کیا ہے:

- ۱۔ حدیث لٹریچر زیادہ تر زبانی روایت پر مبنی ہے جو ایک صدی سے زیادہ عرصہ تک زبانی روایت سے منتقل ہوتا رہا۔
- ۲۔ اسناد کا طریقہ پہلی صدی ہجری کے آخر سے استعمال کیا گیا لہذا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جن احادیث کو ان اسناد سے بیان کیا گیا ہے وہ صحیح معنوں میں حدیث ہے۔
- ۳۔ کم عمر صحابہ کی روایات بڑی عمر کے صحابہ کی روایات سے کہیں زیادہ ہیں اس لیے ان

کے ساتھ جو مسند ملحق کی گئی ہے وہ قابل اعتماد نہیں۔

۴۔ بہت سی احادیث آپس میں متضاد ہیں۔

۵۔ ایسے یقینی ثبوت موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر اسناد اور متن حدیث موضوع ہیں۔

۶۔ مسلم نقادوں نے اپنے تنقیدی اصولوں کو سند تک محدود رکھا ہے اور متن حدیث پر کبھی تنقیدی نظر نہیں ڈالی (۶۷۵)۔

ان پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان محققین نے ایک طرف شعوری طور پر تاریخی حقائق کو جھٹلانے کی کوشش کی ہے اور بدینتی کے ساتھ ساتھ ان کی جہالت بھی آشکار ہوتی ہے (۶۷۶)۔ احادیث کے تحریری سرمایہ کا حیات نبوی میں ہی ثبوت ملتا ہے کہ ۵۲ کے قریب صحابہ کرام کا احادیث کو زینت قرطاس بنا کر on the record تاریخی حقیقت ہے (۶۷۷) نیز ابتداء سے ہی سند حدیث کا اہتمام کرنے پر تفصیلی روشنی کتاب کے دوسرے اوراق میں ڈالی گئی ہے۔ اسی طرح یہ دعویٰ بھی انتہائی مضحکہ خیز ہے کہ مسلم نقادوں نے تنقیدی اصولوں کو سند تک ہی محدود رکھا ہے متن پر تنقیدی نگاہ نہیں ڈالی۔ نقد حدیث پر ہماری یہ ساری بحث اس پر دال ہے۔

محدثین نے مستشرقین اور ان کے ساتھ ساتھ ان کے خوشہ چین منکرین حدیث کے پیدا کردہ ٹھوک و شبہات کو رفع کرنے اور دہنی اور لکری انتشار کو خالص علمی انداز میں دور کرنے کے لیے بھرپور کوشش کی ہے۔ اس مسلم میراث پر امت مسلمہ کا اعتماد بحال کرنے کے لیے اہم کردار ادا کیا ہے۔

TRUEMASLAK@INBOX.COM

حوالہ جات

- ۱۔ احمد محمد نور، من ادب الحمد شین فی التریبۃ والتعلیم (دارالحدیث للخدمات الاسلامیہ و احیاء التراث دینی، الطبعة الثانية، ۱۹۹۸ء) ص ۱۱۔
- ۲۔ ترمذی، السنن، (دار السلام، الرياض)، حدیث نمبر ۱۹۵۲، ص ۳۲۸۔
- ۳۔ مجلوی، کشف الخفاء (طبعة مؤسسة الرسالة بیروت، طبع ثالث ۱۹۸۳ء) ۷/۲۔
- ۴۔ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضله (دار الفکر، بیروت) ۱/۱۵۱۔
- ۵۔ ایضاً، ۱/۱۵۳۔
- ۶۔ ایضاً، ۲/۱۴۲۔
- ۷۔ خطیب بغدادی، الجامع للاخلاق الراوی و آداب السامع (مکتبۃ المعارف الرياض، ۱۹۸۳ء) ۱/۱۳۲۔
- ۸۔ ایضاً۔
- ۹۔ المصنوعی، نور الدین، مجمع الزوائد (طبعة مؤسسة المعارف بیروت، ۱۹۸۶ء) ۸/۹۲۔
- ۱۰۔ من ادب الحمد شین فی التریبۃ والتعلیم، ص ۱۶۔
- ۱۱۔ قاسمی، جمال الدین، قواعد الحدیث (دار الکتب العلمیۃ بیروت)، ص ۳۹۳۔
- ۱۲۔ الحدیث (۹۸) ۵۔
- ۱۲-۱۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۱۔
- ۱۳۔ حبیب اللہ بن عطاء السجستانی، آداب الطالب والعالم والحدیث (مکتبۃ محمود سلام، کراچی) ص ۲۱۔
- ۱۴۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۳۶۶۳، ص ۵۲۵-۵۲۶؛ ابن ماجہ، السنن، حدیث نمبر ۲۵۲، ص ۳۸-۳۹۔
- ۱۵۔ آداب الطالب والعالم والحدیث، ص ۲۱۔
- ۱۶۔ الذاریات (۵۱) ۵۶۔
- ۱۷۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۳۶۳۱، ص ۵۲۳۔
- ۱۸۔ ترمذی، السنن (دار السلام الرياض، الطبعة الاولى، ۱۹۹۹ء) حدیث نمبر ۲۶۸۲، ص ۶۰۸-۶۰۹۔
- ۱۸-۱۔ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۲۶۵۳، ص ۶۰۲-۶۰۳۔
- ۱۹۔ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۱۲۱۲، ص ۲۹۵-۲۹۶۔
- ۲۰۔ الجامع للاخلاق الراوی، ۱/۱۵۰۔
- ۲۱۔ ایضاً، ۱/۱۵۰۔

- ۲۲۔ الراهر حرى، المحدث الفاضل (دار الفكر، ۱۹۷۱ء) ص ۲۰۲؛ الجامع لاخلاق الراوى، ۱۵۰/۱۔
- ۲۳۔ ابن عساکر، تاريخ دمشق، ۱۰۰/۱/ل ۱۶۳؛ من ادب الحمد ثين فى التربية الاسلاميه، ص ۳۷۔
- ۲۴۔ الخطيب البغدادى، الجامع لاخلاق الراوى واداب السامع، ۲/۲۶۵۔
- ۲۵۔ ايضاً۔
- ۲۶۔ ايضاً، ۲/۲۶۴۔
- ۲۷۔ من ادب الحمد ثين فى تربيه الاسلاميه، ص ۳۹۔
- ۲۸۔ من ادب الحمد ثين فى تربيه الاسلاميه، ص ۳۹ بحواله حليه لابن ابى نعيم، ۱۳۰/۱۔
- ۲۹۔ ابن ابى شيبه، المصنف (دار الفكر بيروت ۱۴۰۹ھ-۱۹۸۹ء، الطبعة الاولى) ۸/۱۴۵۔
- ۳۰۔ اقبى، غرائب القرآن ورجائب الفرقان (منشورات الرضى، قم ايران) سورہ العصر۔
- ۳۰۔۱۔ الرازى، تفسير كبير، ۳۲/۸۵-۸۶۔
- ۳۱۔ ترمذى، السنن، حديث نمبر ۲۳۱۷، ص ۵۵۰-۵۵۱۔
- ۳۲۔ مقدمه صحيح مسلم (دار السلام الرياض) ۱/۳۵؛ التمهيد لابن عبد البر (مكتبة المكنز) ۱/۳۶۔
- ۳۳۔ عجاج الخطيب، اصول حديث، ص ۴۴۱۔
- ۳۴۔ ابن عبد البر، التمهيد، ۱/۳۵؛ خطيب بغدادى، الكفايه، (المكتبة العلميه بيروت) ص ۳۱۔
- ۳۵۔ التمهيد، ۱/۳۶۔
- ۳۶۔ الخطيب البغدادى، الكفايه (المكتبة العلميه المدينه المنوره) ص ۳۳۔
- ۳۷۔ ذاكتر خالد محمود، آثار الحمد، ۲/۵۷ بحواله شرح الجامع الصغير للمناوى، ص ۵۵۔
- ۳۸۔ الجامع لاخلاق الراوى، ۱/۱۱۸۔
- ۳۹۔ الحجرات (۴۹) ۵؛ الجامع لاخلاق الراوى، ۱/۱۵۸۔
- ۴۰۔ الذہبی، سير اعلام النبلاء (مؤسسة الرساله، بيروت ۱۹۸۶ء) ۳/۳۳۳؛ الجامع لاخلاق الراوى، ۱/۱۵۸۔
- ۴۱۔ تذکرۃ الحفاظ (دار احیاء التراث العربی بیروت)، ذکر شیخ عبید اللہ بن عبد اللہ، ۹/۷۷۔
- ۴۲۔ لودى، محي الدين يحيى بن شرف، تهذيب الاسماء واللغات (دار الفكر بيروت، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء) ۲/۵۰۴۔
- ۴۳۔ ايضاً۔
- ۴۴۔ تهذيب الاسماء، ۱/۸۰۔
- ۴۵۔ ايضاً، ۱/۲۱۷۔
- ۴۶۔ ابن خلکان، وفيات الاعيان (منشورات الرضى، قم ايران، الطبعة الثانية)۔

- ۴۷- ابن حجر، الدرر الكامنة (دار الجلیل بیروت، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء)، ۱/۲۸۷۔
- ۴۸- ہفتہ وار ہندو کلکتہ، ۱۶ دسمبر ۱۹۳۵ء۔
- ۴۹- عیون الانباء، ۲/۲۳۔
- ۵۰- شبلی، سفرنامہ، ص ۱۶۔
- ۵۱- الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع، ص ۲۷۸۔
- ۵۲- محمد، اب الاسماء، ۲/۳۶۵۔
- ۵۳- الجامع لاخلاق الراوی، ۱/۲۳۷۔
- ۵۴- ایضاً، ص ۲۷۸۔
- ۵۵- ایضاً، ۱/۲۳۶۔
- ۵۶- ایضاً، ۱/۲۳۷۔
- ۵۷- ایضاً، ۱/۲۳۸۔
- ۵۸- ایضاً۔
- ۵۹- ایضاً، ۲/۲۷۸۔
- ۶۰- ابن عبد البر، جامع بیان العلم وفضلہ، ۲/۱۳۔
- ۶۱- ایضاً، ۲/۱۱۔
- ۶۲- ایضاً۔
- ۶۳- ایضاً، ۲/۸۔
- ۶۴- جہنڈا انگری، عبدالرؤف، العلم والعلماء (مکتبہ قدوسیہ لاہور)، ص ۶۴۔
- ۶۵- الذہبی، تذکرۃ الحفاظ (دار احیاء التراث العربی، بیروت)، ۱/۱۱۰۔
- ۶۶- ابن حجر، معدی الساری المعروف مقدمۃ فتح الباری (ادارۃ المجلت العلمیۃ الریاض)، ص ۳۸۶۔
- ۶۷- ایضاً، ص ۳۸۷۔
- ۶۸- ایضاً، ص ۳۸۶۔
- ۶۹- جامع بیان العلم وفضلہ، ۱/۱۰۹۔
- ۷۰- ایضاً، ۱/۱۱۵۔
- ۷۱- ایضاً، ۱/۱۱۱-۱۱۲: المجدادی، الرحلۃ فی طلب الحدیث (دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۷۵ء)، ص ۱۱۰۔
- ۷۲- بخاری، الجامع الصحیح (باب الخروج فی طلب العلم، تعلیق)، ص ۱۸۔

- ۷۳۔ خطیب بغدادی، الرحلتہ فی طلب الحدیث، ص ۱۱۰۔
- ۷۴۔ جامع بیان العلم وفضلہ، ص ۱۳۱۔
- ۷۵۔ الترمذی، السنن، حدیث نمبر ۲۶۸۲، ص ۶۰۸-۶۰۹۔
- ۷۶۔ شاہ عبدالعزیز، بستان المحمدین (ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، طبع سوم، ۱۹۸۴ء)، ص ۱۱۷۔
- ۷۷۔ جامع بیان العلم، ۱/۱۱۳۔
- ۷۸۔ العلم والعلماء، ص ۵۵، بحوالہ معجم الادباء، ۱/۲۵۵۔
- ۷۹۔ ایضاً، ص ۵۵، بحوالہ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۱۹۔
- ۸۰۔ العلم والعلماء، ص ۵۵، بحوالہ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۳۵۲۔
- ۸۱۔ تہذیب الاسلام، ۲/۲۵۲۔
- ۸۲۔ العلم والعلماء، ص ۵۵، بحوالہ تذکرۃ الحفاظ۔
- ۸۳۔ ایضاً، ص ۳۸، بحوالہ تذکرۃ الحفاظ، ۳/۱۲۸۔
- ۸۴۔ ایضاً، ص ۳۷-۳۸، بحوالہ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۳۷۔
- ۸۵۔ جامع بیان العلم وفضلہ، ۱/۱۱۶۔
- ۸۶۔ ایضاً، ۱/۱۵۰۔
- ۸۷۔ ایضاً، ۱/۱۵۰؛ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۱۰۹۔
- ۸۸۔ ایضاً، ۱/۱۳۷۔
- ۸۹۔ ایضاً، ۱/۱۳۸۔
- ۹۰۔ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۲۶۳۹، ص ۶۰۱۔
- ۹۱۔ جامع بیان العلم وفضلہ، ۱/۱۳۸۔
- ۹۲۔ ایضاً، ۱/۱۳۹۔
- ۹۳۔ الجامع لاخلاق الراوی، ۱/۲۰۳۔
- ۹۴۔ ایضاً، ۱/۲۰۳۔
- ۹۵۔ سیوطی، الجامع الصغیر (دار الفکر بیروت ۱۹۹۳ء)، ۶/۵۵۹۔
- ۹۶۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۳۸۷۸، ص ۵۵۱۔
- ۹۷۔ ایضاً، حدیث نمبر ۳۲۲۶، ص ۵۹۲۔
- ۹۸۔ جامع الصغیر، ۵/۲۳۳۔

- ۹۹۔ الجامع للاخلاق الراوی، ۱/۳۸۱۔
- ۱۰۰۔ غزنوی، سید ابوبکر، حضرت مولانا داؤد غزنوی (مکتبہ غزنویہ، لاہور) ص ۲۹۰۔
- ۱۰۱۔ ندوی، سید سلیمان، حیات امام مالک (مجلس نشریات اسلام، کراچی) ص ۳۵۔
- ۱۰۲۔ مواردالقطبان، کتاب المناقب باب بنی عامر، حدیث ۲۳۰۰۔
- ۱۰۳۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۲۸۳۸، ص ۸۵۶۔
- ۱۰۴۔ احیاء العلوم الدین، ۱/۴۶۔
- ۱۰۵۔ ایضاً۔
- ۱۰۶۔ ایضاً۔
- ۱۰۷۔ ایضاً، ۱/۴۷۔
- ۱۰۸۔ ایضاً، ۳/۵۸۔
- ۱۰۹۔ بخاری، الجامع الصحیح، ص ۳۱۔
- ۱۱۰۔ ایضاً، حدیث نمبر ۹۳، ص ۲۱۔
- ۱۱۱۔ ایضاً، ص ۱۳۔
- ۱۱۲۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۵۹، ص ۱۳۔
- ۱۱۳۔ محدث دہلوی، عبدالحق، مدارج النبوة (مکتبہ اسلامیہ، اردو بازار لاہور)، ۱/۴۶۲۔
- ۱۱۴۔ ڈاکٹر خالد محمود، آثار الحمد، ۲/۶۹، بحوالہ کتاب التاریخ الخلفی بن معین، ۲/۲۱۳۔
- ۱۱۵۔ آثار الحمد، ۲/۶۹، بحوالہ مصنف عبدالرزاق، ۱/۳۶۳۔
- ۱۱۶۔ مدارج النبوة، ۱/۳۶۳۔
- ۱۱۷۔ ایضاً۔
- ۱۱۸۔ آثار الحمد، ۲/۶۹-۷۰۔
- ۱۱۹۔ داری، السنن (سلسلہ مطبوعات کتب السنن النبویہ، مدینہ المنورہ)، ۱/۶۶، عن ابی الدرداء۔
- ۱۲۰۔ جوہری، ابوالقدامہ اسماعیل بن حماد، الصحاح (مقدمہ) ۱/۱۶۱۔
- ۱۲۱۔ فیروز آبادی محمد الدین محمد بن یعقوب، القاموس المحیط (دار الفکر، بیروت ۱۳۹۸ھ)، ۱/۹۱۔
- ۱۲۲۔ ابن منظور، لسان العرب (دار صادر بیروت) ۱/۵۱۹۔
- ۱۲۳۔ خطیب بغدادی، الکفایہ، ص ۱۵۱۔
- ۱۲۴۔ بخاری، الجامع الصحیح، دار السلام الریاض، ۱۹۹۹ء (کتاب فضائل اصحاب النبی) ص ۶۱۲۔

- ۱۲۵۔ ابن حجر العسقلانی، الاصابۃ، ۱/۷۔
- ۱۲۶۔ المنجد، ۳۳۔
- ۱۲۷۔ لسان العرب، ۳۳/۱۔
- ۱۲۸۔ مقدمہ ابن الصلاح، ص ۹۶۔
- ۱۲۹۔ امام غزالی، المستصفی، ۱/۱۵۷۔
- ۱۳۰۔ الکفاۃ، ص ۷۹۔
- ۱۳۱۔ سورہ البینہ (۹۸) ۷-۸۔
- ۱۳۲۔ التوبہ (۹) ۸۸۔
- ۱۳۳۔ التوبہ (۹) ۱۰۰۔
- ۱۳۴۔ الفتح (۲۸) ۱۸۔
- ۱۳۵۔ المعشر (۵۹) ۸۔
- ۱۳۶۔ الفتح (۲۸) ۲۹۔
- ۱۳۷۔ التقریم (۶۶) ۸۔
- ۱۳۸۔ الحجرات (۴۹) ۷-۸۔
- ۱۳۹۔ البقرۃ (۲) ۱۳۷۔
- ۱۴۰۔ البقرۃ (۲) ۲۱۸۔
- ۱۴۱۔ الانفال (۸) ۷۴۔
- ۱۴۲۔ التوبہ (۹) ۱۱۲۔
- ۱۴۳۔ مسلم الجامع الصحیح ۳۰۸/۲۔
- ۱۴۴۔ الترمذی، السنن، حدیث نمبر ۳۸۶۵، ص ۸۷۳۔
- ۱۴۵۔ خطیب حمیری، مشکاۃ المصابیح، حدیث نمبر ۶۰۱۵، ص ۳۳۵۔
- ۱۴۶۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث ۳۶۵۱، ص ۶۱۲۔
- ۱۴۷۔ ایضاً، حدیث ۳۶۵۰، ص ۶۱۲۔
- ۱۴۸۔ ایضاً، حدیث ۳۶۴۹، ص ۶۱۲؛ مسلم، الجامع الصحیح ۳۰۸/۲۔
- ۱۴۹۔ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۳۸۵۸، ص ۸۷۲-۸۷۱۔
- ۱۵۰۔ ایضاً حدیث نمبر ۳۸۶۰، ص ۸۷۲۔

- ۱۵۱۔ ایضاً، حدیث نمبر ۳۸۶۱، ص ۸۷۲۔
- ۱۵۲۔ ایضاً حدیث نمبر ۳۸۶۶، ص ۸۷۳۔
- ۱۵۳۔ ایضاً حدیث نمبر ۳۸۶۲، ص ۸۷۲۔
- ۱۵۴۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۳۶۵۶، ص ۶۱۴۔
- ۱۵۵۔ ایضاً، حدیث نمبر ۳۶۶۶، ص ۶۱۵۔
- ۱۵۶۔ ایضاً، حدیث نمبر ۳۶۶۲، ص ۶۱۴-۶۱۵۔
- ۱۵۷۔ ایضاً حدیث نمبر ۳۶۷۱، ص ۶۱۶۔
- ۱۵۸۔ ایضاً حدیث نمبر ۳۶۷۵، ص ۶۱۷۔
- ۱۵۹۔ ایضاً حدیث نمبر ۳۶۸۱، ص ۶۱۸؛ ترمذی، السنن ۳۶۸۷، ص ۸۳۹۔
- ۱۶۰۔ ترمذی، السنن حدیث نمبر ۳۶۸۲، ص ۸۳۸۔
- ۱۶۱۔ ایضاً، حدیث ۳۶۸۴، ص ۸۳۸۔
- ۱۶۲۔ احمد، المسند ۳۳۹/۱، علی المعنی، کنز العمال ۳۱۱/۲۔
- ۱۶۳۔ ابن ابی العز، شرح العقیدۃ الطحاویۃ، ۳۶۹۔
- ۱۶۴۔ یوسف (۱۲) ۱۰۸۔
- ۱۶۵۔ البغوی، معالم التنزیل، ۳۲۱/۳۔
- ۱۶۶۔ الکفایۃ، ص ۳۹؛ لإصابۃ، ۱۰/۱۰؛ روى الخطیب البغدادی فی تاریخ بغداد، ۱۰/۱۷۴ فی ترجمۃ عبداللہ بن مصعب الزبیری سندہ إلى الزبیر بن أبی بکر وهي كنية بكار قال: حدثني عمي مصعب بن عبداللہ قال حدثني أبی عبداللہ بن مصعب قال قال لي أمير المؤمنين المهدي: يا أبا بکر ما تقول فيمن يتنقص أصحاب رسول اللہ ﷺ قال قلت: زنادقة: قال: ما سمعت أحداً قال هذا قبلك. قال: هم قوم أرادوا رسول اللہ ﷺ بنقص لم يجدوا أحداً من الأمة يتابعهم على ذلك فتنقصوا هؤلاء عند أبناء هؤلاء، وهؤلاء عند أبناء هؤلاء فكأنهم قالوا: رسول اللہ ﷺ يصحبه صحابة السوء فقال: ما أراه إلا كما قلت.
- ۱۶۷۔ الحشر (۵۹) ۷-۱۰؛ ابن تیمیہ، الصارم السلول (المکتب الاسلامی بیروت ۱۹۹۴ء) ص ۵۶۸۔
- ۱۶۸۔ ابن تیمیہ، الصارم السلول علی شاتم الرسول، ص ۵۶۸۔
- ۱۶۹۔ ابن حجر، لإصابۃ، ۱۰/۱۰۔
- ۱۷۰۔ احمد، فضائل الصلویۃ (مقدمۃ)، ۱۵/۱۔

- ۱۷۱- ابن الصلاح، علوم الحدیث مع التقیید والایضاح، ص ۳۰۱۔
- ۱۷۲- ابن عبد البر، فلاہیعیاب فی معرفۃ الاصحاب، ۲/۱ (علی حاشیہ الاصابۃ)۔
- ۱۷۳- الکفایہ، ص ۴۶-۴۷۔
- ۱۷۴- النووی، التقریب والتیسیر، ص ۹۲۔
- ۱۷۵- سیوطی، تدریب الراوی، ۲/۲۱۶۔
- ۱۷۶- ابن تیمیہ، شرح العقیدہ الواسطیہ، ص ۱۶۶۔
- ۱۷۷- ابوالحسن الاشعری، الابانۃ من اصول الدیانۃ، ص ۱۹۰-۱۹۱۔
- ۱۷۸- ابن کثیر، اختصار علوم الحدیث، ص ۱۷۶-۱۷۷۔
- ۱۷۹- الصابونی، عقیدۃ السلف واصحاب الحدیث، ص ۹۳۔
- ۱۸۰- اکتافی، الرسالۃ المستطرد، ۱۲۷، فتح المغیب، ۳/۹۲۔
- ۱۸۱- مطبوع جلد۱ ام القری مکۃ المکرمہ (انظر ایضاً الذودی المظاہری: اسامی الرجال، ص ۸۳)۔
- ۱۸۲- الاصابۃ، ۲/۱۔
- ۱۸۳- مجلۃ الجمیع العلمی، والتراث الاسلامی العربی، ص ۳۵۳۔
- ۱۸۴- التسانی، فضائل الصحابۃ، ۲۹۰، الذمسی، تذکرۃ الفقہاء، ص ۲-۵۹۰۔
- ۱۸۵- مجلۃ الجمیع العلمی، ص ۳۵۳۔
- ۱۸۶- ایضاً، ص ۳۵۳۔
- ۱۸۷- فواد سزگین، تاریخ التراث العربی، ۱/۲۹۷۔
- ۱۸۸- مطبوع من مؤسسۃ الکتاب الخفافیہ، بیروت، ۱۹۸۶ء، الطبعة الاولیٰ۔
- ۱۸۹- مجلۃ الجمیع العلمی، ص ۳۵۳۔
- ۱۹۰- التسانی، فضائل الصحابۃ، ص ۲۷۔
- ۱۹۱- الرسالۃ المستطرد، ص ۱۲۶۔
- ۱۹۲- الاصابۃ، ۱/۹؛ التسانی، فضائل الصحابۃ، ص ۲۷۔
- ۱۹۳- مجلۃ الجمیع العلمی، ص ۳۵۳۔
- ۱۹۴- التسانی، فضائل الصحابۃ، ص ۲۷۔
- ۱۹۵- ابوالفیم، معرفۃ الصحابۃ، ۱/۲۸ (التقدمۃ)۔
- ۱۹۶- مطبوع من دار البیضاء، مغرب، ۱۹۸۳ء۔

- ۱۹۷- السخاوی، فتح المغیث، ۹۲/۳۔
- ۱۹۸- حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ۱۷۳۶/۲۔
- ۱۹۹- ابن الخیر، فضلی، الفهرست، ۲۱۵: السخاوی، الاعلان بالترویج، ص ۹۲۔
- ۲۰۰- الاصابہ، ۲/۱: السخاوی، فتح المغیث، ۹۲/۳۔
- ۲۰۱- الاصابہ، ۲/۱-۳۔
- ۲۰۲- مجلہ الجمعہ العظمیٰ، ص ۳۵۴۔
- ۲۰۳- القسائی، فضائل الصحابہ، ص ۲۸۔
- ۲۰۴- مجلہ الجمعہ العظمیٰ، ص ۳۵۳۔
- ۲۰۵- فتح المغیث، ۹۲/۳۔
- ۲۰۶- مجلہ الجمعہ العظمیٰ، ص ۳۵۴۔
- ۲۰۷- کشف الظنون، ۲/۲۷۵۔
- ۲۰۸- مطبوع دار الکتب العربی، بیروت ۱۹۸۰ء۔
- ۲۰۹- تاریخ التراث العربی، ۱/۳۶۹۔
- ۲۱۰- مجلہ الجمعہ العظمیٰ، ص ۳۵۴۔
- ۲۱۱- فہرست، ۲۱۵، تاریخ التراث العربی، ۱/۳۰۵۔
- ۲۱۲- الاصابہ، ۳/۱: السنۃ قبل التمددین، ص ۲۶۲۔
- ۲۱۳- الاصابہ، ۳/۱: الفہرست، ص ۲۱۵۔
- ۲۱۴- مجلہ الجمعہ العظمیٰ، ص ۳۵۵۔
- ۲۱۵- تاریخ التراث العربی، ۱/۳۹۹۔
- ۲۱۶- مجلہ الجمعہ العظمیٰ، ص ۳۵۵۔
- ۲۱۷- الاصابہ، ۳/۱: تاریخ التراث العربی، ۱/۳۹۳ مطبوع متداول۔
- ۲۱۸- تاریخ التراث العربی، ۱/۴۰۳۔
- ۲۱۹- ایضاً۔
- ۲۲۰- کشف الظنون، ۱۷۳۶/۲: التراث، ۱/۴۰۷-۴۰۸۔
- ۲۲۱- مجلہ الجمعہ العظمیٰ، ص ۳۵۵۔
- ۲۲۲- احمد، فضائل الصحابہ، ۱/۱۸۔

- ۲۲۳۔ الاصلہ، ۳/۱، فتح المغیہ، ۹۲/۳۔
- ۲۲۴۔ تاریخ التراث العربی، ۱/۳۲۳۔
- ۲۲۵۔ ایضاً، ۱/۳۳۹۔
- ۲۲۶۔ کشف الظنون، ۲/۱۷۳۶۔
- ۲۲۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳/۲۳۸۔
- ۲۲۸۔ کشف الظنون، ۲/۱۲۱۶۔
- ۲۲۹۔ فہرستہ، ص ۲۹۱۔
- ۲۳۰۔ فتح المغیہ، ۳/۹۲: التسانی، مفائل الصلحہ، ص ۳۷۔
- ۲۳۱۔ ایضاً، ۳/۹۲۔
- ۲۳۲۔ مجلہ احمد العلمی، ص ۳۵۷۔
- ۲۳۳۔ التسانی، مفائل الصلحہ، ص ۳۰۔
- ۲۳۴۔ احمد، مفائل الصلحہ، ۱۹/۱۔
- ۲۳۵۔ مطبوع دار احیاء التراث العربی، بیروت فی ۱۳۲۸ھ علی حاشی الاصلہ فی تسمیہ الصلحہ لابن حجر۔
- ۲۳۶۔ الاصلہ، ۳/۱۔
- ۲۳۷۔ مجلہ احمد العلمی، ص ۳۵۸۔
- ۲۳۸۔ التسانی، مفائل الصلحہ، ص ۳۱۔
- ۲۳۹۔ مجلہ احمد العلمی، ص ۳۵۸۔
- ۲۴۰۔ التسانی، مفائل الصلحہ، ص ۳۱۔
- ۲۴۱۔ مجلہ احمد العلمی، ص ۳۵۸۔
- ۲۴۲۔ التسانی، مفائل الصلحہ، ص ۳۱۔
- ۲۴۳۔ مطبوع المؤسسة العامة للصحافة والطباعة، بغداد ۱۹۶۱ء۔
- ۲۴۴۔ التسانی، مفائل الصلحہ، ص ۳۱-۱۱۵۔
- ۲۴۵۔ ایضاً، ص ۳۷۔
- ۲۴۶۔ ایضاً۔
- ۲۴۷۔ ایضاً۔
- ۲۴۸۔ ایضاً۔

- ۲۳۹۔ احمد، فضائل الصلۃ، ص ۳۷۔
- ۲۵۰۔ النسائی، فضائل الصلۃ، ص ۳۷۔
- ۲۵۱۔ مطبوع دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۷۳ء۔
- ۲۵۲۔ مطبوع دار احیاء التراث العربی، بیروت۔
- ۲۵۳۔ مجلۃ الحمد العظمیٰ، ص ۳۵۹۔
- ۲۵۴۔ النسائی، فضائل الصلۃ، ص ۳۱۔
- ۲۵۵۔ ایضاً، ص ۳۷۔
- ۲۵۶۔ ایضاً، وهو مطبوع دار الکتب العلمیۃ بیروت فی ۱۹۸۳ء۔
- ۲۵۷۔ النسائی، فضائل الصلۃ، ص ۳۷۔
- ۲۵۸۔ ایضاً۔
- ۲۵۹۔ کشف الظنون، ۱۲۷۶/۲۔
- ۲۶۰۔ مجلۃ الحمد العظمیٰ، ص ۳۵۹۔
- ۲۶۱۔ مجلۃ الحمد العظمیٰ، ۳۵۹، وهو مطبوع۔
- ۲۶۲۔ مخطوط فی مکتبہ عثمانیہ مکتب ورقمہ ۲۵۱، وهو مطبوع من الجلسۃ الاسلامیۃ بجاوہوری فی قسم السیرۃ تحقیق راقم السطور۔
- ۲۶۳۔ مطبوع دار احیاء التراث العربی، بیروت۔
- ۲۶۴۔ مطبوع مکتبۃ المعارف بیروت ۱۹۸۴ء۔
- ۲۶۵۔ الندوی، فن اسماء الرجال، ص ۸۵۔
- ۲۶۶۔ ایضاً۔
- ۲۶۷۔ النسائی، فضائل الصلۃ، ص ۳۲۔
- ۲۶۸۔ ایضاً۔
- ۲۶۹۔ ایضاً۔
- ۲۷۰۔ ابن الاثیر، مقدمۃ التعلیۃ، ص ۱۲۔
- ۲۷۱۔ بہی، محمد اسحاق، بر صغیر میں الہ حدیث کی آمد (مکتبہ قدوسیہ لاہور) ص ۳۰۰۔
- ۲۷۲۔ صفحہ ص ۱۷، علوم الحدیث (مکتبہ کشمیریہ لاہور، ۱۹۹۷ء، طبع پنجم) ص ۱۳۵۔
- ۲۷۳۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی (المفصل ناشران، اردو بازار لاہور، ۱۹۹۱ء) ۲۵/۱۔

- ۲۷۴۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، مقدمہ پرنٹر (مطبوع کلکتہ)
- ۲۷۵۔ مزنی، تہذیب الکمال (مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، الطبع الثانی، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء) ۱/۱۶۵۔
- ۲۷۶۔ خطیب بغدادی، تلخیص الصحابہ فی الرسم، المقدمہ تحقیق سیکرہ صفائی۔
- ۲۷۷۔ قاضی عیاض، الالامع (تحقیق احمد صقر، قاہرہ) ص ۱۵۵۔
- ۲۷۸۔ ابن عبدالبر، الاستدکار، عبدالحی سکتانی، فہرس الفہارس والاثبات۔
- ۲۷۹۔ المرعطی، محمد عبدالرحمن، فتح المنان مقدمہ لسان المیزان (احیاء التراث العربی بیروت، ۱۹۹۵ء) ص ۱۶۳۔
- ۲۸۰۔ ایضاً، ص ۱۶۳-۱۶۴۔
- ۲۸۱۔ ایضاً، ص ۱۶۸۔
- ۲۸۲۔ تہذیب الکمال، ۱/۱۶۵۔
- ۲۸۳۔ ایضاً، ۱/۱۶۵۔
- ۲۸۴۔ ایضاً۔
- ۲۸۵۔ ایضاً، ۱۶۳-۱۶۴۔
- ۲۸۶۔ محمد عبدالرحمان، فتح المنان مقدمہ لسان المیزان، ص ۱۶۱۔
- ۲۸۷۔ ایضاً، ص ۱۵۹-۱۶۰۔
- ۲۸۸۔ نجم الدین اصلاحي، دلائل السنن ولاحار (ادارہ معارف اسلامیہ منصورہ لاہور، طبع اول ۱۹۸۷ء، بحوالہ سنن دارمی) ص ۱۶۱۔
- ۲۸۹۔ الاحقاف (۴۶) ۴۔
- ۲۹۰۔ قاضی شوکانی، فتح القدر، (مطبعہ البابائی الخلیفہ واولادہ بمصر، ۱۳۵۱ھ) ۱۳۷۵۔
- ۲۹۱۔ فیروز آبادی، القاموس المحیط، تحت مادہ۔
- ۲۹۲۔ عبدالغفار حسن رحمانی، عظمت حدیث (دارالعلم، آب پارہ مارکیٹ، اسلام آباد) ص ۳۱۷-۳۱۸۔
- ۲۹۳۔ مسلم، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۶۵۹۶، ص ۱۱۳۲۔
- ۲۹۴۔ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ، ۲/۹۸۸۔
- ۲۹۵۔ مسلم، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۳۷۱۰۔
- ۲۹۶۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۱/۳۵۳-۳۵۴۔
- ۲۹۷۔ ایضاً، ۱/۳۵۳-۳۵۵۔
- ۲۹۸۔ ایضاً، ۱/۳۵۸۔

- ۲۹۹۔ ذہبی، المعمر فی خبر من عمر (دار الکتب العلمیہ بیروت) ۲/۲۶۲۔
- ۳۰۰۔ ابوالخیم، معروف الصحابہ، (مکتبہ الحرمین الریاض ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء، الطبعہ الاولیٰ) ۱/۱۰۷۔
- ۳۰۱۔ ایضاً، ۱/۱۴۹۔
- ۳۰۲۔ ایضاً، ۱/۱۵۳۔
- ۳۰۳۔ ایضاً، ۳/۲۱۹۔
- ۳۰۴۔ ابن خلکان، وفيات الاعیان، (منشورات الشریف الرضی قم) ۷/۶۷۔
- ۳۰۵۔ الذہبی، المعمر، ۲/۳۱۶۔
- ۳۰۶۔ ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (یہ کتاب الاصابۃ کے حاشیہ پر احیاء التراث العربی بیروت نے ۱۳۳۸ھ میں پہلی مرتبہ شائع کی)۔
- ۳۰۷۔ ڈاکٹر محمود طحان، اصول التقریج۔۔۔ (دار القرآن الکریم بیروت طبع ثالث ۱۹۸۱ء) ص ۷۰۔
- ۳۰۸۔ ایضاً۔
- ۳۰۹۔ ایضاً۔
- ۳۱۰۔ یہ کتاب مطبوع ہے۔
- ۳۱۱۔ الاستیعاب کے ساتھ دار احیاء التراث بیروت سے ۱۳۳۸ھ میں چار جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔
- ۳۱۲۔ ابن حجر، الاصابۃ، مقدمہ (دار احیاء التراث العربی بیروت، طبع اول ۱۳۳۸ھ) ۱/۴۔
- ۳۱۳۔ ایضاً، ۱/۴-۷۔
- ۳۱۴۔ اصول التقریج ودرلئے الاسانید، ص ۱۸۲-۱۸۳۔
- ۳۱۵۔ وفيات الاعیان، ۳/۳۵۱۔
- ۳۱۶۔ خلیب بغدادی، تاریخ بغداد (دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۹۹۷ء) ۵/۳۲۱۔
- ۳۱۷۔ الذہبی، المعمر فی خبر من عمر، ۱/۳۲۰۔
- ۳۱۸۔ طبقات ابن سعد، دار صادر بیروت، ۱۹۸۵ء میں طبع ہوئی۔ (پہلی مرتبہ ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی)۔
- ۳۱۹۔ ابن الصمد، شذرات الذهب، (الکتب التجاری بیروت) ۶/۱۵۳۔
- ۳۲۰۔ شذرات الذهب، ۶/۱۵۵۔
- ۳۲۱۔ ایک ایڈیشن شیخ زکریا عمیرات کے حاشیہ کے ساتھ ۱۹۹۸ء میں دار الکتب العلمیہ بیروت (پانچ اجزاء) تین جلدوں میں شائع ہوا ہے۔
- ۳۲۲۔ اردو ترجمہ چار اجزاء دو جلدوں میں اسلامک پبلیشنگ ہاؤس لاہور سے شائع ہوا ہے۔

- ۳۲۳۔ ذہبی، تذکرۃ الخطاط (دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء) ۳۳/۱۔
- ۳۲۴۔ ایضاً، ۳۳/۱۔
- ۳۲۵۔ ایضاً، ۳۳/۱۔
- ۳۲۶۔ ایضاً، ۱۷۳/۱۔
- ۳۲۷۔ شذرات الذهب، ۵۳/۸۔
- ۳۲۸۔ ایک ایڈیشن دارالکتب العلمیہ بیروت سے ۱۹۹۳ء میں طبع ہوئی ہے۔
- ۳۲۹۔ سیوطی، طبقات الخطاط، ص ۵۲۱۔
- ۳۳۰۔ ایضاً، ص ۵۲۱۔
- ۳۳۱۔ ایضاً، ص ۱۸۔
- ۳۳۲۔ ایضاً، ص ۸۵۔
- ۳۳۳۔ ایضاً، ص ۱۷۔
- ۳۳۴۔ ایضاً، ص ۳۰۵۔
- ۳۳۵۔ تذکرۃ الخطاط، ۱۵/۲۔
- ۳۳۶۔ وفیات الاعیان، ۱۳۹/۶۔
- ۳۳۷۔ تذکرۃ الخطاط، ۱۵/۲۔
- ۳۳۸۔ عبد اللہ احمد حسن کی تحقیق سے دارالکتب بیروت سے دو جلدوں میں ”تاریخ خطی بن معین“ کے نام سے شائع ہوئی ہے۔
- ۳۳۹۔ تاریخ بغداد، ۶۰۵/۲۔
- ۳۴۰۔ ایضاً، ۶/۲۔
- ۳۴۱۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/۳۳۲۔
- ۳۴۲۔ تاریخ بغداد، ۲۸/۲۔
- ۳۴۳۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/۳۳۹-۳۴۱۔
- ۳۴۴۔ المعمر فی خبر سنہ ۳۶۸/۱۔
- ۳۴۵۔ ایک ایڈیشن مصطفیٰ عبدالقادر احمد عطا کی تحقیق سے دارالکتب العلمیہ بیروت سے ۲۰۰۱ء میں نو جلدوں میں شائع ہوا ہے آخری جلد فہارس پر مشتمل ہے۔
- ۳۴۶۔ تاریخ بغداد، ۷۰/۵۔

- ۳۴۷۔ بخاری، مقدمہ التاريخ الاوسط، (داراللمصی، الرياض الطبعة الاولى ۱۹۹۸ء) ۵۸/۱۔
- ۳۴۸۔ تاریخ الاوسط، ۶۸/۱۔
- ۳۴۹۔ جس کا ایک ایڈیشن محمود ابراہیم زاید کی تحقیق سے دار المعرفۃ بیروت سے ۱۹۸۶ء میں دو جلدوں میں شائع ہوا ہے۔
- ۳۵۰۔ ابن حجر، الدرر الکامنه، (دار النجیل بیروت، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء) ۶۰/۶۔
- ۳۵۱۔ یاقوت، معجم البلدان، (دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء) ۱۲۲/۵۔
- ۳۵۲۔ حمدیب الکمال، مقدمہ فصل اول، ۱۶/۱۔
- ۳۵۳۔ الدرر الکامنه، ۶/۶۔
- ۳۵۴۔ یہ کتاب بغداد یونیورسٹی کے ڈاکٹر ”بشار عواد معروف“ کی تحقیق سے ۳۵ جلدوں میں ”مؤسسۃ الرسالہ“ بیروت نے ۱۹۸۳ء میں شائع کی ہے۔ یہ دوسرا ایڈیشن تھا۔
- ۳۵۵۔ حمدیب الکمال، مقدمہ، ۱۴۹/۱-۱۵۰۔
- ۳۵۶۔ ابن لحدی، لخصہ الحافظ ذیل طبقات الحافظ مع تذکرۃ الحافظ، ۵/۹۱؛ بیوطی، ذیل طبقات الحافظ، (دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۸ء) ۵/۳۲۱۔
- ۳۵۷۔ ایضاً، ۹۱/۵۔
- ۳۵۸۔ ابن حجر، لسان المیزان، (منشورات مؤسسۃ الاعلیٰ، بیروت، ۱۴۰۶ھ-۱۹۸۶ء) ۶/۷۲-۷۳۔
- ۳۵۹۔ طبقات الحافظ، ص ۵۳۸۔
- ۳۶۰۔ عادل بن محمد اور اسامہ بن ابراہیم کی تحقیق سے ۱۲ جلدوں میں الفاروق الحدیدہ قاہرہ سے ۲۰۰۱ء میں چھپ چکی ہے۔
- ۳۶۱۔ مغلطائی، علاء الدین بن کلیج، اکمال حمدیب الکمال فی اسماہ الرجال، مقدمہ، (الفاروق الحدیدہ، القاہرہ، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء، الطبعة الاولى) ۱/۳۔
- ۳۶۲۔ ایضاً، ۱/۴۔
- ۳۶۳۔ مقدمہ المحقق علی اکمال حمدیب الکمال، ۳۲۱-۳۲۳۔
- ۳۶۴۔ متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ ایک ایڈیشن مصطفیٰ عبدالقادر کی تحقیق سے دار الکتب العلمیہ بیروت سے ۱۹۹۳ء میں بارہ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔
- ۳۶۵۔ متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ ایک ایڈیشن دار الفکر بیروت سے ۱۹۹۵ء میں دو جلدوں میں شائع ہوا ہے۔
- ۳۶۶۔ ابن حجر، مقدمہ تقریب التہذیب (دار الفکر بیروت ۱۹۹۵ء) ۸/۱-۹۔

- ۳۶۷۔ مقدمہ التحقیق، قبیل المصنف، ص ۴۔ ابن صالح شعبان کی تحقیق سے ۱۹۹۶ء میں ”دارالکتب العلمیہ“ بیروت سے شائع ہوا ہے۔
- ۳۶۸۔ سیر اعلام النبلاء ۱۱/۱۷۹۔
- ۳۶۹۔ ابوالعین اصفہانی، حلیۃ الاولیاء (دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۸۸ء) ۹/۱۶۳۔
- ۳۷۰۔ سیر اعلام النبلاء ۱۰/۱۸۳-۱۸۴۔
- ۳۷۱۔ بخاری، التاريخ الكبير، ۵/۲۔
- ۳۷۲۔ ڈاکٹر طلعت بیکیت اور ڈاکٹر اسماعیل اوغلو کی تحقیق سے ۱۹۸۷ء میں المکتبۃ الاسلامیہ، استنبول سے دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔
- ۳۷۳۔ سیر اعلام النبلاء ۲/۵۰۵۔
- ۳۷۴۔ تاریخ بغداد، ۴/۳۳۶۔
- ۳۷۵۔ العصر فی خبر من عمر، ۴/۳۷۴۔
- امام عجمی کی یہ کتاب ڈاکٹر عبدالمصلیٰ امین کلجی کی تحقیق سے دارالکتب العلمیہ بیروت سے ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی ہے۔ کتاب کے آخر میں آیات، احادیث اور کتاب کے مضامین کی تفہیم دی گئی ہیں۔
- ۳۷۶۔ عجمی، تاریخ الثقات (دارالکتب العلمیہ بیروت) ص ۳۵ (مقدمہ)۔
- ۳۷۷۔ ایضاً، ص ۲۵۴۔
- ۳۷۸۔ ایضاً۔
- ۳۷۹۔ ایضاً، ص ۶۲۔
- ۳۸۰۔ ایضاً، ص ۲۵۶۔
- ۳۸۱۔ ایضاً، ص ۲۷۲-۲۷۳۔
- ۳۸۲۔ ایضاً، ص ۵۱۔
- ۳۸۳۔ ایضاً، ص ۶۳۔
- ۳۸۴۔ ایضاً، ص ۳۸۶۔
- ۳۸۵۔ سیر اعلام النبلاء ۱۶/۹۳-۹۴۔
- ۳۸۶۔ ایضاً، ۱۶/۹۴۔
- ۳۸۷۔ ایضاً، ۱۶/۱۰۲۔
- ۳۸۸۔ کتاب الثقات ”دائرة المعارف العثمانیہ حیدرآباد“ ہند سے ۱۳۹۵ھ-۱۹۷۵ء میں ۹ جلدوں میں

شائع ہوا ہے۔

- ۳۸۹۔ البحر فی خبر من غیر، ۱۱۹/۳۔
- ۳۹۰۔ ذہبی، میزان الاعتدال، (دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۹۵ء)، ۳۸۱/۷۔
- ۳۹۱۔ میزان الاعتدال، ۳۸۰/۷۔
- ۳۹۲۔ میزان الاعتدال، ۱۱۳/۱۔
- ۳۹۳۔ متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ ایک ایڈیشن شیخ علی محمد معوض اور شیخ عادل احمد عبدالموجود کی تحقیق سے ”دار الکتب العلمیۃ“ بیروت سے ۱۳۱۶ھ/۱۹۹۵ء میں سات جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔
- ۳۹۴۔ لسان المیزان (منشورات مؤسسۃ الأعلیٰ للطبوعات بیروت)، ۵۳۵/۷۔
- ۳۹۵۔ ابن الاثیر، التہامی فی غریب الحدیث، ۲۵۵/۱۔
- ۳۹۶۔ صحیح صالح، اصول الحدیث، ص ۲۶۰۔
- ۳۹۷۔ فتویٰ، المعصباح السعیر، ۳۳/۲۔
- ۳۹۸۔ القاموس المحیط، ۱۳/۳۔
- ۳۹۹۔ ابن خزم، الاحکام فی اصول الاحکام، ۱۳۵/۱۔
- ۴۰۰۔ صحیح صالح، اصول الحدیث علومہ و معطلہ، ص ۲۶۱؛ کشف القنون، ۵۸۲/۱؛ الخط بذکر الصحاح
- لسنہ، ص ۳۸؛ ایجد العلوم، ۲۱۱/۲۔
- ۴۰۱۔ ابن عبدالبر، التمهید، ۳۶/۱۔
- ۴۰۲۔ صالح الجزائری، توجیہ النظر، ص ۲۲۵۔
- ۴۰۳۔ الذہبی، میزان الاعتدال (دار المعرفۃ بیروت، الطبعة الاولى)، ۳۰۴/۱۔
- ۴۰۴۔ الحجرات، ۶ (۴۹)۔
- ۴۰۵۔ علاء الدین علی بن محمد بغدادی، تفسیر الخازن الحسی، لباب التاویل ومعانی التقریل (دار الفکر بیروت، ۱۹۷۹ء)، ۲۲۲/۶۔
- ۴۰۶۔ ابو داؤد، السنن (القاهرة)، ۲۰۳-۲۰۴۔
- ۴۰۷۔ النساء، ۸۳ (۳)۔
- ۴۰۸۔ الترمذی، السنن، حدیث نمبر ۳۸۲۵، کتاب المناقب، مناقب عبد اللہ بن عمر۔
- ۴۰۹۔ بخاری، الجامع الصحیح، (دار السلام الریاض الطبعة الثانیہ) ص ۱۰۵۲۔
- ۴۱۰۔ علوم الحدیث، ص ۲۱۷؛ مقدمہ مسلم، ۱۰/۱؛ فن اسام الرجال، ص ۶۵۔

- ۳۴۱۔ آل عمران (۳)۔ ۱۱۰۔
- ۳۴۲۔ الترمذی، السنن، ۲/۲۲۶۔
- ۳۴۳۔ آل عمران (۳)۔ ۱۱۰۔
- ۳۴۴۔ الحجرات (۳۹)۔ ۶۔
- ۳۴۵۔ البقرہ (۱)۔ ۱۳۳۔
- ۳۴۶۔ البخاری الجامع الصحیح، ۱۰/۷۔
- ۳۴۷۔ نواب صدیق حسن خان، المنہاج شرح صحیح مسلم، ۱/۱۳۳۔
- ۳۴۸۔ حاکم، معرۃ علوم الحدیث، (دارالافتاء الجندیۃ الربیعۃ بیروت ۱۹۸۰/۱۴۰۰ھ) ص ۵۲۔
- ۳۴۹۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ۳/۱۔
- ۳۵۰۔ ایضاً۔
- ۳۵۱۔ ایضاً ص ۱۰، محمد بن ابراہیم الوزير الیمانی، الروض الباسم (دار البیہر عمان ۱۹۸۵ء) ۱/۱۰۲۔
- ۳۵۲۔ الوزير الیمانی، الروض الباسم، ۵۲/۱۔
- ۳۵۳۔ ابن الصلاح، المقدمۃ مع التعلیل والایضاح، ص ۳۳۰۔
- ۳۵۴۔ سیوطی، تدریب الراوی (المخرج والتعلیل)۔
- ۳۵۵۔ عبدالعزیز، ڈاکٹر، ضوابط المخرج والتعلیل (الجلد الاسلامیۃ المدینۃ المنورۃ ۱۴۱۲ھ) ص ۳۷۔
- ۳۵۶۔ اثری، ابو معاذ عبدالجلیل، تجلید اہل الشکر۔۔۔ (عبدالجبار کھوکھر لاہوری، گوجرانوالہ ۱۹۹۸ء) ص ۱۷۹۔
- ۳۵۷۔ اثری، تجلید اہل الشکر فی معطل اہل الاثر ص ۱۸۱-۱۸۴۔
- ۳۵۸۔ ڈاکٹر محمود طحان، تیسیر معطل الحدیث، (معارف اسلامی، لاہور، ترجمہ بنام اصطلاحات الحدیث، منظور حسین ندوی، ۱۹۹۰ء طبع اول) ص ۸۴-۸۵۔
- ۳۵۹۔ عبدالوجود، علم المخرج والتعلیل، (جلد القاہرۃ) ص ۳۹۔
- ۳۶۰۔ الحسادی، فتح المغیب (المدینۃ المنورۃ) ص ۳۳۷۔
- ۳۶۱۔ السیوطی، تدریب الراوی (الکتبۃ العلمیۃ بالمدینۃ المنورۃ، الطبعة الاولی ۱۹۵۹م) ص ۳۶۶۔
- ۳۶۲۔ محمود طحان، تیسیر معطل الحدیث، ص ۱۵۰-۱۵۱۔
- ۳۶۳۔ تیسیر معطل الحدیث، ص ۱۳۹-۱۵۰۔
- ۳۶۴۔ امین ابوالداؤد، اصول المخرج والتعلیل (دار ابن عثمان، المملكة العربیۃ السعودیۃ) ص ۴۰۲-۲۱۰۔
- عبد الرؤف ظفر، مولانا سراج الاسلام حنیف، التحدیث فی علوم الحدیث (مکتہ قدوسیہ اردو بازار

لاہور) ص ۲۷۹-۲۸۳ (دوئوں کتابوں میں تمام کتب ہیں)۔

۳۳۵۔ فیروز آبادی، القاموس المحیط (مادہ) ۱/۱۹۱-۱۹۲۔

۳۳۶۔ احمد بن فارس، مجمع مقاییس اللغة (تحت مادہ، تحقیق عبدالسلام، دار احیاء التراث العربیہ القاہرہ، ۱۳۶۶ھ، ۲/۱۷۵)۔

۳۳۷۔ ابن منظور، لسان العرب، (دار صادر بیروت) ۲/۲۳۹-۲۵۳۔

۳۳۸۔ سورة النازعات (۷۹)، البغوی، معالم التنزیل (مصطفی البانی واولادہ بمصر الطبعة الثانیة ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵م) ۳/۷۔

۳۳۹۔ ابراہیم مصطفیٰ، احمد حسن زیات وغیرہ، المعجم الوسیط، (المکتبہ الاسلامیہ استنبول، ترکیا) ۲۲۳۔

۳۴۰۔ بلیادی، ابو الفضل عبد الحفیظ، مصباح اللغات (سعید اینڈ کمپنی کراچی) ۱۹۷۳ء، ۱۹۵۔

۳۴۱۔ محمود الطحان، اصول التفریح ودراسات الاسانید، ص ۱۲-۱۳۔

۳۴۲۔ احمد بن محمد الغناری، حصول التفریح باصول التفریح (مکتبہ طبریہ، الریاض، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۳م) ۱۳۔

۳۴۳۔ ایضاً، ص ۱۲۔

۳۴۴۔ مقدمہ ابن الصلاح، ص ۲۲۸۔

۳۴۵۔ السخاوی، محمد بن عبد الرحمن، فتح المغیث شرح المغیث الحدیث (دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۹۸۰ء) ۲/۳۳۸۔

۳۴۶۔ عبد الرؤف السنادی، فیض القدر، ۲۰/۱۔

۳۴۷۔ ابو محمد عبد المہدی بن عبد القادر بن عبد الحادی، طرق تخریج حدیث (دار الاعتصام قاہرہ) ۱۱-۱۳۔

۳۴۸۔ ان کتب کا ذکر تفصیل سے آ رہا ہے۔ بطور مثال: تخریج احادیث تفسیر بیضاوی، اور نصب الراية تخریج

احادیث ہدایہ۔

۳۴۹۔ الحاکم، معرفۃ علوم الحدیث، ص ۱۲۔

۳۵۰۔ الذمعی، تذکرۃ الخطا (حیدر آباد ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء، الطبعة الثالثہ) ۱/۶۔

۳۵۱۔ بخاری، الجامع الصحیح، ص ۱۱۹۰، حدیث نمبر ۶۹۰۵-۶۹۰۶۔

۳۵۲۔ تذکرۃ الخطا، ۱/۱۰؛ ابو محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی، العوام والقوام فی الذب عن سید ابی القاسم (دار

المبشر، عمان ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء، الطبعة الاولى) ص ۱۰۲۔

۳۵۳۔ مسلم، الجامع الصحیح (نور محمد، اصح المطابع کراچی) ۱/۳۳۔

۳۵۴۔ غناری، حصول التفریح باصول التفریح، بحمل تفصیل۔

۳۵۵۔ عبد اللہ اسعدی، علم الحدیث (مجلس نشریات اسلام، اکے، ناظم آباد میٹن کراچی) ص ۷۷۔

- ۳۵۶۔ اس کتاب کو سیرت جعفر، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور نے ۲۰۰۳ء شائع کیا ہے۔
- ۳۵۷۔ یہ کتاب النور انٹرنیشنل بہاولپور کی طرف سے ۲۰۰۰ء میں شائع ہوئی۔
- ۳۵۸۔ ڈاکٹر محمود الطحان، اصول التقرین و دراسات الاسانید، ص ۳۵۔
- ۳۵۹۔ الوداع و طیاسی، المسند (دار المعرفہ بیروت) ص ۲۔
- ۳۶۰۔ احمد، المسند (دار الفکر القاہرہ) ۱۳/۱، مسند احمد کی پہلی جلد کے ص ۱۹۶ تک عشرہ مبشرہ کی مسانید ہیں بعد ازاں دیگر صحابہ کرام کی مسانید میں۔
- ۳۶۱۔ الطبرانی، المعجم الصغیر (مؤسسۃ المکتب الثقافت بیروت ۱۹۸۶ء، الطبعة الاولى) ص ۴۱۔
- ۳۶۲۔ الحموی، ابوالحاج، تحفہ الاشراف (المکتب الاسلامی، بیروت ۱۹۸۳ء، الطبعة الثانية) ۸-۷/۱۔
- ۳۶۳۔ سیوطی، عبدالرحمن، الدرر المنقوۃ فی الاحادیث الشترۃ (المکتب الاسلامی، بیروت ۱۹۸۳ء) ص ۳۹۔
- ۳۶۴۔ ایضاً ۱۹۱۔
- ۳۶۵۔ سیوطی، عبدالرحمن، الجامع الصغیر (المکتبہ الاسلامیہ سندری ۱۳۹۳ھ) ۳-۲/۱۔
- ۳۶۶۔ ابن ابی حاتم، عبدالرحمن، علل الحدیث (دار المعرفہ بیروت ۱۹۸۵ء) ۹/۱۔
- ۳۶۷۔ ڈنک، المعجم المسعودی لافاظ الحدیث النبوی (مکتبہ ای۔ جے۔ برل، لیڈن ۱۹۳۶ء) ۲/۱۔
- ۳۶۸۔ ایضاً، ۳۵۹/۱۔
- ۳۶۹۔ ایضاً، ۵۴۳/۳۔
- ۳۷۰۔ تہذیبی، دلائل النبوة (مطابع الاحرام التجاریۃ القاہرہ، ۱۹۶۹ء) ۱۲/۱، مقدمۃ التحقیق۔
- ۳۷۱۔ تہذیبی، دلائل النبوة، ۳۳/۱۔
- ۳۷۲۔ ایضاً۔
- ۳۷۳۔ احمد، المسند، تحقیق احمد محمد شاہ کر (تحقیق احمد شاہ کر، دار المعارف بمصر ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء) ۱۳۱۵/۲۔
- ۳۷۴۔ احمد، المسند ۱۶۶۷/۲۔
- ۳۷۵۔ ناصر الدین الالبانی، سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ (المکتب الاسلامی بیروت) ۶۷/۱۔
- ۳۷۶۔ ناصر الدین الالبانی، سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ (المکتب المعارف الریاض ۱۹۹۲ء) ۳۵۶/۱۔
- ۳۷۷۔ بنو، ابو محمد حسین بن مسعود، مصابیح السنۃ، (دار المعرفہ بیروت ۱۹۸۷ء، الطبعة الاولى) ۳۵۹/۱۔
- ۳۷۸۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون (دار الفکر بیروت، ۱۹۹۶ء) ۱۹۱/۱۔
- ۳۷۹۔ ذہبی، تذکرۃ الخطا و مترجم (اسلامک پبلشنگ ہاؤس، اردو بازار لاہور، ۱۹۹۹ء) ۳-۸۳۳/۳۔
- ۳۷۹۔ ایضاً، ۳-۸۳۳/۳۔

- ۳۸۰۔ ابن حجر، لسان المیزان، (منشورات مؤسسة الاعلیٰ للعلومیات بیروت، ۱۹۸۶ء)، ۵/۲۰۸۔
- ۳۸۱۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۳-۸۳۳/۴۔
- ۳۸۲۔ ایضاً، ۳-۸۳۳/۴۔
- ۳۸۳۔ ایضاً، ۳-۸۳۳/۴۔
- ۳۸۴۔ ایضاً، ۳-۸۳۳/۴۔
- ۳۸۵۔ ابن العمامہ، شذرات الذهب (المکتب التجاری، بیروت)، ۱۸/۴۔
- ۳۸۶۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۳-۸۳۳/۴۔
- ۳۸۷۔ لسان المیزان، ۵۰/۲۰۹۔
- ۳۸۸۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳-۸۳۳/۴۔
- ۳۸۹۔ ایضاً، ۳-۸۳۵/۴۔
- ۳۹۰۔ ایضاً، ۳-۸۳۵/۴۔
- ۳۹۱۔ ایضاً، ۳-۸۳۵/۴۔
- ۳۹۲۔ ایضاً۔
- ۳۹۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳-۸۸۰/۴۔
- ۳۹۴۔ ایضاً، ۳-۸۸۰/۴۔
- ۳۹۵۔ ایضاً، ۳-۸۸۰/۴۔
- ۳۹۶۔ ایضاً، ۳-۸۸۰/۴۔
- ۳۹۷۔ ایضاً، ۳-۸۸۰/۴۔
- ۳۹۸۔ ایضاً، ۳-۸۸۰/۴۔
- ۳۹۹۔ ایضاً، ۳-۹۵۰/۴۔
- ۵۰۰۔ ایضاً، ۳-۹۵۰/۴۔
- ۵۰۱۔ ایضاً، ۳-۹۵۰/۴۔
- ۵۰۲۔ ایضاً، ۳-۹۵۰/۴۔
- ۵۰۳۔ ایضاً، ۳-۹۵۰/۴۔
- ۵۰۴۔ ایضاً، ۳-۸۸۶/۴۔
- ۵۰۵۔ ایضاً، ۳-۸۸۶/۴۔

۵۰۶	ایضاً، ۳-۸۸۶/۳۔
۵۰۷	ایضاً، ۳-۸۸۶/۳۔
۵۰۸	سیوطی، طبقات الحفاظ (دارالکتب العلمیہ بیروت) ص ۳۷۳۔
۵۰۹	تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۳-۸۸۶/۳۔
۵۱۰	ایضاً، ۳-۸۸۶/۳۔
۵۱۱	ایضاً، ۳-۸۸۶/۳۔
۵۱۲	ایضاً، ۳-۸۸۶/۳۔
۵۱۳	ایضاً، ۳-۸۸۶/۳۔
۵۱۴	ایضاً، ۳-۸۸۶/۳۔
۵۱۵	ایضاً، ۳۳-۸۸۶/۳۔ ۸۸۷۔
۵۱۶	ایضاً، ۳-۸۸۷/۳۔
۵۱۷	ایضاً، ۳-۸۸۷/۳۔
۵۱۸	ایضاً، ۳-۸۸۷/۳۔
۵۱۹	تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۳-۵۸/۳۔
۵۲۰	طبقات الحفاظ، ص ۳۳۳۔
۵۲۱	تذکرۃ الحفاظ، ۳-۷۵۸/۳۔
۵۲۲	طبقات الحفاظ، ص ۳۳۳۔
۵۲۳	تذکرۃ الحفاظ، ۳-۷۵۸/۳۔
۵۲۴	ایضاً، ۳-۷۵۸/۳۔
۵۲۵	ایضاً، ۳-۷۵۸/۳۔
۵۲۶	ایضاً، ۳-۷۵۸/۳۔
۵۲۷	ابن العماد، شذرات الذهب، ۳/۳۱۲۔
۵۲۸	تذکرۃ الحفاظ، ۳-۷۵۹/۳۔
۵۲۹	شذرات الذهب، ۳/۳۱۲۔
۵۳۰	تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۳-۷۵۹/۳۔
۵۳۱	ایضاً، ۳-۷۶۰-۷۶۱۔

- ۵۳۲۔ طبقات الحفاظ، ص ۳۳۵۔
- ۵۳۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳-۲/۴۶۲۔
- ۵۳۴۔ المرجع السابق، ۳-۲/۴۶۳۔
- ۵۳۵۔ ایضاً، ۳-۲/۴۶۳۔
- ۵۳۶۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ۱/۱۹۱ (سمعی کی کتاب الانساب دار الجمان بیروت سے ۱۹۸۸ء میں عبداللہ عمر البارودی کی تحقیق کے ساتھ پانچ جلدوں میں چھپی ہے)۔
- ۵۳۷۔ السمعی، الانساب (دار الجمان ۱۹۸۸ء) ۱/۵۶۔
- ۵۳۸۔ ایضاً، ۴/۲۰۷۔
- ۵۳۹۔ مطبوع دار الفکر بیروت، ۱۹۸۹ء۔
- ۵۴۰۔ ابو عبید قاسم بن سلام، کتاب النسب (دار الفکر بیروت) ۱۹۸۹ء۔
- ۵۴۱۔ اللغنی، ابو محمد عبداللہ، اقتباس الانوار (مقدمہ) (دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۹ء)، ص ۳۔
- ۵۴۲۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۳/۱۰۷۔
- ۵۴۳۔ دار الکتب العلمیہ بیروت سے محمد سالم حاشم کے حاشیہ کے ساتھ ۱۹۹۹ء میں چھپ چکی ہے۔ ساتھ اس کتاب کا اختصار بھی جو کہ محمد عبدالحق بن عبدالرحمن الازہمی ابن الخراط نے ترتیب دی ہے۔
- ۵۴۴۔ اللغنی، اقتباس الانوار، ص ۱۳۔
- ۵۴۵۔ ایضاً، ص ۱۳۔
- ۵۴۶۔ معز الدین محمد الحمیدی قزوینی، اسامی القباہل و انسابها (مقدمہ) (دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۰ء) ص ۸-۹۔
- ۵۴۷۔ ایضاً، ص ۳۵۔
- ۵۴۸۔ ایضاً، ص ۲۵۰۔
- ۵۴۹۔ ایضاً، ص ۲۷۶۔
- ۵۵۰۔ قاری روح اللہ محمد عمر المدنی، علم حدیث اور اس کا ارتقاء (نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن پشاور، ۱۹۸۹ء) ص ۱۳۱۔
- ۵۵۱۔ ایضاً، ص ۱۳۱-۱۳۲۔
- ۵۵۲۔ ڈاکٹر محمود طحان، تیسیر مصطلح الحدیث (مکتبہ المعارف الریاض الطبیبہ التاسعہ ۱۹۹۶ء) ص ۲۱۹۔
- قاری روح اللہ، علم حدیث اور اس کا ارتقاء، ص ۱۳۳-۱۳۶۔
- ۵۵۳۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء (مؤسسۃ الرسالہ بیروت) ۱۱/۲۱۳۔

- ۵۵۴۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ (دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۸ء) ۱۶/۲۔
- ۵۵۵۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۱۱/۱۹۶۔
- ۵۵۶۔ محمد ابو زہرہ، تاریخ حدیث و محدثین (قرآن لمینڈا ہور) ص ۳۷۳-۳۷۵۔
- ۵۵۷۔ احمد بن حنبل، کتاب الاسامی والکنی (دار الاقصیٰ الکویت ۱۹۸۵ء، تحقیق عبداللہ بن سیف) ص ۲۳۔
- ۵۵۸۔ ایضاً۔
- ۵۵۹۔ ایضاً ص ۲۵۔
- ۵۶۰۔ اللیل (۹۲) ۵-۷۔
- ۵۶۱۔ الاسامی والکنی ص ۲۶۔
- ۵۶۲۔ ایضاً ص ۲۷۔
- ۵۶۳۔ ایضاً ص ۳۲۔
- ۵۶۴۔ ایضاً ص ۳۲-۳۳۔
- ۵۶۵۔ ایضاً ص ۲۷۔
- ۵۶۶۔ ایضاً ص ۲۹۔
- ۵۶۷۔ ایضاً ص ۳۲۔
- ۵۶۸۔ ایضاً ص ۵۳۔
- ۵۶۹۔ ایضاً ص ۱۰۲۔
- ۵۷۰۔ محمد ابو زہرہ، تاریخ حدیث و محدثین، ص ۳۷۵-۳۷۹۔
- ۵۷۱۔ اس کتاب کو دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد میں ۱۳۶۰ھ میں کتاب کی صورت میں شائع کیا۔
- ۵۷۲۔ بخاری، الکنی (دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد، ۱۳۶۰ھ) ص ۳۔
- ۵۷۳۔ ایضاً ص ۳۔
- ۵۷۴۔ ایضاً ص ۴۔
- ۵۷۵۔ ایضاً۔
- ۵۷۶۔ ایضاً۔
- ۵۷۷۔ بخاری، کتاب الکنی ج ۱ من التاريخ الکبیر (دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، دکن ۱۳۶۰ھ) ص ۵۔
- ۵۷۸۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ۱۳/۲۔
- ۵۷۹۔ ایضاً، ۱۳/۲۔

- ۵۸۰۔ ایضاً، ۱۳/۲۔
- ۵۸۱۔ محمد ابو زہرہ، تاریخ حدیث والمحدثین، ص ۶۲۳۔
- ۵۸۲۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ (دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۸ء) ۱۳۳/۳۔
- ۵۸۳۔ ایضاً، ۱۲۳/۳۔
- ۵۸۴۔ ایضاً۔
- ۵۸۵۔ ایضاً۔
- ۵۸۶۔ مولانا تقی الدین ندوی، فن اسماء الرجال (مکتبہ فلاح دارین کجرات، ۱۹۶۹ء) ص ۹۴-۹۶۔
- ۵۸۷۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ۱۲۵/۲۔
- ۵۸۸۔ ایضاً، ۱۲۶/۲۔
- ۵۸۹۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ۲۳۰/۲۔
- ۵۹۰۔ دولابی، محمد بن احمد، کتاب الکنی والاسماء (المکتبہ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ، طبع ثانیہ) ۱۱/۱۔
- ۵۹۱۔ ایضاً، ۶۵/۱۔
- ۵۹۲۔ ایضاً، ۷۶/۲۔
- ۵۹۳۔ یہ دوسرا ایڈیشن ہے۔ پہلا ایڈیشن ۱۳۳۲ھ کو حیدر آباد دکن سے شائع ہوا۔ اسے اور دونوں اجزاء کو ایک ہی جلد میں المکتبہ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ نے شائع کیا ہے۔
- ۵۹۴۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ۹۰/۳۔
- ۵۹۵۔ ایضاً۔
- ۵۹۶۔ ایضاً۔
- ۵۹۷۔ ایضاً۔
- ۵۹۸۔ ایضاً۔
- ۵۹۹۔ ایضاً، ۸۹/۳-۹۰۔
- ۶۰۰۔ محمد ابو زہرہ، تاریخ حدیث والمحدثین، ص ۶۲۳۔
- ۶۰۱۔ دار الکتب العلمیہ بیروت نے ۱۹۹۰ء میں سات جلدوں میں شائع کی ہے۔
- ۶۰۲۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۳۰۵/۳۔
- ۶۰۳۔ ابن ماکولا، الاکمال (دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۹۹۰ء) ۱/۱-۲۔
- ۶۰۴۔ ایضاً، ۲/۱۔

- ۶۰۵- ایضاً، ۳/۱۔
- ۶۰۶- ایضاً، ۷/۳۵۷۔
- ۶۰۷- لندن سے ۱۹۰۵ء میں البانی زبان کے مقدمہ کے ساتھ طبع ہو چکی ہے۔
- ۶۰۸- مولانا تقی الدین ندوی، فن اسماء الرجال، ص ۹۳-۹۶۔
- ۶۰۹- تیسیر معطلح الحدیث، ص ۲۲۱۔
- ۶۱۰- ایضاً، ص ۲۲۱۔
- ۶۱۱- سعد فہمی، السراج المبرور فی القاب المحدثین (دار ابن خزم، بیروت الطبعة الاولى ۱۹۹۶ء) ص ۱۲۔
- ۶۱۲- ایضاً، ص ۱۳۔
- ۶۱۳- ایضاً۔
- ۶۱۴- ایضاً۔
- ۶۱۵- ایضاً، ص ۱۵۔
- ۶۱۶- ابن ماکولہ، الاکمال، ۷/۳۰۱۔
- ۶۱۷- تیسیر معطلح الحدیث، ص ۲۲۲۔
- ۶۱۸- ابن حجر، بلوغ المرام (مقدمہ) ص ۷-۸۔
- ۶۱۹- (اس کا قلمی نسخہ دارالکتب المصریہ میں موجود ہے)۔
- ۶۲۰- محمد ابو زہرہ، تاریخ حدیث والحدیثین، ص ۶۲۵۔
- ۶۲۱- سعد فہمی، سراج المبرور، ص ۱۴-۱۵۔
- ۶۲۲- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ المعجم الوسیط ۵۵/۲، تحت مادہ طب ق۔
- ۶۲۳- الفالوזה، ابوالبراءیم محمد الیاس، مدخل الی علم الطبقات (مکتبہ نادرہ للطباعة الشانیا ۲۰۰۰ء) ص ۱۰۔
- ۶۲۴- ایضاً، ص ۱۰-۱۱۔
- ۶۲۵- امام بخاری نے تاریخ الاوسط میں ۵۰ھ سے ۲۳۰ھ تک ۱۸۰ سال کے ۱۰ طبقے بنائے ہیں۔ اس طرح امام ذہبی نے تاریخ اسلام میں سناہ سے لیکر ۷۰۰ تک کے ۷۰ طبقے بنائے ہیں۔
- ۶۲۶- معرقۃ علوم الحدیث، ص ۶۳-۶۵ (النوع السابع)۔
- ۶۲۷- ابن سعد، الطبقات، ۳/۶-۳۱۹ (ملاحظہ)۔
- ۶۲۸- بحوالہ مدخل الی علم الطبقات، ص ۱۲-۱۳۔
- ۶۲۹- ابن حجر، تقریب التہذیب، ۱/۷-۹۔

- ۶۳۰۔ ابن حجر کی کتب اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ وہ واقعتاً اس خطاب کے اہل ہیں۔
- ۶۳۱۔ ان دونوں کے حالات اور ان پر جرح و تعدیل کے لیے دیکھئے، المزی، تہذیب الکمال (بیروت ۱۴۰۰ھ-۱۴۰۸ھ) ۱۳/۵-۱۳۔
- ۶۳۲۔ الطبرانی، المعجم الصغیر (قاہرہ ۱۳۸۸ھ) ۱/۴۸۔
- ۶۳۳۔ الراہرمزی، المحذوٹ الفاصل، ص ۲۸۵، العراقی، التعلید والایضاح، شرح مقدمہ ابن الصلاح (قاہرہ ۱۳۸۹ھ) ص ۳۱۶۔
- ۶۳۴۔ السمعانی، الانساب (بیروت ۱۴۰۸ھ) ۲/۲۲۲؛ الذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۱۵/۵۴۸؛ ابن حجر، لسان المیزان (بیروت، ۲۲۳)۔
- ۶۳۵۔ نور الدین عزت منیع اللہ فی علوم الحدیث،
- ۶۳۶۔ المزی، تہذیب الکمال، ۱۲/۷۷۔
- ۶۳۷۔ المحمد بن سعد بن سالم قیم، علم الطبقات المحذوٹین (مکتبۃ الرشید، الریاض ۱۹۹۴) ص ۱۴۷-۱۴۸۔
- ۶۳۸۔ ایضاً، ص ۱۴۹۔
- ۶۳۹۔ دہ، اکرم ضیاء العربی، موارد الخطیب البقداوی (دمشق ۱۳۹۵ھ) ص ۳۸۶-۳۸۷-۵۷۳۔
- ۶۴۰۔ دارقطنی سے المؤتلف والمختلف میں اس سے دو روایتیں نقل کی ہیں، المؤتلف والمختلف ص ۱۸۶، ۵۹۸، ۵۵۷۔
- ۶۴۱۔ ابن النذیم، المعجم المستطرد (طہران ۱۹۷۱) ص ۱۱۱۔
- ۶۴۲۔ علم طبقات المحذوٹین، ص ۱۵۵-۱۵۶۔
- ۶۴۳۔ ایضاً، ص ۱۵۲-۱۵۳۔
- ۶۴۴۔ ایضاً، ص ۱۵۸۔
- ۶۴۵۔ ایضاً، ص ۱۶۱-۱۶۲۔
- ۶۴۶۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ (حیدرآباد ۱۳۷۸ھ) ۱/۶۱۳۔
- ۶۴۷۔ علم الطبقات المحذوٹین، ص ۱۷۶-۱۸۰۔
- ۶۴۸۔ تہذیب الکمال، ۱۲/۳۳۔
- ۶۴۹۔ علم الطبقات المحذوٹین، ص ۱۸۷-۱۸۹۔
- ۶۵۰۔ ابن منظور، لسان العرب، ۳/۴۱۵؛ التریبیدی، تاج العروس (قاہرہ ۱۳۰۶ھ) ص ۵۱۶-۵۱۷-۵۱۷۔
- ۶۵۱۔ عصام احمد البشیر، اصول منہج اللہ عند اہل الحدیث (مؤسسۃ الریان، بیروت ۱۹۸۹) ص ۷۔

- ۶۵۲۔ تفصیلی معلومات کے لیے ملاحظہ ہو۔ ڈاکٹر عبدروف ظفر، مولانا سراج الاسلام حنیف، اتحاد حدیث فی علوم الحدیث (مکتبہ قدوسیہ لاہور ۲۰۰۳ء)؛ ڈاکٹر خالد علوی، اصول حدیث (المطبع نائشان کتب لاہور)؛ ابن الصلاح، مقدمہ ابن الصلاح؛ ابن حجر، شرح نخبہ الفکر؛ جمال الدین قاسمی، قواعد اتحاد حدیث وغیرہ۔
- ۶۵۳۔ ڈاکٹر خالد ظفر اللہ، نقد حدیث (تحقیقات اسلامی ہیکل، اپریل، جون ۲۰۰۰ء) ص ۲۸ تا ۳۷۔
- ۶۵۴۔ ایضاً، ص ۲۷۔
- ۶۵۵۔ محمد تقی امینی، حدیث کا دراجی معیار (قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۹۸۶ء) ص ۱۹۸۔
- ۶۵۶۔ مقدمہ ابن الصلاح، ص ۳۵۷۔
- ۶۵۷۔ یہ تمام تعریفات ”اتحاد حدیث فی علوم الحدیث“، مکتبہ قدوسیہ لاہور ۲۰۰۴ء سے لی گئی ہیں۔
- ۶۵۸۔ حدیث کا دراجی معیار، ص ۱۸۰، بحوالہ ابو حفص عمر بن بدر الموصلی، المغنی عن الحفاظ والکتب (مقدمہ خضر تونسلی) ص ۱۰۔
- ۶۵۹۔ حدیث کا دراجی معیار، ص ۱۹۱ تا ۲۵۹؛ مزید تفصیلات کے لیے امام ابن قیم کی ”المنار المہیئ فی الصبح والضعیف“ اور موضوع احادیث کے بارے لکھی جانے والی کتب ملاحظہ ہوں۔ مثلاً الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعة المعروف بالموضوعات الکبریٰ۔ کتاب الاباطیل والمناکیر، للبحر زقانی، الموضوعات لابن جوزی، تذکرۃ الموضوعات، طاہر مثنیٰ۔
- ۶۶۰۔ عز، منہج نقد فی علوم الحدیث (القاهرة) ص ۴۸۵۔
- ۶۶۱۔ حدیث کا دراجی معیار، ص ۱۸۶-۱۸۷۔
- ۶۶۲۔ ابن خیر الاہمبلی، ابو بکر کا قول ملا علی قاری نقل کرتے ہیں، ”اتفق العلماء علی انه لا یصح لمسلم ان یقول: قال رسول اللہ ﷺ کذا، حتی یكون عنده ذلك القول مردیاً“۔ ملا علی قاری، الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعة (المکتب الاسلامی، بیروت، طبع مائی ۱۹۸۶ء) ص ۷۴-۷۵۔
- ۶۶۳۔ تفصیل کے لیے کتاب، ”میں دیکھیں مقالہ“ ”فتنہ انکار حدیث“۔
- ۶۶۴۔ بطور مثال پاکستان میں منکرین حدیث کے سرخیل مسٹر غلام احمد پرویز کا عقیدہ ملاحظہ ہو ”قرآن کریم میں مرکز ملت کو اللہ اور رسول کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے (غلام احمد پرویز، معراج انسانیت، طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور، ص ۳۲۲-۳۲۳)۔ جہنم کے متعلق فرماتے ہیں ”جہنم انسان کی قلبی کیفیت کا نام ہے لیکن قرآن کریم کا انداز یہ ہے کہ وہ غیر محسوس، مجرد حقائق کو محسوس مثالوں سے سمجھاتا ہے۔ (پرویز، جہان فردا، طلوع اسلام ٹرسٹ، لاہور، ص ۲۳۵)۔

- ۶۶۵۔ مولانا قطب الدین، مظاہر حق شرح مشکوٰۃ شریف (لاہور ۱۹۶۶ء) ص-ج (دیباچہ کتاب)۔
- ۶۶۶۔ جبرائیل پوری، محمد اسلم؛ غلام احمد پرویز، مقام حدیث (طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور، پانچواں ایڈیشن ۱۹۹۲ء) ص ۸۸-۸۹۔
- ۶۶۷۔ محمد ادریس فاروقی، مقام رسالت (لاہور، ۱۹۷۰ء) ص ۱۶۔
- ۶۶۸۔ سلفی، ڈاکٹر محمد لقمان، اہتمام الحمد ثین، بھد الحدیث (الریاض، المطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۸۷ء) ص ۳۵۸۔
- ۶۶۹۔ قادری، عبدالغنی، ریاض الحدیث (لاہور، ۱۹۶۹ء) ص ۱۵۹۔
- ۶۷۰۔ ابوالاعلیٰ مودودی، سنت کی آئینی حیثیت (اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۶۳ء) ص ۱۷۔
- ۶۷۱۔ سلفی، اہتمام الحمد ثین، بھد الحدیث، ص ۳۲۴-۳۲۵۔
- ۶۷۲۔ مستشرقین کے اہداف اور حدیث کے بارے ان کے نظریات و آراء کے درج ذیل کتب سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔
- ”مستشرقین خاص اشاعت“؛ اضمواء علی الاستشراف از ڈاکٹر محمد عبدالفتاح علیان، کویت ۱۴۰۰ھ؛ اسالیب الغر والفکر از ڈاکٹر علی جریدہ و محمد شریف زین، مصر؛ الاستشراف والتعیر از ابراہیم غلیل؛ الاستشراف والمستشرقین قون از ڈاکٹر مصطفیٰ سہابی، التعیر والاستشراف از محمد عزت الطحطاوی قاہرہ ۱۳۹۷ھ۔
- ۶۷۳۔ اس ضمن میں صرف ایک شہادت ہی کافی ہے۔ محدثین کی کوششوں سے حیات نبوی کا ایک ایک گوشہ یوں محفوظ ہو گیا کہ لکھا کٹھا رہا، لیکن اس کے برعکس حیات مسیح پر کتنا نا کافی مواد ہے ملاحظہ ہو۔ ”صاف اور درست بات یہ ہے کہ حیات مسیح پر لکھنے کی کوشش ترک کر دینی چاہیے اس کے لیے بھینا مواد موجود نہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہمارے پاس ان کی زندگی کا ریکارڈ پچاس دنوں سے زیادہ نہیں۔“ Encyclopaedia, Britannica (1958) vol.13, p.16-17۔
- ۶۷۴۔ نیاز فتح پوری، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، آواز اشاعت گھر، لاہور، سن ص ۲۷۔
- ۶۷۵۔ ڈاکٹر خالد علوی، حفاظت حدیث (المیصل ناشران و تاجران کتب لاہور، ۱۹۹۰ء) ص ۱۷-۱۸۔
- ۶۷۶۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سہابی، حدیث رسول کا تشریحی مقام (مترجم: پروفیسر غلام احمد حریری، ملک سنز پبلشرز، فیصل آباد ۱۹۹۴ء) ص ۳۰۶-۳۰۹۔
- ۶۷۷۔ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی، الدراسات فی الحدیث النبوی (مطابع جامعۃ الریاض ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء)، ۱/۹۲-۱۳۲۔

باب چہارم

کتب حدیث

انواع کتب حدیث

۱۔ الجامع

احادیث کا وہ مجموعہ جس میں زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق احادیث ہوتی ہیں۔ ماہرین فن کے نزدیک کتب حدیث کی تصنیف کا وہ طریقہ جس میں حسب ذیل آٹھ ابواب شامل ہوں:

i۔ عقائد	ii۔ احکام
iii۔ سیر	iv۔ آداب
v۔ تفسیر	vi۔ مغازی
vii۔ فتن	viii۔ مناقب

مشہور جامع کتب یہ ہیں: امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) کی الجامع الصحیح - امام مسلم

ؒ (۲۶۱ھ) کی الجامع الصحیح (۱)۔

۲۔ السنن

محدثین کی اصطلاح میں سنن، حدیث کی ایسی کتب کو کہتے ہیں جو ابواب فقہ کے مطابق

مرتب کی گئی ہوں اور صرف احادیث مرفوعہ پر مشتمل ہوں۔ ان کتب میں موقوف یا مقطوع روایات سے اجتناب کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن بعض کتب سنن میں غیر مرفوع احادیث بھی پائی جاتی ہیں اور یہ صرف استشہاد کے طور پر ہوتا ہے۔

مشہور کتب سنن: سنن اربعہ یعنی سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ اور السنن الکبریٰ امام نسائی، سنن مجتبیٰ امام نسائی، سنن دارمی، السنن الکبریٰ امام بیہقی اور السنن سعید بن منصور وغیرہ (۲)۔

۳۔ المعجم

”جس کتاب میں احادیث کو شیوخ یعنی اساتذہ حدیث کو مد نظر رکھ کر ترتیب دیا گیا ہو“۔

معجم علم حدیث میں تصنیف کا ایک طریقہ ہے۔ معجم میں مؤلف اپنے اساتذہ کے ناموں کی ترتیب بجائی سے احادیث جمع کرتا ہے۔ مشہور معجم کتب: امام طبرانی (م ۳۶۰ھ) کی تین معاجم، المعجم الکبیر، المعجم الاوسط اور المعجم الصغیر (۳)۔

۴۔ المستدرک

مستدرک سے مراد وہ کتاب ہے جس میں مؤلف نے کسی دوسری کتاب کی ترک کردہ ان احادیث کو جمع کیا ہو، جو اس کی رائے میں پہلی کتاب کے مصنف کی شرط کے مطابق تھیں، مگر اس نے ذکر نہیں کیں۔ استدراک کی شرط یہ ہے کہ ان احادیث کے رجال کی اسناد وہی ہوں جن سے اصل کتاب کا مؤلف روایت کرتا ہے۔ اس فن کی مشہور کتاب امام حاکم ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد بن حمدویہ النیسابوری (م ۴۰۵ھ) کی المستدرک علی الصحیحین ہے، جس میں انہوں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم پر استدراک کرتے ہوئے احادیث جمع کی ہیں اور یہ کہتے ہیں: صحیح علی شرطہما ولم یخرجاہ، صحیح علی شرط البخاری ولم یخرجاہ، یا صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاہ۔

امام حاکم صحیح حدیث میں بہت قصائل واقع ہوئے ہیں، اس لیے محدثین ان کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں بہت سی ضعیف، بلکہ منکر اور موضوع

احادیث کو صحیح قرار دے دیا ہے، جیسا کہ حافظ ذہبی نے اپنی تلخیص میں واضح کیا ہے۔

۵۔ المستخرج

مستخرج سے مراد وہ کتاب ہے جس میں کسی مؤلف نے کسی دوسرے محدث کی احادیث کو اپنی اسانید سے روایت کیا ہو۔ اس میں دوسرے مصنف کی اسانید پہلے سے مختلف ہوتی ہیں، مثلاً کوئی مؤلف صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی احادیث اپنی اسانید سے بیان کرے، لیکن بخاری اور مسلم کی سند کے علاوہ، اس امکان کے ساتھ کہ یہ مؤلف بخاری یا مسلم کے استاذ، یا اس سے اوپر کسی بھی کڑی میں جا ملے، یہ دیکھے بغیر کہ الفاظ حدیث متفق ہیں یا مختلف، لیکن اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ مصنف اصل محدث کی سند میں بہت دور نہ چلا جائے، الا یہ کہ بہت اہم فائدہ مقصود ہو۔ مستخرج سے روایت کرتے ہوئے اصل کتاب کا حوالہ نہیں دیا جاتا، بلکہ مستخرج کا حوالہ دیا جائے گا۔ جیسے مستخرج اسماعیل علی البخاری (۵)۔

۶۔ المسند

- اس سے مراد حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں احادیث، صحابہ کے اسمائے نراری کی ترتیب سے مرتب کی جاتی ہیں اور احادیث کے موضوع کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔
- (i) وہ کتاب جس میں ہر صحابی کی روایات علیحدہ علیحدہ جمع کر دی گئی ہوں۔
 - (ii) وہ حدیث جس کی سند مرفوع اور ظاہری طور پر متصل ہو۔ بعض اہل علم کے نزدیک کسی بھی حدیث کا رسول اللہ ﷺ کی طرف ہونا کافی ہے چاہے وہ منقطع ہی کیوں نہ ہو۔
 - (iii) سند کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی مثال مسند امام احمد بن حنبل۔
- مسند میں صحابہ کے درمیان ترتیب الفضلیت کی بنیاد پر ہو سکتی ہے جیسے پہلے خلفائے راشدین اور ان کے بعد عشرہ مبشرہ باقی صحابہ یا سبقت اسلام کی بنیاد پر یا حسب و نسب کی بنیاد پر یا حروفِ ہجائی کی ترتیب پر۔ سب سے پہلی مرتبہ مسند، امام ابو داؤد الطیالسی (ت ۲۰۴ھ) کی ہے اور سب سے عظیم اور مشہور مسند امام احمد بن حنبل (ت ۲۴۱ھ) کی ہے (۶)۔

۷۔ المؤطا

نفت میں مؤطا کے معنی نکالا ہوا، روندنا ہوا، ایسا راستہ جس پر لوگ چلتے رہے ہوں، آسان اور تیار کی ہوئی چیز کو کہتے ہیں اور محدثین کی اصطلاح میں مؤطا حدیث کی اُس کتاب کو کہتے ہیں جو ابواب فقہ کے مطابق مرتب کی گئی ہو اور وہ احادیث مرفوعہ، موقوفہ اور مقطوعہ پر مشتمل ہوتی ہے یعنی وہ بالکل المصنف کی طرح ہوتی ہے (۷)۔ اس فن کی سب سے ابتدائی اور معروف کتاب مؤطا امام مالک ہے۔ اس کے سبب تالیف کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ ابو جعفر منصور کی فرمائش پر امام مالک بن انس نے یہ کتاب مرتب کی تھی۔ مؤطا کی احادیث میں مرفوع، مرسل اور بلاغات شامل ہیں اور کل احادیث کی تعداد ۲۰۷۱ ہے۔ ان میں سے مسند احادیث ۶۰۰، مرسل احادیث ۲۲۲، موقوف احادیث ۶۱۳ اور اقوال تابعین کی تعداد ۲۸۵ ہے (۸)۔

۸۔ المصنف

محدثین کی اصطلاح میں ”مصنف“ ایسی کتاب کو کہتے ہیں جو فقہی ابواب پر مرتب کی گئی ہو اور احادیث مرفوعہ، موقوفہ و مقطوعہ پر مشتمل ہو یعنی اس میں حضور اکرم ﷺ کی احادیث اور اقوال صحابہ اور تابعین کے نقلی اور بعض اوقات تبع تابعین کے نقلی بھی مذکور ہوں۔ جن سے کوئی بھی محدث اور فقیہ بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ چند مشہور مصنفات یہ ہیں:

- ۱۔ مصنف عبدالرزاق الصنعانی (م ۲۱۱ھ)۔
- ب۔ مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ)۔
- ج۔ مصنف سلیمان بن داؤد الربیع العتکی (م ۲۳۳ھ) (۹)۔

۹۔ شروح الحدیث

شرح کی جمع شروح ہے۔ ایسی کتابیں جن میں کتب احادیث کو بنیاد بنا کر ان کی روایات کی شرح بیان کی گئی ہو۔ چند معروف شروحات درج ذیل ہیں:

- ۱۔ معجم بخاری کی شرح فتح الباری۔ اردو زبان میں مولانا داؤد راز کی شرح بخاری

- ب۔ صحیح مسلم کی شرح شرح نووی۔
- ج۔ سنن ابوداؤد کی شرح عون المعبود اور بذل المجہود۔
- د۔ سنن ترمذی کی شرح تحفة الاحوذی۔
- ه۔ سنن نسائی کی شرح التعليقات السلفية۔
- و۔ سنن ابن ماجہ کی شرح مفتاح الحاحہ اور انجاء الحاحہ وغیرہ۔
- ز۔ مشکوٰۃ المصابیح کی شرح مرعاة المفاتیح۔
- ۱۰۔ تلخیص و تجرید

تلخیص سے مراد کسی کتاب کو مختصر کرنا ہے اور تجرید کا مفہوم کسی مجموعہ احادیث کی اسانید اور مکڑ روایات کو حذف کرنا ہے (۱۰) جیسے زبیدی کی تجرید بخاری، منذری کی اختصار سنن ابی داؤد، ابن عساکر کی مختصر مسند امام احمد۔

۱۱۔ الموضوعات

- موضوع سے مراد ایسی احادیث ہیں جو خود وضع کر کے آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کی گئی ہوں۔ محدثین کرام نے موضوع احادیث پر مستقل تصانیف میں لکھی ہیں۔ ایسی چند اہم تصانیف یہ ہیں:
- ۱۔ ابن الجوزی، کتاب الموضوعات۔
 - ب۔ جلال الدین السيوطي، اللآلی المصنوعة في الاحاديث الموضوعة۔
 - ج۔ ابن عراق الکفائي، تنزية الشريعة المرفوعة عن الاحاديث الشنيعة الموضوعية۔
 - د۔ حافظ ابو عبد اللہ الحسين بن ابراہیم الجوزقانی (م ۵۴۳ھ) کتاب الاباطیل۔
 - ه۔ حافظ الذہبی، ترتيب الموضوعات۔
 - و۔ محمد بن طاهر الصدوقی ثقفی (م ۹۸۶ھ) قانون الموضوعات، تذکرة الموضوعات۔
 - ز۔ محمد بن علی الشوکانی، الفوائد المجموعة في الاحاديث الموضوعة۔

ج۔ ملا علی قاری (م ۱۰۱۳ھ) الموضوعات الکبریٰ (۱۱)۔

۱۲۔ المستجابات

منتخب، احادیث کی ایسی کتاب ہوتی ہے جس میں کتب حدیث سے اور احادیث لے کر کتاب مرتب کی جائے۔ جب تدوین حدیث کی ابتدائی صدیوں میں متلاشیان حدیث نے صحاح، سنن، مسانید، معاجم اور ایسی نوعیت کے دیگر مجموعے تیار کر لیے تو پھر انتخاب، تخیص، تخریج اور تجرید کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ متخین نے مختلف مقاصد کے پیش نظر مختلف طریقے استعمال کیے (۱۲)۔ مثلاً مصابح السنہ، مشکاة المصابیح، ریاض الصالحین وغیرہ۔

۱۳۔ کتب تخریج

تخریج کا مادہ خرج یخرج ہے۔ یہ اخراج سے لیا گیا ہے جس کے معنی خارج کرنے کے ہوتے ہیں۔ یعنی حدیث کی کتاب سے حدیث کو نکالنا اور اسکے متعلق گفتگو کرنا (۱۳)۔ اس کے متعلق کئی کتب ہیں مثلاً تخریج احادیث بیضاوی، اس کی مزید تفصیل مقالہ ”فن تخریج حدیث“ میں ملاحظہ کریں۔

۱۴۔ کتب احکام وفقہ الحدیث

کتب احکام ان کتب کو کہا جاتا ہے جو صرف احادیث احکام پر مشتمل ہوں۔ ان احادیث کو دیگر کتب حدیث سے منتخب کر کے ابواب فقہ کے مطابق مرتب کیا گیا ہو۔ ان کتب کی کافی تعداد ہے بعض اُن میں بڑی، بعض متوسط اور بعض چھوٹی ہیں (۱۴)۔ احادیث الاحکام سے مراد وہ احادیث ہیں جن کا تعلق عبادات اور معاملات سے ہے، یعنی وہ احادیث جن کا تعلق مکلف کے عمل سے ہے۔ ان میں سے چند مشہور کتابیں درج ذیل ہیں:

۱۔ عبد الغنی المقدسی (م ۶۰۰ھ) عمدة الاحکام فی معالم الحلال والحرام عن خیر

الانام۔ اس کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔

ب۔ ابن دقیق العید (م ۷۰۲ھ) الالمام باحادیث الاحکام۔

ج۔ عبدالسلام بن عبداللہ ابن تیمیہ، المنتقى الاخبار، جس کی شرح امام شوکانی نے

”نیل الاوطار“ کے نام سے کی ہے۔

د۔ حافظ ابن حجر العسقلانی کی کتاب ”بلوغ المرام من احادیث الاحکام“ جس کی شرح امام صنعانی نے ”سبل السلام“ کے نام سے لکھی ہے اور مطبوع ہے۔ اس شرح کی دو جلدوں کا ترجمہ مولانا عبد الرحمن کیلانی نے کیا تھا جو شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد نے شائع کروایا ہے۔ باقی نامکمل ہے۔

۱۵۔ ترغیب وترہیب

ایسی کتب حدیث جو ان احادیث پر مشتمل ہوتی ہیں جن میں کسی مطلوب چیز کی ترغیب یا کسی ممنوع چیز سے ڈرایا گیا ہو (۱۵) مثلاً والدین کے ساتھ نیکی اور ان کی نافرمانی سے ڈرانا۔ اس میں منذری کی الترغیب والترہیب سب سے زیادہ معروف ہے۔ اسی طرح مولانا عبد القادر حصارویؒ کی ”نبوی جواہر در ذکر کبائر“ ہے۔ یہ کتاب راقم کی تحقیق کے ساتھ فاروقی کتب خانہ ملتان سے ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی ہے۔

۱۶۔ الزهد والفضائل والآداب والأخلاق

ایسی کتابیں جو مذکورہ بالا موضوعات میں سے کسی ایک موضوع پر لکھی گئی ہیں اور ان میں سے کسی موضوع سے متعلق احادیث و آثار کی خاص تعداد جمع کر دی گئی ہے (۱۶) مثلاً امام احمد کی ”مکتساب الزهد“ عبد اللہ بن مبارک کی مکتاب الزهد“ اور ابوالشیخ کی کتاب ”فضائل اخلاق“۔

۱۷۔ خاص موضوع سے متعلق کتب حدیث

ایسی کتابیں جو صرف کسی خاص موضوع سے متعلق ہیں۔ ان کے مؤلفین نے اس کتاب میں صرف ایک موضوع پر بحث و تحقیق کی ہے اور اس سلسلے کی تمام چیزوں کا احاطہ کیا ہے اور موضوع سے متعلق اکثر و بیشتر احادیث کو اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے (۱۷)۔ مثلاً ابن المبارک کی کتاب ”الجمہاد“، امام احمد کی کتاب ”الورع“۔

۱۸۔ المسلسلات

مسلسل وہ حدیث ہے جس کی سند میں تمام راوی ایک ہی قسم کے الفاظ مثلاً حدثنا، حدثنی، أخبرنا وغیرہ استعمال کریں۔ یا کسی کی قولی یا فعلی حالت کی روایت میں بھی سب متفق ہوں (۱۸)۔ مسلسلات کی معروف کتب حدیث یہ ہیں:

- ۱۔ امام سیوطی کی المسلسلات الکبریٰ۔
- ب۔ محمد عبدالباقی الاویلی کی المناہل السلسلة فی الاحادیث المسلسلة۔

۱۹۔ وحدانیات تا عشریات

سند میں علو و نزول کا مسئلہ محدثین کے ہاں ہمیشہ بہت اہم رہا ہے۔ اس لیے وہ اپنے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان کم سے کم واسطوں کو ترجیح دیتے تھے اور اس مقدس قرب کے متمنی رہتے تھے۔ اسی سوچ کے پیش نظر یہ علم وجود میں آیا کہ اس قسم کی احادیث مرتب کی جائیں جن میں کم سے کم واسطے ملتے ہوں، چنانچہ وحدانیات سے لے کر عشریات تک کی کتب تصنیف کی گئیں۔ اسناد کے طول و اختصار کے لحاظ سے احادیث کی دس اقسام ہیں:

(i)۔ وحدانیات

سند عالی کے حصول کے غرض سے محدثین کرام ایسی اسانید کی تلاش میں رہتے ہیں جن میں کم سے کم راوی ہوں۔ وحدانیات سے مراد ایسی کتب حدیث ہیں جن میں راوی اول اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ایک واسطہ ہو۔ جیسے امام ابو حنیفہ کی وحدانیات جنہیں ابو معشر عبدالکریم بن عبدالصمد المقرئ الشافعی نے جمع کیا تھا لیکن ان تمام احادیث کی سندیں ضعیف ہیں جو کہ غیر مقبول ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کسی صحابہ سے روایت نہیں کی۔ یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ وحدانیات کے ساتھ ساتھ وحدان ایک الگ صنف علم حدیث ہے۔ جس سے مراد ایک ایسا راوی ہے جس سے روایت کرنے والا بھی ایک شخص ہو۔ صحابہ کرامؓ میں کئی ایسے صحابہ ہیں جن سے صرف ان کے بیٹوں نے روایت کی ہے جیسے المسیب بن حزن بن وہب، الحواری مسیب اور ان کے والد صحابی ہیں، ان

سے صرف ان کے بیٹے سعید کے واسطے سے روایات ہیں وغیرہ۔

اس موضوع کی مشہور کتب درج ذیل ہیں:

۱۔ امام مسلم الحجاز (م ۲۶۱ھ) کی المنفردات والوحدان۔

ب۔ امام نسائی (م ۳۰۳ھ) کی تسمیہ من لم یرو عنه غیر رجل واحد۔

ج۔ حافظ ابوالفتح لا زدی (م ۳۷۴ھ) کی المخزون فی علم الحدیث۔

آخر الذکر کتاب میں مؤلف نے صرف صحابہ میں سے ۲۶۳ ایسے اشخاص جمع کیے ہیں جن سے صرف ایک واسطے سے روایت کی گئی ہے۔ تینوں کتابیں تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں (۱۹)۔

(ii)۔ ثنائیات

وہ کتب جن میں ایسی احادیث ہوں جن کے راوی اوّل اور حضور ﷺ کے درمیان صرف دو واسطے ہوں۔ مؤطا امام مالک میں موجود ثنائیات ان کی کتاب میں اعلیٰ ترین شمار کی جاتی ہے (۲۰)۔

(iii)۔ ثلاثیات

وہ کتب جن میں ایسی احادیث ہوں جس کے راوی اوّل اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان تین واسطے ہوں۔ مثلاً

۱۔ الثلاثیات للبخاری: حافظ ابن حجر نے امام بخاری کی ۲۲ ثلاثی روایات جمع کی ہیں۔

ب۔ الثلاثیات لامام احمد: محمد بن احمد بن سلیمان السفارینی نے اپنی کتاب میں ۳۳۲ روایات جمع کی ہیں۔

امام ترمذی کے ہاں صرف ایک حدیث ثلاثی پائی جاتی ہے، ابن ماجہ کے ہاں پانچ احادیث اور دارمی کے ہاں پندرہ احادیث ہیں۔ امام احمد کی مسند میں ۳۳۷ احادیث ثلاثیات میں سے ہیں (۲۱)۔

بخاری کی ثلاثیات ہیں۔ ان کی تعداد بائیس ہے۔ جن کو حافظ ابن حجر نے جمع کیا ہے۔ کئی لوگوں نے اسکی شرح کی اور یہ امام مسلم کی صحیح مسلم سے خارج ثلاثیات ہیں وہ ان کی جامع کی شرط کے مطابق نہیں۔ اس لیے اس میں داخل نہیں کیا۔

مسند احمد میں تین سو پینتیس مٹائی احادیث ہیں اور اسکی شرح شیخ محمد بن احمد بن سالم نابلسی نے لکھی ہے۔ اس کی وفات ۱۱۸۸ھ میں ہوئی۔ شرح کا نام ”فی ثمرات الصدر المکد بشرح مٹائیات المسند“ ہے۔

عبد بن حمید کی مسند میں پندرہ احادیث ہیں۔ طبرانی کی معجم الصغیر کے اندر بھی مٹائیات ہیں۔ امام شافعی کی مسند کے اندر بھی مٹائیات ہیں۔ داری کی سنن میں مٹائیات کی احادیث ہیں۔

مٹائیات بخاری امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، الحافظ (م ۲۵۶ھ) (۱-۲۱)

مٹائیات داری حافظ ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن السمرقندی (م ۲۵۵ھ) (۲-۲۱)

مٹائیات الشیخ ابی اسحاق ابراہیم بن محمد بن محمود الناجی (م ۹۰۰ھ)۔

مٹائیات عبد بن حمید الکلبی (م ۲۳۹ھ) تسع واربعین وماتقین۔

(iv) رباعیات

وہ کتب حدیث جن میں ایسی احادیث ہوں جن کے راوی اوّل اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان چار واسطے ہوں۔ رباعیات کے چند اہم مجموعے یہ ہیں:

- ۱۔ امام شافعی، رباعیات۔۔۔ دارقطنی نے تخریج کی ہے۔
- ب۔ امام بخاری، رباعیات۔۔۔ اس کی شرح و الدراری فی شرح رباعیات البخاری کے نام سے ہے۔
- ج۔ امام مسلم، رباعیات۔
- د۔ امام نسائی، رباعیات۔
- ه۔ امام طبرانی، رباعیات۔
- و۔ امام ترمذی، رباعیات۔ احادیث کی تعداد ۱۷۰ ہے۔
- ز۔ محمد عبد الغنی بن سعید لأزدی، رباعیات الصحابة۔
- ح۔ ابوالحاج ثعلبی بن یوسف بن غلیل الدمشقی (م ۶۳۸ھ)، رباعیات الصحابة۔

- ط۔ ابوالواهب الحسن بن العظام دمشقی (م ۵۸۶ھ)، رباعیات التابعین (۲۲)۔
ع۔ اعلیٰ شیرازی (م ۹۳۳ھ)، رباعیات کجند۔

(v) انجاسیات

ایسی روایات پر مشتمل کتب جن میں راوی اوّل اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان پانچ واسطے ہوں۔ ابوالحسن احمد بن محمد بن احمد ابن القور البغدادی (م ۴۷۰ھ) کی تالیف انجاسیات ہے، اسی طرح دارقطنی کی سنن سے بھی انجاسیات تلاش کی گئی ہیں (۲۳)۔

(vi) السداسیات

وہ کتب جن میں ایسی روایات ہوں جو اصل راوی اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان چھ واسطوں پر مشتمل ہوں۔ اس فن میں لکھنے والے مشہور مصنفین یہ ہیں:

- ۱۔ ابن الخطاب ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابراہیم الرازی (م ۵۲۵ھ)۔
- ب۔ ابوالقاسم زہر بن طاہر محمد انیساموری الشحابی (م ۵۳۳ھ)۔
- ج۔ ابوموسیٰ محمد بن عمر بن احمد بن عمر المدنی الاصمغانی (م ۵۸۱ھ)۔
- د۔ سداسیات التابعین (۲۳)۔

(vii) السباعیات

وہ کتب حدیث جن کی روایات میں اصل راوی اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان سات واسطے ہوں۔ اس موضوع پر لکھنے والے مشہور مصنفین درج ذیل ہیں:

- ۱۔ ابوموسیٰ المدنی (م ۵۸۱ھ)۔
- ب۔ ابو جعفر الصيد لانی۔
- ج۔ ابوالقاسم ابن عساکر (م ۵۵۱ھ)۔
- د۔ ابو الفرج عبد اللطیف بن عبد المعصوم بن الصقل الحرانی (م ۶۷۷ھ) (۲۵)۔

(viii) الثمانیات

وہ کتب حدیث جن کی روایات میں راوی اوّل اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان آٹھ واسطے ہوں۔

تصانیف

- ۱۔ عبد اللطیف بن عبد السمیع الصمیل الحرانی (م ۶۷۷ھ) کی چار اجزاء میں الثمانیات۔
- ۲۔ یحییٰ بن علی بن عبد اللہ العطار، تحفة المستفید فی الاحادیث الثمانية الاسانید.
- ۳۔ الفضلاء القدسی، الثمانیات (۲۶)۔

(ix) التساعیات

تساعیات سے مراد وہ کتب ہیں جن میں راوی وہ احادیث نقل کرتا ہے جن میں اس کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان نو واسطے ہوں۔ تساعیات کے مصنفین:

- ۱۔ ابراہیم بن محمد الطبری المکی (م ۵۷۳ھ)۔
- ۲۔ عبد العزیز بن محمد بن ابراہیم بن سعد اللہ الکنانی ابن جماعة (م ۶۷۷ھ)۔
- ۳۔ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان الاندلسی (م ۴۵۷ھ) (۲۷)۔

(x) العشاریات

ایسی کتب حدیث جس میں مصنف وہ احادیث جمع کرتا ہے جن میں راوی اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان دس واسطے ہوں۔ اس طریقے پر امام ترمذی اور امام نسائی نے احادیث مرتب کی ہیں اور یہ ان کے ہاں نازل حدیثیں ہیں۔ عشاریات کے مصنفین:

- ۱۔ برہان الدین ابوالفتح ابراہیم بن احمد بن عبد الواحد النخعی (م ۸۰۰ھ)۔
- ۲۔ الزین العراقي۔
- ۳۔ السخاوی (م ۹۰۲ھ)۔
- ۴۔ امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) (۲۸)۔

۲۰۔ غریب الحدیث

غریب سے مراد مشکل اور فہم سے بالاتر کے ہیں یعنی وہ حدیث جس کے بعض الفاظ یا مفہوم عام آدمی نہ سمجھ سکتا ہو چونکہ حضور ﷺ قریش کے زبان بولتے تھے اس لیے بعض دور افتادہ عربی قبائل ان کی بات کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ غریب الحدیث بھی ایک اہم فن ہے (۲۹)۔ اس پر لکھی گئی چند معروف کتب درج ذیل ہیں:

- ۱۔ خطابی، غریب الحدیث۔ ب۔ زبیری، الفائق۔
- ج۔ ابن قتیبہ، غریب الحدیث۔ د۔ علامہ طاہر ثقفی، مجمع البحار۔
- ۵۔ علامہ وحید الزمان، لغات الحدیث (اردو)

۲۱۔ النسخ والمنسوخ

ایسی کتب جن میں وہ احادیث ہیں جنہوں نے بعض دیگر احادیث کو منسوخ کر دیا ہو (۳۰)۔
ناسخ و منسوخ پر چند کتابیں یہ ہیں:

- ۱۔ ابن شامین (م ۳۸۵ھ) الناسخ والمنسوخ فی الحدیث۔
- ب۔ الحازمی (م ۵۸۴ھ) الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار۔
- ج۔ ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) تجرید الاحادیث المنسوخہ۔

۲۲۔ الامالی

امالی، امالی جمع ہے اس کے معنی لکھوانا ہے۔ محدثین کا یہ دستور تھا کہ ہفتے میں ایک یا دو دن (جمعہ، ہفتہ) یا ہر روز اپنے طلباء کو احادیث کی املا کراتے تھے۔ اُن احادیث کو امالی کہا جاتا ہے (۳۱)۔
امالی لینے والا سب سے پہلے یا سب سے آخر میں یہ لکھتا ہے: یہ مجلس فلاں شیخ نے فلاں مسجد میں فلاں دن اور تاریخ کو املا کرائی، پھر املا کرانے والا اپنی اسانید سے احادیث اور آثار لکھاتا ہے۔ مشکل الفاظ کی شرح اور اسناد سے متعلق فوائد و نکات بیان کرتا ہے۔ مختلف محدثین کرام کے امالی مخطوطہ اور مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔ جیسے ابوالمظفر منصور بن محمد بن عبد الجبار حمیری پر لکھی گئی کتاب ”ابوعلی القالی کی

امالی، جس میں سوشیوخ سے ایک ہزار احادیث روایت کیں۔

۲۳۔ الاجزاء

جز کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ کتابچے ہیں جس میں کسی ایک راوی کی احادیث جمع کر دی گئی ہوں، جیسے جزء حدیث ابی بکر، و جزء حدیث مالک، یا کسی خاص حدیث کی اسانید پر بحث کی گئی ہو، جیسے حافظ ابن رجب کی اختصار الاولی فی حدیث اختصام الملاء الاعلیٰ، یا کسی خاص موضوع سے متعلق احادیث جمع کی گئی ہوں، جیسے امام بخاری کی جزء القراءة خلف الامام اور جزء رفع الیدین فی الصلاة، نیز مروزی کا جزء قیام اللیل، یا احادیث سے متعلق فوائد جمع کیے گئے ہوں، جیسے الواحدانیات، الثنائیات، امام مسلم کی کتاب الوجدان اسی قسم میں شامل ہے (۳۲)۔

۲۴۔ الاربعون، الأربعینیات

الاربعون سے مراد حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں کسی ایک باب سے متعلق احادیث، یا مختلف ابواب سے، یا مختلف اسانید سے چالیس احادیث جمع کی جائیں۔ اس طرح کی تصنیفات کا اصل سبب وہ احادیث ہیں جن میں چالیس احادیث جمع کرنے والے کے لیے بہت فضیلت بیان کی گئی ہے اور اسے بشارت دی گئی ہے۔ حالانکہ یہ روایات عام طور پر ضعیف بلکہ منکر اور موضوع ہیں۔ امام نووی اور حافظ ابن حجر نے تحقیق کرنے کے بعد واضح کیا ہے کہ ان تمام احادیث کی جملہ روایات انتہائی ضعیف اور ناقابل قبول ہیں، اور ان کا ضعف بھی ایسا ہے، جسے تقویت نہیں ہو سکتی (۳۳)۔

اس طرز پر تصنیف کرنے والوں میں اولین کتاب حافظ امام عبداللہ بن المبارک (م ۱۸۱ھ) کی ہے۔ اسی طرح حافظ ابو نعیم (م ۴۳۹ھ) اور حافظ ابو بکر آجری (م ۳۶۰ھ) محمد بن محمد الطائی (م ۵۵۵ھ) کی الاربعین فی ارشاد السائرین الی منازل المتقین نے بھی اربعین تحریر فرمائیں۔ اربعین میں سب سے زیادہ متداول اربعین نووی ہے (۳۴)۔

۲۵۔ اسباب ورود الحدیث

اسباب الحدیث سے مراد وہ علم ہے جس میں ان اسباب کا ذکر کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے حدیث بیان فرمائی ہے۔ ان اسباب میں کوئی سوال، واقعہ یا حادثہ ہو سکتا ہے جس کی بنا پر آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا۔ یہ علم، علوم القرآن میں اسباب نزول کے علم کی مانند ہے۔

اقسام

- ۱۔ وہ سبب جو حدیث ہی میں مذکور ہو، مثلاً ”حدیث جبریل“ میں رسول اللہ ﷺ کے فرامین کا سبب حضرت جبریل کا آنا اور سوال کرنا تھا۔
- ب۔ جو اس حدیث میں تو مذکور نہیں ہوتا، لیکن اس حدیث کی دوسری روایات میں اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اس قسم کے اسباب خصوصی تحقیق کے بعد ملتے ہیں کیونکہ ان کے ذریعے سے حدیث سے مسائل معلوم کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر حدیث انما الاعمال بالنیات میں آپ کا ارشاد او امرأۃ ینکحھا کا سبب وہ روایت ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک شخص نے اس لیے مدینہ ہجرت کی تھی کہ وہ ام قیس نامی ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتا تھا (۳۵)۔

قصائیف

- اسباب ورود الحدیث کے بارے میں سب سے اہم کتاب امیر المومنین بن محمد المعروف ابن حمزہ الحنفی (۱۱۴۰ھ) کی ”البيان والتعريف فی اسباب ورود الحديث الشریف“ ہے (۳۶)
- اس کتاب کے علاوہ درج ذیل مصنفین نے اس فن پر کتابیں لکھی ہیں:
- ۱۔ ابو حفص العکمری ابن مسلم الفقیہ (۳۹۹ھ)۔
 - ب۔ ابو حامد بن کوتاہ الجوباری۔
 - ج۔ سیوطی (ت ۹۱۱ھ) کی اللمع فی اسباب ورود الحديث (۳۷)۔

۲۶۔ الاستملاء

الاستملاء سے مراد محدث کی روایات کی الما کو تلاذہ تک پہنچانا ہے۔ اس مقصد کے لیے

محدثین بعض افراد کو مقرر کرتے تھے جو محدث کی آواز کو سننے والوں تک پہنچاتے تھے، ایسے افراد کو مستملی کہا جاتا تھا (۳۸)۔

۲۷۔ الاطراف

اطراف طرف کی جمع ہے اور طرف کے معنی کوٹا اور کنارہ کے ہیں مگر اصطلاحاً طرف سے مراد حدیث کا ابتدائی ٹکڑا ہے جس کے ذریعے سے بقیہ حدیث معلوم کی جاسکتی ہے۔ وہ کتب جن میں حدیث کے پہلے حصہ کو ذکر کیا جاتا ہے اس سے پوری حدیث کی پہچان ہوتی ہے۔ آخر میں ان کتب کا حوالہ ہوتا ہے جن میں یہ حدیث ہو۔ یہ تصنیف حدیث کا ایک طریقہ ہے جس میں کسی حدیث کا ابتدائی حصہ بیان کرنے کے ساتھ اس کی تمام اسانید مجموعی طور پر یا مخصوص کتب کے حوالے سے بیان کی جاتی ہیں۔

یہ فن اس وقت وجود میں آیا جب چوتھی صدی ہجری کے آخر اور پانچویں صدی ہجری کے شروع میں تمام احادیث کی تدوین مکمل ہو گئی۔ اور اس کے بعد ان کی تلاش کا مسئلہ پیش آیا۔ اطراف کے حوالے سے متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں۔ چند مشہور کتب اطراف یہ ہیں:

۱۔ ابو مسعود ثقفی (م ۳۰۱ھ) اطراف الصحیحین۔

ب۔ ابوالعباس الازدی، اطراف الکتب الخمسة۔

ج۔ ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی (م ۵۰۷ھ) اطراف الکتب الستة

حافظ الحرمی (م ۷۳۲ھ) تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف۔ اس میں کتب ستہ

کے علاوہ مراسیل ابی داؤد، ترمذی کی شمائل اور ان کی علل صغیر اور نسائی کی عمل الیوم واللیلہ شامل ہیں (۳۹)۔

۵۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)، اتحاف المهرة باطراف العشرة۔ اس کتاب

میں مؤطا مالک، مسند شافعی، مسند أحمد، سنن دارمی، صحیح ابن خزیمة، منتقی ابن الجارود، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم، مستخرج ابی عوانہ، شرح معانی الآثار طحاوی اور سنن دارقطنی شامل ہیں۔ ابن خزیمہ کی تکمیل کتاب کی وجہ سے حافظ ابن حجر نے سنن دارقطنی کا اضافہ کر دیا اور گیارہ کتابوں کا انڈکس مرتب کر دیا۔ یہ کتاب جامعہ

اسلامیہ مدینہ منورہ کے مرکز خدمۃ السنۃ والسمیرۃ کی طرف سے تحقیق سے شائع ہو چکی ہے (۳۰)۔

۲۸۔ امثال الحدیث

وہ مؤلفات جن میں احادیث میں مذکور امثال بیان کی گئی ہیں۔ احادیث میں کثرت سے ضرب الامثال کا ذکر ملتا ہے، جن کے ذریعے کسی مخصوص بات کو واضح کیا جاتا ہے۔ اس قسم کی امثال مندرجہ ذیل کتب میں تلاش کی جاسکتی ہیں:

- ۱۔ امام ترمذی نے اپنی کتاب (السنن) میں امثال الحدیث کا باب تحریر کیا ہے: ابواب الامثال عن رسول اللہ ﷺ اور سات ابواب میں چودہ احادیث ذکر کی ہیں۔
- ب۔ ابو عبد اللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی (م ۲۵۵ھ)، الامثال من الکتاب والسنۃ (مطبوع)
- ج۔ حسن بن عبد الرحمن بن غلاد الراہر مزی (م ۳۶۰ھ) امثال الحدیث۔ اس موضوع پر یہ مستقل کتاب ہے۔ تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے اور راقم کے پاس موجود ہے۔
- د۔ ابوالحسن بن عبد اللہ بن سعید بغدادی العسکری (م ۳۸۲ھ)، امثال الحدیث۔
- هـ۔ جاحظ (م ۲۵۵ھ)، کتاب البیان والتبيين میں موجود امثال الحدیث۔
- و۔ محمد القضاہی (م ۳۵۴ھ)، شعاب الاخبار میں مذکور امثال الحدیث۔
- ز۔ محمد بن ابراہیم الخازنی، الاخبار (مخطوط)۔
- ح۔ عبد الجید محمود، امثال الحدیث (مطبوع)۔
- ط۔ محمد جابر فیاض الحلوانی، الامثال فی الحدیث النبوی الشریف (مطبوع) (۳۱)۔

۲۹۔ الانساب

اس عنوان کے تحت راویوں کے آباؤ اجداد کی تفصیلات اور ان کی طرف نسبتوں کی معلومات جمع کی جاتی ہیں، مثلاً غیر آباء کی طرف منسوب راویان حدیث، یا حقیقت کے برعکس منسوب رجال حدیث وغیرہ۔

اس موضوع پر سب سے زیادہ مشہور تصنیف امام سمعانی کی کتاب ”الانساب“ ہے، ابن الاثیر نے ”اللباب فی تہذیب الانساب“ کے نام سے اس کی تلخیص کی ہے۔ امام سیوطی نے ”لب

المہاب“ کے نام سے اسے مزید مختصر کر دیا ہے۔ یہ تینوں کتب مطبوع ہیں (۴۲)۔

۳۰۔ الخلیعات

اجزاء حدیث کی ایک قسم ہے جس کے مؤلف ابوالحسن علی بن الحسن بن الحسین الموصلی المصمری الشافعی الخلیعی (م ۳۹۲ھ) ہیں۔ خلیعی اس لیے مشہور ہوئے کہ وہ شہزادوں کے لیے خلیعتیں بچا کرتے تھے۔ ابونصر احمد بن الحسین البخیری نے یہ احادیث ان سے روایت کی ہیں اور انہیں جمع کیا ہے۔ یہ روایت علوسند کی وجہ سے مشہور ہیں (۴۳)۔

۳۱۔ الزوائد

کتب حدیث کی تصنیف کا ایک طریقہ جس میں مخصوص کتب میں زائد احادیث ذکر کی جاتی ہیں، مثلاً صحاح ستہ میں مشترک احادیث چھوڑ کر ان کی زائد احادیث الگ جمع کر لی جائیں تو وہ زوائد کہلائیں گی۔ اس میں اصل دارودار اختلاف صحابی پر ہوتا ہے۔ صرف الفاظ کے اختلاف سے فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ احادیث مختلف الفاظ سے روایت کی جاتی ہیں اور وہ ایک حدیث ہی شمار کی جاتی ہیں۔ اصل فرق اختلاف صحابی سے واقع ہوتا ہے۔

زوائد کی مشہور کتب

- ۱۔ حافظ نور الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر البیہقی (م ۸۰۷ھ)، مجمع الزوائد وجمع الفوائد، اس کتاب میں مسند احمد، مسند ابی یعلیٰ الموصلی اور طبرانی کی معاجم ثلاثہ کے زوائد صحاح ستہ پر جمع کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ حافظ البیہقی نے الگ الگ بھی مختلف کتابوں کے زوائد جمع کیے ہیں:
- ب۔ غایۃ المقصد فی زوائد المسند (مسند احمد کے زوائد)۔

۳۲۔ الفہرس

فارسی زبان کا لفظ اصل میں فہرست ہے جسے عربی میں فہرس کہا گیا اور فہارس اس کی جمع ہے۔ محدثین کے نزدیک اس سے مراد وہ کتاب ہے جس میں کوئی محدث اپنے اساتذہ اور ان کی اسانید، اور ان سے متعلق دیگر معلومات جمع کرتا ہے۔ اسے اثبات بھی کہا جاتا ہے۔ مشہور کتب فہارس یہ ہیں:

- ۱۔ ابن عطیہ: ابو بکر بن عطیہ الحارثی الاندلسی (م ۵۱۸ھ) کی الطہرس۔
- ب۔ قاضی عیاض (م ۵۴۳ھ) کے شیوخ کی الطہرس۔
- ج۔ ابن خیر الاشمیلی (م ۵۷۵ھ) کی الطہرس (۴۳)۔

۳۳۔ البلدانیۃ

علم حدیث کی تالیف کا وہ طریقہ جس میں محدث شہروں کی نسبت سے احادیث جمع کرتا ہے۔ مثلاً الاربعون البلدانیۃ۔ اس طریقے سے مصنف اپنی وہ روایات ذکر کرتا ہے جو اس نے کسی مخصوص شہر میں اپنے اساتذہ سے سنی تھیں (۴۵)۔

۳۴۔ المشیختات

مشیحہ سے مراد وہ کتابیں ہیں جس میں کوئی مؤلف اپنے اساتذہ کو بیان کرے جن سے اس نے حدیث لی ہے یا جن سے اس نے روایت حدیث کی اجازت لی ہے اگرچہ ملاقات نہ کی ہو (۴۶)۔ مشہور کتب مشیختات یہ ہیں:

- ۱: مشیحہ، حافظ ابو یعلیٰ الخلیلی (م ۴۳۶ھ)۔
- ب: مشیحہ، ابو یوسف یعقوب بن سفیان القسوی (م ۲۷۷ھ)۔
- ج: مشیحہ، ابن شاذان (۴۷)۔

نوٹ: اس مقالہ کا اکثر مواد ”معجم اصطلاحات حدیث“ از ڈاکٹر سہیل حسن سے ماخوذ ہے۔

المسانید

تعریف

حاجی خلیفہ کہتے ہیں: ”مسانید وہ کتابیں ہیں جن میں ہر ایک صحابی کی احادیث علیحدہ لکھی جائیں اور ابواب کا خیال نہ رکھا جائے“ (۴۸)۔

عبدالحی کتانی کہتے ہیں: ”مسانید مسند کی جمع ہے وہ ایسی کتابیں ہوتی ہیں جن کا موضوع ہر صحابی کی احادیث کو الگ کرنا ہے خواہ وہ صحیح ہوں یا حسن یا ضعیف۔ اُن احادیث کو صحابہ کے نام سے حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا جاتا ہے“ (۴۹)۔

ڈاکٹر محمود طمان کہتے ہیں: ”مسانید حدیث کی ایسی کتب ہوتی ہیں جن کو اُن کے مؤلفین نے صحابہ کے نام پر ترتیب دیا ہوتا ہے۔ یعنی ہر صحابی کی احادیث کو الگ جمع کیا جاتا ہے“ (۵۰)۔

خصوصاً نصوص مسانید

ڈاکٹر عبدالمحمد ی کہتے ہیں کہ مسانید کے درج ذیل خصوصیات ہیں:

- ۱۔ ان کو صحابہ کے نام پر ترتیب دیا جاتا ہے۔ بعض اماموں نے حروف تہجی کے لحاظ سے صحابہ کو ترتیب دیا ہے اور بعض نے سہیبت اسلام کی بنا پر بعض نے شرافت نسبی کی بنا پر اور بعض نے قبائل کی بنا پر۔
- ۲۔ ان کو راوی اعلیٰ کے نام پر ترتیب دیا جاتا ہے یا تابعی کے نام پر جبکہ حدیث مُرسَل ہو۔
- ۳۔ صحابی کے نام پر احادیث کو جمع کر دیا جاتا ہے اور اس پر کوئی ترتیب نہ لگائی ہو کیونکہ بعض صرف یاد کرنے کے لیے لکھتے تھے (۵۱)۔
- ۴۔ ان مسانید میں احادیث کی صحت کے لحاظ سے درجہ بندی نہیں کی جاتی بلکہ صحیح، حسن اور ضعیف تمام قسم کی احادیث آ جاتی ہیں۔
- ۵۔ اس میں تمام راویوں کو نہیں لیا جاتا بلکہ صحابہ کی کافی تعداد کو لیا جاتا ہے۔ بعض اوقات ایک ہی صفت کے صحابہ کی روایات لی جاتی ہیں جیسے مسند المقلین یا مسند العشرۃ المبشرۃ۔ بعض

اوقات کسی ایک صحابی کی مسند ہوتی ہے۔ جیسے مسند ابی بکر الصدیقؓ، مسند عائشہؓ (۵۲)۔

فوائد مسانید

ڈاکٹر عبدالمحمدی کہتے ہیں، مسانید کے بہت سے فوائد ہیں۔ مثلاً:

- ۱۔ یہ بہت سی احادیث کو جمع کر دیتے ہیں جس میں بہت سی روایات اور اسناد ہوتی ہیں۔
- ۲۔ اس طریقے سے احادیث کو حفظ کرنا آسان ہوتا ہے کیونکہ ایک صحابی کی روایات ایک ہی جگہ ہوتی ہیں۔
- ۳۔ حدیث کو تلاش کرنا آسان ہوتا ہے اور ان کی آسانی سے استخراج کر لی جاتی ہے لیکن بعض اوقات تلاش کرنے میں تھوڑی سی دقت پیش آتی ہے۔ اگر ایسے صحابی کی مسند ہو جو مغلین میں سے ہو (۵۳)۔

احادیث مسند کا مرتبہ

مسند میں ایک صحابی کی روایات کو ایک مقام پر جمع کیا جاتا ہے۔ ان روایات میں صحیح اور ضعیف تمام قسم کی روایات ہوتی ہیں۔ ابن الصلاح کہتے ہیں: ”مسانید لکھنے والوں کی عادت ہے کہ وہ ہر صحابی کی روایات کو درج کر دیتے ہیں لیکن اس بات کا خیال نہیں رکھتے کہ وہ صرف صحیح احادیث ہوں“ (۵۴)۔ شیخ طاہر الجزائری فرماتے ہیں: ”مسانید کی کتب میں احادیث کا درجہ سنن کی کتب سے کم ہوتا ہے“ (۵۵)۔

کتب مسانید

حدیث رسول ﷺ سے والہانہ محبت ابتدا سے ہی مسلمانوں کو تھی۔ صحابہ کرام نے اس معاملے میں کمال و رجب کا مظاہرہ فرمایا پھر ان کے شاگردوں نے اس شیخ کو ردشن رکھا۔ بعد ازاں امام مالک کے علاوہ ان کے شاگردوں نے بھی تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا۔ ان کے بعد تیسری صدی میں حدیث پر بہترین کتابیں مرتب کی گئیں۔ بعض علماء نے مخصوص مؤلفات ترتیب دیں۔ ان میں احادیث رسول ﷺ کو اسانید کے ساتھ ہر صحابی کی احادیث کو یکجا کیا گیا اور ان کو مسند کے نام سے تعبیر کیا گیا۔

ان مسانید میں اقلیت کا مرتبہ امام حاکم کے بقول جن دو بزرگوں کو حاصل ہے ان کے بارے میں کتانی لکھتے ہیں: ”اسلام میں تراجم رجال پر جنہوں نے سب سے پہلے مسند لکھی وہ عبد اللہ بن موسیٰ العسیٰ اور ابو داؤد طیالسی ہیں“ (۵۶)۔

جن اہل علم نے ان مسانید کو مرتب کیا انکی فہرست طویل ہے۔ یہاں کچھ مسانید کا ذکر کریں گے ان میں بعض مسانید زبور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں:

- ۱۔ مسند زید بن علی ابوالحسن (م ۱۲۲ھ)
- ۲۔ مسند جعفر بن محمد الصادق الطوسی المدنی (م ۱۲۸ھ)
- ۳۔ مسند موسیٰ بن جعفر کاظم المدنی (م ۱۸۳ھ)
- ۴۔ مسند ابو داؤد طیالسی (م ۲۰۲ھ)
- ۵۔ مسند عبید اللہ بن موسیٰ ابو محمد العسیٰ (م ۲۱۳ھ)
- ۶۔ مسند حسین بن داؤد ابوطی العسیٰ (م ۲۲۶ھ)
- ۷۔ مسند مسدد بن مسرود ابوالحسن الاسدی البصری (م ۲۲۸ھ)
- ۸۔ مسند یحییٰ بن عبد الحمید الیمانی ابو زکریا الکوفی (م ۲۲۸ھ)
- ۹۔ مسند قسیم بن حماد ابو عبد اللہ الخزاعی الروزی (م ۲۲۸ھ)
- ۱۰۔ مسند علی بن جعد بن عبید ابوالحسن الجوبیری البغدادی (م ۲۳۰ھ)
- ۱۱۔ مسند علی بن عبد اللہ بن جعفر المشہور ابن المدینی (م ۲۳۳ھ)
- ۱۲۔ مسند ابی بکر بن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ)
- ۱۳۔ مسند عثمان بن محمد بن ابی شیبہ الواسطی الکوفی (م ۲۳۷ھ)
- ۱۴۔ مسند اطلق بن ابراہیم الحنفی الخراسانی المعروف ابن راہویہ (م ۲۳۸ھ)
- ۱۵۔ مسند خلیفہ بن خیاط ابو عمر التمیمی (م ۲۳۰ھ)
- ۱۶۔ مسند محمد بن اسلم ابوالحسن الطوسی (م ۲۳۲ھ)
- ۱۷۔ مسند احمد بن حنبل الشیبانی (م ۲۴۱ھ)

- ۱۸۔ مسند احمد بن ابراہیم ابو عبد اللہ الدورقی البغدادی (م ۲۳۶ھ)
 - ۱۹۔ مسند عبد بن حمید ابو محمد الکشی (م ۳۳۹ھ)
 - ۲۰۔ مسند اسحق بن منصور ابو یعقوب الکوجج الروزی (م ۲۵۷ھ)
 - ۲۱۔ مسند عبد اللہ بن عبد الرحمن ابو محمد الداری (م ۲۵۵ھ)
 - ۲۲۔ مسند احمد بن سنان ابو جعفر القطان الواسطی (م ۲۵۸ھ)
 - ۲۳۔ مسند یعقوب بن شیبہ ابو یوسف السدوسی البصری (م ۲۶۲ھ)
 - ۲۴۔ مسند احمد بن منصور ابو بکر الرمدی البغدادی (م ۲۶۵ھ)
 - ۲۵۔ مسند محمد بن ابراہیم بن مسلم الطرسوسی البغدادی (م ۲۷۳ھ)
 - ۲۶۔ مسند قحی بن مخلد ابو عبد الرحمن القرطبی (م ۲۷۶ھ)
 - ۲۷۔ مسند عثمان بن سعید ابو عثمان الداری (م ۲۸۲ھ)
 - ۲۸۔ مسند ابراہیم بن اسحاق ابو اسحاق الحرابی (م ۲۸۵ھ)
 - ۲۹۔ مسند ابن ابی عاصم ابو بکر احمد بن عمرو الشیبانی (م ۲۸۷ھ)
 - ۳۰۔ مسند احمد بن عمرو بن عبد الحلق ابو بکر البہو (م ۲۹۲ھ)
 - ۳۱۔ مسند ابراہیم بن محفل ابو اسحاق (م ۲۹۵ھ)
 - ۳۲۔ مسند اسماعیل بن اسحاق ابو اسحاق القاضی (م ۲۹۹ھ)
- اصحاب سانیہ میں سے چار محدثین کے حالات زندگی بیان کئے جاتے ہیں۔

۱۔ امام ابو داؤد طیالسی (م ۲۰۴ھ)

نام و نسب: سلیمان نام، ابو داؤد کنیت اور نسب نامہ یہ ہے۔ سلیمان بن داؤد بن جارد (۵۷)۔
پیدائش: ۱۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔

خاندان و وطن

آبائی وطن فارس ہے۔ بصرہ میں مستقل بود و باش اختیار کر لی تھی۔ اصلاً غلام زادہ تھے۔ ان

کے والدین قبیلہ قریش کے موالی تھے۔ فارسی، بصری، قریشی، اور طلیسی کی نسبتوں سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور نسبت طلیسی ہے۔ جو طلیسہ کی جانب ہے۔ طلیسہ طلیسان کی جمع ہے۔ یہ ایک قسم کی چادر ہوتی ہے جس کو اہل عرب عماموں کے اوپر اوڑھتے تھے۔ اس نسبت سے جو لوگ منسوب ہیں ان میں ابوداؤد سب سے زیادہ مشہور اور ممتاز ہیں۔ طلیسان فارسی زبان کا لفظ ہے۔ اصمعی کے نزدیک وہ اصل میں تالشان (تالسان) تھا اور معرب ہو کر طلیسان ہو گیا ہے۔

اساتذہ و شیوخ

حافظ ابوداؤد الطلیسی کو دوسری صدی ہجری کا مبارک زمانہ ملا جو علم و فضل اور خیر و برکت کے لحاظ سے خیر القرون میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس لیے ان کو مقدس اور برگزیدہ علمائے اسلام کی صحبت میسر آئی اور بڑے بڑے محدث علماء سے استفادہ کیا۔ ان کے اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار شیوخ سے حدیثیں لکھیں۔ ان میں ابن عون اور ان کے مرتبہ کے متعدد لوگ تھے۔ بعض شیوخ کے نام حسب ذیل ہیں۔

ابان بن یزید عطار، ابراہیم بن سعد، ایمن بن ثابت، جریر بن حازم، جریر بن عبد الحمید، حبیب بن یزید، حرب بن شداد، حماد بن درہم، حماد بن سلمہ، زائدہ بن قدامہ، زہیر بن معاویہ، سفیان بن سعید ثوری وغیرہ (۵۸)۔ جس طرح انہوں نے بے شمار مشائخ سے اکتساب فیض کیا تھا۔ اسی طرح ان کے دامن سے بھی بکثرت طلبہ اور محدثین وابستہ ہوئے۔ ان میں سے بعض مشہور لوگوں کے نام یہ ہیں:

احمد بن ابراہیم دورق، احمد بن حنبل، اسحاق بن منصور کوج، ابو مسعود رازی، ابن فرات، حجاج بن یوسف الشاعر، عباس دوری، عبد اللہ بن محمد مسندی، عثمان بن ابی شیبہ، علی بن مدینی، علی بن مسلم طوسی، محمد بن رافع، ہارون جمال، یعقوب بن ابراہیم دورق اور یونس بن حبیب اسمہانی وغیرہ۔

آپ کے استاد جریر بن عبد الحمید نے بھی آپ سے روایت کیا ہے۔ مؤلفین صحاح ستہ اور امام طلیسی کے زمانہ میں کافی تفاوت ہے۔ اس لیے ان میں سے تین نے آپ سے بالواسطہ روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے امام بخاری اور مولانا عبد الرحمن مبارکپوری نے امام ترمذی کے سلسلہ رواۃ میں ان کا نام لکھ دیا ہے (۵۹)۔

رحلت و سفر

ابوداؤد کے مشائخ کے ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے حدیث کی طلب و جستجو کیلئے مختلف مقامات کا سفر کیا ہوگا۔ لیکن کتابوں میں صرف بغداد اور اسمہان کے سفر کا ذکر کیا ہے۔

فضل و کمال

حدیث کے علاوہ ان کے دوسرے علمی کمالات پر وہ خفا میں ہیں اس لیے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کن کن علوم و فنون میں جامعیت رکھتے تھے۔ صرف فن حدیث میں ان کی مہارت و ژرف نگاہی معلوم ہوتی ہے جس نے ان کو مرتبہ امامت پر فائز کیا۔

حفظ و ضبط

ان کا حافظہ غیر معمولی تھا۔ علمائے فن اور ان کے معاصرین نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ بعض علما کا بیان ہے کہ ”ان کو تیس اور بعض نے کہا ہے کہ چالیس ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں۔“ یونس بن حبیب اسمہانی فرماتے ہیں کہ انہوں نے اسمہان میں ایک لاکھ حدیثیں محض اپنی یادداشت سے الما کرائیں۔ عمرو بن علی فلاس کہتے ہیں۔ ”حدیثین کے زمرہ میں مجھ کو کوئی شخص ابوداؤد سے بڑا حافظ نظر نہیں آیا۔ میں نے ان کو خود فرماتے ہوئے سنا کہ میں تیس ہزار حدیثیں زبانی بیان کر سکتا ہوں۔ علی بن مدینی کا بیان ہے کہ میری نظر سے کوئی ان سے زیادہ حدیثوں کا حافظ نہیں گزرا۔ محمد بن بشار کا قول ہے کہ جتنی حدیثیں ابوداؤد سے لکھی گئیں اتنی کسی اور محدث سے نہیں لکھی گئیں اور وکیع کا بیان ہے کہ ”طویل حدیثوں کا ان سے بڑا کوئی حافظ نہیں رہا۔“ شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں: ”ابوداؤد طویل حدیثوں کو اچھی طرح محفوظ کرتے تھے اور اس وصف میں اپنے معاصرین سے ممتاز تھے“ (۶۰)۔

عدالت و ثقاہت

ثقاہت میں بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ علمائے جرح و تعدیل نے ان کی توثیق کی ہے۔ عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں۔ ”وہ لوگوں میں سب سے زیادہ سچے تھے۔“ ابوالمرزہ نعمان کا ارشاد ہے کہ ”وہ ثقہ اور معتبر تھے۔“ ابن معین سے شعبہ کے تلامذہ کے متعلق دریافت کیا گیا کہ ابوداؤد طحاوی اور

حری میں آپ کے نزدیک کون زیادہ بہتر ہے تو انہوں نے فرمایا کہ ابو داؤد و صدوق ہیں اس لیے وہ مجھ کو زیادہ پسند ہیں۔ ابن عدی عمرو کی رائے کی تصدیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ میرے اور دوسروں کے نزدیک معیض اور ثابت تھے۔ ابو حاتم ان کو صدوق محدث قرار دیتے ہیں۔ امام نسائی کا ارشاد ہے کہ ”ابو داؤد ثقہ اور لوگوں میں سب سے زیادہ سچے تھے“۔ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں بخاری بن معین و ابن المدینی و فلاس و کج و دیگر علمائے رجال التحدیل و توثیق مفرط نمودہ اند (۶۱)۔

معرفۃ حدیث

وہ حدیثوں کے صرف ناقل و حافظ ہی نہ تھے بلکہ ان کی پرکھ میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ بندار کا بیان ہے کہ وہ حدیث اور معرفۃ حدیث کے لحاظ سے نہایت برتر تھے۔
 کج جیسے نامور محدث، حدیث میں ان کی غیر معمولی واقفیت اور تمیز کی بنا پر ان کو ”جبل العلم“ کہتے تھے۔ بخاری بن معین ان کو عبدالرحمن بن مہدی سے بھی زیادہ صاحب علم اور حدیثوں کا واقف کار بتاتے ہیں۔ ان کے استاد شعبہ کو ان کے علم و تمیز پر اتنا اعتماد تھا کہ اپنی عدم موجودگی میں ان کو مسند دوس پر رونق افروز ہونے کی اجازت دیتے تھے۔ ابو حاتم کا بیان ہے کہ معرفت حدیث میں ان کا مقام اتنا بلند تھا کہ وہ شعبہ سے مذاکرہ کر سکتے تھے۔ اس سلسلے میں ابو داؤد کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ بعض محدثین اور شیوخ کی روایات سے ان سے زیادہ کوئی واقف کار نہ تھا۔ عثمان بری کے متعلق وہ خود فرماتے ہیں کہ میرے سینہ میں ان کی بارہ ہزار حدیثیں محفوظ ہیں۔ مشہور محدث شعبہ کی روایتوں کے لیے تو وہ سند کی حیثیت رکھتے تھے۔ ابو مسعود رازی کا بیان ہے کہ شعبہ کی روایتوں کے معاملہ میں ابو داؤد سے زیادہ کوئی واقف کار مجھ کو نہ ملا (۶۲)۔

اخلاق و عادات

ابو داؤد طیالسی کے اخلاق و عادات اور اعمال و عبادات وغیرہ کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔ بعض اوقات ضما ان کے بعض اوصاف کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً اصہبان میں ایک لاکھ احادیث اٹھا کر ان کے بعد جب ان کو اپنی غلطیوں کا پتہ چلا تو انہوں نے ان کو تسلیم کر لیا اور اپنے شاگردوں کو بھی ہدایت کی کہ وہ بھی ان کی تصحیح کر لیں۔ امام احمد نے بھی ان کی اس خوبی کا ذکر کیا ہے کہ وہ اپنی غلطی پر اصرار نہیں

کرتے تھے۔

وفات

مشہور روایت کے مطابق ۷۲ سال کی عمر میں سنہ ۲۰۳ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ بعض لوگوں نے صفر اور بعض نے ربیع الاول سنہ ۲۰۴ھ بتایا ہے۔ حاکم بصرہ بخاری بن عبد اللہ بن عمر نے نماز جنازہ پڑھائی (۶۳)۔

مسند ابی داؤد طیالسی

مسانید کے جو مجموعے مشہور و متداول ہیں۔ ان میں ایک ابوداؤد طیالسی کی مسند بھی ہے۔ اس کی اہمیت اس لیے زیادہ ہے کہ وہ دوسرے مسانید کے مقابلہ میں زیادہ قدیم ہے۔ بعض علما نے اس کو سب سے قدیم مسند بتایا ہے۔ حاکم صاحب مستدرک فرماتے ہیں کہ علما نے اسلام میں عبید اللہ بن موسیٰ اور ابوداؤد طیالسی نے سب سے پہلے تراجم رجال پر مسانید مرتب کیں۔ لیکن علما نے محققین کی ایک جماعت کو اس رائے سے اتفاق نہیں ہے کہ وہ کہتے ہیں ”عام مصنفین مسانید کے مقابلہ میں ابوداؤد کا زمانہ قدیم ہے۔ اس لیے لوگوں نے ان کی سند کو بھی سب سے قدیم سمجھ لیا۔ حالانکہ اس کی جمع و ترتیب ان کے بعد بعض متاخرین خراسانی حفاظ نے کی ہے۔ بہر حال اس کی قدامت سے انکار نہیں کیا جاسکتا گو بعض مشہور کتب حدیث کی طرح ان کی مسند کو زیادہ شہرت نصیب نہیں ہوئی لیکن اس کو مسانید میں ایک گونہ خصوصیت حاصل ہے (۶۴)۔

ترتیب و تہویب

یہ مسند گیارہ اجزاء پر مشتمل ہے۔ اس کی ترتیب میں بڑی حد تک مسانید کے عام اصول کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ یعنی صحابہ کے شرف و تقدم اور سبقت فی الاسلام کے لحاظ سے روایتیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلے خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ اور کبار صحابہ کی حدیثیں ہیں۔ چھٹے جز کے آخر سے صحابیات کی مرویات کا سلسلہ شروع ہو کر ساتویں جز میں ختم ہوتا ہے۔ سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ اور اس کے بعد حضرت عائشہؓ اور حضرت ھضہؓ کی روایات ہیں۔ ہر صحابی کی حدیثیں الگ الگ عنوان سے ہیں۔ بعض صحابہ کی حدیثیں

دو جگہ بھی نقل ہو گئی ہیں۔ بعض مقامات پر ایک صحابی کی روایتوں میں دوسرے صحابی کی روایتیں بھی خلط ملط ہو گئی ہیں۔ مسند کی باقاعدہ جمع و ترتیب کا کام بعض اہل خراسان نے کیا اور زیادہ تر روایتیں یوسف بن حبیب کے واسطے سے مروی ہیں (۶۵)۔

خصوصیات

- ۱۔ اس کی سب سے اہم خصوصیت اس کی قدامت ہے۔
- ۲۔ مسند کی اکثر روایتیں دوسری مشہور کتب حدیث میں موجود ہیں۔
- ۳۔ کہیں کہیں آثار صحابہ بھی نقل کیے گئے ہیں۔
- ۴۔ حدیث کی کتابوں کی عام خصوصیات مثلاً رواۃ کے ناموں کے متعلق مختلف قسم کی وضاحتیں، کثرت طرق، تعدد اسناد، اختلاف الفاظ و معانی یا خاص اضافہ و کمی کا ذکر، روایتوں کے باہمی فرق، رواۃ کے سہو و نسیان، روایات کے درجہ و حیثیت کی تشریح، روایتوں کے درمیان باہمی ترجیح، روایات کی تصویب، ان کے یارادوں کے متعلق اپنے یا اپنے شیوخ کے شک و تردید کا اظہار، مشکل الفاظ، روایات کے ابہام اور مفہوم کی وضاحت اور ان کے بعض خاص پہلوؤں اور نکتوں کی تشریح وغیرہ اس میں بھی موجود ہیں۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ساتویں صدی ہجری سے قبل کا خدا بخش خاں لاہوری پٹنہ میں موجود ہے۔

یہ مسند پہلی مرتبہ مطبع دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد سے ۱۳۲۱ھ میں شائع ہوئی ہے۔ صفحات کی تعداد ۳۹۲ ہے۔ ارکانہ دائرہ نے حاشیے میں متعدد کتب حدیث خصوصاً مسند احمد، سنن ترمذی اور سنن ابی داؤد سے اس کی حدیثوں کی مطابقت یا اختلاف کو دکھایا ہے۔ اور کہیں لغات اور بلا وادماکن وغیرہ کی بھی مختصر تشریح کی ہے۔ خاتمہ میں مسند کے قدیم نسخہ سے اس نسخہ کے اختلاف کا مقابلہ کیا گیا ہے اس کے بعد اداروں نے بھی اس کو شائع کیا ہے۔

بعض اعتراضات اور ان کا جواب

ابوداؤد طیالسی پر سہو و خطا اور تدلیس کے اعتراضات بھی ملتے ہیں۔

خطا ابو حاتم، ابراہیم جوہری، ابن سعد اور علامہ ذہبی وغیرہ نے ان کی بھول چوک اور خطا و لسیان کا ذکر کیا ہے مگر ان سے ابوداؤد کے حفظ و ضبط، علم و فضل اور ثقاہت میں فرق نہیں آتا۔ خطا و لسیان تو بشریت کا خاصہ ہے جس سے کوئی بھی محدث بری نہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے اعتراض کیا ہے وہ بھی ان کو ثقہ اور ضابطہ مانتے ہیں۔ فلاس کا بیان ہے کہ ”میں جانتا ہوں کہ علامت منافق والی حدیث میں کسی نے ان کی متابعت نہیں کی ہے تاہم اس کے باوجود وہ ثقہ و ضابطہ ہیں۔“

دوسری چیز یہ ہے کہ محدثین اور علمائے فن کے نزدیک سہو و خطا کرنے والا متروک الحدیث نہیں سمجھا جاتا۔ آئمہ و صحاح کی کتابوں میں بھی ایسے رواق کی روایتیں موجود ہیں۔ اس لیے یہ اہرام خواہ صحیح ہو یا غلط اس سے ابوداؤد کی عظمت میں کوئی فرق نہیں۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ابوداؤد طیالسی کے حافظہ میں حدیثوں کا بڑا ذخیرہ محفوظ تھا اور وہ اپنی یادداشت سے حدیثیں بیان کرتے تھے۔ اس لیے ان سے بھول چوک کا ہونا تعجب انگیز نہیں ہے۔ ایک مرتبہ کسی نے امام احمد سے ان کی غلطیوں کا ذکر کیا تو فرمایا ان کی غلطی کو غلطی نہیں کہنا چاہیے۔ خطا کا یہ اہرام اس وقت درست ہو سکتا ہے۔ جب ان سے ان کی غلطی کا تذکرہ کیا جائے اور وہ متنبہ نہ ہوں۔ لیکن ان کا حال یہ ہے کہ ان سے جس وقت ان کی غلطی کا تذکرہ کیا جاتا ہے وہ فوراً متنبہ ہو جاتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں۔ دوسرے مؤرخین نے اور آئمہ تعدیل نے بھی اس قسم کی توجیہ بیان کی ہے (۶۶)۔

تدلیس

دوسرا اعتراض تدلیس کا ہے یعنی وہ ایک راوی کی روایت کو دوسرے کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ ”ابوداؤد نے ہم سے ابو یحیٰی کے واسطے سے بیس سے کچھ زیادہ حدیثیں بیان کیں مگر ان میں سے ایک کے علاوہ جس کو میں نہیں جانتا تھا باقی حدیثیں یزید بن ذریج کی تھیں۔“

حافظ ابن حجر نے دو در واقعات نقل کیے ہیں۔ ان میں سے ایک محمد ابن منہال کے واسطے سے اور دوسرا امام دارقطنی کی کتاب الجرح و تعدیل سے ماخوذ ہے۔ ان تینوں واقعات سے خود ظاہر ہے کہ ابوداؤد نے غلطی سے روایت کا انتساب اصل راوی کی بجائے دوسرے کی جانب کر دیا ہے۔ خود حافظ

ابن حجر نے جو ان واقعات کے ناقل ہیں انہیں تحریف و تدلیس کے بجائے سہو و نسیان پر محمول کرنے کی کوشش کی ہے اور بجز ایک قلیل جماعت کے جمہور کا فیصلہ یہی ہے کہ تدلیس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ سفیان ثوری جیسے بزرگ جو امیر المؤمنین فی الحدیث کہلاتے ہیں تدلیس کرتے ہیں اور بہت سے اہل کوفہ بھی تدلیس کرتے تھے۔ ابن الصلاح لکھتے ہیں۔

صحیح یہ ہے کہ تدلیس جس چیز کو لفظ محتمل سے روایت کرے اور سماع و اتصال کی وضاحت نہ کرے تو اس کا حکم مرسل اور اس کی قسموں جیسا ہے لیکن جس روایت کو ایسے الفاظ سے بیان کیا جائے جن سے اتصال کی صراحت ہوتی ہے جیسے سمعت حدیثا، خبرنا وغیرہ تو وہ مقبول اور قابل حجت ہے۔ صحیحین وغیرہ کتب معتبرہ میں بھی اس قسم کی بے شمار روایتیں ہیں۔ جیسے قتادہ، اعمش، سفیان بن عیینہ اور ہشام بن بشر وغیرہ کے واسطہ سے اور یہ اس بنا پر کہ تدلیس دراصل کذب نہیں بلکہ ایک طرح کا ابہام ہے جو لفظ محتمل کی بنا پر ہوتا ہے (۶۷)۔

۲۔ امام عبداللہ بن زبیر حمیدی (م ۲۱۹ھ)

عبداللہ نام، ابو بکر کنیت اور نسب نامہ یہ ہے۔ عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ بن عبید اللہ۔ ان کا خاندان عربی النسل اور وطن مکہ معظمہ تھا۔ وہ حمیدی، اسدی، زبیری، قریشی اور کئی کی نسبتوں سے مشہور ہیں۔ سب سے مشہور نسبت قریش کے مشہور قبیلہ اسد کے ایک معزز فرد حمید کی جانب ہے۔ سال ولادت کا پتہ نہیں چلتا (۶۸)۔

اساتذہ

ان کے بعض مشہور شیوخ کے نام حسب ذیل ہیں:

ابراہیم بن سعد، سفیان بن عیینہ، عبدالعزیز بن حازم، فضیل بن عیاض، محمد بن ادریس شافعی، مروان بن معاویہ، وکیع اور ولید بن مسلم وغیرہ ان بزرگوں میں سفیان بن عیینہ اور امام شافعی سے ان کو بڑا خاص تعلق تھا۔ ۱۹، ۲۰ سال تک سفیان کی خدمت میں رہنے اور استفادہ کرنے کا موقع ملا ان کی دس ہزار حدیثیں حمیدی کو زبانی یاد تھیں۔ ان کی مرویات کے سب سے زیادہ معتبر اور قابل وثوق راوی سمجھے جاتے تھے۔ امام شافعی کی صحبت میں بھی ایک عرصہ تک رہے۔ ان کے ہمراہ مصر تشریف لے گئے اور فقہ کی تکمیل

تخریج کی۔

تلامذہ

ان کے اکثر تلامذہ فن حدیث کے ممتاز ماہرین تھے۔ بعض کے نام یہ ہیں:

احمد بن ازہر نیشاپوری، اسماعیل بن عبداللہ، بشر بن موئنی، سلمیٰ بن شعیب، محمد بن احمد قرطبی، ہارون جمال، یعقوب ابن ابی شیبہ، یعقوب بن سفیان اور یوسف بن موسیٰ قطان، امام بخاری ان کے خاص فیض یافتہ لوگوں میں تھے اپنی صحیح میں مکمل حدیثیں ان کے واسطہ سے روایت کی ہیں (۶۹)۔

فضل و کمال

ان کے علم و فضل اور امامت پر محدثین اور ارباب فن کا اتفاق ہے۔ امام احمد اور امام بخاری نے ان کو امام کہا ہے۔ اسحاق بن راہویہ کا بیان ہے کہ ”ابو عبیدہ، شافعی اور حمیدی ہمارے زمانہ میں امام ہیں۔“ ذہبی فرماتے ہیں کہ: ”حمیدی مشہور اور کبار آئمہ دین میں سے تھے۔“ خود حمیدی کا بیان ہے ”عراق میں احمد، خراسان میں اسحاق اور حجاز میں مجھ سے سبقت لے جانے والا کوئی نہیں۔“

ضبط و ثقاہت

ان کی قوت حافظہ اور ثقاہت مسلم ہے۔ امام شافعی کو ان کے غیر معمولی حافظہ کا اعتراف تھا۔ مؤرخین نے ان کو کثیر الحدیث لکھا ہے۔ ان کے علم و حافظہ میں احادیث کا وافر ذخیرہ اور وسیع سرمایہ محفوظ تھا۔ امام بخاری کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ ان کی روایت ملنے کے بعد وہ دوسروں کی روایات کی پرواہ نہیں کرتے تھے (۷۰)۔

فقہ و اجتہاد

فقہ و اجتہاد میں بھی ان کا پانی نہایت بلند تھا۔ امام شافعی سے اس کی تحصیل کی تھی اور امام بخاری حدیث کی طرح فقہ میں بھی ان کے شاگرد تھے اور ان سے اسی کی تحصیل کی تھی۔ مکہ کے فقیہ و مفتی کی حیثیت سے حمیدی کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ مصر سے واپسی کے بعد وہ یہاں فقہ و افتاء کا کام عمر بھر انجام دیتے رہے۔ صاحب مستدرک لکھتے ہیں: ”وہ مکہ کے مشہور عالم و محدث اور مفتی تھے۔“ حدیث و

فقہ میں ان کا وہی درجہ اور مرتبہ تھا جو امام احمد کا عراق میں تھا۔

زہد و ورع

ورع و تھکوی اور دیانت و پاکبازی میں بھی ممتاز تھے۔ ابن عدی نے ان کی نیکی اور پاکبازی کا ذکر کیا ہے۔ ابن حبان نے ان کو صاحب سنت بتایا ہے۔ احادیث و آثار سے شدت تمسک کی بنا پر وہ اہل رائے کو ناپسند کرتے تھے۔ اس کا اندازہ ان کے رسالہ اصول السنۃ سے ہوتا ہے (۱)۔

عقیدہ و مسلک

عقیدہ و عمل کے لحاظ سے وہ محدثین اور سلف کے مسلک پر عامل تھے۔ وہ اس عقیدہ کے حامل تھے کہ ایمان قول و عمل دونوں کا نام ہے اس میں کمی و بیشی ہوتی ہے۔ سفیان بن عیینہ کے سامنے ان کے بھائی ابراہیم نے کہا کہ ”ایمان کم نہیں ہوتا“۔ تو وہ غضب ناک ہو گئے اور فرمایا: ”تم بچے ہو، ان مسائل کے بارے میں لب کشائی نہ کرو۔ ایمان کم بھی ہوتا ہے اور سلب بھی ہو جاتا ہے۔ ایمان و عمل کا اعتبار نیت پر موقوف ہے۔“

تقدیر

تقدیر کے خیر و شر ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ جو کچھ ہوا ہے اس کا ہونا ضروری تھا اور نہ ہونا ناممکن تھا۔ اور جو کچھ نہیں ہوا ہے اس کا نہ ہونا ممکن نہیں تھا۔

قرآن

قرآن اللہ کا کلام ہے جو لوگ اس کو مخلوق کہتے ہیں وہ مبتدع اور سلف صالحین کے مسلک سے منحرف ہیں۔

روایت موت کے بعد مومنین دیدار الہی سے مشرف ہوں گے۔

صفات الہی

قرآن کی وہ آیتیں جن میں اللہ کے یہ ویمین اور استواء و تمکین وغیرہ کا ذکر ہے یا اس قسم کی

جو حدیثیں ہیں ان کے مجدد بیان پر اکتفا اور توقف کرنا چاہیے نہ ان میں کسی اضافہ کا ہم کو حق ہے اور نہ تشریح و تفسیر کا اس قسم کی آیات و احادیث میں بحث و کلام کرنے والے اہل باطل اور فرقہ جمہ و مصلہ میں شامل ہیں۔

مرتبین کبار

کبار کے مرتبین کو کافر سمجھنا خوارج کا عقیدہ ہے۔ گناہ کرنے سے انسان کافر نہیں ہوتا۔

احترام صحابہ

مسلمانوں کو صحابہ کرام کے لیے دعا و استغفار کرنی چاہیے۔ قرآن مجید میں ہے۔

”رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِأَخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا“ (۷۲) (اے رب بخش دے ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بغض ایمان والوں کا)۔ اگر کوئی شخص ایک صحابی کو بھی برا بھلا کہے تو وہ جادہ سنت سے منحرف ہے (۷۳)۔

وفات

اپنے وطن مکہ میں ربیع الاول ۲۱۹ھ میں وفات پائی۔ ۲۲۰ھ بھی وفات بتایا جاتا ہے۔

تصنیفات

رسالہ اصول السنہ کے علاوہ ان کی دوسری کتابوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ کتاب الریاض العمان۔ ۲۔ کتاب التفسیر۔

۳۔ مسند حمیدی۔ یہ سب سے زیادہ مشہور کتاب ہے جو ۱۱ اجزاء اور ۱۲۹۳ حدیثوں پر مشتمل ہے۔ اس کی اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں:

۱۔ اس کا شمار قدیم ترین کتب مسانید میں ہوتا ہے۔ اور اغلب یہ ہے کہ مکہ میں سب

سے پہلے یہی مسند مرتب کی گئی تھی۔

۲۔ اکثر روایات مرفوع ہیں۔ موقوف روایتیں کم ہیں۔

۴۔ احادیث کے نقل و روایت ہی پرکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ایک ماہر فن کی طرح ان

کے متعلق مختلف النوع معلومات بھی درج ہیں:

مسند کے مخطوطے دارالعلوم دیوبند، حیدرآباد (سندھ) کے قریب نجوسعدیہ باو مکتبہ الراشدیہ الشیخ شاہ بدیع الدین الراشدی، و جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن) اور دمشق کے دارالکتب لفظاریہ میں موجود ہیں۔ مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے ان نسخوں کی مدد سے مسند کو پہلی مرتبہ ۱۹۶۳ء میں دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔ حواشی میں مشکل الفاظ کی تشریح، اختلاف نسخ اور مختلف کتب حدیث سے اس کی حدیثوں کے باہمی اختلاف و مطابقت وغیرہ کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ حافظ ابن حجر نے مطالب عالیہ میں مسند کے زوائد بیان کئے ہیں (۷۴)۔

۳۔ امام اسحاق بن راہویہ (م ۲۳۸ھ)

اسحاق نام، ابو یعقوب کنیت اور ابن راہویہ لقب تھا۔ اسحاق کے والد ابراہیم بن مہدی میں تھے کہ انکی والدہ نے مکہ معظمہ کا سفر کیا۔ اسی سفر میں کسی مقام پر ان کی ولادت ۱۶۱ھ میں ہوئی۔ اس لیے اہل مرو انہیں راہوی یا راہویہ یعنی راستہ والا کہتے تھے۔ اسحاق کا بیان ہے کہ میرے والد کو جب لوگ راہویہ کہتے تھے تو ان کو ناگوار ہوتا تھا لیکن مجھے ابن راہویہ کہا جاتا ہے تو کوئی ناگواری نہیں ہوتی (۷۵)۔

خاندان و وطن

ان کا وطن خراسان کا مشہور شہر مرو تھا۔ لیکن انہوں نے نیشاپور میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس لیے مروزی اور نیشاپوری کہلاتے ہیں۔ حمسی اور حظلی کی نسبتوں سے ان کا عربی النسل ہونا ظاہر ہوتا ہے (۷۶)۔

اساتذہ

ان کے مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں: ابن اسامہ، ابو بکر بن عیاش، ابو معاویہ، اسباط بن محمد،

اسماعیل بن علیہ، بشر بن مفضل، بقیہ بن ولید، جریر بن عبد الحمید رازی، حاتم بن اسماعیل، عبد الرحمن بن مہدی، عبد الرزاق بن ہمام، عبد اللہ بن مبارک، عبدہ بن سلیمان، عبد الوہاب ثقفی، عمر بن ہارون، عیسیٰ بن یونس، معاذ بن ہشام، وکیع بن جراح، ولید بن مسلم اور سحلی بن واضح وغیرہ۔

تلامذہ

ابن راہویہ کے تلامذہ کے مختلف طبقے ہیں۔ ان کے بعض اساتذہ بقیہ بن ولید، محمد بن سحلی ذہلی اور سحلی بن آدم وغیرہ اور معاصرین میں احمد بن حنبل، اسحاق بن منصور کو ج، محمد بن رافع اور سحلی بن معین اور عزیزوں میں فرزند محمد نے بھی استفادہ کیا ہے۔ اور صحابہ ستہ کے مصنفین میں امام ابن ماجہ کے علاوہ سب کو ان سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ بعض اور ممتاز تلامذہ کے نام حسب ذیل ہیں۔

ابراہیم بن ابی طالب، احمد بن سلمہ، اسحاق بن ابراہیم نیشاپوری، حسن بن سفیان، اور موسیٰ بن ہارون وغیرہ (۷۷)۔

طلب حدیث کے لیے سفر

علامہ ابن عساکر اور حافظ ابن حجر نے ان کو کثرت سے سفر کرنے والے حدیث کی طلب و تحصیل کے لیے مختلف شہروں میں کہہ کر ذکر کیا ہے اور خطیب نے لکھا ہے کہ حجاز، عراق، یمن اور شام وغیرہ مراکز حدیث کا سفر کیا اور بغداد کوئی بار تشریف لائے۔ عراق کا سفر ۲۳ سال کی عمر میں ۱۸۴ھ میں کیا تھا (۷۸)۔

علم و فضل کا اعتراف

اسحاق بن راہویہ بلند پایہ علمائے اسلام میں سے تھے۔ معاصرین علماء اور اساطین فن نے ان کے فضل و کمال اور علمی عظمت و بلند پایگی کا اعتراف کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل جو ان کے بڑے مداح اور قدردان تھے۔ فرماتے ہیں: ”خراسان و عراق میں ان کا کوئی ہمسر نہیں۔ بغداد کے اس ہل کو ان سے زیادہ عظیم و برتر کسی آدمی نے عبور نہیں کیا۔ گو بعض مسائل میں ہمارا اور ان کا اختلاف ہے اور اہل علم میں اختلافات تو ہوا کرتے ہیں۔“

ایک مرتبہ اسحاق کے صاحبزادے محمد امام احمد کی خدمت میں حصول علم کے لیے حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا کہ تمہارا اپنے والد سے وابستہ رہنا زیادہ مفید اور بہتر ہے۔ ان سے زیادہ پر عظمت آدمی تمہاری آنکھوں نے نہ دیکھا ہوگا۔ امام احمد ان کی عظمت کے اس حد تک قائل تھے کہ اگر ان کے سامنے کوئی انہیں ابن راہویہ کہتا تو ناگواری کا اظہار کرتے اور فرماتے کہ اسحاق بن ابراہیم حنبلؒ کہا کرو!

محمد بن اسلم کہتے ہیں کہ اگر امام ثوری زندہ ہوتے تو اسحاق کے علم و فضل سے بے نیاز نہ رہتے۔ احمد بن سعید باطنی کا قول ہے کہ ابن عیینہ اور حماد بھی ان کے محتاج ہوتے۔ محمد بن یحییٰ مغانی نے سنا تو کہا کہ اگر حسن بصری زندہ ہوتے تو اکثر چیزوں میں ان کو اسحاق کی طرف رجوع کرنا پڑتا۔ ابن خزیمہ کا بیان ہے کہ اگر وہ تابعین کے زمانہ میں ہوتے تو وہ لوگ بھی ان کے علم و فضل کے معترف ہوتے۔ یحییٰ بن یحییٰ کا بیان ہے کہ خراسان میں علم کے دو خزانے تھے۔ ایک محمد بن سلام بکندی کے پاس دوسرا اسحاق بن راہویہ کے پاس ہے۔ حسین بن منصور بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں یحییٰ اور اسحاق کے ہمراہ ایک شخص کی عیادت کرنے گیا۔ جب ہم لوگ ان کے گھر گئے تو اسحاق پیچھے ہو گئے اور یحییٰ سے کہا آپ پہلے داخل ہوں کیونکہ آپ ہم سے عمر میں بڑے ہیں۔ انہوں نے کہا بے شک میں عمر میں بڑا ہوں لیکن علم و فضل میں آپ فائق ہیں اس لیے آپ ہی پہلے چلیں۔ حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں ”وہ جلیل القدر علمائے اسلام اور نامور محدثین حفاظ میں سے تھے“ (۷۹)۔

شرف امامت

اسحاق بن راہویہ کا شمار ان آئمہ میں ہوتا ہے جو صاحب مذہب فقیہ و مجتہد تھے۔ مگر اب ان کا فقہی اور اجتہادی مذہب مٹ چکا ہے۔ لیکن ایک زمانہ میں یہ بھی مسلمانوں کا معمول بہ مسلک رہا ہے۔ امام احمد اور امام نسائی ان کے متعلق فرماتے ہیں مسلمانوں کے ایک امام یہ بھی ہیں۔ ایک دن امام احمد سے ان کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا وہ مسلمانوں کے امام ہیں۔ ہمارے نزدیک شافعی، حنبل، حنفی اور اسحاق تینوں امام ہیں۔ محمد بن نصر فرماتے ہیں۔ وہ ہمارے اور ہمارے مشائخ کے بزرگ تھے۔ فضل شعرانی فرماتے ہیں۔ وہ بلا شک و شبہ خراسان کے امام تھے (۸۰)۔

علم حدیث میں کمال و امتیاز

علم حدیث سے ان کو خاص تعلق تھا اور وہ اکابر محدثین اور نامور حفاظ میں شمار کیے جاتے ہیں۔
 خطیبی کا بیان ہے کہ وہ شہنشاہ حدیث تھے۔ حدیثوں کی نشر و اشاعت، درس و مذاکرہ، حفظ و ضبط اور حزم و احتیاط کے لیے ان کی ذات بڑی اہمیت اور شہرت رکھتی ہے۔ ذیل میں ان کی خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حفظ و ضبط

اسحاق بن راہویہ کا حافظہ غیر معمولی تھا اور یادداشت حیرت انگیز تھی۔ ابن حبان، خطیب بغدادی اور ابن عساکر وغیرہ نے حافظہ میں ان کی جامعیت کا اعتراف کیا ہے۔ علامہ ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ اگر اسحاق تابعین کے عہد میں ہوتے تو وہ لوگ بھی ان کے حافظہ کے معترف ہوتے۔ ابویہ کی شعرانی کہتے ہیں کہ میں نے ان کے ہاتھ میں کبھی کتاب نہیں دیکھی۔ وہ ہمیشہ یادداشت سے حدیثیں بیان کرتے تھے۔ ان کا خود بیان ہے کہ میں نے کبھی کوئی چیز قلم بند نہیں کی جب بھی مجھ سے کوئی حدیث بیان کی گئی میں نے اسے یاد کیا۔ میں نے کسی محدث سے کوئی حدیث کبھی دوبارہ بیان کرنے کے لیے نہیں کہا۔ یہ کہنے کے بعد انہوں نے پوچھا کہ کیا تم لوگوں کو اس پر تعجب ہے؟ لوگوں نے کہا جی ہاں؟ یہ حیرت کی بات کی ہے۔ انہوں نے کہا جس چیز کو میں ایک مرتبہ سن لیتا ہوں وہ مجھے یاد رہتی ہے۔ متر ہزار سے زیادہ حدیثیں ہر وقت میری نگاہ کے سامنے رہتی ہیں اور میں ان کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ وہ کتاب میں کس جگہ پر ہیں؟ ابو داؤد خفاف کی روایت کے مطابق انہوں نے ایک لاکھ حدیثوں کے متعلق کہا کہ وہ میری نظر کے سامنے ہیں۔ میں ان کا مذاکرہ کر سکتا ہوں۔ ایک دفعہ انہوں نے گیارہ ہزار حدیثیں زبانی املا کرائیں۔ اور پھر دوبارہ کتاب سے ان کی قراءت کی تو ایک لفظ کی بھی کمی بیشی نہیں تھی (۸۱)۔

صدق و ثقاہت

اس غیر معمولی حفظ کے ساتھ اسی درجہ کی صدق اور ثقاہت بھی تھی۔ ابو حاتم فرماتے ہیں کہ کثیر الحفظ ہونے کے باوجود اسحاق کا ضبط و اتقان اور غلطیوں سے محفوظ رہنا حیرت انگیز ہے۔ خطیب

بغدادی وغیرہ لکھتے ہیں کہ وہ حفظ وثقاہت دونوں کے جامع تھے۔ ذہبی نے ان کو ثقہ و مامون کہا ہے اور ابن حبان نے ان کو اپنی کتاب ثقات میں لکھا ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ و مامون تھے۔ امام داری کا بیان ہے کہ اسحاق اپنے صدق کی وجہ سے اہل مغرب و مشرق کے سردار بن گئے تھے امام احمد کو ان کے صدق وثقاہت پر اتنا اعتماد تھا کہ ایک دفعہ انہوں نے ان سے کوئی حدیث پوچھی، جب اسحاق نے اسے بیان کیا تو ایک شخص نے اعتراض کیا کہ وکیع نے یہی روایت اس سے مختلف طریقہ پر بیان کی ہے۔ امام احمد نے برا فروختہ ہو کر کہا کہ خاموش رہو جب ابو یعقوب جو امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں کوئی روایت بیان کریں تو اسے بلا تامل قبول کر لینا چاہیے (۸۲)۔

حزم و احتیاط

حفظ حدیث کے ساتھ اتنے محتاط تھے کہ بچپن میں انہوں نے عبد اللہ بن مبارک سے حدیثیں سنی تھیں مگر ان کو روایت نہیں کرتے تھے کہ احتیاط کے خلاف ہے (۸۳)۔

حفاظت و اشاعت حدیث

ان کی ذات سے حدیث نبوی کی بڑی اشاعت اور سند نبوی کا بڑا احیا ہوا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اسحاق بن راہویہ نے سنتوں کا دفاع اور مخالفین حدیث کا قلع قمع کیا۔ وہب بن جریر کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسحاق، صدقہ بن الفضل اور یحمر کو ان کی اسلامی خدمات کا صلہ عطا فرمائے۔ ان لوگوں نے مشرق کی سرزمین میں حدیثوں کی اشاعت اور سند نبوی کا احیا کیا (۸۴)۔

فقہ و اجتہاد

حدیث کی طرح فقہ و اجتہاد کے ماہر بھی تھے۔ ابو اسحاق شیرازی، حاکم صاحب مستدرک اور خطیب نے ان کو فقہ و اجتہاد میں جامع اور اکابر فقہاء میں شمار کیا ہے۔ فقہی حیثیت سے بھی ان کا پایہ نہایت بلند تھا اور وہ مسلمہ امام اور صاحب مذہب فقہاء میں سے ہیں۔ اور متعدد علمائے ان کا محدث کے بجائے فقیہ و مجتہد ہی کی حیثیت سے ذکر کیا ہے (۸۵)۔

ابن راہویہ کے فقہی اصول اور بنیادیں

فقہ حدیث میں امام احمد بن حنبل اور اسحاق کا نام ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے۔ دونوں بزرگوں کی فقہ و اجتہاد کا دار و مدار حدیث پر ہے۔ شاہ ولی اللہ نے رسالہ ”الانصاف“ میں لکھا ہے کہ ان کے مسائل کی بنیاد احادیث اور اقوال صحابہ پر زیادہ ہے۔ ابو حاتم سے پوچھا گیا کہ آپ کا میلان دونوں کی جانب زیادہ ہے۔ فرمایا مجھے ان سے زیادہ ہر عظمت منقص نظر نہیں آتا۔ ان دونوں نے احادیث قلم بند کیں ان کا مذاکرہ کیا اور ان پر تصنیفات لکھیں۔

فقہ و اجتہاد میں ان کے کمال کا بھی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے امام شافعی جیسے عظیم المرتبت امام و مجتہد سے دو مرتبہ مناظرہ کیا اور صالح بن احمد روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مناظرہ کے موقع پر میرے والد بھی موجود تھے ان کا بیان ہے کہ اسحاق امام شافعی کے مقابلہ میں غالب نظر آ رہے تھے (۸۶)۔

پہلا مناظرہ

پہلی مرتبہ جب وہ امام احمد کے اصرار پر امام شافعی سے ملے تو انہوں نے مکہ کے مکانات کو کرایہ پر دیئے جانے کے متعلق ان سے مناظرہ کیا اور اسحاق کرایہ پر دینا جائز نہیں سمجھتے تھے اور امام شافعی جائز سمجھتے تھے۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ اُخْرِجُوا مِنْ ديارِهِمْ (۸۷)** (واسطے ان مفلسوں، وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے آئے ہیں اپنے گھروں سے)۔

دیار کی نسبت مالکوں کی طرف کی گئی ہے یا غیر مالکوں کی طرف۔ فقہ مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **”من اغلق بابہ فهو آمن ومن دخل دار ابی سفیان فهو آمن“** (جس نے اپنا دروازہ بند کر لیا اور جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا اس کو امان ہے)۔

یہاں دار و باب کی نسبت جس کی جانب کی گئی ہے کیا وہ اس کا مالک تھا یا نہیں؟ حضرت عمرؓ نے قید خانہ کے لیے جو مکان خریدا تھا وہ اس کے مالک یا غیر مالک سے خریدا تھا۔ اسی طرح رسول کریم ﷺ نے فرمایا: **”وهل ترك لنا عقيل من دار“** (کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر چھوڑا

(بھی ہے)۔

اسحاق کی دلیل یہ تھی کہ ان کی رائے کی تائید بعض تابعین سے منقول ہے۔ امام شافعی کا جواب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں کسی شخص کی رائے حجت نہیں ہو سکتی۔ اسحاق کی دوسری دلیل یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”سواء العاکف فیہ والباد“ (مسجد حرام میں مکہ کے باشندوں اور باہر کے لوگوں پر دونوں کا برابر حق ہے)۔ امام شافعی کے نزدیک یہ حکم مسجد حرام کے ساتھ خاص تھا۔ امام شافعی کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مکہ کی زمین لوگوں کے لیے مباح ہوتی تو رسول اللہ ﷺ ”لم یترک لنا عقیل“ کہنے کے بجائے یہ فرماتے کہ جو جگہ ہم کو مل جائے یا جس شخص کے گھر میں بھی ہم لوگ اتر پڑیں وہ گھر اور جگہ ہمارے لیے مباح ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ کی زمین لوگوں کی ملکیت بن سکتی ہے۔ اس لیے یہ کرایہ پردی جاسکتی ہے آخر میں اسحاق کو امام شافعی کی اصابت رائے کا اعتراف کرنا پڑا اور وہ امام شافعی کی عظمت اور علم و فضل کے معترف ہو گئے اور جب کبھی ان کا ذکر کرتے تو تعریف و توصیف کرتے اور اپنی بات پر نادم بھی ہوتے (۸۸)۔

دوسرا مناظرہ

دوسرے مناظرہ میں امام احمد بن حنبل شریک تھے اور غالباً اسی کے متعلق ان سے روایت ہے کہ اس میں امام شافعی کے مقابلہ میں اسحاق کی رائے وزنی معلوم ہوتی تھی۔ چنانچہ وہ اس مسئلہ میں اسحاق کے ہم نوا بھی ہو گئے تھے۔ اس مناظرہ کا موضوع بحث مردار کی کھال تھی۔ امام شافعی کے نزدیک وہ وباغت کے بعد پاک ہو جاتی ہے۔ اسحاق نے دلیل طلب کی تو انہوں نے حضرت میمونہ کی یہ حدیث بیان کی ”ان النبی مر بشلة ميتة فقال هلا انتفعتم بجلدها“ (آپ ﷺ نے ایک مردہ بکری دیکھ کر فرمایا کیوں نہیں تم لوگوں نے اس کی کھال سے فائدہ اٹھایا)۔ اسحاق نے اس کے جواب میں ابن حکیم کی یہ حدیث بیان کی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ لکھایا ”غیر مد یوغ کسی قسم کے چمڑے سے انتفاع نہ کرو“۔ یہ تحریر آپ کی وفات سے صرف ایک ماہ پہلے کی بات ہے اس لیے میمونہ کی روایت اس سے منسوخ ہو جاتی ہے۔ امام شافعی نے فرمایا کہ میں تو سامعی حدیث بیان کرتا ہوں اور آپ تحریر کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اسحاق نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے قیس و کسریٰ کے نام جو خطوط لکھے تھے وہ

تحریری تھے۔ اللہ کے ہاں ان کے خلاف حجت ہوں گے۔ اس جواب پر امام شافعی خاموش ہو گئے (۸۹)۔

مذہب و مسلک

اسحاق بن راہویہ خود صاحب مذہب مجتہد تھے۔ اس لیے چاروں مشہور اجتہادی مذاہب میں وہ کسی مذہب سے وابستہ نہ تھے البتہ ان کا رجحان امام احمد کی طرح حدیث و اتباع سنت کی جانب زیادہ تھا (۹۰)۔

عقیدہ

اسحاق بن راہویہ اتباع سنت اور طریقہ سلف کی پیروی میں نہایت تشدد تھے۔ اس لیے کلام و عقائد کے غیر ضروری مسائل میں بحث و تہقیق اور غور و خوض ناپسند کرتے تھے۔ ان کے زمانہ میں خلق قرآن کا معرکتہ لاءِ راہ مسئلہ پیش آیا۔ گو انہوں نے امام احمد کی طرح اس میں اولوالعزہ اور ثابت قدی نہیں دکھائی مگر وہ بھی قرآن کو خدا کا کلام اور غیر مخلوق سمجھتے تھے (۹۱)۔

زہد و اتقا

امام ابن راہویہ کے زہد و اتقا کے متعلق مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ حدیث و فقہ اور حفظ و صدق کی طرح ورع و تکوی کے بھی جامع تھے۔ محمد بن اسلم طوسی نے ان کی وفات کے وقت فرمایا۔ ”میں نے ان سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں“ (۹۲)۔

وفات

مشہور روایت کے مطابق انہوں نے ستر سال کی عمر میں ۱۴ یا ۱۵ شعبان سنہ ۲۳۸ھ کو انتقال کیا۔ بعض بزرگوں نے آپ کی بخشش و مغفرت کے خواب بھی دیکھے (۹۳)۔

اولاد آپ کی اولاد میں تین صاحبزادوں کا نام ضررنا ملتا ہے۔ ابو الحسن علی، محمد اور یعقوب (۹۴)۔

تصنیفات

علمائے طبقات و تراجم نے ان کو صاحب تصانیف کثیرہ لکھا ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب ضائع ہو گئیں جن تصنیفات کے نام معلوم ہو سکے ہیں وہ یہ ہیں:

- (۱) کتاب السنن فی الفقہ: اس کے نام سے موضوع ظاہر ہے۔
 - (۲) کتاب التفسیر: علامہ سیوطی نے عہد تابعین کے بعد کی جن تفسیروں کو اہم اور اقوال صحابہ و تابعین کی جامع قرار دیا ہے۔ ان میں سفیان بن عیینہ اور وکیع بن جراح وغیرہ کی تفسیروں کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کو وہ خود باقاعدہ مرتب و مکمل کر چکے تھے اور اس کی اطاء بھی کرائی تھی (۹۵)۔
 - (۳) مسند: یہ ان کی سب سے اہم اور مشہور تصنیف ہے۔ حاکم نیشاپوری نے دوسرے دور کی مسانید میں امام احمد کی مسند کے ساتھ اس کا نام بھی گنویا ہے۔ اس کی ترتیب و تکمیل سے بھی وہ اپنی زندگی میں فارغ ہو چکے تھے اور اپنے شاگردوں کو زبانی اور پڑھ کر اس کی اطاء بھی کرائی تھی۔
- علامہ سیوطی فرماتے ہیں: ”ابوزرہ رازی کا بیان ہے کہ اسحاق ان ہی روایتوں کی تخریج کرتے تھے جو اس صحابی کی سب سے بہتر اور اچھی روایت ہوتی تھی۔ اس مسند کا ایک قلمی نسخہ علامہ سیوطی کے قلم کا لکھا ہوا جرمنی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ علامہ ذہبی نے اس کے رجال کے نقد میں ایک مستقل کتاب لکھی تھی۔ اس کو بھی سیوطی نے اس نسخہ کے حاشیے میں درج کیا ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر عبدالغفور عبدالحق حسین الہوشی کی تحقیق کے ساتھ، مکتبہ الایمان مدینہ منورہ سے ۳۳ جلدوں میں ۱۹۹۱ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی (۹۶)۔

۴۔ امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ)

نام و نسب

نام ہے احمد بن حنبل شیبانی مروزی، کنیت ابو عبد اللہ، وہ خالص عربی النسل اور قبیلہ شیبان سے تھے۔ ربیع الاول سنہ ۱۶۲ھ کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ تین سال کی عمر میں والد کا انتقال ہو گیا تھا اور والدہ نے ان کی بہترین تربیت کی (۹۷)۔

ابتدائی حالات

بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا اور زبان کی تعلیم حاصل کی۔ تھلوی و طہارت نجابت و صلاحیت کے آثار ابتداء ہی سے نمایاں تھے۔ انہیں آثار کو دیکھ کر ان کے زمانے کے صاحب نظر مشہم بن جمیل نے کہا تھا کہ اگر یہ جوان زندہ رہا تو اہل زمانہ پر جنت ہوگا۔

بغداد جسے امام صاحب کے مولد و مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے خلافت عباسیہ میں علم و فن کا بہت بڑا مرکز تھا۔ جس کو محدث حاکم نیشاپوری مدینہ العلم اور موسم العلماء والا فاضل فرماتے ہیں (۹۸)۔

تحصیل علم

سب سے پہلے بغداد میں علم حاصل کیا۔ بغداد سے فارغ ہو کر کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام اور جزیرہ کا سفر کیا اور ہر جگہ کے نامور محدثین سے استفادہ کیا۔ سنہ ۱۸۷ھ میں حجاز کے پہلے سفر میں ان کی ملاقات امام شافعی سے ہوئی پھر بغداد میں دوبارہ ہوئی۔ امام احمد اس وقت پختہ کار ہو چکے تھے۔ امام شافعی حدیث کے صحت و سقم کے بارے میں ان پر اکثر اعتماد کرتے تھے اور فرماتے کہ اگر محدثین کے یہاں حدیثیں صحیح ہوں تو مجھے بتلادیا کرو میں اسی کو اختیار کروں گا۔ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ”امام احمد کے مجتہد اور فقیہ ہونے میں کوئی شک نہیں مگر ان پر حدیث کا رنگ غالب تھا“۔

انہوں نے جریر بن عبد الحمید محدث سے حدیث سننے کے لیے (ایران) جانے کا بھی قصد کیا لیکن خرچ نہ ہونے کی وجہ سے جانہ سکے۔ اس بلند ہمتی، کثرت اسفار اور غیر معمولی حافظے کا نتیجہ تھا کہ ان کو دس لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں۔

امام شافعی بھی ان کے بڑے معترف اور قدردان تھے۔ بغداد سے جاتے ہوئے انہوں نے فرمایا ”خرجت من بغداد وما خلفت بها انتقى ولا افقه من احمد بن حنبل“ (۹۹) (میں بغداد چھوڑ کر جا رہا ہوں اس حالت میں کہ وہاں احمد بن حنبل سے بڑھ کر نہ کوئی متقی ہے اور نہ کوئی فقیہ)۔

مجلس درس

چالیس سال کی عمر میں غالباً سنہ ۲۰۴ھ میں انہوں نے حدیث کا درس دینا شروع کیا یہ بھی اُن کا کمال اجارہ سقت تھا کہ انہوں نے عمر کے چالیسویں سال جو سن نبوت ہے علوم نبوت کی اشاعت شروع کی (۱۰۰)۔ ابتداء ہی سے ان کے درس میں سامعین و طالبین کا ازدحام ہوتا تھا۔ بعض راویوں کا بیان ہے کہ ان کے درس کے سامعین کی تعداد پانچ پانچ ہزار ہوتی تھی۔ جن میں سے پانچ پانچ سو صرف لکھنے والے ہوتے تھے۔ ان کی مجلس بہت سنجیدہ اور بادقار ہوتی تھی (۱۰۱)۔

تواضع و مسکنت

مسئلہ خلق قرآن میں ان کی ثابت قدمی کی وجہ سے تمام عالم اسلام ان کی شہرت سے معمور تھا اور ہر طرف ان کی تعریف اور دعا کا غلغلہ تھا۔ ان کو جو اتنی کمالات اور اوصاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیے گئے تھے اس کی بنا پر کبھی اپنی عظمت کا احساس نہیں ہوا۔ ان کے ساتھی عیسیٰ بن معین کہتے ہیں: ما رايت مثل احمد بن حنبل صحبتہ خمسين سنة ما افتخر علينا بشيء مما كان فيه من الصلاح والخير (۱۰۲) (میں نے امام احمد جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ میں پچاس برس ان کے ساتھ رہا انہوں نے کبھی ہمارے سامنے اپنی صلاح و خیر پر فخر نہیں کیا)۔

شیوخ و تلامذہ

حافظ ابن جوزی نے ان کے شیوخ کی تعداد سو سے زائد بتائی ہے جیسے ہشیم بن بشیر بن حازم، وکیع بن جریج، یحییٰ بن سعید قطان، سفیان بن عیینہ اور امام شافعی وغیرہ۔ تلامذہ کے متعلق حافظ ذہبی فرماتے ہیں: بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابوزرعہ، مطین، عبداللہ بن احمد اور ایک بہت بڑی خلقت۔ خلق عظیم کے لفظ سے معلوم ہوا کہ تلامذہ کی تعداد بے شمار ہے جس میں بڑے بڑے آئمہ فاضل ہیں (۱۰۳)۔

تصنیفات امام صاحب کی تصنیفات درج ذیل ہیں:

- ۱۔ کتاب الزہد
- ۲۔ کتاب النسخ والنسخ
- ۳۔ کتاب المسک الکبیر
- ۴۔ کتاب المسک الصغیر

۵۔ کتاب حدیث شعبہ	۶۔ کتاب فضائل صحابہ
۷۔ مناقب صدیق اکبرؓ و حسنین	۸۔ کتاب الاثریہ
۹۔ تاریخ	۱۰۔ تفسیر
۱۱۔ مسند احمد بن حنبل	۱۲۔ کتاب الصلاة وغیرہ (۱۰۴)

اہل اہل امتحان

جب معتزلہ نے عقیدہ خلق قرآن کو کفر و ایمان کا معیار بنا دیا، اتفاقاً مذہب اعتزال کو حکومت وقت کی سرپرستی حاصل ہو گئی تھی۔ آپ نے خلق قرآن کے عقیدہ کی مخالفت کی تو انہیں سخت آزمائش و ابتلاء سے گزرنا پڑا۔ قید کے پایہ زنجیر لگائے گئے پھر وہاں بغداد پابند سلاسل کر دیا گیا وہاں اس موضوع پر آپ سے مناظرہ ہوتا رہا ہر طرح ڈرایا دھمکایا گیا۔ اس کے بعد امام صاحب کو مقسم کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور ان پر ۲۸ کوڑے لگائے گئے۔ ایک تازہ دم جلا دھڑلے کوڑے لگا تا پھر دوسرا جلا دہلایا جاتا۔ امام احمدؒ ہر کوڑے پر فرماتے: "اعطونی شیئاً من کتاب اللہ او من سنة رسولہ حتی اقولہ بہ" (۱۰۵) (میرے سامنے اللہ کی کتاب یا سنت رسول سے کوئی دلیل پیش کرو تاکہ میں اس کو مان لوں)۔

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ امام احمدؒ کو ایسے کوڑے لگائے گئے کہ اگر ہاتھی کو گلتا تو چیخ مار کر بھاگتا۔ امام احمدؒ کی بے نظیر ثابت قدمی اور استقامت سے یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا اور امت مسلمہ ایک بڑے دینی خطرے سے محفوظ ہو گئی۔ علی بن مدینی جو مشہور محدث اور امام بخاری کے استاد ہیں فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے اس دین کے غلبے کا کام دو شخصوں سے لیا۔ جن کا تیسرا ہمسر نظر نہیں آتا، ارداد کے موقع پر سعرت ابو بکر صدیقؓ، اور فقہ خلق قرآن کے سلسلے میں امام احمد بن حنبلؒ" (۱۰۶)۔

وفات

امام صاحبؒ نے ۷۷ سال کی عمر میں ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ کو انتقال فرمایا: اس پر سارا شہر اُمّنا

آیا۔ کسی کے جنازے پر خلقت کا ایسا جھوم دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد کا اندازہ یہ ہے کہ تیرہ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار خواتین تھیں (۱۰۷)۔

امام احمد بن حنبل کے پڑوسی الور کافی نے بیان کیا ہے کہ جس دن امام احمد فوت ہوئے تو (ان کے جنازہ کو دیکھ کر) ۲۰ ہزار لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے (۱۰۸)۔ یوں ابن کثیر کے مطابق امام صاحب کا یہ قول اللہ تعالیٰ نے برحق ثابت کر دیا کہ ”قولوا لا اهل البدع بیننا و بینکم یوم الجنائز“ (ان اہل بدع مخالفین سے کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان فرق جنازے کے دن کا ہے) (۱۰۹)۔

مسند کی تالیف

امام صاحب سولہ سال کی عمر میں علم حدیث کی تحصیل میں مشغول ہو گئے تھے اسی زمانے سے جمع روایات کی ابتدا کر دی تھی۔ گویا ۱۸۰ھ سے تصنیف کا آغاز کیا اور اخیر زندگی تک اس میں مشغول رہے۔ اس کی روایات کو متفرق اوراق میں جمع کیا یہاں تک کہ جب زندگی کا وقت قریب الاختتام ہوا تو اس مسودے کو اسی حالت میں اپنے عزیزوں کو سنایا۔

آپ کے برادر زادہ حنبل بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ عم محترم نے مجھے اور اپنے دونوں صاحبزادگان صالح و عبداللہ کو جمع کر کے ہمارے سامنے مسند کی قرأت کی۔ ہمارے سوا اور کسی نے آپ سے اس کتاب کو بہ تمام و کمال نہیں سنا۔ پھر ہم سے فرمایا کہ میں نے اسے ساڑھے سات لاکھ سے زائد احادیث سے جمع و انتخاب کیا ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ کی جس حدیث میں مسلمانوں کا اختلاف ہو تو اس کتاب کی طرف رجوع کرو اگر وہ حدیث اس میں مل گئی تو فیہا ورنہ جھٹ نہیں (۱۱۰)۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

امام ممدوح کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی حدیث مسند میں موجود نہ ہو تو وہ جھٹ نہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ کی ایک بڑی تعداد اس میں درج ہونے سے رہ گئی ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ”کہا گیا ہے کہ قرہمہا دوسو صحابہ کی روایات اس میں درج ہونے سے رہ گئی ہیں جن سے صحیحین میں حدیثیں منقول ہیں“۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ امام صاحبؒ کا یہ ارشاد غالب حال کے لحاظ سے ہو سکتا ہے۔

مسند کی ترتیب

امام احمدؒ اپنی زندگی میں اس کی ترتیب و تبویب نہیں کر سکے۔ حافظ طس الدین جزری فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ نے مسند کو متفرق ادراق میں لکھا تھا اور مختلف اجزا میں پھیلا رکھا تھا جیسے کہ مسودہ ہوتا ہے اس کی تنقیح و تہذیب سے پہلے انتقال ہو گیا اور کتاب اسی حال میں رہ گئی (۱۱۱)۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ مسند کی موجودہ ترتیب امام صاحب کے صاحبزادے عبداللہ کی ہے۔ لیکن اس میں بہت سی غلطیاں ہیں۔ مدنیوں کو شامیوں میں اور کبھی اس کے برعکس درج کر دیا ہے (۱۱۲)۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ اگر امام صاحب نے اس کو مرتب کیا ہوتا تو یہ کام بہت اعلیٰ پیمانے پر انجام پاتا۔ بعد کے بہت سے علماء نے اس کی ترتیب و تبویب کرنے کی کوشش کی۔ بعض کا کام مکمل ہوا اور بعض کا ناقص رہ گیا۔ مگر افسوس کہ وہ سب کتابیں نایاب ہیں۔ حافظ ابوالحسن ہاشمی نے مسند کی ان روایات کو جو صحاح ستہ سے زائد ہیں منتخب کر کے ابواب پر مرتب کیا ہے (۱۱۳)۔

تعداد روایات

مسند میں تقریباً سات سو صحابہؓ کی روایات ہیں۔ روایات کی تعداد تیس ہزار بتائی گئی ہے۔ اور عبداللہ کی زوائد کا شمار کر کے چالیس ہزار تعداد بتائی گئی ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ مکرات کے ساتھ یہ تعداد مڑاؤ ہو (۱۱۴)۔

زوائد مسند

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مسند میں امام صاحبؒ کے صاحبزادے عبداللہ نے اضافے بھی کیے ہیں۔ اسی طرح عبداللہ سے روایت کرنے والے ابو بکر قطیبی نے بھی اضافہ کیا ہے (۱۱۵)۔ عبداللہ نے اکثر اضافے امام صاحبؒ سے سنی ہوئی روایات کے کیے ہیں یہی اصل مسند ہے، کچھ دیگر شیوخ کی تعداد کا اضافہ بھی کیا ہے مگر ان کی تعداد کم ہے (۱۱۶)۔

مسند میں تخریج روایت کی شرط

صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں ”لوگوں نے بیان کیا ہے کہ امام احمدؒ نے اپنی مسند میں صرف صحیح حدیثوں کی تخریج کو شرط قرار دے رکھا ہے۔“ لیکن امام صاحب نے اپنے صاحبزادے عبد اللہ سے فرمایا کہ میں نے مسند میں حدیث مشہور کا قصد کیا ہے اور لوگوں کو اللہ کے پردے کے تحت چھوڑ دیا ہے۔ اگر میں صرف احادیث صحیحہ جو میرے پاس ہیں انہیں کو درج کرتا تو مسند میں روایات کی تعداد بہت کم ہوتی۔ میرے بیٹے تم حدیث میں میرے طریقے سے واقف ہو کہ میں حدیث ضعیف کی مخالفت نہیں کرتا الا یہ کہ اس باب میں اس سے قوی روایت متعارض ہو۔

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ مسند کی شرط ابوداؤد کی شرط سے قوی ہے جو انہوں نے اپنی سنن میں اختیار کی ہے۔ چنانچہ ابوداؤد نے اپنی سنن میں ایسے لوگوں سے روایت کی ہے جن سے مسند میں اعراض کیا گیا ہے (۱۱۷)۔

مسند میں کسی راوی کی روایت درج ہونے کے بعد اگر راوی یا روایت کا غیر معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے تو اس کو امام صاحبؒ چھانٹ دیتے تھے۔ تاہم زیست مسودہ میں حذف و ترمیم کرتے رہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے مسند کو طبقہ ثانیہ کی کتب کے قریب قریب بتایا ہے۔

قاضی شوکانی فرماتے ہیں، امام احمدؒ نے مسند میں جن روایات کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے وہ قابل احتجاج ہیں (۱۱۸)۔

مسند احمد کی بعض خصوصیات

- ۱۔ حدیث کا اتنا بڑا اور کوئی مجموعہ نہیں ہے۔
- ۲۔ اس میں تقریباً تین سو مائت روایات ہیں۔
- ۳۔ حافظ شمس الدین جزری لکھتے ہیں: کوئی حدیث غالباً ایسی نہیں ہے جس کی اصل اس مسند میں نہ ہو (واللہ اعلم)۔
- ۴۔ دیگر مسانید سے صحیح تر ہے (۱۱۹)۔

مسند پر ابن جوزی وغیرہ کے اعتراضات

علامہ ابن الجوزی و حافظ عراقی نے مجموعی طور پر مسند کی ۳۸ روایات کو موضوع قرار دیا ہے جیسا کہ حافظ سیوطی نے ”التعقیبات علی الموضوعات“ کے آخر میں تحریر فرمایا ہے اور ان سب کا جواب بھی دیا ہے۔ حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ اصل مسند میں بھی چند روایات موضوع درج ہو گئی ہیں البتہ امام صاحب کے صاحبزادے عبد اللہ کے زوائد میں ضعیف و موضوع دونوں طرح کی روایات شامل ہیں (۱۲۰)۔ حافظ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں وضاحت کی ہے کہ مسند اور عبد اللہ کی زوائد کی کوئی حدیث موضوع نہیں ہے۔ البتہ ابو بکر قطیمی کی زیادات میں بعض حدیثیں موضوع آ گئی ہیں (۱۲۱)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے حافظ عراقی و ابن جوزی کے اعتراضات کے جواب میں مستقل ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام رکھا ”القول المسدد فی الذب عن المسند“۔ کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں: ”اس تعنیف عظیم کا دفاع ضروری معلوم ہوا جس کی اُمت میں مقبولیت و تعظیم ہے۔ اس کتاب میں ان نو روایات کا جواب ہے۔ جن کو حافظ عراقی نے موضوع قرار دیا ہے اور پندرہ وہ ہیں جن کو ابن الجوزی نے کتاب الموضوعات میں داخل کیا ہے مگر چودہ حدیثیں رہ گئی تھیں، اس لیے اس کے جواب میں نے ”الذیل المہمد“ میں لکھ دیا ہے۔“

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں مسند میں کوئی حدیث بے اصل نہیں سوائے تین یا چار کے۔ مگر احتمال ہے کہ امام احمد نے کاٹ کر نکالنے کی وصیت کی ہو وہ سوا رہ گئی ہوں یا کاٹ کر نیچے لکھ دیا ہو، بہر حال اصل کتاب سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

مسند احمد پر کیے گئے کام کا ایک جائزہ

بہت سے علماء نے مسند احمد کی احادیث کی شرح لکھی بعض نے اختصار کیا بعض نے اس کی غریب احادیث پر کام کیا۔ بعض نے اس کے خصائص پر لکھا۔ اس کے بارے میں ابو موسیٰ المدینی (م ۵۸۱ھ) کہتے ہیں۔ یہ بہت بڑی کتاب ہے اور اصحاب الحدیث کے لیے یہ ایک ثقہ مصدر ہے اور اس سے بہت سے مسائل حل ہو جاتے ہیں (۱۲۲)۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے

ہیں۔ مسند امام احمد کتب احادیث کے دوسرے طبقہ میں ہیں (۱۲۳)۔

مسند پر کام کرنے والے علما کے نام

- ۱۔ حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ المحب الصامت (م ۷۹۷ھ) معجم الصحابہ کے لحاظ سے اس کو مرتب کیا جیسے اطراف کی کتب ہوتی ہیں (۱۲۳)۔
- ۲۔ حافظ اسماعیل بن کثیر (م ۷۷۷ھ) نے محبت الصامت کی ترتیب سے مسند کو لکھا اور اس کے ساتھ کتب صحاح ستہ، مسند البزار، مسند ابی یعلیٰ، معجم الطبرانی الکبیر کا اضافہ کیا اور اسے ترتیب دیا اور اس کا نام ”جامع المسانید والسنن“ رکھا (۱۲۵)۔
- ۳۔ محمد بن عبد الرحمن بن محمد المقدسی المعروف ابن زریق (م ۸۰۳ھ) ترتیب المسند (۱۲۶)۔
- ۴۔ ابوالحسن علی بن حسین المعروف ابن زکون (م ۸۳۷ھ) ترتیب المسند (۱۲۷)۔
- ۵۔ ابوالحسن احمد بن ابی بکر البصری (م ۸۴۰ھ)، زوائد المسانید۔ یہ قصیدہ بردہ والے بصری نہیں ہیں (۱۲۸)۔
- ۶۔ ابوالقاسم علی بن حسن، المعروف ابن عساکر (م ۵۷۱ھ)، ترتیب اسماء الصحابہ الذین اخرج حديثهم احمد بن حنبل في المسند (۱۲۹)۔
- ۷۔ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) اطراف المسند۔ اس کے ساتھ انہوں نے دس کتابیں بھی ملائیں (۱۳۰)۔
- ۸۔ حافظ شمس الدین محمد بن علی بن حسن بن حمزہ الحسینی (م ۷۶۵ھ)، الاکمال بمن فی مسند احمد من الرجال ممن ليس في تهذيب الكمال (۱۳۱)۔
- ۹۔ عمر بن علی بن احمد المعروف ابن ملقن (م ۸۰۴ھ)، اکمال فی تهذيب الكمال في اسماء الرجال (۱۳۲)۔
- ۱۰۔ احمد بن عبد الرحمن الساعاتی، الفتح الربانی بترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی (۱۳۳)۔
- ۱۱۔ احمد بن عبد الرحمن الساعاتی، بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی (۱۳۴)۔
- ۱۲۔ احمد بن محمد شاکر، شرح مسند احمد (مع لھارس وغیرہ) (۱۳۵)۔

۱۳۔ ابو الحسن بن عبد الہادی السندی (م ۱۲۳۹ھ) نزہل مدینہ منورہ نے مسند کی شرح لکھی ہے (۱۳۶)۔

۱۴۔ زین الدین عمر بن احمد شجاع حلبی نے اس کا اختصار بنام "المعتقد من مسند الامام احمد" لکھا (۱۳۷)۔

۱۵۔ ابن حجر عسقلانی، المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ، (آٹھ مسانید) اس میں انہوں نے نو مسندوں کی مسند احمد اور کتب ستہ اور مسند احمد پر زائد احادیث لکھی ہیں (۱۳۸)۔

۱۶۔ ابن حجر عسقلانی، تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمہ الاربعہ (۱۳۹)۔

اس کی ابتدا میں لکھا ہے۔ "ان هذا السفر العظيم، تعجیل المنفعہ اصلہ التذکرۃ فی رجال الکتب العشرۃ، لابی المحاسن حافظ شمس الدین محمد بن علی بن حسن بن حمزہ الحسینی (۷۱۵-۷۶۵ھ) (۱۴۰)

۱۷۔ نور الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر البیہقی (م ۸۰۷ھ)، غایۃ المقصد فی زوائد المسند (۱۴۱) اس کتاب میں البیہقی نے ان احادیث کو لکھا ہے جو مسند احمد میں ہیں لیکن صحاح ستہ میں نہیں ہیں۔ گویا مسند احمد میں صحاح ستہ سے زائد ہیں (۱۴۲)۔ اس کتاب کو فقہ کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں کل ۳۶ کتب ہیں اور ۵۱۵۳ احادیث ہیں (۱۴۳)۔

۱۸۔ جلال الدین عبدالرحمن السیوطی (م ۹۱۱ھ) عقود الزبرجد علی مسند الامام احمد (۱۴۴)۔

اس میں مسند احمد کی بعض احادیث پر اعراب لگائے گئے ہیں۔ پہلی حدیث، مسند ابی بن کعب سے ہے: ففضلت عرقاء فکانما انظر الی اللہ فرقا: منصوبان علی التعمیز (۱۴۵)۔

۱۹۔ ابوموسیٰ المدینی (م ۵۸۱ھ) کتاب خصائص المسند (۱۴۶)۔ ان کے علاوہ کئی لوگوں نے مسند احمد پر کام کیا۔

المستدرک

تعریف

مستدرک کی جمع مستدرکات ہے۔ مستدرک حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں۔ ”جس میں وہ احادیث جمع ہوں جو کسی معنف کی شرائط کے مطابق ہوں مگر اس کی کتاب میں موجود نہ ہوں“ (۱۳۷)۔ محدثین کے نزدیک استدراک کا مطلب یہ ہے کہ ان احادیث کو یک جا کر دیا جائے جو حدیث کی کسی کتاب کی شرائط کے مطابق ہوں مگر معنف نے ان کو اپنی کتاب میں شامل نہ کیا ہو۔ جس طرح شیخین نے تمام احادیث صحیحہ کو اپنی کتب میں جمع کرنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس لیے ایسی احادیث موجود ہیں جو بخاری و مسلم یا ان میں سے کسی ایک کی شرائط کے مطابق ہوں۔ مگر ان کو دونوں کتابوں میں شامل نہیں کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے بخاری و مسلم پر مستدرکات لکھنے کا اہتمام کیا ہے۔

کتب مستدرکات

- ۱۔ مستدرک علی الصحیحین: ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد بن حمدیہ بن حاکم نیشاپوری (م ۴۰۵ھ) حافظ ذہبی (م ۴۸۵ھ) نے مستدرک حاکم کا خلاصہ لکھا ہے۔
- ۲۔ مستدرک علی الصحیحین: حافظ ابو ذر عبد بن احمد بن محمد بن عبد اللہ ہروی (م ۴۳۳ھ) (۱۳۸)۔

تعارف مؤلفین مستدرکات

امام حاکم نیشاپوری

امام حاکم کی کنیت ابو عبد اللہ اور نام محمد بن عبد اللہ بن محمد بن حمدیہ بن نعیم ہے (۱۳۹)۔ ابن البیہق اور حاکم نیشاپوری کے نام سے مشہور ہیں (۱۵۰)۔ نیشاپور (۱۵۱) کے رہنے والے بڑے حافظ حدیث اور بہت سی کتابوں کے معنف ہیں (۱۵۲)۔ بروز سوموار ۱۳ ربیع الاول ۳۲۱ھ کو نیشاپور میں پیدا ہوئے (۱۵۳) لیکن نجی اور طہانی کی نسبتوں سے ان کا عربی قبائل سے خاندانی تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ والد اور ماموں کی زیر نگرانی بچپن میں ہی پڑھنا شروع کر دیا (۱۵۴)۔ بیس سال کی عمر میں

عراق کا سفر اختیار کیا اور فریضہ حج ادا کیا۔ حج کرنے کے بعد خراسان اور ماوراء النہر کے علاقہ کے مختلف شہروں میں تقریباً دو ہزار سے زیادہ شیوخ سے کسب فیض کیا (۱۵۵)۔ لیکن حافظ خلیل بن عبد اللہ کے مطابق امام حاکم نے دو سفر کیے، ایک تحصیل علم کے لیے عراق کی طرف اور دوسرا حج کیلئے مکہ معظمہ کی طرف (۱۵۶)۔ اس کی تائید ابن خلکان نے بھی کی ہے۔ لکھتے ہیں: ”وله الى الحجاز والعراق رحلتان، وكانت الرحلة الثانية سنة ستين وثلاث مائة“ (۱۵۷) (امام حاکم نے عراق اور حجاز کی طرف دو سفر کیے۔ دوسرا سفر ۳۶۰ھ میں کیا تھا)۔

- آپ کی تصانیف ۵۰۰ اجزاء پر مشتمل ہیں (۱۵۸)۔ ابن خلکان کے مطابق یہ تعداد ۱۵۰۰ اجزاء تک ہے (۱۵۹)۔ ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:
- ۱۔ المدخل الى الصالحين
 - ۲۔ العلل
 - ۳۔ الامالی
 - ۴۔ فوائد الشيوخ
 - ۵۔ امالی الحیات
 - ۶۔ تراجم الشيوخ
 - ۷۔ تاریخ نيسابور
 - ۸۔ فضائل امام الشافعي
 - ۹۔ مستدرک علی الصالحين
 - ۱۰۔ ماتفرو به كل من الامامين
 - ۱۱۔ معرفة علوم الحديث (۱۶۰)۔

امام ابو عبد اللہ کا قول ہے کہ میں نے زم زم کا پانی پی کر خدا سے حسن تصنیف کی دعا کی تھی (۱۶۱)۔ بعض علما نے امام حاکم پر اعتراض بھی کیے ہیں عام طور پر وہ درست نہیں ہیں۔ ابن طاہر کہتے ہیں کہ میں نے ابو اسماعیل انصاری سے حاکم کے متعلق پوچھا تو کہنے لگا ”حدیث میں ثقہ اور قابل اعتماد ہیں لیکن رافضی ہیں“۔ ابن طاہر کہتے ہیں ”ہاٹن میں متعصب شیعہ ہیں اور طاہر میں شیخین کی فضیلت اور ان کی خلافت کے برحق ہونے میں اہل سنت کے ہموار ہیں۔ حضرت معاویہ اور ان کے اخلاف سے سخت منحرف ہیں۔ اس کا برملا اظہار کرتے تھے اور اس سلسلہ میں معذرت کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے“ (۱۶۲)۔ امام ذہبی ان کے موقف کی تردید کرتے ہیں اور لکھتے ہیں ”میں کہتا ہوں حضرت علیؑ کے مخالفین سے ان کا انحراف صحیح اور درست ہے۔ شیخین کی ہر حالت میں تعظیم و تکریم کرتے تھے مائل بہ تشیع

ضرور ہیں مگر رافضی ہرگز نہیں ہیں“ (۱۶۳)۔ امام حاکم صفر ۴۰۵ھ میں وفات پا گئے۔ قاضی ابو بکر حیری نے نماز جنازہ پڑھائی (۱۶۳)۔

المستدرک علی الصحیحین

امام حاکم نے ”المستدرک علی الصحیحین“ کے شروع میں اس کی جمع وتالیف کا سبب، غرض و غایت اور ان حالات کا ذکر کیا ہے جو اس کی ترتیب وتالیف کے باعث ہوئے تھے۔ آپ لکھتے ہیں: ”ائمہ حدیث میں امام محمد بن اسماعیل البخاری اور امام مسلم بن حجاج القشیری نے صحیح حدیثوں کے دو نہایت عمدہ اور بیش قیمت مجموعے مرتب کیے ہیں۔ ان دونوں کتابوں کی پوری دنیا میں شہرت ہے لیکن دونوں بزرگوں میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ان کی جمع کردہ روایات کے علاوہ اور کوئی بھی روایت صحیح نہیں ہے۔ مگر ہمارے عہد کے بعض مبتدعین اور اہل اہواء جو محمد شین پر سب و شتم کرنے میں بہت جری واقع ہوئے ہیں یہ کہتے ہیں کہ صحیح روایات کی تعداد دس ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ مجموعہ اسانید جو ایک ہزار یا اس سے کچھ کم و بیش اجزاء پر مشتمل ہے سب کے سب سقیم اور غیر صحیح ہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر اس شہر کے کچھ اعیان و مشاہیر اہل علم نے مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں ایک ایسی کتاب مدون کروں جو ان حدیثوں پر مشتمل ہو جن کی اسانید اسی طرح کی ہوں جس طرح کی اسانید کو محمد بن اسماعیل (البخاری) اور مسلم بن الحجاج نے صحیح اور قابل استدلال قرار دیا ہو۔ اس لیے کہ جو حدیث علت قادحہ سے خالی ہو اس کو صحیح سے خارج کرنے کے کوئی معنی نہیں“ (۱۶۵)۔

مستدرک کی اہمیت

مستدرک کا شمار حدیث کے مشہور اور اہم مصادر میں ہوتا ہے اور بعض حدیثوں سے اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے کتب حدیث کے تیسرے طبقہ میں اس کو شمار کیا ہے۔ اس طبقہ میں سنن دارمی، سنن دارقطنی، مسند ابی داؤد طرابلسی اور مصنف ابن ابی شیبہ جیسی اہم اور بلند پایہ کتابیں ہیں۔ بعض محدثین نے اس کا رتبہ صحیح ابن حبان کے قریب قریب بتایا ہے اور اس کا نام صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان کے ساتھ لیا ہے۔ حافظ ابن الصلاح اور امام نووی نے صحاح کے بعد حدیث کے جن مصادر کو زیادہ اہم، قابل اعتماد اور مفید قرار دیا ہے۔ ان میں سنن دارقطنی کے بعد مستدرک امام حاکم

کا نام لیا ہے۔

مستدرک حاکم کی روایات کی نوعیت

امام حاکم کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مستدرک میں مندرجہ ذیل نوعیت کی روایات آئی ہیں:

- ۱۔ وہ روایات جو شیخین کے معیار و شرائط کے مطابق ہیں لیکن انہوں نے اپنی کتابوں میں انہیں درج نہیں کیا۔
- ۲۔ وہ روایات جو شیخین میں سے کسی ایک کی شرائط کے مطابق تھیں لیکن درج ہونے سے رہ گئیں۔
- ۳۔ وہ روایات جو شیخین میں سے کسی ایک کی شرائط کے مطابق نہیں تھیں لیکن امام حاکم کی تحقیق کے مطابق ان میں علت اور سقم نہیں تھا (۱۶۶)۔
- ۴۔ امام حاکم کے بیان کے مطابق بعض ایسی روایات بھی مستدرک میں آئی ہیں جن پر کلام کیا گیا ہے اور وہ آپ کے معیار اور شرائط کے مطابق بھی نہیں ہیں لیکن آپ نے ان کو شواہد و متابعات کی حیثیت سے نقل کیا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ کی وفات پر خضر علیہ السلام کی تعزیت کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”هذا شاهد لما تقدم وان كان عباد بن عبد الصمد ليس من شروط هذا الكتاب“ (۱۶۷) (یہ حدیث ما قبل حدیث کی شاہد ہے اگرچہ عباد بن عبد الصمد اس کتاب کے شروط پر نہیں ہیں)۔
- امام حاکم نے مستدرک میں کہیں کہیں ایک مقدمہ کا حوالہ دیا ہے۔ جس میں آپ نے ان اصول و مبادی اور خصوصیات و شرائط کا مفصل ذکر کیا تھا جن کو مستدرک کی تالیف و ترتیب میں مد نظر رکھا تھا لیکن یہ مقدمہ مستدرک کے مطبوعہ نسخے میں شامل نہیں ہے۔ یا تو وہ محفوظ نہیں رہا یا حاکم اسے پوری طرح مرتب نہیں کر سکے۔ اگر یہ مقدمہ موجود ہوتا تو اس سے مستدرک کے اصول و شرائط اور اس کی روایات کی نوعیت اور خصوصیات معلوم کرنے میں بڑی آسانی ہوتی تاہم جہاں آپ نے اس کے حوالے دیئے ہیں ان سے بھی مستدرک کی روایات کی نوعیت و خصوصیت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ اس لیے ذیل

میں مستدرک کی روایات کی بعض نوعیتیں ان حوالوں کی مدد سے قلمبند کی جاتی ہیں:

- ۱۔ معروف تابعی کی روایت کو مستدرک میں لیا جائے گا اور اس کو صحیح کا درجہ دیا جائے گا۔ خواہ اس نے ایک ہی صحابی سے روایت کی ہو۔
- ۲۔ ثقہ رواۃ کے تفرد اور اضافات کی تخریج بھی کی جائے گی بشرطیکہ وہ مؤلف کی تحقیق کے مطابق علت سے خالی ہوں۔
- ۳۔ حلال و حرام کے متعلق روایات میں زیادہ احتیاط برتی جائے گی۔ فضائل اعمال کے سلسلہ کی حدیثوں میں زیادہ سختی سے کام نہ لیا جائے گا (۱۶۸)۔

مستدرک کی خصوصیات

- ۱۔ امام حاکم نے اس کی ترتیب، ابواب کی ترویج اور روایات کے نقل و انتخاب میں حسن و موزونیت کے علاوہ بعض مقامات میں جدت و اختراع سے کام لیا ہے۔ اس سے آپ کی محنت اور جانفشانی کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ اس ضمن میں آپ لکھتے ہیں: ”جہاں تک تلاش و اجتہاد میں میری رسائی ہے میں نے خلفائے اربعہ کے فضائل سے متعلق وہ تمام حدیثیں جمع کر دی ہیں جو صحیح اسناد سے مروی ہیں اور جن کو شیخین نے ترک کر دیا ہے۔ پھر میں نے اس کتاب کے نظم و ترتیب کے لحاظ سے یہ مناسب سمجھا کہ ان بزرگوں کے مناقب کے بعد دیگر صحابہ کرام کے فضائل، وفیات کی ترتیب کے مطابق جمع کروں“ (۱۶۹)۔

- ۲۔ عام محدثین کے برعکس امام حاکم نے کتاب الفتن والملاحم کے بعد کتاب الاحوال کا بھی ایک علیحدہ باب امام ابن خزیمہ کے طرز پر قائم کیا ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں: ”قد رویت ما انتہی الیہ علمی من فتن آخر الزمان علی لسان المصطفی ﷺ بالاسانید اللاتقة بهذا الكتاب: فاما الشیخان فانهما ذکر احوال القیامة والحشر مدرجا فی الفتن وجریئت انما فی ذلك علی اختیار الإمام أبی بکر محمد بن إسحاق بن خزیمة فی أفراد ذلك عن الفتن الناقبة واللہ الموفق لما اخترتہ“ (۱۷۰) (میرے علم کے مطابق آخری زمانہ کے فتن کے متعلق آپ ﷺ سے جو کچھ مروی تھا وہ سب میں نے اس کے اندر

بہتر اسانید کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ شیخین نے احوال قیامت اور حشر نشر کی روایات کتاب الفتن ہی میں شامل کر دی ہیں۔ میں نے اس سلسلہ میں ابو بکر بن محمد بن اسحاق بن خزمہ کے انداز میں اس کو باب الفتن سے علیحدہ ذکر کیا ہے۔

۳۔ امام بخاری اور دیگر محدثین نے کتاب المہجوع میں متعدد مباحث ذکر کیے ہیں مثلاً کتاب السلم، شفعہ اور اجارہ وغیرہ لیکن امام حاکم نے کتاب المہجوع کے جامع عنوان ہی میں تمام ابواب کو بھی جمع کر دیا ہے۔ اس بارے میں لکھتے ہیں: ”میں نے کتاب المہجوع کے ضمن میں ان کتب کو بھی درج کر دیا ہے جن کیلئے امام بخاری نے کتاب المہجوع کے آخر میں مستقل عنوانات قائم کیے ہیں۔ یہ وضاحت اس لیے کر دی گئی ہے تاکہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ میں نے کتاب المہجوع کو ان ابواب سے خالی رکھا ہے“ (۱۷۱)۔

۴۔ فضائل صحابہ میں صرف صحابہ کے مناقب و فضائل ہی بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ ان کے مختصر حالات بھی تحریر کیے ہیں۔

عمار بن یاسر کے بارے میں ابن عون کے حوالے سے لکھتے ہیں اقبل عمار وهو ابن احدى وتسعين سنة وكان اقدم في البلاد من رسول الله ﷺ وكان اقبل اليه ثلاثة نفر عقبه بن عامر الجهني وعمر بن الحارث الخولاني وشريك بن سلمة، فانتهوا اليه جميعا وهو يقول لو ضربتمونا حتى تبلغوا بنا سعفات هجر لعلمنا انا على الحق وانتم على الباطل. فحملوا عليه جميعا فقتلوه وزعم بعض الناس ان عقبه بن عامر الذي قتله ويقال بل قتله عمرو بن الحارث الخولاني قال ابن عمر، والذي اجمع عليه في عمار انه قتل مع علي بن ابي طالب بصفين في صفر سنة سبع وثلاثين وهو ابن ثلاث وتسعين سنة ودفن هناك بصفين (۱۷۲)۔

مستدرک میں فقہی مسائل سے کم تعرض کیا گیا ہے تاہم ان کے ذکر سے یکسر خالی بھی نہیں ہے اور امام حاکم نے بعض فقہی اختلافات میں رائج اور ادلی کی نشاندہی بھی کی ہے جس سے آپ کی اجتہادی بصیرت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

۵۔ مستدرک کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں بعض روایات کے مراجع و مصادر کی

نشانہ ہی بھی کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، مؤطا امام مالک اور صحیح ابن خزمہ کے نام لیے ہیں۔ لیکن بعض کتب مسانید اور وحدان کا نام لیے بغیر بھی ان کی روایات اخذ کی ہیں۔

۶۔ بعض ابواب اور مضامین کی روایات کو جمع کرنے میں بڑا اہتمام کیا ہے اور بعض حدیثوں کے اسناد و طرق کو جمع کرنے میں بڑے استقصا سے کام لیا ہے۔ اس لیے مستدرک میں بکثرت ایسی روایات آئی ہیں جن سے دوسرے مصادر حدیث خالی ہیں۔

۷۔ روایات کی تصحیح و تجویب، ان کے قوی و عزیز، ضعیف و شاذ اور غریب ہونے کی نشان دہی، وقف و ارسال، رفع و اتصال اور علو اسناد کی تصریح، حفظ و ضبط اور اتقان کے لحاظ سے اس کے اولیٰ و احسن ہونے کے شک و وہم، اس کے تفرد، مخالفت، عدم متابعت اور سماع و لقاء کی توضیح اور بعض روایات کے بارے میں یہ بھی بتایا ہے کہ اس کو کس جگہ، کس وقت اور کس ماہ و سال میں انہوں نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح روایات کے شواہد و متابعات، فنی مباحث کے متعلق علمائے جرح و تعدیل کے اقوال، روایات و رواۃ کی صحت و قوت یا ضعف و جرح کو واضح کر کے اس کے دلائل بھی بیان کیے ہیں اور حدیث کے مفہوم وغیرہ کے سلسلے میں بھی مختلف النوع وضاحتیں کی ہیں۔

۸۔ مستدرک کی خصوصیات میں سے ایک اس کا طرز استدلال بھی ہے لیکن اکثر دلائل خالص فنی نوعیت کے ہیں۔

۹۔ امام حاکم کے اصول و شرائط اور بحث و استدلال سے مستدرک کی تالیف میں آپ کی احتیاط کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے وہی احادیث و روایات درج کرنے کی کوشش کی ہے جو آپ کے اصول و معیار کے مطابق غیر معطل اور ضعف و سقم سے خالی ہیں۔ اس لیے حدیث نقل کرنے کے بعد عموماً آپ نے اس کی صراحت بھی کر دی ہے کہ وہ قدح و علت اور سقم و عیب سے پاک ہے لیکن حاکم کا عام رجحان یہ ہے کہ کوئی صحیح اور غیر معطل حدیث چھوٹنے نہ پائے۔ اس لیے احتیاط کے باوجود بھی مستدرک میں تسامح اور مدہد کوراہ لگئی ہے (۱۷۳)۔

روایات کے متعلق وضاحت

امام حاکم نے احادیث کے بارے میں مختلف النوع وضاحتیں کی ہیں۔ ان سے احادیث کے متعلق مفید معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ یہ وضاحتیں مختلف طرح کی ہیں:

- ۱۔ کسی حدیث کے مشہور و متداول ہونے یا کسی خاص مقام میں مروج ہونے کا ذکر۔
- ۲۔ بعض حدیثوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ کسی خاص مسئلہ میں اساس و بنیاد اور حجت و دلیل ہیں۔

- ۳۔ بعض روایات کے کسی باب میں نقل کرنے کی غرض و غایت بیان کی گئی ہے۔
- ۴۔ بعض روایات کی اپنے عہد کے حالات کے لحاظ سے خاص اہمیت و ضرورت واضح کی ہے۔ مثلاً احکام کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: "عسرت اور تنگی کے موقع پر مسلمانوں کا مواسات سے احتراز پر زبرد تو بیخ کے بارے میں جو اخبار و آثار وارد ہیں ان کا بیان کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ اس وقت مسلمان انہی حالات سے دوچار ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: "یہ چھ روایات نہایت تلاش و جستجو کے بعد یہاں نقل کی گئی ہیں گو یہ ہماری اس کتاب کی شرط کے موافق نہیں تاہم چونکہ لوگ اس ضیق (تنگی) میں مبتلا ہیں اس لیے یہاں ہم نے ان کو نقل کر دیا ہے" (۱۷۴)۔

- ۵۔ امام حاکم نے کہیں کہیں ابواب کے شروع یا درمیان میں نوٹ لکھے ہیں جو بڑی اہمیت کے حامل ہیں مثلاً: فضائل کے ابواب کے تحت لکھتے ہیں: "ہم نے صحابہ کرام کے ذکر میں پہلے ان کے نسب و وفات کا ذکر کیا ہے پھر ان کے مناقب میں وہ روایات درج کی ہیں جو شیخین کی شرائط کے مطابق ہیں لیکن انہوں نے انہیں روایت نہیں کیا۔ ہم کو اعتراف ہے کہ ہم اس باب میں محمد بن عمر الواقدی اور ان جیسے رواۃ کی روایات سے صرف نظر نہیں کر سکے ہیں (۱۷۵)۔

- ۶۔ اصحاب صفہ کے بیان میں امام حاکم نے ان کے متعلق روایات کی مدد سے ان کے ناموں کی مفصل فہرست دی ہے۔ ان کے طبقات وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور ان کے اشغال، معمولات اور امتیازی خصوصیات کے سلسلہ میں ان سے اصحاب تصوف کے پہلو کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے (۱۷۶)۔

مستدرک کی تلخیصات

جن علماء نے مستدرک پر کام کیا ہے ان میں حافظ ذہبی (م ۴۸۷ھ) کا نام زیادہ مشہور ہے۔ حافظ ذہبی نے مستدرک کی تلخیص لکھی جو بہت مشہور ہے اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ خود ان کی اور بعض دیگر علماء کی رائے میں اس (تلخیص) کو دیکھے بغیر مستدرک کی صحت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس میں حافظ ذہبی نے طویل احادیث اور اسناد کا اختصار ہی نہیں کیا بلکہ جابجا حاکم پر نقد و تعقب کر کے احادیث کی تصحیح میں ان کے تسائل، روایات میں ضعف و نکارت اور رواۃ میں جرح و سقم کو بھی واضح کیا ہے۔

حافظ ذہبی نے اپنی تلخیص میں بعض مواقع پر حاکم کی توثیق و تائید اور بعض مواقع پر سکوت اختیار کیا ہے یہ حاکم کی رائے سے اتفاق ہی ہے۔ رہا ان کا نقد و تعقب تو اس کی مختلف نوعیتیں ہیں:

- ۱۔ حاکم نے کسی حدیث کو شیخین یا ان میں سے کسی ایک کی شرائط کے مطابق بتایا ہے اور حافظ ذہبی نے اس کی تردید کی۔
 - ۲۔ حاکم نے کسی حدیث کو شیخین کی شرائط کے مطابق قرار دیا لیکن حافظ ذہبی کی تحقیق میں وہ صرف ایک ہی کی شرائط کے مطابق ہے۔
 - ۳۔ حاکم نے احادیث کی صحت اور رجال اسناد کی قوت کا ذکر کیا ہے اور حافظ ذہبی نے ان کا ضعف، جرح و تعدیل اور سقم ثابت کیا ہے۔
- اس میں شبہ نہیں کہ حافظ ذہبی نے بڑی دقت نظر سے مستدرک کی تلخیص کی تھی اور ان کے تعقب کا زیادہ حصہ صحیح ہے لیکن کہیں کہیں اس میں فروگزاشتیں بھی ہیں۔ مثلاً کوف کے بیان میں ایک حدیث نقل کرنے کے بعد حاکم نے صرف اس قدر لکھا ہے: لم یخرجاه یعنی شیخین نے اس روایت کی تخریج نہیں کی ہے۔ حافظ ذہبی نے اس پر تنقید کی ہے: ”واسنادہ حسن وما هو علی شرط واحد منهما (۱۷۷) (اس کی اسناد حسن ہیں لیکن یہ شیخین میں سے کسی کی شرط کے مطابق نہیں)۔ حالانکہ حاکم نے یہاں سرے سے حدیث کے شیخین کی شرط کے مطابق نہ ہونے کا ذکر ہی نہیں کیا۔ بلکہ صرف یہ لکھا ہے کہ شیخین نے اس روایت کی تخریج نہیں کی ہے (۱۷۸)۔

مستدرک اور امام حاکم پر بعض اعتراضات کا اجمالی جائزہ

امام حاکم اور ان کی مستدرک پر چند اعتراضات میں سے بعض تو غلط ہیں اور بعض غلط نہیں۔ اس لیے ان کا اجمالی جائزہ لینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ امام حاکم اور ان کی مستدرک پر سب سے مشہور الزام تساہل کا ہے۔ اس سلسلہ میں چند اور ضمنی الزامات بھی عائد کیے گئے ہیں لیکن ان کا اصل تعلق بھی تساہل ہی سے ہے۔

مستدرک اور صحیحین

مستدرک کی تالیف کا مقصد صحیحین کی ان متروک روایات کو جمع کرنا ہے جو امام حاکم کے خیال میں ان شرائط و معیار کے مطابق صحیح ہونے کے باوجود ان میں شامل نہیں کی گئیں۔ اس سلسلہ میں بحث طلب امر یہ ہے کہ امام حاکم نے جن روایات کے شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے وہ واقعہ صحیح ہیں یا نہیں۔ حافظ ابوسعید مالکی کا بیان ہے ”طلعت کتاب المستدرک علی الشیخین الذی صنفہ الحاکم من اولہ الی آخرہ، فلم أر فیہ حدیثا علی شرطہما“ (۱۷۹) (میں نے مستدرک کا مطالعہ کیا تو مجھ کو اس کی ایک حدیث بھی شیخین کی شرائط کے مطابق نہیں ملی)۔

حافظ ابراہیم بن محمد ارموی کہتے ہیں: ”ابو عبد اللہ حاکم نے مستدرک میں بہت سی ایسی روایات جمع کی ہیں جن کے بارے میں گمان کا خیال ہے کہ وہ شیخین کی طرح صحیح ہیں۔ لیکن علمائے کبار نے اس سلسلہ میں حاکم کو غلط ٹھہرایا ہے اور ان پر سخت نکیر کی ہے (۱۸۰)۔“

حافظ ابوسعید مالکی کی رائے کو عام طور پر حقیقت سے بعید اور زیادتی پر محمول کیا گیا ہے۔ حافظ ذہبی نے اس کی نہایت پر زور تردید کی۔ حافظ ذہبی کی تردید اس لیے زیادہ معتبر اور قابل لحاظ ہے کہ انہوں نے مستدرک کا وقت نظر سے مطالعہ کیا ہے اور اس کی تکفیس لکھی ہے۔ آپ لکھتے ہیں: ”ہذہ مکابرة وغلو ولیست رتبة ابي سعيد أن يحکم بهذا، بل فی المستدرک“ شئ کثیر علی شرطہما، وشئ کثیر علی شرط أحدهما، ولعل مجموع ذلك ثلث الكتاب بل أقل، فإن فی کثیر من ذلك أحادیث فی الظاهر علی شرط أحدهما أو كليهما، وفي الباطن لها علل خفية مؤثرة، وقطعة من الكتاب إسنادها صالح

وحسن وجید، وذلك نحو رُبْعِه، وباقي الكتاب مناكير وعجائب، وفي غضون ذلك احاديث نحو المقة يشهد القلب ببطلانها، كنت قد أفردت منها جزءاً وحديث الطير بالنسبة إليها سماء، وبكل حال فهو كتاب مفيد قد اختصرته (۱۸۱) [متدرک کے متعلق حافظ ابوسعید مالینی کی] یہ رائے سراسر زیادتی اور صریحاً انصافی پر مبنی ہے اور ابو سعید کا یہ مقام نہیں کہ وہ اس پر حکم لگائے۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ متدرک کا بہت سا حصہ ایسی روایات پر مشتمل ہے جو شیخین کی شرائط کے مطابق ہے اور بہت سا حصہ ان دونوں میں سے کسی ایک کی شرائط کے مطابق ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کتاب کا ایک تہائی یا اس سے کم حصہ ہو۔ بلاشبہ ان میں سے بہت سی احادیث ظاہری طور پر ان دونوں میں سے کسی ایک کی شرط کے مطابق ہیں یا دونوں کی شرائط کے مطابق لیکن بالظنی طور پر ان میں مؤثر عقلی غلطی ہیں اور کتاب کے ایک حصہ کی اسناد صالح، حسن اور جید ہیں اور ایک چوتھائی اسی قسم کا ہے۔ باقی کتاب منکر اور موضوع (عجائب) روایات پر مشتمل ہے۔ اسی طرح سو کے قریب ایسی احادیث ہیں جن کے باطل ہونے کی دل گواہی دیتا ہے۔ میں نے اس میں سے ایک حصہ کوا لگ کر دیا۔ ان کی نسبت ”حدیث الطیر“ آسان ہے۔ بہر حال وہ مفید کتاب ہے اور میں نے اس کا اختصار کیا ہے۔]

امام ذہبی کی اس عبارت پر شعیب الارنؤوط اور محمد نعیم عرقوسی نے حاشیہ لکھا ہے: ”اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ذہبی نے مختصر میں پوری طرح اہتمام سے کام نہیں لیا۔ حدیثوں پر باریک بینی سے غور نہ کیا۔ اس لیے امام حاکم کی غیر صحیح احادیث پر انہوں نے کلام نہیں کیا یا بعض اوقات بیان کیا کہ شیخین کی شرائط کے مطابق ہیں یا دونوں میں سے ایک کی شرط کے مطابق ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ امام حاکم کی اسانید پر غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے“ (۱۸۲)۔

ضعیف اور موضوع روایات

دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ متدرک میں ضعیف اور موضوع روایات پائی جاتی ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ”اس میں خلک نہیں کہ متدرک میں ایسی حدیثیں بھی ہیں جو شرائط صحت کے خلاف ہیں بلکہ موضوع حدیثیں بھی ہیں جو اس کے شایان شان نہیں“ (۱۸۳)۔

متدرک میں ضعیف و منکر بلکہ موضوع روایات کا بھی یقینی طور پر پایا جانا ثابت ہے۔ حافظ ابن الجوزی نے متدرک کی ساٹھ حدیثوں کو موضوع قرار دیا ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر کو محدثین نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ رہیں ضعیف روایات تو وہ موضوعات کے ساتھ شامل ہو کر چوتھے حصہ کے برابر ہوں گی۔ ضعیف احادیث سے (بخاری و مسلم کے علاوہ) کوئی کتاب بھی خالی نہیں ہے لیکن متدرک میں ان کی تعداد اس لیے زائد معلوم ہوتی ہے کہ وہ خود ضخیم کتاب ہے اور اس کی ضخامت کے اعتبار سے یہ تعداد زیادہ نہیں۔

شاہ عبدالعزیز: محدث دہلویؒ نے متدرک کا شمار حدیث کے تیسرے طبقہ کی کتب میں کیا ہے۔ اس طبقہ کے متعلق ابن کا اور ان کے والد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا بیان ہے: ”اگرچہ ان کتابوں کے مؤلفین علوم حدیث میں ماہر، ثقہ اور ضبط و عدالت کی صفات سے متصف تھے۔ لیکن ان میں صحیح، حسن اور ضعیف ہر قسم کی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ ان کی بعض حدیثیں موضوع بھی ہیں گوان کے اکثر رواۃ عدالت کی صفت سے متصف ہیں تاہم بعض مستور اور مجہول الحال ہیں (۱۸۴)۔“

متدرک کی احادیث پر اعتراضات

المستدرک کی بعض احادیث پر اعتراض کیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ موضوع اور ضعیف روایات بھی آگئی ہیں جیسا کہ امام ذہبی نے متدرک کے متعلق ابوسعید مالینی کے موقف کے جواب میں لکھا ہے۔ ان احادیث کی بنا پر امام حاکم کو رافضی قرار دینا یا متدرک پر تنقید کرنا درست نہیں ہے۔

۱۔ المستدرک کی ”حدیث الطیر“ پر سب سے زیادہ اعتراض کیا گیا ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک بھوتا ہوا پرندہ ہدیہ ملا۔ تو آپؐ نے فرمایا ”اے اللہ تیرا سب سے زیادہ محبوب بندہ آئے جو میرے ساتھ اس پرندہ کو کھائے“۔ حضرت انس نے دعا کی ”کوئی انصاری بندہ ہو“۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں میں نے دروازہ کھولا تو حضرت علیؓ تھے۔ تو میں نے انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا کہ رسول اللہؐ معروف ہیں۔ دوسری مرتبہ رسول اللہؐ نے اسی طرح دعا کی۔ دروازہ پر دستک ہوئی تو میں نے دروازہ کھولا تو پھر حضرت علیؓ تھے۔

انہیں پہلے کی طرح کہا کہ رسول اللہ معروف ہیں۔ اس طرح تیسری اور چوتھی مرتبہ دعا کی۔ حضرت علیؓ آتے رہے۔ چوتھی مرتبہ حضرت علیؓ نے مجھے دھکا دے کر اندر داخل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے علی ایسا کیوں کیا؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا یہ تیسری یا چوتھی مرتبہ تھا۔ اس مجھے لوٹاتے رہے تو رسول اللہ نے حضرت انس سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا؟ تو حضرت انسؓ نے جواب دیا اے اللہ کے رسول! آپ کی دعا کے لیے میں نے بھی دعا کی تھی اور امید بھی رکھی کہ اس دعا کے مستحق انصاری غنص ٹھہرے۔ تو نبی ﷺ نے حضرت انسؓ کو حضرت علیؓ سے معذرت کرنے کا حکم دیا (۱۸۵)۔

اس حدیث کے متعلق امام ذہبی نے لکھا ہے ”ابن عیاض لا أعرفه، ولقد كنت زمانا طويلا اظن ان حديث الطير لم يجسر الحاكم ان يودعه في مستدركه فلما علقنت هذا الكتاب رأيت الهول من الموضوعات التي فيه فاذا حديث الطير بالنسبة إليها سماء قال وقد رواه عن انس جماعة اكثر من ثلاثين نفسا، ثم صحت الرواية عن علي وأبي سعيد وسفيينة“ (۱۸۶) [ابن عیاض (راوی) کو میں نہیں جانتا ہوں۔ میں عرصے سے حدیث الطیر کے بارے سوچ رہا تھا کہ امام حاکم نے مستدرک میں کیوں نقل کیا ہے جب میں نے اس کتاب پر حاشیہ لکھا اور اس کتاب کی تمام موضوع حدیثوں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ان احادیث کی بہ نسبت، حدیث الطیر کا درجہ بلند ہے۔ اس حدیث کو حضرت انسؓ سے تیس سے زیادہ لوگوں نے روایت کیا ہے پھر یہ روایت حضرت علیؓ، ابوسعید اور سفینہ سے صحیح مروی ہے۔] ابن جریر نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور ان کی حدیث الطیر پر مستقل کتاب ہے (۱۸۷)۔

۲۔ اس حدیث پر اعتراض ہے: انا الشجرة، وفاطمة فرعها، وعلي لقاحها، والحسن والحسين ثمرتها وشيعتنا ورقها، واصل الشجرة في جنة عدن، وسائر ذلك في سائر الجنة (۱۸۸)۔

اس حدیث کی وضاحت امام حاکم نے ”هذا متن شاذ“ کہہ کر کی ہے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں یہ بات امام حاکم کے سوا کسی نے بیان نہیں کی ہے۔ اس میں میناء تاہی ہے وہ ساقط ہے۔ امام ابو حاتم نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے۔ ابن معین نے غیر ثقہ قرار دیا ہے۔ لیکن میرا گمان ہے کہ یہ اسحاق دیری

پر موضوع ہے کیونکہ حیوۃ متہم بالکذب ہے اور مؤلف سے مخاطب ہو کر کہتا ہے افما استحييت ايها المؤلف أن تورده هذه الأخلوقات من أقوال الطريقة فيما يستدرك على الشيخين (۱۸۹)۔ اس حدیث میں امام حاکم نے یثاء بن ابی یثاء کو صحابی قرار دیا ہے لیکن یہ تابعی ہے اور ساقط ہے محدثین اس سے حدیث نہیں لیتے تھے۔

۳۔ امام حاکم اور مستدرک پر حضرت علی کے فضائل میں حدیث ”من كنت مولا فعلى مولا“ کی بنا پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے اور اسے شیعہ قرار دیتے ہیں۔ یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کیونکہ انہوں نے مستدرک میں حضرت علی کے فضائل سے زیادہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے فضائل بیان کئے ہیں (۱۹۰)۔

۴۔ ایک یہ اعتراض اس حدیث پر ہے ”انا مدينة العلم وعلى بابها فمن اراد المدينة فليأت الباب“۔ اس حدیث میں ابو الصلت راوی ہے جس کو امام حاکم نے ثقہ مامون کہا ہے (۱۹۱)۔ امام ذہبی نے اس کی تردید کی ہے اور اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے اور ابو الصلت کے بارے میں قسم کھاتے ہیں کہ نہ وہ ثقہ تھے نہ مامون (۱۹۲)۔

مستدرک میں ضعیف اور موضوع روایات درج ہونے کا اسباب

اس کے دو اسباب ہیں:

۱۔ ضعیف اور موضوع روایات درج ہونے کا ایک سبب امام حاکم کا بڑھاپا۔

امام حاکمی لکھتے ہیں: کہا جاتا ہے ”ان السبب في ادخال الحاكم الموضوعات والضعيفات في المستدرک أنه صنفه في أواخر عمره، وقد حصلت له غفلة وتغير، أو أنه لم يتسیر له تحريره وتنقيحه، ويدل على ذلك أن تساهله في قدر الخمس الاول منه قليل جدا بالنسبة لبقائه“ (۱۹۳) (امام حاکم کی مستدرک میں موضوع اور ضعیف احادیث داخل ہونے کا سبب ان کا بڑھاپا ہے۔ آخری عمر میں وہ کمزور ہوئے، سستی اور حافظہ بھی بدل گیا۔ یا اسے اپنی تحریر اور تنقیح میں سر نہیں ہوئی۔ اس بات کی دلالت پہلے پانچ حُضوں پر کرتے ہیں اس میں باقی حصے کی نسبت ضعیف و موضوع بہت کم ہے)۔

۲۔ دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ امام حافظ ابن حجر کے مطابق حاکم نے مستدرک کا مسودہ

تیار کیا تھا۔ جب کوئی شخص مسودہ تیار کرتا ہے تو اس میں غلطی رہ جاتی ہے۔ اس کے بعد مسودہ کی دوبارہ کانٹ چھانٹ کی جاتی ہے۔ اس کے بعد ہی کتاب درست ہو سکتی ہے۔ اس کتاب کے مصنف (حاکم) کو مسودہ کی تصحیح کرنے موقع نہیں ملا (۱۹۳)۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام حاکم نے مسودہ کے چوتھائی حصہ کی تصحیح کی تھی۔ اس کے بعد موت آئی (۱۹۵)۔

امام حاکم کی دوسرے مؤلفات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ واقعی ایسا ہی ہے۔ مثلاً تاریخ نیشاپور میں سہل بن عبد الرحمن کے بارے میں ”انہ کذاب یضع الحدیث“ لکھا ہے۔ اس کے باوجود مستدرک میں اس سے حدیث نقل کی ہے اور اس کو شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے (۱۹۶)۔

المستخرج

تعریف

المستخرج، خرج بخارج سے نکلا ہے۔ اس کے معنی نکلتا کے ہیں۔ مستخرج اس کتاب کو کہتے ہیں۔ جس میں کوئی مصنف کسی اور کتاب کی احادیث اپنی سند کے ساتھ روایت کرے اور پہلے کتاب کے مصنف کے شیخ یا اس سے بھی اوپر کسی اور راوی کے ساتھ سند مل جائے۔

مستخرج کی جمع مستخرجات ہے۔ حافظ عراقی کے قول کے مطابق ”مستخرج“ کا مطلب مصنف کسی کتاب مثلاً بخاری شریف کی احادیث کو کتاب کے مؤلف کے علاوہ اپنی سند سے روایت کرے اور اس کی سند مؤلف کی کتاب کے شیخ کے ساتھ یا اس سے اوپر جا کر مل جائے خواہ صحابی پر ملے (۱۹۷)۔

استخراج کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی محدث حدیث کی کسی کتاب مثلاً صحیح بخاری و صحیح مسلم کی احادیث کو اپنی سند سے اس طرح روایت کرے کہ اس کی سند میں صاحب کتاب مثلاً بخاری و مسلم کا نام نہ لائے۔ آگے چل کر اس محدث کی سند صاحب کتاب مثلاً بخاری و مسلم کے استاد پر پہنچ کر یا اس سے اوپر جا کر مل جاتی ہے۔ بعض اوقات صحابی پر پہنچ کر دونوں سندیں متحد ہو جاتی ہیں۔ دونوں کی ترتیب اور متون و اسانید میں کوئی فرق نہیں ہوتا (۱۹۸)۔

استخراج کی شرط یہ ہے کہ سند دور کے شیخ تک نہ جاتی ہو۔ مگر بجز ایسی سند کے موجود نہ ہونے کی صورت میں جو شیخ اقرب تک پہنچا دے۔ البتہ کوئی عذر پایا جاتا ہو مثلاً: سند عالی ہو یا متن حدیث میں بہت اہم اضافہ ہو تو ایسا ممکن ہے۔

استخراج کرنے والا بعض اوقات ایسی احادیث کو ترک کر دیتا ہے جن کی کوئی عمدہ سند نہیں ہوتی۔ بعض اوقات صاحب کتاب کی سند کے ساتھ بھی وہ ان احادیث کو ذکر کرتا ہے (۱۹۹)۔

آغاز و ارتقاء

حدیث نبویؐ اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ ہے۔ اس پر کام ابتدائی دور سے ہی مختلف صورتوں

میں ہوتا رہا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے احادیث کو سنانا پر عمل کیا۔ بعض نے یاد کر کے آگے پہنچایا اور بعض نے لکھ کر آگے پہنچایا۔ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں احادیث لکھی گئیں۔ بعض آپ کے حکم سے لکھی گئیں اور بعض صحابہ کرام نے اپنی مرضی سے لکھیں۔ بعض صحابہ کرام لکھ کر رسول اللہ ﷺ کو دکھالیا کرتے مثلاً حضرت انسؓ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال تک خدمت کی۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ سے تابعین نے احادیث کو نقل کیا اور پھر آگے پہنچانے کے لیے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ رسول اللہ ﷺ نے خود احادیث کو آگے پہنچانے کی ترغیب دی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا جو موجود ہے وہ اس کو پہنچادے جو موجود نہیں ہے (۲۰۰)۔ ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز و شاداب رکھے۔ جس نے میری حدیث کو سنا اس کو یاد کیا اور پھر اس کو آگے پہنچایا (۲۰۱)۔

رسول اللہ ﷺ کے اس قول پر صحابہ کرامؓ نے عمل فرمایا۔ بعد ازاں تابعین نے اس شمع کو روشن رکھا۔ اس طرح یہ سلسلہ نسلاً بعد نسل چلتا رہا۔ ابتدائی طور پر الگ الگ صحائف تھے۔ کتابت کے بعد تدوین حدیث کا کام شروع ہوا۔ امام زہریؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حدیث کی تدوین کا کام شروع کیا۔ پھر ان کے شاگردوں جن میں امام مالکؒ کا نام سر فہرست ہے جنہوں نے حدیث پر کام کیا زمانہ کے ساتھ ساتھ اس علم نے بہت ترقی کی اور کتب احادیث کی مختلف اقسام سامنے آئیں۔ ان قسموں میں صحائف، مسانید، مصنفات، مؤطاء، الجامع، السنن اور الاجزاء وغیرہ قسم کی کتابوں پر کام کیا گیا۔ پھر اس قسموں کی حرید تقسیم ہو گئی اور ان کتابوں کی شروحات اور اختصارات وغیرہ کی صورت میں کتب لکھیں۔ انہیں قسموں میں سے ایک قسم ”مستخرج“ کی ہے۔ صحیح بخاری کی مستخرج پر حافظ ابو بکر اسماعیل جرجانی (۵۳۷ھ) نے کتاب لکھی۔ اسی طرح حافظ ابو احمد محمد بن علی حامد احمد بن حسین بن قاسم بن غطریف (۵۳۷ھ) نے بھی صحیح بخاری کی مستخرج لکھی۔

صحیح مسلم پر حافظ ابو بکر محمد بن محمد بن رجاہ نیشاپوری (۵۲۸ھ) نے کتاب لکھی۔ اسی طرح اور کئی لوگوں نے بھی کام کیا۔ صحیحین پر محمد بن یعقوب شیبانی (۵۳۴ھ) نے مستخرج لکھی۔ سنن ابی داؤد پر پہلی مستخرج قاسم بن اصبح (۵۳۰ھ) نے لکھی۔ اسی طرح سنن ترمذی پر ابو علی الحسن بن علی خراسانی (۵۳۱ھ) نے مستخرج لکھی (۲۰۲)۔

کتب مستخرجہ سے روایت کا حکم

مستخرجین میں سے کسی نے بھی یہ التزام نہیں کیا کہ ان کی روایت کردہ احادیث کے الفاظ ان اصلی کتب کے بالکل مطابق ہونگے جن کی تخریج وہ کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ وہ ان الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ جو انہوں نے اپنے اساتذہ سے سنے۔ اس وجہ سے ان کی روایت کردہ احادیث اور اصلی کتب کے الفاظ میں تھوڑا بہت فرق آ جاتا ہے۔ لہذا جو شخص ان کتب مستخرجات سے روایت کرے وہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے یہ روایت صحیحین سے لی ہے۔ یا یہ کہے کہ بخاری اور مسلم میں بھی اسی طرح ہے جیسے میں نے روایت کیا۔

البتہ اگر اس نے کتاب مستخرج کا تقابل بخاری و مسلم سے کر لیا ہو تو پھر یوں کہہ سکتا ہے اور اگر مستخرج کا مصنف اس بات کی صراحت کرے کہ بخاری و مسلم کے بھی الفاظ ہیں تو پھر وہ اس بات کا دعویٰ کر سکتا ہے مثلاً یوں کہے کہ بخاری نے انہی الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

مستخرجات کے فوائد

مستخرجات کے فوائد حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ مستخرجات کی احادیث بعض ایسے زوائد پر مشتمل ہوتی ہیں جو اصل کتب میں نہیں ہوتے۔ ان زوائد کے حاصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اصل کتب کے الفاظ نقل نہیں کرتے بلکہ وہ الفاظ لاتے ہیں جو انہوں نے اپنے اساتذہ سے سنے ہوتے ہیں۔
- ۲۔ مستخرج کی اسناد بعض اوقات عالی ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ اگر مستخرج کا مصنف حدیث کو اصل کتاب کے مصنف کی سند کے ساتھ روایت کرے تو وہ نازل ہوگی اور جب وہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرے گا تو وہ اصل کتاب کی سند سے عالی ہوگی۔
- ۳۔ مستخرج میں کثرت طرق کی بنا پر حدیث قوی تر ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات مستخرج کا مصنف صحابی تک پہنچنے والی مختلف سندیں ذکر کرتا ہے جیسا کہ ابو عوانہ کرتے ہیں۔ اس تعداد طرق کی بناء پر حدیث قوی تر ہو جاتی ہے۔
- ۴۔ اصل کتاب کے مصنف نے ایسے راوی سے روایت کی ہو جس کا حافظہ عمر کے کسی حصہ میں

خراب ہو گیا تھا۔ مگر اس نے نہیں بتایا کہ موصوف نے روایت اس سے نقل کی یا بعد۔ اندریں صورت مستخرج کا مصنف اس بات کی تصریح کرتا ہے کہ روایت حافظ کی خرابی سے پہلے کی ہے یا بعد کی۔

۵۔ اصل مصنف کسی حدیث کی روایت مدلس راوی سے عن عن کے ساتھ کرتا ہے اور سماع کی

تصریح نہیں کرتا۔ بخلاف ازین مستخرج کا مصنف اپنی روایت میں سماع کی تصریح کرتا ہے۔

۶۔ صاحب الاصل کوئی حدیث مبہم راوی سے ذکر کرتا ہے اور اس کا نام نہیں لیتا بلکہ ”حدثننا رجل“ کہتا ہے۔ مستخرج لکھنے والا اس شخص کے نام کی تصریح کرے گا۔

۷۔ بعض اوقات اصل کتاب کا مؤلف ایک مبہل شخص سے روایت کرتا ہے مثلاً کہتا ہے ”حدثننا

محمد“ حالانکہ محمد نامی راوی بہت سے ہیں۔ اس صورت میں مستخرج کا مصنف اس راوی کو ممتاز و ممتاز ذکر کرتا ہے کہ اس حدیث کا راوی فلاں محمد ہے۔

۸۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اصل کتاب میں ایک حدیث ایسے الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے

جو نحوی قواعد کے خلاف ہوتے ہیں۔ اور ان کی توجیہ کے لیے تکلف سے کام لینا پڑتا ہے۔

مستخرج کا مصنف جو روایت ذکر کرتا ہے اس کے الفاظ نحوی قواعد کے مطابق ہوتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مستخرج کے الفاظ صحیح ہیں اور اصل کتاب کی روایت راویوں کے رہم

پہنچی ہے۔

۹۔ علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ اگر بخاری و مسلم کی کسی حدیث میں کوئی علت پائی جاتی ہو اور مستخرج

نے اس حدیث کی علت کو دور کر کے روایت کیا ہو تو یہ مستخرج کا فائدہ ہے (۲۰۳)۔

کتب مستخرجات

مستخرجات صحیح بخاری

۱۔ مستخرج حافظ ابو بکر احمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن اسماعیل جرجانی (م ۳۷۱ھ) (۲۰۴)۔

۲۔ مستخرج ابو احمد محمد بن احمد الخطر بلخی (م ۳۷۷ھ)۔

- ۳- مستخرج حافظ ابو عبد اللہ محمد بن عباس المعروف بابن ابی زبل الہروی (م ۳۷۸ھ)۔
- ۴- مستخرج حافظ ابو بکر بن مردويه اصمہانی کبیر (مصنف تاریخ و تفسیر) (م ۴۱۶ھ)۔
- ۵- مستخرج حافظ ابو بکر برقانی (م ۴۲۵ھ) (۲۰۵)۔

مستخرجات صحیح مسلم

- ۱- مستخرج حافظ ابو بکر محمد بن محمد بن رجاہ نیشاپوری (م ۴۸۶ھ)۔
- ۲- مستخرج حافظ احمد بن سلمہ نیشاپوری ابو ار (م ۴۸۶ھ)۔
- ۳- مستخرج ابی جعفر احمد بن احمد بن حمدان النیشاپوری (م ۳۱۱ھ)۔
- ۴- مستخرج حافظ ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق اسفراینی (م ۳۱۶ھ) (۲۰۶)۔
- ۵- مستخرج ابی حامد الشاذلی الملقبہ الشافعی الہروی (م ۳۵۵ھ)۔
- ۶- مستخرج حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ جوزقی نیشاپوری (م ۳۸۸ھ)۔
- ۷- (المسند) المستخرج علی صحیح مسلم، ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصمہانی (م ۴۳۰ھ)۔
- ۸- المسند المستخرج علی صحیح مسلم، ابو الولید حسان بن محمد القرشی (۲۰۷)۔

مستخرجات صحیحین

- ۱- مستخرج حافظ محمد بن یعقوب شیبانی نیشاپوری المعروف ابن الاثرم (م ۳۳۳ھ)۔
- ۲- مستخرج حافظ ابو ذر ہروی (م ۳۳۳ھ)۔
- ۳- مستخرج حافظ ابو علی ماسرجسی نیشاپوری (م ۳۶۵ھ)۔
- ۴- مستخرج حافظ محمد بغدادی المعروف خلال (م ۴۳۹ھ)۔
- ۵- مستخرج حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصمہانی (م ۴۳۵ھ)۔
- ۶- مستخرج ابو بکر بن عبدان شیرازی (م ۳۸۸ھ)۔
- ۷- مستخرج ابی بکر بن منویہ (م ۴۲۸ھ)۔
- ۸- مستخرج علی بن مسعود سلیمان بن ابراہیم (م ۴۲۸ھ)۔
- ۹- مستخرج حافظ ابو بکر البرقانی (م ۴۲۵ھ)۔

مستخرجات سنن ابی داؤد

- ۱۔ مستخرج قاسم بن امیغ (م ۳۰۴ھ)۔
- ۲۔ مستخرج ابوبکر بن منجیہ (م ۳۲۸ھ)۔
- ۳۔ مستخرج ابی عبداللہ محمد بن عبد الملک بن ایمن قرطبی (م ۳۳۰ھ)۔

مستخرج السنن ترمذی

- ۱۔ مستخرج ابی بکر بن منجیہ (م ۳۲۸ھ)۔
- ۲۔ مستخرج ابی علی الحسن بن علی بن بصر الخراسانی الطوسی (م ۳۱۲ھ) (۲۰۸)۔

تعارف مؤلفین مستخرجات

چند مشہور مؤلفین مستخرجات کے تعارف درج ذیل ہیں:

- ۱۔ حافظ ابوبکر اسماعیلی جرجانی (م ۳۷۱ھ)

نام احمد، کنیت ابوبکر، نسبت اسماعیلی اور سلسلہ نسب یہ ہے۔

”احمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن عباس بن مرداس“ وہ امام بخاری کی وفات کے اکیس سال بعد ۳۷۷ھ میں جرجان میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان علمی حیثیت سے ممتاز تھا۔ علم و فن سے فطری مناسبت رکھتے تھے۔ چھ (۶) سال کی عمر میں یعنی ۳۸۳ھ میں انہوں نے حدیث کی کتابت شروع کر دی تھی۔ اور باقاعدہ اس فن میں مشغول ہو گئے۔ وہ پہلی مرتبہ ۳۹۴ھ میں ابوالحسن ابن سفیان کی خدمت میں حصول علم کے لیے گئے۔ ۳۹۶ھ میں بغداد پھر حجاز، عراق، فارس، کوفہ، بصرہ، موصل، جزیرہ اور نیشاپور وغیرہ تشریف لے گئے۔ حفظ و ضبط میں وہ ممتاز اور مشہور حفاظ میں شمار کیے گئے ہیں۔ بہت ساری کتابیں ان کو زبانی یاد تھیں۔ حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ ”میں ان کے کمال حفظ سے مبہوت ہو گیا اور میرا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ حنفیہ میں کے علم و حفظ کا تاخرین مقابلہ نہیں کر سکتے۔“ حاکم نے ان کو شیخ الحدیث اور امام اہل جرجان کہا ہے۔

وفات

عام مؤرخین کے مطابق ۹۴ سال کی عمر میں رجب ۳۷۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ابن سبکی اور شاہ عبدالعزیزؒ نے لکھا ہے کہ صفر ۳۷۱ھ میں وفات پائی۔ انتقال کے وقت تین بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔

تصنیفات

- ۱۔ مسند عمر: یہ دو جلدوں میں تھی اور حافظ ذہبی نے اس کی تعلیق لکھی ہے۔
 - ۲۔ مسند کبیر: یہ نہایت ضخیم کتاب ہے اور تقریباً سو جلدوں پر مشتمل ہے۔
 - ۳۔ مستخرج: اس کا نام صحیح اسماعیلی بھی ہے۔ یہ صحیح بخاری پر مستخرج ہے۔ یہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔
 - ۴۔ معجم: اسماعیلی کی یہ ایک اہم تصنیف ہے (۲۰۹)۔
 - ۲۔ حافظ ابو بکر برقانی (م ۴۲۵ھ)
- نام احمد، کنیت ابو بکر، سلسلہ نسب یہ ہے۔ ”احمد بن محمد بن احمد بن غالب“۔

ولادت و وطن

امام ابو بکر برقانی سنہ ۳۳۶ھ میں خوارزم کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ اسی لیے برقانی اور خوارزمی کی نسبتوں سے مشہور ہیں۔ برقان دریا کے نیچوں کے مشرقی ساحل پر ایک زرخیز اور شاداب مقام تھا جو بعد میں ویران ہو گیا۔ امام برقانی نے بعد میں بغداد میں سکونت اختیار کر لی اور اسی جگہ انتقال فرمایا۔

اساتذہ

ان کے شیوخ کی تعداد بے شمار ہے۔ بعض کے نام یہ ہیں: ابن نحاس مصری، ابو احمد الحافظ، ابو بکر بن کوثر ابرہاری، ابو بکر احمد بن ابراہیم اسماعیلی، احمد بن ابراہیم بن حباب، احمد بن جعفر بن سلمہ، ابو عباس احمد بن محمد بن حمدان نیشاپوری، ابو بکر بن ابی الحدید، ابو بکر بن مالک قطعی، ابو محمد بن ماسی، ابو منصور ازہری، ابو سہیل بشر بن احمد، ابو محمد عبدالغنی بن سعید ازہری، عبداللہ بن احمد بن صدیق، عبداللہ بن عمر

بن ملک، ابو الحسن علی بن عمر دارقطنی، ابو علی محمد بن احمد بن حسین بن صواف، محمد بن جعفر بن دار، ابو الفضل محمد بن عبد اللہ بن عمیر وید، محمد بن علی حسانی، ابو صحر محمد بن مالک السعدی، ابو حاتم محمد بن یعقوب۔

تلامذہ

ان کے تلامذہ میں ابو اخلق شیرازی، امام بیہقی اور خطیب بغدادی جیسے مشاہیر شامل ہیں۔ چند اور شاگردوں کے نام یہ ہیں: ابو طاہر احمد بن حسن کربلی، ابو عبد اللہ صوری، ابو الفضل بن خیرون، ابو القاسم بن ابو العلاء، ابو المعالی، ثابت بن بندار مرقی، ابو مسعود سلیمان بن ابراہیم الجافظ، ابو العلی محمد بن احمد العبدی المہری، ابو الفضل محمد بن عبد السلام شافعی انصاری۔

رحلت و سماع حدیث

۳۵۰ھ کے بعد انہوں نے حدیث کا سماع کیا اور اس کے بعد بغداد، جرجان، ہرات، دمشق، مصر، اسفرائین مرو اور نیشاپور وغیرہ تشریف لے گئے اور ان مقامات کے اکابر شیوخ سے کسب فیض کیا۔ علم حدیث کے اس قدر شوقین تھے کہ اس کے لیے ہر قسم کی صعوبت اور مشقت برداشت کرتے تھے۔ اسفرائن میں صرف ایک درہم ان کے پاس تھا۔ اسی پر پورا مہینہ گزار دیا۔ اور تیس اجزاء کے بقدر حدیثیں لکھیں۔

حفظ و ثقاہت

امام برقانی حدیث کے حافظ اور نہایت عادل و ضابط شخص تھے۔ خطیب کا بیان ہے کہ وہ ثقہ، متورع، متقن، متعبث اور ذی فہم تھے۔ ہمارے شیوخ میں ان سے زیادہ ثقہ شخص کوئی اور نہیں تھا۔ میں نے ازہری سے دریافت کیا کہ آپ نے برقانی سے بڑھ کر متقن اور کسی اور شخص کو دیکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ ابو الولید باجی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ حافظ تھے۔ ذہبی ابن عساکر، ابن سبکی، اسنوی اور ابن عماد وغیرہ نے ان کو الحافظ الکبیر اور الحافظ الامام وغیرہ لکھا ہے۔

فن حدیث میں امتیاز اور اشتیاق

امام برقانی نے اس فن کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔ ان کا خود بیان ہے کہ مجھ کو اس فن سے اس

قدر غیر معمولی لگاؤ ہو گیا تھا کہ اور چیزوں کی طرف دھیان دینے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ اسی لیے ان کا کتب خانہ حدیث کی کتابوں کا دفتر بن گیا تھا۔ اور ان کو بے شمار حدیثیں بھی از بر تھیں۔ خطیب کا بیان ہے کہ وہ کثیر الحدیث تھے۔ اس سے اس فن میں ان کی عظمت اور بلند پائگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ تمام مؤرخین نے حدیث میں ان کی فہم و بصیرت، ژرف نگاہی اور علم و نظر کی وسعت کا اعتراف کیا ہے۔

خطیب کا بیان ہے کہ برقانی حدیث کی اچھی فہم و بصیرت رکھتے تھے۔ ابن عساکر اور سمعانی کا بیان ہے کہ وہ حدیث کے فہم و معرفت میں ممتاز تھے۔ ابو اسحاق شیرازی فرماتے ہیں: ”کہ جب وہ اس فن کی طرف متوجہ ہوئے تو اس کے امام بن گئے“۔ ذہبی نے ان کو شیخ بغداد اور شیخ الحدیثین کا لقب دیا ہے۔ ازہری کا بیان ہے کہ برقانی امام حدیث ہیں۔ ان کی وفات کے بعد اس فن کی عظمت شان باقی نہیں رہے گی۔

تفسیر و قرآنیات قرآن مجید کے حافظ اور علم قرآنی کے واقف کار تھے۔

فقہ

فقہ کے ماہر اور ممتاز فقیہ تھے۔ حدیث سے پہلے اس فن کی تحصیل شروع کی تھی، اور اس موضوع پر بعض کتابیں بھی لکھیں۔ خطیب نے عارف بالفقہ ابن کثیر نے عالم بالفقہ اور ذہبی نے شیخ الفقہ لکھا ہے۔ ابو بکر اسامیٰ اپنے پاس آنے والے طلبہ کے سامنے ایک ورق خود پڑھنے کے بعد ان سے پڑھواتے تھے۔ لیکن برقانی کے سامنے دو ورق پڑھتے اور فرماتے کہ لوگوں پر ان کو اس لیے ترجیح دیتا ہوں کہ یہ فقیہ بھی ہیں۔ فقہ و اجتہاد میں امام شافعی کے مذہب سے وابستہ تھے۔

نحو و عربیت وہ عربی ادب اور علم نحو میں اچھی دسترس رکھتے تھے۔

شعر و سخن

شعر و سخن کا ذوق تھا اور کبھی کبھار اشعار کہتے تھے۔ خطیب بغدادی نے ان کے آٹھ اشعار نقل

کیے ہیں۔

ورع و تقویٰ

ان گونا گوں علمی کمالات کے ساتھ ہی وہ نہایت متدین اور بڑے عبادت گزار بھی تھے۔ خطیب کا بیان ہے کہ وہ صاحب ورع و تقویٰ تھے۔ میں نے محمد بن سحلیٰ کرمانی فقیہ سے سنا ہے کہ محدثین کی جماعت میں برقانی سے زیادہ عبادت کرنے والا نہیں دیکھا۔ ابن سبکی فرماتے ہیں کہ وہ مجموعہ فضائل اور عابد فاضل تھے۔

وفات یکم رجب ۳۲۵ھ میں بدھ کے دن انتقال ہوا۔ ابوعلی بن ابی موسیٰ ہاشمی نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور بغداد کے مقبرہ جامع میں باب سکہ خرقی کے قریب دفن کیے گئے۔

محمد بن علی صوری کا بیان ہے کہ میں برقانی کی وفات سے چار روز پہلے ان کی عیادت کے لیے گیا تو انہوں نے کہا آج ۲۶ جمادی الاخریٰ ہے۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ رجب کا چاند ہونے کے بعد میرا خاتمہ ہو۔ کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ (ان للہ عتق من النار) ممکن ہے۔ اللہ کی رحمت سے میں بھی اس زمرہ میں شامل ہو جاؤں۔ یہ بات انہوں نے ہفت کو کبھی تھی اور اللہ کی شان دیکھئے کہ بدھ کو رجب کا چاند طلوع ہونے کے بعد ان کا انتقال ہوا۔

تصنیفات

برقانی نے علم حدیث میں کئی مفید کتابیں لکھیں۔ تذکرہ نگاروں نے ان کو کثیر التصانیف بتایا ہے اور لکھا ہے کہ وفات تک وہ تصنیف و تالیف اور علمی اشغال میں منہمک رہے۔ ان کی تصنیفات میں مسند مشہور ہے۔ جو مسند خوارزمی کہلاتی ہے، مسند خوارزمی دراصل صحیحین کی حدیثوں پر مشتمل اور مستخرج ہے۔ حمیدی نے اپنی الجمع بین الصحیحین کے نقل میں اس کی حدیثوں پر اعتماد کیا ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ لکھا ہوا دارالعلوم اسلامیہ پشاور کے مکتبہ میں اور ایک امام مصلحی بن ناصر کے ہاتھ کا لکھا ہوا جرمنی کے کتب خانہ میں ہے۔

مسند کے علاوہ انہوں نے امام ثوری، شعبہ، ایوب، سعید، عبداللہ بن عمرو، عبدالملک بن عمیر، بیان بن بشیر اور مطر الوراق کی حدیثوں کے جمع و تالیف کا کام بھی سرانجام دیا (۲۱۰)۔

۳۔ ابن مردویہ الکبیر اصمہانی (م ۳۱۶ھ)

نام و نسب

احمد نام، کنیت اور نسب نامہ یہ ہے: ”احمد بن موسیٰ بن مردویہ بن فورک اپنے دادا مردویہ کے نام پر ابن مردویہ کے لقب سے معروف ہیں۔ الکبیر بھی ان کے نام کا جزو ہے۔ کیونکہ ان کے پوتے ابو بکر احمد بن محمد بھی ابن مردویہ کے لقب سے مشہور ہیں اور ان کو ابن مردویہ الصغیر کہا جاتا ہے۔ ابن مردویہ صغیر کی اپنے دادا ابن مردویہ کبیر سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ان کا انتقال سنہ ۳۹۸ھ میں ہوا۔

ولادت و وطن آپ سنہ ۳۲۳ھ میں اصمہان میں پیدا ہوئے۔

اساتذہ بعض اساتذہ اور شیوخ کے نام یہ ہیں:

ابو سہل بن زیاد القطان، احمد بن عبد اللہ بن دلیل، احمد بن عیسیٰ خفاف، احمد بن محمد بن عاصم کرمانی، اسحاق بن محمد بن علی کوفی، اسماعیل خطی، محمد بن احمد بن علی اسواری، محمد بن عبد اللہ الصغار، محمد بن علی بن دحیم شیبانی اور میمون بن اسحاق خراسانی۔

تلامذہ

ابن مردویہ کبیر کے ممتاز شاگردوں کے نام حسب ذیل ہیں:

ابو عبد اللہ ثقفی، ابوالقاسم عبدالرحمن بن منندہ، عبد الوہاب بن منندہ، ابوالخیر محمد بن احمد، ابوبکر محمد بن حسن، ابومصور محمد بن سکریہ، ابومطیع بن عبد الواحد مصری۔

سفر

حدیث کی تحصیل اور علوم و فنون کی تکمیل کے لیے ان کے عراق وغیرہ تشریف لے جانے کا ذکر ملتا ہے۔

حدیث میں درجہ

حدیث میں بلند مرتبت تھے۔ علامہ ذہبی کا بیان ہے کہ وہ اس فن کے ممتاز ماہر اور۔۔۔

اچھی پرکھ رکھتے تھے۔ ابن العباد کا بیان ہے کہ وہ حدیث میں امام تھے۔ ان کا حفظ و اتقان اور ضبط و ثقاہت بھی مسلم ہے۔ حافظ ذہبی نے الحافظ الثبت لکھا ہے۔

وفات

مشہور روایت کے مطابق ۲۳ رمضان ۳۱۶ھ میں انتقال ہوا۔ لیکن ابن اثیر، ابن جوزی اور ابن کثیر نے ۳۱۰ھ سنہ وفات تحریر کیا ہے۔

تصنیفات: ابن مردویہ کی حسب ذیل تصنیفات کا علم ہو سکا ہے:

۱۔ المستخرج علی جامع الصحیح للبخاری۔

۲۔ تفسیر ابن مردویہ۔

۳۔ تاریخ اصحابان (۲۱۱)۔

۴۔ حافظ ابن ابی زہل الہروی (م ۳۷۸ھ)

نام محمد بن عباس بن احمد بن عیسیٰ، کنیت ابو عبد اللہ، ہرات کے رہنے والے عالی قدر اور صاحب اتقان و حافظ حدیث ہیں۔ آپ نے محمد بن معاذ مالینی، یحییٰ بن صاعد، حاتم بن محبوب، ابو عمرو بن محمد، عبد الرحمن بن ابی حاتم اور اس طبقہ کے دوسرے اہل علم سے علم حدیث حاصل کیا۔ اور آپ سے امام دارقطنی، ابوالحسن حمادی، حاکم، اسحاق بن ابی اسحاق اور اہل ہرات روایت کرتے ہیں۔ آپ ہرات کے نامی گرامی اور امیر کبیر رئیس اعظم تھے۔

حاکم فرماتے ہیں: ”میں نے ان سے اچھا وضو کرنے والا اور بہتر نماز پڑھنے والا کوئی نہیں دیکھا اور نہ ہی اپنے مشائخ میں ان سے بڑھ کر خشوع و خضوع اور عجز و انکساری کے ساتھ دعا کرتے کسی کو پایا ہے۔“ ابونصر ترمذی کہتے ہیں کہ آپ نے صحیح مسلم پر ایک مستخرج صحیح تصنیف کی۔

وفات: حاکم کہتے ہیں کہ آپ ۲۹۳ھ میں پیدا ہوئے اور صفر ۳۷۸ھ میں جام شہادت نوش فرمایا (۲۱۲)۔

مستخرجات صحیح مسلم کے مؤلفین کا تعارف

۵۔ حافظ ابو عوانہ اسفرائینی (م ۳۱۶ھ)

آپ کا اسم گرامی یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہے۔ اسفرائن کے رہنے والے بہت بڑے حافظ حدیث ہیں۔ سب محدثین کے نزدیک قابل اعتماد ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد نیشاپور کے رہنے والے تھے: آپ ایک ”المسند الصحیح“ کے مصنف ہیں۔ جو دراصل صحیح مسلم پر استخراج ہے۔

اساتذہ

آپ نے طلب علم کے لئے دنیا کا کونہ کونہ چھان مارا۔ یونس بن الاعلیٰ، احمد بن ازہر، زعفرانی، علی بن حرب، عمر بن شبہ، محمد بن یحییٰ ذہلی اور بعد کے اہل علم سے علم حاصل کیا۔

تلامذہ

ان سے حافظ احمد بن علی رازی، حافظ ابو علی نیشاپوری، قاضی یحییٰ بن منصور، ابن عدی، طبرانی، اسماعیلی اور دوسرے لوگ فیض یاب ہوئے۔ ان کے بیٹے ابو مصعب محمد اور ان کے آخری شاگرد، ان کے بھانجے کے بیٹے ابو نعیم عبد الملک بن حسن اسفرائینی نے ان سے استفادہ کیا۔

امام حاکم فرماتے ہیں: ”کہ ابو عوانہ ثن حدیث کے عالم اور پختہ کار ہیں۔“ ان کا انتقال بقول ان کے بیٹے محمد کے ۳۱۶ھ میں ہوا۔ آپ کی قبر اسفرائن کے شہر کے اندر ہے۔ آپ پہلے شخص ہیں جن سے امام شافعی کا مذہب اسفرائن میں رائج ہوا۔ آپ جلیل القدر اور لائق اعتماد محدث ہیں (۲۱۳)۔

۶۔ حافظ ابو بکر جوزقی، نیشاپوری (م ۳۸۸ھ)

نام محمد بن عبد اللہ بن محمد ذکر کیا، کنیت ابو بکر، لقب محدث نیشاپور ہے۔

آپ یکمائے زمانہ حافظ حدیث اور ایک صحیح کے مصنف ہیں۔ جو دراصل صحیح مسلم کی تخریج ہے۔ آپ مشہور محدث ابو اسحاق ابراہیم بن محمد مزیکی کے بھانجے ہیں۔ آپ نے ابو العباس سراج، ابو نعیم بن عدی جر جانی، ابو العباس دعویٰ، یحییٰ بن عبدان، ابو حامد بن شرقی، ابو سعید ابن الاعرابی، اسماعیل صفار اور دوسرے بہت سے لوگوں سے علم حدیث حاصل کیا۔

آپ نے مختلف ممالک کا سفر کیا علم میں کمال اور برتری حاصل کی اور بہت سی یادگار تصنیفات چھوڑیں۔ ان سے ابوحاکم، ابوسعید کنجرودی، ابوعثمان سعید بن محمد بکیری، محمد بن علی خشاب، سعید بن ابوسعید عیار، احمد بن منصور اور دوسرے لوگ روایت کرتے ہیں۔

تصنیفات

- ۱۔ الحقیق والمفترق
- ۲۔ الحقیق الکبیر، یہ کتاب تین سوا جزاء پر مشتمل ہے۔

وفات

امام حاکم فرماتے ہیں: ”کہ آپ نے ۸۲ سال کی عمر پا کر شوال ۳۸۸ھ میں وفات پائی (۲۱۳)

مستخرجات صحیحین کے مؤلفین کا تعارف

۷۔ حافظ ابن الاخرم (م ۳۴۴ھ)

نام محمد بن یعقوب بن یوسف شیبانی، کنیت ابو عبد اللہ، لقب ابن اخرم ہے۔ نیشاپور کے رہنے والے تھے اور بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ ابن اخرم ۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے علی بن حسن ہلانی، ابراہیم بن عبد اللہ سعدی، محمد بن عبد الوہاب اور ان کے علاوہ بہت سے لوگوں سے حدیث کا سماع کیا۔ ان سے ابو بکر اسحاق صنفی، حسان بن محمد فقیہ، ابو عبد اللہ حاکم، یحییٰ بن ابراہیم اور دوسرے بہت سے لوگ فیض یاب ہوئے۔

امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ ابن شرقی کے بعد ہمارے شہر میں اہل حدیث کے صدر اور پیشوا تھے۔ ان کو حدیث حفظ تھی اور اس کو سمجھتے بھی تھے۔ انہوں نے صحیح مسلم پر ایک مستخرج لکھی اور یہ کتاب انہوں نے ابو العباس سراج کے کہنے پر لکھی تھی اس کا نام انہوں نے ”المختصر الصحیح المتفق علیہ“ رکھا۔ وہ نحو کے بھی بہت ماہر تھے۔ علل حدیث اور علم الرجال میں بھی بے حد درک حاصل تھا۔ حافظ ابن اخرم نے ۳۴۴ھ میں وفات پائی (۲۱۵)۔

۸۔ حافظ ابوذر ہروی (م ۴۳۴ھ)

نام عبداللہ بن احمد بن محمد بن عبداللہ بن غفر انصاری مالکی ہے اور آپ کی کنیت ابوذر ہروی اور ابو عیسیٰ ہے۔ آپ ہرات کے رہنے والے اور بہت بڑے عالم اور نامور حافظ حدیث ہیں۔ آپ نے ہرات میں ابو الفضل بن خیرویہ، بشر بن محمد اور سرخس میں ابو محمد بن حمویہ اور زاہر بن محمد سے، بلخ میں ابو اسحاق مستملی، بصرہ میں ابو بکر ہلال بن محمد، بغداد میں ابو الفضل زہری، اور ان کے علاوہ اور بہت سے علماء سے حدیث کا سماع کیا۔ مکہ معظمہ میں اقامت اختیار کی اور اپنے شیوخ کے حالات میں مجملہ لکھی اور صحیح کے علاوہ دوسری بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔

آپ سے آپ کے صاحبزادے عیسیٰ، علی بن محمد بن ابی الہول، موسیٰ بن عیسیٰ، عبداللہ بن حسن تیسری اور دوسرے بہت سے لوگ روایت کرتے ہیں۔ آپ تقریباً ۳۵۵ھ میں پیدا ہوئے اور شوال ۴۵۴ھ میں وفات پائی۔ ان کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱۔ کتاب کبیر مستخرج علی النسخین - ۲۔ کتاب السنۃ والصفات -
- ۳۔ کتاب الجامع - ۴۔ کتاب الدعاء -
- ۵۔ کتاب فضائل القرآن - ۶۔ کتاب دلائل النبوة -
- ۷۔ کتاب شہادۃ الزور - ۸۔ کتاب فضائل مالک -
- ۹۔ کتاب العیدین -

عبد الغافر تاریخ نسیا یور میں لکھتے ہیں کہ ابوذر، عابد و زاہد اور پرہیزگار عالم تھے۔ سخاوت کے دلدادہ تھے۔ حرم کے کبار مشائخ میں شمار ہوتے تھے اور تھوڑے کے بھی مشار الیہ تھے۔ انہوں نے صحیحین کی بڑی اچھی تخریج لکھی اور صحیحین پر ایک جلد میں لطیف مستدرک بھی لکھا ہے اس سے ان کے قوی حافظے کا پتہ چلتا ہے (۲۱۶)۔

۹۔ حافظ ابو محمد بغدادی المعروف خلال (م ۴۳۹ھ)

نام حسن بن محمد بن حسن بن علی، کنیت ابو محمد ہے۔ آپ بغداد کے رہنے والے قابل اعتماد حافظ حدیث ہیں۔ آپ کے والد کی کنیت ابو طالب ہے ۳۵۲ھ میں پیدا ہوئے۔

آپ نے ابو بکر قطعی، ابوسعید خدری، ابوالحسن بن مظفر، ابوبکر وراق، ابوعبداللہ بن عسکری، ابوعمر حیویہ، ابوبکر شاذان، ابوالحسن بن لؤلؤ وراق اور دوسرے آئمہ سے حدیث کا سماع کیا۔ آپ سے خطیب، ابوالحسن بن طیوری، ابوسعید، جعفر بن احمد سراج، معمر بن ابی عمارہ واعظ، جعفر بن حسن سلماسی، علی بن عبدالواحد ینوری اور دوسرے لوگ روایت کرتے ہیں۔

محمد بن علی صوری کہتے ہیں: ”میری آنکھوں نے عبدالغنی بن سعید کے بعد ابو محمد خلال بغدادی سے بڑا حافظ حدیث کوئی نہیں دیکھا۔“ ابوبکر خطیب کہتے ہیں: ”ثقہ ہیں اور معرفت تامہ کے حامل ہیں۔“ آپ نے صحیحین پر ایک مسند لکھی ہے اور احکام و مسائل اور تراجم رجال پر متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ آپ نے جمادی اولیٰ ۳۳۹ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا (۲۱۷)۔

۱۰۔ حافظ ابوعلی ماسر حبشی نیشاپوری (م ۳۶۵ھ)

نام حسین بن محمد بن احمد، کنیت ابوعلی ہے۔ اپنے جد اعلیٰ ماسر جس کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ماسر حبشی کہلاتے ہیں۔ نیشاپور کے رہنے والے باکمال حافظ حدیث اور مسند اکبر کے مصنف ہیں۔ تحصیل علم کے لیے خراسان، مصر، شام اور عراق کا سفر کیا اور اپنے دادا احمد بن محمد، ابوبکر ابن خزیمہ، ابوالعباس سراج، ابن الشرقی اور بعد کے لوگوں سے حدیث کا سماع کیا۔ بکثرت احادیث لکھنے کی وجہ سے ”سفینۃ العصر“ کہلاتے تھے۔

۳۲۱ھ میں عراق گئے اور وہاں سے فراغت کے بعد دیر تک مصر میں مقیم رہے۔ پوری چھان بین کے بعد ایک ہزار تین سو اجزاء میں مسند کبیر تصنیف کی۔ جس کی ہر حدیث کے اسباب و علل پر سیر حاصل بحث فرمائی۔ علاوہ ازیں مسائل و احکام، شیوخ، مغازی اور قبائل پر مشتمل کتابیں تصنیف کیں۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی الگ الگ تخریج کی۔ لیکن جب ان کی سند کی بعدت حاجت محسوس ہونے لگی تو اس سے پہلے ہی چل بے اور ان کے دفن ہونے کے ساتھ ہی علم کثیر دفن ہو کر رہ گیا۔

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا تھا انہوں نے امام مسلم کو کہتے سنا تھا کہ میں نے اپنی مسند صحیح تین لاکھ مسموع احادیث سے تصنیف کی ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں ابوعلی نے زہری کی احادیث میں جو کتاب لکھی ہے اس میں ”ماہر زہریات“ امام محمد بن یحییٰ ذہبی کی کتاب پر اضافہ کیا ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ ان کی مسند عام تائخین کے خط کے لحاظ سے تین ہزار اجزاء سے زیادہ ہوگی اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ اسلام میں آج تک اس سے بڑی مسند نہیں لکھی گئی۔ آپ ۲۹۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۹ رجب ۳۶۵ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور ان کی نماز جنازہ ان کے بھتیجے ابوالحسن ماسرجسی نے پڑھائی (۲۱۸)۔

۱۱۔ حافظ ابو نعیم اصفہانی (م ۴۳۰ھ)

نام و نسب

نام احمد، کنیت ابو نعیم اور نسب نامہ یہ ہے: ”احمد بن عبد اللہ بن احمد بن موسیٰ بن وائل بن مہران“۔ ولادت رجب المرجب ۳۳۶ھ میں اصفہان میں پیدا ہوئے۔ ایک روایت ۳۳۳ھ کی بھی ہے۔

خاندان

مکو غم زاد تھے۔ تاہم ان کے خاندان کو خاندان نبوت سے ولادہ کا شرف حاصل ہے۔ ان کے جد اعلیٰ مہران کو اس خاندان میں سب سے پہلے مسلمان ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ عبد اللہ بن معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر بن ابوطالب کے موسیٰ تھے۔ ابو نعیم کے والد عبد اللہ علم وفن کے بڑے دلدادہ تھے۔ انہوں نے اپنے فرزند کو نہایت کم سنی ہی میں تحصیل علم اور سماع حدیث کے مقدس اور بابرکت مشغلہ میں لگا دیا تھا۔ چنانچہ سنہ ۳۲۲ھ میں ابو نعیم نے جب کہ سات یا آٹھ ہی سال کے تھے۔ احادیث کا باقاعدہ سماع شروع کر دیا تھا۔ ان کے نانا محمد بن یوسف بنیام مشہور زاهد اور ممتاز صوفی تھے۔

ابو نعیم کے اساتذہ اور تلامذہ دونوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ارباب سیر کا بیان ہے کہ انہوں نے بے شمار فضلاء سے اور بے شمار فضلاء نے ان سے استفادہ کیا۔ حافظ ذہبی ان کے چند شیوخ کے نام گنوائے کے بعد لکھتے ہیں: انہوں نے خراسان و عراق کے بے شمار لوگوں سے کسب فیض کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کو جتنے اکابر شیوخ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اس سے دوسرے محدثین محروم ہیں۔

ابو نعیم کو یہ خصوصیت بھی حاصل تھی کہ چھ سال کی عمر ہی میں بعض مشہور و معتبر محدثین نے تبرکاً

ان کو اجازت حدیث مرحمت کر دی تھی۔ حافظ ذہبی اور علامہ ابن سبکی نے لکھا ہے کہ شام کے خیمہ بن سلیمان، بغداد کے جعفر خالدی اور ابوسہیل بن زیاد، واسطہ کے عبداللہ بن عمر بن شاذب اور نیشاپور کے ابو العباس اہم نے ان کو اجازت عطا کی تھی۔

ان حضرات کے علاوہ ابن نعیم نے مندرجہ ذیل شیوخ سے بھی روایت کی ہے۔ ابراہیم بن عبداللہ ابن العزیم کوئی، ابواحمد بن عسال، ابوبکر بن کوثر، ابوبکر آجری، ابوبکر جعانی، ابوبکر بن خلاد نصیبی، ابوبکر بن یثیم بندار، ابوالشیخ بن حیان، ابوعلی بن صواف، ابوالقاسم طبرانی، ابومحمد بن فارس، احمد بن بندار، عشار احمد بن حسن بکی، احمد بن محمد قصار، احمد بن معبد سسار، حبیب قزاز عبداللہ بن جعفر جابری، عبداللہ بن حسن بن بندار فاروق بن عبدالکبیر خطابی۔

تلامذہ

معاصرین و اقران کے علاوہ ان کے تلامذہ کی فہرست میں بے شمار ایسے لوگ بھی تھے جو سن و سال میں ان سے بڑے اور مدتوں پہلے فوت ہو چکے تھے۔ ابوعبدالرحمن سلکی نے جو اکابر صوفیہ میں اور ابو نعیم سے معمر تھے۔ طبقات الصوفیہ میں ایک شخص کے واسطہ سے ان سے روایت کی ہے۔ چند تلامذہ کے نام ملاحظہ ہوں۔ ابوبکر خطیب، ابوبکر علی دکانی، ابوسعید مالینی، ابوصالح مؤذن، ابوعلی المقری، ابوعلی وحشی، ابوالفضل حمد الحمد، ابوعلی حسن بن احمد جلاذ، سلیمان بن ابراہیم، قای عبدالسلام بن کوشیار، ابوسعید مطر، غانم، ابوبکر محمد بن ابراہیم عطار، ابومنصور محمد بن عبداللہ شروطی، ابوسعید محمد بن محمد بن مطر زہبہ اللہ بن محمد شیرازی، یوسف بن حسن نکرری۔

رحلت و سفر

ان کے شیوخ مختلف اسلامی ملکوں اور شہروں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے عراق، حجاز، خراسان، شام، بغداد، واسطہ، نیشاپور، مکہ، بصرہ اور کوفہ وغیرہ کا سفر کیا ہوگا۔

حفظ و ضبط اور ثقاہت

ابونعیم کے حفظ و ضبط اور ثقاہت و عدالت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مؤرخین اور ارباب

سیر نے ان کو ”الحافظ المشہور“ اور الحافظ الکبیر اور من الحفاظ الثقات وغیرہ لکھا ہے۔ خطیب کا بیان ہے کہ ابویہیم اور ابو حازم عبدوی بنی کے لیے حفظ کا لفظ مطلقاً بولا جاسکتا ہے۔ ابن مردویہ فرماتے ہیں: ”اس وقت روئے زمین پر ابویہیم سے بڑا حافظ و مسند کوئی نہیں، وہ حافظ الدنیا ہیں“۔ ابن سبکی تحریر فرماتے ہیں کہ وہ حفظ و ضبط میں مرتبہ کمال پر فائز تھے۔ ابویہیم صدق و ثقاہت میں بھی بلند پایہ تھے۔

حدیث میں درجہ و مرتبہ

وہ فن حدیث میں بڑا درجہ رکھتے تھے۔ علمائے سیر نے ان کو محدث العصر اور اعلام المحدثین والرواة کے لقب سے موسوم کیا ہے۔ ابن نجار کا بیان ہے کہ وہ محدثین کے سر تاج اور اعلام دین میں تھے۔ حدیث کی جمع و روایت کی طرح اس کی معرفت و روایت میں بھی شہرت و امتیاز رکھتے تھے۔ ابن سبکی کا بیان ہے کہ ”وہ ان ممتاز لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے روایت میں علو کے ساتھ درایت میں بھی حد کمال پر فائز کیا تھا“۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں ”وہ علو اسناد، حفظ حدیث اور جملہ فنون حدیث میں تبحر کے لحاظ سے پوری دنیا میں ممتاز تھے“۔ ابن عساکر فرماتے ہیں کہ ”ابویہیم جمع و معرفت حدیث میں یکتا اور فضائل و کمالات کا مجموعہ تھے۔“

فقہ و تصوف میں بلند پایگی

حدیث کے علاوہ فقہ و تصوف میں بھی جامع کمالات تھے۔ تصوف و سلوک سے ان کی دلچسپی خاندانی تھی۔ ان کے نانا محمد بن یوسف مشہور اہل اللہ اور اکابر صوفیاء میں تھے۔ ابویہیم کو بھی اس میں کمال حاصل تھا۔ اس پر ان کی شہرہ آفاق کتاب حلیۃ الاولیاء شاہد ہے۔

عقیدہ

عقائد میں اشاعرہ کے ہموار تھے۔ حافظ ابن عساکر نے تبیین میں دوسرے طبقہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ وہ اشعری مذہب کی جانب شدید میلان رکھتے تھے۔

وفات ۹۳ سال کی عمر میں محرم الحرام ۴۳۰ھ میں انتقال کیا۔

ابویہیم نے بے شمار یادگار کتب چھوڑی ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱- کتاب الاربعین ۲- جمعیت الرکبا
- ۳- جزء فضل سورة الاخلاص ۴- کتاب حرمة المساجد
- ۵- رسائل مختصره ۶- رياضة المتعلمين يا رياض المتعلم
- ۷- کتاب الرياضة والادب ۸- کتاب صفۃ الصلوة
- ۹- کتاب الطب یا کتاب الطب النبوی ۱۰- طرق حدیث
- ۱۱- کتاب الفتن ۱۲- کتاب فضائل الصحابة
- ۱۳- فضل السواک ۱۴- کتاب الفوائد
- ۱۵- کتاب المستخرج علی البخاری ۱۶- حلیۃ الاولیاء (۲۱۹)

غریب الحدیث

تعریف

لغوی

غریب بمعنی منفرد و اکیلا اور اجنبی و نامانوس، ”غریب“ کی جمع ”غرائب“ ہے۔ لغت میں غریب اس مسافر کو کہتے ہیں جو اپنے اقارب سے دور ہو۔ غریب بر وزن کریم، غامض اور خفی کے ہم معنی ہے۔ (۲۲۰)۔

اصطلاحی

اصول حدیث کی اصطلاح میں ”غریب“ اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کوئی لفظ غامض واقع ہوا ہو اور ندرت استعمال کی وجہ سے اس کے معنی سمجھ سے بعید ہوں (۲۲۱)۔

غریب الحدیث سے حدیث کے وہ دقیق و عین کلمات مراد ہیں جن کے معنی ظاہری طور پر مخفی ہوں۔ امام ابوسلیمان خطابی (۳۸۸ھ) فرماتے ہیں: ”الغریب من الکلام انما هو الغامض، البعید من الفہم“ (۲۲۲) (کلام میں غریب وہ بات ہوتی ہے جو غامض اور بعید عن الفہم ہو)۔

غریب الحدیث کی اہمیت

یہ بڑا اہم اور مشکل فن ہے۔ محدثین کے ہاں اس سے بے خبری ایک بڑا نقص تصور ہوتی ہے۔ لیکن اس میں غوطہ زنی بہت مشکل کام ہے۔ اس لیے اس میدان میں قدم رکھنے والے کو بہت سوچ بچار سے کام لینا چاہیے اور خدا سے ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں محض اپنے دہم و گمان کے سہارے نبی ﷺ کے کلام کی تفسیر کا اقدام نہ کر بیٹھے۔ اسی لیے محدثین ایسا قدم اٹھانے سے پہلے بہت زیادہ سوچ و بچار کیا کرتے تھے۔ بعض محدثین کا ذوق ایسے مضامین اور الفاظ خاص کی تلاش رہا ہے جو اپنی ندرت اور غرابت میں ہر ایک کی رسائی میں نہ ہوں۔ اس باب میں صرف وہی علمائے فن آگے بڑھ سکے جن کو طلب حدیث میں خصوصی شغف اور خاص انہماک رہا۔

رسول اکرم ﷺ فصیح العرب تھے۔ مختلف قبائل کے وفود جب آپ ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہوتے تو آپ ﷺ ان سے خطاب فرماتے اور وہ آپ ﷺ کی باتوں کو اچھی طرح سے سمجھتے تھے۔ اصحاب رسول ﷺ بھی آپ ﷺ کے ارشادات کو بخوبی سمجھتے تھے۔ اگر کسی بات کو نہ سمجھ پاتے تو آپ ﷺ سے پوچھ لیتے۔ رسول اکرم ﷺ کی وفات تک معاملہ یونہی چلتا رہا۔ عصر صحابہؓ میں عربی زبان بالکل خالص اور غیر مخلوط تھی۔ اس میں عجیت کا شائبہ تک نہ تھا۔ جب اسلامی فتوحات میں وسعت آئی اور عجمی اقوام درجوق مشرف باسلام ہو کر عربوں میں مکمل مل گئیں تو باہم شادیاں ہونے کی وجہ سے ایک نئی قوم معرض وجود میں آئی اس قوم کی زبان میں عجیت کی ملاوٹ تھی۔ لہذا ان لوگوں کو خطاب کرنے کے لیے ایسی زبان کا سیکھنا ناگزیر ہو گیا جو ان کے مناسب حال ہو۔ بعد ازاں تابعین بھی صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر رواں دواں رہے مگر عربی زبان رفتہ رفتہ عجیت کی طرف بڑھتی چلی گئی اور عصر تابعین میں ہی یہ عربی سے عجمی میں تبدیل ہو گئی (۲۲۳)۔ اب حالت یہ ہو گئی کہ لوگوں کے لیے حدیث نبوی ﷺ کے بعض الفاظ کا سمجھنا دشوار ہو گیا۔

غریب الحدیث کے کام کا آغاز و ارتقاء

تابعین نے غریب الحدیث کے موضوع پر کام کیا۔ ابتدائی محدثین میں امام مالک بن انسؒ، سفیان ثوریؒ اور شعبہ بن جابرؒ کے اساتذہ گرامی قابل ذکر ہیں۔ پھر مسلسل اس موضوع پر کام کرنے کا سلسلہ جاری ہو گیا اور علما مشکل الفاظ کے معنی بیان کرتے رہے۔ اس ضمن میں انہوں نے بڑی بڑی کتابیں لکھیں جو بعد میں آنے والوں کے لیے بڑی کارآمد ثابت ہوئیں۔ اگر یہ آئمہ اعلام جانفشانی اور عرق ریزی سے کام نہ لیتے تو آج ہم احادیث نبویہ کے عظیم ذخیرہ سے استفادہ نہ کر سکتے۔ غریب الحدیث کی تلاش اور روایت کسی کمزوری کی بات نہیں بلکہ یہ وہ باب کمال ہے جو اس فن کے متوالوں کو ہی نصیب ہوتا ہے اور اس کا ذوق وہ شان علم ہے جو اس فن کے اونچے علمایں کو میسر آتا ہے۔

مختصر تاریخ

اس فن کی اہمیت کی بنا پر وقتاً فوقتاً علمائے محدثین نے جو خدمات انجام دیں ہیں اس کا مختصر تاریخی جائزہ یہ ہے:

۱۔ ابوالحسن الطبرانیؒ (م ۲۲۰ھ) (۲۲۳) تقدم زمانہ کی وجہ سے بعض

- لوگ اسے غریب الحدیث پر لکھنے والا پہلا مصنف شمار کرتے ہیں (۲۲۵)۔
- ۲۔ ابوعلی محمد بن احمد المستعیر القطرب (م ۲۰۶ھ) نے غریب الحدیث پر ایک کتاب ”غریب الآثار“ کے نام سے مرتب کی ہے (۲۲۶)۔
- ۳۔ ابو عبیدہ معمر بن قتی التمیمی (م ۲۱۰ھ) نے بھی غریب الحدیث پر ایک مختصر کتاب لکھی بعض اصحاب السیر و سوانح نگار اسے فن غریب الحدیث کا مؤسس تصور کرتے ہیں (۲۲۷)۔
- ۴۔ عبد الملک بن قریب الصمعی (م ۲۱۳ھ) نے اس موضوع پر عمدہ کتاب لکھی (۲۲۸)۔ بقول محمد عبدالعزیز الخولانی ان کی کتاب اصلاً ابو عبیدہ معمر بن قتی کی کتاب پر کچھ اضافہ ہے (۲۲۹)۔
- ۵۔ ابو عبیدہ قاسم بن سلام (م ۲۲۳ھ) نے اس موضوع پر عمدہ کتاب لکھی۔ جس کا نام ہی غریب الحدیث ہے۔
- ۶۔ عبداللہ بن مسلم بن قتیہ الدینوری (م ۲۷۶ھ) نے بھی ابو عبیدہ القاسم بن سلام کی تالیف غریب الحدیث پر حواشی لکھے (۲۳۰)۔
- ۷۔ امام ابراہیم بن اسحاق الحرابی (م ۲۸۵ھ) نے فن غریب الحدیث پر ایک کتاب پانچ جلدوں میں لکھی ہے۔ اس میں متون و اسانید کے ذکر میں بڑی طوالت سے کام لیا ہے (۲۳۱)۔
- ۸۔ ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب الخطابی البستی (م ۳۸۸ھ) نے غریب الحدیث کے نام سے مشہور کتاب تصنیف کی جو کہ کتب غرائب کی امہات میں شمار ہوتی ہے (۲۳۲)۔
- ۹۔ ابو عبیدہ احمد بن محمد الحر وی (م ۴۰۱ھ) نے بھی غریب الحدیث پر ”غریبین“ کے نام سے ایک کتاب لکھی جسے حروف حجبی کے حساب سے مرتب کیا ہے (۲۳۳)۔
- ۱۰۔ الشریف الرضی محمد بن حسین (م ۴۰۶ھ) نے بھی ”الجازات النبویہ“ کے نام سے غریب الحدیث پر کتاب مرتب کی ہے (۲۳۴)۔
- ۱۱۔ ابوالقاسم جار اللہ محمود بن عمر الزحیری (م ۵۳۸ھ) نے ”الفاقی فی غریب الحدیث“ کے نام سے ایک کتاب لکھی (۲۳۵)۔
- ۱۲۔ ابوموسیٰ محمد بن ابی بکر اشعری مدینی (م ۵۸۱ھ) نے بھی ہروی کے انداز پر ایک کتاب مرتب

کر کے اسے (المجموع المغیث فی غریب القرآن والحديث) کا نام دیا ہے جو کہ ہر وی کی کتاب کے مٹمات و مکملات میں سے ہے (۲۳۶)۔ دارالمدنی جدہ والوں نے عمدہ طریقے سے شائع کی ہے۔

۱۳۔ ابو الفرج عبد الرحمن بن الجوزی (م ۵۹۷ھ) صاحب التصانیف الکثیرہ نے بھی غریب الحدیث پر عمدہ کتاب مرتب کی ہے۔ کتاب کی ترتیب میں الہروی کا اسلوب و منہج اختیار کیا ہے۔

۱۴۔ ابوالسعادات مبارک بن محمد بن شیبانی المعروف ابن الاثیر (م ۶۰۶ھ) نے بھی غریب الحدیث پر "النهاية فی غریب الحديث" کے نام سے کتاب مرتب کی ہے (۲۳۷)۔

۱۵۔ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی کتاب "الدر النثیر فی تلخیص نہایۃ ابن الاثیر" یہ نہایہ ابن الاثیر کا خلاصہ ہے (۲۳۸)۔

۱۶۔ طاہر ہاشمی سمرقانی (م ۹۸۶ھ) نے بھی غریب القرآن والحدیث پر مشہور کتاب لکھی جس کا نام "مجمع بحار الانوار فی غرائب التوہیل ولطائف الاخبار" ہے (۲۳۹)۔

۱۷۔ وحید الزمان بن مسیح الزمان (م ۱۳۳۸ھ) نے لغات الحدیث لکھی (۲۴۰)۔

مختصر حالات محدثین و کتب غریب الحدیث

۱۔ ابوالحسن النضر بن شمس مازنی نحوی (م ۲۰۳ھ)

ابوالحسن النضر بن شمس مازنی نحوی تقریباً ۱۲۲ھ کو پیدا ہوئے (۲۴۱)۔ تیسری صدی کے محدثین میں سے ہیں۔ آپ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ ممتاز حافظ حدیث ہیں لغت کے ماہر اور اہل مرو کے عالم ہیں (۲۴۲)۔

احمد بن سعید دارمی کہتے ہیں میں نے ان سے سنا فرماتے تھے: "مجھے میرے والد ۶۵ یا ۶۶ برس کی عمر میں مرو روز سے بصرہ لے آئے تھے۔ یہ سنہ ۱۲۸ھ کا واقعہ ہے اور اس وقت ابوسلم خراسانی کا قتلہ عروج پر تھا" (۲۴۳)۔ آپ وشم بن عروہ، حمید الطویل، اسماعیل بن ابی خالد، ابن عون، وشم بن حسان، کوفہ اور بصرہ کے دوسرے بہت سے محدثین سے روایت کرتے ہیں اور ان سے محبئی بن معین،

اسحاق بن راہویہ، اسحاق الککوج، محمد بن رافع، احمد بن سعید دارمی اور دوسرے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے (۲۳۳)۔

ابو حاتم کہتے ہیں آپ ثقہ اور قبیح سنت ہیں (۲۳۵)۔ عبد اللہ بن مبارک سے ان کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا یکتائے زمانہ لوگوں میں سے ہے (۲۳۶)۔ عباس بن مصعب کہتے ہیں آپ لغوی عرب اور حدیث دانی میں امام تھے۔ مرو اور خراسان میں سب سے پہلے علم حدیث کی بنیاد انہوں نے ڈالی (۲۳۷)۔ امام شعبہ سے، سب سے زیادہ حدیث روایت کرنے والوں میں سے تھے (۲۳۸)۔ انہوں نے اتنی کثیر تعداد میں مفید کتب لکھیں کہ ان سے پہلے کسی نے اتنی تعداد میں مفید کتابیں تصنیف نہیں کیں (۲۳۹)۔ مرو کے منصب قضاء پر فائز رہے (۲۴۰)۔ احمد دارمی کہتے ہیں میں نے نصر سے سنا ہے فرماتے تھے کتاب الحیل میں ایسے مسئلے ہیں جن پر کفر لازم آتا ہے (۲۴۱)۔

داؤد بن مخراق کہتے ہیں میں نے نصر بن شہیل سے سنا ہے فرماتے تھے جب تک آدمی طلب علم میں بھوکا ہو کر اپنی بھوک کو نہ بھولے علم کی لذت حاصل نہیں کر سکتا (۲۴۲)۔ بعض کا خیال ہے کہ نصر بن شہیل قرن حدیث کے محدثین میں سے ہیں۔ ان کی کتاب ”غریب الحدیث“ بہت عمدہ طریقے سے لکھی گئی۔ امام نصر بن شہیل خراسان کے شہر مرو میں ۲۰۳ھ میں فوت ہوئے (۲۴۳)۔

۲۔ محمد بن احمد المستعیر المعروف قطرب (م ۲۰۶ھ)

مشہور نحوی اور لغوی ابو علی محمد بن احمد المستعیر قطرب کے نام سے معروف ہیں (۲۴۴)۔ بصرہ میں پیدا ہوئے۔ علم نحو کا درس مشہور نحوی سیبویہ سے حاصل کیا (۲۴۵)۔ مسلک معتزلہ کے اصول مشہور و معروف معتزلی نظام سے سیکھے۔ آپ کے علمی آثار و خدمات میں سے کتاب ”غریب الآثار“ ہے (۲۴۶) جو کہ حدیث کے مشکل الفاظ و غموضات کو حل کرنے کے لیے بہترین تحفہ سمجھا جاتا ہے۔

قطرب ابو دلف القاسم بن عیسیٰ کے بچوں کا اتالیق تھا۔ وہ المامون اور المعتصم دونوں کے زمانے میں پڑھا تا رہا اور یوں اسے مسجد میں خطبہ و وعظ کی اجازت مل گئی۔ جہاں وہ اپنے لحدانہ عقائد کی تلقین و اشاعت کرتا۔ وہ معتزلی عقیدے کے مطابق قرآن مجید کی اپنی تحریر کردہ تفسیر کو پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔ جہاں تک لغت کا تعلق ہے اس کی سند تسلیم کرنے میں اختلاف ہے پھر بھی ابن خلکان نے لکھا ہے

کہ قطرب پہلا شخص ہے جس نے لغت میں مثلث کو ایجاد کیا (۲۵۷)۔ ایسے ہم شکل عربی الفاظ جمع کیے ہیں جن کے شروع حرف کی حرکت بدل دینے سے معنی بدل جاتے ہیں۔ یہ کتاب ”مثلث قطرب“ راقم الحروف کی تحقیق سے پنجاب یونیورسٹی کے مجلہ میں شائع ہوئی ہے۔ ان میں تصنیفات میں سے جو اس سے منسوب ہیں ہمیں صرف مندرجہ ذیل کا علم ہے:

- ۱۔ کتاب المثلث (مثلث قطرب) ۲۔ کتاب الاضداد
- ۳۔ کتاب ماخالف فیہ الانسان البھیمہ ۴۔ کتاب الازمنہ
- ۵۔ معانی القرآن ۶۔ کتاب القوانی
- ۷۔ کتاب فعل و افعیل ۸۔ کتاب النوادر
- ۹۔ کتاب الھمز (وفیات الاعیان کے ولی الدین کے نسخہ میں ”کتاب الھمزہ“ ہے۔
- ۱۰۔ کتاب الاصوات ۱۱۔ کتاب الفرق
- ۱۲۔ کتاب الالھاق ۱۳۔ کتاب الصفات
- ۱۴۔ کتاب العلل ۱۵۔ کتاب خلق الفردوس
- ۱۶۔ کتاب الرد علی المسجدین (۲۵۸)

انہوں نے ۲۰۶ھ میں وفات پائی (۲۵۹)۔

۳۔ ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ تمیمی بصری (م ۲۱۰ھ)

(i) حالات زندگی

آپ بصرہ کے رہنے والے لغت کے امام ہیں آپ کا حافظہ بڑا قوی تھا، بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں (۲۶۰)۔ آپ ۱۱۰ھ میں جس رات پیدا ہوئے اسی رات حسن بصری کا انتقال ہوا۔ آپ کے اساتذہ میں ہشام بن عروہ، رؤبہ بن حجاج، ابو عمرو بن العلاء شامل تھے (۲۶۱)۔ شاگردوں میں علی بن المدینی، ابو عبیدہ قاسم بن سلام، ابو عثمان مازنی، عمر بن قتبہ، علی بن المغیرہ الاثرم اور ابو العینا شامل ہیں (۲۶۲)۔

یہ محدث نہیں ہیں سہل قلم سے ان کا نام محدثین میں درج ہو گیا ہے (۲۶۳)۔ جاحظ کہتے

ہیں خوارج اور غیر خوارج میں تمام علوم پر ابو عبیدہ سے زیادہ عبور رکھنے والا کوئی نہیں (۲۶۵)۔ امام ذہبی کہتے ہیں مجھے اپنی سند سے ان کے ذریعے فرزدق کا یہ قول پہنچا ہے: ”میں حج کرنے جا رہا تھا کہ راستہ میں ذات عرق کے مقام پر بہت سے خیمے نظر آئے میں نے پوچھا یہ خیمے کس کے ہیں؟ لوگوں نے بتایا یہ جناب حسین بن علیؑ کے خیمے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو پوچھنے لگے تم کوفہ سے آرہے ہو بتاؤ وہاں کے حالات کیسے ہیں؟ میں نے عرض کیا: ”لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں اور ان کی تلواریں بنو امیہ کے ساتھ ہیں“ (۲۶۶)۔

یعقوب بن شیبہ محدث فرماتے ہیں: ”میں نے علی بن مدینی کو ابو عبیدہ کا ذکر اچھائی سے کرتے ہوئے سنا“ (۲۶۷)۔ حنفی بن مصعب ابو عبیدہ کی روایات کو قبول کرتے تھے (۲۶۸)۔ ان کی دو سو سے زائد کتب ہیں جن میں سے درج ذیل مشہور ہیں:

- ۱۔ مجاز القرآن ۲۔ کتاب غریب الحدیث
- ۳۔ کتاب مقتل عثمان ۴۔ کتاب اخبار الحجاج (۲۶۹)۔
- آپ ۲۱۰ھ میں فوت ہوئے (۲۷۰)۔

(ii) کتاب غریب الحدیث

غریب الحدیث پر ابو عبیدہ معمر بن قیس بصری نے ایک مختصر کتاب لکھی۔ اس کتاب کے مختصر ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ اس سے زیادہ معلومات ان کے پاس موجود نہ تھیں بلکہ اس لیے کہ کسی کام کا آغاز کرنے والا پہلے معمولی پیمانے پر اس کام کو شروع کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اس زمانے کے لوگ اکثر الفاظ کو جانتے تھے۔ اس لیے موصوف نے انہی الفاظ کی وضاحت کی جو لوگوں کو معلوم نہ تھے (۲۷۱)۔

۴۔ عبد الملک بن قریب المسمی (م ۲۱۶ھ)

(i) حالات زندگی

ابو سعید عبد الملک بن قریب ادب میں حجت اور عربی زبان کے ماہر تھے (۲۷۲)۔ آپ ۱۲۲ یا

۱۲۳ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی جائے پیدائش ”مرؤ“ بھی بیان کی گئی ہے (۲۷۳) آپ نے ابن عون سلیمان بن النعمی، ابو عمرو بن العلاء اور قرۃ بن خالد وغیرہ سے احادیث روایت کی ہیں اور آپ سے ابو عبیدہ، یحییٰ بن معین اور سلمہ بن عاصم، زکریا بن یحییٰ المہضری اور عمر بن قتیبہ وغیرہ نے احادیث روایت کی ہیں (۲۷۴)۔ اور عباس الدوری یحییٰ ابن معین سے اور یحییٰ ابن معین، اصمعی سے روایت کرتے ہیں آپ نے کہا مجھ سے مالک بن انس نے بھی روایت کیا ہے (۲۷۵) اور علم حدیث کے متعلق احمد بن حنبل نے اس کی تعریف کی ہے (۲۷۶) اصمعی کہتا ہے شعبہ نے مجھ سے کہا اگر میں فارغ ہوتا تو آپ کے پاس آتا (۲۷۷)۔ آپ ۲۱۶ھ میں فوت ہوئے (۲۷۸)۔

عبد الملک بن قریب اصمعی نے غریب الحدیث پر کتاب لکھی۔ یہ ابو عبیدہ کے زمانے میں تھے۔ انہوں نے اس کے بعد کتاب غریب الحدیث پر لکھی وہ بہت عمدہ کتاب ہے۔ وہ بھی ابو عبیدہ معمر بن ثنی کی کتاب پر کچھ اضافہ ہے (۲۷۹)۔

۵۔ ابو عبیدہ القاسم بن سلام (۲۲۳ھ)

(i) حالات زندگی

آپ سمندر جیسا علم رکھنے والے فقیہ اور مجتہد تھے۔ لغت کے امام اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے (۲۸۰)۔ آپ ۱۵۷ھ میں پیدا ہوئے (۲۸۱)۔ اسماعیل بن جعفر، شریک قاضی، یثیم، ابن عیینہ، عباد بن عوام اور ان کے طبقہ سے حدیث کا سماع کیا۔ ان کے بعد ہشام بن عمار اور ان جیسے دوسرے نچلے طبقے کے لوگوں سے بھی روایت کرتے ہیں (۲۸۲) ان سے داری، ابو بکر بن ابی الدنیا، علی بن عبد العزیز، حارث بن ابی اسامہ، محمد بن یحییٰ مردزی اور دوسرے لوگ مستفید ہوئے (۲۸۳)۔ آپ ہرات میں پیدا ہوئے اور ان کے والد رومی تھے (۲۸۴)۔

امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں ”اللہ تعالیٰ صداقت کو دوست رکھتا ہے۔ ابو عبیدہ مجھ سے زیادہ عالم اور زیادہ فقیہ ہیں۔“ یہ بھی فرمایا: ”ہم ابو عبیدہ کے محتاج ہیں لیکن ابو عبیدہ کو ہماری حاجت نہیں“ (۲۸۵)۔ امام احمد فرماتے ہیں ”ابو عبیدہ استاد ہیں ان کی خیر و برکت میں ہر روز اضافہ ہو رہا ہے (۲۸۶)۔ امام یحییٰ سے ان کے متعلق پوچھا گیا تو بولے تعجب ہے ابو عبیدہ جیسے آدمی کے بارے میں

لوگوں سے پوچھا جاتا ہے (۲۸۷)۔ ابوداؤد کہتے ہیں آپ ثقہ اور مامون ہیں (۲۸۸)۔

امام ذہبی فرماتے ہیں میں کہتا ہوں جو شخص ابوعبید کی کتابوں کا مطالعہ کرے گا اسے علم اور حفظ میں ان کے مقام کا اچھی طرح سے اندازہ ہو جائے گا۔ وہ حدیث کے حافظ اور اس کے علل کو جاننے والے تھے۔ علم لغت کے ماہر اور علم تجوید کے امام تھے۔ اس فن میں انہوں نے ایک تصنیف بھی یادگار چھوڑی ہے۔ دیرینک سرحدی علاقوں میں قاضی رہے۔ آپ ۲۲۳ھ کو مکہ معظمہ میں فوت ہوئے۔ آپ کی تصانیف میں ”کتاب الاموال“ اور ”کتاب النسخ والمسخ“ ملتی ہیں (۲۸۹)۔

(ii) کتاب غریب الحدیث

ابوعبید نے مذکورہ علما کے بعد اس موضوع پر نہایت مفید کتاب لکھی۔ جس کو بعد میں آنے والے علما نے مرجع و ماخذ قرار دیا۔ کہا جاتا ہے کہ موصوف نے اس کتاب کی ترتیب میں اپنی ساری عمر کھپا دی۔ چالیس سال اس کی تالیف و ترتیب میں لگے رہے (۲۹۰)۔

مؤلف نے اس کتاب کو مسانید کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے اور احادیث کو سند کے ساتھ پیش کیا ہے اس کے بعد احادیث کے غوامض کی تشریح قرآن و سنت اور کلام العرب کے استشہاد کے ساتھ پیش کیا ہے (۲۹۱)۔ ابوعبید لوگوں سے زبانی معلومات لیتے تھے پھر ان کو کتاب میں درج کرتے تھے (۲۹۲)۔ اس کتاب کا مقدمہ نہیں ہے۔ مختصر خطبہ ہے اور شروع میں اس کتاب کی ابتدا میں سلسلہ سند مصنف تک ذکر کیا گیا ہے اور حدیث ”زویت لی الارض فأریت مشارقها ومغاربها وسیبلغ ملک امتی ما زوی لی منها“ کے بعد لفظ ”زوی“ کے معنی اور اس لفظ کے متعلق اقوال، دوسری اجاڑت سے تشریح کی ہے۔ نیز الاعشیٰ کا ایک شعر بطور شاہد پیش کیا ہے (۲۹۳)۔ بعض جگہوں پر حدیث کے صرف لفظ کی تشریح کرنے پر اکتفا کیا ہے مثلاً فالعج: رفع الصوت بالتلبية، والنج: سیلان دماء الهدی (۲۹۴)۔ بعض مقام پر حدیث کی تشریح کرنے کے بعد آیت بھی پیش کرتے ہیں مثلاً

حدیث: انه کان یصلی ولجوفه أزیز کازیز المرجل من البكاء قولہ أزیز۔ یعنی غلیان جوفہ بالبكاء والاصل فی الأزیز الا لتهاب والحركة،

وكان قوله "انا ارسلنا الشياطين على الكافرين توزهم ارا" ومن هذا. اي تدفعهم وتسوقهم وهو من التحريك (۲۹۵)۔

۶۔ عبد اللہ بن مسلم بن قتیہ الدینوری (م ۲۷۶ھ)

(i) حالات زندگی

مشہور محدث ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیہ الدینوری ۲۱۳ھ میں پیدا ہوئے تھے (۲۹۶)۔ بعض علما آپ کو مرو کے شہر کی جانب منسوب کر کے مروزی کہتے ہیں۔ آپ کتاب المعارف اور کتاب ادب الکاتب کے مصنف ہیں (۲۹۷)۔ آپ بڑے فاضل اور ثقہ آدمی تھے (۲۹۸)۔ بغداد میں سکونت پذیر رہ کر اسحاق بن راہویہ و ابواسحاق ابراہیم زیادوی و ابو حاتم بختانی اور اس طبقہ کے دیگر علما سے حدیث کا درس لیا (۲۹۹)۔ ابن قتیہ سے ان کے بیٹے ابو جعفر احمد فقیہ نے حدیثیں روایت کیں (۳۰۰) جو ۳۲۱ھ میں عازم مصر ہو کر منصب قضاء پر فائز ہوئے تھے۔ مذکورہ دو کتابوں کے علاوہ ابن قتیہ نے مندرجہ ذیل کتب تصانیف کیں جو نہایت مفید ہیں۔

تصانیف

(۱) غریب القرآن	(۲) غریب الحدیث
(۳) عیون الاخبار	(۴) مشکل القرآن
(۵) مشکل الحدیث	(۶) طبقات الشعراء
(۷) کتاب الاثریہ	(۸) کتاب اصلاح الفاظ
(۹) کتاب التقیہ	(۱۰) کتاب الخیل
(۱۱) کتاب اعراب القرآن	(۱۲) کتاب الانواء
(۱۳) کتاب المسائل والجابات	(۱۴) کتاب المیسر والقدر وغیرہ (۳۰۱)

ابن قتیہ تمام زندگی بغداد میں رہ کر اپنی تصانیف پڑھاتے رہے (۳۰۲)۔ بعض علما کے نزدیک ابن قتیہ کے والد مرو کے رہنے والے تھے مگر ابن قتیہ بغداد میں اور بعض کے قول کے مطابق

کوفہ میں پیدا ہوئے (۳۰۳)۔ چونکہ ابن قتیہ دینور کے شہر میں عرصہ تک قاضی رہے تھے اس لیے دینوری مشہور ہوئے (۳۰۴)۔

ابن قتیہ کا میلان احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کے فقہی مسلک کی طرف ہے۔ کتاب التحدیث کے مصنف ابن قتیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ”وہ عظیم امام محدث اور فقیہ تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ بہترین مصنف ومؤلف بھی تھے۔ ان کی تصانیف تین سو کے لگ بھگ ہیں۔ آپ امام احمد بن حنبل اور اسحاق کے فقہی مسلک کی جانب مائل تھے۔“

اہل مغرب آپ کی بہت تعظیم کرتے اور کہتے ہیں کہ ”جو شخص ابن قتیہ کی غیبت کو جائز سمجھتا ہے وہ زندقہ ہے“ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ”جس گھر میں ابن قتیہ کی کوئی تصنیف موجود نہیں وہ خیر و برکت سے محروم ہے۔“

خطیب بغدادی فرماتے ہیں: ”ابن قتیہ نہایت ثقہ دین دار اور فاضل تھے۔“ آپ نے راجع قول کے مطابق ماہِ ربیع الثانی ۲۷۶ھ میں وفات پائی (۳۰۵)۔

(ii) کتاب غریب الحدیث

ان کی کتاب کو غریب الحدیث میں ماخذ کی حیثیت حاصل رہی۔ ابن قتیہ اس کتاب میں ابو عبیدہ قاسم بن سلام کی ہموار کردہ راہ پر گامزن رہے (۳۰۶)۔ ابو عبیدہ کی کتاب سے صرف وہی چیز اخذ کی جس کی شدید ضرورت تھی مثلاً کہیں شرح کا اضافہ کیا یا لفظ کی وضاحت کر دی۔ ابن قتیہ کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں: ”میرا خیال ہے کہ ان دو کتابوں کے بعد غریب الحدیث کے بارے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہے گی“ (۳۰۷)۔

مصنف نے اس کتاب کو ابو عبیدہ کی غریب الحدیث کے بعد تحریر کیا ہے اور جس الفاظ کو ابو عبیدہ نے ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ جو انہوں نے چھوڑا ہے ان الفاظ کو جمع کیا ہے۔ ابن قتیہ لکھتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے ”میں عرصے سے ابو عبیدہ کی غریب الحدیث کو اس فن میں کافی سمجھتا تھا۔ لیکن جب میں نے وقت نظر سے دیکھا اور پرکھا تو معلوم ہوا جتنا انہوں نے ذکر کیا ہے۔ اتنا یا اس سے زیادہ رہ گیا ہے۔ اس پر میں نے الفاظ کے مشتقات، مصادر اور اشعار سے شواہد کے ساتھ عرب کے واقعات اور

مثالوں، سلف صالحین کے اقوال اور ان کے الفاظ حدیث پر اعراب وغیرہ شامل کر کے اس کو جمع کیا ہے۔“ (۳۰۸)۔

اور کتاب کا منبج یہ ہے۔

۱۔ مصنف نے اس کتاب کو پہلے فقہی ابواب الوضوء، الصلوٰۃ، الزکوٰۃ، الاذان، الصیام، العتاق اور الطلاق وغیرہ کی ترتیب سے لکھا ہے اور ان ابواب کے الفاظ کی تشریح کی ہے۔ تشریح میں اقوال، قرآنی آیات حدیث اور اشعار کو استشعا د میں بیان کیا ہے۔ مثلاً وضو کے بارے میں لکھتے ہیں یہ نماز کے لیے کیا جاتا ہے۔ لفظ وضوء سے ہے جس کے معنی صفا کی اور خوبصورتی کے ہیں۔ اسی سے کہا جاتا ہے ”فلان وضی۔ الوجه“ (یعنی فلاں صاف، خوبصورت چہرہ والا ہے)۔ گویا منہ دھونے والا وضوء سے ہے یعنی پانی سے چہرہ صاف کیا اور اس کو خوبصورت بنایا۔ جس نے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء سے کوئی عضو یا پرگندہ بالوں کو پانی سے ٹھیک کیا تو وہ بھی وضوء ہے (۳۰۹)۔

۲۔ پھر قرآن کی سورتوں اور حزبوں کے بارے میں وارد احادیث کی الفاظ کی تشریح کی ہے۔ فرقان کے بارے میں لکھا ہے۔ یہ قرآن حق و باطل اور مومن و کافر کے درمیان فرق کرنے والی ہے اور اسے قرآن اس لیے بھی کہا گیا ہے کیونکہ اس میں تمام سورتیں جمع ہیں (۳۱۰)۔

۳۔ قرآن میں وارد کافروں، ظالموں، فاسقوں، منافقوں، فاجروں اور طغویوں کے بارے میں احادیث کے الفاظ کی تشریح کی ہے اور ان اسما کا ماخذ بیان کیا ہے۔ کافر کی لغوی تشریح میں لکھتے ہیں ”کفرت الشیء“ سے کسی چیز کو ڈھا پنا ہے۔ اسی سے کہا جاتا ہے ”نکفر فلان فی السلاح“ جب اسلحہ اٹھائے۔ رات کو بھی کافر کہتے ہیں کیونکہ رات ہر چیز کو چھپاتی ہے (۳۱۱)۔

۴۔ پھر باطل ادیان رافضی، مرجیہ، قدریہ اور خوارج کی لغوی تشریح کی ہے۔

مرجیہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ”مرجیہ ہمزہ اور بغیر ہمزہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ یہ ”رجبیت الشیء“ سے ہے اور ”ارجافۃ“ اس وقت بولا جاتا ہے جب آپ تاخیر کریں۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کافران ”ترجی من تشاء منہن“ (۳۱۲)۔ یہ نام اس لیے رکھا کہ ان کا خیال ہے ایمان صرف زبان سے اقرار کرنا ہے عمل کا کوئی دخل نہیں (۳۱۳)۔

۵۔ اس طرح ان احادیث رسول ﷺ کے الفاظ کی تشریح کی ہے جن میں صحابہ کرام، تابعین یا ان کے بعد آنے والوں کے مطابق ناقص و تعارض ہے (۳۱۳)۔ کتاب کے آخر میں ان احادیث کو ذکر کیا ہے جو کسی کی طرف منسوب نہ تھیں انہیں اہل لغت نے ذکر کیا ہے لیکن اس کا مرجع معلوم نہیں (۳۱۵)۔

۷۔ امام ابراہیم الحرمی (م ۲۸۵ھ)

(i) حالات زندگی

ابو اسحاق ابراہیم بن اسحاق بغداد کے رہنے والے نامور حافظ حدیث اور چوٹی کے عالم ہیں (۳۱۶)۔ آپ ۱۹۸ھ میں پیدا ہوئے (۳۱۷)۔ انہوں نے ابو نعیم، ہوزہ بن خلیفہ، عفان، عبد اللہ بن صالح عجمی، ابو نعیم، مسدد اور ان کے طبقہ سے حدیث کا سماع کیا (۳۱۸)۔ امام احمد سے فقہ کا علم حاصل کیا (۳۱۹) بلکہ آپ ان کے کبار تلامذہ میں سے ہیں اور ان سے ابن صاعد، ابو بکر نجاد، ابو بکر شافعی، عمر بن جعفر خلکی، عبد الرحمن بن عباس اور دوسرے لوگ مستفید ہوئے (۳۲۰)۔

ابو خطیب کہتے ہیں: ”آپ علم میں امام اور زہد میں سرکردہ تھے فقہ کو جاننے والے اور احکام میں صاحب بصیرت تھے۔ حدیث کے بلند پایہ حافظ اور اس کی نقل کے ماہر تھے۔ فہم ادب کو ضبط کرنے والے اور لغت کے جامع تھے“ (۳۲۱)۔ ثعلب کہتے ہیں: ”میں پچاس سال سے جانتا ہوں کہ ابراہیم حربی لغت اور نحو کی کسی مجلس سے غیر حاضر نہیں رہے“ (۳۲۲)۔ سلمی کہتے ہیں: میں نے ابراہیم حربی کے متعلق امام دارقطنی سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ان کو زہد و علم میں امام احمد کے ہم پلہ سمجھا جاتا تھا (۳۲۳)۔ کہتے ہیں ایک دفعہ خلیفہ معتضد باللہ نے امام حربی کی خدمت میں دس ہزار درہم بھیجے مگر انہوں نے واپس کر دیے۔ پھر ایک دفعہ ایک ہزار دینار بھیجے۔ وہ بھی واپس کر دیے اور لینے سے انکار کر دیا۔ خود ابراہیم کا اپنا بیان ہے کہ میں کبھی کوئی شعر نہیں پڑھتا مگر اس کے بعد تین دفعہ قل ھو اللہ احد پڑھتا ہوں (۳۲۴)۔ عبد اللہ بن امام احمد کہتے ہیں: مجھ سے میرے والد نے کہا: ”ابراہیم حربی کی خدمت میں جاؤ تاکہ وہ تمہیں فرائض کی تعلیم دیں“ (۳۲۵)۔ امام حاکم کہتے ہیں: ”میں نے محمد بن صالح قاضی سے سنا ہے فرماتے تھے۔ بغداد نے فقہ، حدیث، ادب اور زہد میں ابراہیم حربی جیسا کوئی آدمی پیدا نہیں

کیا یعنی یہ ان تمام فنون میں ماہر تھے“ (۳۲۶)۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں: ”یہ ہر علم میں ماہر اور راست گواہ ہیں (۳۲۷)۔ آپ نے ذی الحجہ ۲۸ھ میں وفات پائی۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں (۳۲۸)۔ امام ذہبی فرماتے ہیں: غیلائیات میں ان کی روایت کے مطابق اپنی سند سے مجھے حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث ملی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: حاصل نہ ہونے والی چیز کے ساتھ اپنے آپ کو بہرہ ور ظاہر کرنے والا جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح ہے (۳۲۹)۔

(ii) کتاب غریب الحدیث

آپ نے بھی اس فن پر ایک کتاب لکھی جس کا نام غریب الحدیث ہے۔ اس کتاب میں شرح وسط کے ساتھ گفتگو کی ہے اور غریب الحدیث پر مشتمل احادیث کا استیعاب کیا ہے۔ متون و اسانید کے ذکر و بیان میں بڑی طوالت سے کام لیا ہے (۳۳۰)۔

اس کتاب کے اصل نسخے کی پانچویں جلد جامعہ ام القریٰ کو میسر آئی تو اس کی تحقیق ڈاکٹر سلیمان بن ابراہیم بن محمد العابد نے کی ہے۔ بقول محقق اس کتاب کی صرف پانچویں جلد میسر آئی ہے باقی اجزاء مفقود ہیں۔ اسی جلد سے محقق نے یہ معلوم کر لیا ہے کہ معنف نے اس کی ترتیب و تنظیم میں کون سی مجمع اور خطہ سازی اختیار کی ہے (۳۳۱)۔ یہ کتاب مؤرخین کے ہاں معروف ہے اور وہ اس بات کے بھی معترف ہیں کہ غریب الحدیث کے باب میں بے مثال کتاب ہے (۳۳۲)۔ ابن الاثیر اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں: ”وجمع کتابہ المشہور فی غریب الحدیث، وهو کتاب کبیر ذو مجلدات عدۃ، جمع فیہ وبسط القول وشرح، واستقصی الاحادیث بطرق اسانیدھا، واطالہ بذكر متونها والفاظھا، وان لم یکن فیھا الا کلمۃ واحدة غریبۃ (۳۳۳) (ان کی مشہور تصنیف غریب الحدیث ہے۔ جو بہت بڑی کتاب ہے اور کئی جلدوں میں ہے۔ اس میں اقوال کو جمع کیا اور تشریح و توضیح کی اور ان احادیث کی سندوں کے تمام طرق بیان کیے اور اس کتاب میں ایسے متون و الفاظ بیان کر کے طویل کیا۔ اگرچہ اس حدیث میں صرف ایک ہی غریب لفظ ہو)۔

ابن الاثیر کی اس بات سے معلوم ہوا کہ اس کتاب کی کئی جلدیں ہیں۔ زیر بحث کتاب

اسی (غریب الحدیث) کی پانچویں جلد ہے۔ محقق ڈاکٹر سلیمان لکھتے ہیں: ”وصل الیسا من کتاب الحربی غریب الحدیث المجلدة الخامسة منه، ولم نطلع على بقية اجزائه ومقدمة التي درج المؤلفون على بيان خطتهم ومنهجهم وطريقهم في التصنيف فيها، وقد حرمنا بهذا الفقد خيرا كثيرا (۳۳۳) (امام الحربی کی کتاب ”غریب الحدیث“ سے ہم تک صرف پانچویں جلد پہنچی ہے باقی اجزا اور وہ مقدمہ جس میں مؤلفین نے اس کتاب کے خطہ، منہج اور طریقہ تصنیف بیان کیا تھا ضائع ہو گیا۔ اس سے ہم بہت بڑی خیر سے محروم ہو گئے)۔ اس کتاب کے طریقہ تصنیف کے بارے میں محقق لکھتے ہیں ”کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے محدثین کے طریقے پر کتاب کو جمع کیا اور لغویوں کے طریقے پر تصنیف کیا یا دونوں طریقوں کو جمع کیا ہے (۳۳۵)۔ محدثین کا طریقہ اپناتے ہوئے حدیث کو سندوں کے ساتھ جمع کیا ہے اور لغویوں کا طریقہ اپناتے ہوئے نظام تقالیب، حروف، محلائی و رباعی و خماسی وغیرہ کی ترتیب پر مرتب کیا ہے۔ مثلاً:

اس کتاب کا پہلا باب ”سجڑ“ ہے۔ اس لفظ کے متعلق حدیث کی پہلے سند پھر متن حدیث اور اقوال ذکر کیے ہیں۔ اس کے بعد اس لفظ کی تفریع کرتے ہوئے ان احادیث اور آیات کو پیش کیا جن میں یہ لفظ موجود ہے (۳۳۶)۔ اسی طرح سے باب ثل میں طریقہ اپنایا ہے (۳۳۷)۔

۸۔ امام ابو سلیمان الخطابی، البستی (م ۳۸۸ھ)

(i) حالات زندگی

آپ کی کنیت ابو سلیمان نام محمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب ہے آپ بستی کے رہنے والے تھے اسی وجہ سے آپ کو بستی کہا جاتا ہے (۳۳۸)۔ نامور لغوی اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں (۳۳۹)۔ انہوں نے پہلے طلب علم کے لیے دور دراز ممالک کا سفر کیا اور مکہ مکرمہ میں ابو سعید ابن الاعرابی، بغداد میں اسماعیل بن محمد صغار اور اس طبقہ کے دوسرے علماء سے سماع کیا (۳۴۰)۔ بصرہ میں ابو بکر، ابن داسہ اور نیشاپور میں ابو العباس الاعمم اور دیگر محدثین سے حدیث کا سماع کیا (۳۴۱)۔ ان سے امام حاکم، ابو حامد اسفرائینی، ابو نصر محمد بن احمد طبری، ابو مسعود حسین، محمد کراہیسی، ابو عمرو محمد بن عبد اللہ، ابو عبید ہروی، ابو الحسن عبد الغافر فارسی اور دوسرے بہت سے لوگ روایت کرتے ہیں (۳۴۲)۔ محالہ

”یتیمہ الدھر“ میں ان کا نام ”احمد بن محمد“ لکھا ہے جو کہ غلط ہے صحیح نام ”محمد بن محمد“ ہے۔ (۳۳۳)۔

آپ نے نیشاپور میں عرصہ دراز تک قیام کیا اور تصنیف و تالیف میں بھی مصروف رہے آپ کے قلم سے مندرجہ ذیل کتابیں پایہ تکمیل کو پہنچیں۔ غریب الحدیث، کتاب معالم السنن شرح سنن ابی داؤد، کتاب شرح الاسما الحسنی، کتاب العزله اور کتاب الغنیۃ عن الکلام ولہلہ وغیرہ (۳۳۳)۔ آپ ثقہ اور محدث تھے علم کا خزانہ تھے۔ بغداد میں علم لغت، ابو عمر زاہد سے اور علم فقہ ابو علی بن ابی ہریرہ اور نقال سے حاصل کیا (۳۳۵)۔ بہت عمدہ شعر کہتے تھے۔ خود فرماتے ہیں جب ہم ابو سعید بن الاعرابی سے سنن ابی داؤد کا سماع کر رہے تھے میں نے ان سے سنا ہے فرماتے تھے اگر کسی کے پاس کتاب اللہ اور سنن ابی داؤد کے علاوہ کوئی کتاب نہ ہو تو اس کو مزید کسی علم کی قطعاً ضرورت نہیں۔ مجھے ان کے واسطے سے حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث ملی ہے ”آ غرضو علیہ السلام“ نے فرمایا: ایمان نے کسی کو بے خبری میں قتل کرنے سے روک دیا ہے لہذا کوئی مومن کسی کو بے خبری میں قتل نہ کرے“ (۳۳۶)۔

امام خطابی نے بست میں رجب الاخر ۳۸۸ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا (۳۳۷)۔

(ii) کتاب غریب الحدیث

آپ نے اس کی کتابت میں ابو سعید القاسم بن سلام اور عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری کے مناج اختیار کیے ہیں۔ کوشش یہ کی ہے کہ ابن قتیبہ اور ابو سعید کے کتابوں میں جو احادیث موجود نہیں ان کو یکجا کیا جائے اس طرح یہ تینوں کتابیں غریب الحدیث کی امہات میں شمار ہوتی ہیں (۳۳۸)۔ اس (کتاب) کے بارے میں صاحب التہلیۃ ابن الاثیرؒ یوں کہتے ہیں: ”خطابی نے اس کی تالیف میں عدل و انصاف اور حق گوئی و سچائی کا حق بہتر اعزاز سے ادا کیا ہے“ (۳۳۹)۔

ابن الاثیر نے اپنی کتاب ”انہایہ“ میں بہت سا مواد خطابی کی غریب الحدیث سے لیا ہے اور امام بیہقی نے السنن الکبریٰ میں اسے نقل کیا ہے (۳۵۰)۔ زحشری نے اپنی کتاب ”الغائق“ میں اور ابن حجر نے ”فتح الباری“ میں بہت سا مواد اسی سے نقل کیا ہے (۳۵۱)۔

امام خطابی کی ”غریب الحدیث“ اپنے فن میں معروف کتاب ہے۔ علماء نے اس کی بہت

تعریف کی ہے۔ امام شعبی (م ۳۲۹ھ) فرماتے ہیں: ”ولابی سلیمان کتب من تالیفه وأشهرها وأیسرها: کتاب فی غریب الحدیث، وهو فی غایة الحسن والبلاغة“ (۳۵۲) (ابو سلیمان) (خطابی) کی تالیف کردہ چند کتابیں ہیں ان میں زیادہ مشہور اور آسان کتاب غریب الحدیث پر ہے اور وہ نہایت ہی عمدہ اور بلیغ ہے۔

ابو الحسن علی بن یوسف القفطی (م ۶۳۶ھ) فرماتے ہیں ”ومن مشهور کتبه فی اللغة کتاب غریب الحدیث، وهو غایة فی بابہ“ (۳۵۳) اس (خطابی) کی مشہور کتابوں میں سے کتاب غریب الحدیث، لغت پر ہے جو اپنے باب میں اعلیٰ درجہ کی ہے۔

مقدمہ کتاب میں غریب حدیث کی ضرورت اور تاریخ بیان کرنے کے بعد اپنی کتاب کے بارے میں لکھا ہے: ”اما کتابنا هذا فقد کان خرج لی بعضه وأنا إذ ذاک ببخاری فی سنة تسع وخمسين وثلاثمائة، فطلب إلیّ اخواننا بها ان امکنهم من انتساخه وأحبوا أن يتعجلوا فائدته من غیر تعریج علی فی اتمامه وتلوم فی النظرة لأن یبلغ اناءه، فأخرجت لهم عنه ولما یات النظر بعد علی استیفاء ملاحظته ولم یقع الاحتشاد منی لتهدیبه (۳۵۴)۔“

مؤلف حدیث کا متن سند کے ساتھ لاتے ہیں اور بعض دفعہ دوسری روایت کے ساتھ کوئی اور سند بھی بیان کرتے ہیں اس کے بعد لغوی تفسیر بیان کرتے ہیں اور اس توضیح و تفسیر کی تائید میں ایک حدیث یا کئی احادیث بیان کر دیتے ہیں یا اس (غریب) کے معنی اور شواہد کے لیے قرآنی آیات اور عربی اشعار کا بھی سہارا لیا ہے اور شرح غریب کلمات کے بعد کوئی فقہی مسئلہ ہو تو اس کو بھی بیان کر دیتے ہیں۔

یہ کتاب کسی خاص ترتیب کے ساتھ مرتب نہیں کی گئی ہے۔ جیسا کہ مؤلف نے وضاحت کی ہے۔ مقدمہ کے بعد حدیث اور لغت عرب کے طالب علم کے فضائل و فرائض کا ذکر کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی فصاحت و بلاغت کی مثالیں، غریب الحدیث زیادہ ہونے کے سبب بیان کرنے کے بعد الفاظ کی تشریح شروع کی ہے۔

مثلاً حدیث: ”انہ کان اذا مشی، مشی مجتمعا، يعرف فی مشیہ انہ غیر غرض ولا وکل“۔

سند یرویہ ابن ابی السری عن یحییٰ بن راشد، عن داؤد بن ابی ہند عن عکرمۃ عن ابن عباس۔

لغوی تشریح الغرض، الملول الضیق الصدر، والغرض: الملاۃ۔

تشریح کی تائید میں دوسری حدیث

ومنہ حدیث عدی بن حاتم الطائی، حدثنا احمد بن ابراہیم بن مالک، نا بشر بن موسیٰ، ثنا عبد الصمد بن حسان، انا السری بن یحییٰ عن محمد بن سیرین قال: قال عدی بن حاتم: لما سمعت برسول اللہ کرہتہ اشد کراہیۃ، فسرت حتی نزلت اقصى جزیرۃ العرب، فاقمت بها حتی اشتد غرضی..... ثم ذکر قصہ قدومہ علی رسول اللہ واسلامہ (۳۵۵)۔ بعض اوقات حدیث کے بعد سند اور پھر فقہی مسئلہ بیان کرنے کے بعد لغوی تشریح کرتے ہیں اور اس کی تائید میں قرآنی آیت، دوسری حدیث اور اقوال و اشعار پیش کرتے ہیں۔ مثلاً حدیث ”انہ اسر ثمامۃ بن اثال، فأبی ان یسلم قصرا، فاعتقه فاسلم“۔

سند حدثناہ محمد بن المالکی، انا الصائغ، نا سعید بن منصور، نا یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدۃ، عن عبد الملك بن ابی سلمان، عن عطاء بن ابی رباح فقہی مسئلہ ففیہ دلیل علی أن للإمام أن یمن علی الأسیر من غیر فداء ولا مال لغوی تشریح

وقوله: قصراً معناه: حبساً علیہ واجباراً، يقال: قصرت نفسی علی الشیء إذا حبستها علیہ۔ اس کی تائید میں آیت ومن هذا قوله تعالیٰ ”حور مقصورات

فی الخيام "ای محبوسات علیٰ أزواجهن مخدرات۔ اس کی تائید میں حدیث ومنہ حدیث أسماء بنت عبید الأشہلیہ "أنها أتت رسول الله فقالت: يا رسول الله! إنا معشر النساء محصورات مقصورات، قواعد بيوتكم، وحوامل أولادكم، فهل نشارككم في الأجر؟ فقال النبي ﷺ عليه: نعم، إذا أحسنتن تبعل أزواجكن، وطلبتن مرضاتهن" يقال امرأة قصورة وقصيرة! أي مخدرة۔

تشریح کی تائید میں شعر انشدنی أبو عمر، انشدنا ثعلب، عن أبي الاعرابی:
وَأنت التي حببت كل قصيرة إلى ولم تعلم بذاك القصائر

عنيت قصيرات الحجال ولم أرد قصار الخطاشر النساء البهاتر (۳۵۶)

۹۔ ابو عبید احمد بن محمد لہروی (م ۴۰۱ھ)

(i) حالات زندگی

آپ کا اسم گرامی احمد بن محمد کنیت ابو عبیدہ لہروی کی طرف نسبت سے مشہور ہے (۳۵۷)۔ آپ نے علم اللسان ازہری سے حاصل کیا (۳۵۸) اور آپ سے حدیث حافظ بزاز اور ابو عثمان الصابونی بیان کرتے ہیں (۳۵۹) آپ نے ۴۰۱ھ میں وفات پائی۔ علمی ورثہ میں چھوڑی ہوئی تصنیفات میں سے ”غریبین“ قرآن و سنت کی مشکل الفاظ حل کرنے کے لیے مشہور کتاب ہے (۳۶۰)۔

(ii) کتاب الغریبین

آپ ابو سلیمان الخطابی کے شاگرد تھے انہوں نے غریب القرآن والمحدث کے موضوع پر ”کتاب الغریبین“ لکھی۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت معروف ہوئی۔ موصوف نے اس کتاب کو حروف حتمی پر ترتیب دیا۔ قبل ازیں کسی مصنف نے اپنی کتاب کو اس طرح مرتب نہیں کیا تھا۔ اس میں متون و اسانید اور رواۃ و رجال کو جگہ نہیں دی تھی۔ سابقہ کتب میں غریب الحدیث سے متعلق جو مواد تھا اس کو یکجا کیا اور پھر اس پر اضافے کیے۔ اس طرح یہ کتاب نہایت بہترین ترتیب کی حامل اور بہت عمدہ کتاب بن گئی۔ البتہ اس میں یہ نقص باقی رہا کہ اس میں حدیثوں کو متفرق طور پر ترتیب حروف حتمی مرتب

کیا گیا ہے اس لیے احادیث میں کوئی ترتیب ان کے اعتبار سے موجود نہیں۔

غریب الحدیث معلوم کرنے کے سلسلے میں یہ کتاب مناخرین کے لیے اہم ترین ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ بہت سے لوگوں نے اس کی بیرونی کی اور جو احادیث ان سے رہ گئیں تھیں ان کا اضافہ کیا (۳۶۱)۔ اسی کتاب کے اصل نسخہ کا کوئی علم نہیں دیگر کتب سے معلومات ملتی ہیں۔

۱۰۔ الشریف الرضی محمد (م ۴۰۶ھ)

(i) حالات زندگی

آپ کا نام ابوالحسن محمد بن الطاہر ہے اور آپ کا حسب و نسب حضرت علیؑ تک جا پہنچتا ہے (۳۶۲)۔ الشریف الرضی کے لقب سے معروف ہیں۔ آپ بغداد میں ۳۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے باپ کی زیر نگرانی تربیت پائی۔ بچپن ہی میں علم حاصل کیا (۳۶۳) بڑی عمر کے بعد قرآن کا علم سیکھنا شروع کیا اور کم مدت میں قرآن حفظ کر لیا۔ آپ نے معانی القرآن پر ایک ایسی کتاب لکھی جس کی مثال لوگ پیش کرنے سے عاجز ہیں (۳۶۴)۔

فقہ و علم الفرائض میں کمال اور علم و ادب میں مہارت و تفوق سے سرفراز ہوئے۔ ابھی عمر بیس برس سے زیادہ نہ ہوئی تھی کہ شاعری کرنے لگے۔ ۳۸۸ھ میں جب وہ انتیس برس کے ہوئے تو طالعین کی نقابت میں اپنے باپ کی جانشینی کی اور بعد ازاں باقی ماندہ امور بھی انہیں تفویض کر دیے گئے جو ان کا والد انجام دیتا تھا۔ یعنی مقدمات کے فیصلے کرنا اور لوگوں کو حج کرانا وہ ایک مدت تک یہ فرائض انجام دیتے رہے (۳۶۵)۔ آپ ایک بہترین شاعر بھی تھے اور آپ کا ایک دیوان بھی ہے جو کہ چار مجلدات میں ہے اور کئی بار چھپ چکا ہے۔ امام ذہبی کا کہنا ہے آپ مذہباً شیعہ تھے۔ محرم اور بعض کے نزدیک صفر ۴۰۶ھ کو وفات پا گئے (۳۶۶)۔

(ii) مجازات الآثار النبویہ

آپ کے علمی آثار میں سے مجازات الآثار النبویہ ہے جو کہ چھپ چکی ہے اور فن غریب الحدیث کے لیے ایک بہترین اضافہ ہے (۳۶۷)۔

۱۱۔ ابوالقاسم محمود الزعزری (م ۵۳۸ھ)

(i) حالات زندگی

محمود بن عمر بن محمد نام، کنیت ابوالقاسم اور زعزری طرف آپ کی نسبت ہے (۳۶۸)۔ آپ زعزری میں ۳۶۷ھ میں پیدا ہوئے جو خوارزم کی ایک بہت بڑی بستی ہے (۳۶۹)۔ نصر بن الطغر اور دیگر نامور اساتذہ سے زانوئے تلمذ کا شرف حاصل ہے (۳۷۰)۔ لغت و ادب اور تفسیر وغیرہ کا شہسوار سمجھا جاتا ہے۔ ان کو بلاغت، معانی اور بیان وغیرہ پر بھی دسترس حاصل ہے اور تالیف و تصنیف میں نامور شخصیت ہیں۔

تصانیف میں سے چند یہ ہیں: تفسیر الکشاف، الجا جاة بالمسائل الخویہ، المفرد والمرکب، الفائق فی غریب الحدیث، اساس البلاغۃ، ریح الابرار وخصوص الاخبار، تشبیه اسمی، الاصحاح الکبار، الاصحاح الصغار، ضلالتہ الناشر والرائض فی علم الفرائض وغیرہ (۳۷۱)۔ آپ نے ۴۳۸ھ میں وفات پائی (۳۷۲)۔

(ii) الفائق فی غریب الحدیث

”الفائق فی غریب الحدیث“ انہیں کی شاہکار تصنیفات میں سے ہے۔ آپ نے اس کتاب کو حروف حجبی کے مطابق مرتب کیا ہے مگر کسی غریب لفظ کو اس کتاب میں تلاش کرنا بڑا دشوار ہے اگرچہ یہ دشواری سابقہ کتب کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔

آپ نے اس کتاب کی تالیف میں یہ اسلوب اختیار کیا ہے کہ پوری حدیث یا حدیث کا کچھ حصہ نقل کرتے ہیں اور پھر غریب الفاظ کی شرح کرتے ہیں اس طرح ایک حدیث کے تمام غریب الفاظ کی شرح ایک ہی لفظ کے زیر اثر آ جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک کلمہ کی شرح جہاں کرنا چاہیے اس کے بجائے دوسری جگہ اس کی وضاحت کر دی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے احمد بن محمد اللہودی کی کتاب سے استفادہ الفائق کی نسبت آسان تر ہے (۳۷۳)۔ الفائق مطبوع ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے احادیث و آثار کے مشکل الفاظ کو حروف معجم پر مرتب کیا ہے۔ مثلاً حمزہ مع الباء پھر حمزہ مع التاء پھر حمزہ مع الاء آخر تک (۳۷۴) اور ان الفاظ کی تشریح کی ہے۔ ہر حرف کے تحت لفظ کا مادہ بیان کیا ہے پھر اس

میں حروف تہجی کا لحاظ نہیں رکھا ہے۔ مثلاً لفظ دال کے تحت ”دیر“ کے بعد ”دباء“ پھر ”دخ“ پھر ”دیب“ کی تشریح کی ہے (۳۷۵)۔ بعض مقام پر ایک لفظ کا کسی جگہ ذکر کر کے پھر دوبارہ کسی اور لفظ کی تشریح کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً ”حرف میم مع الذال“ میں ”جزم“ کے بعد ”جذع“، ”جذعم“، ”جذر“، ”جزیرہ“، ”جذر“، ”جذل“، کے بعد پھر دوبارہ ”جزم“ کی تشریح کی ہے (۳۷۶)۔

تفسیر کشف انہیں کی تالیف ہے۔ علوم عربیہ میں امام فن سمجھے جاتے ہیں۔ فائق کے معنی ہیں فوقیت لے جانے والا۔ سو یہ کتاب واقعی اسم ہاستی ہے۔ اس نے غریب الحدیث کی ہر مشکل آسان کر دی ہے۔ علامہ ابن اثیر جزری (م ۶۰۶ھ) جنہوں نے خود اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب لکھی ہے الفائق کے بارے میں لکھتے ہیں: ”ولقد صادف هذا الاسم المسمى وكشف من غريب الحديث كل معنى“ (۳۷۷)۔

۱۲۔ ابو موسیٰ اشعری المدنی اللہ علیہ وسلم (م ۵۸۱ھ)

(i) حالات زندگی

آپ کی کنیت ابو موسیٰ اور نام محمد بن ابی بکر بن عمر بن ابوعیسیٰ ہے (۳۷۸)۔ آپ اصفہان کے رہنے والے طلیل القدر حافظ حدیث اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں (۳۷۹)۔ آپ ذی قعدہ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے (۳۸۰)۔ ان کے والد بچپن میں ہی ان کو اپنے ہمراہ حدیث کی مجالس میں سماع کے لیے جایا کرتے تھے چنانچہ دو سال کی عمر میں آپ کا ابوسعید مطرز کے حلقہ درس میں حاضر ہونا مشہور ہے (۳۸۱)۔ اس سے آپ کے دل میں علم کی لگن پیدا ہو گئی۔ حدیث کا بہت سماع کیا اور اعلیٰ تعلیم کے لیے مختلف ممالک کی طرف سفر کیا اور اس فن میں کمال پیدا کیا۔

آپ نے ابو منصور محمد بن عبد اللہ بن مندویہ، غانم برجی، ابو علی حداد، ابو الفتح محمد بن عبد اللہ بن خردست، ابو الرجا محمد بن ابوزید، حافظ محمد بن طاہر مقدسی، ابوزکریا بن منندہ، مہدیہ اللہ بن حسن ابرقوی اور اس طبقہ کے دوسرے اہل علم سے حدیث کا سماع کیا (۳۸۲)۔ ابو القاسم تمیمی وغیرہ سے سند فراغت حاصل کی (۳۸۳)۔ آپ نے بہت سی مفید اور نافع کتابیں تصنیف کیں (۳۸۴)۔ آپ کو فن غریب الحدیث میں معرفت تامہ اور روایت واسعہ حاصل تھی علو اسناد کے ساتھ ساتھ علم حدیث میں تفوق اور

برتری بھی آپ پر ختم تھی۔ محدثین کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے بذریعہ اجازت روایت کی ہے (۳۸۵)۔

ابن وہبؒ فرماتے ہیں: آپ اتنا عرصہ زندہ رہے کہ حفظ و اسناد میں اپنے عہد کے در یگانہ اور شیخ زمانہ بن گئے (۳۸۶)۔ سمعانی کہتے ہیں میں نے ان سے سماع کیا ہے اور انہوں نے مجھ سے لکھا ہے (۳۸۷)۔ امام عبد القادر کہتے ہیں کہ آپ نے اصغہان میں حدیث کا اتنا سماع کیا کہ ان کے زمانے میں اتنا کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ آپ نے اس قدر کتابیں لکھیں کہ حقد میں میں سے شاید ہی کسی نے لکھی ہوں۔ آپ نے ان میں قابل اعتماد مواد جمع کیا ہے۔ آپ نے عسرت و تنگدستی میں زندگی بسر کی۔ کسی سے نذرانہ یا ہدیہ قبول نہ کرتے تھے۔ کئی دفعہ لوگوں نے پیش قیمت مال کی وصیت کی مگر آپ نے ہمیشہ اسے مسترد کر دیا۔ تواضع اور فروتنی کا یہ حال تھا کہ بچوں اور بڑوں کو پڑھانے اور مبتدیوں کی رہنمائی کرنے میں امتیاز نہیں کرتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ تختیوں پر لکھ کر بچوں کو قرآن مجید یاد کرایا کرتے تھے۔ تمبا آتے جاتے تھے۔ میں تقریباً ڈیڑھ سال آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اس عرصے میں میں نے آپ سے کوئی ایسا فعل نہیں دیکھا اور نہ کوئی ایسی بات سنی جس کی وجہ سے آپ پر عیب لگ سکے (۳۸۸)۔ آپ کی تصانیف میں سے چند قابل ذکر درج ذیل ہیں:

- ۱۔ کتاب ذیل معرفۃ الصحابہ
- ۲۔ کتاب الطوالات
- ۳۔ کتاب تسمیۃ الغریبین
- ۴۔ کتاب اللطائف
- ۵۔ کتاب عوالی التابیین
- ۶۔ کتاب التصحیح المعمر
- ۷۔ کتاب العقوت (۳۸۹)۔

ایک خواب: حسین بن یوحنا، دوری کہتے ہیں ایک دفعہ شہر خان میں مجھ سے کسی نے خواب کی تعبیر پوچھی۔ سائل نے خواب میں دیکھا ہے کہ رسول ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے میں نے کہا اگر تمہارا یہ خواب درست ہے تو اس کا مطلب ہے کہ کسی ایسے نامی گرامی امام کا انتقال ہو جائے گا جس کی زمانے میں نظیر نہیں کیونکہ اس قسم کے خواب امام شافعیؒ، امام ثوریؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی وفات کے وقت دیکھے گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ ابھی شام بھی نہیں ہوئی تھی کہ ہمیں حافظ ابو موسیٰ کی وفات کی خبر پہنچی (۳۹۰)۔

عبد اللہ بن محمد بخندی کا بیان ہے کہ ان دونوں اصفہان میں قحط کی سی حالت اور پانی کی سخت قلت تھی اور لوگ حافظ ابو موسیٰ کے دفن سے فارغ ہوئے اور ادھر موسلا دھار بارش برسنے لگی جس سے سخت گرمی میں کافی حد تک کمی ہو گئی (۳۹۱)۔ محمد بن محمود ویدشتی کہتے ہیں حافظ ابو موسیٰ کا انتقال ۹ جمادی الاول سنہ ۵۸۱ھ میں ہوا (۳۹۲)۔

(ii) المجموع المغیث فی غریب القرآن والحدیث

ابو موسیٰ اشعری نے احمد بن محمد الہروی کے انداز پر ایک کتاب لکھی اور غریب القرآن والحدیث سے متعلق جو مواد اس میں شامل نہ تھا وہ اپنی کتاب میں درج کیا (۳۹۳)۔

مؤلف نے اس کتاب کی ترتیب و تہذیب کو حسن و کمال کے انتہا کو پہنچایا کسی غریب لفظ کی ضرورت پڑ جائے تو ان دونوں میں سے کسی ایک کتاب میں آپ ضرور پائیں گے۔ مشکل لفظ ڈھونڈنے میں کسی قسم کی الجھن محسوس نہیں کریں گے (۳۹۴)۔ اس کتاب کی تعریف میں امام ابن الاثیر (م ۶۰۶ھ) یوں فرماتے ہیں ”ابو موسیٰ المدینیؒ نے کتاب المغیث کو اس انداز میں تصنیف کیا ہے کہ ہر وی سے غریب القرآن والحدیث میں جو قدر و منزلت اور فائدہ کی باتیں چھوٹ گئی تھیں ان سب کو جمع کر دیا ہے اور اس تصنیف کے فوائد و اسلوب بیان اور ترتیب و تنظیم کے لحاظ سے ہر وی کے ہم مسلک اور مماثل نظر آتے ہیں“ (۳۹۵)۔ یہ کتاب قرآن اور احادیث کے مشکل الفاظ کی تشریح میں ہے۔ چونکہ مصنف نے یہ کتاب ابو عبیدہ ہروی کی کتاب الغریبین کی منہج پر لکھی ہے اس لیے جو الفاظ اس سے رہ گئے تھے وہ جمع کرنے کی کوشش کی ہے لیکن بعض الفاظ کئی اور وجوہ کی بنا پر شامل کیے ہیں اس میں صرف حدیث نہیں بلکہ قرآن کو بھی لیا گیا ہے (۳۹۶)۔

کتاب کو حروف معجم پر ترتیب دیا ہے ”باب ہمزہ“ سے شروع کیا گیا ہے۔ اس طرح ہر حرف کے لیے الگ باب مقرر کیا ہے اور ہر باب میں بھی حروف حتمی کے لحاظ سے الفاظ کو جمع کیا ہے اور ان کی تشریح میں اختصار سے کام لیا ہے۔ ضرورت سے زیادہ تشریح کرنے سے گریز کیا ہے۔ مثلاً لفظ ”اسد“ کے بارے میں لکھتے ہیں: ”فی حدیث لقمان بن عاد: ”خذ منی اخی ذا الاسد“ کأنه وصفه بالشجاعة۔ یقال: اسد واستاسد اذا اجتراً۔ ومنه ما فی حدیث أم زرع: ”اذا

خرج أسدٌ ويقال أسد الرجل إذا خزف وذهش عند رؤية الأسد (۳۹۷)۔

ابن خلکان لکھتے ہیں ”وہو کتاب نافع“ (۳۹۸)۔

۱۳۔ ابوالفرج ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ)

ابوالفرج، عبدالرحمن بن ابی الحسن علی بن محمد المعروف جمال الدین بغداد کے رہنے والے جلیل القدر حافظ حدیث، عالم عراق اور واعظ آفاق ہیں (۳۹۹)۔ آپ کے جد اعلیٰ نے شہر واسط میں اپنے گھر میں اخروٹ کا درخت لگایا ہوا تھا ان کے علاوہ پورے شہر میں یہ درخت کسی کے گھر میں نہیں تھا اس لیے جوزی (اخروٹ والا) کے نام سے مشہور ہو گئے اور آپ کی اولاد ابن الجوزی کہلائی۔ آپ ۵۱۰ھ میں یا اس سے کچھ پہلے پیدا ہوئے اور ۵۱۶ھ میں حدیث کا سماع شروع کیا (۴۰۰)۔ آپ تین سال کے تھے جب باپ کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا اور آپ کو یتیمی کا رنج سہنا پڑا۔ والد کی رحلت کے بعد آپ کی بھوپھی نے آپ کی تربیت کی۔ آپ کے عزیز واقارب بیتل کی تجارت کرتے تھے اس لیے آپ اکثر اپنی تحریروں میں اپنا نام عبدالرحمن بن علی منفار لکھتے تھے۔ جب آپ نے ہوش سنبالا اور لکھنے پڑھنے کے قابل ہو گئے۔ تو آپ کی بھوپھی نے آپ کو حافظ ابن ناصر کے حلقہ درس میں داخل کرا دیا انہوں نے آپ کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ مبذول فرمائی اور علم کا وسیع ذخیرہ آپ کے قلب و دماغ میں اتار دیا (۴۰۱)۔

آپ نے ابوالقاسم بن حصین، علی بن عبدالواحد دینوری، ابو عبد اللہ حسین بن محمد بارع، ابو السعادات احمد بن احمد متوکل، اسماعیل بن ابوصالح مؤذن اور دوسرے متعدد علماء سے حدیث کا سماع کیا۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد ۸۶ تک پہنچتی ہے۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے اس قدر علم لکھا جو احاطہ شمار سے باہر ہے۔ ۵۲۰ھ سے وعظ کہنا شروع کیا اور یہ سلسلہ تادم واپس جاری رہا (۴۰۲)۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست بھی خاصی طویل ہے۔ چند قابل ذکر نام درج ذیل ہیں۔ آپ کے صاحبزادہ محی الدین، آپ کے پوتے مشہور واعظ شمس الدین یوسف بن فرغلی اور حافظ عبدالغنی وغیرہ ہیں (۴۰۳)۔

آپ کو پُر تاثیر وعظ کہنے کا وہ ملکہ حاصل تھا جو آپ سے پہلے کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ ملوک و سلاطین اور خلفا بھی آپ کے وعظ میں شرکت کو باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ کہتے ہیں آپ کی بعض مجالس میں

ایک ایک لاکھ کی حاضری ہوتی تھی مگر اس میں مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ تقریباً دس ہزار آدمی حاضر ہوتے تھے۔ اپنے قلم سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں (۴۰۳)۔ آپ نے اتنی کتابیں لکھی ہیں کہ اسلاف اور معاصرین میں سے کسی نے اتنی کتابیں نہیں لکھیں۔ ان میں سے چند قابل ذکر درج ذیل ہیں:

- ۱۔ المغنی فی علوم القرآن، بڑی ضخیم کتاب ہے۔ ۲۔ زاد المسیر ۴ جلد
- ۳۔ تذکرۃ الارباب فی الملحدۃ ۴۔ الوجوہ والنظائر
- ۵۔ فنون الاقنان ۶۔ جامع المسانید
- ۷۔ الہدائق ۸۔ نفی اھل
- ۹۔ عیون الحکایات
- ۱۰۔ التحقیق فی مسائل الخلاف وغیرہ (۴۰۵)

آپ کی کل تصانیف ۲۵۰ سے زیادہ ہیں (۴۰۶)۔

ابو الفرج ابن الجوزی نے خاص طور پر غریب الحدیث کے موضوع پر ایک کتاب لکھی جس میں الہروی کا انداز اختیار کیا۔ بلکہ ان کی کتاب الہروی کی کتاب سے مختصر ہے۔ ابن الجوزی صرف ایک آدھ لفظ کا اضافہ کرتے ہیں۔ بخلاف ازیں ابو موسیٰ مدینی الہروی کی کتاب سے صرف وہی مواد لیتے ہیں جس کی شدید ضرورت ہوتی ہے (۴۰۷)۔

۱۳۔ ابن الاثیر (م ۶۰۶ھ)

(i) حالات زندگی

امام محمد الدین ابوالسعادات مبارک بن محمد بن عبد الکریم شیبانی المعروف ابن الاثیر (۴۰۸) ان کے والد محمد اثیر کہلاتے تھے۔ اس لیے ان کے دو بھائیوں کی ابن الاثیر کے نام سے شہرت ہوئی۔ ربیع الاول یاربیع الثانی ۵۴۳ھ میں جزیرہ ابن عمر میں پیدا ہوئے اور یہیں پرورش پائی (۴۰۹)۔

آپ نے ابوالقاسم صاحب ابن النحل بغدادی، ابو محمد سعید بن مبارک بن زحان، ابوالفضل عبد اللہ بن احمد الخطیب الطوسی عبد المؤمن بن کلیب، عبد الوہاب بن سیکنہ اور یحییٰ بن سعدون قرطبی

وغیرہ سے فیض حاصل کیا (۴۱۰)۔ آپ کے تلامذہ میں آپ کے فرزندوں کے علاوہ شہاب قومی اور نضر الدین بن بخاری وغیرہ مشہور ہیں (۴۱۱)۔

ابن الاثیر امراء اور سلاطین سے بھی ملتے رہتے اور ان کو اپنے زمانہ کے موصل کے تمام امراء کے ہاں رسوخ حاصل تھا۔ ابن الاثیر امیر مجاہد الدین قایماز بن عبد اللہ کے نائب تھے (۴۱۲)۔ مگر عملاً وہی اصلی سلطان تھے۔ امیر سیف الدین نے اس کی قابلیت، لیاقت، حسن خدمت اور عمدہ کارگزاری کی وجہ سے تمام معاملات ان کے سپرد کر دیے تھے (۴۱۳)۔

علامہ ابن الاثیر نے متعدد کتب و رسائل تالیف کیے۔ ان کی تمام تصنیفات اسلوب بیان اور حسن تحریر کے لحاظ سے دلکش ہیں۔ ابن خلکان لکھتے ہیں: آخر میں انہیں ایک مرض لاحق ہو گیا اس کی وجہ سے ہاتھ پاؤں مفلوج ہو گئے اور وہ چلنے پھرنے اور لکھنے پڑھنے سے بالکل معذور ہو گئے۔ پھر باقی وقت اپنے گھر میں ہی گوشہ نشینی کی حالت میں گزارا۔ اس وقت علما و اکابر ان سے استفادہ کے لیے گھر آتے تھے۔ انہوں نے اپنی تمام تصنیفات معذوری اور خانہ نشینی کے زمانہ میں تالیف کیں۔ اس زمانہ میں ان کو پوری یکسوئی حاصل تھی اور ایک جماعت تھی جو کتابوں (کی مراجعت اور حوالوں) کے نقل و اقتباس میں ان سے پورا تعاون کرتی تھی (۴۱۴)۔

علامہ ابن الاثیر نے اس معذوری اور خانہ نشینی کے زمانہ میں ذی الحجہ ۶۰۶ھ کو موصل میں انتقال کیا (۴۱۵)۔

(ii) کتاب النہایۃ فی غریب الحدیث والاثار

غریب الحدیث پر ان کی کتاب معروف ہے۔ انہوں نے الہروی اور ابو موسیٰ مدینی کی کتب میں موجود مواد کو یک جا کیا اور اس کے علاوہ کتب حدیث میں خواہ وہ صحیح ہوں یا سنن یا جوامع و مصنفات و مسانید جوامع حدیث مل سکیں ان کے مشکل الفاظ کی تشریح کی۔ الہروی کی کتاب کے لئے انہوں نے ”لا“ کو بطور رمز مقرر کیا۔ اور ابو موسیٰ مدینی اصنفہانی کی کتاب کو ”س“ سے ظاہر کرتے ہیں۔ اپنی کتاب کا نام انہوں نے ”النہایۃ فی غریب الحدیث والاثار“ رکھا ہے (۴۱۶)۔ یہ کتاب لغت حدیث اور غریب الحدیث میں سند سمجھی جاتی ہے۔

- مصنف نے مقدمہ سے کتاب کو شروع کیا ہے اس میں الفاظ کی مختلف تقسیم، غریب الحدیث کی تاریخ اور اس فن کو ایجاد کرنے کی وجوہات بیان کی ہیں۔ جو کہ اختصار کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں:
- ۱۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو وہ علم دیا تھا جو دوسرے نہیں جانتے تھے صحابہ کرام آپ کی اکثر بات سمجھ لیتے تھے اور جو سمجھ میں نہ آئے آپ ﷺ سے پوچھ لیتے تھے۔
 - ۲۔ صحابہ کے زمانے میں عربی زبان خالص تھی مختلف ممالک کی فتح، غیر عرب سے میل جول تک اس میں کوئی خلل داخل نہیں ہوا تھا۔
 - ۳۔ تابعین کے دور میں عربی اور عجمی زبانیں مل گئی تو علمائے عربی زبان کی حفاظت میں کتابیں تصنیف کیں (۴۷۷)۔

امام ابن الاثیر اپنی کتاب کے متعلق لکھتے ہیں: اس کتاب میں غریب الحدیث اور آثار کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے:

- ۱: مسی کی طرف منسوب ہے۔
 - ۲: کسی کی طرف منسوب نہیں ہے اس میں اکثر اور غالب حدیث رسول ﷺ ہیں۔ تھوڑے ہی الفاظ ہیں جن کی حقیقت معلوم نہیں کہ یہ حدیث ہے یا نہیں۔ میں اسی جگہ پر تنبیہ کرتا ہوں (۴۷۸)۔
- ابن الاثیر نے اپنی کتاب کے الفاظ کو حروف تہجی کے لحاظ سے ابواب میں ترتیب دیا ہے اور اس لفظ کے متعلق حدیث بیان کرنے کے بعد تشریح کی ہے اور دوسرے اقوال، امثال اور اشعار سے وضاحت کی ہے کہ اس لفظ کا اصل مشتق اور صیغہ وغیرہ بیان کیے ہیں۔ جیسے لفظ ”اب“ میں لکھتے ہیں (فی حدیث انس) أن عمر بن الخطاب قرأ قول الله عز وجل ”وفاكهة وأب“ وقال ”فما لأب؟ ثم قال: ما كلفنا أو ما أمرنا بهذا“ الأب: المرعى المتهبى للرعى والقطع: اور ”اب“ کے بارے میں یہ قول بھی نقل کیا ہے ”الأب من المرعى للذواب كالفاكهة للانسان“ اس بارے میں دوسری حدیث، قیس بن ساعدہ کو ذکر کیا ہے۔ ومنہ حدیث قیس بن ساعدہ: فجعل يرتع أباء، واصيد حبا (۴۷۹)۔ بعض مقام پر لفظ کے متعلق کوئی عبارت اور اس کی تشریح مختصراً کی ہے۔ مثلاً لفظ ”ابرز“ کے بعد لکھتے ہیں ”منہ ما یخرج كالذهب الإبریز“ اُی

الخالص، وهو الابريزى ايضا الهمزة والياء زائدتان“ (۳۲۰)۔

امام سیوطی فرماتے ہیں: ”یہ کتب الغریب میں سب سے زیادہ جامع اور سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ مقبول و متداول ہے۔ جو الفاظ آپ سے رہ گئے تھے اس کتاب کو اصلی الاموی متوفی ۷۲۳ھ نے ایک ذیل میں جمع کیا ہے“ (۳۲۱)۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے ”النہایہ“ کا خلاصہ تیار کیا اور اس کا نام ”الذکر البعید تلخیص نہایہ ابن الاثیر“ ہے (۳۲۲)۔

۱۵۔ حافظ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ)

(i) حالات زندگی

حافظ جلال الدین سیوطی (۸۴۹ھ) قریہ سیوط میں پیدا ہوئے جو دریائے نیل کے مضافات میں واقع ہے (۳۲۳)۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا (۳۲۴)۔ انہوں نے جن اساتذہ و شیوخ سے جملہ علوم اسلامیہ یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، معانی و ادب وغیرہ میں تعلیم حاصل کی ان کا تذکرہ اپنی کتاب ”حسن الحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ“ میں کیا ہے (۳۲۵)۔

ارباب سیر اور تذکرہ نگاروں نے آپ کے علمی تبحر اور فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے: ”شیخ جلال الدین عبدالرحمن اپنے عہد کے نہایت با کمال آئمہ فن میں سے تھے“۔ فطرت کی طرف سے اُن کی ذات میں بہت سی خوبیاں ودیعت کی گئی تھیں۔ درس و تدریس، تصنیف و تالیف، افتاء و قضاء اور رشد و ہدایت میں انہیں کمان حاصل تھا۔ وہ نامور اور بلند پایہ مفسر، محدث، فقیہ، ادیب، شاعر، مؤرخ اور لغوی ہی نہ تھے بلکہ اپنے دور کے مجدد بھی تھے“ (۳۲۶)۔

علوم قرآن میں علامہ سیوطی کی تفسیر ”دُر منثور“ بہت اہم کتاب ہے۔ جس کے بارے میں ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ ”ہمارے استاذ الاساتذہ سیوطی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے تفسیر ماثور کو کتاب دُر منثور میں زندہ کیا ہے (۳۲۷) علوم قرآنی پر علامہ سیوطی کی دوسری کتاب ”الاتقان فی علوم القرآن“ ہے (۳۲۸)۔

حدیث میں علامہ سیوطی کی خدمات قابل قدر ہیں۔ اس ضمن میں ان کی پہلی تالیف ”جمع الجوامع“ ہے اس میں آپ نے صحیح بخاری، صحیح مسلم، مؤطا امام مالک، جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن

ابن ماجہ کو مع اسانید جمع کیا ہے (۳۲۹)۔

صحاح ستہ میں سے آپ نے پانچ کتابوں کی شروع لکھی ہیں:

- ۱۔ التوحش علی الجامع الصحیح (صحیح بخاری کی شرح ہے)۔
 - ۲۔ القول الحسن فی الذب علی السنن (سنن ابن ماجہ کی شرح ہے)۔
 - ۳۔ قوت المعتمد علی جامع الترمذی (جامع ترمذی کی شرح ہے)۔
 - ۴۔ زهر الری علی النکبی (سنن نسائی کی شرح ہے)۔
 - ۵۔ کشف الغطاء فی شرح المؤطا (مؤطا امام مالک کی شرح ہے) (۳۳۰)۔
- ان کے علاوہ حافظ سیوطیؒ نے امام نوویؒ (۶۷۶ھ) کی کتاب ”التقریب والتیسیر فی معطل الحدیث“ جو اصول حدیث میں بہت عمدہ کتاب ہے کی شرح ”تدریب الراوی“ کے نام سے لکھی یہ کتاب طبع ہو چکی ہے اور اسے قبول عام حاصل ہوا ہے (۳۳۱)۔
- آپ سات دن بیمار ہونے کے بعد ۱۹ جمادی الاول ۹۱۱ھ کو انتقال کر گئے (۳۳۲)۔

(ii) کتاب الدر النعمیر فی تلخیص نہایۃ ابن الاثیر

سیوطی نے النہایہ کا خلاصہ تیار کیا اور اس پر مفید اضافے کیے ہیں یہ خلاصہ نہایۃ کے حاشیے پر

چھپ چکا ہے (۳۳۳)۔

۱۶۔ محمد طاہر ثنی گجراتی (م ۹۸۶ھ)

(i) حالات زندگی

محمد طاہر ثنی گجراتی ہندوستان کے ممتاز محدثین میں سے ہیں ۹۱۳ھ کو بھارت کے صوبہ گجرات میں پیدا ہوئے (۳۳۴)۔ وہ بوہڑوں کے متمول گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے نو عمری میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور پندرہ سال کی عمر میں علوم دینیہ سے فارغ ہو گئے۔ ۹۳۴ھ میں تحصیل علم کے شوق میں حجاز روانہ ہو گئے (۳۳۵)۔ وہاں کے علمائے کبار سے کسب فیض کیا اور علم حدیث میں متعدد شیوخ سے سند لی (۳۳۶)۔ ان میں سے چند اساتذہ یہ ہیں:

- ۱۔ شیخ عبداللہ زیدی۔ ۲۔ سید عبداللہ مدنی
 - ۳۔ شیخ جبار اللہ کھلی ۴۔ شیخ عبداللہ حضری
 - ۵۔ شیخ ابوالحسن بکری وغیرہ سے فن حدیث حاصل کیا (۴۳۷)۔
- مکہ مکرمہ چار پانچ برس قیام کر کے وطن واپس آئے اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور ۹۸۶ھ میں فتنہ مہدویت نے سر اٹھایا تو اسی فتنے کی پاداش میں آپ کو قتل کر دیا گیا (۴۳۸)۔

(ii) کتاب مجمع البحار

اس کتاب کا پورا نام ”مجمع بحار الانوار“ ہے (۴۳۹)۔ اس میں قرآن، صحاح ستہ اور مشکوٰۃ المصابیح کے تقریباً تمام غرائب درج کر دیے ہیں اور جو کچھ باقی بچا وہ جملہ میں درج کیا ہے (۴۴۰)۔ اس کتاب میں الفاظ حروف جمعی اور مصادر کے اعتبار سے مرتب کیے گئے ہیں اور جن احادیث میں یہ الفاظ آتے ہیں ان کا متن بھی درج کر دیا ہے (۴۴۱)۔ کتاب کے آخر میں فن حدیث، وضاع، موضوع احادیث اور مشتبہ ناموں کے صحیح تلفظ، رسول اللہ کی زندگی کے اہم واقعات اور چند مشہور روایۃ حدیث کے حالات قلم بند کئے ہیں۔ یہ کتاب لغت حدیث میں سند بھی جاتی ہے غریب الحدیث پر اس میں کافی مواد ملتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند کی علمی دنیا اس کتاب پر جتنا فخر کرے کم ہے۔ آپ مضمون کی غرابت پر بھی پوری نظر رکھے ہوئے ہیں۔ مثلاً جریر بن حازم تابعی (۱۷۵ھ) نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہ روایت نقل کی تھی جو ظاہری سطح پر بہت عجیب مضمون بیان کرتی ہے (۴۴۲)۔

”قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبی بعدی“ (۴۴۳)۔ مجمع البحار میں اس کی غرابت ساتھ ہی حل کر دی گئی ہے ”هذا ناظر الى نزول عیسیٰ“ یعنی یہ بات نزول عیسیٰ کے پیش نظر کہی گئی ہے (۴۴۴)۔ ”تذکرۃ الموضوعات“ انہی کی تالیف ہے۔

۱۷۔ علامہ وحید الزمان (م ۱۳۳۸ھ)

(i) حالات زندگی

آپ کا نام محمد وحید الزمان اور وقار نواز جنگ خطاب تھا۔ نہا فاروقی تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے

وحید الزمان بن مسیح الزمان نور محمد بن شیخ احمد ملتانی (۲۳۵)۔

کانپور میں ۱۲۶۷ھ/ ۱۸۵۰ء کو پیدا ہوئے (۲۳۶)۔ تعلیم و تربیت کے لیے والد صاحب نے آپ کے بڑے بھائی کے ذمے لگایا جن سے آپ نے قرآن پاک ناظرہ پڑھا اور خود قرآن مجید کا ترجمہ شروع کرایا اور دیگر فنون علوم عقلیہ و نقلیہ کے لیے نامور اساتذہ و شیوخ سے اکتساب فیض کیا ان میں سے مشہور نام درج ذیل ہیں:

۱۔ مفتی عنایت احمد، مصنف تاریخ حبیب الہ:

۲۔ محمد سلامت اللہ کانپوری ۳۔ محمد عادل کانپوری

۳۔ مولانا نیاز محمد بخاری ۵۔ عبدالعزیز محدث لکھنوی

۶۔ شیخ حسین بن محسن انصاری بمبئی۔

آپ نے درج ذیل تحقیقی اور علمی خدمت سرانجام دی ہیں۔ ان میں سے مشہور کتاب ”اسرار اللغۃ الملقب بہ وحید اللغات“ قابل ستائش خدمت ہے۔ اردو میں لغت حدیث پر یہ پہلی کتاب ہے۔ چھ جلدوں میں ہے۔ پہلے اس کتاب کا نام ”انوار اللغۃ“ تھا۔ مؤلف خود لکھتے ہیں: ”انوار اللغۃ“ جو جامع لغات احادیث مع احادیث فریقین یعنی امامیہ و اہلسنت ہے۔ بڑی محنت اور جانفشانی سے تالیف کی (۲۳۷)۔ بعد میں آپ نے اس کا نام اسرار اللغۃ رکھا۔ آپ نے اس کی تالیف میں مندرجہ ذیل کتابوں سے مدد لی: نہایہ ابن اثیر، مجمع البحار، قاموس الحیط، صحاح جوہری، محیط الحیط، منہج العرب، مجمع البحرین، الدر المنیر، الفرقین، الفائق، المغرب، لسان العرب وغیرہ سے استفادہ کیا ہے (۲۳۸)۔

آپ کی قابل ذکر تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ علامات الموت	۲۔ نور الہدایۃ
۳۔ احسن الفوائد	۴۔ اشراق الابصار
۵۔ فتاویٰ بے نظیر	۶۔ تفریح الحج والزیارہ
۷۔ الحاشیہ الوصیدیہ	۸۔ الاختصاف فی الاستواء
۹۔ تیسیر الباری	۱۰۔ تجویب القرآن

۱۱۔ وحید اللغات (لغات الحدیث) وغیرہ (۴۴۹)۔

(ii) وحید اللغات (لغات الحدیث)

اردو زبان میں لغات الحدیث پر کیا جانے والا منفرد، جامع اور مبسوط کام ہے۔ اس لغت میں مؤلف نے اہل لغت کے مروجہ طریقے کے مطابق مادوں کو حروف تہجی پر ترتیب دیا ہے۔ کتاب کے منج کے بارے میں مؤلف لکھتے ہیں۔ اس کتاب میں ہر لفظ کو شروع سطر سے لکھا گیا ہے اور اس پر اعراب بھی دے دیے گئے ہیں تاکہ کم استعداد والوں کو مزید آسانی ہو اور ابواب کی تنقیح اس لیے نہیں کی کہ یہ لغت عربی دانوں کے لیے نہیں ہے۔ ترتیب لغات اس طرح رکھی گئی ہے کہ حرف اول کو باب اور حرف ثانی کو فصل مقرر کیا گیا ہے (۴۵۰)۔

پہلی پانچ جلدیں جو بنگلور سے چھپیں وہ ناقص اور اغلاط سے پُر تھیں مصنف کے بقول ”فقیر نے اس سرنو ان جلدوں کی بھی باضافہ احادیث و لغات صحیح و بحیل شروع کی اور ان کا نام ”اسرار اللغہ“ رکھا حقیقت میں اب کتاب ”انوار اللغہ“ مکمل ہوئی ہے (۴۵۱)۔

اب یہ ”لغات الحدیث“ کے نام سے چار جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ ناشر لکھتے ہیں: اس کتاب کا اصل نام ”اسرار اللغہ مع انوار اللغة المقلب بہ وحید اللغات“ تھا۔ جواب ”لغات الحدیث“ کے مختصر نام کے ساتھ آپ کے پیش نظر ہے (۴۵۲)۔ لغات الحدیث میں مولانا نے تقریباً تمام کے تمام مباحث لے لیے ہیں اور یہ حدیث کی ایک بڑی خدمت ہے۔ اس پہلو سے یہ کتاب اس لائق ہے کہ اس سے بھرپور استفادہ کیا جائے۔ مولانا کی محنت قابل تحسین ہے۔ آپ ۱۳۳۸ھ میں اس دنیا سے دارغ مفارقت دے گئے (۴۵۳)۔

غرائب لغات میں مولانا نے ”نہایہ“ اور ”مجمع بحار الانوار“ کے تقریباً تمام کے تمام مباحث لے لیے ہیں کہ یہ مطولات ”وحید اللغات“ کی شکل میں اردو میں آگئی ہیں۔

TRUEMASLAK@INBOX.COM

المسلسلات

لغوی معنی

مسلسل ”سلسلہ“ سے اسم مفعول ہے جس کے معنی ایک چیز کو دوسری سے ملانا کے ہیں اس لیے اسے سلسلۃ الحدیث (لوہے کی زنجیر) کہتے ہیں۔ مسلسل حدیث دراصل اپنے اجزاء میں ہم مثل اور اتصال کے پہلو سے سلسلۃ الحدیث کے مشابہ ہے (۳۵۳)۔

اصطلاحی تعریف

وہ حدیث جس کے باہم رواۃ خود اپنی کسی کیفیت یا روایت کی کسی کیفیت پر متفق ہوں البتہ یہ ضروری نہیں کہ سارے رواۃ متفق ہوں بلکہ ”مسلسل“ کہلانے کے لیے اکثر کا اتفاق ضروری ہے اور جب تسلسل درمیان یا آخر میں ختم ہو جائے تو تفرق کر دی جاتی ہے کہ فلاں تک مسلسل ہے۔

مسلسل وہ حدیث ہے جس کی سند میں تمام راوی ایک ہی قسم کے الفاظ استعمال کریں مثلاً حَدَّثَنَا، حَدَّثَنِي، أَخْبَرَنَا وغیرہ یا کسی قولی یا فعلی حالت میں سب متفق ہوں (۳۵۵)۔

معجم مصطلح الحدیث میں مسلسل کی یہ تعریف کی گئی ہے۔ ”هو ما اتفق رواة في صيغ الاداء او غيرها من الصفات والحالات كمسلسل التشبيك باليد، والمصافحه والقبض على اللحية وغيرها“ (۳۵۶)۔ (جس کے راوی اداء کے صیغوں، صفات اور حالات میں متفق ہوں مثلاً ہاتھوں کی اگلیوں کو ہاتھوں میں ڈالنا، مصافحہ کرنا اور داڑھی کو پکڑنا وغیرہ کے ہیں)۔

ان میں قولی یا فعلی روایت کی صفت مشترک ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے اس کی تین قسمیں ہیں:

ا: مسلسل باحوال رواۃ۔ ب: مسلسل بصفات رواۃ۔

ج: مسلسل باحوال روایت (۳۵۷)۔

۱۔ مسلسل باحوال رواۃ

وہ حدیث جس میں رواۃ کے کسی نام میں تسلسل پایا جائے خواہ حال، قول یا فعل ہو یا دونوں۔ اس لیے اس کی مختلف حالتیں ہیں:

قولی حالت

قولی حالت یہ ہے کہ اگر ایک راوی ”اشہد“ یا ”باللہ العظیم“ کے الفاظ استعمال کرے تو اس حدیث کے باقی تمام راوی بھی یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں (۳۵۸)۔ اسی طرح کوئی الفاظ بھی ہو سکتے ہیں۔

دوسری مثال: حضرت معاذ بن جبل کی مشہور حدیث کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: ”یا معاذ انا احبک فقل دبر کل صلاة اللہم اعنی علی ذکرک و تکرک وحسن عبادتک“ (اے معاذ! میں تم سے محبت کرتا ہوں لہذا ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کر دو)۔

اس کا ہر راوی اپنے شاگرد سے یہی کلام کرتا ہے ”وانا احبک فقل“ (اور میں تم سے محبت کرتا ہوں، لہذا کہو)۔ اس حدیث کو حدیث ”مسلسل بالمحبة“ کہتے ہیں (۳۵۹)۔

فعلی حالت

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کہ حضور ﷺ نے میرے ہاتھ کی انگلیوں میں اپنی انگلیاں (تھبیک) ڈال کر فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا کیا“۔ اس حدیث کا ہر راوی بوقت روایت اپنے شاگرد کے ہاتھوں کی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر بیان کرتا رہا (۳۶۰)۔

قولی و فعلی حالت

قولی و فعلی حالت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بات کرتے وقت اپنی داڑھی مبارک پر ہاتھ پھیرا تھا تو سب راوی اس طرح کریں۔ الفاظ اور فعل دونوں میں متفق ہوں۔

یہ حدیث اس کی مثال ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لا یجد العبد حلاوة الايمان حتّٰی یؤمن بالقدرِ خیرہ وشرہ و حلّوہ و مرہ قال و قبض رسول اللہ علی لحيته، فنقال امنت بالقدرِ خیرہ وشرہ و حلّوہ و مرہ“ (۳۶۱) (بندہ اُس وقت تک لذت ایمان نہیں پاتا جب تک کہ وہ اس بات پر ایمان نہ لائے کہ خیر و شر اور شیریں و تلخ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے۔ اس ارشاد کے وقت حضور ﷺ نے اپنی ریش مبارک کو پکڑ رکھا تھا اور آپ نے فرمایا: میں تقدیر

پراس کے اچھے اور بُرے ہونے پر ایمان لایا)۔

اس حدیث کو بیان کرتے وقت تمام راویوں نے اپنی ریش کو ہاتھ میں لیا ہوا تھا اور ہر ایک نے یہ لفظ کہے: میں تقدیر کے اچھے اور بُرے ہونے پر اور اس کے تلخ و شیریں ہونے پر ایمان لایا۔ اس لیے یہ حدیث مسلسلات میں سے ہے اور اس میں قول اور فعل دونوں کا ذکر ہے۔

ب۔ مسلسل بصفات رواۃ

وہ حدیث جس میں رواۃ کی کسی صفت پر اتفاق کر لیا جائے یا قدرتی ہو جائے۔ مثلاً یہ کہ سارے رواۃ کا ایک ہی نام ہو جیسے محمد یا احمد وغیرہ یا ایک ہی لقب و منصب ہو جیسے سب حافظ حدیث ہوں یا ایک ہی نسبت ہو خواہ قبیلہ کے اعتبار سے جیسے یہ کہ سب خاندان قریش سے ہوں خواہ وطن کے اعتبار سے جیسے یہ کہ سب دمشق ہوں یا مصری۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ان صفتوں میں سے دو یا چند ایک ہی حدیث میں جمع ہو جائیں مثلاً ”حفاظ مصر“ کسی حدیث کو سلسلہ وار نقل کریں۔

سیوطی نے تدریب الراوی کے آخر میں تین حدیثیں ذکر کی ہیں۔ اول مسلسل بصفات شوافع، دوم مسلسل بالحفاظ، سوم مسلسل بمصر بین (۴۶۲)۔

ج۔ مسلسل بصفات روایت

وہ حدیث جس میں روایت کی کسی کیفیت پر راوی متفق ہوں۔ خواہ الفاظ ہوں یا زمان یا مقام

روایت ہو:

۱۔ مسلسل بالفاظ ادا: وہ حدیث جس کا ہر راوی نقل روایت کے لیے ایک ہی لفظ ذکر

کرے مثلاً سمعت یا اخبرنا یا حدثنی وغیرہ۔

۲۔ مسلسل بزمان روایت: وہ حدیث جس کو ہر راوی کسی خاص معین وقت میں روایت

کرے مثلاً جمعہ یا عیدین کو یا بعد از عصر یا صبح کے وقت۔

۳۔ مسلسل بمقام روایت: وہ حدیث جسے ہر راوی کسی خاص مقام پر روایت کرے

جیسے ”ملتزم“ پر قبولیت دعا کی حدیث، نس کو تمام رواۃ نے اسی مقام پر روایت کیا (۴۶۳)

حکم

مسلسلات میں سے افضل وہی ہے جو انقطاع اور تدریس سے خالی ہو یہ ضروری نہیں کہ ہر مسلسل حدیث صحیح ہی ہو یا یہ کہ صحت کے اعلیٰ درجے پر ہو بلکہ مسلسل احادیث میں اکثر کوئی نہ کوئی نقص ہوتا ہے اگرچہ اصل حدیث جو غیر مسلسل مروی ہو صحیح ہو۔ صحیح مسلسلات میں سے مسلسل بحفاظت ہے اور اصل ترین مسلسل بقرآنہ ”سورہ صف“ ہے یعنی وہ حدیث جس میں سلسلہ وار حضور ﷺ سے لے کر آخری راوی تک ”سورہ القف“ کے شان نزول اور اس کو بیان کرنے کے بعد اس کی تلاوت کا ذکر ہے۔

صحیحی صالح کہتے ہیں: فن حدیث میں تاپختہ کار شخص حدیث مسلسل کے تدریس و انقطاع سے پاک ہونے سے متاثر ہو کر فوراً اس کی صحت کا فیصلہ صادر کرتا ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ اس روایت میں جس عبارت یا ہم رنگ وہم آہنگ فعل کی تکرار پائی جاتی ہے وہ شک و شبہ سے پاک نہیں ہے۔ ابن کثیر فرماتے ہیں: ”حدیث مسلسل میں یہ فائدہ ضرور ہے کہ وہ تدریس و انقطاع سے پاک

ہوتی ہے مگر ایسی حدیثیں شاذ و نادر ہی صحیح ہوتی ہیں۔“

مسلسل احادیث کا اصل متن اگرچہ تدریس سے پاک ہونے کی بنا پر صحیح ہوتا ہے مگر بعض اقوال و افعال کے کامل اور متماثل تسلسل کی وجہ سے ان میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ اخبار و احوال کی روایت میں اس قسم کا تسلسل بہت نادر اور دشوار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر احادیث کا متن اگرچہ صحیح ہوتا ہے مگر جب تسلسل کے طریقہ سے ان کی روایت کی جاتی ہے تو ان کی صحت برقرار نہیں رہتی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ”حدیث مسلسل کے بارے میں فرماتے ہیں: ”یہ اسناد کی صفت ہے۔ جب کہ مرفوع ہونا متن کا وصف ہے۔ بخلاف ازیں صحیح متن و سند دونوں کی صفت ہے“ (۴۶۳)۔

مشہور تصانیف

۱۔ المسلسلات: ابن شاذان، ابوبکر احمد بن ابراہیم بن حسین بن شاذان بغدادی (م ۳۸۳ھ)

۲۔ المسلسلات: ابن العربي، ابوبکر محمد بن عبد اللہ بن احمد المعروف بہ ابن العربي المعافری

الماکی (۵۵۶ھ)۔

۳۔ المسلسلات: الدیاجی، ابومحمد عبد اللہ بن عبد الرحمن بن یحییٰ العثماني الدياجی

- ۴۔ الاسکندری (م ۵۷۲)۔
- ۵۔ السلسلات: سلفی، ابو طاهر عماد الدین احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم السلفی الاصفہانی (م ۵۷۶ھ)۔
- ۶۔ السلسلات: ابن مسدی، ابو بکر جمال الدین محمد بن یوسف بن موسیٰ بن یوسف الازدی الغرناطی، نزیل مکہ (م ۶۳۳ھ)۔
- ۷۔ السلسلات: ابن طیلان، ابو القاسم القاسم بن محمد بن احمد بن محمد بن سلیمان الاوی الانصاری القرطبی (م ۶۳۴ھ)۔
- ۸۔ الجواهر المکملۃ فی الاخبار السلسلۃ السخاوی، ابو الحسن علم الدین علی بن محمد نزیل دمشق (م ۶۳۳ھ)۔
- ۹۔ الحدیث السلسل: السبکی، تقی الدین ابو الحسن علی بن عبدالکافی السبکی (م ۷۵۶ھ)۔
- ۱۰۔ الحدیث السلسل، ابو زرعد ولی الدین احمد بن ابی الفضل زین الدین عبدالرحیم بن احسین العراقی، الکردی الشافعی، قاہرہ (م ۸۳۶ھ)۔
- ۱۱۔ مائتہ مسلسل، السخاوی، شمس الدین ابو الخیر محمد بن عبدالرحمن السخاوی (م ۹۰۲ھ)۔
- ۱۲۔ السلسلات الکبریٰ: معصف سیوطی (م ۹۱۱ھ) اس میں ۸۵ احادیث ہیں۔
- ۱۳۔ (الفوائد الجلیلہ)، ابن عقیلیہ، ابو عبد اللہ جمال الدین محمد بن احمد العقیلیہ بن سعید التلمی (م ۱۱۵۰ھ)۔
- ۱۴۔ سلسلات، ابن الطیب (م ۱۱۷۰ھ)۔
- ۱۵۔ مجموعہ السلسلات: از شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۱ھ) اس مجموعہ میں سو کے قریب احادیث ہیں جن میں مختلف انداز کا تسلسل ہے اور الحمد للہ اس رسالہ کی سماعت و اجازت کا سلسلہ ہندوستان کے مرکزی اداروں میں جاری ہے۔
- ۱۶۔ المناہل السلسلۃ فی الاحادیث السلسلۃ: محمد عبدالباقی الوبی (م ۱۳۶۳ھ) اس میں ۲۱۲ احادیث ہیں (۳۶۵)۔

کتب الاطراف

تعریف

”کتب الاطراف حدیث کی ایسی کتب ہوتی ہیں جن میں ایک یا زیادہ کتابوں کی احادیث کو جمع کر دیا جاتا ہے۔ ان میں ایک صحابی کی احادیث کو علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے۔ مؤلف اس میں صرف حدیث کے ایک حصہ کا ذکر کرتا ہے یا اپنے ہاں سے ایسا جملہ لکھتا ہے جو کہ پوری حدیث پر دلالت کرتا ہے“ (۳۶۶) مثلاً یہ حدیث ”کلکم راع“ یا حدیث ”بني الاسلام علی خمس“ اور یہ حدیث ”الايمان بضع وسبعون شعبة“ اور اس طرح کی اور احادیث۔ ان میں ابتدائے حدیث لکھی گئی ہے اور جن کتب میں سے ان کی نشان دہی کی گئی ہے وہ لکھی گئی ہیں۔

ایک اور تعریف ملاحظہ ہو: ”کتب الاطراف کا مطلب ہے محدث حدیث کا صرف ایک ٹکڑا ذکر کرتا ہے جس سے باقی ماندہ حدیث کا پتہ چل جاتا ہے۔ پھر اس کی یا تو تمام اسانید بیان کرتا ہے یا چند خاص خاص کتب میں اسکی جو اسانید ہوتی ہیں وہ ذکر کر دیتا ہے (۳۶۷)۔

مؤلفات حدیث کی ایک قسم کتب الاطراف ہیں جن سے مراد ایسی کتابیں ہیں جو ایک یا کئی کتابوں کی حدیثوں کی جامع ہوں۔ اس انداز میں حدیثیں جمع ہوں کہ ہر صحابی کی احادیث کا الگ الگ ذکر ہو۔ ایسی کتابوں کے مؤلف احادیث کے ایسے متن پر اکٹفا کرتے ہیں جس سے اس صحابی کا پتہ چل جائے لہذا مؤلف اس کا ایک ٹکڑا بیان کر دیتا ہے یا اپنی طرف سے ایک فقرہ کہہ دیتا ہے جو اس حدیث کی نشان دہی کرتا ہے۔ جہاں تک اسانید کا معاملہ ہے تو بعض مؤلفین اختصار کے طور پر ان کے بعض حصے کو بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور بعض مل بیان کر دیتے ہیں تاکہ ان کے درمیان موازنہ کیا جائے اور ان میں موجود احکام کی وضاحت کی جائے۔

کسانی کہتے ہیں ”کتب الاطراف سے مراد وہ کتابیں ہیں جن میں حدیث کے ایک حصے کو بیان کرنے پر اکتفا کیا جائے جو اس کی اسانید کے جامع ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے باقی حصے پر دلالت کرتا ہو۔ یا تو مکمل طور پر دلالت کرتا ہو یا مخصوص کتب کی قید کے لحاظ سے دلالت کرتا ہو“ (۳۶۸)

کتب الاطراف کے فوائد

کتب الاطراف کے کئی فوائد ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل زیادہ مشہور ہیں:

- ۱۔ کتب الاطراف کے ذریعے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث کتنی سندوں سے بیان ہوتی ہے۔ اس سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سند میں انقطاع ہے یا سقط ہے یا کوئی راوی مہمل ہے اور بعض اوقات کسی کی کثیت ذکر ہو تو اسکے نام کا پتہ چل جاتا ہے۔
- ۲۔ احادیث کی کئی سندیں اور متن جب جمع ہو جاتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ حدیث متواتر ہے، مشہور ہے، عزیز ہے یا غریب ہے (۳۶۹)۔
- ۳۔ اطراف حدیث کے ذریعے ہمیں بیان کردہ حدیث کے مختلف روایتوں کے متون کا پتہ چلتا ہے جس کے تقابلی سے اس حدیث کا مکمل متن سامنے آ جاتا ہے۔ اگر کسی روایت کے اندر کوئی کمی ہو تو دیگر روایتوں سے اس کی تصحیح ہو جاتی ہے۔
- ۴۔ اطراف حدیث کی کتب سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث کن کتب حدیث کے اندر آئی ہے اور اس کے کس باب میں متن ہے (۳۷۰)۔
- ۵۔ کتب الاطراف کے ذریعے ہمیں ہر صحابی کی احادیث کا پتہ چلتا ہے۔
- ۶۔ کتب الاطراف سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کس کس کتاب میں یہ حدیث آئی ہے۔ مثلاً آپ مسند احمد کے اندر کوئی حدیث دیکھیں اور یہ جاننا چاہیں کہ یہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، یا ابو داؤد کی سنن میں ہے یا نہیں تو آپ کتب الاطراف میں اس صحابی یا راوی کا ترجمہ دیکھیں اگر اس میں نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کتب ستہ میں یہ حدیث نہیں ہے (۳۷۱)۔
- ۷۔ کتب ستہ کے نسخوں میں اختلاف کا علم ہوتا ہے۔ یہ زیادہ تر بخاری، ابو داؤد اور نسائی وغیرہ کے نسخوں میں ہوتا ہے۔ بعض میں حدیث تفصیل سے ذکر ہوتی ہے بعض میں کچھ حصہ حذف کر دیا جاتا ہے اور بعض میں اس پر تعلق ہوتی ہے۔ کتب الاطراف سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث فلاں نسخے میں ایسے ہے اور دوسرے میں ایسے ہے۔ خاص طور پر اطراف المعزی میں نسخ ابی داؤد اور نسائی کا ذکر ہے اور جو ان نسخوں میں اختلاف ہے اس کا بھی ذکر ہے

۸۔ کتب الاطراف سے سند کے اندر اگر مبہم راوی ہو تو اس کا بھی پتہ چل جاتا ہے (۴۷۲)۔
مشہور کتب الاطراف درج ذیل ہیں:

- ۱۔ تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف، ابوالحجاج یوسف بن الزکی عبدالرحمن المنری (م ۴۴۷ھ)۔
 - ۲۔ ذخائر المواریت فی الدلالة علی المواضع الحدیث، عبدالغنی نابلسی (م ۱۱۴۳ھ)۔
 - ۳۔ اطراف الصحیحین، حافظ ابراہیم بن محمد بن عبید مشقی (م ۴۰۱ھ)۔
 - ۴۔ اطراف الصحیحین، ابو خلف بن محمد واسطی (م ۴۰۱ھ)۔
 - ۵۔ اطراف الصحیحین، ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی (م ۴۳۰ھ)۔
 - ۶۔ الاشراف لمعرفة الاطراف، ابوالقاسم علی بن حسن المعروف ابن عساکر دمشق (م ۵۷۱ھ)۔
 - ۷۔ الاطراف الکتب الستہ، محمد بن طاہر مقدسی (م ۵۰۷ھ)۔
 - ۸۔ اطراف المسانید العشرہ، ابوالعباس احمد بن محمد البوصری (م ۸۴۰ھ)۔
 - ۹۔ احواف الہمۃ باطراف العشرہ، الحافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م ۸۵۴ھ)۔
- ان میں سے پہلی دو کتب پر تفصیل سے گفتگو کی جاتی ہے جبکہ باقی کے مؤلفین کا تعارف پیش خدمت ہے۔ ان میں سے زیادہ تر غیر مطبوع ہیں۔

۱۔ تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف

ابوالحجاج یوسف بن الزکی بن عبدالرحمن المنری (م ۴۴۷ھ) ان میں سے پہلی دو کتب پر تفصیل سے گفتگو کی جاتی ہے جبکہ باقی کے مؤلفین کا تعارف پیش خدمت ہے ان میں سے زیادہ غیر مطبوع ہیں۔ مصنف نے اس کتاب کو ۱۰ محرم ۶۹۶ھ کو لکھنا شروع کیا اور ۳ رجب ۷۲۲ھ کو ختم کیا۔ یعنی ۲۷ سال کے عرصے میں تحریر کیا (۴۷۳)۔ اس کتاب میں مندرجہ ذیل کتب احادیث کی اطراف لکھی گئیں:

۱۔ صحیح بخاری۔	۲۔ صحیح مسلم۔
۳۔ سنن ابی داؤد۔	۴۔ جامع ترمذی۔
۵۔ سنن نسائی۔	۶۔ سنن ابن ماجہ۔

- ۷۔ مقدمہ صحیح مسلم۔ ۸۔ کتاب المراسل لابن داؤد۔
 ۹۔ کتاب العلل للترمذی۔ ۱۰۔ کتاب الشماک للترمذی۔
 ۱۱۔ کتاب عمل الیوم والمیلۃ للنسائی (۳۷۳)۔

رموز (اختصارات)

مزی نے اپنی کتاب میں یہ اشارے لکھے ہیں جس سے کتاب کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے:

خ:	بخاری	خ:	بخاری تعلیقات
م:	مسلم	د:	ابوداؤد
د:	ابوداؤد فی مراسیلہ	ت:	ترمذی
تم:	الترمذی فی الشماک	س:	نسائی
سی:	نسائی فی عمل الیوم والمیلۃ۔	ق:	ابن ماجہ
ز:	مازادہ المصنف من الکلام علی الاحادیث		
ک:	ما شدد رکب المصنف علی ابن عساکر		
ع:	مارواه النسخ (۳۷۵)		

کتاب کی ترتیب

- ۱۔ مؤلف نے ان صحابہ کے نام لکھے ہیں جنہوں نے کتب ستہ اور اس میں آنے والی دوسری کتب روایت کیں صحابہ ثقی تعداد اور صحابیات کی تعداد ۹۹۵ ہے (۳۷۶)۔
- ۲۔ اسمائے تابعین اور جوان کے بعد ہیں ان کی تعداد ۳۰۰ ہے (۳۷۷)۔
- ۳۔ صحابہ، تابعین اور بعد میں آنے والے لوگوں کے ناموں کو حروف معجم کے حساب سے لکھا ہے (۳۷۸)۔
- ۴۔ ہر صحابی یا تابعی یا اسکے بعد کے راوی کی کتنی احادیث ہیں ان کا ذکر کیا ہے۔ کل احادیث ۱۹۵۹۵ ہیں (۳۷۹)۔
- ۵۔ کتاب کی ترتیب میں اسمائے صحابہ میں حروف معجم کا خیال رکھا گیا ہے۔ اس ترجمے (احوال

راوی) سے شروع کرتا ہے جس کے نام سے پہلے ہمزہ ہو۔ پھر اسکے ساتھ دوسرا حرف ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے اس نے ابیض بن حمال الحمیری کو لیا ہے (۴۸۰)۔ اس نے ابیض بن حمال سے چار احادیث بیان کی ہیں۔ بعد میں ابی اللہم الغفاری ہیں تیسرے نمبر پر ابی بن عمارہ، چوتھے نمبر پر ابی بن کعب اور اسی ترتیب سے حدیث کو بیان کرتے ہیں۔

۶۔ سب سے پہلے مصنف ذکر کرتا ہے کہ اس حدیث کو کن اصحاب کتب نے بیان کیا ہے۔ کتب سے پہلے لیتا ہے بعد میں کتب خمسہ، بعد میں کتب اربعہ کو اور اس طرح وہ ترتیب چلاتا ہے۔ ایک حدیث کی روایت میں بخاری کو پہلے لاتا ہے مسلم کو بعد میں اور ابن ماجہ کو سب کے آخر میں ذکر کرتا ہے (۴۸۱)۔

تکرار احادیث اور اس کا سبب

اس کتاب میں بعض احادیث کئی مقامات پر آئیں ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ وہ احادیث مختلف صحابہ نے بیان کی ہیں اور اس کی مختلف سندیں ہیں۔ اس لیے ان کو ہر اس صحابی کے نام پر بیان کرنا پڑا جنہوں نے اسے بیان کیا۔ اسی تکرار کی بنا پر احادیث کی تعداد ۱۹۵۹۵ تک پہنچ گئی (۴۸۲)۔

تحفۃ الاشراف کی نمایاں خصوصیات

- ۱۔ یہ کتاب کتب ستہ کی اور اسی قسم کی اور کتب کی بہترین فہرست ہے۔
- ۲۔ ہر صحابی کی احادیث کو اس میں علیحدہ جمع کیا گیا ہے۔
- ۳۔ کتب ستہ اور اس میں مذکور دیگر کتب کی تمام سندوں کو جمع کر دیا گیا۔
- ۴۔ سند کے بہت سے لفظوں کی وضاحت کی گئی ہے۔
- ۵۔ اس کتاب سے مجہول اور مبہم راویوں کی احادیث کا پتہ چلتا ہے کیونکہ اس میں راویوں کے نام لکھے گئے ہیں۔
- ۶۔ اس کتاب سے مراسیل اور مقطوعات کا پتہ چلتا ہے۔

تحفۃ الاشراف کی بعض خامیاں

- ۱۔ اگر صحابی کے نام کا پتہ نہ ہو تو اس کتاب میں حدیث نہیں مل سکتی۔
 - ۲۔ عام طور پر یہ حدیث کا مکمل متن ذکر نہیں کرتے اس وجہ سے آدمی کو اصل کتب دیکھنی پڑتی ہیں اور محض اس کتاب سے کام نہیں چلتا۔
 - ۳۔ مؤلف عام طور پر حدیث کو ایک طرف سے تھوڑا سا بیان کرتے ہیں اس لیے اس سے تمام حدیث پر دلالت نہیں ہوتی۔
 - ۴۔ ادا کے صیغوں میں اس نے ہر راوی کے درمیان عن لکھا ہے اس لحاظ سے ضروری ہے کہ ہم اصل کتاب کی طرف مراجعت کریں۔
- تحفۃ الاشراف کو سامنے رکھ کر حافظ ابن حجر عسقلانی نے ”النکت الظراف علی الاطراف“ کتاب لکھی۔

النکت الظراف علی الاطراف لابن حجر

- حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے جب بخاری کی شرح ”فتح الباری“ لکھی تو ان کے پاس ”تحفۃ الاشراف“ تھی۔ اس دوران انہوں نے بعض چیزوں کو محسوس کیا تو اس کے حاشیے پر لکھتے گئے اور بعد میں جب وقت ملا تو اس کو انہوں نے کتابی صورت دے دی۔ اس میں سے معروف چیزیں درج ذیل ہیں:
- ۱۔ ایسی روایات جو مزی سے رہ گئی تھیں ان کا اضافہ کیا۔
 - ۲۔ ایسا دوہام جو مزی سے واقع ہو گئے تھے ان کی تصحیح کی۔
 - ۳۔ حدیث کے الفاظ کے بارے میں اگر حافظ مزی سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو اس کی انہوں نے تصحیح کی ہے۔

تحفۃ الاشراف اور النکت

یہ دونوں کتابیں پہلے ہندوستان میں بمبئی سے اکٹھی شائع ہوئیں اور ان کی تحقیق عبدالصمد شرف الدین نے کی ہے بعد ازاں یہ کتابیں اور جگہ سے بھی شائع ہوئی ہیں۔

امام مزی کے حالات زندگی

آپ کی کنیت ابو الحجاج اور نام یوسف بن زکی عبد الرحمن بن کثیر قضاوی کلبی المزنی ہے۔ آپ دمشق کے رہنے والے نامور حافظ حدیث اور بلند پایہ عالم ہیں اور فن حدیث میں منفرد شخصیت کے حامل ہیں۔ حلب کے نواح میں ۶۵۴ھ میں پیدا ہوئے۔ مزہ میں پرورش پائی۔ قرآن حکیم حفظ کیا اور فقہ میں معمولی سوجھ بوجھ پیدا کرنے کے بعد حدیث کی طرف متوجہ ہوئے۔ سب سے پہلے ۶۷۵ھ میں اپنے استاد علامہ ابوالخیر سے ”کتاب الحلیہ“ سبقاً سبقاً پڑھی پھر ان سے مسند امام احمد، صحاح سنہ اور معجم طبرانی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی اور علامہ اربلی سے صحیح مسلم کا سماع کیا۔ ۶۸۵ھ میں مزید طلب علم کے لیے سفر پر نکلے اور عز حرائی ابوبکر ابن انطاطی اور اس طبقہ کے دوسرے اساتذہ فن سے استفادہ کیا۔ ان کے علاوہ حرمین شریفین، حلب، حماة، اور بعلبک وغیرہ شہروں کے علماء سے بھی فیوض حاصل کیے۔

آپ نے اپنے پختہ اور خوبصورت خط سے اپنے لیے اور دوسروں کے لیے بہت سی کتابیں نقل کیں۔ علم لغت کی طرف متوجہ ہوئے تو اس میں مہارت حاصل کی پھر علم صرف اور علم ادب میں کمال پیدا کیا۔ اساء الرجال میں تو آپ کا جواب نہیں تھا اور نہ اس فن میں آنکھوں نے آپ جیسا کوئی دوسرا آدمی دیکھا۔ آپ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”تہذیب الکمال“ لکھی۔ آپ نے حدیث کی تخریج کی اور املاء حدیث کے لیے مختلف مجلسیں منعقد کیں۔ جن میں علم حدیث اور علم الرجال کے وہ پیچیدہ عقدے حل کیے جو پہلے لایخل سمجھے جاتے تھے۔ آپ ثقہ اور حجت تھے آپ کی معلومات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ نیز اخلاق کا مجموعہ تھا۔ کثیر السکوت اور قلیل الکلام تھے صدق اور راست گوئی آپ کا شعار تھا۔ نوجوانی کی کوئی لغزش آپ سے نہیں ہوئی۔ ہر وقت مطالعہ میں مصروف رہتے۔ آپ احادیث پڑھاتے وقت کچھ لکھتے بھی جاتے تھے۔ مگر آپ کی توجہ کا یہ عالم تھا کہ پڑھنے والے کی متن یا اسناد کی کوئی غلطی آپ سے مخفی نہ رہتی تھی۔ آپ اتنی عمدگی سے اس کی اصلاح فرماتے کہ حلقہ درس میں حاضر ہونے والے علماء و فضلاء دمگ رہ جاتے۔ آپ تواضع پسند بردبار اور صابر تھے۔ خوراک و لباس میں میا نہ روی اختیار فرماتے اور اپنے کام کاج دوسروں سے کروانے کی بجائے خود کرتے۔ سماع حدیث اور طلب علم میمہ آپ امام ابن تیمیہ کے رفیق تھے۔ طریقہ سلف کے مطابق سنت کی تائید کرتے اور مباحث نظری اور قواعد کلامی سے اس کو

تقویت پہنچاتے تھے اس سلسلہ میں ان کے درمیان کئی مناظرے اور مجادلے ہوئے۔
 آپ کو معقولات میں بھی کافی دسترس حاصل تھی اور اس کی تعلیم و تدریس میں کوشاں بھی رہے
 لیکن بحمد اللہ اس میں آپ کی نیت اسلام کی تائید اور تقویت ہی کی تھی۔ دوسرے عام لوگوں کی طرح
 آپ نے ان علوم سے کوئی بڑا اثر قبول نہیں کیا۔ امام ذہبی کہتے ہیں کہ جہاں تک مجھے علم ہے آپ نے ان
 فنون میں کوئی تصنیف نہیں چھوڑی۔

وقات آپ نے ۱۲ صفر ۷۴۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا (۴۸۲)۔

ذخائرالمعارف فی الدلالة علی مواضع الحدیث

مؤلف کا نام: عبدالغنی نابلسی (م ۱۱۴۳ھ)

موضوع: جمع اطراف الکتاب السنۃ وموطا مالک (۴۸۴)۔

تقسیم ابواب مصنف نے اس کتاب کو سات ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

الباب الاول صحابہ کی مسانید۔

الباب الثانی ان لوگوں کی مسانید جو کنیت کے لحاظ سے مشہور ہیں۔ جس کنیت سے مشہور ہیں

اس کنیت کے پہلے حرف سے لکھا گیا ہے۔

الباب الثالث مبہم رجال کی مسانید

الباب الرابع صحابیات کی مسانید۔

الباب الخامس ان صحابیات کی مسانید جو کنیت کے لحاظ سے مشہور ہیں۔

الباب السادس مبہم صحابیات کی مسانید جنہیں اسماء الرواة کے لحاظ سے مرتب کیا گیا۔

الباب السابع احادیث میں سے مراسیل کا ذکر جنہیں اسماء الرجال کے لحاظ سے مرتب کیا گیا

ہے (۴۸۵)۔

رموز: اس کتاب میں درج ذیل رموز لکھے ہیں:

خ: بخاری م: مسلم د: ابوداؤد

ت: ترمذی س: نسائی ہ: ابن ماجہ

ط: مؤطا (۴۸۶)۔

مؤلف حدیث کی ایک طرف بیان کرتا ہے اس کی وجہ سے پوری حدیث پر دلالت ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر حدیث نمبر ۴۶۹ کے لفظ یہ ہیں (حدیث الاعرابی الذی بال فسی المسجد) (۴۸۷) اس کے سوا اور کوئی الفاظ ذکر نہیں کرتا اور حدیث نمبر ۲۵۰ جس کے الفاظ یہ ہیں (حدیث المعراج بطولہ) (۴۸۸)۔ اس کے علاوہ اور کوئی الفاظ نہیں ہیں۔

مسند کی ابتداء میں اس نے حرف حمزہ سے شروع کیا۔ مثلاً سب سے پہلے ابی بن حمال الحمیری الماری عن النبیؐ، حدیث نمبر ۱، ”انہ وفد الی النبیؐ فاستقطعه الملح الذی بالمآرب“ کا ذکر کیا (۴۸۹)۔ پھر حدیث نمبر ۲ کو ذکر کیا ہے (۴۹۰) جن کتب میں ان کا ذکر ہے ان کے رموز ذکر کیے ہیں۔ اپنی کتاب کے منبج کی اس نے مقدمے میں وضاحت کر دی ہے (۴۹۱)۔ مثال کے طور پر حدیث نمبر ۳۰۷ کا عبد اللہ بن عباسؓ کے تحت ذکر کیا ہے۔ بخاریؒ اور پھر اس کو ابو داؤد کی کتاب العلم کے اندر ذکر کرتا ہے (۴۹۲)۔ عام طور پر حدیثوں کے بارے میں اس کا طریقہ یہ ہے۔

نمبر ۱: حدیث کی ایک طرف کو لکھا ہے۔

نمبر ۲: اماموں میں سے جس نے اس حدیث کو نکالا ہے اس کو ذکر کرتا ہے۔

نمبر ۳: اماموں کے استاد کا ذکر کرتا ہے۔

نمبر ۴: جس کتاب سے لی گئی ہے اس کے اشارے ذکر کیے ہیں۔ اس کے بعد ان اشاروں کو ہی

لکھتے ہیں (۴۹۳)۔

عبد الغنی بن اسماعیل النابلسی (م ۱۱۳۳ھ) کے حالات زندگی

عبد الغنی بن اسماعیل النابلسی ایک صوفی، عالم دین، شاعر سیاح اور مختلف مضامین کی بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں (۴۹۴)۔ آپ ۵ ذوالحجہ ۱۰۵۰ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے (۴۹۵)۔ وہ اپنے دور میں شام کی ادبی و مذہبی زندگی میں چوٹی کی شخصیت تھے۔ ان کا گہرانہ شافعی مکتب فکر کا پیرو تھا (اگرچہ ان کے والد فقہ حنفی کے پیرو ہو گئے تھے) یہ لوگ دمشق میں اقامت پذیر تھے۔ انھی ان کے دادا کو ”شیخ مشائخ شام“ کے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ ابتداء میں ان کا میلان تصوف کی طرف تھا۔ چنانچہ

وہ قادری اور نقشبندی سلسلوں میں شامل ہو گئے تھے۔ ابھی نوجوان ہی تھے کہ سات برس تک گھر میں گوشہ نشین رہے (۳۹۶)۔

ابن عربی، ابن سینا اور عقیف الدین التمسانی کی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا (۳۹۷)۔
ظاہری رسوم کی پابندی نہ کرنے کے سبب ان پر عقیدہ ”ملاحیہ“ رکھنے کا الزام لگ گیا۔ ان کی ابتدائی تصنیف ”بدیعہ رسول ﷺ“ نعت نبوی سے متعلق ہے۔ یہ کتاب اتنی بلند پایہ تھی کہ لوگوں کو اس کی تصنیف پر شک ہوا حتیٰ کہ عبد الغنی نے اس کی شرح لکھ کر اپنی قابلیت کا لوہا منوالیا (۳۹۸)۔ ۵۰۷ھ میں وہ استنبول گئے اور یہ ان کا پہلا سفر تھا۔ اس کے بعد ۱۱۰۰ھ بقاع اور لبنان، ۱۱۰۱ھ میں القدس، اٹلی ۱۱۰۵ھ میں مصر، حجاز، ۱۱۱۲ھ میں طرابلس کا سفر کیا اور اپنے پہلے سفر کے سوا باقی سب کی سرگزشت قلم بند کی (۳۹۹)۔ ان کی کل تصانیف (چھوٹے رسائل سمیت) دو اڑھائی سو کے قریب ہے۔ ان کے شاگرد بے شمار تھے جن میں سے غالباً سب سے ممتاز المعطفی الکبریٰ تھے (۵۰۰)۔

ان کی وفات ۲۳ شعبان ۱۱۳۳ھ کو ہوئی (۵۰۱)۔

۳۔ اطراف المحبین

مؤلف کا نام حافظ ابراہیم بن محمد بن عبید دمشق (۴۰۱ھ)

حالات زندگی

آپ کی کنیت ابو مسعود اور نام ابراہیم بن محمد بن عبید دمشق ہے۔ آپ دمشق کے رہنے والے بلند پایہ حافظ حدیث تھے۔ فن اطراف الحدیث میں چوٹی کے علما میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے واسط میں محمد بن عبد اللہ بن محمد بن سقاء وغیرہ سے کوفہ میں مطہر بن عطاء اللہ سے، اصفہان میں ابو بکر قباب سے اور ان کے طبقہ سے، بصرہ میں ابو ظیفہ حمی کے تلامذہ سے، نیشاپور میں امام ابن خزیمہ کے اصحاب سے اور ابو بکر احمد بن عبد ان شیرازی سے حدیث کا سماع کیا (۵۰۲)۔

خطیب بغدادی فرماتے ہیں آپ نے تحصیل علم کے لیے بہت سے سفر کیے۔ بغداد میں ابو سعید حرانی کے تلامذہ کے علاوہ، بصرہ، اہواز، واسط، خراسان اور اصفہان کے آئمہ سے حدیث لکھی۔

آپ کو صحیحین سے خاص لگاؤ تھا۔ انہوں نے حدیث بہت کم بیان کی ہیں اور جو بیان کی ہیں وہ بھی بطور مذکرہ بیان کی ہیں۔ آپ راست گو، دیانتدار اور پرہیزگار تھے (۵۰۳)۔

امام ذہبی لکھتے ہیں ”آپ سے ابو ذر ہروی، حمزہ سہمی، احمد بن محمد عقیلی، ابو القاسم لاکانی اور دوسرے لوگوں نے حدیث بیان کی۔ آپ کی روایت کردہ احادیث اس وجہ سے کم ہیں کہ آپ کا عالم جوانی میں انتقال ہو گیا۔ آپ رجب ۳۰۰ھ یا ۳۰۱ھ کو فوت ہوئے۔ میں نے احادیث معللہ میں آپ کی تصنیف کردہ ایک جلد دیکھی ہے جو آپ کے بے پناہ حافظہ اور نقد رجال میں آپ کی مہارت کی شہادت دیتی ہے“ (۵۰۴)۔

۴۔ اطراف الصحیحین

مؤلف: ابو محمد خلف بن محمد واسطی (م ۴۰۱ھ)۔

حالات زندگی

آپ واسطہ کے رہنے والے بہت بڑے حافظہ حدیث اور کتاب الاطراف کے مصنف ہیں۔ انہوں نے بغداد میں ابو بکر قطعی اور ان کے طبقہ سے، واسطہ میں عبد اللہ بن محمد بن سقاء، جرجان میں ابو بکر اسامی اور ان کے طبقہ سے، ہرات میں محمد بن عبد اللہ بن خرویدہ اور ان کے طبقہ سے اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں سے حدیث کا سماع کیا (۵۰۵)۔

خطیب ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ”لوگ ان کی منتخب کردہ احادیث لکھا کرتے تھے۔ آپ اس فن کے عالم فاضل تھے پھر تجارت میں ایسے مشغول ہوئے کہ تازہ نگاری علم سے تعلق منقطع کر لیا“ (۵۰۶)۔ آپ طلب علم میں محدث شہیر ابو الفتح بن ابی الفوارس کے رفیق تھے (۵۰۷)۔

امام ذہبی فرماتے ہیں ”انہوں نے مصر اور شام کا بھی سفر کیا۔ تقدم اور برتری کے باوجود امام ابو عبد اللہ حاکم ان سے روایت کرتے تھے۔ ان کے علاوہ ابو علی ابو ازی، ابو القاسم عبید اللہ بن احمد ازہری اور ایک دوسری جماعت نے بھی آپ سے استفادہ کیا۔ آخر میں رملہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور تجارتی کاروبار کرنے لگے تھے۔ انہوں نے صحیحین کے بڑے عمدہ اطراف لکھے جس میں بہت سے

فوائد جمع کیے ہیں۔ اور دوسرے محدثین کے ادہام پر تنبیہ بھی کی ہے۔ اس میں ابو مسعود مشقی کی اطراف سے اغلاط بہت کم ہیں“ (۵۰۸)۔ امام حاکم نے ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ شعبہ اور دوسرے محدثین کی احادیث کے حافظ تھے (۵۰۹)۔ ابو نعیم کہتے ہیں: ”ہم نیشاپور اور اصفہان میں ان کی صحبت میں رہے ہیں (۵۱۰)۔ آپ کی وفات ۴۰۱ھ میں ہوئی (۵۱۱)۔ خطیب کہتے ہیں میں نے ازہری سے سنا ہے فرماتے ہیں خلف حافظ حدیث تھے اور ابن ابی الفوارس ان کے استاد تھے۔ مجھے ان کے واسطے سے حضرت ابن عباس کی یہ حدیث ملی ہے ”آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”مخنی کی عیب جوئی سے دور رہو جب وہ کوئی غلطی کرنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے“ (۵۱۲)۔

۵۔ اطراف الصحیحین

مؤلف ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی (م ۴۳۰ھ)۔

حالات زندگی

آپ کی کنیت ابو نعیم، نام احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق اور خطاب ”محدث العصر“ ہے۔ آپ اصفہان کے رہنے والے بہت بڑے حافظ حدیث ہیں۔ آپ مشہور زاہد محمد بن یوسف بناء کے نواسے ہیں (۵۱۳)۔ ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے (۵۱۴)۔

جب آپ کی عمر صرف چھ سال تھی تو دنیا کے سرمد آوردہ اور عظیم مشائخ نے آپ کو اجازت سے نوازا چنانچہ واسطے سے عمر رسیدہ بزرگ عبد اللہ بن عمر بن شاذب نے، نیشاپور سے شیخ نیشاپور ابو العباس اسم نے، شام سے شیخ شام ضمیمہ بن سلمان طرابلسی نے اور بغداد سے جعفر الخلدی، ابو سہیل بن زیاد اور ایک دوسری جماعت نے آپ کو حدیث پڑھانے کی اجازت دے دی (۵۱۵)۔

آپ ان مشاہیر سے اجازت پانے میں اس طرح منفرد ہیں جس طرح ایک جماعت سے سماع کرنے میں منفرد ہیں چنانچہ دنیا کے کونے کونے سے حفاظ حدیث آپ کے حفظ، علمی شہرت اور علو اسناد کی وجہ سے آپ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے (۵۱۶)۔

اساتذہ

آپ نے پہلے پہل باقاعدہ طور پر مسند اصفہان اور عمر رسیدہ شیخ ابو محمد بن فارس سے ۳۴۶ھ میں پڑھنا شروع کیا۔ اس کے بعد ابو احمد عسال، احمد بن معبد سسار، احمد بن بندار، ابو بکر بن کوثر، ابو بکر بن خلاد نصیبی، حبیب قزاز، ابو بکر جعالی، ابو القاسم ظہری، ابو بکر آجری، ابو علی بن صواف، ابراہیم بن عبد اللہ بن ابی العزائم کوئی، عبد اللہ بن جعفر جابری، احمد بن حسن ککی، فاروق خطابی، ابو الشیخ بن حیان اور خراسان اور عراق کے بہت سے آئمہ سے حدیث کا سماع کیا۔ آپ نے تحصیل علم میں بڑی تہدی اور محنت و مشقت سے کام لیا۔ آپ کو کبار مشائخ سے ملاقات کے وہ مواقع میسر آئے جو دوسرے کسی حافظ حدیث کو میسر نہیں آئے (۵۱۷)۔

شاگرد

آپ سے کوشیار بن لیا لیز درجیلی نے روایت کی ہے۔ ان کے علاوہ ابو بکر بن ابی علی ذکوانی، ابوسعید المہلبی، حافظ خطیب، حافظ ابوصالح، مؤذن، ابو علی وحشی، ابو بکر محمد بن ابراہیم عطا، سلیمان ابراہیم، مہبہ اللہ بن محمد شیرازی، محمد بن حسن بکرنے آمل میں، ابو بکر آرموی نے تیبس میں، ابو بکر سمطاری نے صقہ میں، ابو عمرو بن قنابل نے اندلس میں، یوسف بن ابوالحسن تھکری، ابوالفضل حمد حداد، اس کے بھائی ابو علی مقری، عبدالسلام بن احمد قاضی مفسر، محمد بن بیاہ، ابوسعید مطرز، غانم برجی، ابومنصور محمد بن عبد اللہ شروطی اور دوسرے بہت سے لوگوں نے آپ سے حدیث کا سماع کیا (۵۱۸)۔

خطیب کہتے ہیں کہ میں نے حافظ ابو نعیم اور ابو حازم کے سوا ایسا آدمی نہیں دیکھا جس پر بجا طور پر حافظ کا اطلاق کیا جائے (۵۱۹)۔ حمزہ بن عباس علوی فرماتے ہیں: ”محدثین کہا کرتے تھے کہ حافظ ابو نعیم کی چودہ سال تک کوئی نظیر نہیں تھا مشرق اور مغرب میں نہ ان سے بڑا کوئی حافظ تھا اور نہ کسی کے پاس ان سے اعلیٰ کوئی سند تھی (۵۲۰)۔“

حافظ ابو نعیم نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں: کتاب معرفۃ الصحابہ، کتاب دلائل النبوة، کتاب المستخرج علی البخاری، کتاب المستخرج علی مسلم، کتاب تاریخ اصفہان، صلیۃ الجند، کتاب الطب اور کتاب المعتقد (۵۲۱)۔

وفات آپ نے ۹۴ سال کی عمر میں ۲۰ محرم ۳۳۰ھ میں وفات پائی (۵۲۲)۔

۶۔ الاشراف معرفة الاطراف

اس کتاب میں انہوں نے سنن اربعہ کو جمع کیا۔

مؤلف کا نام ابوالقاسم علی بن حسن المعروف ابن عساکر دمشق (م ۵۷۱ھ)

حالات زندگی

آپ کی کنیت ابوالقاسم، نام علی بن حسن رحمۃ اللہ اور لقب محدث شام ہے۔ دمشق کے رہنے والے جلیل القدر اور بلند پایہ حافظ حدیث ہیں۔ شافعی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ تاریخ کبیر اور دیگر پر مغز اور مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۳۹۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد اور اپنے بھائی ضیاء الدین رحمۃ اللہ کی خصوصی توجہ سے اپنی عمر کے ساتویں سال ہی میں حدیث کا سماع شروع کیا (۵۲۳)۔

اساتذہ

آپ نے اپنے شہر دمشق میں ابوالقاسم نسیب، قوام بن زید، سلیم بن قیراط، ابو طاہر حنائی، ابو الحسن بن موازینی اور اس طبقہ کے دوسرے علماء سے اکتساب فیض کیا۔ پھر ۵۰۲ھ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے رحلات علمی کا آغاز کیا اور بغداد میں ابوالقاسم بن حصین، ابوالحسین دینوری، ابو العزیز بن کادش، ابو غالب بن بناء، ابو عبد اللہ ہارغ، قاضی مرستان اور اس طبقہ کے دیگر مشاہیر سے حدیث کا سماع کیا (۵۲۳)۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد ایک ہزار تین سو ہے۔ ان میں سے اتنی سے زیادہ مورثین ہیں (۵۲۵)۔

تلامذہ

آپ کے تلامذہ کی فہرست بھی خاصی طویل ہے۔ مشہور محدث، معمر بن فاخر، ابو العلاء ہمدانی، ابوسعید سمعانی اور دوسرے کبار علماء آپ کے تلامذہ ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے صاحبزادے قاسم، ابو جعفر قرطبی زین الامناء، ابو برکات بن عساکر اور ان کے بھائی شیخ فخر الدین وغیرہ بے شمار علماء

نے آپ سے حدیث کا علم حاصل کیا (۵۲۶)۔

مقام و مرتبہ

حافظ سمعانی کہتے ہیں۔ ”ابو القاسم ابن عساکر حافظ حدیث، ثقہ، متقن، دیندار، نیک اطوار اور بلند اخلاق تھے۔ متقن اور اسناد کو خوب جانتے تھے۔ علم و فضل میں بے نظیر اور بڑے محقق تھے“ (۵۲۷)۔ آپ حدیث کی قراۃ بڑے دلنشین انداز سے کرتے تھے آپ نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے مختلف ممالک کی طرف سفر کیا اور حصول مقصد کے لیے راتوں کی نیند اور دن کا چمکنا حرام کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علم کا جتنا ذخیرہ آپ کے پاس محفوظ تھا کسی کے پاس نہیں تھا (۵۲۸)۔

تدریسی زندگی کا آغاز

ابو المواہب کہتے ہیں: ”ایک دن مجھ سے فرمانے لگے جب میں نے حدیث پڑھانے کا ارادہ کیا اور خدا شاہد ہے کہ اس میں حب جاہ اور تقدم علی الاقران کا جذبہ ہرگز ہرگز کارفرما نہیں تھا، بلکہ خواہش یہ تھی کہ میں نے حدیث کا جو یہ بے اندازہ ذخیرہ جمع کیا ہے، اسے کب بیان کروں۔ اگر میں اسے کاغذات میں چھوڑ گیا تو اس تمام جا کا کچھ ہی اور مشقت سے کیا حاصل؟ چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا اور اپنے چوٹی کے اساتذہ سے اجازت طلب کی اور گھوم پھر کر اعیان شہر سے معذورہ کیا تو سب نے بیک زبان کہا ”اس کام کو سرانجام دینے کے لیے تم سے زیادہ مستحق کون ہے۔ چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ۵۳۳ھ میں تدریسی زندگی کا آغاز کیا“ (۵۲۹)۔ آپ نے ۵۷۱ھ میں وفات پائی (۵۳۰)۔

۷۔ اطراف الکتاب السنۃ

مؤلف کا نام محمد بن طاہر مقدسی (م ۵۵۷ھ)۔

حالات زندگی

آپ کی کنیت ابو الفضل اور نام محمد بن طاہر ہے۔ بیت المقدس کے رہنے والے مشہور حافظ حدیث ہیں۔ آپ نے طلب علم کے لیے تمام ممالک اسلامیہ کے علمی سرچشمے کھنگال ڈالے اور اپنے

قلب و دماغ میں اتنا وسیع ذخیرہ جمع کیا (۵۳۱)۔ آپ نے بے شمار سائنس و علم حاصل کیا جن میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔ بغداد میں ابو محمد صریفی، مصر میں ابوالاسحاق جبال، تیس میں علی بن الحسین بن حداد دمشق میں ابوالقاسم بن ابوالعلاء، حلب میں حسین بن مکی، جزیرہ میں ابو عمر، اصفہان میں عبدالوہاب بن منہ (۵۳۲)۔ اس کے علاوہ آپ مختلف شہروں میں گئے اور ان سے استفادہ کیا۔ آپ سے استفادہ کرنے والوں میں شیروہ بن شہردار، ابو جعفر بن ابی علی، ابوالنضر غازی، عبدالوہاب الانماطی، ابن ناصر سلفی اور ان کے صاحبزادے ابو زرہ، محمد بن اسماعیل طرطوسی اور دوسرے لوگ شامل ہیں (۵۳۳)۔

ابن طاہر خود کہتے ہیں میری پیدائش شوال ۳۳۸ھ میں ہوئی۔ ۴۶۰ھ میں حدیث کا سماع شروع کیا اور مزید تعلیم کے لیے ۳۶۷ھ میں بغداد داخل ہوئے (۵۳۴)۔ آپ نے ربیع الاول ۵۰۷ھ میں وفات پائی (۵۳۵)۔

۸: اطراف المسانید العشرة

مؤلف ابو العباس احمد بن ابی بکر بن اسماعیل البصری (م ۸۴۰ھ)

نام و نسب احمد بن ابی بکر بن اسماعیل بن قایماز البصری ہے۔ لقب شهاب الدین کنیت ابو العباس ہے (۵۳۶)۔ آپ نے برہان المعونی، الملتقی، العراقی، البیہقی اور اس طبقہ کے علما سے کسب فیض کیا اور تدریس حدیث کے علاوہ تخریج کی بہت سی کتابیں تصنیف کیں (۵۳۷)۔

حافظ ابن حجر کے ساتھ بھی کافی عرصہ رہے۔ ان سے ”لسان المیزان“ اور التلخیص علی الکاشف لکھی اور دوسرے تصانیف بھی سماعت کی (۵۳۸)۔ پھر کتب تصنیف کرنا شروع کیں۔ ان میں ”الفرودس“، ”مسند الفرودس پر حاشیہ لکھا (۵۳۹)۔

۱۔ اتحاف الخیرہ بزوائد المسانید العشرة۔

۲۔ تحفة الحبيب للحبيب بالزوائد فی الترغیب والترہیب۔

۳۔ زوائد ابن ماجہ علی کتب الحفاظ الخمسة۔

۴۔ زوائد نوادر الاصول للحکیم الترمذی۔

۵۔ القوائد المنتقى لزوائد سنن البيهقي

اٹھارہ محرم ۸۴۰ھ کو فوت ہوئے (۵۴۰)۔

السانيد الحشره میں درج ذیل کتب کے اطراف ہیں:

۱۔ مسند ابی داؤد	۲۔ مسند ابی بکر الجمیدی
۳۔ مسند سعد بن مسرحد	۴۔ مسند محمد بن یحییٰ العدنی
۵۔ مسند ابی بکر بن ابی شیبہ	۶۔ مسند احمد بن منیع
۷۔ مسند عبد بن حمید	۸۔ مسند الحارث بن محمد بن ابی اسامہ
۹۔ مسند ابی یعلیٰ الموصلی	۱۰۔ مسند اسحاق بن راہویہ (۵۴۱)

۹۔ اطراف المہرۃ باطراف العشرہ

مؤلف کا نام الحافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی (۸۵۴ھ)

اطراف العشرہ میں درج ذیل کتب شامل ہیں:

۱۔ ابو طاد مسند الشافعی	۲۔ مسند احمد
۳۔ مسند الدارمی	۴۔ صحیح ابن خزیمہ
۵۔ منشی ابن الجازود	۶۔ صحیح ابن حبان
۷۔ مستدرک الحاکم	۸۔ مستخرج ابی عوانہ
۹۔ شرح معانی الآثار للطحاوی	۱۰۔ سنن الدار قطنی (۵۴۲)

نام ونسب

نام احمد، ابو الفضل کنیت اور صحاب الدین لقب تھا۔ پورا نسب نامہ یہ ہے: احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن محمود بن احمد بن حجر عسقلانی مصری (۵۴۳)۔

ولادت اور ابتدائی حالات

۲۳ شعبان ۷۷۳ھ کو مصر میں پیدا ہوئے (۵۴۴)۔ صغریٰ میں آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا تھا۔ فرماتے ہیں: ”جب میرے والد فوت ہوئے تو میری عمر کے چار سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے اور آج مجھے وہ بالکل ایک خیال کی طرح یاد ہیں۔ اتنا یاد آیا ہے کہ انہوں نے کہا: میرے لڑکے (ابن حجر) کی کنیت ابو الفضل ہے“ (۵۴۵)۔

حصول تعلیم

ابتدائی تعلیم کا آغاز مصر سے کیا۔ سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ قرآن مجید کے حفظ میں آپ کے استاد شیخ صدر السفلی شارح مختصر التبریزی ہیں۔ آپ کا حافظہ غیر معمولی تھا اس لیے ۹ سال کی عمر میں آپ نے قرآن پاک حفظ کر لیا۔ آپ نے تحصیل علم کے لیے سفر کا آغاز ۷۸۴ھ میں کیا اور حرمین شریفین کے علاوہ اسکندریہ، نابلس، رملہ، غزہ، یمن، قبرص، شام اور حلب وغیرہ کے رحلات علمی شامل ہیں (۵۴۶)۔ اسی بناء پر آپ کے شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے، جیسا کہ ابن فہد کی نے لکھا ہے: ”ان کے شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے، جن کو نہ بیان کرنا ممکن ہے اور نہ شمار کرنا“ (۵۴۷)۔

اساتذہ و شیوخ آپ کے مشہور اساتذہ یہ ہیں:

- ۱۔ شیخ ابو محمد عقیف اللہادری (۷۹۰مھ)
- ۲۔ حافظ عمر بن علی بن احمد (۸۰۳مھ)
- ۳۔ امام ابو حفص عمر بن رسلان بن نصیر عسقلانی بلقینی (۸۰۵مھ)
- ۴۔ حافظ عبد الرحیم الشافعی العراقی (۸۰۶مھ)
- ۵۔ شیخ الاسلام ابو حامد محمد بن ظہیر (۸۱۷مھ)
- ۶۔ علامہ ابراہیم بن موسیٰ (۸۰۱مھ)
- ۷۔ امام ابو طاهر محمد بن یعقوب فیروز آادی (۸۱۷مھ) (۵۴۸)

تلاذہ

حافظ ابن حجر کے تلاذہ اور مستفیدین کا حلقہ بھی بہت وسیع تھا۔ جس طرح آپ کے اساتذہ کی صحیح تعداد کا پتہ نہیں چل سکا اسی طرح آپ کے تلاذہ کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔ تاہم آپ کے مشہور تلاذہ یہ ہیں:

- ۱۔ امام محمد بن عبدالرحمن سخاوی (م ۹۰۲ھ)۔
 - ۲۔ امام برہان الدین ابراہیم بن عمر بھاگی (م ۸۰۹ھ)۔
 - ۳۔ ابن فہدکی (م ۸۷۱ھ)۔
 - ۴۔ زکریا بن محمد الانصاری (م ۸۲۶ھ)۔
- حافظ صاحب کے یہ تلاذہ بھی اپنے وقت کے امام اور صاحب فن تھے (۵۳۹)۔

تبحر علمی اور جامعیت

یوں تو آپ جامع العلوم تھے ہی لیکن آپ کے خصوصی میدان علم حدیث، رجال اور فقہ تھے۔ ان میں بھی حدیث سے آپ کو زیادہ شغف تھا اور اس میں آپ نے زیادہ ناموری حاصل کی۔ امام شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں۔ ”بعض کا قول ہے کہ ابن حجر فطری شاعر، محدث اور فقیہ بے بدل تھے، رجال کی معرفت، ان کا استحضار، ان کے بلند و پست کی پہچان اور علل احادیث وغیرہ کی واقفیت ان پر فتم ہوگئی“ (۵۵۰)۔

سرعت قرأت

حافظ ابن حجر کی سرعت قرأت کے بعض ایسے محیر العقول واقعات منقول ہیں جن پر اس زمانہ میں یقین کرنا مشکل ہے۔ لیکن یہ واقعات حافظ صاحب کے اکابر تلاذہ سے متواتر منقول ہیں۔ اس لیے ان کی محنت میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔

حافظ ابن فہد لکھتے ہیں: ”آپ نے بخاری شریف ظہر و عصر کے درمیان دس مجلسوں میں فتم کی، مسلم شریف ڈھائی دن میں اور نسائی شریف دس مجلسوں میں فتم کی۔ معجم غیر طبرانی ظہر و عصر کے

درمیان ایک مجلس میں ختم کی“ (۵۵۱)۔

منصب قضاء

حافظ ابن حجر نے قضا کی آزمائشوں میں جتنا نہ ہونے کا شروع سے عزم کر لیا تھا، لیکن حکومت کی طرف سے شدت سے دباؤ ڈالا گیا تو آپ منصب قضاء قبول کرنے پر راضی ہوئے۔ آپ کے منصب قضاء قبول نہ کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس میں بہت سی مشکلات اور آزمائشیں تھیں، جیسا کہ آپ کے تلمیذ رشید حافظ سخاوی لکھتے ہیں: ”وہ قضاء سے بہت دامن بچاتے تھے، کیونکہ اس میں بڑی مشکلات اور آزمائشیں ہیں“ (۵۵۲)۔

تصانیف

حافظ ابن حجر نے اپنی طویل زندگی میں مختلف علوم و فنون پر بکثرت کتابیں تصنیف کیں۔ حافظ ابن حجر کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کی تصانیف کی شہرت و مقبولیت ان کی زندگی میں بہت زیادہ ہوئی۔ امام سخاوی نے آپ کی تصانیف کی تعداد ۱۵۰ سے زائد بتائی ہے، جن میں بیشتر کتابیں فہم حدیث سے متعلق ہیں۔ حافظ سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے ۱۸۶ کتابوں کے نام شمار کرائے ہیں اور ابن عماد حنبلی نے ۷۲ تصانیف کے نام لکھے ہیں جن کی کل مجلدات کی تعداد ۱۱۲ ہے (۵۵۳)۔

آپ کی چند مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

- فتح الباری شرح صحیح البخاری
- ھدی الساری (مقدمہ فتح الباری)
- اتحاف الکھرة باطراف الاسانید العشرة
- اطراف المسند المحتسب باطراف المسند الحسنبلی
- تھدیب التھدیب
- الدرر الکامنة فی اعیان الملائة الثمينة
- الاصابہ فی تمییز الصحابة
- شرح نخبہ الفکر فی معطل محل الاثر
- لسان المیزان
- بلوغ المرام من ادلة الاحکام
- تقریب التھدیب
- تلخیص الحمید (۵۵۴)

وفات: ذوالحجہ ۸۵۲ھ کو بعد نماز عشاء قاہرہ (مصر) میں علم و عمل کا یہ آفتاب غروب ہوا (۵۵۵)۔

امام مالکؒ اور ان کی مؤطا

نام و نسب

آپ کا اسم گرامی مالکؒ اور کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ نسب نامہ یہ ہے مالک بن انس بن عامر بن مالک بن ابو عامر بن عمرو بن الحارث، لقب امام دارالہجرہ تھا (۵۵۶)۔

ولادت باسعادت آپؒ ۹۳ یا ۹۵ ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے (۵۵۷)۔

خاندانی حالات

امام مالکؒ کا خاندان والد کی طرف سے یمن کے قبیلہ ذوامج سے تعلق رکھتا تھا اس لیے اصبحی کہلائے۔ اور والدہ ماجدہ العالیہ بنت بن بکار عرب کے مشہور قبیلہ ازد سے تعلق رکھتی تھیں (۵۵۸)۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ کا خاندان قبیلہ تمیم کا موالی تھا اور اس وجہ سے کچھ مؤرخین کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ آپ کا خاندان موالی ہونے کی وجہ سے عجی تھا آزاد کردہ غلام۔ مگر موالی حلیف کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا خاندان قبیلہ تمیم کا حلیف تھا اور آپ کے جد اعلیٰ ابو عامر کا اس قبیلہ میں نکاح ہوا تھا لہذا سسرال ہونے کی وجہ سے اس قبیلہ کے ساتھ آپ کے خاندان کے تعلقات مزید مستحکم ہو گئے تھے (۵۵۹)۔

آپ کے خاندان میں سب سے پہلے آپ کے جد اعلیٰ ابو عامر مدینہ تشریف لائے اور مسلمان ہوئے۔ اُس وقت آنحضرت ﷺ کا وصال ہو چکا تھا۔ اس لیے انہیں صحابی ہونے کا شرف حاصل نہیں ہو سکا۔ تاہم انہوں نے یہاں آ کر قبیلہ تمیم میں نکاح کر لیا اور مستقل طور پر مدینہ منورہ ہی میں مقیم ہو گئے۔ یہیں انہوں نے علم حدیث کی تعلیم حضرت عمر فاروقؓ، عثمانؓ، طلحہ بن عبید اللہؓ اور حضرت عائشہؓ سے حاصل کی۔ امام مالکؒ کے ولید محترم اور چچا ابو سہیل نافع ان سے احادیث کی روایت کرتے ہیں۔ آپؒ کے عم محترم ابو سہیل نافع بہت بڑے محدث تھے وہ مشہور محدث امام زہری کے استاد بھی تھے۔ خود امام مالکؒ کے بڑے بھائی نضر بھی حدیث کے عالم تھے (۵۶۰)۔

ابتدائی تعلیم

امام مالک کو بچپن ہی سے علم حدیث کی تعلیم کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ جب آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو اچھے کپڑے پہنا کر اور سر پر عمامہ باندھ کر، مدینہ منورہ کے مشہور محدث حضرت ربیعہ کے حلقہ درس میں چھوڑ آئیں۔ (۵۶۱) یہ قدم ابتدا میں صرف برکت حاصل کرنے کے لیے تھا۔ ورنہ چھوٹی عمر میں امام مالک کے پہلے استاد حضرت ابن ہرمرہ تھے۔ کیونکہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے سے پہلے ایک نو عمر طالب علم کے لیے ضروری تھا کہ وہ کسی ایک عالم کا دامن مضبوطی کے ساتھ پکڑے تاکہ اس کا علم پختہ ہو سکے۔ امام مالک حضرت ابن ہرمرہ کی خدمت میں سات سال تک ابتدائی تعلیم حاصل کرتے رہے اور اس عرصے میں کسی دوسرے استاد کی طرف متوجہ نہیں ہوئے (۵۶۲)۔

اساتذہ

امام مالک کو مدینہ منورہ سے باہر تحصیل علم کی ضرورت نہ پڑی کیونکہ مدینہ منورہ میں ہی بے شمار محدثین موجود تھے۔ بلکہ حج و عمرہ کے موقع پر دوسرے شہروں کے محدثین کرام بھی مدینہ منورہ زیارت مسجد نبوی کے لیے آتے تھے اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر امام مالک باہر کے جلیل القدر محدثین سے بھی روایات حاصل کر لیتے تھے۔ ایسے غیر مدنی شیوخ کی تعداد نو ہے اور تمام شیوخ کی تعداد جن سے مؤطا میں روایت کی گئی ہے۔ تقریباً ۹۳ ہے (۵۶۳)۔ یہ تعداد دیگر مشہور محدثین کے مقابلے میں نہایت کم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امام مالک نے اپنے شیوخ کے انتخاب میں بہت ہی احتیاط سے کام لیا ہے۔ حضرت ابن ہرمرہ کے بعد آپ ربیعہ الرائی، نافع مولیٰ ابن عمرؓ اور امام زہریؓ کی خدمت میں زیادہ عرصے تک رہے اور ان کے علمی اثرات سے مستفید ہوئے۔ اسی طرح زید بن اسلم، عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص، ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید الانصاری اور ابوب السخیمانی بھی آپ کے اساتذہ میں شامل ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے ان کے شیوخ کی تعداد ۷۵ بتائی ہے (۵۶۴)۔ چند مشہور اساتذہ درج ذیل ہے:

حضرت ابن ہرمرہ

اس زمانے میں بعض لوگوں کے عقائد میں فرق آ گیا تھا اور کچھ گمراہ فرقے پیدا ہونے لگے

تھے لہذا ایک نو عمر طالب علم کے لیے ضروری تھا کہ وہ گمراہ فرقوں کے بُرے عقائد اور بُرے اثرات سے محفوظ رہے اور امام مالک خوش قسمت تھے کہ انہیں ابتدائی عمر میں حضرت ابن ہرمرہ جیسا استاد ملا جو اسلامی عقائد میں بہت پختہ تھے اور ان فرق باطلہ ہائے کی بُرے ذور طریقہ سے تردید کرتے تھے۔ حضرت ابن ہرمرہؒ نے سنہ ۱۱۷ھ میں وفات پائی تاہم حضرت امام مالکؒ آخر عمر تک ان سے استفادہ کرتے رہے (۵۶۵)۔

حضرت نافع

حضرت نافع حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے تلمیذ خاص تھے۔ امام مالکؒ کے زمانے میں وہ بوڑھے ہو چکے تھے۔ اُن کی بیٹائی میں بھی فرق آ گیا تھا۔ حضرت نافعؒ نے امام مالکؒ کو ظہر کا وقت دیا تھا جبکہ وہ نماز ظہر پڑھنے کے لیے جاتے تھے تو اُس وقت دوپہر کی دھوپ کی شدت برداشت کرتے ہوئے امام مالکؒ اُن کے گھر پہنچے تھے، اُس وقت وہ گھر سے نکلے ہوئے حضرت ابن عمرؓ کی احادیث سناتے تھے اور اُن کے فتاویٰ سے بھی آپؐ کو آگاہ کرتے تھے (۵۶۶)۔

امام زہریؒ

امام زہریؒ جب مدینہ منورہ آ کر مقیم ہوئے تو امام مالکؒ نے ان کا دامن پکڑ لیا اور فرصت کے وقت ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے احادیث سنتے تھے اور فوزِ ایاذ کر لیتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ عید کی نماز پڑھ کر امام زہریؒ کے گھر گئے اور ان سے چالیس احادیث سُن کر فوزِ ان کے سامنے دہرا دیں۔ اس پر امام زہریؒ نے بہت تعجب کا اظہار کیا اور اُن کے شوق اور قوی حافظہ کو دیکھتے ہوئے انہیں حدیث کی اچھی طرح تعلیم دی اور امام مالکؒ بہت جلد اُن کے شاگرد خاص بن گئے (۵۶۷)۔

حضرت ربیعہؒ

آپؐ نے حضرت ربیعہؒ الرائی سے اصول فقہ کی تعلیم حاصل کی ہے کیونکہ وہ زبردست محدث ہونے کے ساتھ ساتھ مدینہ کے زبردست فقیہ بھی تھے۔ اور اسی وجہ سے ان کے نام کے ساتھ رائی کا لفظ بھی شامل ہو گیا ہے۔ لہذا امام مالکؒ کے فقہی کمالات کا وہ سرچشمہ تھے اور ان کے فیضِ محبت کی بدولت آپؐ نے مدنی فقہ کے اصول مرتب کیے اور مالکی فقہ کی بنیاد ڈالی۔ آخری زمانے میں آپؐ کا اپنے استاد

ریحہ الرائی سے اختلاف رائے ہو گیا۔ اور دونوں کے فقہی اصول بھی مختلف ہو گئے تھے۔ تاہم آپ ان کے فقہی کمالات کے معترف رہے (۵۶۸)۔

تدریس حدیث

آپ علمی حلقوں میں ایک امتیازی شان سے چمکے۔ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ جب تک ستر شیوخ نے اجازت نہ دی مسجد تدریس پر جلوہ افروز نہیں ہوئے۔ آغاز شباب میں ہی مدینہ میں تدریس شروع کر دی۔ آپ کو علم حدیث کی تعظیم و اجلال کا بہت خیال تھا۔ مسجد درس کو زینت بخشنے سے پہلے آپ غسل فرماتے، اُجلال لباس پہنتے اور خوشبو لگاتے تھے جب حدیث شروع کرتے تو مجلس پر وقار کی فضا طاری ہو جاتی تھی اور خوشبو سے دماغ معطر رہتا تھا (۵۶۹)۔ آپ ادب کے ساتھ درس حدیث کے لیے مجلس لگاتے تھے تاکہ سوائے ادب کا شائبہ نہ ہو۔ سامعین خاموشی سے آپ کی بات سنتے۔ آپ اتنے مؤدب تھے کہ ایک دفعہ دورانِ درس حدیث ایک بچھو نے آپ کو کئی دفعہ کاٹا۔ ورد کی وجہ سے چہرہ متغیر ہو گیا۔ لیکن آپ نے اس وقت تک پہلو نہ بدلا جب تک حدیث رسولِ معظم نہ ہوئی (۵۷۰) اور آپ نے مؤطا لکھ کر اُسے مدارِ درس بنایا۔ آپ کا شہرہ دور دور تک پھیلا۔ افریقہ اور اندلس تک کے پروانے اس مجمعِ علم کے گرد اکٹھے ہونے لگے۔

عبدالرزاق اور سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی مندرجہ ذیل پیشین گوئی آپ ہی کے حق میں تھی کہ یوشک ان یضرب الناس اکباد الابل، یطلبون العلم فلا یجدون احدا اعلم من عالم المدینہ (۵۷۱) (عنقریب وہ زمانہ آئے گا کہ لوگ اونٹوں پر بیٹھ کر منزلیں کاٹیں گے اور عالمِ مدینہ سے بلند تر عالم کسی کو نہیں پائیں گے)۔ آپ کے حلقہ درس میں فقیر بے نواسے لے کر شہنشاہِ وقت تک شامل تھے اگر ایک طرف خطیبی لیلیٰ اندلسی، اسد بن الفرات تونسئی، عبدالسلام العوفی عرف سحون قیروانی، عبدالرحمان بن قاسم مصری، عبداللہ بن وہب، شعبہ بن عبدالعزیز قیسئی اور عبداللہ بن الحکیم ایسے غریب الوطن تھے تو دوسری طرف ہارون الرشید، امین الرشید اور موتمن ایسے شاہِ وقت تھے۔ جنہوں نے آپ کے قدموں میں بیٹھ کر درس حدیث لیا۔ سید سلیمان ندوی (۱۳۷۳ھ) نے مجلس درس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے: ”جاہ و جلال اور شان و شکوہ سے کا شائبہ

امامت پر بارگاہ شامی کا دھوکہ ہوتا تھا، طلباء کا جھوم، مستغنیوں کا ازدحام، امراء کا ورد و، علماء کی تشریف آوری، سیاحوں کا گزر، حاضرین کی مؤذّب نشست، درخانہ پر سوار یوں کا انبوه، دیکھنے والوں پر زعب و وقار طاری کر دیتا تھا“ (۵۷۲)۔

طریقہ تدریس

صحابہ کرامؓ اور دیگر محدثین کا عام طریقہ تدریس یہ تھا کہ وہ زبانی یا لکھی ہوئی احادیث خود بول کر لکھواتے تھے اور تلامذہ یا تو لکھ لیتے تھے یا زبانی یاد کر لیتے تھے۔ اس موقع پر اگر بہت بڑا اجتماع ہوتا تو ان کے بلند آواز تلامذہ تھوڑی تھوڑی دور کھڑے ہو کر شیوخ کی آواز کو دہراتے تھے (۵۷۳)۔

امام مالکؒ کبھی کبھی یہ طریقہ اختیار کرتے۔ لیکن اکثر آپ شیوخ مدینہ کے طریقہ پر عمل کرتے تھے۔ وہ طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنی احادیث و فتاویٰ کو پہلے خود قلم بند کرتے یا کسی ہوشیار شاگرد سے لکھوا لیتے تھے۔ اس کے بعد جب درس شروع ہوتا تو لکھنے والا شاگرد مجلس درس میں اس کو پڑھتا تھا۔ استاد و محترم جا بجا احادیث کے مطالب کی تشریح کرتے جاتے تھے۔ اگر کتاب سے اصل لفظ یا متن میں کوئی غلطی ہو جاتی تھی تو اس کی تصحیح کر دی جاتی (۵۷۴)۔

امام مالکؒ کی مجلس درس میں دور دراز سے تمام اسلامی ممالک کے طلبہ آ کر شریک ہوتے تھے۔ یہاں تک کے شمالی افریقہ سے ایک بڑی تعداد آ کر شامل ہوئی۔ افریقہ اور اندلس کے لوگ بھی آپ کے درس میں شامل ہوئے اور ان کی بدولت مالکی مذہب ان علاقوں میں رائج ہو گیا۔ اس کے علاوہ مشرقی ممالک میں بھی آپ کا علمی فیض دور دراز علاقوں تک پہنچا۔

شاگرد

امام صاحب کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ حافظ ابن کثیر اور امام ذہبی نے لکھا ہے کہ آپ کے شاگردوں کا شمار ناممکن ہے کیونکہ انہوں نے ۶۲ سال تدریس کی ہے (۵۷۵)۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں چند درج ذیل ہیں:

حضرت یحییٰ بن یحییٰ

اندلس کے شہر قرطبہ میں داخل ہوئے اور وہاں سکونت اختیار کی اور زیادہ بن عبد الرحمان اللغنی معروف قبطون قرطبی سے ”موطا“ کی سماعت کی۔ اور یحییٰ بن مضر اندلسی سے بھی سماعت کی۔ پھر ۲۸ سال کی عمر میں مشرق کی طرف سفر کیا اور امام مالک سے ”موطا“ کی (کتاب الاعکاف کے علاوہ) سماعت کی۔ امام مالک آپ کو عاقل الاندلس کے نام سے پکارتے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ایک دفعہ وہ امام مالک طلباء کی جماعت کے ساتھ بیٹھے تھے کہ کسی کی آواز آئی ہاتھی آ گیا ہے تو تمام حاضرین مجلس دیکھنے گئے صرف یحییٰ بیٹھے رہے تو امام مالک نے پوچھا تو دیکھنے کیوں نہیں گیا۔ اندلس میں یہ نہیں ہوتے۔

یحییٰ نے جواب دیا میں اپنے ملک سے آپ کو دیکھنے اور آپ کی رہنمائی اور تعلیم حاصل کرنے آیا ہوں ہاتھی دیکھنے نہیں آیا۔ اس پر امام مالک نے ان کا نام عاقل اندلس رکھا۔ انہوں نے ۲۳۳ھ میں وفات پائی (۵۷۶)۔

ابو محمد عبد اللہ بن وہب

۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے کے اماموں میں سے تھے۔ امام مالک کی صحبت میں ۲۰ سال رہے اور الموطا الکبیر اور الموطا الصغیر لکھے۔ امام مالک آپ کے متعلق فرماتے تھے عبد اللہ بن وہب امام ہے۔ امام مالک کی طرف ۱۴۸ھ میں سفر کیا اور ان کی صحبت میں وفات تک رہے۔ اور ۱۹۷ھ میں فوت ہوئے (۵۷۷)۔

عبد الرحمن بن القاسم

۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ امام مالک کی صحبت میں ۲۰ سال رہے۔ اصحاب مالک نے امام مالک کی وفات کے بعد ان سے استفادہ کیا۔ مالکی مذہب کی فقہ ”المدونہ“ تصنیف کی۔ جو کہ مالکی مذہب کی بڑی کتب میں سے ہے۔ ۱۹۱ھ میں وفات پائی (۵۷۸)۔

ابوعبدالرحمن، عبداللہ بن مسلمہ قعنبی

امام مالک سے علم حدیث حاصل کیا۔ ان کے ثقہ شاگردوں میں سے تھا۔ یہ بھی الموطا کے راویوں میں سے ہے۔ انہیں کثرت عبادت کی وجہ سے ”الراہب“ کے نام سے پکارتے تھے۔ بصرہ میں ۲۲۱ھ میں جمعہ کے روز فوت ہوئے (۵۷۹)۔

فقہ و فتویٰ

حضرت امام مالکؒ نے فتویٰ دینے کا کام اُس وقت شروع کیا جبکہ مدینہ منورہ کے ستر علمائے عظام نے آپ کی قابلیت کا اعتراف کیا اور آپ کو فتویٰ دینے کی اجازت دی (۵۸۰)۔ آپ کے فتویٰ کی بنیاد احادیث نبوی ﷺ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور مدینہ کے فقہائے سبعہ کے فتویٰ پر مبنی ہے (۵۸۱)۔ آپؒ نے جب فتویٰ دینا شروع کیا تو تمام اسلامی ممالک سے آپؒ کے پاس فتوے آنا شروع ہو گئے اور بہت جلد آپؒ مدینہ منورہ کے مفتی بن گئے۔ یہاں تک کہ جب آپؒ مکہ معظمہ حج کے لیے تشریف لے جاتے تھے تو اُس وقت حکومت کی طرف سے اعلان ہوتا تھا کہ ”امام مالک اور شیخ ابن ابی ذئب کے سوا کوئی فتویٰ نہ دے“ (۵۸۲)۔ اس اعلان کی حج کے موقع پر اس لیے ضرورت ہوتی تھی کہ پوری دنیائے اسلام سے علمائے کرام اور دیگر مسلمان حج کے موقع پر جمع ہو جاتے تھے۔ ایسے موقع پر مختلف علمائے کرام کے فتویٰ کے اختلاف و انتشار کا اندیشہ ہوتا تھا۔

جبری طلاق کا مسئلہ

حکومت کی اس قدر روانی کے باوجود امام مالکؒ نہایت آزادی اور بے باکی کے ساتھ حکومت کی پالیسی کے خلاف بھی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں عباسی خاندان کی نئی نئی حکومت قائم ہوئی تھی اور بعض موقعوں پر نئی حکومت نے جبراً لوگوں سے اپنی حمایت میں بیعت حاصل کی تھی۔ حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ جبراً اور زبردستی طلاق دینے کے مسئلہ میں اس قسم کا فتویٰ دیا جائے کہ جبری طلاق بھی واقع ہو جائے گی۔ حکومت اس معاملے میں اس لیے مداخلت کر رہی تھی کہ اس زمانے میں حکومت کے خلاف بغاوتیں ہو رہی تھیں۔ اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ جبری بیعت کے خلاف بھی علماء فتویٰ دیں (۵۸۳)۔

جب خلیفہ منصور کا چچا زاد بھائی جعفر بن سلیمان عباسی مدینہ منورہ کا حاکم ہوا تو اس نے امام مالک کو حکم دیا کہ وہ جبری طلاق کے بارے میں فتویٰ نہ دیں۔ مگر امام مالک "حق و صداقت کے اصولوں اور اپنے ضمیر کے مطابق جبریہ معاملہ کے عدم حجت کا فتویٰ دیتے رہے۔

مدینہ کا حاکم جعفر اس بات پر بہت ناراض ہوا اور اُس نے حکم دیا کہ امام مالک کو ستر کوڑے مارے جائیں۔ چنانچہ اُس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ جس سے امام مالک کی پیٹھ بھولہان ہو گئی اور دونوں ہاتھ موٹے سے اتر گئے۔ اس کے بعد جعفر نے اونٹ پر بٹھا کر تشہیر کرائی۔ جب امام مالک نے اس بری حالت میں مدینہ کے بازاروں اور گلیوں میں سے گزر رہے تھے تو آپؐ نے بلند آواز میں فرمایا: "من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فاننا مالک بن انس اقول: ليس الطلاق المکره بشئ" (۵۸۳) (جو مجھے جانتا ہے وہ پہچانتا ہے اور جو واقف نہیں ہے وہ جان لے میں مالک بن انس ہوں۔ میں فتویٰ دیتا ہوں کہ جبری طلاق صحیح نہیں ہے)۔

نفس زکیہ کی حمایت

امام مالکؒ نے شرعی معاملات میں ہمیشہ حق و صداقت کی آواز بلند کی اور اس کے مقابلے میں اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ چنانچہ جب ۱۳۵ھ میں فاطمی سادات کے معزز فرد محمد نفس زکیہ (م ۱۳۵ھ) نے علم بغاوت بلند کیا تو اکثر لوگوں نے ان کا ساتھ دیا۔ جس میں علماء اور محدثین کی کافی تعداد تھی۔ امام مالکؒ نے بھی اس موقع پر فتویٰ دیا کہ "خلافت نفس زکیہ کا حق ہے"۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ "ہم منصور کی بیعت پر حلف اٹھا چکے ہیں"۔ امام صاحبؒ نے فرمایا: "منصور نے حجرۃ بیعت لی ہے اور جو کام زبردستی کیا جائے شریعت کے نزدیک وہ صحیح نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اگر جبراً کسی سے طلاق دلائی جائے تو واقع نہیں ہوگی (۵۸۵)۔

کتب فقہ

امام مالکؒ تقریباً ساٹھ برس تک مستقل فقہ و فتویٰ میں مشغول رہے۔ اس طرح انہوں نے مالکی فقہ کی بنیاد ڈالی۔ مؤطا مالک کے علاوہ وہ خود اپنے مسلک کی فقہ کو مدون نہ کر سکے۔ تاہم ان کے متعدد تلامذہ نے ان کی طویل محبت میں رہ کر فقہ کی کتب مرتب کی ہیں۔ سب سے پہلی مالکی فقہ کی کتاب

افریقہ کے قاضی اسد بن فرات کی ہے جو اسدیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے بعد سب سے مخیم فقہ کی کتاب ان کے دوسرے شاگرد ابن قاسم (ت ۱۹۱ھ) نے مدون کی جس کا نام ”المدونہ“ ہے جو خود امام مالکؒ کی زندگی ہی میں مدون ہو رہی تھی (۵۸۶)۔

ابن قاسم نے امام مالک کی محبت میں رہ کر ان کے فتوؤں کے جوابات مدون کیے تھے اور ان کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ انہیں امام مالکؒ کے چالیس ہزار مسائل زہانی یاد تھے۔ تیسری کتاب آپؒ کے مصری شاگرد ابن وہب (ت ۱۹۷ھ) نے تحریر کی۔ اس کتاب کا نام ”کتاب الجالسات عن مالک“ ہے (۵۸۷)۔ حضرت امام مالکؒ کی بنیاد فقہاء صحابہ یعنی ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ اور فقہاء اسلام یعنی کبار تابعین حضرات کے اجتہادات پر ہے۔ درج ذیل فقہاء کی آراء کو آپؒ زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

۱۔ سعید بن المسیب (م ۱۰۱ھ)۔

۲۔ سالم بن عبداللہ (م ۱۰۶ھ)۔

۳۔ ابوبکر بن عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام (م ۹۴ھ)۔

۴۔ عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود (م ۱۰۲ھ)۔

۵۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر (م ۱۰۱ھ)۔

۶۔ سلیمان بن یسار (م ۱۰۷ھ)۔

۷۔ خارجہ بن زید (م ۹۹ھ)۔

ان کے علاوہ صحابہ تابعین مثلاً زہری وغیرہ کے اجتہادات بھی امام مالک کے مذہب کی بنیاد

ہیں (۵۸۸)۔

تکلیفی

امام مالکؒ درس و افتاء کے بعد تمام وقت عبادت الہی اور تلاوت قرآن مجید میں صرف فرماتے تھے۔ بالخصوص جمعہ کی ساری رات عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ اسی طرح ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو بھی ساری رات عبادت اور تلاوت میں مشغول رہتے تھے (۵۸۹)۔

حسب مدینہ

آپ کو مدینہ سے غایت درجہ محبت تھی، سفر حج کے علاوہ کبھی مدینہ سے باہر نہیں نکلے، منصور نے بغداد میں سکونت کے لیے درخواست کی، پذیرائی نہ ہوئی۔ مہدی نے تین ہزار دینار بھیجے اور کہلا بھیجا کہ بغداد کا عزم کیجئے۔ فرمایا ”اشرافیاں اسی طرح رکھی ہیں، جی چاہے تو لے جاؤ مگر مالک سے مدینہ نہیں چھوٹ سکتا“ (۵۹۰)۔ حرمت مدینہ کا آپؐ کو اس قدر خیال تھا کہ آپ کے اصطلیل میں کئی گھوڑے ہونے کے باوجود آپ پیدل چلتے تھے۔ کسی کے استفسار پر آپؐ نے فرمایا: ”مجھے حیا آتی ہے کہ جس مبارک شہر میں نبی اکرم ﷺ کا جسد اطہر ہو، میں اس میں سوار ہو کر چلوں“ (۵۹۱)۔

اخلاق حسنہ

امام مالکؒ فیاض اور سخی بھی تھے اور مہمان نواز بھی۔ تاہم آپ کی فیاضی اور مہمان نوازی طالبان علم پر بہت زیادہ ہوتی تھی۔ بالخصوص اپنے ہونہار طالب علم امام شافعی پر بے حد مہربان تھے۔ سخت دست طلبہ اور اہل علم کی مالی امداد کرتا آپ کا عام معمول تھا (۵۹۲)۔ خود داری اور باوقار زندگی کے ساتھ آپ علم و عفو کی صفات سے بھی متصف تھے اور صبر و استقلال کے ساتھ نیکی کے راستے میں سب تکالیف برداشت کرتے تھے۔ آپ نے حق و صداقت کی راہ میں کوڑوں کی سزا برداشت کی۔ آپ خود دار اس قدر تھے کہ خلفاء و امراء کے آستانوں پر نہیں گئے۔ اور ان کی بار بار فرمائشوں کے باوجود بھی تعلیم و تدریس کے لیے ان کے گھر میں نہیں گئے اور انہوں نے علماء کے وقار اور احترام کو ہاتھ نہ رکھا (۵۹۳)۔

امام مالکؒ خلفاء اور امراء سے زیادہ علماء اور فقہاء کرام کی عزت کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشیدؒ آئے تو اُس کو مسند سے نیچے بیٹھنا پڑا۔ لیکن ایک بار امام ابو حنیفہؒ تشریف لائے تو امام مالکؒ نے اُن کے لیے اپنی چادر فرش پر بچھائی۔ اور ان کی بے حد تعظیم و تکریم کی (۵۹۴)۔ آپؐ اپنے نامور شاگردوں کا بھی استقبال کرتے تھے اور اُن سے بے حد محبت کرتے تھے۔

نفاست پسندی

اعلیٰ اخلاق کے ساتھ آپ صفاً پسند تھے اور ہر چیز میں صفاً کا خاص طور پر خیال رکھتے

تھے۔ ہمیشہ نفیس اور عمدہ پوشاک زیب تن فرماتے۔ یمن، مصر اور خراسان سے عمدہ عمدہ کپڑے منگواتے تھے۔ آپؐ خوشبو کا استعمال ہمیشہ کرتے تھے۔ عود کی انگلیٹھیاں ہمیشہ جلتی رہتی تھیں اور کپڑے خوشبوؤں میں بے رہتے تھے۔ جس گلی سے ایک بار گزر جاتے دیر تک اس میں خوشبو پھیلی رہتی (۵۹۵)۔

تصنیفات

امام مالک کی اپنی اور ان کی طرف منسوب تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱۔ مؤطا۔ ۲۔ رسالۃ مالک الی الرشید
- ۳۔ احکام القرآن۔ ۴۔ المدوۃ الکبریٰ۔
- ۵۔ رسالۃ مالک الی ابن مطرف۔ ۶۔ رسالۃ مالک الی ابن وحب۔
- ۷۔ کتاب الاقصیۃ۔ ۸۔ کتاب الناسک۔
- ۹۔ تفسیر غریب القرآن۔ ۱۰۔ تفسیر القرآن۔
- ۱۱۔ کتاب المسائل۔ ۱۲۔ کتاب الجاسات عن مالک (۵۹۶)

امام مالک کے متعلق دیگر محدثین کی آراء

- ۱۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب علما کا ذکر کیا جائے تو امام مالک ستارے ہیں (۵۹۷)۔
- ۲۔ قال ابن عیینہ: ما کان اشد انتقاد مالک للرجال واعلمہ بشانہم (۵۹۸) (ابن عیینہ کہتے ہیں: امام مالک سے لوگوں پر نقد اور واقفیت میں کوئی بڑھ کر نہ تھا)۔
- ۳۔ قال ابن معین: مالک من حجج اللہ علی خلقہ (۵۹۹) (ابن معین کہتے ہیں مالک مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانوں میں ہیں)۔
- ۴۔ قال ابن سعد: کان مالک ثقة مأموناً نبأ ورعاً فقیہاً عالمًا حجة (۶۰۰) (ابن سعد کہتے ہیں: مالک ثقہ، امین، نیک، فقیہ اور عظیم عالم تھے)۔
- ۵۔ قال ابن ہرمل لجاریتہ یومًا: من بالباب؟ فلم تر الا مالکا فذکرت ذلک لہ، فقال: دعیہ فانہ عالم الناس (۶۰۱) (ایک دن ابن ہرمل نے لوٹری سے پوچھا کہ

دروازے پر کون ہے؟ اس نے کہا امام مالک کے علاوہ کسی کو نہ دیکھا اور این ہر مر سے کہہ دیا تو انہوں نے کہا انہیں آنے دیں کہ وہ لوگوں میں سب سے بڑے عالم ہیں۔

۶۔ ابن خیاط کہتے ہیں:

يدع الجواب فلا يراجع هيبَةً والسائلون نواكس الاذقان

نور الوقار وعز سلطان التقى فهو المهيب وليس ذا سلطان (۶۰۲)
(جواب چھوڑ دیتے ہیں ان کی ہیبت کی وجہ سے ان سے مراجعت نہیں کی جاتی۔ سوال کرنے والے سرخم کر کے کھڑے ہوتے ہیں۔ وقار کی روشنی اور تقویٰ کے غلبے کی عزت ہے۔ وہ صاحب ہیبت ہیں اگرچہ حکمران نہیں ہیں)۔

۷۔ عبد الرحمن بن مہدی کا قول ہے: ”اس زمین پر حدیث رسول ﷺ کا حضرت امام مالک سے زیادہ کوئی ائمن نہیں اور نہ ہی کوئی صحت حدیث میں ان سے سبقت لے گا“ (۶۰۳)۔

۸۔ ابن مبارک نے فرمایا: اگر مجھ سے کہا جائے کہ امت کے لیے امام منتخب کرو تو میں امام مالک کو منتخب کروں گا (۶۰۴)۔

۹۔ حضرت امام بخاریؒ نے فرمایا ہے: ”میرے نزدیک امام مالکؒ، زہری سے نقل کرنے میں سب سے زیادہ ثقہ ہے“ (۶۰۵)۔

۱۰۔ علی بن مدینی حضرت امام مالکؒ کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہتے ہیں (۶۰۶)۔

وفات

آخری سالوں میں آپ بہت نحیف ہو گئے تھے۔ مگر بدنی نقاہت قلبی اور روحانی قوت کے ضعف کا سبب نہ بن سکی۔ ٹھلکتے ہوئے بدن کو بھی علم حدیث کی خدمت سے فرصت نہ دی۔ آپؒ نے ربیع الاول ۱۷۹ھ میں انتقال فرمایا (۶۰۷)۔

”يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكَ رَاضِيَةً مَُّرْضِيَةً فَإِنَّهُ خَلَّىٰ فِي عِبَادِي، وَادْخَلَنِي جَنَّتِي“ (۶۰۸) (اے نفس مطمئن! چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو

خوش اور پسندیدہ ہے شامل ہو جا میرے نیک بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔
 جنازہ میں خلق عظیم نے شرکت کی، امیر مدینہ، عبداللہ بن محمد حاشی نے نماز جنازہ
 پڑھائی۔ اور جنت البقیع میں آخری آرام گاہ آباد فرمائی۔ حضور ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیم کے پہلو میں
 دفن ہوئے (۶۰۹)۔

مؤطا امام مالک

مؤطا

لفظ مؤطا ”توطیہ“ کا مفعول ہے۔ صاحب قاموس نے اس کے معنی روندنے، تیار کرنے اور
 نرم و کھل بنانے کے بیان کیے ہیں۔ ”مؤطا“ کے لغوی معانی ”روندا ہوا، تیار کیا ہوا، نرم اور کھل بنایا ہوا“
 ہیں۔ یہ تمام معانی بطور استعارہ کے یہاں مراد لیے جاسکتے ہیں (۶۱۰)۔

شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۷ھ) فرماتے ہیں: مؤطا کے لغوی معنی روندے ہوئے یا چلے
 ہوئے کے ہیں اور مجازی معنی یہ ہیں کہ جس پر عام ائمہ اور علما اور اکابر چلے ہوں، اور جس کو ان سب کی
 آراء نے روندنا اور پامال کیا ہو۔ یعنی سب نے اس کے متعلق گفتگو کی ہو، اور اس سے اتفاق کیا ہو (۶۱۱)۔
 ”مؤطا“ اس راستہ کو کہتے ہیں جس پر لوگ بکثرت گزرتے ہیں۔ سنت کے معنی بھی راستہ کے
 ہیں جس پر آنحضرت ﷺ گزرے، اور تمام صحابہ گرام گزرے۔ غرض مؤطا کا لفظ اپنی حقیقت کا خود مفسر
 ہے کہ یہ ان مسائل پر مشتمل ہے جن پر صحابہ کمال رہا ہے، اور جمہور سلف جن پر چلے (۶۱۲)۔

تعارف مؤطا

یہ کتب خانہ اسلام کی وہ پہلی کتاب بتائی جاتی ہے، جو قرآن مجید کے بعد سب سے پہلے
 باقاعدہ طور پر فقہی ترتیب سے مؤتب و مرتب ہو کر منصفہ شہود پر آئی۔ علامہ ابو بکر ابن العربی فرماتے ہیں:
 ”الموطا هو الاصل الاول واللباب وكتاب البخاری هو الاصل الثاني في هذا
 الباب وعليهما بنى الجميع كمسلم والترمذی“ (مؤطا بنی قش اول اور بنیادی کتاب ہے،
 بخاری کی حیثیت تو اس باب میں قش ثانی کی ہے، اور انہی دونوں کتابوں پر مسلم و ترمذی بھی بعد کے

مؤلفین نے اپنی کتابوں کی بتا رکھی)۔ علامہ ذہبی مؤطا کا تعارف یوں کراتے ہیں: ”ان للموطا لوقفا فی النفوس ومهابة فی القلوب لا یوازیهما شیء“ (۶۱۳) (اس میں کوئی شک نہیں کہ دلوں میں مؤطا کی ایسی تاثیر اور قلوب میں ایسی ہیبت ہے، جس کا مقابلہ کوئی اور چیز نہیں کر سکتی)۔

مؤطا درحقیقت احادیث مدینہ کا مجموعہ ہے جس کو امام داراللمجرت مالک بن انسؒ نے جمع کیا ہے اسی لیے اب صدیق حسن خان نے ابو زرہ کا یہ قول نقل کیا ہے: ”وایں وثوق واعتماد برکتب دیگر نیست“ (۶۱۳) (اور ایسا وثوق اور اعتماد دوسری کتب پر نہیں کیا جاسکتا)۔ معلوم ہوا کہ یہ مجموعہ وثوق واعتماد میں تمام کتابوں میں فوقیت رکھتا ہے۔

امام مالکؒ کے عہد میں فقہ وحدیث کی تدوین کا آغاز ہو گیا تھا۔ خود مدینہ منورہ میں بعض علما کو یہ احساس ہوا کہ ان اسلامی مسائل واحکام کو، جن پر اہل مدینہ کا اتفاق ہے ایک کتاب میں جمع کر دیا جائے۔ چنانچہ امام مالکؒ کے معاصر اور قدیم ہم درس عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمۃ المداہون نے ایسی کتاب مرتب کی تھی مگر اس کتاب میں احادیث نہیں لکھی گئی تھیں بلکہ انہوں نے اپنی طرف سے مدنی فقہاء کے متفقہ مسائل واحکام کو قلم بند کر دیا تھا۔ جب امام مالکؒ کو یہ کتاب دکھائی گئی تو آپؒ نے اسے پسند فرمایا۔ اور دل میں عزم کر لیا: ”اگر میں ایسی کتاب لکھتا تو پہلے احادیث تحریر کرتا۔ اس کے بعد اپنی رائے بیان کرتا“ (۶۱۵)۔ اس قول سے پتہ چلتا ہے کہ امام مالک کے ذہن میں ایسی کتاب تالیف کرنے کا خاکہ پہلے سے موجود تھا۔ جس میں احادیث کے ساتھ ساتھ فقہی مسائل اور علمائے مدینہ کے احکام و فتویٰ کو بھی شامل کیا جائے۔ لہذا آپؒ نے اس کے مطابق مؤطا لکھنا شروع کی۔ ایک قول کے مطابق خلیفہ منصور نے کہا: اے ابو عبداللہ (امام مالکؒ) اس علم کو موطا اور ایک کتاب مدون کرو (۶۱۶)۔ اس کتاب میں فقہی ابواب کے مطابق پہلے مستند احادیث تحریر کی گئی ہیں۔ اس کے بعد اگر کسی رائے کی ضرورت ہوتی تو امام مالک اپنی رائے بیان فرما دیتے اور اس مسئلہ کے بارے میں فقہائے مدینہ کا عمل بھی بیان فرماتے ہیں۔

گمان غالب ہے کہ مؤطا آپؒ کی وفات سے تقریباً چالیس سال پہلے ۱۳۹ھ یا ۱۴۰ھ میں تحریر کی گئی تھی۔ اس وقت خلیفہ منصور عباسی کا زمانہ تھا۔ جب ۱۴۳ھ میں منصور نے آخری حج کیا تو اس

وقت آپ کی کتاب مؤطا مشہور اور متداول ہو چکی تھی۔ منصور نے اسے تمام اسلامی ممالک میں ایک مکمل اور واحد اسلامی ضابطہ قانون کی حیثیت سے رائج کرنا چاہا مگر امام مالک نے اس کی مخالفت کی اور اسلامی فقہ کے دائرے کو تنگ کرنا پسند نہیں کیا (۶۱۷)۔

آپؐ کے نزدیک حدیث بیان کرنے والوں کا معیار بہت بلند تھا۔ حدیث کے راویوں کے بارے میں آپؐ کا قول یہ ہے۔ ”ایسے چار قسم کے اشخاص سے علم حاصل نہ کیا جائے:

- ۱۔ جو بے وقوف اور کم عقل ہو۔
- ۲۔ جو بدعتی اور نفسانی خواہش کے پیچھے چلتا ہو۔
- ۳۔ جو روزمرہ کی نجی گفتگو میں جھوٹ بولتا ہو۔ خواہ اُس پر جمہوی احادیث بیان کرنے کا الزام بھی نہ ہو۔
- ۴۔ ایسا عابد و زاہد ہو جو اپنی عبادت میں مستغرق ہونے کی وجہ سے حدیث کو سننے اور روایت کرنے کے طریقے نہ جانتا ہو“ (۶۱۸)۔ انہی اصولوں کی بنا پر آپؐ محمد بن اسحاق صاحب المغازی کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔

مؤطا کا کتب حدیث میں مقام

مہجور علماء نے طبقات کتب حدیث کے اندر طبقہ اولیٰ میں مؤطا مالک کا شمار کیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز رحمہما اللہ نے کتب حدیث کے پانچ طبقات قائم کیے ہیں جن میں مؤطا کو طبقہ اولیٰ میں رکھا ہے، بلکہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مؤطا کو تمام کتابوں میں مقدم و افضل سمجھتے ہیں، اپنی مشہور کتاب مصطفیٰ شرح مؤطا کے مقدمہ میں اس کی ترجیح کے دلائل و وجوہ کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے اور حجۃ اللہ البالغہ میں بھی فرماتے ہیں: واتفق اہل الحدیث علی ان جمیع ما فیہ صحیح علی رأی مالک ومن وافقہ واما علی رأی غیرہ لیس فیہ مرسل ولا منقطع الا وقد اتصل السند بہ من طرق اخری فلا جرم انها صحیحہ من هذا الوجه (۶۱۹) (محدثین کا اتفاق ہے کہ اس کتاب کی تمام روایات امام مالکؒ اور ان کے موافقین کی رائے میں صحیح ہیں، اور دوسروں کی رائے بھی اس سلسلے میں یہی ہے کہ مؤطا کی مرسل و منقطع روایات کی سند

دوسرے طرق سے متصل ہے، پس اس میں کوئی شبہ نہ ہو کہ اس اعتبار سے وہ سب صحیح ہیں۔

صاحب منہاج السعاده نے بیان کیا ہے کہ اس کا درجہ ترمذی کے بعد ہے مگر صحیح یہ ہے کہ مسلم کے بعد تیسرے درجہ پر اس کو رکھنا چاہیے (۶۲۰)۔ مؤطا کی صحت و مرتبہ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام شافعی (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں: ما على ظهر الارض كتاب بعد كتاب الله اصح من كتاب مالك (۶۲۱) (روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد مؤطا مالک سے زیادہ صحیح کتاب کوئی نہیں ہے) اگرچہ کچھ علماء کہتے ہیں: "انما قال ذلك قبل وجود كتاب البخاري ومسلم" (۶۲۲) (امام موصوف کا یہ قول بخاری و مسلم کی کتابوں کے عالم وجود میں آنے سے پہلے کا ہے)۔

مؤطا کی روایات

امام مالک کی مؤطا حدیث و فقہ کی مشترک کتاب ہے کیونکہ اس کی تدوین میں آپ نے ایک نرالا طریقہ اختیار کیا ہے۔ آپ نے اس کتاب کو فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے۔ اس سلسلے میں آپ مختلف مسائل کو حجت کرنے کے لیے مرسل اور موقوف احادیث بھی بکثرت بیان کرتے ہیں۔ نیز فقہی مسائل کی تفصیل کے لیے صحابہ کرام کے فتاویٰ کا بھی بکثرت حوالہ دیتے ہیں اور بعض احادیث کو سند کے بغیر بھی روایت کرتے ہیں۔ جنہیں بلاغات کہا جاتا ہے۔

مرسل اور موقوف احادیث کو بکثرت بیان کرنے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ان کے زمانے میں علم حدیث کے اصول مڑن نہیں ہوئے تھے نیز امام مالک اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان راویوں کی کڑی وسیع نہ تھی اس لیے وہ مسلم اور جلیل القدر راویوں کی مرسل احادیث کو بھی قبول کر لیتے تھے۔ اکثر علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مؤطا کی تمام احادیث صحیح ہیں (۶۲۳)۔ کیونکہ جو احادیث سند کے بغیر ہیں یا مرسل ہیں اور متصل نہیں ہیں ان کی بھی صحیح اسناد اور مکمل سلسلہ روایت کو دوسرے راویوں کے ذریعے معلوم کر لیا گیا ہے۔

تعداد روایات

پہلے مؤطا میں دس ہزار احادیث تھیں۔ مگر امام صاحب نے اکثر احادیث کو قلم زد کر دیا اب ۱۷۲۰ باقی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

۶۰۰	مند مرفوع
۲۲۲	مرسل
۶۱۳	موقوف
۲۸۵	تابعین کے اقوال و فتویٰ
۱۷۲۰ (۶۲۳)	میزان:

خصوصیات: مؤطا مالک کی چند نمایاں خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ مؤطا حدیث کے ساتھ فقہ کی کتاب بھی ہے۔ یہ فقہی ابواب میں منقسم ہے۔ اس میں صرف فقہی احادیث ہیں۔ یعنی جن کی فرض احکام سے ہے۔ اس میں تفسیر، مناقب اور زہد وغیرہ کے ابواب نہیں ہیں۔

۲۔ مؤطا میں کوئی موقوف صحابی یا اثر تابعی نہیں ہے۔ جس کا ماخذ کتاب و سنت نہ ہو۔

۳۔ شہرت کا جہاں تک تعلق ہے۔ ایک جم غفیر نے حضرت امام مالکؒ سے روایت کیا ہے جن میں خلیفہ ہارون الرشید، امین، مہدی، مؤتمن اور مجتہدین میں سے حضرت امام محمد بن حسینؒ بلا واسطہ در امام احمد بن حنبلؒ اور ابو یوسفؒ بالواسطہ اور محمد بن کاتو حصریؒ نہیں اور صوفیا میں سے ذوالنون مصریؒ وغیرہ اور اہل مصر، شام، عراق، یمن اور اہل خراسان کی ایک کثیر تعداد شامل ہے (۶۲۵)۔

مؤطا کی مقبولیت

مؤطا کو تصنیف کے وقت سے اب تک قبولیت و دام حاصل ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں: ان للمؤطا لوقفا فی النفوس ومہابة فی القلوب لا یوازہا شیء (۶۲۶) (بلاشبہ مؤطا کی دلوں میں جو وقعت اور قلوب میں جو ہیبت ہے اس کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کر سکتا)۔

حافظ ابن حبان "کتاب الثقات" میں لکھتے ہیں: کان مالک اول من انتقی الرجال من الفقہاء بالمدينة واعرض سنن لیس بثقة فی الحديث ولم یکن یروی إلا ما صح ولا یحدث إلا عن ثقة (۶۲۷) (امام مالک فقہاء مدینہ میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے روایت کے بارے میں تحقیق سے کام لیا اور جو شخص حدیث میں ثقہ نہ تھا اس سے اعراض کیا۔ وہ صحیح روایات کے

علاوہ نہ تو کچھ روایت کرتے نہ کسی غیر ثقہ سے کچھ بیان کرتے)۔

ابوزر عذری مؤطا کی صحت کے بارے میں رقم طراز ہیں: لو حلف رجل بالطلاق على احاديث مالك في الموطا انها صحاح لم يحنث (۱۲۸) (اگر کوئی شخص اس بات پر اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حلف اٹھائے کہ موطا میں امام مالک کی جو حدیثیں ہیں وہ صحیح ہیں تو وہ حانث نہیں ہو گا)۔ کیونکہ مؤطا کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ محدث مبارک بن محمد المعروف ابن الاثیر (ت ۶۰۶ھ) نے اپنی مشہور کتاب ”جامع الاصول“ میں موطا کو صحاح ستہ میں شمار کیا ہے اور یہ رائے محدث رزین کی ہے، اسی لیے اس کتاب میں ابن ماجہ کے حوالہ سے کوئی روایت درج نہیں ہے۔

حافظ ابو حفص بن زبیر غزالیؒ لکھتے ہیں: اولی ما ارشد اليه ما اتفق المسلمون على اعتمادهم وذلك الكتب الخمسة والموطا الذي تقدمها وضعا ولم يتأخر عنها رتبة (۱۲۹) (جو کچھ بتایا گیا ہے ان سب میں اولیٰ وہ کتابیں ہیں جن کے اعتماد پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اور یہ کتب خمسہ ہیں اور مؤطا وہ ہے جو تصنیف میں ان سے مقدم ہے اور رتبہ میں کم نہیں ہے)۔

حضرت شاہ ولی اللہ مؤطا کی ”شرح المصلى“ کے دیباچے میں لکھتے ہیں: ”مؤطا کو تمام کتب احادیث پر فضیلت حاصل ہے۔ فضیلت معنی اعتبار سے، التزام صحت سے، شہرت و قبولیت احادیث کی وجہ سے ہے۔ حسن ترتیب کے مد نظر یہ کتاب بے نظیر ہے۔ آئمہ مذاہب و تبع تابعین میں سے کسی کی کوئی تصنیف مؤطا کے علاوہ آج موجود نہیں۔ مؤطا کے مقابلے میں کوئی دوسری کتاب نہیں کہ محدثین اس کی قدر و منزلت پر ویسے ہی متفق ہوں“ (۱۳۰)۔

مؤطا صحاح ستہ میں کیوں شامل نہیں

عام طور پر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مؤطا جب صحت کے انتہائی درجہ پر ہے تو پھر یہ صحاح ستہ میں کیوں شامل نہیں؟ اس کی کئی وجوہات ہیں وہ درج ذیل ہیں:

- ۱۔ مؤطا میں مرسل احادیث کی کثرت ہے۔
- ۲۔ فقہی اقوال اس کثرت سے ہیں کہ یہ حدیث سے زیادہ فقہ کی کتاب معلوم ہوتی ہے (۱۳۱)
- ۳۔ مؤطا کو صحاح ستہ میں شاید اس لیے شامل نہیں کیا گیا کہ اس کی تمام مرفوع احادیث صحیح

بخاری میں آچکی ہیں۔ بعض لوگوں نے مؤطا کو صحاح ستہ میں شامل کیا ہے۔ جیسے ابو الحسن رزینؒ نے ”التجرید الصحاح والسنن“ میں اور ابن اثیر نے ”جامع الاصول“ میں مؤطا کو صحاح ستہ میں شامل کیا ہے۔

نسخوں میں اختلاف

مصر، شامی افریقہ اور اندلس سے بے شمار طلبہ آپ سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے آئے اور پھر انہوں نے واپس جا کر مالکی فقہ کو رائج کیا۔ یہ طلبہ اپنے ساتھ مؤطا کے جو نسخے لے گئے تھے۔ اُن میں حدیثوں کی تعداد میں بہت اختلاف ہے۔ کیونکہ کچھ تلافیہ کے پاس ابتدائی زمانے کے نسخے تھے اس وقت مؤطا کی احادیث کی تعداد زیادہ تھی۔ مگر بعد میں امام مالکؒ بعض احادیث کو حذف کرتے رہے۔ جن کی محنت کے بارے میں اُن کو پورا یقین اور اعتماد نہ تھا۔ وہ ہر سال کچھ نہ کچھ احادیث کم کرتے رہتے تھے لہذا جو طلبہ پہلے آئے تھے اُن کے پاس احادیث کا مجموعہ زیادہ تھا اور جو بعد میں آئے انہیں کم تر احادیث کا مجموعہ ملا (۶۳۳)۔ اور بعض نے یہ بھی لکھا ہے اگر زندہ رہتے تو مزید احادیث نکالتے رہتے۔ تعداد کے اختلاف اور احادیث کی کمی بیشی کی وجہ سے مؤطا کے سولہ (۱۶) جدا گانہ نسخے ہیں۔ ان میں ابواب کی ترتیب میں بھی فرق ہے تاہم اکثر احادیث یکساں ہیں۔ مؤطا امام مالکؒ کا جو نسخہ آج کل رائج ہے اور مطبوعہ حالت میں دستیاب ہے وہ امام مالکؒ کے ممتاز شاگرد حُجَّی بن یحییٰ العمودی اللبلیّی کا ترتیب دیا ہوا ہے۔ وہ شامی افریقہ کی بربر نسل سے تھے اور وہیں کے رہنے والے تھے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اندلس گئے اور وہاں مؤطا کا درس دیا۔ شیخ حُجَّی بن یحییٰ کی پیدائش ۵۲ھ میں اور وفات قرطبہ میں ۲۳۳ھ میں ہوئی (۶۳۳)۔ وہ اندلس کے قاضی القضاۃ تھے۔ اندلس کے حکام ان کے زیر اثر تھے اور اندلس کے تمام قاضی انہی کے مشوروں کے مطابق مقرر ہوتے تھے۔

مؤطا امام مالکؒ کا دوسرا نسخہ ان کے مصری شاگرد عبد اللہ بن وہب کا ترتیب دیا ہوا ہے۔ یہ امام مالکؒ کے قدیم شاگرد تھے اور بیس سال تک آپ کی محبت میں رہے۔ انہوں نے مصر میں مالکی فقہ کو رائج کیا اور فقہ مالکی کی تدوین میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی وفات ۱۹۷ھ میں ہوئی (۶۳۳)۔ امام مالکؒ کے تیسرے شاگرد ابو مصعب کا نسخہ اس لحاظ سے مشہور ہے کہ اس میں بقول ابن حزم، ایک سو احادیث

راشد ہیں (۶۳۵)۔

موطا کی شروح و تعلیقات

موطا کی شہرت کی بنا پر محدثین نے اس کی متعدد شروحات اور تعلیقات لکھی ہیں۔ جن میں چند

مشہور یہ ہیں:

- ۱۔ تنویر الحواکک، علامہ جلال الدین سیوطی۔
- ۲۔ کشف الغطاء فی شرح المختصر الموطا، ابن فرحون۔ دو شرحیں حضرت شاہ ولی اللہ نے لکھی ہیں۔
- ۳۔ المصطفیٰ (فارسی زبان میں)۔
- ۴۔ المسویٰ (عربی زبان میں)۔
- ۵۔ التمهید ابن عبد البر۔
- ۶۔ الاستیعاد ابن عبد البر۔
- ۷۔ التمس للمسیوطی۔

اس کے علاوہ بھی موطا کی کئی شروحات و تعلیقات لکھی گئی ہیں۔ مولانا سید سلیمان

ندوی (م ۱۳۷۳ھ) نے موطا پر ہونے والے اہم کام کی ایک فہرست دی ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

شروح موطا	۲۹	تجرید و استاد موطا	۱۷
اختلاف موطات	۲	رجال الموطا	۳
غریب الموطا	۴	روایت الموطا عن مالک	۳
متفرق مباحث	۷		

میزان ۶۶ (۶۳۶)

صحیحین اور ان کی شرائط

(ایک مختصر مطالعہ)

محدثین عظام نے گلشن حدیث نبوی کی اپنے خون جگر سے آبیاری کی ہے یہ انہی نفوس قدسیہ کی محنت شاذہ کا ثمر ہے کہ آج بھی یہ گلشن ہمہ قسم کے تخریبی حربوں اور عرقین کی مشق ستم کے باوجود محفوظ ہے۔ محدثین کرام نے فنی حدیث پر اس طرح سے کام کیا ہے کہ بحث و تحقیق کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا۔ روایت و روایت اور جرح و تعدیل کے اصول وضع کیے۔ علوم حدیث کو اقسام میں تقسیم کیا، کتب حدیث کی درجہ بندی کی، ان کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا پھر ان کتب کے لیے الگ الگ اصطلاحات وضع کیں، چنانچہ صحیحین یا شیخین، سنن اربعہ، اصول خمسہ اور صحاح ستہ کی اصطلاحات سے حدیث نبوی کا ادنیٰ طالب علم بھی نا آشنا نہیں ہے۔

زیر نظر مقالہ میں صحیحین کی شرائط رد و قبول کو زیر بحث لایا گیا۔ صحیحین سے مراد الامام محمد بن اسماعیل بخاری کی الجامع الصحیح اور الامام مسلم کی الجامع الصحیح ہیں۔ اور شیخین سے مراد امام محمد بن اسماعیل بخاری اور امام مسلم بن الحجاج القشیری ہیں۔ ان دونوں کتب کی محنت پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے (۶۳۷) اور ان دونوں کتابوں کے ناموں سے ہی ان کی محنت ظاہر ہے۔

۱۔ الجامع الصحیح للبخاری ۲۔ الجامع الصحیح لمسلم (۶۳۸)۔

ان دونوں کتب کو صحیح اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان میں مذکورہ تمام احادیث محدثین کی اصطلاح کے مطابق بالکل صحیح ہیں (۶۳۹) اور ناقدین کے معیار پر پوری اترتی ہیں۔ ان دونوں کتب پر تبصرہ کرنے سے قبل ہم ان کے جامعین کے متعلق اہل فن کی آرا کا ذکر مناسب سمجھتے ہیں تمام محدثین امام بخاری اور امام مسلم کی عظمت اور علم حدیث میں ان کی معرفت تامہ کے قائل ہیں۔ شیوخ، معاصرین اور بعد میں آنے والے آئمہ حدیث ان کی ذہانت، حافظہ، دیانت، ہتکوی اور اخذ حدیث میں ان کی قطعی احتیاط کے بارے میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ ان نابغہ روزگار اہل فن کی آراء کی موجودگی میں حدیث اور فنی حدیث سے نااہل لوگوں کی رائے زنی لایعنی اور آسمان پر تھوکنے کے مترادف ہوگی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری

امام بخاریؒ پچھن میں ہی بڑے ذہین فطین اور صاحب حافظہ تھے۔ اس حقیقت کا اظہار ہمیں کئی محدثین کے ہاں نظر آتا ہے۔ ابتدائی عمر میں آپ کے حافظہ کے متعلق یہ مشہور واقعہ ہے۔

محمد بن سلام بکھدی (م ۲۲۵ھ) نے ابو عمر سلیم بن مجاہد سے کہا کہ اگر آپ کچھ دیر پہلے آ جاتے تو آپ ایک ایسے بچے کو دیکھتے جس کو ستر ہزار احادیث یاد ہیں۔ یہ سن کر سلیم بن مجاہد امام بخاری کی تلاش میں لٹکے جب آپ اسے مل گئے تو ابن مجاہد نے آپ سے ستر ہزار احادیث یاد کرنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ستر ہزار بلکہ اس سے زیادہ اور ساتھ ہی مجھے ہر حدیث کے رواۃ صحابہ و تابعین میں سے اکثر کے مولد، مسکن اور تاریخ وفات کا بھی علم ہے۔ اور ہر حدیث میں مذکورہ مسئلہ کا اصل کتاب اللہ اور سنت رسول سے بھی میرے پاس موجود ہے (۶۳۰)۔

۲۔ امام بخاری کے استاد امام علی بن الدین (م ۲۳۲ھ) فرماتے ہیں ”امام بخاری نے اپنے جیسا انسان خود بھی نہیں دیکھا ہوگا“ (۶۳۱)۔

۳۔ امام بخاری کے استاد اسحاق بن راہویہ (م ۲۳۸ھ) اپنے نابغہ روزگار شاگرد کے متعلق فرماتے ہیں ”اس نوجوان (ابن بخاری) کے پاس حدیث لکھی ہوئی دیکھی اگر حسن بصری ان کے زمانے میں ہوتے تو وہ بھی ان کی معرفت حدیث اور فقہ حدیث میں ان کے محتاج ہوتے“ (۶۳۲)۔

۴۔ عظیم محدث اور فقہ کے امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) فرماتے ہیں: خراسان میں محمد بن اسماعیل بخاری جیسا انسان پیدا نہیں ہوا“ (۶۳۳)۔

۵۔ حلی بن جعفر (م ۲۳۳ھ) امام بخاری کے ہمارے میں فرماتے ہیں اگر میں اپنی عمر میں سے کچھ حصہ امام بخاری کو دے سکتا تو ضرور دے دیتا کیونکہ میری موت صرف ایک آدمی کی موت ہے جبکہ ان کی موت ظلم کا کوچ کر جانا ہے (۶۳۴)۔

۶۔ مشہور محدث ابو حفص عمرو بن علی الفلاس (م ۲۳۹ھ) فرماتے ہیں ”جس حدیث کو امام بخاریؒ نہ جانتے ہوں وہ حدیث ہی نہیں ہے“ (۶۳۵)۔

- ۷۔ رجاء بن مرجان بن رجاء الحافظ (م ۲۳۹ھ) نے کہا ”محمد بن اسماعیلؒ کی علماء پر ایسے فضیلت ہے جیسے مردوں کی عورتوں پر ہوتی ہے“ (۶۳۶)۔
- ۸۔ یعقوب بن ابراہیم الدورقی (م ۲۵۲ھ) نے کہا ”محمد بن اسماعیل فقیہ ہذہ الامہ“ (محمد بن اسماعیل بخاری اس امت کے فقیہ ہیں) (۶۳۷)۔
- ۹۔ امام مسلم (م ۲۶۱ھ) نے امام بخاری کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ”اے عل کے متعلق حدیث کے طیب، سید المحدثین، استاذ الاساتذہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ کی قدم بوسی کر سکوں“ (۶۳۸)۔
- ۱۰۔ ابو بکر محمد بن اسحاق ابن خزیمہ (م ۳۱۱ھ) امام بخاری کے متعلق فرماتے ہیں ”آسمان کے نیچے ان سے بڑھ کر کوئی انسان علم حدیث کا عالم نہیں ہے“ (۶۳۹)۔

امام مسلم بن الحجاج القشیری

الامام ابوالحسن مسلم بن الحجاج القشیری: امام بخاری کے عظیم شاگرد اور اپنے وقت کے سب سے بڑے حافظ الحدیث اور فقیہ تھے۔ آپ نے الجامع الصحیح تالیف فرما کر اس امت پر احسان عظیم فرمایا اور صحیح مسلم ان کی حب رسول ﷺ اور علوم حدیث سے گہرے شغف کا زندہ جاوید کارنامہ ہے آپ کی بڑے بڑے محدثین منقبت بیان فرماتے ہیں:

- ۱۔ امام بخاری کے استاد اور امام مسلم کے دادا استاد معروف محدث امام اسحاق بن راہویہ (م ۲۳۸ھ) نے امام مسلم کے متعلق فرمایا ”وہ بڑے آدمی ہو گئے“ (۶۵۰)۔
- ۲۔ اسحاق بن منصور کوج (م ۲۵۱ھ) نے امام مسلم سے کہا ”جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسلمانوں کے لیے حیات رکھا ہے ہم کسی بہتری سے محروم نہ ہو گئے“ (۶۵۱)۔
- ۳۔ امام مسلم کے استاد ابوالحسن محمد بن عبد الوہاب الفراء (م ۲۷۷ھ) نے کہا ”مسلم لوگوں میں سے عالم ہیں، علم کو یاد رکھنے والے ہیں میں ان کے متعلق بھلائی ہی جانتا ہوں“ (۶۵۲)۔
- ۴۔ احمد بن سلمہ (م ۲۸۶ھ) فرماتے ہیں ”ابو زرعہ اور ابو حاتم امام مسلم کو اپنے زمانے کے مشائخ پر مقدم سمجھتے تھے۔ اور امام مسلم کی حدیث کے متعلق خدمات کو سراہتے

تھے“ (۶۵۳)۔

- ۵۔ ابو قریش الحافظ، محمد بن محمد (م ۳۱۷ھ) فرماتے ہیں ”دنیا میں سب سے بڑے چار حفاظ حدیث ہیں: ابو زرہ، محمد بن اسماعیل بخاری، الدارمی اور امام مسلم“ (۶۵۳)۔
- ۶۔ ابن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ) فرماتے ہیں امام مسلم ثقہ حفاظ میں سے ہیں۔ ان کے ہاں علم حدیث کی معرفت ہے۔ میرے والد سے ان کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ”بہت سچے انسان ہیں“ (۶۵۵)۔
- ۷۔ مسلمہ بن قاسم (م ۳۵۳ھ) نے کہا ”امام مسلم ثقہ اور حلیل القدر آدمہ میں سے ہیں“ (۶۵۶)۔
- ۸۔ شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) بستان المحمدین میں رقمطراز ہیں ”امام مسلم نے نہ کسی کی غیبت کی نہ کبھی کسی کو مارا اور نہ ہی کبھی کسی کو گالی دی (۶۵۷)۔

صحیحین کے بارے میں علماء و محدثین کی رائے

صحیحین کی محنت اور درجے کے بارے میں علماء و محدثین نے بہت تعریف کی ہے اور ان دونوں کتابوں کی محنت پر اتفاق کا اظہار کیا ہے:

- ۱۔ ابواسحاق الاسفرائینی (م ۴۱۸ھ) فرماتے ہیں کہ ”اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحیحین میں موجود روایات کی محنت قطعی ہے امت ان روایات کو قبول کرتی ہے (۶۵۸)۔
- ۲۔ امام الحرمین الجوبینی (م ۴۷۸ھ) صحیحین کے بارے میں فرماتے ہیں ان کی محنت پر مسلمانوں کا اجماع ہے (۶۵۹)۔
- ۳۔ ابن الصلاح (م ۶۴۳ھ) فرماتے ہیں ”کتابا ہما اصح الکتاب بعد کتاب اللہ العزیز“ (ان دونوں کی کتابیں اللہ کی کتاب کے بعد صحیح ترین کتب ہیں) (۶۶۰)۔
- ۴۔ معروف محدث امام نووی (م ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں: صحیح بخاری اور صحیح مسلم قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتابیں ہیں۔ بخاری ان دونوں میں سے زیادہ صحیح اور فوائد میں زیادہ ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ مسلم زیادہ صحیح ہے حالانکہ درست بات پہلی ہے (فالبخاری فائق) (۶۶۱)۔

- ۵۔ امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں ”ائمہ اسلام کا خیال ہے کہ قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے بڑھ کر کوئی کتاب صحیح نہیں (۶۲۲)۔
 - ۶۔ امام حسن طیبی (م ۷۴۳ھ) شارح مشکاۃ اپنی کتاب ”الخلاصہ فی اصول الحدیث“ میں لکھتے ہیں ”صحیح حدیث کے درجات اس کی قوت شروط کے مطابق ہیں پہلے صحیح بخاری پھر صحیح مسلم ہیں ان دونوں کی کتابیں اللہ کی کتاب کے بعد صحیح ترین کتابیں ہیں“ (۶۲۳)۔
 - ۷۔ امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے فرمایا کہ جس راوی کی صحیحین میں روایت آگئی وہ ہل پار کر گیا اس لیے دلیل کے بغیر اعراف نہیں کیا جاسکتا (۶۲۴)۔
 - ۸۔ ابوالحسن المقدسی کا قول ہے ”فقد جاوز القنطرة“ وہ ہل سے گزر گیا مطلب یہ ہے کہ اس کے متعلق جو تنقید کی جائے گی اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا (۶۲۵)۔
 - ۹۔ حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ ”صحیحین کی احادیث کی صحت قطعی ہونے کا ابن الصلاح کا جو خیال ہے میں بھی ان کے ساتھ متفق ہوں (۶۲۶)۔
 - ۱۰۔ حافظ بدر الدین عینی (م ۸۵۵ھ) عظیم شارح حدیث فرماتے ہیں ”مشرق و مغرب کے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ کی کتاب کے بعد صحیح بخاری و مسلم سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں“ (۶۲۷)۔
 - ۱۱۔ شیخ الاسلام محمد زکریا انصاری (م ۹۲۶ھ) فرماتے ہیں ”فکتباہما اصح کتب الحدیث“ (۶۲۸) (ان دونوں کی کتابیں حدیث کی صحیح ترین کتابیں ہیں)۔
 - ۱۲۔ شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ ”محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ دونوں کتابوں میں جو مرفوع احادیث ہیں وہ قطعی صحیح ہیں۔ دونوں کتب اپنے مؤلفین سے متواتر میں جوان دونوں کی توہین کرے وہ بدعتی ہے اور اس کا راستہ مسلمانوں سے جدا ہے (۶۲۹)۔
- اس کی تصریح امام بخاری نے خود کی ہے اور اس پر دوسرے تمام آئمہ حدیث نے اُن سے اتفاق کیا ہے۔ البتہ یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ صحیح بخاری کی حدیث سے مراد وہ مسند حدیث ہے جس کی روایت امام بخاری نے اپنی شرطوں کے مطابق متن میں کی ہے، نہ کہ اس میں پائی جانے والی ہر حدیث

چاہے اس کا ذکر بطور مطلق کیا گیا ہو۔ ان مطلق احادیث کا تذکرہ امام بخاری بعض ابواب کے تراجم (عنوانات) کے تحت کرتے ہیں۔ ان میں صحیح احادیث بھی ہیں اور غیر صحیح بھی۔

صحیح بخاری

صحیح بخاری کی تالیف کے اسباب میں سے ایک سبب یہ تھا کہ امام بخاری کے استاد امام اسحاق بن راہویہ نے ایک دن فرمایا کہ کوئی صحیح احادیث کی کتاب ہونی چاہئے۔ یہ بات شامؒ شید کے دل میں بیٹھ گئی اور انہوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ یہ کام ضرور کریں گے (۶۷۰)۔

دوسرا سبب یہ ہوا کہ امام بخاری نے ایک خواب دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں چمکا تھا اور وہ آنحضرت ﷺ سے کھیاں اڑا رہے تھے جب مہرین سے تعبیر پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ آپ آنحضرت ﷺ سے جموٹ کو دور کریں گے (۶۷۱) ان دو واقعات نے ان کو الجامع الصحیح کے لکھنے میں مہمیز کا کام کیا۔ امام بخاری نے اس کتاب کو سولہ سال کے عرصہ میں مکمل کیا چھ لاکھ احادیث میں سے اس کو منتخب کیا اور اپنے اور اللہ کے درمیان اسے حجت ٹھہرایا (۶۷۲)۔

امام بخاریؒ کا تخریج حدیث کا انداز

امام بخاری نے احادیث کو بیت اللہ میں بیٹھ کر لکھا جب کہ تراجم (ابواب) کو مسجد نبوی میں بیٹھ کر ترتیب دیا (۶۷۳) ان دونوں مقدس مقامات کا بھی اپنی جگہ پراثر ہوتا ہے جو کہ ہوا۔ اسی طرح ان سے متعلق یہ روایت بھی ہے کہ آپ احادیث لکھنے سے پہلے غسل کرتے دو رکعت نفل پڑھ کر استسحارہ کرتے اور احادیث کی صحت کا یقین کر لینے کے بعد لکھتے (۶۷۴)۔

امام بخاری نے الجامع الصحیح کی تالیف مکمل کر لینے کے بعد اپنے اساتذہ امام احمد بن حنبلؒ، یحییٰ بن محییٰ اور علی بن المدینی کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس کی بہت تعریف کی اور اس کی صحت کی شہادت دی (۶۷۵) امام رحمۃ اللہ کی کتاب التاریخ الکبیر جب لکھی گئی تو آپ کے استاذ اسحاق بن راہویہ نے حاکم وقت عبداللہ بن طاہر کے سامنے پیش کر کے فرمایا: کیا میں آپ کو ایک جادو نگار کا جادو نہ دکھاؤں (۶۷۶)۔ صحیح بخاری سے قبل احادیث کے کئی مجموعے اور کتب موجود تھیں لیکن ان میں ہر قسم کی احادیث (صحیح، ضعیف اور مرسل) ملی جلی تھیں۔ اسی طرح مؤطا امام مالک بہت ہی قابل قدر، گراں بہا

اور قابل اعتماد ذخیرہ احادیث موجود تھا۔ لیکن اس میں صحیح احادیث کے ساتھ ساتھ آثار بہت زیادہ تھے۔ اس لحاظ سے صحیح بخاری صحیح احادیث کی پہلی کتاب ہے چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں ”صحیح احادیث کی پہلی کتاب صرف صحیح بخاری ہی ہے“ (۶۷۷)۔

علامہ قسطلانی اس کتاب کے متعلق فرماتے ہیں ”امام بخاری نے الجامع الصحیح کو تصنیف فرما کر اپنے علوم و معارف کا جہنم بلند کر دیا۔ سبحان اللہ ان کی تصنیف کی خوبی کے کیا کہنے جس کے سامنے بڑی بڑی تصنیفات کی پیشانیاں سجدہ ریز ہیں۔ دراصل فلک مساند و جوامع پر صحیح بخاری قطب تارہ کی مانند ہے۔ اور انوار حدیث کے لیے مطلع نور کی حیثیت سے نمایاں ہے“ (۶۷۸)۔

ابن خلدون امام بخاری کی الجامع الصحیح کے بارے میں فرماتے ہیں: محمد بن اسماعیل بخاری اپنے زمانے کے امام المحدثین نے اپنی صحیح میں مجازی، عراقی اور شامی وغیرہ تمام طرق کو اکٹھا کیا۔ ان طرق پر اعتماد کیا جن پر اجماع ہے اور وہ طرق نہیں لائے جن پر اختلاف ہے (۶۷۹)۔

مندرجہ بالا باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے بچپن میں والد کی تربیت میں پرورش پائی والدہ ماجدہ بھی صاحب علم تھیں ان کے زیر تربیت رہے۔ ان دونوں کی محنت کا اثر تھا کہ زندگی بھر نہ کسی کی غیبت کی نہ کبھی حرام کا لقمہ کھایا پھر انہیں اساتذہ ایسے میسر آئے جو اس وقت کے ماہر علماء حدیث تھے۔ جنہوں نے خود ان کو صحیح احادیث کے جمع کرنے کی ترغیب دی۔ آپ نے کمال مبر سے تمام علاقوں کے معروف محدثین سے علم حاصل کیا پھر اپنے حفظ و عمل اور عمق علم کے باوجود احادیث جمع کرنے میں زندگی کا ایک عرصہ لگا دیا۔ اور ان کی کائنات چھانٹ کرتے رہے پھر دنیا کے مقدس ترین مقامات پر بیٹھ کر اس کتاب کی تدوین کی۔ وہ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جوابدہ سمجھتے تھے اس لیے انہوں نے سب سے پہلے حدیث ”انما الاعمال بالنیات“ کو درج کیا جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ امام صاحب نے پورے اخلاص اور لوجہ اللہ اس کام کو کرنے کی نیت کی ہوئی تھی اور آخر میں حدیث ”کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمن سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم“ کو درج کیا ان کے ذہن میں تھا کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس کے لیے ترازو قائم ہوگا۔

امام مسلم کا ترجیح حدیث کا انداز

امام مسلم نے اپنی الجامع الصحیح میں اپنے استاذ امام بخاری کے طریقے کو اپنایا ان کی صحبت سے فیض یاب بھی ہوئے۔ نیشاپور میں ان کے ساتھ کافی وقت گزارا۔ بلکہ امام دارقطنی علی بن عمر (۳۸۵ھ) نے یہاں تک فرمایا "لو لا البخاری لما ذهب مسلم ولا جاء" (۶۸۰) اگر بخاری نہ ہوتے تو امام مسلم بھی اس مقام پر نہ پہنچ سکتے۔

ابن الصلاح فرماتے ہیں "امام بخاری کی الجامع الصحیح کے بعد امام مسلم کی الجامع الصحیح کا مقام ہے (۶۸۱)۔ امام مسلم نے اس کتاب کو تین لاکھ احادیث میں سے جو ان کی سنی ہوئی تھیں بڑی عرق ریزی اور محنت شاقہ سے شرائط کے مطابق منتخب کیا (۶۸۲)۔ محدث نیشاپور کی بن عبدان (۳۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے مسلم بن الحجاج سے سنا "اگر اہل حدیث دو سو سال تک حدیث لکھتے رہیں تو پھر بھی ان کا انحصار ان کی اس المسند الجامع الصحیح پر ہوگا" (۶۸۳)۔ احمد بن سلمہ کہتے ہیں: کہ میں امام مسلم کی صحیح ان کے ساتھ لکھتا رہا ہوں انہوں نے اس کی ترجیح میں پندرہ سال لگائے (۶۸۴)۔

امام مسلم نے اپنی صحیح لکھ کر ابوزرہ الرازی (۳۶۰ھ) کے سامنے پیش کی جس حدیث کے متعلق انہوں نے اشارہ کیا کہ وہ درست نہیں اس کو نکال دیا۔ امام مسلم نے خود فرمایا میں نے جو داخل کیا صحت کے ساتھ داخل کیا اور جو نکالا صحت کے ساتھ نکالا (۶۸۵)۔

صحیح بخاری کی صحیح مسلم پر ترجیح کی وجوہات

اگرچہ صحیحین کو کتب احادیث میں سب پر فوقیت حاصل ہے لیکن ان دونوں کتب میں سے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر درج ذیل وجوہ کی بنا پر ترجیح حاصل ہے۔

محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحیح بخاری درجہ میں صحت کے لحاظ سے بڑھ کر ہے اور پھر امام بخاری امام مسلم کے استاذ ہیں اس بات کا اعتراف خود امام مسلم نے بھی کیا ہے۔ بلکہ انہوں نے محمد بن یحییٰ بن عبد اللہ الذہلی (۲۵۸ھ) کی مجلس اس وجہ سے چھوڑ دی تھی کہ وہ امام بخاری کے مخالف تھے (۶۸۶)۔

صحیح بخاری کی صحیح مسلم پر ترجیح کا ایک سبب زیادت صحت، دوسرا حافظہ کی زیادتی، تیسرا

زیادت عدالت، چوتھا شدوذ سے پاک ہونا اور پانچواں غلط سے پاک ہونا ہے (۶۸۷)۔

امام مسلم نے بعض ایسے لوگوں سے روایت لی ہے جن کو امام بخاری نے کسی شبہ کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا لیکن امام مسلم نے ازالہ شبہ کی بنا پر ان کی روایت لے لی ہے مثلاً حماد بن سلمہ، سہیل بن ابی صالح، واقد بن ابی حنڈ ابو الریمہ اور علاء بن عبد الرحمن (۲۸۸)۔ حافظ طاہر مقدسی نے شروط الائمہ میں تفصیل سے پانچوں میں سے دو سہیل بن ابی صالح اور حماد بن سلمہ کو لیکر ان کے متعلق امام بخاری کے شبہ کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے چھوڑا اور امام مسلم کے متعلق ذکر کیا کہ انہوں نے ان کے بارے شبہ کو دور ہونے کی وجہ سے ان سے روایت کیا (۲۸۹)۔ صحیح بخاری کی صحیح مسلم پر ترجیح کی وجوہات یہ ہیں:

- ۱۔ صحیح بخاری کے رواۃ پر صحیح مسلم کے رواۃ کی نسبت تنقید کم ہے۔
- ۲۔ صحیح بخاری کے جن رواۃ پر جرح کی گئی ہے ان سے امام بخاری نے بہت کم روایات لی ہیں۔ اس کی نسبت صحیح مسلم میں ان کی روایت کثرت سے ہیں۔
- ۳۔ صحیح بخاری میں مجروحین زیادہ تر لوگ وہ ہیں جن کا شمار امام بخاری کے شیوخ میں ہوتا ہے اور مؤلف کو چونکہ ان کے متعلق مکمل انشراح صدر حاصل تھا بنا بریں وہ ان سے روایت لاتے ہیں لیکن صحیح مسلم میں ایسے رواۃ تبع تابعین وغیرہ سے ہیں جن کو صحیح طور پر جاننا مشکل ہے۔
- ۴۔ امام بخاری نے اصلاً طبقہ اولیٰ سے روایت کا التزام کیا اور پھر استصحاباً طبقہ ثانیہ روایت لاتے ہیں مگر امام مسلم نے دوسرے طبقہ سے بھی اصلاً روایت کی ہیں۔
- ۵۔ امام مسلم معصن روایت کے لیے معاصرت کافی سمجھتے ہیں جبکہ امام بخاری لقاء بھی ضروری سمجھتے ہیں۔
- ۶۔ صحیح بخاری میں فقہی اسنباط اور احکام سے متعلق بہت سے مفید نکات پائے جاتے ہیں جو صحیح مسلم میں نہیں ہیں۔
- ۷۔ امام بخاری حکم فیہ رواۃ کی احادیث متابعات اور شواہد میں لاتے ہیں جو کہ اصل کتاب کے موضوع سے خارج ہیں جبکہ امام مسلم وہ روایات اصول میں لے آتے ہیں اور ان سے

احتجاج بھی کرتے ہیں۔

شرائط صحیحین برائے اخذ احادیث

اگرچہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اپنی تمام شرائط اپنی کتب میں تفصیل سے بیان نہیں کیں لیکن محدثین نے ان کے مناج کد کچھ کر اور ان کے متعلق پڑھ کر قبولیت حدیث کی درج ذیل شرائط اخذ کی ہیں۔ آئمہ اصول حدیث نے صحیح حدیث کی جو شرائط راوی میں ہونا ضروری قرار دی ہیں وہ سب شرائط صحیحین کی لازمی شرائط ہیں۔ امام ابو بکر محمد بن موسیٰ الحامزی (ت ۵۸۴ھ) نے ”شروط الائمہ النخعہ“ میں قبولیت حدیث کے لیے جو شرائط راوی میں ہونا ضروری قرار دی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ اسلام جو کہ سب سے بڑی اور اصل شرط ہے اہل شرک و کفر کی روایت مردود ہے۔ اس کے دلائل قرآن و سنت میں موجود ہیں۔

۲۔ دوسری شرط عقل ہے۔ مجنون اور بچے کی روایت قبول نہیں جب اس میں سمجھ نہ ہو۔ اور نہ ہی ان کی شہادت قبول ہوتی ہے۔ سمجھ اور شعور ہونا بچے کی روایت بھی قبول ہے۔ حدیث شریف میں ہے تین آدمیوں سے قلم اٹھایا گیا ہے:

۱۔ سونے والے سے جب تک وہ بیدار نہ ہو۔ ۲۔ بچے سے جب تک وہ بالغ نہ ہو۔ ۳۔ مجنون سے جب تک وہ ہوش میں نہ آئے (۶۹۰)۔

یہ مد نظر رہے کہ تحمل حدیث میں بچے کی روایت قبول ہے لیکن ادا کے وقت اس کا بالغ ہونا ضروری ہے (۶۹۱)۔

۳۔ تیسری شرط صدق (سچائی) ہے۔ یہ اہم شرط ہے حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے۔ محدثین کا خیال ہے کہ جو لوگوں کے سامنے جھوٹ بولتا ہے وہ حدیث رسول اللہ ﷺ میں بھی اس عادت سے باز نہیں آئے گا۔ اس لیے سچائی کا خیال ضروری امر ہے روایت کا مدار ہی راوی کے سچے اور جھوٹے ہونے پر ہے۔

۴۔ چوتھی شرط (براءۃ الراوی عن التدلیس) راوی کا تدلیس سے پاک ہونا ہے۔ لغت میں تدلیس تدلیس سے اسم مفعول ہے۔ تدلیس کے معنی بائع کا مشتری سے فروخت کی

جانے والی چیز کا عیب چھپانا ہے۔ تدلیس کا معنی اندھیرے اور روشنی کا اختلاط ہے۔ تدلیس راوی کا ایسے آدمی سے روایت بیان کرنا ہے جس کی حالت وہ چھپائے۔ یعنی وہ اپنے استاد کو حذف کر دیتا ہے اور اوپر والے شخص کو ظاہر کرتا ہے جس سے استاد کا محذوف ہونا معلوم نہیں ہوتا بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مافوق سے ہی سنا ہے (۶۹۲)۔ صحیح حدیث اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

۵۔ پانچویں شرط عدل ہے اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ صرف عادل کی روایت نقل کرتے ہیں۔ عدالت سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل اور اس کی منہیات سے رکنا ہے (برائینوں سے بچنا ہے) (۶۹۳)۔

ان تمام شرائط کے ساتھ ساتھ خاص طور پر صحیحین کی الگ شرائط بھی ہیں۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ ایسی حدیث لاتے ہیں جس کے رواۃ کے ثقہ ہونے پر اتفاق ہو۔ محدث سے صحابی تک کسی میں اختلاف ثقاہت نہ ہو (۶۹۴) اس کی سند متصل ہو منقطع نہ ہو۔ اگر صحابی سے آگے دوراوی ہوں تو بہتر ہے ورنہ اگر ایک بھی آخر تک ثقہ ہو تو حدیث قبول کرتے ہیں (۶۹۵)۔

امام حازمیؒ نے شرائط صحیحین کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے: متفق علیہ کی قسم اول وہ ہے جو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے لی ہے یہ صحیح کا پہلا درجہ ہے پھر ایک حدیث کو ایک صحابی آنحضرت ﷺ سے بیان کرے اس کے دوراوی ثقہ ہوں پھر اس سے مشہور تابعی بیان کرے اس کے دو ثقہ راوی ہوں اتبائے تابعین میں ثقہ راوی ہوں حافظ و متین ہوں اور چوتھے طبقے میں بھی اس کے راوی ثقاہت ہوں پھر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے شیخ حافظ و متین مشہور بالعدالت روایت میں ہوں یہ صحیح کا پہلا درجہ ہوگا (۶۹۶)۔

امام حاکمؒ دورادویوں کا ہونا ضروری قرار دیتے ہیں (۶۹۷) لیکن امام حازمیؒ نے دلائل اور مثالوں سے ان کے اس دعوٰی کی تردید کی ہے (۶۹۸)۔ مولانا عبدالسلام مبارک پوری نے امام حاکم (۳۲۱-۴۰۵ھ) کے حوالے سے امام بخاریؒ کی یہ شرائط ذکر کی ہیں:

۱۔ سب رواۃ حدیث صحابی تک ثقہ ہوں۔ ان کی ثقاہت پر اتفاق ہو یعنی راوی مسلم، صادق، غیر مدلس، غیر غلط، متصف بصفات عدالت، ضابط مستحفظ، سلیم الذہن، قلیل الوهم اور سلیم

الاعتقاد ہوں اور یہ صفات اعلیٰ درجے کی ہوں۔

۲۔ سلسلہ روایت منقطع نہ ہو۔

۳۔ اگر معصن روایت ہو تو راوی کی اپنے شیخ سے لقاضور و ثابت ہو۔

۴۔ اس حدیث کی صحت اور مقبولیت پر امام بخاریؒ سے پہلے کے محدثین کا اتفاق ہو یا امام بخاریؒ کے معاصرین کا اتفاق ہو۔

۵۔ علت اور شدوذ سے خالی ہو (۶۹۹)۔

حافظ ابن الصلاح نے ”میانۃ صحیح مسلم“ میں امام مسلم کی بھی تقریباً یہی شرائط نقل فرمائی ہیں (۷۰۰) البتہ امام مسلم کے ہاں معصن روایت میں لقاضوری نہیں ہے بلکہ معاشرت (ایک زمانہ میں ہونا) ہی کافی ہے (۷۰۱) امام بخاری کی شرط قوی ہے اس پر تنقید نہیں ہو سکتی یہ شرط عقل اور نقل کے لحاظ سے درست ہے اور تحقیق پر مبنی ہے جب کہ امام مسلم کی شرط پر تنقید ہو سکتی ہے اور اس کی بنا حسن ظن پر ہے۔ محدثین نے صحیح حدیث کی یوں درجہ بندی کی ہے:

پہلے نمبر پر اس حدیث کو شمار کیا ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں ہو۔ ایسی حدیث کو متفق علیہ کہتے ہیں۔

دوسرے نمبر پر وہ حدیث ہے جو صرف صحیح بخاری میں ہو۔

تیسرے نمبر پر وہ حدیث ہے جو صرف صحیح مسلم میں ہو۔

چوتھے نمبر پر وہ حدیث ہے جو ان دونوں کی شرائط کے مطابق ہو۔ لیکن ان دونوں کتب میں نہ ہو۔

پانچویں نمبر پر وہ حدیث ہے جو صرف صحیح بخاری کی شرط کے مطابق ہو۔

چھٹے نمبر پر وہ حدیث ہے جو صرف صحیح مسلم کی شرط کے مطابق ہو۔

ساتویں نمبر پر تمام کتب حدیث میں جو صحیح روایات آئی ہیں ان کو شمار کیا جاتا ہے (۷۰۲)۔

طبقات رواۃ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صحیحین کی احادیث بیان کرنے والے طبقات کا بھی ذکر کر دیا جائے

چونکہ امام بخاری طبقات رواۃ کا بھی خیال کرتے ہیں۔ امام حازمی نے امام زہری کے اصحاب کے پانچ طبقات بنائے ہیں۔ طبقات سے مراد یہ ہے کہ راوی کا اپنے شیخ کے پاس کتنا وقت گزارا اس لحاظ سے اس کے حافظہ اور اتقان کی کیا حالت ہے۔ اس لحاظ سے وہ اس طبقہ میں ہوگا جس کا اپنے شیخ کے پاس زیادہ سے زیادہ وقت گزارا ہو، سفر و حضر میں امام زہری کے ساتھ رہے ہوں۔ امام زہری کی احادیث کو جانچنے کا موقع ملا ہو۔ عدل اور حفظ و اتقان میں اپنے ساتھیوں سے فائق ہو۔ امام بخاری ایسے راوی کو پہلے طبقہ میں شمار کرتے ہیں۔ امام زہری کے شاگردوں میں سے پہلے طبقہ کے لوگوں میں سے مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، عبید اللہ بن عمرو وغیرہ ہیں۔

دوسرے طبقہ میں وہ راوی جو ثقافت میں بلند درجہ رکھتے ہوں لیکن شیخ کے ساتھ طول صحبت اور وہ حفظ و اتقان میسر نہ ہو جو پہلے طبقہ کو ہے۔ دوسرے طبقہ میں عبدالرحمن بن عمرو والا ذاعی اور لیث بن سعد ہیں۔ تیسرے طبقہ میں سفیان بن حسین السلمی اور زمر بن عبدالمکرم وغیرہ ہیں۔ چوتھے طبقہ میں اسحاق بن عیسیٰ الکلمی اور ابراہیم بن یزید الکلمی ہیں۔ جب کہ پانچویں طبقہ میں عبدالقدوس بن حبیب الدمشقی اور محمد بن سعید المصلوب ہیں۔ امام بخاری اپنی صحیح میں پہلے طبقہ سے ہی روایت لیتے ہیں اور شاؤد و نادر ہی دوسرے طبقہ سے روایت لیتے ہیں۔ امام مسلم دوسرے اور تیسرے طبقہ سے بھی روایت لے لیتے ہیں جب کہ امام ترمذی اور ابو داؤد تیسرے اور چوتھے طبقہ سے بھی روایت لے لیتے ہیں (۷۰۳)۔ ان طبقات کو دیکھ کر ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ آئمہ حدیث کی کس قسم کی شرائط تھیں اس لیے محدثین نے ان رواۃ سے متعلق جن کو صحیحین سے لیا گیا ہے کوئی جرح قبول نہیں کی اور ان کی روایات کو صحیح اور قابل اعتماد سمجھا۔ اور ان رواۃ کو صحت حدیث کے لیے تمییز تصور فرمایا۔

محدثین کی ان کادشوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو لوگ حجت حدیث کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہیں وہ یا تو علوم حدیث سے بالکل بے بہرہ ہیں یا انکار حدیث میں وہ اس قدر آگے چلے گئے ہیں کہ اظہر من الشمس حقیقت کا انکار کرتے ہوئے وہ اپنے ضمیر کی آواز سننے سے بھی بہرے ہو گئے ہیں۔

کتب الامالی

تعریف

امالی سے مراد ”وہ حدیثیں جو شیوخ اپنے شاگردوں کو املا کروائیں“۔ محدثین کا یہ دستور تھا کہ ہفتے میں ایک یا دو دن (جمعہ ہفتہ) اپنے طلباء کو مسجد، گھر یا کسی اور مقام پر میں بلا کر احادیث کی املا کراتے ان احادیث کو امالی کہا جاتا ہے۔ حاجی خلیفہ نے امالی کی تعریف یوں کی ہے: ”هو جمع الاملاء وهو ان يقعد عالم وحوله تلامذته بالمحابر والقراطيس فيتكلم العالم بما فتح الله سبحانه وتعالى عليه من العلم ويكتبه التلامذه فيصير كتباً ويسمونه الاملاء والامالي وكذلك كان السلف من الفقهاء والمحدثين“ (۷۰۴) (امالی املاء کی جمع ہے۔ کوئی عالم بیٹھا ہو اور اسکے ارد گرد طالب علم قلم اور کاغذ لے کر بیٹھیں اور وہ عالم اللہ کی توفیق کے مطابق علمی گفتگو کرے اور شاگرد لکھتے جائیں اور اس طرح سے کتابیں بن جائیں۔ اسکا نام املاء اور امالی ہے۔ سلف فقہاء اور محدثین ایسے ہی کیا کرتے تھے)۔

امالی کے بارے میں مختلف آراء

ابن صلاح نے لکھا ہے: ”محدث کے لیے ضروری ہے کہ املاء حدیث کے لیے مجلسیں قائم کرے اور یہ روایت حدیث کا اعلیٰ درجہ ہے اور اس میں اچھے انداز سے حدیث بیان کی جاتی ہے اور حرج حدیث میں یہ بہت عمدہ ہے۔ یہ پرانے محدثین کی عادت ہے“ (۷۰۵)۔

وہ محدثین جو املاء کرواتے تھے ان میں امام مالک، شعبہ، کعب، ابو عاصم اور یزید بن ہارون بہت مشہور ہیں۔ حدیث لکھوانے والے آدمی کو جو محدث کے آگے بولے ”الستملی“ کہتے ہیں (۷۰۶)۔ بعض محدثین کے متعلمین کی تعداد بہت زیادہ ہوتی تھی امام ذہبی نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ احمد بن حنبل نے کہا ”جب ابو مسلم ابراہیم بن عبد اللہ بن مسلم کبھی بغداد آئے تو آپکی مجلس میں سات متعلمی تھے جہاں ایک کی آواز ختم ہوتی وہاں سے آگے دوسرا بولتا۔ ایسے لکھنے والوں کی تعداد ۴۰ ہزار سے اوپر تھی“ (۷۰۷)۔

حافظ فریابی کے متعلق آتا ہے کہ جب وہ بغداد آئے تو ان کا بڑی گرجبوشی سے استقبال ہوا۔ جو لوگ ان سے حدیث سننے کے لیے جمع ہوئے انکی تعداد ۳۰ ہزار کے قریب تھی اور ان سے لکھوانے والے ۳۱۶ تھے (۷۰۸)۔ حافظ ابوالفضل زہری کہتے ہیں ”میں نے ایک مجلس میں فریابی سے حدیث سنا اور جو لوگ ان سے لکھتے تھے ان کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی۔ اب ان میں سے میرے علاوہ کوئی باقی نہیں رہا“ (۷۰۹)۔ حافظ عاصم بن علی واسطی جب بغداد آئے تو انہوں نے وہاں اطباء کردائی اور بہت زیادہ لوگ اکٹھے ہو گئے۔ ابو حسین بن مبارک نے کہا ”واسطی کی مجلس کے اندر لاکھ سے زیادہ لوگ ہوتے تھے“ (۷۱۰)۔

شیخ عاصم بن علی چھت پر بیٹھے تھے اور لوگ لکھتے تھے اور بعض اوقات لوگ باتوں کو بار بار پوچھتے۔ ایک دفعہ انہوں نے جودہ دفعہ لوٹایا (دہرایا) اور انکا مستملی ایک کھجور پر بیٹھ کر لوگوں کو کسموایا کرتا تھا اور اس مجلس کا اندازہ کیا گیا اس میں ایک لاکھ بیس ہزار لوگ تھے (۷۱۱)۔

کتب الامالی کے فوائد

کتب الامالی کے بے شمار فوائد ہیں جن میں چند ایک درج ذیل ہیں:

- ۱۔ اس سے بہت زیادہ لوگ مستفید ہو سکتے تھے۔
- ۲۔ اگر ایک شاگرد غلطی کرتا اور دوسرا اس کو ٹھیک کر سکتا تھا۔
- ۳۔ علم حدیث پھیلانے کا ایک اچھا ذریعہ تھا۔
- ۴۔ اس سے مختلف محدثین کی مجالس کا بھی ہمیں پتہ چلتا ہے۔

کتب الامالی

الامالی کے متعدد مجموعے موجود ہیں۔ حاجی خلیفہ نے درج ذیل کتب الامالی کی فہرست دی ہے:

- ۱۔ امالی الامام، ابی یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری الجھمی (م ۱۸۳ھ)۔
- ۲۔ امالی ثعلب بن الخو، احمد بن یحیی الخوی (م ۲۹۱ھ)۔
- ۳۔ امالی، امام السرخسی الجھمی (م ۲۹۲ھ)۔

۵۴۰

- ۴۔ امالی ابی عروبہ (الحرانی)، الحافظ حسین بن محمد السلمی (م ۳۱۶ھ)۔
- ۵۔ امالی الزجاج فی الخو، ابواسحاق ابراہیم بن محمد الخوی (م ۳۱۶ھ)۔
- ۶۔ امالی ابن درید، محمد بن ابی بکر اللغوی (ت ۳۲۱ھ)۔
- ۷۔ امالی ابی الجعفر، محمد بن القاسم البتیری (م ۳۳۳ھ)۔
- ۸۔ امالی القالی فی اللغة، شیخ ابوعلی اسماعیل بن قاسم اللغوی (م ۳۵۶ھ)۔
- ۹۔ الامالی لابن شایبہ (م ۳۸۵ھ)۔
- ۱۰۔ امالی بدیع حمدانی، بدیع الزمان احمد بن الحسین (م ۳۹۸ھ)۔
- ۱۱۔ امالی ابی طاهر، محمد بن محمد بن قحش الزیادی مفتی نیساپور (م ۴۰۱ھ)۔
- ۱۲۔ امالی البشامات۔ امام حافظ ابی عبد اللہ حاکم نیشاپوری (م ۴۰۵ھ)۔
- ۱۳۔ الامالی القاضی ابوالحسن عبد الجبار بن احمد بن عبد الجبار الحمدانی الشافعی، المحضلی، (م ۴۱۵ھ)۔
- ۱۴۔ امالی قاضی عبد الجبار (م ۴۱۵ھ)۔
- ۱۵۔ امالی ابی القاسم، عبد الملک بن بشران البغدادی (م ۴۳۳ھ)۔
- ۱۶۔ امالی الصفوة من اشعار العرب، ابی القاسم فضل بن محمد البصری (م ۴۳۳ھ)۔
- ۱۷۔ امالی ابی الطلاء، احمد بن عبد اللہ المعری (م ۴۳۹ھ)۔
- ۱۸۔ امالی الجوهری فی الحدیث، ابو محمد الحسن بن علی الحافظ (م ۴۵۴ھ)۔
- ۱۹۔ امالی الصناعی فی الحدیث، ابو عبد اللہ محمد ابن سلامہ شافعی (م ۴۵۴ھ)۔
- ۲۰۔ امالی ابی علی (وحشی) حسین بن علی اللمخی (م ۴۷۱ھ)۔
- ۲۱۔ امالی نظام الملک فی الحدیث، ابوعلی حسین (الحسن) ابن علی بن اسحاق (م ۴۸۵ھ)۔
- ۲۲۔ امالی ابی عبد اللہ، سلیمان بن عبد اللہ الحلوانی (م ۴۹۴ھ)۔
- ۲۳۔ امالی ابی القرج، السرخسی الشافعی، عبد الرحمن بن احمد (م ۴۹۴ھ)۔
- ۲۴۔ الامالی لابن منده (م ۵۱۱ھ)۔
- ۲۵۔ امالی ابن عساكر فی الحدیث، ابوالقاسم علی ابن الحسین بن حمہ اللہ دمشقی (م ۵۱۱ھ)۔

- ۲۶۔ امام زر بنی بکر بن محمد البخاری (ت ۵۱۲ھ)۔
- ۲۷۔ امالی ابی بکر، الخیز اخزی (م ۵۱۸ھ)۔
- ۲۸۔ امالی السرخسی ابو بکر محمد ابن عبد اللہ (م ۵۱۸ھ)۔
- ۲۹۔ امالی جابر اللہ، ابوالقاسم محمود بن عمر الخثعمی (م ۵۳۸ھ)۔
- ۳۰۔ الامالی للسلای، ابوالفضل محمد بن ناصر بن محمد بن علی بن عمر السلائی (نسبت دار السلام بغداد) الشافعی الحنبلی (م ۵۵۰ھ)۔
- ۳۱۔ امالی ابی الفضل محمد بن ناصر، السلائی (م ۵۵۰ھ)۔
- ۳۲۔ الامالی الخمسائی، امام ابی سعد عبدالکریم ابن محمد السمعانی الروزی الشافعی (م ۵۶۲ھ)۔
- ۳۳۔ الامالی لابن عساکر (م ۵۷۱ھ)۔
- ۳۴۔ امالی ابن الشجرى، ابوالسعادات ہبہ اللہ بن علی (ت ۵۷۲ھ)۔
- ۳۵۔ امالی الامام فخر الدین فاضل خان، حسن بن منصور الاوزجندی (فی الفقہ) (م ۵۹۲ھ)۔
- ۳۶۔ الامالی، ابوالقاسم عبدالکریم بن محمد بن عبدالکریم القزوینی (م ۶۲۳ھ)۔
- ۳۷۔ امالی لاشارحہ علی مفردات الفاتحہ، ابی القاسم عبدالکریم بن محمد الرافعی الشافعی (م ۶۲۳ھ)۔
- ۳۸۔ امالی ابن الحاجب، ابو عمرو عثمان بن عمر الخوی المالکی (م ۵۷۰-۶۳۲ھ) (اس میں بعض آیات کی تفسیر ہے اور مختلف قسم کے نحو کے مسائل ہیں)۔
- ۳۹۔ امالی العفاش فی الحدیث، ابوسعید۔
- ۴۰۔ امالی ابن حجر، احمد بن علی بن حجر عسقلانی (ت ۸۵۲ھ) (اس میں وہ حدیثیں ہیں جو انہوں نے حلب کے شہر میں لکھیں)۔
- ۴۱۔ امالی المصلح، جلال الدین السیوطی۔
- ۴۲۔ امالی ابن الحسین، ہبہ اللہ بن محمد بن عبدالواحد۔
- ۴۳۔ امالی ابن شمعون، ابو الحسین محمد بن احمد۔ انہوں نے احادیث الماکروائیں اور اسکے اجزاء مرتب کیے۔

- ۴۴۔ امالی ابی بکر، یوسف بن القاسم بن یوسف فارسی القاضی۔
- ۴۵۔ امالی ابی بکر، محمد بن القاسم بن بشار الانباری۔
- ۴۶۔ امالی ابی بکر الحلوانی۔
- ۴۷۔ امالی ابی بکر یغذمونی۔
- ۴۸۔ امالی ابی بکر النعمی۔
- ۴۹۔ امالی ابی طاہر۔
- ۵۰۔ امالی ابی عبداللہ، حسین بن حارون بن الجعفر النعمی۔
- ۵۱۔ امالی ابی عثمان، اسماعیل بن محمد بن احمد الاصمغانی۔
- ۵۲۔ امالی ابی القاسم الکلابازی۔
- ۵۳۔ امالی ابی القاسم، عبداللہ بن محمد بن اسحاق بن حبابہ الہز ارقی۔
- ۵۴۔ امالی الاصمغانیہ، للمحاملی۔
- ۵۵۔ امالی الحافظ، حسن بن ابراہیم القطری۔
- ۵۶۔ امالی حسن بن زیاد۔
- ۵۷۔ امالی الزعفرانی فی الحدیث، امام ابو عبداللہ حسین بن احمد۔
- ۵۸۔ امالی امام الشافعی فی الفقہ۔
- ۵۹۔ امالی صدر الاسلام (الہز دوی فی الفردوس)۔
- ۶۰۔ امالی ظہیر الدین، ابولولائی الجیمی (فی الفقہ)۔
- ۶۱۔ امالی العرافیہ فی شرح المفصول الایلافیہ۔
- ۶۲۔ امالی فریدی۔
- ۶۳۔ امالی قاضی صدر الہز دوی۔
- ۶۴۔ امالی قاضی فخر الارسابندی۔
- ۶۵۔ امالی قاضی المارستانی، ابو بکر محمد بن عبدالباقی۔

- ۶۶۔ الامالی الرضیہ فی شرح الطویہ۔
 ۶۷۔ امالی المذہبی فی الحدیث۔
 ۶۸۔ امالی علی القرآن، جلال الدین السیوطی۔
 ۶۹۔ الامالی علی الدرۃ الفاخرہ، جلال الدین السیوطی۔
 ۷۰۔ امالی مطہر السنۃ، “ “
 ۷۱۔ امالی میمون، “ “
 ۷۲۔ امالی ولی الدین، ابی زرعہ احمد بن عبد الرحیم العراقی الحافظ (م ۸۲۶ھ) (۷۱۲)۔

کتاب الامالی اور ان کے مؤلفین

چند کتاب امالی اور ان کے مؤلفین کے حالات زندگی پر روشنی ڈالتے ہیں:

۱۔ الامالی لابن شاہین (م ۳۸۵ھ)

تعارف مصنف

آپ کی کنیت ابو حفص، نام عمر بن احمد بن عثمان ہے۔ ابن شاہین کے لقب سے مشہور ہیں۔ بغداد کے رہنے والے بلند پایہ حافظ حدیث اور عراق کے محدث تھے (۷۱۳)۔ آپ ۲۹۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۰۸ھ میں حدیث کا سماع شروع کیا۔ محمد بن محمد باغندی، محمد بن ہارون بن محمد ابو خلیب عباس بن برقی، شعیب بن محمد زرارہ، ابو القاسم بغوی، ابو علی محمد بن سلیمان مالکی اور ان کے طبقہ سے علم حدیث حاصل کیا (۷۱۳)۔ طلب حدیث کی خاطر دمشق کا سفر کیا اور وہاں ابو اسحاق بن ابی ثابت اور دیگر علماء سے علم حدیث حاصل کیا۔ اور آپ کے شاگرد ابو سعید مالینی، ابو بکر براقانی، ابو القاسم تنوخی، ابو محمد خلیل، ابو محمد جوہری، ابو الحسن بن مہدی باللہ اور ان کے صاحبزادے عبید اللہ اور دوسرے بہت سے لوگ آپ سے روایت کرتے ہیں (۷۱۵)۔

ابن ماکولا کہتے ہیں: ”ثقہ اور مامون ہیں۔ انہوں نے تحصیل علم کے لیے شام، فارس اور بصرہ کا سفر کیا۔ احکام و مسائل جمع کیے۔ تراجم لکھے اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں“ (۷۱۶)۔ آپ نے

ذی الحجہ ۳۸۵ھ میں وفات پائی (۷۱۷)۔

۲۔ الامالی لابن مندہ (م ۵۱۱ھ)

تعارف مصنف

آپ کا نام یحییٰ بن عبد الوہاب بن حافظ ابی عبد اللہ محمد بن اسحاق کنیت ابو زکریا اور لقب ابن مندہ ہے۔ اصفہان کے رہنے والے ممتاز حافظ حدیث ہیں اور اصفہان کے مشہور حافظ حدیث یحییٰ بن مندہ کی اولاد سے ہیں۔ آپ نے اپنے والد، اپنے دونوں چچا حافظ عبد الرحمان اور عبید اللہ تاجر، امام طبرانی کے شاگرد ابو بکر بن ریزہ، ابوشیخ کے شاگرد ابو طاہر بن عبد الرحیم، ابو العباس احمد بن محمد قضا، احمد بن محمود ثقفی، محمد بن علی بھاص اور ان کے علاوہ اور بہت سے علماء سے علم حاصل کیا (۷۱۸)۔ آپ سے عبد الوہاب النساطی، یحییٰ بن عبد الغافر بن صباح، علی بن ابی تراب، ابن ناصر، سلفی، عبد الحق یوسفی، ابو محمد بن خشاب اور دوسرے لوگوں نے حدیث روایت کیں (۷۱۹)۔

ابوسعید سعانی نے آپ کا تذکرہ لکھا ہے اور کہا ہے ”آپ ثقہ، جلیل القدر، وسیع الروایت اور کثیر الفہما کل حافظ حدیث تھے۔ بے داغ، سیرت کے حامل کثیر التصانیف راست گفتار اور تکلف سے دور رہنے والے تھے اپنے زمانہ میں اپنے خاندان کے دُرِ یکدا نہ تھے۔ آپ نے اپنی اور ہمارے مشائخ سے ایک جماعت کی تاریخ لکھی تھی اور مجھے اپنی جملہ مسوعات کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ میں نے حافظ اسماعیل بن محمد سے ان کے متعلق پوچھا تو انہوں نے آپ کی تعریف کی اور آپ کو حفظ، معرفت اور درایت کے اوصاف جلیلہ سے متصف بتایا۔ میں نے حافظ محمد بن ابی نصر فتوانی کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خاندان بنو مندہ کی ایک یحییٰ سے ابتداء ہوئی اور ایک یحییٰ پر اس کا خاتمہ ہوا میں نے یونانی کی تاریخ میں پڑھا ہے کہ یحییٰ بن مندہ کی تاریخ پیدائش ۳۳۴ھ ہے“ (۷۲۰)۔

وفات: آپ عید قربان کے دن ۵۱۱ھ کو فوت ہوئے اور بعض نے ۵۱۲ھ ذی الحجہ بتائی ہے (۷۲۱)۔

۳۔ الامالی لابن عساکر (م ۵۷۱ھ)

تعارف مصنف آپ کی کنیت ابو القاسم، نام علی بن حسن بن مہتہ اللہ اور لقب محدث شام ہے۔

دمشق کے رہنے والے جلیل القدر اور بلند پایہ حافظ حدیث ہیں۔ تاریخ کبیر اور دیگر مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۴۹۹ھ میں پیدا ہوئے اپنے والد ماجد اور اپنے بھائی فیاء الدین بہتہ اللہ کی خصوصی توجہ سے اپنی عمر کے ساتویں سال ہی میں حدیث کا سماع شروع کیا (۷۲۲)۔ آپ نے اپنے شہر دمشق میں ابو القاسم، نسیب، قوام بن زید، سمیع بن قیراط، ابو طاہر حنائی، ابو الحسن بن موازیعی اور اس طبقہ کے دوسرے علماء سے اکتساب فیض کیا۔ پھر ۵۲۰ھ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے سفر پر روانہ ہوئے اور بغداد میں ابو القاسم ابن حصین، ابو الحسن دینوری، ابو العز بن کاوش، ابو غالب بن ہمام، ابو عبد اللہ بارع، اور اس طبقہ کے دیگر مشاہیر حدیث سے سماع کیا۔ ان کے علاوہ آپ نے مکہ، کوفہ، نيسابور، اصفہان، مرو اور حرّاء کے تقریباً ۱۳۸۰ اساتذہ کرام سے علم حدیث کا سماع کیا۔ ان میں سے ۸۰ سے زائد خواتین بھی شامل ہیں (۷۲۳)۔

آپ کے تلامذہ کی فہرست بھی خاصی طویل ہے اور مشہور محدث معمر بن قاسم، ابو العلاء ہمدانی، ابوسعید سمعانی اور دوسرے کبار علماء آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے صاحبزادے قاسم، ابو جعفر قرطبی، زین الامناء، ابو البرکات بن عساکر اور ان کے بھائی شیخ فخر الدین وغیرہ نے آپ سے حدیث کا سماع کیا۔ اور دیگر بے شمار علماء نے آپ سے حدیث کا علم حاصل کیا (۷۲۳)۔

حافظ سمعانی کہتے ہیں: ”ابو القاسم ابن عساکر حافظ حدیث، ثقہ، متقن، دیانتدار، نیک اطوار اور بلند اخلاق تھے متن اور اسناد کو خوب جانتے تھے۔ علم و فضل میں بے نظیر اور بڑے محقق تھے۔ حدیث کی قرات بڑے دلنشین انداز سے کرتے تھے آپ نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے مختلف ممالک کا سفر کیا اور حصول مقصد کے لیے راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علم کا جتنا ذخیرہ آپ کے پاس محفوظ تھا کسی کے پاس نہیں تھا (۷۲۵)۔“

ابوالمواہب کہتے ہیں ”ایک دن مجھ سے کہنے لگا جب میں نے حدیث پڑھانے کا ارادہ کیا۔ اور خدا شاہد ہے کہ اس میں حب جاہ اور تقدم علی الاقران کا جذبہ ہرگز ہرگز کارفرما نہیں تھا۔ بلکہ خواہش یہ تھی کہ میں نے حدیث کا جو یہ بے انداز ذخیرہ جمع کیا ہے اسے کب بیان کروں۔ اگر اسے کاغذات میں

چھوڑ گیا۔ تو اس تمام جانکاہی اور مشقت سے کیا حاصل۔ چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ۵۳۳ھ میں تدریسی زندگی کا آغاز کیا (۷۲۶)۔ آپ نے ۱۱ رجب ۵۷۱ھ میں وفات پائی (۷۲۷)۔

۴۔ الامالی ابوعلی القالی

تعارف مصنف

نام اسماعیل بن القاسم لقب القالی البغدادی اور کنیت ابوعلی ہے۔ عربی لغت و ادب کے امام تھے۔ انہیں القالی اس لیے کہا گیا کہ وہ منازجر کے ایک گاؤں قالا کے چند افراد کے ساتھ بغداد میں تعلیم حاصل کرتے تھے ان کے ساتھ رہنے کی وجہ سے انہیں بھی اس گاؤں کی طرف منسوب کر کے قالی کہا جاتا تھا اور بغدادی اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ وہاں پر ۲۵ سال رہے۔ بغداد میں آپ نے محدث ابو القاسم عبد اللہ بن محمد بغوی، ابوسعید الحسن بن علی بن زکریا العدوی، ابوبکر عبد اللہ بن ابوداؤد بن اھعف جستانی جیسے جلیل القدر محدثین کے علاوہ نحو و ادب کے ماہر ابن سراج، ابن اخباری، انھش اور ابن قتیہ جیسے جید علماء سے کسب فیض کیا (۷۲۸)۔ ان کا میلان لغت کی طرف زیادہ تھا اس لیے مؤرخین انہیں لغت کے امام قرار دیتے ہیں۔ اس زمانہ میں وہ بہت مشہور ہوئے۔ ان کی شہرت اندلس کے خلیفہ عبدالرحمان تا صربک پہنچی تو انہیں خلیفہ نے اندلس آنے کی دعوت دی۔ انہوں نے خلیفہ کی دعوت کو قبول کیا اور وہ اندلس پہنچے تو ان کا شاندار استقبال کیا اور خلیفہ نے اپنا ولی العہد بنالیا۔ اور انہوں نے قرطبہ میں ۳۵۶ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے امالی کے علاوہ کتاب ”المعدود والمقصود“ ”علم تجوید القرآن“، کتاب الامالی، تفسیر السبع الطوال، کتاب فعلت واقعلت، کتاب مقائل الفرسان، کتاب حلی الانسان والنیل و شیا تھا اور کتاب البارخ“ تصنیف کیں (۷۲۹)۔

تعارف کتاب

کتاب امالی القالی ان دروس کا مجموعہ ہے جو انہیں قرطبہ اور جامع مسجد زھراء میں ہر جمعرات کو دیا جاتا تھا۔ وہ لکھتے ہیں ”امللت هذا الكتاب من حفظي في الاخمسة بقرطبة وفي المسجد بالزهراء المباركة“ (۷۳۰)۔

یہ کتاب عربی ادب کی اصحاحات اکتب میں شمار کی جاتی ہے۔ عربی زبان و ادب میں ذوق رکھنے والوں کے لیے مفید کتاب ہے۔ اس میں انہوں نے منفرد واقعات، منتخب اشعار، ضرب الامثال، الفاظ کی تشریح اور حکمت کی باتوں کو جمع کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ”او دعتہ فنوننا من الاخبار، وضروبا من الاشعار وانواع من الأمثال وغرائب من اللغات“ (۷۳۱)۔ اس کے علاوہ قرآن وحدیث کے مشکل الفاظ کی تشریح بھی بیان کی ہے وہ لکھتے ہیں: ثم لم أخلو من غریب القرآن وحديث الرسول ﷺ (۷۳۲)۔ انہوں نے قرآن مجید کے مشکل الفاظ کے معانی اور تشریح اہل لغت کے اقوال اور شعراء کے اشعار سے کی ہے مثلاً قرآن مجید کی آیت ”وغدو علی حرد قادرین“ میں لفظ حرد کے متعلق لکھتے ہیں ”معنی قوله عز وجل ”وغدو علی حرد قادرین“ ای علی قصد، قال الجمع اما اذا حردی فمعجریة ضبطاه تسکن غیلا غیر مقروب ای قصدت قصدی۔

وقال الآخر:

اقبل سیلّ جاء من امر الله یجرد حرد الجنة المغله

ای یقصدها قصدها

وقال أبو عبيدة معنی قوله ”علی حرد“ ای علی غضب وحقد واجاز ما ذکرناه۔ قال: ویجوز ان یکون ”علی حرد“ معناه، علی منع، واحتج بقول العباس بن مرداس السلمي وحارب فان مولاك حار ونصره ففي السيف مولى نصره لا يحارد وحارده عندی فی هذا البيت بمعنی قل (۷۳۳)۔ اسی طرح احادیث کے بھی مشکل الفاظ کے معنی اور تشریح پوری حدیث سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد دیتے ہیں۔ ایک جگہ ”مطلب تفسیر الغریب من حدیث الصحابہ“ (۷۳۳)۔ عنوان کے تحت پوری حدیث نقل کی ہے اور مشکل الفاظ کے معانی اور تشریح کی ہے۔ اس کے علاوہ حکمت کی باتیں، اشعار اور صرف الفاظ کے معانی بیان کیے گئے ہیں۔

یہ کتاب دارالافتاء المجدیدہ بیروت سے ۱۹۸۰ء کو شائع ہوئی ہے اور اس کی شرح سبط

واللّٰہی کے نام سے وزیر ابی عبید اللہ کی نے کی ہے اس شرح کی تحقیق و تخریج علی گڑھ یونیورسٹی انڈیا کے شعبہ عربی کے (استاذ) پروفیسر عبدالعزیز المکینی نے کی ہے۔ اس شرح کو مطبعہ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر نے شائع کی ہے۔ سن اشاعت درج نہیں ہے۔ اس کے علاوہ حکمت کی باتیں، اشعار اور صرف الفاظ کے معانی بیان کیے گئے ہیں۔

یہ کتاب دارالافتاح المجدیدہ بیروت سے ۱۹۸۰ء کو شائع ہوئی ہے اور اس کی شرح سبط اللّٰہی واللّٰہی کے نام سے وزیر ابی عبید اللہ کی نے کی ہے اس شرح کی تحقیق و تخریج علی گڑھ یونیورسٹی انڈیا کے شعبہ عربی کے (استاذ) پروفیسر عبدالعزیز المکینی نے کی ہے۔ اس شرح کو مطبعہ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر نے شائع کی ہے۔ سن اشاعت درج نہیں ہے۔

۵۔ الامالی ابن الحاجب (۵۹۳-۶۳۰ھ)

تعارف مصنف

آپ کا نام و نسب یہ ہے ابو الفتح عمر بن محمد بن منصور انصاری، لقب عز الدین ہے۔ دمشق کے بلند پایہ حافظ حدیث اور ممتاز عالم تھے (۷۳۵)۔ آپ نے دمشق میں علامہ ابن ملاح کی وفات کے بعد بیت اللہ بن خضر، موسیٰ بن عبد اللہ، موسیٰ بن عبد القادر اور دیگر اہل علم سے حدیث پڑھی اور بغداد، مصر، اسکندریہ، اربل، موصل، حلب اور حریم شریفین کے محدثین سے بھی استفادہ حاصل کیا (۷۳۶)۔

عالی اور نازل ہر قسم کی احادیث لکھیں اور بہت سی کتابیں اپنے کتب خانہ کی زینت بنائیں۔ الامالی کے علاوہ اپنے ۱۱۸۰ مشائخ کے حالات ایک معجم میں لکھے اور ایک معجم میں ان شہروں کے تفصیلی حالات قلمبند کیے۔ آپ نے طلب علم میں انتہائی جانفشانی سے کام لیا اور ”الاربعین المصنفات“ کتاب تصنیف کی (۷۳۷)۔

تعارف کتب

الامالی ابن الحاجب جو الدکتور فخر صالح سلیمان جدارہ کی تحقیق سے شائع ہوئی ہے۔ محقق کتاب ہذا نے کتاب کو مقدمہ الکتاب دو ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ جبکہ اصل کتاب میں مقدمہ موجود

نہیں ہے۔ مقدمہ الکتاب میں الدكتور فخر صالح سلیمان نے زیر بحث کتاب کی تحقیق میں پہنچنے والی مشکلات کا ذکر کیا ہے اور ان تمام مشکلات کے باوجود کتاب کی پر خوشی کا اظہار کیا ہے پھر اپنی تحقیق شدہ اس کتاب کی تقسیم کے متعلق وضاحت کی ہے۔

الجزء الاول کو تین فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے: پہلے جز میں فصل اول امام ابن الحاجب کے حالات زندگی، نام و نسب، زمانہ، اخلاق و شخصیت، اساتذہ و تلامذہ اور ابن الحاجب کے نحوی مذہب کا ذکر کیا ہے۔

جز اول کے مندرجات کی مثالیں

کتاب کے ابتداء میں لکھا ہے: فان عام (۵۷۰) الذی ولد فیہ ابن الحاجب بعد عام اقامة دولة الايوبیین (۷۳۸)۔ ایسے ہی ابن الحاجب کے نحوی مسلک کے متعلق لکھا ہے، ولكنہ یبدو متاثرا بمذهب البصريين الى حد كبير (۷۳۹)۔ جبکہ فصل ثانی کتاب ”امالی“ میں واقع احادیث پر مشتمل ہے اور اس میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ امام ابن الحاجب نے یہ کتاب کب اور کہاں تالیف کی اس کے معاصر و اسلوب وغیرہ کیا ہیں۔ جبکہ فصل ثالث ابن حاجب سے ”امالی“ میں مذکور احادیث کے متعلق خاص کیا گیا ہے۔ جبکہ الجزء الثانی کتاب کی تحقیق و راسخہ اور اس کو ایک واضح صورت دینے کی جدوجہد پر مشتمل ہے۔ دونوں جلدوں کے آخر میں مصادر و مراجع اور فہرست بھی دی گئی ہے۔ کتاب کی دونوں جلدیں ۹۷۹ صفحات پر محیط ہیں (۷۴۰)۔

حدیث قدسی

لغوی تعریف

”قدسی“ لفظ القدس بمعنی پاکیزگی سے ہے۔ ارض مقدس پاک زمین کو کہتے ہیں۔ اسی سے معروف بیت المقدس ہے، تقدس اللہ، تنزه وهو القدوس (۷۴)۔ (اللہ کی تقدیس، عیبوں سے پاک ہونا اور وہ قدوس ہے)۔

قدسی نسبت ”القدس“ کی طرف ہے جس کے معنی ”الطہر“ کے ہیں یعنی وہ حدیث جو ذات قدسیہ کی طرف منسوب ہو اور وہ اللہ عزوجل ہے۔

اصطلاحی تعریف

وہ حدیث جس کی نسبت آپ ﷺ نے اللہ کی طرف کی ہو۔ اللہ کی نسبت کی وجہ سے اسے حدیث قدسی کہا جاتا ہے (۷۴)۔

مطلی قاری فرماتے ہیں: ”الحديث القدسي ما يرويه صدر الرواة وبره الثقات عليه افضل الصلاة واكمل التحيات عن الله تبارك وتعالى تارة بواسطة جبرئيل عليه السلام وتارة بالوحي والالهام والمنام مفوضا اليه التعبير بأي عبارة شاء من أنواع الكلام (۷۳) (حدیث قدسی وہ ہے جس کو راویوں کے سردار اور ثقہ لوگوں کے چراغ ان پر بہترین صلوة و سلام ہو اللہ سے بیان فرمائیں۔ کبھی جبرئیل کے واسطے سے بیان کریں یا الہام کے ذریعے یا خواب میں یا وحی کے ذریعے، عبارت کوئی بھی ہو۔ نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے)۔

مثال حدیث قدسی

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: قال النبی يقول الله تعالى ”انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا نكرنى فان نكرنى فى نفسه نكرته فى نفسى وان نكرنى فى ملا نكرته فى ملا خير منهم (۷۴) (نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے

بندے کے گمان پر ہوتا ہوں اور اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرے۔ اگر وہ مجھے دل میں یاد کرے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے لوگوں میں یاد کرے تو میں ان سے بہتر لوگوں میں اسے یاد کرتا ہوں۔

حدیث قدسی اور قرآن کریم میں فرق

حدیث قدسی اور قرآن کریم کے درمیان حسب ذیل وجوہ سے فرق ہے۔

- ۱۔ ”قرآن کریم“ کے الفاظ و معانی دلوں اللہ کی جانب سے ہوتے ہیں اور ”حدیث قدسی“ کے معنی اللہ کی جانب سے اور الفاظ حضور اکرم ﷺ کے ہوتے ہیں۔
- ۲۔ قرآن کریم کے الفاظ کا پڑھنا پڑھانا عبادت ہے۔ نماز اس کو پڑھے بغیر صحیح نہیں ہوتی۔ جبکہ ”حدیث قدسی“ کا یہ معاملہ نہیں۔
- ۳۔ ثبوت قرآن کریم کے لیے تو اتر شرط ہے۔ ثبوت حدیث قدسی کے لیے تو اتر شرط نہیں ہے۔
- ۴۔ قرآن کریم معجزہ ہے۔ حدیث قدسی کا یہ معاملہ نہیں۔ قرآن کریم کے ذریعے لوگوں کو چیلنج کیا گیا۔ جبکہ حدیث قدسی کے ذریعے نہیں کیا گیا۔
- ۵۔ ”قرآن کریم“ کا نزول حضرت جبریل کے واسطے سے ہی ہوا ہے اور حدیث قدسی کے لیے یہ ضروری نہیں۔ کبھی حضور پر اس کا نزول حضرت جبریل کے واسطے سے ہوا ہے اور کبھی الہام و خواب وغیرہ دوسرے ذرائع وحی کے واسطے سے اور آپ کو اختیار ہوتا کہ آپ جن الفاظ سے چاہیں۔ اس کو تعبیر دیں۔
- ۶۔ احادیث قدسیہ کی روایت بالسنی جائز ہے جبکہ قرآن کی روایت بالسنی جائز نہیں بلکہ اصل الفاظ پڑھنے ضروری ہیں (۷۳۵)۔

احادیث قدسیہ کی تعداد

احادیث قدسیہ کی تعداد تمام احادیث نبویہ کے مقابلے میں بہت کم ہے، بعض حضرات نے

۸۶۳ جمع کی ہیں اور ساتھ ہی یہ تصریح ہے کہ مزید تلاش کی جائے تو اس تعداد میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

اہم مصنفات فن

- ۱۔ ابو القاسم علی بن بلہان المقدسی (م ۶۸۳ھ)، المقاصد السنۃ فی الاحادیث الالھیہ۔ اس میں سو احادیث جمع کی گئی ہیں اور تحقیق سے شارح ہوئی ہیں (۷۳۶)۔
 - ۲۔ عبدالرؤف منادی (م ۱۰۳۱ھ)، الاتحافات السنیۃ بالاحادیث القدسیہ، اس میں دوسو بہتر احادیث جمع کی گئی ہیں (۷۳۷)۔
 - ۳۔ محمد فی الاتحافات السنیۃ فی الاحادیث القدسیہ۔ اس میں آٹھ سو چودہ احادیث جمع کی گئی ہیں (۷۳۸)۔
 - ۴۔ ”الاحادیث القدسیہ“ مرتب کردہ و شارح کردہ ”المجلس الاعلیٰ للشؤون الاسلامیہ“ چار سو احادیث پر مشتمل ہے۔ اور ان کی تشریح بھی شامل ہے۔ اس کتاب میں مؤطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں سے احادیث کو جمع کیا گیا ہے (۷۳۹)۔
 - ۵۔ ”الاحادیث القدسیہ ومنزلتها فی التشريع“، شعبان محمد اسماعیل (۷۵۰)۔
 - ۶۔ شیخ عصام الدین، الفہام علی نے صحیح الاحادیث القدسیہ کے نام سے کتاب لکھی۔ اس میں ۵۴۳ احادیث جمع کیں (۷۵۱)۔
 - ۷۔ مقدس باتیں: یہ دراصل پہلے بیان کردہ الاحادیث القدسیہ (چار سو احادیث) کا اردو میں ترجمہ ہے جسے ڈاکٹر حبیب اللہ مختار نے ترتیب دیا ہے۔ مصنف نے ۳۱ مختلف عنوانات کے تحت ترجمہ و تشریح پیش کی۔ اس کے لکھنے کی وجہ خود لکھتے ہیں۔ ایک روز عمر کے بعد محترم جناب حاجی علی صاحب پاکو والے دارالتصنیف تشریف لائے۔ ان کے ہاتھ میں کتاب کا نسخہ تھا۔ فرمانے لگے اس کا ترجمہ کر دیں تو بہت اچھا ہوگا۔ ان کے اصرار کو دیکھتے ہوئے حامی بھری (۷۵۲)۔
- مصنف نے مقدمہ میں حدیث قدسی کے معنی، حدیث قدسی اور قرآن کریم میں فرق، حدیث قدسی اور عالم حدیث میں فرق کو واضح کیا ہے۔ اس کے بعد اس کتاب میں اصل مؤلفین نے جو طریقہ اختیار کیا اس کی وضاحت کی ہے۔ تمام کتب کے نام لکھے ہیں جن سے احادیث لی گئیں پھر لکھا ہے کہ ان

احادیث کی تشریح قسطلانی شرح بخاری اور علامہ نووی کی شرح مسلم کی روشنی میں کی گئی ہے (۷۵۳)۔ بعض جگہ پر قسطلانی کے پوری کی پوری عبارت لی ہے، بعض جگہ عبارت خلاصہ اور بعض جگہ مختلف مقامات کا خلاصہ لیا ہے۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انسان مجھے جھٹلاتا ہے۔۔۔ الخ“ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں: اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کے منکر ہیں (۷۵۴)۔ مثلاً ”اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو جبرئیل اعلان کرتے ہیں۔ الخ“ اس حدیث کی شرح امام نووی سے یوں بیان کی گئی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا بندے سے محبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے خیر و بھلائی کا ارادہ فرمائیں۔ اور اس کو ہدایت دیں اور اس پر انعام فرمائیں اور رحم کریں اور بغض کرنے کا مطلب ہے سزا دینا اور اس کی نحوست و بدبختی کا قصد ہے (۷۵۵)۔

۸۔ احادیث قدسیہ: ڈاکٹر عز الدین ابراہیم، ترجمہ اردو مولانا محمود احمد غففر، اس میں چالیس احادیث ہیں اور یہ کتاب اٹھاسی صفحات پر مشتمل ہے (۷۵۶)۔

ڈاکٹر عز الدین ابراہیم ۱۹۲۸ء میں قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم وہاں حاصل کی پھر پی ایچ ڈی لندن میں کی۔ ۱۹۶۷ء سے سعودی عرب کے دار الخلافہ ریاض میں استاد رہے۔ بیس نصابی کتب کے مؤلف ہیں۔ اس وقت متحدہ عرب امارات میں کلچرل ایڈوائزر کے عہدے پر فائز ہیں (۷۵۷)۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ چونتیس کی صحت پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے جبکہ باقی چوبیس دیگر کتب صحاح سے لی گئی ہیں۔

پہلی حدیث یہ ہے: لما قضی اللہ الخلق کتب فی کتابہ علی نفسہ فہو موضوع عنہ ان رحمۃ تغلب غضبی۔ بخاری، نسائی، ابن ماجہ (۷۵۸)۔ آخری چالیسویں حدیث یہ ہے: جنت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے سوال کرے گا کہ کیا تم راضی ہو تو وہ خوشی کا اظہار کریں گے پھر اللہ فرمائے گا: الا اعطیکم افضل من ذلك فیقولون یا رب واتی شیء افضل من ذلك فیقول احلّ علیکم رضوانی فلا اسخط علیکم بعدہ وابدأ۔ بخاری، مسلم، ترمذی (۷۵۹)۔

۱۰۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ ڈاکٹر عبدالودود نے کیا جو Forty Hadith Qudsi کے نام سے شائع ہوا (۷۶۰)۔

۱۱۔ احمد سعید دہلوی، الہدایہ السنیہ فی الاحادیث القدسیہ، احادیث قدسیہ اللہ کی باتیں (۷۶۱)۔
اس کتاب میں چار کتابوں کا اردو ترجمہ کیا گیا ہے جس میں اسیالیس عنوانات ہیں۔ جن میں سے چونتیس عنوانات کے متعلق احادیث جمع کی گئی ہیں۔ اس کتاب میں کل چار سو بائیس احادیث قوی ہیں (۷۶۲)۔

الاجزاء

تعریف

جزء کی جمع اجزاء ہے اور اس سے مراد وہ کتابچہ ہے جس میں کسی ایک راوی کی احادیث جمع کر دی گئی ہوں، یا کسی خاص حدیث کی اسانید پر بحث کی گئی ہو، یا کسی خاص موضوع سے متعلق احادیث جمع کی گئی ہوں (۷۶۳)۔

چند حضرات جنہوں نے اجزاء تحریر کیے لیکن دستیاب نہیں ہیں۔ ان کے صرف حالات زندگی اور دیگر کے ساتھ تعارف کتب بھی پیش خدمت ہے۔

۱۔ ابو عاصم ضحاک بن مخلد (النمیل) شیبانی بصری (م ۲۱۲ھ)

آپ بصرہ کے رہنے والے نامور حافظ حدیث ہیں۔ زیر کی اور عقل مندی کی وجہ سے ان کا لقب ”نمیل“ پڑ گیا۔ آپ نے جعفر بن محمد، یزید بن ابی عبید، سلیمان تمیمی، ابن جریج، بہز بن حکیم اور دوسرے کبار محدثین سے علم حدیث حاصل کیا۔ ان سے امام احمد، بندار، دارمی، امام بخاری، حارث بن ابی اسامہ، ابو مسلم کجی اور دوسرے لوگوں نے استفادہ کیا ہے۔ موصوف ہمیشہ اپنی زبانی یادداشت سے درس حدیث دیا کرتے تھے۔ عمر بن شبہ کہتے ہیں، میں نے ان جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ امام بخاری اور دوسرے محدثین فرماتے ہیں ہم نے ان سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے ”جب سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ فہیت ایک ضرر رساں چیز ہے میں نے کسی کی غیبت نہیں کی“۔ ”ابو عاصم کو صحیح قسم کی تقریباً ایک ہزار احادیث ازبر یاد تھیں“۔

ابن سعد فرماتے ہیں: ”آپ ثقہ اور فقیہ تھے“۔ آپ نے بصرہ میں ۱۳ ذی الحجہ ۲۱۲ھ میں انتقال کیا۔ امام ذہبی لکھتے ہیں۔ آپ نے نوے سال سے کچھ ماہ زیادہ عمر پائی (۷۶۳)۔

۲۔ محمد بن عبد اللہ انصاری (م ۲۱۵ھ)

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ یہ خادم رسول اللہ ﷺ حضرت انسؓ کی اولاد میں سے ہیں اور بلند پایہ محدث ہیں۔ بصرہ کے شیخ اور وہاں کے قاضی ہیں۔ انہوں نے سلیمان تمیمی، حمید، ابن عون،

جریری، ابن جریج، ابن ابی عروبہ اور دوسرے بہت سے لوگوں سے حدیث کا سماع کیا اور ان سے امام بخاری، احمد، بندار، اسماعیل سمویہ، ابو حاتم، اسماعیل قاضی (ان کے آخری شاگرد) ابو مسلم کجی اور دوسرے بہت سے لوگ روایت کرتے ہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں: ”میں نے کامل امام تین ہی دیکھے ہیں۔ امام احمد، امام انصاری اور سلیمان بن داؤد ہاشمی۔

ابن قتیبہ کہتے ہیں: ”ہارون الرشید نے ان کو بغداد کے مشرقی حصہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ ہارون کا بیٹا امین خلیفہ بنا تو اس نے ان کو معزول کر دیا۔“ امام محمد انصاری کا اپنا بیان ہے: ”کہ میرا سال پیدائش ۱۱۸ھ ہے اور میں کبھی ہادشاہ کے دربار میں خوش دلی سے حاضر نہیں ہوا۔“ ابن سعد کہتے ہیں: ”ان کا رجب ۲۱۵ھ میں انتقال ہوا“ (۷۶۵)۔

۳۔ احمد بن فرات رازی (م ۲۵۸ھ)

آپ کی کنیت ابو مسعود ہے۔ شہر ”رے“ کے رہنے والے بلند پایہ حافظ حدیث، اصغہان کے محدث اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ انہوں نے عبد اللہ بن نمیر، ابو اسامہ، یزید بن ہارون، ابن ابی فدیہ اور عبد الرزاق سے حدیث کا سماع کیا۔ اور اساتذہ فن سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے دور دراز ممالک کے سفر کیے اور ان سے ابو داؤد، ابن ابی عاصم، فریابی، عبد الرحمن بن یحییٰ بن مندہ، عبد اللہ بن جعفر بن فارس اور دوسرے لوگوں نے حدیث بیان کی ہے۔

ابراہیم بن محمد طہان کہتے ہیں ”ابو مسعود کا اپنا بیان ہے کہ میں نے بارہ سال کی عمر میں حدیث لکھنا شروع کی تھی اور ۱۸ سال کی عمر میں میرے حفظ و ضبط کا چرچا دور و نزدیک پھیل چکا تھا۔“ نیز وہ فرماتے تھے کہ میں نے ایک ہزار سات سو اساتذہ سے ۵ لاکھ احادیث لکھی ہیں۔ ان میں سے پانچ لاکھ میں نے اپنی تصانیف میں درج کی ہیں۔“

امام احمد فرماتے ہیں: ”میرے خیال میں مسند احادیث کو ابن فرات سے زیادہ جاننے والا کوئی آدمی ہاتھی نہیں رہا۔“ ابو عروبہ حرانی کہتے ہیں: ”یہ حفظ میں ابو بکر بن ابوشیبہ اور یحییٰ بن احمد بن سلیمان رہاوی کے برابر ہیں۔“ ابن عدی کہتے ہیں: ”میرے علم میں ان کی ایک روایت بھی منکر نہیں ہے۔ راست گو اور حافظ حدیث ہیں۔“ اثرم کہتے ہیں: ”میں نے احمد بن حنبل سے سنا ہے فرماتے تھے:

نیلگوں آسمان کے نیچے آنحضرت کی احادیث کو ابو مسعود رازی سے زیادہ یاد رکھنے والا کوئی نہیں۔ آپ نے شعبان سنہ ۲۵۸ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا (۷۶۱)۔

۴۔ حماد بن سلمہ دینار بصری (م ۱۶۷ھ)

آپ کی کنیت ابو سلمہ ہے۔ آپ بصرہ کے رہنے والے مشہور حافظ حدیث ہیں۔ حدیث میں کمال کے ساتھ ساتھ علم نحو میں بھی ماہر تھے۔ اپنے ماموں حمید طویل، ابن ابی ملیکہ، ابو حمزہ ضہبی، محمد بن زیاد جمحی، انس بن سیرین، اباعمران جوئی، قتادہ، سماک بن حرب، ثابت بنانی اور بہت سے دوسرے لوگوں سے علم حدیث حاصل کیا۔ اور ان سے عبداللہ بن مبارک، یحییٰ قطان، ابن مہدی، عفان، عبدالاعلیٰ بن حماد، شیبان بن فروخ اور ان کے علاوہ بہت سے لوگ مستفیض ہوئے۔

وہیب کہتے ہیں: ”حماد بن سلمہ ہمارے استاد اور ہم سے زیادہ علم رکھنے والے تھے۔“ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: ”حماد بن سلمہ، ثابت بنانی کی احادیث سب لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں اور اپنے ماموں حمید طویل سے روایت کرنے میں بہت پختہ ہیں۔“ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: ”حماد علی بن زید کے متعلق دوسروں سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔“ ابن مدینی فرماتے ہیں: ”تہا یحییٰ بن ضریس کے پاس حماد بن سلمہ کی دس ہزار احادیث تھیں۔“

شہاب بن معمر کہتے ہیں: ”حماد بن سلمہ ابدال میں شمار ہوتے تھے۔“ امام ذہبی لکھتے ہیں: آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ کے ساتھ علم حدیث میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ آپ عربی میں کامل، فقہ میں ماہر، عمل میں قبیح سنت اور خطابت میں فصیح البیان تھے۔ ذہبی لکھتے ہیں ”مجھے ان کی بہت سی عالی السند احادیث ملی ہیں۔“ امام عبدالرحمان بن مہدی کہتے ہیں۔ حماد بن سلمہ کے عمل کی یہ حالت تھی کہ اگر ان سے کہا جاتا کہ آپ کل مرجائیں گے تو بھی اپنے عمل میں پہلے سے قطعاً اضافہ نہ کر سکتے تھے۔

عفان کہتے ہیں: ”میں نے حماد بن سلمہ سے زیادہ عبادت کرنے والے لوگ تو دیکھے ہیں لیکن نیکی کے کام، تلاوت قرآن اور اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرنے میں ان سے زیادہ مداومت کرنے والا نہیں دیکھا۔“ یونس مؤدب کہتے ہیں: ”حماد بن سلمہ کا نماز کی حالت میں انتقال ہوا۔“

اسحاق بن طبار کہتے ہیں: ”میں نے حماد بن سلمہ سے سنا ہے فرماتے تھے“ جو شخص علم حدیث غیر اللہ کے لیے پڑھے گا وہ اللہ تعالیٰ کی سزا سے نہیں بچ سکے گا۔ نیز فرمایا: ”ابھی میری نیت حدیث پڑھانے کی نہیں تھی لیکن امام ابویوب نے مجھے خواب میں ہدایت کی کہ حدیث پڑھانا شروع کر دو“۔
 عمرو بن عاصم کہتے ہیں ”میں نے حماد بن سلمہ سے دس ہزار سے کچھ زیادہ احادیث لکھیں۔“
 کہتے ہیں حماد بن سلمہ نے ستر عورتوں سے شادی کی لیکن اولاد پھر بھی نہیں ہوئی۔ ابو داؤد کہتے ہیں: حماد بن سلمہ کے پاس قیس بن سعد کی کتاب کے سوا کوئی کتاب نہیں تھی۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں: جب کسی کو حماد بن سلمہ کی شان میں گستاخی کرتے دیکھو تو سمجھو اس کے اسلام میں شبہ ہے۔ انہوں نے تقریباً ۸۰ سال عمر پا کر ۱۶ھ میں بقرعید کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ (۷۶۷)۔

تعارف کتاب ومؤلف

کتاب الزہد

تعارف مصنف الامام وکیع بن الجراح (م ۱۹۷ھ)

آپ کی کنیت ابوسفیان اور نام وکیع بن الجراح ہے۔ کوفہ کے رہنے والے ممتاز حافظ حدیث اور چوٹی کے اماموں میں سے ایک امام ہیں۔ پختہ کار عالم اور عراق کے محدث ہیں۔ رواس حس کی طرف منسوب ہیں۔ قیس عیلان کا ایک ذیلی قبیلہ ہے۔ ۱۲۹ھ میں پیدا ہوئے۔

ہشام بن عروہ، جعفر بن بزمان، اسماعیل بن خالد، ابن عون، ابن جریج، سفیان، اوذاعی اور دوسرے بہت سے لوگوں سے حدیث کا سماع کیا۔ پہلے طبقہ سے تعلق رکھنے کے باوجود عبد اللہ بن مبارک بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ امام احمد بن حنبل، ابن مدینی، یحییٰ بن معین، ابوشیبہ کے دونوں بیٹے، عبد اللہ بن ہاشم، ابراہیم بن عبد اللہ قصار اور دوسرے بہت سے لوگوں نے بھی ان سے کسب فیض کیا۔ ان کے والد وزیر مال تھے۔ خلیفہ ہارون رشید نے وکیع کو بھی کوفہ کی قضا پر مقرر کرنا چاہا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔

یحییٰ بن یمان کہتے ہیں ”جب امام سفیان ثوری کا انتقال ہوا تو وکیع ان کی جگہ مسند نشین ہوئے“۔ یعنی کہتے ہیں: ”ہم حماد بن یزید کے پاس بیٹھے تھے۔ وکیع نکلے تو لوگ کہنے لگے یہ سفیان کے

راوی اور ان کے جانشین ہیں اس پر حاد بولے مگر چاہو تو کہہ سکتے ہو ان کو سفیان پر ترجیح ہے۔“
 یحییٰ بن ایوب مقابری کہتے ہیں: ”دکبج کو اپنی والدہ سے ایک لاکھ درہم درس میں ملے تھے۔“ امام مسلم بن جناہ کہتے ہیں: ”میں امام دکبج کی صحبت میں سات سال رہا ہوں۔ میں نے ان کو مجلس درس میں تھوکتے، کنکروں کو چھوٹے یا ادھر ادھر حرکت کرتے کبھی نہیں دیکھا۔ ہمیشہ قبلہ رخ ہو کر بیٹھے تھے۔ میں نے ان کو اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے ہوئے بھی کبھی نہیں دیکھا۔“

ابن عمار کہتے ہیں: ”دکبج کے زمانے میں کوفہ میں ان سے زیادہ علم حدیث جاننے والا کوئی نہیں تھا۔“ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: ”میری آنکھوں نے دیکھی جیسا آدمی کوئی نہیں دیکھا۔ حدیث کے بلند پایہ حافظ تھے۔ بہترین انداز سے فقہ حدیث میں مذاکرہ ان کا مشغلہ تھا۔ پرہیزگاری کے ساتھ ساتھ علم حدیث میں بڑے سرگرم تھے اور کسی کی غیبت ہرگز نہیں کرتے تھے۔“ ابو ہشام اور دوسرے محدثین دکبج سے روایت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں جو شخص قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: ”میں نے ان کے حالات اپنی کتاب تاریخ اسلام میں ذکر کیے ہیں اور وہ تاریخ دمشق میں اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔“ امام دکبج نے حج بیت اللہ سے واپسی پر نجد میں بروز عاشورا ۱۹۷ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا“ (۷۶۸)۔

تعارف کتاب

اصل کتاب (مخطوط) ۳۳ اوراق پر مشتمل تھا۔ اس کی تحقیق و تخریج ڈاکٹر عبدالرحمن عبدالجبار فریوای نے کی ہے۔ انہوں نے مؤلف اور کتاب کی تحقیق میں ۲۱۲ صفحات لکھے ہیں۔ مصنف نے زہد کے متعلق احادیث و آثار کو جمع کیا ہے۔ اس کا پہلا باب ”باب موعظة النبیؐ فی الزہد“ ہے۔ اس باب کے تحت سند کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے کہ ”قال رسول اللہؐ لرجل اغتسم خمسا قبل خمس حیاتک قبل موتک وصحتک قبل سقمک، وفراغک قبل شغلك، وشبابک قبل هرمک، وغناک قبل فقرک“ (۷۶۹) (رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نصیحت کی کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جاہیے زندگی کو موت سے، صحت کو بیماری سے فراغت کو مشغول ہونے سے، جوانی کو بوڑھاپے سے، آسودگی کو فقیری سے)۔ اس طرح انہوں نے

۷۳ ابواب کے تحت ۲۰۰ مرفوع احادیث، ۱۹۳ موقوف احادیث، ۱۳۴ مقطوع احادیث اور ۱۴ اسراہیلیات کو جمع کیا (۷۷۰)۔ فاضل محقق نے احادیث کی تحقیق کی ہے۔ ان کے مطابق ۱۴ اسراہیلیات کے علاوہ ۲۲ صحیح، ۱۰۰ احسن اور ۱۸۸ ضعیف حدیث ہیں۔ کتاب کے آخر میں امام وکیع نے اپنے استاد سے نقل کیا ہے: کنا نستعين على طلب الحديث بالصوم (۷۷۱) (ہم طلب حدیث پر روزہ رکھ کر مدد حاصل کرتے)۔

آخری باب میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ ان الکافر ياكل في سبعة أعماء والمؤمن ياكل في معى واحدة (۷۷۲) (کافر سات انتڑیوں میں کھاتا ہے جبکہ مؤمن ایک انتڑی میں کھاتا ہے)۔

کتاب جامع التحصيل فی احکام المراسل

تعارف مصنف

نام خلیل بن کیرکلدی العلانی، کنیت ابوسعید اور لقب حافظ صلاح الدین ہے۔ ربیع الاول ۶۹۴ھ کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے حدیث کی تعلیم حافظ ابوالحجاج مزی، حافظ ذہبی جیسے نامور محدثین سے حاصل کی اور دوسرے علوم و فنون بھی مختلف شہروں کے اساتذہ سے حاصل کیے۔ انہوں نے تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ درس و تدریس بھی جاری رکھی۔ چنانچہ المدرسة الصلاحية بالقدس، دار الحديث الحمصية بصریہ، اسدیہ اور دار الحديث السهلية وغیرہ میں پڑھاتے رہے۔ ان کے بے شمار تلامذہ ہیں۔ ان میں سے چند نامور درج ذیل ہیں:

۱۔ حافظ ابن کثیر۔ ۲۔ عبد الوہاب السبکی

۳۔ ابراہیم بن جملة ۴۔ ابن ملقن

ان کی تصانیف کی تعداد ۵۲۰ بتائی جاتی ہے جو کہ مختلف علوم پر ہے۔ انہوں نے ۳ محرم ۷۶۱ھ کو وفات پائی اور القدس میں باب الرحمة قبرستان میں دفن کیا گیا (۷۷۳)۔

تعارف کتاب

یہ کتاب مصطلح الحدیث کے ایک موضوع ”حدیث مرسل“ پر لکھی گئی ہے۔ مصنف لکھتے ہیں:

”كان الارسال في الحديث علة يترك بها ويتوقف على الاحتجاج به بسببها لما في ابهام المروى عنه من الغرر و الاحتجاج المبني على الخطر وقد اختلف العلماء قديما وحديثا فيه وكثرت اقوالهم وتباينت آراؤهم وتعارضت افعالهم فاستخرت الله تعالى وعلقت هذا الكتاب لبيان ذلك وايضاح ما هو الى الصواب أقوم المسالك جامعافيه بين طريقة اهل الحديث والامة الاصول (۷۷۴) (مرسل، تابعی کا قال رسول اللہ کہنا، حدیث میں علت سمجھی جاتی تھی۔ اس علت کی وجہ سے اس حدیث کو ترک کیا جاتا تھا۔ اسے دلیل بنانے سے اسی علت اور وجہ کی بنا پر توقف کیا جاتا تھا۔ اور اسے دلیل بنا بھی لیں تو بھی خطرہ تھا کہ کہیں یہ حدیث رسول نہ ہو، اور اس میں جدید و قدیم ہر دور کے علماء کے درمیان اختلاف رہا ہے۔ اس میں بہت سے اقوال پائے جاتے ہیں اور ان کی آراء مختلف ہو گئیں ان کے افعال میں بھی تعارض ہو گیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا۔ اور یہ کتاب اسی کی وضاحت میں تصنیف کی ہے اور جو بات درست اور حق ہے اس کی توضیح کرنے کے لیے اہل حدیث اور ائمہ اصول کے طریقے کو جمع کیا ہے)۔ مصنف نے اس کتاب کو چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے:

- ۱۔ حدیث مرسل کی تحقیق اور اس کی تعریف۔
 - ۲۔ حدیث مرسل میں علماء کے اختلاف۔
 - ۳۔ ہر ایک کے مؤقف کی دلیل اور ان میں سے رائج۔
 - ۴۔ ان اقوال کے ذیلی احکام و فوائد۔
 - ۵۔ درمیان سند میں مراسیل خفی کا بیان۔
 - ۶۔ ان راویوں کی فہرست جن کی روایات پر مرسل کا حکم لگا ہو۔
- انہوں نے چھٹے باب میں ۱۳۰۹ راویوں کی فہرست دی ہے جن پر کسی نہ کسی طرح مرسل کا حکم

لگا ہو (۷۷۵)۔

کتاب جز رفع الیدین فی الصلوٰۃ

تعارف کتاب

یہ کتاب امام بخاریؒ کی تصنیف ہے۔ حضرت امام بخاری نے اس میں وہ تمام قابل اعتماد روایات جمع کر دی ہیں جن میں رکوع کو جاتے اور اٹھتے وقت رفع الیدین ثابت ہے اور امام بخاریؒ نے رفع الیدین کے اعتراضات پر ٹھوس جوابات دیئے ہیں اور رفع الیدین کے متعلق سلف کے اقوال اور اعمال جمع کیے ہیں۔ یہ کتاب بہت اہمیت کی حامل تھی۔ عرصہ دراز سے اس پر تخریج کا کام نہیں ہوا تھا۔ شاہ بدیع الدین راشدیؒ نے اس کی تخریج کی ہے جو کہ جلاء العینین کے نام سے مشہور ہے۔ شاہ صاحب نے ان احادیث و اقوال کی بہترین طریقہ سے تخریج کی ہے اور اقوال و احادیث کی مناسب وضاحت بھی کر دی ہے۔ اور اس موضوع پر جو کتابیں لکھی جا چکی تھیں شاہ صاحب نے ان کا تعارف کروایا ہے۔ اس کتاب میں امام بخاریؒ نے ایک عظیم دعویٰ کیا ہے کہ کسی صحابی سے ترک رفع الیدین ثابت نہیں ہوا (۷۷۶)۔ اس بات پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے کہ سب صحابہ کے متعلق پوری معلومات حاصل کی جائیں۔ یہ بہت اہم کام ہے۔

محدثین اور نقاد جانتے ہیں کہ یہ بات امام بخاری جیسے امام نے کہی ہے۔ اور محدثین کی بڑی تعداد کا ذکر کیا کہ ان میں سے کسی کا اس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے۔ امام بخاریؒ نے اہل ہوا کی علامات بیان کرتے ہوئے ان کی تردید کی ہے۔ نماز میں رفع الیدین کے ساتھ ساتھ نماز جنازہ کی تکبیرات اور وتر کا بھی بیان کر دیا گیا ہے (۷۷۷)۔

کتاب مکارم الاخلاق

تعارف و کتابت

ابن ابی الدنیا کی کتاب ہے جو کہ ایک بہت بڑے محدث گزرے ہیں انہوں نے کتاب بھی مکارم الاخلاق جمع کر دیے ہیں۔ جن کا تعلق انسان کے اخلاق سے ہے۔ اور اس کی شروع شروع والی احادیث میں تقویٰ اور مروءۃ ذکر کی گئی ہے جو کہ اخلاقیات کی کلید ہیں۔

مصنف نے مقدمہ لکھے بغیر حدیث سے کتاب کی ابتداء کی ہے پہلی حدیث یہ ہے ”حدثنا علی بن الجعد الجوهري بن خالد عن العلاء بن عبد الرحمن عن أبيه عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ كرم المرء دينه و مروته عقله وحسبه خلقه“ (۷۷۸)۔ اسی طرح انہوں نے اخلاق کے متعلق ۱۴۸۷ احادیث کو جمع کیا ہے۔ اس کتاب کی تحقیق محمد عبدالقادر احمد عطانی کی ہے۔ انہوں نے مختلف نسخوں کا تقابل، راویوں کے مختصر حالات اور احادیث کی تخریج کی ہے اور جن کتب حدیث میں یہ حدیث مذکور ہو اس کا صفحہ اور جلد کے ساتھ اختلاف الفاظ کی بھی نشاندہی کی ہے۔ اس کے ۳۰۸ صفحات ہیں۔ مؤلف اور محقق دونوں نے مقدمہ نہیں لکھا ہے۔

TRUEMASLAK@INBOX.COM

المصنف

تعریف

محدثین کی اصطلاح میں مصنف ایسی کتاب کو کہتے ہیں جو فقہی ابواب پر مرتب کی گئی ہو اور احادیث مرفوعہ و موقوفہ و مقطوعہ پر مشتمل ہو۔ یعنی اس میں حضور اکرم ﷺ کی احادیث اقوال صحابہؓ، تابعین کے فتاویٰ اور بعض اوقات تبع تابعین کے فتاویٰ بھی مذکور ہوں جن سے کوئی محدث اور فقیہ بے نیاز نہیں ہو سکتا (۷۷۹)۔

مصنف کے چند مشہور مؤلفین اور کتب پر تبصرہ:

۱۔ مصنف عبدالرزاق صنعانی (م ۲۱۱ھ)

تعارف مؤلف

آپ کی کنیت ابو بکر ہے۔ قبیلہ حمیر سے نسبت ولاء کی وجہ سے حمیری کہلاتے ہیں۔ صنعاء کے رہنے والے ممتاز حافظ حدیث اور متعدد کئی مفید کے مصنف ہیں۔ کسی قدر عبید اللہ بن عمر اور زیادہ تر ابن جریج، ثور بن یزید، معمر، اوزاعی، سفیان ثوری اور دوسرے بہت سے اساتذہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام احمد بن حنبل، اسحاق، ابن معین، ذہلی، احمد بن صالح، اسحاق بن ابراہیم، دبري اور دوسرے بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا۔ خود فرماتے ہیں میں نے معمر کے حلقہ درس میں سات سال گزارے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں: عبدالرزاق کو معمر کی حدیثیں یاد تھیں۔ بہت سے آئمہ فن نے ان کی توثیق کی ہے۔ ان کی احادیث صحاح ستہ کی سب احادیث میں مذکور ہیں۔ البتہ کچھ احادیث کے بیان کرنے میں یہ منفرد ہیں۔ ان کی تشیع پسندی کو محدثین نے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا حالانکہ یہ اس میں غلو سے کام نہیں لیتے تھے۔ صرف حضرت علیؓ سے محبت اور ان کے ساتھ لڑنے والوں سے بغض رکھتے تھے۔

امام ذہبی لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے علم کا خزانہ تھے لیکن حفظ حدیث میں کج اور عبدالرحمن بن مہدی کے مقام تک نہیں پہنچے۔ انہوں نے نصف شوال ۲۱۱ھ میں داعی کو لبیک کہا (۷۸۰)۔

تعارف کتاب

یہ آپ کی تالیفات میں سب سے زیادہ اہم اور مشہور تالیف ہے آپ نے اس کتاب کو فقہی ابواب کے مطابق مرتب کیا ہے۔ حاجی خلیفہ لکھتے ہیں: ”وہو اصغر من مصنف ابن ابی شیبہ وھو كذلك مرتب علی الكتب والابواب علی ترتیب الفقہ“ (۷۸۱) (یہ مصنف ابن ابی شیبہ سے چھوٹی ہے یہ بھی فقہی کتب والابواب پر مرتب ہے)۔

اس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ مصنف کے جو مجموعے موجود ہیں۔ ان میں مصنف ابن ابی شیبہ کے بعد سب سے زیادہ مشہور یہی ہے۔ اور قدامت کے لحاظ سے یہ اس پر بھی فوقیت رکھتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے حدیث کے مصادر کے تیسرے طبقہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اکثر روایات ثلاثی ہیں۔ مصنف عبدالرزاق قردن اولیٰ کی دینی، سیاسی، سماجی، اخلاقی، علمی اور اجتہادی کوششوں کی عکاس ہے۔ اس کتاب کی بالاستیعاب مطالعہ سے اس دور کے حالات و ظروف کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس دور کے قانونی اور شرعی فیصلے کیسے ہوتے تھے۔ جب علماء کے اقوال مختلف ہوتے تو ان میں تطبیق کس طرح پیدا کی جاتی تھی۔ عبدالرزاق صنعانی کا تعلق اس دور سے ہے۔ جب نصوص سے استنباط اور استخراج کی کدو کاوش علماء، فقہاء کے ہاں عام تھی۔ آپ نے ان حالات کے پیش نظر احادیث، آثار و فتاویٰ کو جمع کیا۔ اور فقہاء محدثین دونوں کے لیے ایک بیش قیمت سرمائے کا انتخاب کیا۔ امام عبدالرزاق کی مصنف میں جہاں آثار جمع ہیں۔ وہاں مشاہیر علماء اور قضاة کے اجتہادات بھی نمایاں ہیں۔

مصنف عبدالرزاق طبع ہو چکی ہے اور عام دستیاب ہے۔ اس کی کئی اشاعتیں ہو چکی ہیں۔ سب سے پہلے کتاب الطہارت ہے۔ جس کا پہلا باب غسل الذراعیں ہے۔ اس میں ایک عطا کا قول ہے۔ ایک انہی سے سوال کا جواب ہے۔ اور تیسری روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ کے وضو کرنے کا طریقہ ہے (۷۸۲)۔

دوسرا باب المسح بالرأس ہے۔ اس باب کی پہلی حدیث سند کے ساتھ اس طرح ہے۔
ان النبی ﷺ کان یسح رأسه مرة واحدة بکفیه، یقلیل بید یوید برہم علی رأسه مرة واحدة (۷۸۳)۔

اس مصنف کا آخری باب بر الوالدین ہے۔ اس کی آخری حدیث کا نمبر ۲۱۰۳ ہے جو اس طرح سے ہے۔ عن انس قال کان شعر النبی ﷺ الی انصاف اذنیہ (۷۸۳)۔

۲۔ ابو بکر بن ابی شیبہ کو فی (م ۲۳۵ھ)

تعارف مؤلف

آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن محمد ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے۔ ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان العنسی مولام الکوفی۔ آپ بنو عیس کی طرف نسبت ولاء کی وجہ سے عیسی کہلاتے ہیں۔ کوفہ کے رہنے والے بے مثال حافظ حدیث اور اس فن میں ماہر بے عدیل ہیں۔ مسند، مصنف اور دیگر بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔

آپ نے شریک قاضی، ابوالاحوص، ابن المبارک، ابن عیینہ، جریر بن عبد الحمید اور ان کے طبقہ سے حدیث کا سماع کیا۔ اور ان سے ابو زرعہ، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ابن ماجہ، ابو بکر بن حاتم، یحییٰ بن خالد، یحییٰ بن جعفر فریابی اور دوسرے بہت سے محدثین سے روایت کرتے ہیں۔

عجلی کہتے ہیں: ثقہ اور حافظ ہیں۔ فلاس کہتے ہیں: میں نے ابو بکر سے زیادہ حافظ کوئی شخص نہیں دیکھا۔ ابو زرعہ کہتے ہیں: ابو عبیدہ فرمایا کرتے تھے۔ علم حدیث چار آدمیوں کے پاس ہے۔ ان میں ابو بکر اس کو زیادہ روانی کے ساتھ بیان کرتے ہیں احمد اس میں زیادہ فقیہ ہیں۔ ابن معین اس کو زیادہ جمع کرنے والے اور علی بن مدینی اس کو زیادہ جاننے والے ہیں۔

صالح بن محمد کہتے ہیں: ”جن لوگوں سے مجھے تحصیل علم کا اتفاق ہوا ہے۔ ان میں حدیث اور علل حدیث کو علی بن مدینی سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور ان سب میں مذکرہ کے وقت ابو بکر بن ابی شیبہ کی یادداشت قابلِ داد تھی۔“

ابو عبیدہ کہتے ہیں: ”کتاب تصنیف کرتے وقت ابو بکر بن ابی شیبہ کی ترتیب سب سے اچھی ہوتی ہے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں مجھے ان کی متعدد عالی احادیث حاصل ہوتی ہیں۔ ان میں سے حضرت اسامہ کی ایک یہ حدیث ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ عرفہ سے واپسی کے وقت آنحضرت کس طرح چلتے تھے۔ فرمایا: آپ تیز چلتے تھے اور جب کھلا میدان آ جاتا تو اونٹنی کو دوڑا دیتے تھے۔ ہشام کہتے ہیں

معنی تیز چلنے اور نص دوڑنے کو کہتے ہیں۔ امام مسلم نے یہ حدیث اپنی صحیح میں ابو بکر سے بطریق موافقت ذکر کی ہیں۔

امام بخاری فرماتے ہیں: ”آپ نے محرم ۲۳۵ھ کو جان جان آفرین کے سپرد کر دی“ (۷۸۵)۔

تعارف کتاب

مصنف میں سب سے بڑی کتاب ہے جو کہ فقہی ترتیب پر قریب ہے۔ حاجی خلیفہ لکھتے ہیں: وہو کتاب کبیر جدا جمع فیہ فتاویٰ التابعین واقوال الصحابہ واحادیث الرسول علی طریقۃ المحدثین باسانیدھا مرتبا علی الكتب والابواب علی ترتیب الفقہ (یہ بہت بڑی کتاب اس میں مصنف نے رسول اللہ کے احادیث اقوال صحابہؓ اور تابعین کے فتوؤں کو سند کے ساتھ کتاب اور ابواب فقہی ترتیب پر مرتب کیا ہو) (۷۸۶)۔ اس کتاب کی تحقیق استاد سعید اللحام نے کی ہے۔ انہوں نے اس کی درج ذیل خصوصیات لکھی ہیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی بعض خصوصیات

- ۱۔ مؤلف ایک موضوع کے متعلق احادیث واقوال اور آثار ایک جگہ پر جمع کر دیتے ہیں۔
- ۲۔ بعض اوقات حدیث کو ”حدیثنا“ کے بغیر بیان کرتے ہیں۔
- ۳۔ مصنف میں مرسل، منقطع، معطل اور معلل روایات بھی ہیں۔ اور ان پر کسی قسم کی جرح و تعدیل نہیں ہے۔
- ۴۔ مؤلف کے زمانے کے اندر کئی فقہی نظریات تھے۔ انہوں نے اپنی مصنف میں مختلف اقوال کو امانت کے ساتھ اد کر دیا۔
- ۵۔ وہ محدثین کے مذہب کو نص لقل کرنے کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں۔ اور اس میں کسی قسم کی اپنی طرف سے مداخلت نہیں کرتے۔ اس میں بعض الفاظ، لہجے اور اصطلاحات اس طرح بیان کی گئی ہیں جس طرح ان شہروں کے راویوں نے بیان کیں۔ اس میں کئی الفاظ فارسی اور سندھی سے عربی بنا کر لیے گئے ہیں۔ بعض اوقات ان کے معنی بھی

لکھ دیتے ہیں۔

۶۔ بعض اوقات وہ جمع تابعین سے بھی بیان کرتے ہیں۔

۷۔ بعض مقامات پر نص میں نقل الفاظ آگئے ہیں۔

۸۔ مصنف نے بعض ابواب میں ان مسائل کا ذکر کیا ہے جن کے حل کی ضرورت تھی۔

۹۔ حدیث میں جو اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں۔ مصنف نے ان پر اعتماد کیا ہے جیسے حدیث،

اخبرنا وغیرہ (۷۸۷)۔

محقق نے اس کتاب کے عنوان اور ابواب بنائے۔ ہر باب کی حدیثوں کے نمبر بھی لگائے ہیں۔ یہ کتاب آٹھ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ پہلی جلد کا پہلا باب ”کتاب الطہارات“ ہے اور آخری جلد کا آخری باب ”کتاب الجمل“ ہے (۷۸۸)۔

کتاب الطہارۃ کا پہلا باب ما یقول رجل اذا دخل الخلاء ہے اور اس کی پہلی حدیث سند کے بعد عن انس ابن مالک قال کان النبی ﷺ اذا دخل الخلاء قال اعوذ باللہ من الخبث والخبائث (۷۸۹)۔ اس کتاب کے آخری باب میں مرفوع حدیث یہ ہے: عن النبی ﷺ قال یتبہ قوم من قبل المشرق محلقة رؤسہم (۷۹۰)۔

المختصرات (تلخیص و تجرید)

اختصار کی تعریف

الایجاز فی القول ایجازا شديدا وحذف الزيادات منه (۷۹۱) (بات کو بہت مختصر کرنا اور جو زائد بات ہو اس کو حذف کرنا)۔

تلخیص سے مراد کسی کتاب کو مختصر کرنا ہے۔ تجرید کا مفہوم کسی مجموعہ احادیث کی اسانید اور مکڑ روایات کو حذف کرنا ہے۔ اس موضوع پر کئی لوگوں نے کتب تصنیف کی ہیں۔ یہاں صرف صحیح بخاری کی دو تلخیصات پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔

مختصر صحیح البخاری (جمع النہایۃ فی بدۃ الخیر وغایۃ)

امام بخاری کی کتاب الجامع الصحیح جو کہ صحیح بخاری کے نام سے معروف ہے۔ کئی علماء نے اس کتاب کی مکرر احادیث کو حذف کر کے یا کسی اور پہلو کی بنا پر اختصار کیا ہے۔ انہی میں سے ایک ابن ابی جمرہ الازدی ہے۔ جنہوں نے صحیح بخاری کا اختصار بنام ”جمع النہایۃ فی بدۃ الخیر وغایۃ“ کیا ہے۔ ان کا پورا نام ابو محمد عبداللہ بن سعد بن سعید بن ابی جمرہ الازدی الاندلسی ہے۔ ان کی ولادت و حالات زندگی کے بارے میں بہت ہی کم لکھا گیا ہے لہذا ان کی ولادت اور منسل حالات زندگی معلوم نہیں ہو سکے۔ البتہ ان کی تاریخ وفات ۶۹۵ھ یا ۶۹۹ھ ہے (۷۹۲)۔

انہوں نے بخاری کے ۲۹۶ جامع احادیث کو اپنی مختصر میں درج کیا ہے جن میں روزمرہ پیش آنے والے مسائل اور دیگر معاملات ہیں۔ انہوں نے اس مختصر صحیح بخاری کو زبانی یاد کرنے کے لیے تیار کیا تھا۔ اس لیے راوی حدیث کے علاوہ باقی سلسلہ سند کو حذف کر دیا ہے مؤلف مقدمہ میں لکھتے ہیں: ”أختصر أسانیدها ما عدا راوی الحديث فلا بد منه فيسهل حفظها“ (۷۹۳) اس کتاب میں انہوں نے صحیح بخاری کی حدیث ”اول ما بدء به رسول اللہ من الوحی“ سے کتاب کی ابتداء کی ہے۔ یہ لمبی حدیث حضرت عائشہ سے مروی ہے (۷۹۳)۔

حدیث نمبر ۸ یہ لکھی ہے: عن ابی مسعود عن النبی ﷺ قال اذا انفق الرجل علی اہله یحتسبها فیہی لہ صدقۃ (۷۹۵)۔ حدیث نمبر ۲۸۷ یہ ہے: عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ اذا انزل اللہ بقوم عذابا اصاب العذاب من کان فیہ ثم بعثوا علی حسب اعمالہم (۷۹۶)۔ اور آخری حدیث حضرت ابو سعید خدریؓ کی ہے ”ان اللہ سبحانہ و تعالیٰ یقول لأهل الجنة: یا أهل الجنة، فیقولون: لبیک ربنا وسعیدک والخیر کلہ فی یدیک، فیقول: هل رضیتم؟ فیقولون: وما لنا لا نرضی یا ربنا وقد أعطیتنا ما لم نعط احداً من خلقک، فیقول: ألا أعطیکم افضل من ذلك؟ فیقول أحل علیکم رضوانی فلا أسخط علیکم بعدہ أبداً (۷۹۷)۔ اس کتاب کی شرح علامہ الشرنوبی (م ۱۳۳۸ھ) نے لکھی ہے جو کہ اس کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

مختصر صحیح البخاری

تعارف مصنف

آپ کا نام محمد ناصر الدین اور کنیت ابو عبد الرحمن ہے۔ ۱۹۱۳ء کو البانیہ کے علاقہ اشتورہ میں پیدا ہوئے (۷۹۸)۔ آپ اپنے آبائی وطن البانیہ سے ملک شام تشریف لائے تھے اس لیے ”البانی“ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ علامہ البانی نے ابتدائی تعلیم ”مدرستہ الاسعاف الخیریہ“ دمشق سے حاصل کی (۷۹۹)۔ آپ نے تقریباً بیس سال کی عمر میں سید رشید رضا کے مجلہ ”النار“ کے مباحث سے متاثر ہو کر علم حدیث کی طرف توجہ دی، آپ کا پہلا کام جو حدیث پر ہوا وہ علامہ عراقی (م ۸۰۶ھ) کی ”المعنی عن حمل الاسفار فی تخریج ما فی الإحیاء من الأخبار“ ہے۔ یہ احیاء علوم الدین امام غزالی کی کتاب پر کام ہے۔ (۸۰۰) جس کی تحقیق و تطبیق دو ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل چار اجزاء میں مکمل ہوئی۔

آپ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے شیخ الحدیث بھی رہے۔ اس وقت جامعہ کے چانسلر سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ محمد ابراہیم آل شیخ نے یونیورسٹی کی تائیس ہی سے آپ کو شیخ الحدیث بتایا اور آپ وہاں بطور شیخ الحدیث ۱۳۸۱ھ سے ۱۳۸۳ھ تک درس حدیث دیتے رہے (۸۰۱)۔

آپ کو ”شاہ فیصل عالمی انعام کمیٹی“ نے جنوری ۱۹۹۹ء کو حدیث نبوی کی بے مثال خدمت پر شاہ فیصل ایوارڈ کے گرانقدر انعام سے نوازا۔ انہوں نے حدیث پر بہت کام کیا۔ ان کی تالیفات ۲۰۰ کے قریب ہیں۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

- ۱۔ ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل۔
- ۲۔ سلسلہ الاحادیث الصحیحہ۔ ۳۔ سلسلہ الاحادیث الضعیفہ۔
- ۴۔ تحقیق کتاب مکارم المصابیح للترمذی۔
- ۵۔ صحیح الجامع الصغیر زیادہ۔ ۶۔ ضعیف الجامع الصغیر زیادہ۔
- ۷۔ مختصر صحیح بخاری۔ ۸۔ مختصر صحیح مسلم۔
- ۹۔ صحیح سنن ترمذی۔ ۱۰۔ صحیح سنن ابی داؤد۔
- ۱۱۔ صحیح سنن نسائی۔ ۱۲۔ صحیح سنن ابن ماجہ۔
- ۱۳۔ ضعیف سنن ترمذی۔ ۱۴۔ ضعیف سنن ابی داؤد۔
- ۱۵۔ ضعیف سنن نسائی۔ ۱۶۔ ضعیف سنن ابن ماجہ۔

علامہ البانی کو جہاں اللہ تعالیٰ نے گونا گوں علمی صلاحیتوں سے مالا مال کیا تھا وہیں بے مثال حاضر جوابی کی دولت نصیب فرمائی (۸۰۲)۔

کتاب مختصر صحیح الامام البخاری

شیخ نے اختصار میں جو طریقہ اختیار فرمایا اس کی تفصیل یہ ہے:

- ۱۔ اس کتاب میں سندیں حذف کر دی گئی ہیں سوائے صحابہ کے۔ جہاں ضروری تھا وہاں کسی اور راوی کو بھی رکھا ہے۔
- ۲۔ اس میں تکرار کو ختم کیا گیا ہے۔ ان میں جو احادیث زیادہ جامع تھیں۔ اس کو لے لیتے ہیں اور حدیث کے درمیان اس کی وضاحت کرتے جاتے ہیں جبکہ امام بخاریؒ کی عادت ہے کہ مسائل کے استنباط کے لیے احادیث کو کئی مقامات پر ذکر کرتے ہیں۔
- ۳۔ تعلیقات بخاری پر حاشیہ بھی بیان فرماتے ہیں پھر ان تمام احادیث پر نمبر لگاتے ہیں

یعنی مرفوع، موقوف وغیرہ۔

۴۔ تمام کتب کی احادیث پر نمبر لگائے ہیں۔ اسی طرح ابواب اور احادیث کا خیال رکھا ہے۔

۵۔ حاشیہ میں غریب الفاظ کی شرح بھی کی ہے (۸۰۳)۔

پہلی کتاب بدء الوحی ہے اس کے باب نمبر اکو امام بخاری کی طرح ہی لکھ دیا ہے (۸۰۴)۔

صحیح بخاری میں پہلی حدیث کی پوری سند لکھنے کے بعد لکھا ہے: علقمة بن وقاص الليثی يقول سمعت عمر بن الخطاب رضى الله عنه على المنبر قال سمعت رسول الله ﷺ يقول انما الاعمال بالنيات وانما لكل امرىء ما نوى فمن كانت هجرته الى الدنيا يصيبها او الى امرأة ينكحها فهجرته الى ما حاجر اليه (۸۰۵)۔ اس حدیث کے دیگر مقامات پر صحیح بخاری میں نمبر یہ ہیں: ۳۸۹۸، ۲۵۲۹، ۵۳، ۵۰۷۰، ۶۲۸۹، ۶۹۵۳۔ مختصر الجامع الصحیح میں ان تمام روایات کی زوائد کو پہلی حدیث میں اس طرح سے جمع کیا ہے۔

علقمة بن وقاص الليثی يقول سمعت عمر بن الخطاب رضى الله عنه (يخطب ۵۹/۸) على المنبر قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول (ياايها الناس) انما الاعمال بالنيات (وفى رواية: العمل بالنية ۱۱۸/۶) وانما لكل امرىء ما نوى، فمن كانت هجرته (الى الله ورسوله، فهجرته الى الله ورسوله، ومن كانت هجرته الى دنيا يصيبها، أو الى امرأة ينكحها، (وفى رواية: يتزوجها ۱۱۹/۳) فهجرته الى ما حاجر اليه (۸۰۶)۔

مندرجہ بالا حدیث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس مختصر میں شیخ البانی نے کتنی دقت سے کام کیا ہے اور علمی طریقہ سے حدیث کی زیادتی کو اس کے مقام پر رکھا ہے۔ اس کتاب بدء الوحی میں صحیح بخاری میں سات احادیث ہیں جبکہ مختصر الجامع الصحیح میں چار احادیث ہیں۔

دوسری کتاب: کتاب الایمان ہے اس کا پہلا باب: باب قول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمس (۸۰۷) ہے۔ اس پر مختصر الجامع الصحیح میں یہ حاشیہ لکھا ہے: هذا طرف من حديث لابن عمر وصله المصنف في الباب (۸۰۸)۔ یہ اس باب کی آخری حدیث ہے مختصر

صحیح بخاری میں بھی مکمل ہے (۸۰۹)۔

مختصر الجامع الصحیح جلد اول میں ۹۹۶ احادیث ہیں۔ اور آخری حدیث یہ ہے: عن أبي هريرة رضي الله عنه قال كان النبي ﷺ يعتكف في كل رمضان عشرة أيام فلما كان العام الذي قبض فيه اعتكف عشرين يوماً (۸۱۰)۔ ہمیں اس کی پہلی جلد ملی ہے۔

مختصرات البخاری

درج ذیل علماء نے صحیح بخاری کے مختصرات لکھے:

- ۱- ابن القزاع: ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد البغوی (م ۵۱۶ھ)
- ۲- جمال الدین ابو العباس احمد بن عمر الانصاری القرطبی (م ۶۵۶ھ)۔
- ۳- شیخ بدر الدین حسن بن عمر بن حبیب الحطی (م ۷۷۹ھ)۔
- ۴- زین الدین ابو العباس احمد بن عبداللطیف الحرانی الترییدی (م ۸۹۳ھ)۔

درج ذیل بھی بعض کتب حدیث کے اختصار ہیں:

- مختصر صحیح مسلم کو حافظ زکی الدین عبدالعظیم المیزری دمشقیؒ نے تیار کیا۔
- تجرید الصحاح السنن: امام زین بن معادیہ العبدری المالکی (۵۲۵ھ)۔
- مختصر مسند الامام احمد، المعروف ابن عساکر، ابو القاسم علی بن ابی محمد الحسن بن ہبہ اللہ دمشقی (۵۷۷ھ)۔

مختصص سنن ابی داؤد

- ۱- حافظ منذری، زکی الدین ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی (م ۶۵۶ھ)۔
- ۲- ابن قیم: ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد دمشقی (م ۷۵۱ھ)۔

مختصر جامع الترمذی

- ۱- الطوفی، علم الدین بن سلیمان بن عبدالقوی الطوفی الحسینی (م ۷۱۰ھ)۔
- ۲- الباسی: نجم الدین محمد بن عقیل الباسی الشافعی (م ۷۲۹ھ)۔

مختصر السنن الکبری

البیہقی (م ۴۵۸ھ) اس کا اختصار ان حضرات نے تیار کیا:

- ۱۔ ابراہیم بن علی الدمشقی (م ۴۴۳ھ)۔
- ۲۔ علامہ ذہبی (م ۷۴۸ھ)۔
- ۳۔ عبد الوہاب الشحرانی (م ۹۷۷ھ)۔
- ۴۔ تفتیس المسد رک للحاکم: علامہ ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے لکھی۔

المستحبات

یہ حدیث کی ایسی کتب ہوتی ہیں جن میں ابتدائی کتب احادیث سے انتخاب کر کے احادیث جمع کی جاتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے فرمودات سے لگاؤ مسلمانوں کے لیے فطری امر ہے۔ احادیث نبوی ﷺ کے سب سے بڑے راوی حضرت ابو ہریرہؓ سے رسول اللہ ﷺ نے سوال کیا کہ دوسرے لوگوں کی طرح آپؐ مالی غنیمت کا سوال کیوں نہیں کرتے؟ تو انہوں نے کہا، وہ تو صرف وہی لیں گے جو اللہ نے انہیں (رسول اللہ ﷺ کو) عنایت فرمایا ہے، یعنی علم (۸۱۱)۔ دو نبوی ﷺ میں ہی احادیث سننے کے ساتھ لکھنے کا آغاز بھی ہوا۔ آپ ﷺ کے بعد صحابہ نے احادیث لکھیں ان کے بعد تابعین نے اور یہ سلسلہ نسل در نسل سلسلہ چلا رہا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد کا مرتب کردہ صحیفہ ہمام بن منہالؓ ابتدائی دنوں میں جمع کی گئی احادیث کا ذخیرہ ہے جو بہت اہمیت کا حامل ہے۔ امام زہریؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی احادیث کی کتب معروف ہیں۔ بعد ازاں صحاح ستہ کی شکل میں احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ محفوظ ہو گیا۔ یہ کتب بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے بنیادی ذریعہ اور اصول کی شکل اختیار کر گئیں۔ کتب صحاح کی تفصیل اس طرح ہے:

- ۱۔ محمد بن اسماعیل بخاری (۱۹۳ھ-۲۵۶ھ) الجامع الصحیح۔
 - ۲۔ مسلم بن حجاج القشیری (۲۰۳ھ-۲۶۱ھ) الجامع الصحیح۔
 - ۳۔ ابوداؤد، سلیمان بن احمد صحتانی (۲۰۲ھ-۲۷۵ھ) السنن۔
 - ۴۔ ابویحییٰ محمد بن یحییٰ الترمذی (۲۰۹ھ-۲۷۹ھ) السنن۔
 - ۵۔ ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی (۲۱۵ھ-۳۰۳ھ) السنن۔
 - ۶۔ ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوی المعروف ابن ماجہ (۲۰۹ھ-۲۷۳ھ) السنن۔
- بے شمار مصنفین نے ان چھ کتب کے خلاصے لکھے۔ خاص طور پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے احادیث کا انتخاب کیا گیا۔ پہلے شخص جنہوں نے الجمع بین الصحیحین لکھی وہ ابوعبداللہ محمد بن ابوالنضر فتوح بن حمید الحمیدی (۳۸۸ھ) ہیں (۸۱۲)۔

دوسرے لوگ جنہوں نے ایسے ہی کام کیے وہ یہ ہیں:

- ۱۔ ابو جعفر عبدالحق الاشعری (م ۵۸۲ھ) نے الجمع بین المسکین لکھی (۸۱۳)۔
- ۲۔ ابو عبد اللہ محمد بن حسین بن احمد بن محمد الانصاری (م ۵۸۲ھ) نے الجمع بین المسکین لکھی (۸۱۳)۔
- ۳۔ رضی الدین حسن بن محمد الصاغانی (م ۶۵۰ھ) نے مشارق الانوار النبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ لکھی۔ اس میں انہوں نے صرف صحیحین سے احادیث لیں (۸۱۵)۔
- ۴۔ ابوالحسن رزین بن معاویہ العدری (م ۵۳۲ھ) نے تجرید الصحاح والسنن لکھی۔ جو انہوں نے صحاح ستہ سے جمع اور منتخب کی (۸۱۶)۔
- ۵۔ ابوالسعادات محمد الدین السبارک بن ابی الکرم محمد بن محمد المعروف ابن الاثیر (م ۶۰۶ھ) نے الجامع الاصول من احادیث الرسول لکھی جو کہ رزین بن معاویہ کی کتاب کا مکملہ تھی (۸۱۷)۔
- ۶۔ ابو ضیاء وجیہ الدین، عبد الرحمن بن علی بن محمد بن عمر المعروف ابن دبیج (م ۹۳۳ھ) یا ۹۵۰ھ) نے تیسیر الوصول الی جامع الاصول لکھی جو کہ ابن اثیر کے کام کا خلاصہ ہے (۸۱۸)۔
- ۷۔ شرف الدین ابوالقاسم ہدایت اللہ بن عبد الرحیم بن ابراہیم (م ۷۳۸ھ) نے تجرید جامع الاصول من احادیث الرسول لکھی جو کہ ابن اثیر کے کام کا خلاصہ ہے (۸۱۹)۔
- ۸۔ محمد طاہر غنی (م ۹۸۶ھ) نے ابن اثیر کے کام کی تلخیص کی (۸۲۰)۔
- ۹۔ ابوطاہر محمد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی (م ۸۱۷ھ)، نے کتاب تحصیل طریق الوصول الی احادیث الزائدہ علی جامع الاصول لکھی (۸۲۱)۔
- ۱۰۔ ابو عبد اللہ محمد بن عتیق بن علی القرطابی (م ۶۳۶ھ) نے کتاب انوار المصابیح فی الجمع بین الکتب الستہ الصحاح لکھی (۸۲۲)۔

۱۱۔ حماد الدین ابو القداء اسحاق بن عمر المعروف ابن کثیر (م ۷۷۷ھ) نے کتاب جامع المسانید لکھی انہوں نے صحاح ستہ کے ساتھ مسند احمد، مسند ابو ار، مسند ابو یعلیٰ اور المعجم الکبیر للطبرانی وغیرہ کتب سے احادیث لیں (۸۲۳)۔

۱۲۔ نور الدین علی بن ابی بکر الصغریٰ (م ۸۰۷ھ) نے کتاب مجمع الزوائد ونبی الفوائد میں ان حدیثوں کو جمع کیا جو مسند احمد، مسند ابو یعلیٰ، مسند ابو ار، المعجم الکبیر للطبرانی، المعجم الاوسط للطبرانی، المعجم الصغیر للطبرانی میں ہیں لیکن صحاح ستہ میں نہیں تھیں (۸۲۳)۔

۱۳۔ محمد بن محمد بن سلیمان (م ۱۰۹۴ھ) نے جمع الفوائد من جامع الاصول وجمع الزوائد میں مجمع الزوائد، جامع الاصول اور سنن دارمی کی احادیث کو جمع کیا۔ اس طرح سے یہ کتاب ۱۴ کتابوں کا مجموعہ بن گئی (۸۲۵)۔

۱۴۔ منصور بن علی ناصف نے التاج الجامع الاصول لکھی۔ اس میں انہوں نے ابن ماجہ کو چھوڑ کر باقی پانچ کتابوں کی احادیث کو اسناد کے بغیر جمع کیا (۸۲۶)۔

کتب احکام

کچھ لوگوں نے صرف احکام پر اپنی کتب میں دیگر کتب سے احادیث کو جمع کیا۔ ان میں چند مندرجہ

ذیل ہیں:

- ۱۔ ابو محمد عبدالحق الاصبہلی (م ۵۸۲ھ)، کتاب الاحکام الشریعہ الکبریٰ (۸۲۷)۔
- ۲۔ کتاب الاحکام الوسطی (۸۲۸)۔
- ۳۔ کتاب الاحکام الصغریٰ (۸۲۹)۔
- ۴۔ تقی الدین ابو محمد عبد الغنی بن عبد الواحد المقدسی (م ۶۰۰ھ)، کتاب عمدة الاحکام (۸۳۰)۔
- ۵۔ تقی الدین محمد بن علی المعروف ابن دقیق العید (م ۷۰۲ھ) احکام الاحکام شرح عمدة الاحکام لکھی جو کہ ابن دقیق کی کتاب کی شرح ہے (۸۳۱)۔
- ۶۔ الامام فی احادیث الاحکام (۸۳۲)۔
- ۷۔ الامام با حادیث الاحکام۔ یہ مندرجہ بالا کتاب الامام کا خلاصہ ہے (۸۳۳)۔

- ۸۔ محمد الدین عبدالسلام بن عبداللہ بن ابی القاسم بن حمیہ (م ۶۵۳ھ) نے المنہجی من اخبار المصطفیٰ لکھی (۸۳۳)۔
- ۹۔ احمد بن علی بن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام لکھی (۸۳۵)۔
- ۱۰۔ محمد بن اسماعیل الامیر المصنعانی (م ۱۱۸۲ھ) نے سبل السلام شرح بلوغ المرام لکھی (۸۳۶)۔
- ۱۱۔ محمد بن علی الشوکانی (م ۱۲۵۵ھ) نے نل الاوطار شرح منہجی الاخبار لکھی (۸۳۷)۔

کتب ترغیب و ترہیب اور آداب

- بعض لوگوں نے تقویٰ، پرہیزگاری پر کتب جمع کیں۔ بعض نے زندگی کے آداب کے بارے میں کتب جمع کیں۔ نمونہ کے طور پر دو کا ذکر کیا جاتا ہے:
- ۱۔ ذکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المہدوری (م ۶۵۶ھ) نے الترغیب والترہیب لکھی (۸۳۸)۔ اس کتاب میں انہوں نے دیگر کتب سے جمع کیں اور جن کتب سے انتخاب کیا ان کے نام لکھے۔
- ۲۔ ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی (م ۶۷۶ھ) نے ریاض الصالحین لکھی (۸۳۹) اس کتاب میں آداب سے متعلق احادیث جمع کیں۔

کتاب الاربعین

- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی میری امت میں سے چالیس احادیث یاد کرے گا وہ قیامت کو علماء کے گروہ میں سے اٹھایا جائے گا (۸۴۰)۔ اگرچہ اس حدیث پر بعض محدثین کے تحفظات ہیں لیکن اس حدیث کو مد نظر رکھتے ہوئے بہت سے علماء نے چالیس احادیث پر مشتمل کتب لکھیں۔ ان میں مختلف طریقوں سے احادیث جمع کیں۔ بعض نے جہاد پر کتاب لکھی جس میں چالیس احادیث جمع کیں۔ بعض نے کسی ایک خاص موضوع پر کتاب لکھی۔ بعض نے ایسی کتب لکھیں جو ان کے چالیس اساتذہ سے احادیث تھیں۔ بعض چالیس صحابہ کرام کی احادیث کو جمع کیا۔ مثال کے طور پر دو کتب لکھی جاتی ہیں:

- ۱۔ ابوالفتوح محمد بن محمد الطائی (م ۵۵۵ھ) نے الاربعون فی ارشاد السائرین الی

منازل المتقین لکھی (۸۴۱)۔ اس کتاب میں چالیس اساتذہ سے امام طائی نے احادیث لکھی ہیں اور اس میں انہوں نے چالیس ہی صحابہ کرام سے بیان کیا ہے۔ اس کتاب میں زہد و آخرت اور ذکر وغیرہ کے متعلق صحیح احادیث جمع کی ہیں۔ جن کتب سے منتخب کی ہیں ان کے نام لکھے ہیں۔ عام طور پر صحاح ستہ سے انتخاب کیا ہے۔ الطائی حدیث کو اپنی سند سے مکمل بیان کرتے ہیں۔

میں نے مخطوط ”اسماء رجال المعاصح“ محمود بن احمد بن محمد الفاسی پر ڈاکٹریت کا مقالہ لکھا۔ اس مخطوط میں اس کتاب کے بعض حوالے تھے۔ بندہ نے اس کتاب کے چھ مخطوط برلن، فرانس، دمشق، قاہرہ، سعودی عرب اور شاہ بدیع الدین بیدر آف جمنڈا کی لائبریری (نوسعید آباد سندھ) سے حاصل کیے۔ اللہ کی توفیق سے ان شاء اللہ اس کتاب کی تحقیق کی جائے گی۔

۲۔ ابو ذر کرباجی بن شرف نووی (۷۶۷ھ) نے کتاب الاربعین لکھی (۸۴۲)۔ کئی علماء نے اس کتاب کی شروح لکھی ہیں۔ استاد محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی نے اس کتاب کی الماری کی شرح پر لکھے ہوئے مخطوط کواڈٹ کر کے ڈاکٹریت کی ڈگری حاصل کی۔

TRUEMASLAK@INBOX.COM

حوالہ جات

- ۱۔ ڈاکٹر سبیل حسن، مجموع اصطلاحات حدیث (ادارہ تحقیقات اسلامیہ، اسلام آباد، ۲۰۰۳) ص ۱۵۵۔
- ۲۔ ایضاً، ص ۱۹۵۔
- ۳۔ ایضاً، ص ۳۵۲۔
- ۴۔ ایضاً، ص ۳۳۷-۳۳۸۔
- ۵۔ ایضاً، ص ۳۳۶۔
- ۶۔ ایضاً، ص ۳۳۳۔
- ۷۔ اصول تحقیق، ص ۵۱۔
- ۸۔ مجموع اصطلاحات۔۔۔۔۔ ص ۳۷۹۔
- ۹۔ ایضاً، ص ۳۳۸-۳۳۹۔
- ۱۰۔ برق، غلام جیلانی، تاریخ حدیث (غلام علی اینڈ سنز لاہور) ص ۵۸۔
- ۱۱۔ مجموع اصطلاحات۔۔۔۔۔ ص ۳۷۸-۳۷۹۔
- ۱۲۔ برق، تاریخ حدیث، ص ۵۴۔
- ۱۳۔ ایضاً، ص ۶۳۔
- ۱۴۔ تقی عثمانی، درس ترمذی، ص ۶۱۔
- ۱۵۔ ایضاً، ص ۶۶۔
- ۱۶۔ ایضاً، ص ۶۴۔
- ۱۷۔ برق، تاریخ حدیث، ص ۶۹۔
- ۱۸۔ ایضاً، ص ۷۰۔
- ۱۹۔ مجموع اصطلاحات، ص ۳۹۴۔
- ۲۰۔ الکافی، الرسالة، ص ۷۲۔
- ۲۱۔ ایضاً، ص ۷۲۔
- ۲۱-۱۔ کشف الظنون، ۱/۳۱۸۔
- ۲۱-۲۔ ایضاً، ۱/۳۱۹۔
- ۲۲۔ ایضاً، ص ۷۳۔

- ۲۳۔ ایضاً، ص ۷۴۔
- ۲۴۔ معجم اصطلاحات، ص ۱۹۳۔
- ۲۵۔ ایضاً، ص ۱۹۲۔
- ۲۶۔ الکتابی، الرسالة، ص ۷۲۔
- ۲۷۔ معجم اصطلاحات۔۔۔، ص ۱۳۸۔
- ۲۸۔ ایضاً، ص ۲۳۸۔
- ۲۹۔ برقی، تاریخ حدیث، ص ۷۲۔
- ۳۰۔ ایضاً، ص ۶۹۔
- ۳۱۔ ایضاً، ص ۷۳۔
- ۳۲۔ معجم اصطلاحات۔۔۔، ص ۶۰۔
- ۳۳۔ السخاوی، القاصد الجلیہ، ۳۱۱۔
- ۳۴۔ معجم اصطلاحات۔۔۔، ص ۶۷-۶۸۔
- ۳۵۔ البلقینی، محاسن الاصطلاح، ص ۶۹۸؛ معجم اصطلاحات، ص ۱۷۹۔
- ۳۶۔ یہ تین جلد میں طبع ہوئی اور راقم کے ذاتی مکتبہ میں موجود ہے۔
- ۳۷۔ مطبوعہ تحقیق خطی اسماعیل احمد، بیروت ۱۴۰۳ھ۔ مزید تفصیل ڈاکٹر عبدالرحمن النعمی، معجم علوم الحدیث البغوی (دار ابن حزم، بیروت الطبعہ الاولیٰ ۲۰۰۰ء) ۱/۱۹-۲۰۔
- ۳۸۔ معجم اصطلاحات۔۔۔، ص ۷۰۔
- ۳۹۔ ایضاً، ص ۷۳-۷۴۔
- ۴۰۔ ایضاً، ص ۸۷-۸۸۔
- ۴۱۔ ایضاً، ص ۹۹-۱۰۰ بحوالہ مقدمہ الامثال فی الحدیث البغوی الشریف، ۳۳۔
- ۴۲۔ ایضاً، ص ۱۰۲۔
- ۴۳۔ الکتابی، الرسالة، ص ۶۸؛ معجم اصطلاحات۔۔۔، ص ۱۳۹۔
- ۴۴۔ معجم اصطلاحات۔۔۔، ص ۲۷۰۔
- ۴۵۔ ایضاً، ص ۱۱۳۔
- ۴۶۔ د. عبدالرحمن، معجم علوم الحدیث البغوی (دار ابن حزم، ۲۰۰۰ء) ص ۲۱۸۔
- ۴۷۔ معجم اصطلاحات۔۔۔، ص ۳۱۸؛ الکتابی، الرسالة، ص ۱۰۵۔

- ۳۸۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون (مکتبہ المعنی، بغداد) ۲/۱۶۶۵۔
- ۳۹۔ کتابی، الرسائل المستطرفة، ص ۶-۶۱۔
- ۵۰۔ محمود طحان، اصول تخریج ودراسة الاسانید، ص ۴۔
- ۵۱۔ ڈاکٹر عبد الحمیدی، طرق تخریج حدیث رسول ﷺ (دار الاعتصام، القاہرہ) ص ۱۳۸-۱۳۹۔
- ۵۲۔ ایضاً، ص ۱۳۷-۱۳۸۔
- ۵۳۔ ایضاً، ص ۱۳۸-۱۳۹۔
- ۵۴۔ ابن الصلاح، ابو عمر عثمان، علوم الحدیث المعروف، المقدمہ (دار الفکر دمشق ۱۹۸۴ء) ص ۱۱۲۔
- ۵۵۔ طاہر، توجیہ الخطر الی اصول الاثر، ص ۳۔
- ۵۶۔ الرسائل المستطرفة، ص ۵۲۔
- ۵۷۔ اصلاحي، ضیاء الدین، تذکرۃ الحمد شین (نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد طبع اول ۱۹۸۹ء) ص ۴۲/۱۔
- بحوالہ تہذیب الکمال، تذکرۃ الحفاظ، ۴۲/۱؛ کتاب الانساب، ۹۱/۴۔
- ۵۸۔ تذکرۃ الحمد شین، ۴۳/۱ بحوالہ تاریخ بغداد، ج ۹؛ تہذیب الحمد، ج ۶؛ کتاب الانساب، ۹۱/۴۔
- ۵۹۔ تذکرۃ الحمد شین، ۴۳/۱ بحوالہ تاریخ بغداد، ج ۹؛ تہذیب الحمد، ج ۶؛ مقدمہ فتح الباری مقدمہ تحفۃ الاحوذی۔
- ۶۰۔ تذکرۃ الحمد شین، ۴۴/۱؛ سیر اعلام النبلاء، ۳۸۷/۷؛ مزید دیکھیں تاریخ بغداد، ج ۹، وتہذیب الحمد، ج ۶؛ ۴۴/۶۔
- ۶۱۔ تذکرۃ الحمد شین، ۴۵/۱ بحوالہ شاہ عبدالعزیز، بستان الحمد شین، تاریخ بغداد، جلد ۹، تہذیب الحمد، ج ۶، کتاب الانساب و میزان الاعتدال، ج ۱، طبقات ابن سعد، قسم دوم، ج ۷۔
- ۶۲۔ تذکرۃ الحمد شین، ۴۶/۱؛ الذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۳۸۰/۷۔
- ۶۳۔ تذکرۃ الحمد شین، ۴۶/۱؛ سیر اعلام النبلاء، ۳۸۰/۷؛ تاریخ بغداد، ج ۹۔
- ۶۴۔ تذکرۃ الحمد شین، ۴۶/۱-۴۷؛ کتاب الانساب، ۹۱/۴؛ کشف الظنون، ج ۱۔
- ۶۵۔ تذکرۃ الحمد شین، ۴۷/۱؛ کشف الظنون، ۵۵۵/۲؛ تذکرۃ ص ۴۷۔
- ۶۶۔ تذکرۃ الحمد شین، ۴۸/۱-۴۹؛ کشف الظنون، ۵۵۵/۲؛ تہذیب الحمد، ج ۴، ص ۴۸۔
- ۶۷۔ تذکرۃ الحمد شین، ۴۹/۱؛ تاریخ بغداد، ج ۹، وتہذیب الحمد، ج ۴، اور مقدمہ ابن الصلاح۔
- ۶۸۔ تذکرۃ الحمد شین، ۶۲/۱؛ کتاب الانساب، ص ۶۲۔
- ۶۹۔ تذکرۃ الحمد شین، ۴۳/۱؛ مقدمہ ابن الصلاح؛ فتح الباری، ۶۳/۱۔

- ۷۰۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۶۳؛ لسان العرب، ۳/۲۸۶؛ طبقات الشافعیہ، ۱۔
- ۷۱۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۶۳؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۰۰/۶۱۶؛ تہذیب المعجم، ج ۵، حسن المحاضرہ، ج ۱۔
- ۷۲۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۳۳؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۳۱۲؛ قرآن مجید، المحشر (۵۹)۔ ۱۰۔
- ۷۳۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۶۵؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۳۱۲؛ اصول السنہ بر خاتمہ مسند حمیدی، ج ۲۔
- ۷۴۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۳؛ سورۃ المحشر، رقم فلائیہ ۱۰؛ مقدمہ مسند حمیدی، ج ۱، بحوالہ البحر والاعتدال، ج ۱، تاریخ ابن عساکر، ج ۲، طبقات الشافعیہ، ج ۱، تاریخ ابن خلکان، ج ۱، تہذیب ج ۱۔
- ۷۵۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۰؛ تاریخ بغداد، ج ۳، تاریخ ابن عساکر، ج ۲، طبقات الشافعیہ، ج ۱، تاریخ ابن خلکان، ج ۱، تہذیب ج ۱۔
- ۷۶۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۰، مقدمہ مسند حمیدی؛ ابن عبد البر، الانقاء۔
- ۷۷۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۱؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/۳۵۸؛ وفیات الاعیان، ۱۰/۲۰۰؛ تاریخ بغداد، ج ۶، طبقات الشافعیہ، ج ۱، تہذیب ج ۱، تاریخ ابن عساکر ج ۲۔
- ۷۸۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۰؛ وفیات الاعیان، ۱۰/۲۰۰۔
- ۷۹۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۱۔
- ۸۰۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۳؛ تاریخ ابن خلکان، ج ۱؛ البدایہ والنہایہ، ج ۱؛ میزان الاعتدال، ج ۱؛ العصر، ج ۱؛ مرآۃ الجنان، ج ۲؛ وشذرات الذهب، ج ۲۔
- ۸۱۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۳؛ وفیات الاعیان، ۱۰/۲۰۰؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۳۲۵؛ تاریخ بغداد، جلد ۶، تاریخ ابن عساکر ج ۲، طبقات الشافعیہ، ج ۱، تہذیب المعجم، ج ۱، میزان الاعتدال ج ۱۔
- ۸۲۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۵؛ وفیات الاعیان، ۱۰/۲۰۰؛ تاریخ بغداد، ج ۶، تاریخ ابن عساکر ج ۲، طبقات الشافعیہ، ج ۱، تہذیب ج ۱۔
- ۸۳۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۵؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۳۲۶؛ تاریخ بغداد، ج ۶، تاریخ ابن عساکر، ج ۲۔
- ۸۴۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/۳۶۳۔
- ۸۵۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۶؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۳۲۵؛ تاریخ بغداد، ج ۶؛ تاریخ ابن عساکر، ج ۲؛ البدایہ والنہایہ، ج ۱۔
- ۸۶۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۶؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۳۲۵؛ تاریخ ابن عساکر ج ۲، تہذیب المعجم ج ۱، تاریخ بغداد، ج ۶۔
- ۸۷۔ قرآن مجید، المحشر، ۱۳؛ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۷۔
- ۸۸۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۷؛ طبقات الشافعیہ، ج ۱۔

- ۸۹۔ تذکرۃ الحمد شین ۹۷-۹۸۔
- ۹۰۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۸؛ ابن عبدالبر، الانشاء، ابن خلکان، وفيات الاعیان، ج ۱۔
- ۹۱۔ تذکرۃ الحمد شین ۹۸-۹۹؛ وفيات الاعیان، ۱/۱۹۹۔
- ۹۲۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۹؛ تاریخ بغداد ج ۲، وتاریخ ابن عساکر، ج ۲۔
- ۹۳۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۸-۹۹؛ تاریخ بغداد ج ۵، وتاریخ ابن عساکر، ج ۲۔
- ۹۴۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۹؛ تاریخ بغداد ج ۶؛ وتاریخ ابن عساکر ج ۲؛ وطبقات الشافعیہ، ج ۱۔
- ۹۵۔ الاتفاق، ج ۲؛ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۹؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۳۲۵۔
- ۹۶۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۱۰۰؛ مقدمہ تھنۃ الاحوذی (دارالکتب العربی، بیروت) ص ۱۶۵۔
- ۹۷۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۱۰۰؛ تاریخ بغداد، ۴/۳۵۱؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/۱۷۷-۱۷۹۔
- ۹۸۔ حاکم، معرفۃ علوم الحدیث (دارالافتاح الجدیدۃ بیروت، الطبعة الرابعۃ ۱۹۸۰ء) ص ۱۹۳۔
- ۹۹۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ (دارالکتب العلمیہ بیروت للطبعة الاولى، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء) ۲/۱۶۔
- ۱۰۰۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۲۳ بحوالہ ابو زہرہ، احمد ابن حنبل ص ۳۳۔
- ۱۰۱۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۲۳ بحوالہ ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء، جلد ۹، ص ۱۲۵۔
- ۱۰۲۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۲۵ بحوالہ حلیۃ الاولیاء، ۹/۱۸۱۔
- ۱۰۳۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۲۶ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ، ۵/۸۔
- ۱۰۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۱۶۱ (بعض مطبوع ہیں) کشف الظنون۔
- ۱۰۵۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۲۷ بحوالہ البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، ص ۳۳۶۔
- ۱۰۶۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۲۸ بحوالہ تاریخ بغداد، الخطیب، ۳/۳۱۸۔
- ۱۰۷۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۲۶ بحوالہ ابن خلکان، وفيات الاعیان، ۱/۴۸۔
- ۱۰۸۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/۳۳۳۔
- ۱۰۹۔ ایضاً، ص ۳۴۰۔
- ۱۱۰۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۳۱ بحوالہ طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ۱/۲۰۲۔
- ۱۱۱۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۳۱ بحوالہ مقدمہ المسند بہ تحقیق احمد شاکر۔
- ۱۱۲۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۳۲ بحوالہ بستان الحمد شین۔
- ۱۱۳۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۳۲۔
- ۱۱۴۔ ایضاً۔

- ۱۱۵۔ محمد ثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۳۳ بحوالہ طبقات الشافعیہ، ۲۰۳/۱۔
- ۱۱۶۔ محمد ثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۳۳ بحوالہ نعتان الحمد شیعہ، ص ۲۹۔
- ۱۱۷۔ محمد ثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۳۳؛ توجیہ الخضر، ص ۱۵۴۔
- ۱۱۸۔ محمد ثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۳۳؛ نیل الاوطار، ۱۳/۱۔
- ۱۱۹۔ محمد ثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۳۳۔
- ۱۲۰۔ تدریب، ص ۹۹-۱۰۰۔
- ۱۲۱۔ توجیہ الخضر، ص ۱۵۴۔
- ۱۲۲۔ ابن الجوزی، المصعد الاحمر (مقدمہ مسند الامام احمد) تحقیق احمد شاہر، ۳۱/۱-۳۲ بحوالہ تذکرۃ الحمد ثین، ص ۱۳۳۱۔
- ۱۲۳۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ البانی، (المکتبہ السلفیہ لاہور، الطبعة الاولى)، ۱۳۳/۱۔
- ۱۲۴۔ الزہرائی، محمد بن مطر، تدوین السنۃ النبویہ (مکتبۃ الصدیق الخائف، ۱۳۱۲ھ، الطبعة الاولى)، ص ۱۰۸۔
- ۱۲۵۔ الزہرائی، تدوین السنۃ، ص ۱۰۸۔ یہ کتاب ۳۸ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اور اسلامیہ یونیورسٹی بھادل پور کی مرکزی لائبریری میں موجود ہے۔
- ۱۲۶۔ الزہرائی، تدوین السنۃ، ص ۱۰۸۔
- ۱۲۷۔ اطراف المسند، ۸۲/۱۔
- ۱۲۸۔ ایضاً، ص ۸۳۔
- ۱۲۹۔ ایضاً، ص ۸۳۔
- ۱۳۰۔ الزہرائی، تدوین السنۃ، ص ۱۰۹۔ یہ کتاب اطراف المسند دار ابن کثیر بیروت سے ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی۔
- ۱۳۱۔ الزہرائی، تدوین السنۃ، ص ۱۰۹-۱۱۰۔
- ۱۳۲۔ اطراف المسند، ۸۵/۱۔
- ۱۳۳۔ الزہرائی، تدوین السنۃ، ص ۱۱۰۔
- ۱۳۴۔ ایضاً۔
- ۱۳۵۔ مطبوع دار المعارف القاہرہ، ۱۹۴۹ء۔
- ۱۳۶۔ اس کی طاعت کا علم نہیں۔
- ۱۳۷۔ الخولی، مفاتیح السنۃ، ص ۳۷۔
- ۱۳۸۔ یہ کتاب دار الباز مکہ المکتبہ نے شائع کی ہے۔

- ۱۳۹۔ مطبوع دار الکتب العلمیہ بیروت الطبعة الاولى، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶م۔
- ۱۴۰۔ تجلید المصنف، ص ۵۔
- ۱۴۱۔ مطبوع دار الکتب العلمیہ بیروت الطبعة الاولى، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱م۔ یہ کتاب سیرت جیٹر اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کی لائبریری میں موجود ہے۔
- ۱۴۲۔ غایۃ المقصد فی زوائد المسند، ۲۹/۱۔
- ۱۴۳۔ ملاحظہ ہو غایۃ المقصد فی زوائد المسند، ۳۷۴/۲۔
- ۱۴۴۔ مطبوع دار الکتب العلمیہ بیروت الطبعة الاولى، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷م۔
- ۱۴۵۔ حدیث: مسند احمد ۵/۱۲۳، ۱۲۷، ۱۲۹؛ حقوق الزمر ج ۱/۱۶۔
- ۱۴۶۔ یہ کتاب ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر ڈائریکٹر سیرت جیٹر اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور اور محترمہ نعمت ہاشمی شعبہ ایجوکیشنل ٹریننگ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کی تحقیق سے ”النور انٹرنیشنل بہاولپور“ نے ۲۰۰۰ء میں شائع کی۔
- ۱۴۷۔ ڈاکٹر محی صالح، علوم الحدیث (دار العلم للملین، بیروت، طبع ثالثہ ۱۹۶۵ء) ص ۱۲۳۔
- ۱۴۸۔ محمد محمد ابو ص، تاریخ وحدیث محدثین: ترجمہ غلام احمد حریری، ص ۵۷۷-۵۵۰۔
- ۱۴۹۔ تذکرۃ الخطا (مترجم) (اسلاک پبلشنگ ہاؤس، ۱۷ اردو بازار لاہور) ۳/۷۰۔
- ۱۵۰۔ وفیات الاعیان، ۴/۲۸۰: حاجی خلیفہ، کشف الظنون (دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء) ۲/۵۵۰۔
- ۱۵۱۔ نیشاپور خراسان کا سب سے خوبصورت شہر ہے۔ اسمعانی، الانساب (دار البیان بیروت ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۸ء، طبع اول)، ۵/۵۵۰۔
- ۱۵۲۔ تذکرۃ الخطا (مترجم) ۲/۷۰۰ و سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۱۶۳۔
- ۱۵۳۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۱۶۳۔
- ۱۵۴۔ ایضاً۔
- ۱۵۵۔ تذکرۃ الخطا (مترجم) ۲/۷۰۰۔
- ۱۵۶۔ ایضاً۔
- ۱۵۷۔ وفیات الاعیان، ۴/۲۸۱۔
- ۱۵۸۔ تذکرۃ الخطا (مترجم)، ۲/۷۰۱۔
- ۱۵۹۔ وفیات الاعیان، ۴/۲۸۰۔
- ۱۶۰۔ ایضاً۔

- ۱۶۱۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۱۔
- ۱۶۲۔ ایضاً، ۱۷/۱۷-۱۷۵۔
- ۱۶۳۔ تذکرۃ الحفاظ (مترجم)، ۲/۷۰۳۔
- ۱۶۴۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۱۷۔
- ۱۶۵۔ حاکم، المستدرک، ۱/۳-۳۔
- ۱۶۶۔ ایضاً (حلیۃ الکتاب)، ۱/۳۔
- ۱۶۷۔ ایضاً (کتاب المغازی)، ۳/۵۸۔
- ۱۶۸۔ مطالعہ نصوص، یونٹ نمبر ۹ تا ۱۰ کو نمبر ۳۵۵۷ (شعبہ حدیث و سیرت، کلیہ عربی و علوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، اشاعت اول ۲۰۰۰ء) ص ۲۹۵۔
- ۱۶۹۔ حاکم، المستدرک، ۳/۶۱۔
- ۱۷۰۔ ایضاً، ۴/۵۵۸۔
- ۱۷۱۔ ایضاً، ۲/۶۵-۶۶۔
- ۱۷۲۔ ایضاً، (کتاب معرفۃ الصحابہ)، ۳/۳۸۶۔
- ۱۷۳۔ مطالعہ نصوص، ص ۲۹۵-۲۹۷۔
- ۱۷۴۔ ایضاً، (کتاب المروج)، ۲/۱۳۔
- ۱۷۵۔ ایضاً، (کتاب معرفۃ الصحابہ)، ۳/۶۱۔
- ۱۷۶۔ ایضاً، (کتاب المحرق)، ۳/۱۷-۱۸۔
- ۱۷۷۔ ذہبی، تلخیص المستدرک مع المستدرک (الکتاب العربی، دار الفکر بیروت)، ۱/۳۳۵۔
- ۱۷۸۔ مستدرک کی یہ تلخیص مستدرک کے متن کے ساتھ چار ضخیم جلدوں میں دار الفکر بیروت سے چھپ چکی ہے۔ اور مستدرک کے قلمی نسخے متعدد کتب خانوں میں موجود ہیں۔ دائرۃ المعارف حیدر آباد نے کئی مخطوطات کی مدد سے اسے چار ضخیم جلدوں میں شائع کیا ہے۔
- ۱۷۹۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۱۷۵۔
- ۱۸۰۔ طبقات الشافعیہ، ۳/۳۹۔
- ۱۸۱۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۱۷۵-۱۷۶۔
- ۱۸۲۔ ایضاً، ۱۷/۱۷۶۔
- ۱۸۳۔ تذکرۃ الحفاظ (دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۸ء)، ۲/۱۶۳۔

- ۱۸۳۔ ندوی، محمد حنیف، مطالعہ حدیث، ص ۲۹۲-۳۰۳ بحوالہ شاہ عبدالعزیز دہلوی، محالہ نافذ مع فوائد جامعہ۔
- ۱۸۵۔ المسد رک، ۱۳۰/۳۔
- ۱۸۶۔ ذہبی، تخیض المسد رک مع المسد رک (کتاب معرفۃ الصحابہ) ۱۳۱/۳۔
- ۱۸۷۔ ڈاکٹر سعد بن عبد اللہ، مناجیح المحدثین (دارالعلوم السنۃ الریاض، ۱۳۲۰ھ/۱۹۹۹ء)، ص ۱۸۶۔
- ۱۸۸۔ المسد رک، ۱۸۰/۳۔
- ۱۸۹۔ تخیض المسد رک مع المسد رک (کتاب معرفۃ الصحابہ) ۱۶۰/۳۔
- ۱۹۰۔ مناجیح المحدثین، ص ۱۸۸۔
- ۱۹۱۔ المسد رک، ۱۲۶/۳۔
- ۱۹۲۔ تخیض المسد رک مع المسد رک (کتاب معرفۃ الصحابہ) ۱۲۶/۳۔
- ۱۹۳۔ مناجیح المحدثین، ص ۱۸۹-۱۹۰۔
- ۱۹۴۔ ایضاً، ص ۱۹۰۔
- ۱۹۵۔ ایضاً۔
- ۱۹۶۔ ایضاً، ص ۱۹۲-۱۹۳۔
- ۱۹۷۔ اصنہائی، ابو نعیم، المسد المستخرج علی صحیح مسلم (دار الکتب العلمیہ بیروت، الطبعة الاولیٰ ۱۹۹۶ء) مقدمۃ الحق، ۱/۳-۱/۳، السخاوی، فتح المغیب (دار الکتب العلمیہ، بیروت) ۳۸/۱۔
- ۱۹۸۔ ابو نعیم، ایضاً۔
- ۱۹۹۔ اصول تخریج ودرستہ الاسانید، ص ۱۱۳۔
- ۲۰۰۔ احمد المسد (دار الفکر بیروت) ۳۷/۵۔
- ۲۰۱۔ ایضاً، ۸۰/۳۔
- ۲۰۲۔ المسد المستخرج علی صحیح مسلم، ۳/۱۔
- ۲۰۳۔ ایضاً، ۳/۱، ڈاکٹر اکرم فیاض عمری، بحث فی تاریخ السنۃ المشرقة (جلد ۵، بغداد، ۱۹۷۵ء)، ص ۲۳۷۔
- ۲۰۴۔ اکرم فیاض عمری، بحث فی تاریخ السنۃ المشرقة، ص ۲۳۷۔
- ۲۰۵۔ المسد المستخرج علی صحیح مسلم، ۳/۱۔
- ۲۰۶۔ تاریخ السنۃ المشرقة، ۳۷۔
- ۲۰۷۔ المسد المستخرج علی صحیح مسلم، ۵/۱۔
- ۲۰۸۔ ایضاً، ۵/۱-۶۔

- ۲۰۹۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۶/۲۹۳۔
- ۲۱۰۔ ایضاً، ۱۷/۳۶۵۔
- ۲۱۱۔ ایضاً، ۱۹/۲۰۷۔
- ۲۱۲۔ تذکرۃ الحفاظ (دار احیاء التراث العربی، بیروت) ۳/۱۰۰۶۔
- ۲۱۳۔ ایضاً، ۳/۷۷۹ تا ۷۸۰۔
- ۲۱۴۔ ایضاً (طبعہ ۱۳) ۳/۱۰۱۳-۱۰۱۴۔
- ۲۱۵۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۵/۳۶۶-۳۶۹۔
- ۲۱۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳/۵۹۶۔
- ۲۱۷۔ ایضاً، ۳/۱۱۰۹-۱۱۱۰۔
- ۲۱۸۔ ایضاً، ۳/۹۵۵، ۹۵۶۔
- ۲۱۹۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۳۵۳-۳۶۳۔
- تذکرۃ الحفاظ، ۳/۱۰۹۳-۱۰۹۷۔
- ۲۲۰۔ فیروز آبادی، محمد الدین محمد بن یعقوب، القاموس المحیط (مطبعہ مصطفیٰ البابی الخلیفی والادودہ بمصر۔ القاہرہ، المطبعۃ الشیعیہ، ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء) ۳/۲۶۰۔ دیکھئے شہاب الدین، القاموس الوافی (دار الفکر بیروت، لبنان، طبع اولیٰ، ۲۰۰۳ء)، ص ۸۱۵۔
- ۲۲۱۔ اثری، عبد الجلیل، محمد علی انکسر، ص ۲۲۶-۲۲۷۔
- ۲۲۲۔ خطابی، غریب الحدیث (جلد ۱۴ ام القرطی مکہ المکرمہ، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء) ۱/۷۰۔
- ۲۲۳۔ دیکھئے ابن الاثیر، النہای فی غریب الحدیث والاثار (انصار السنۃ الحمدیہ، لاہور) ۱/۵-۶۔
- ۲۲۴۔ ابن الاثیر، النہای، ۳/۱۔
- ۲۲۵۔ کشف الظنون، ۲/۲۰۰ (حاشیہ)۔
- ۲۲۶۔ النہای، ۳/۱۔
- ۲۲۷۔ کشف الظنون، ۲/۱۹۹۔
- ۲۲۸۔ ایضاً، ۲/۲۰۰۔
- ۲۲۹۔ عبد العزیز الحنفی، تاریخ فنون الحدیث (دار القلم، بیروت، المطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۸۶ء) ص ۱۹۲۔
- ۲۳۰۔ کشف الظنون، ۲/۲۰۰۔
- ۲۳۱۔ ایضاً، ۲/۲۰۰-۲۰۱۔

- ۲۳۲۔ ایضاً، ۲/۲۰۱۔
- ۲۳۳۔ ایضاً۔
- ۲۳۴۔ محمد عمر ابو زمر، تاریخ حدیث و محدثین (مترجم مکتبہ رحمانیہ اردو بازار، لاہور) ص ۶۰۳۔
- ۲۳۵۔ کشف الظنون، ۲/۲۰۱۔
- ۲۳۶۔ ایضاً، ۲/۲۰۲۔
- ۲۳۷۔ نواب صدیق حسن، ایجد العلوم (دار ابن حزم بیروت، الطبعة الاولى، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء)، ص ۴۵۲۔
- ۲۳۸۔ تاریخ حدیث و محدثین، ص ۶۰۳۔
- ۲۳۹۔ ایجد العلوم (حواشی) ص ۴۵۳۔
- ۲۴۰۔ مطبوع، میر محمد کتب خانہ کراچی۔
- ۲۴۱۔ سیر اعلام النبلاء، ۹/۳۲۸۔
- ۲۴۲۔ دیکھئے، ابن خلکان، وفيات الاعیان، ۵/۳۹۸۔
- ۲۴۳۔ سیر اعلام النبلاء، ۹/۳۳۰-۳۳۱۔
- ۲۴۴۔ ایضاً، ۹/۳۲۹۔
- ۲۴۵۔ ایضاً۔
- ۲۴۶۔ ایضاً، ۹/۳۳۰۔
- ۲۴۷۔ ایضاً۔
- ۲۴۸۔ ایضاً۔
- ۲۴۹۔ ایضاً۔
- ۲۵۰۔ ایضاً۔
- ۲۵۱۔ تذکرۃ الحفاظ (مترجم اردو) ۱-۲/۲۴۳۔
- ۲۵۲۔ ایضاً، ۱-۲/۲۴۳۔
- ۲۵۳۔ ابوسلیمان محمد بن عبد اللہ الربیع، تاریخ مولد العلماء و وفیاتہم، (دار العاصمہ الریاض ۱۴۱۰ھ) ۲/۴۵۲؛ بخاری، التاريخ الكبير (دار الفکر، بیروت) ۸/۹۰؛ ابن خلکان، وفيات الاعیان، ۵/۴۰۴۔
- ۲۵۴۔ ابن خلکان، وفيات الاعیان، ۴/۳۱۲۔
- ۲۵۵۔ ایضاً، ۴/۳۱۲۔
- ۲۵۶۔ کشف الظنون، ۲/۲۰۰۔

- ۲۵۷۔ ابن خلکان، وفيات الاعيان، ۱۳۲/۲۔
- ۲۵۸۔ ايضاً، ۳۶۲/۲؛ الترکلی، الاعلام (اعلم للمسلمين، بيروت ۱۹۸۹ء)، ۹۵/۷۔
- ۲۵۹۔ ايضاً، ۳۱۲/۲۔
- ۲۶۰۔ سير اعلام النبلاء، ۳۳۵/۹۔
- ۲۶۱۔ ايضاً، ۳۳۵/۹۔
- ۲۶۲۔ تذكرة الحفاظ، ۱-۲۸۳/۲۔
- ۲۶۳۔ سير اعلام النبلاء، ۳۳۵/۹-۳۳۶۔
- ۲۶۴۔ تذكرة الحفاظ مترجم، ۱-۲۸۳/۲۔
- ۲۶۵۔ سير اعلام النبلاء، ۳۳۶/۹۔
- ۲۶۶۔ تذكرة الحفاظ مترجم، ۱-۲۸۳/۲۔
- ۲۶۷۔ سير اعلام النبلاء، ۳۳۶/۹۔
- ۲۶۸۔ ايضاً، ۳۳۶/۹۔
- ۲۶۹۔ ايضاً، ۳۳۶/۹-۳۳۷۔
- ۲۷۰۔ ابن العماد، شذرات الذهب (المکتب التجاري، بيروت)، ۳۳/۲۔
- ۲۷۱۔ تاريخ حديث و محدثون، ص ۶۰۰، از ترجمہ غلام احمد حري، تاريخ فنون الحديث، ص ۱۹۲۔
- ۲۷۲۔ سير اعلام النبلاء، ۱۷۶/۱۰۔
- ۲۷۳۔ وفيات الاعيان، ۱۷۵/۳۔
- ۲۷۴۔ سير اعلام النبلاء، ۱۷۶/۱۰۔
- ۲۷۵۔ ايضاً، ۱۷۶/۱۰۔
- ۲۷۶۔ ايضاً۔
- ۲۷۷۔ ايضاً۔
- ۲۷۸۔ التاريخ الكبير، ۳۲۸/۵۔
- ۲۷۹۔ تاريخ فنون الحديث، ص ۱۹۲۔
- ۲۸۰۔ تذكرة الحفاظ مترجم، ۱-۳۱۲/۲۔
- ۲۸۱۔ سير اعلام النبلاء، ۳۹۱/۱۰۰۔
- ۲۸۲۔ ايضاً۔

- ۲۸۳۔ تذکرۃ الخطاط (عربی) (بیروت، ۱۹۹۸ء) ۶/۲۔
- ۲۸۴۔ ایضاً، ۶/۲۔
- ۲۸۵۔ تذکرۃ الخطاط (مترجم) ۱۲-۳۱۳/۲۔
- ۲۸۶۔ سیر اعلام النبلاء، ۳۰۵/۱۰۰۔
- ۲۸۷۔ ایضاً۔
- ۲۸۸۔ ایضاً۔
- ۲۸۹۔ تذکرۃ الخطاط (مترجم) ۱-۳۱۳/۲۔
- ۲۹۰۔ تاریخ حدیث و محدثین، ص ۶۰۱۔
- کتاب کا نام (غریب الحدیث) ہے۔ ڈاکٹر محمد عبدالمعید خان، ڈائریکٹر دائرۃ المعارف العثمانیہ کے زیر نگرانی میں مطبعہ مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن بھارت سے ۱۹۶۳ء کو پہلی دفعہ چار جلدوں میں شائع ہوئی پھر بعد میں دارالکتب العربیہ بیروت نے اس کی فوٹو کاپی ۱۹۷۶ء میں شائع کی۔
- ۲۹۱۔ تدوین السنۃ، ص ۲۳۰۔
- ۲۹۲۔ ابو عبیدہ غریب الحدیث، مقدمہ تحقیق، ۱/ی د (مقدمہ)۔
- ۲۹۳۔ التحرر وی، ابو عبیدہ غریب الحدیث، ۳-۳۔
- ۲۹۴۔ ایضاً، ۱/۲۷۹۔
- ۲۹۵۔ ایضاً، ۱/۲۲۱-۲۲۲۔
- ۲۹۶۔ وفیات الاعیان، ۳۳/۳۔
- ۲۹۷۔ شذرات الذهب، ۱۶۹/۲۔
- ۲۹۸۔ وفیات الاعیان، ۳۳/۳۔
- ۲۹۹۔ ایضاً۔
- ۳۰۰۔ ایضاً۔
- ۳۰۱۔ ایضاً، ۳۳/۳-۳۳۔
- ۳۰۲۔ ایضاً، ۳۳/۳۔
- ۳۰۳۔ ایضاً۔
- ۳۰۴۔ ایضاً۔
- ۳۰۵۔ ایضاً۔

- ۳۰۶۔ تدوین السنۃ، ص ۱۱۸۔
- ۳۰۷۔ تاریخ حدیث و محدثین مترجم، ص ۶۰۱۔
- ۳۰۸۔ ابن قتیبہ، غریب الحدیث (فاتحہ الکتاب) (الدار التونیہ للنشر، تونس ۱۹۷۹ء) ۱/۱۰۷۔
- ۳۰۹۔ غریب الحدیث، ۱/۱۱۳-۱۱۴۔
- ۳۱۰۔ ایضاً، ۱/۲۰۷۔
- ۳۱۱۔ ایضاً، ۱/۲۱۳۔
- ۳۱۲۔ الاحزاب (۳۳) ۵۱۔
- ۳۱۳۔ غریب الحدیث، ۱/۲۲۰۔
- ۳۱۴۔ ایضاً، ۱/۱۰۹۔
- ۳۱۵۔ ایضاً، ۱۰۹) ہمیں ان کی کتاب کی ایک ہی جلد ملی ہے)۔
- ۳۱۶۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۴/۳۵۶۔
- ۳۱۷۔ ایضاً، ۱۴/۳۵۶۔
- ۳۱۸۔ ایضاً۔
- ۳۱۹۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۱-۲/۴۱۸۔
- ۳۲۰۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۴/۳۵۷۔
- ۳۲۱۔ ایضاً۔
- ۳۲۲۔ ایضاً، ۱۴/۳۶۰۔
- ۳۲۳۔ ایضاً۔
- ۳۲۴۔ ایضاً۔
- ۳۲۵۔ شذرات الذهب، ۲/۱۹۰۔
- ۳۲۶۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۴/۳۶۸۔
- ۳۲۷۔ ایضاً، ۱۴/۳۶۹۔
- ۳۲۸۔ شذرات الذهب، ۲/۱۹۰۔
- ۳۲۹۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۱-۲/۴۱۸۔
- ۳۳۰۔ تاریخ حدیث و محدثین مترجم، ص ۶۰۱۔

- ۳۳۱۔ الحربی، غریب الحدیث تحقیق ڈاکٹر سلیمان بن ابراہیم العائد (جامعہ ام القری، مکہ المکرمہ، طبع اولیٰ ۱۹۸۵ء) ۹۲/۱۔
- ۳۳۲۔ غریب الحدیث (مدخل للتحقیق، فصل ثانی) ۵۲/۱۔
- ۳۳۳۔ ابن الاثیر، النہایۃ، ۶/۱۔
- ۳۳۴۔ غریب الحدیث (مدخل للتحقیق، فصل ثانی) ۹۲/۱۔
- ۳۳۵۔ ایضاً، ۹۲/۱۔
- ۳۳۶۔ غریب الحدیث ۳-۶ (متن)۔
- ۳۳۷۔ ایضاً، ۳۲۹-۳۳۳۔
- ۳۳۸۔ زرکلی، الاعلام، ۲/۲۷۳۔
- ۳۳۹۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۲۳۔
- ۳۴۰۔ ایضاً، ۱۷/۲۳-۲۵۔
- ۳۴۱۔ ایضاً، ۱۷/۲۳-۲۴۔
- ۳۴۲۔ ایضاً، ۱۷/۲۳۔
- ۳۴۳۔ ایضاً، ۱۷/۲۵-۲۶۔
- ۳۴۴۔ تذکرۃ الحفاظ (مترجم) ۳-۶۸۸/۳۔
- ۳۴۵۔ ایضاً۔
- ۳۴۶۔ ایضاً۔
- ۳۴۷۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۲۵۔
- ۳۴۸۔ تاریخ حدیث و محدثون (مترجم) ص ۶۰۱-۶۰۲۔
- ۳۴۹۔ مقدمۃ التعلیۃ فی غریب الحدیث، ص ۸۔
- ۳۵۰۔ خطابی (مقدمۃ تحقیق از عبد الکریم) غریب الحدیث، (جامعہ ام القری، مکہ المکرمہ) ۳۸/۱۔
- ۳۵۱۔ ایضاً، ۱۷/۳۸-۳۹۔
- ۳۵۲۔ ایضاً۔
- ۳۵۳۔ ایضاً، ۱۷/۳۹۔
- ۳۵۴۔ ایضاً، ۱۷/۵۱۔
- ۳۵۵۔ ایضاً، ۱۷/۲۰۱۔

- ۳۵۶۔ ایضاً، ۱/۳۸۱-۳۸۲۔
- ۳۵۷۔ میراعلام العلماء، ۱۳۶/۱۔
- ۳۵۸۔ ایضاً، ۱۳۷/۱۔
- ۳۵۹۔ ایضاً۔
- ۳۶۰۔ ایضاً۔
- ۳۶۱۔ تاریخ حدیث و محدثون (مترجم) ص ۶۰۲۔
- ۳۶۲۔ وفیات الاعیان، ۳/۳۱۴۔
- ۳۶۳۔ احمد حسن زیات، تاریخ ادب عربی، مترجم (شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور) ص ۳۹۲۔
- ۳۶۴۔ وفیات الاعیان، ۳/۴۱۶۔
- ۳۶۵۔ تاریخ ادب عربی، مترجم، ص ۳۹۲۔
- ۳۶۶۔ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد (المکتبہ السلفیہ) ۳۳۶/۲: سیراعلام العلماء، ۱۳۶/۱۔
- ۳۶۷۔ تاریخ حدیث و محدثون (مترجم غلام احمد حریری) ص ۶۰۳۔
- ۳۶۸۔ وفیات الاعیان، ۵/۱۶۸۔
- ۳۶۹۔ میراعلام العلماء، ۲۰/۱۵۴۔
- ۳۷۰۔ وفیات الاعیان، ۳/۱۶۵۔
- ۳۷۱۔ ایضاً، ۵/۱۶۸۔
- ۳۷۲۔ ایضاً، ۵/۱۷۳۔
- ۳۷۳۔ کشف الظنون، ص۔
- ۳۷۴۔ زحشری، الفائق (دارالکتب، العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۶ء، طبع اولیٰ) ۱/۱۹۵۱۲۔
- ۳۷۵۔ ایضاً، ۱/۳۵۲-۳۵۳۔
- ۳۷۶۔ ایضاً، ۱/۱۷۳-۱۷۵۔
- ۳۷۷۔ انصاری (مقدمہ) ۱/۹۔
- ۳۷۸۔ وفیات الاعیان، ۳/۲۸۶۔
- ۳۷۹۔ ایضاً، ۳/۲۸۶۔
- ۳۸۰۔ ایضاً، ۳/۲۸۶۔
- ۳۸۱۔ میراعلام العلماء، ۲۱/۱۵۲۔

- ۳۸۲۔ ایضاً، ۱۵۳/۲۱۔
- ۳۸۳۔ ایضاً، ۱۵۳/۲۱۔
- ۳۸۴۔ ایضاً۔
- ۳۸۵۔ ایضاً۔
- ۳۸۶۔ ایضاً، ۱۵۵/۲۱۔
- ۳۸۷۔ ایضاً۔
- ۳۸۸۔ ایضاً، ۱۵۵/۲۱-۱۵۶۔
- ۳۸۹۔ ایضاً، ۱۵۶/۲۱۔
- ۳۹۰۔ ایضاً۔
- ۳۹۱۔ ایضاً۔
- ۳۹۲۔ ایضاً۔
- ۳۹۳۔ تاریخ حدیث و محدثین، ص ۶۰۲۔
- ۳۹۴۔ تدوین السنن، ص ۲۲۲۔
- ۳۹۵۔ النہایہ، ۱/۹ (متن) المجموع المغنی فی غریب القرآن والحدیث (جلد ۱۱م تقری، مکہ المکتبہ، طبع ادنیٰ، ۱۴۰۶ھ-۱۹۸۶ء) ۳۳/۱۔ عبدالکریم الغریب، مقدمہ المحقق۔
- ۳۹۶۔ المدنی، ابوموسیٰ، المجموع المغنی، ۱/۴۔
- ۳۹۷۔ ایضاً، ۱/۶۸۔
- ۳۹۸۔ وفیات الاعیان، ۳/۲۸۶۔
- ۳۹۹۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۳-۲-۹۰۵۔
- ۴۰۰۔ ایضاً، ۳-۲-۹۰۵۔
- ۴۰۱۔ ایضاً، ۳-۲-۹۰۶۔
- ۴۰۲۔ ایضاً، ۳-۲-۹۰۵۔
- ۴۰۳۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۳-۲-۹۰۵۔
- ۴۰۴۔ ایضاً، ۳-۲-۹۰۶-۹۰۷۔
- ۴۰۵۔ ایضاً۔
- ۴۰۶۔ ایضاً، ۳-۲-۹۰۷۔

- ۴۰۷۔ تاریخ الحدیث والحدیث ٹون، ص ۶۰۳۔
- ۴۰۸۔ اصلاحی، تذکرۃ الحدیثین، ۲/۳۵۰۔
- ۴۰۹۔ وفيات الاعیان، ۴/۱۴۱۔
- ۴۱۰۔ اصلاحی، تذکرۃ الحدیثین، ۲/۳۵۰۔
- ۴۱۱۔ ایضاً، ۲/۳۵۱۔
- ۴۱۲۔ وفيات الاعیان، ۴/۱۴۱-۱۴۲۔
- ۴۱۳۔ تذکرۃ الحدیثین (حاشیہ نمبر ۴)، ۲/۳۵۳۔
- ۴۱۴۔ وفيات الاعیان، ۴/۱۴۲۔
- ۴۱۵۔ ایضاً، ۴/۱۴۳۔
- ۴۱۶۔ تاریخ حدیث وحدیثین، ص ۶۰۳۔
- ۴۱۷۔ النہایۃ (مقدمہ)، ۱/۴-۵۔
- ۴۱۸۔ ایضاً، ۱۱/۱-۱۲۔
- ۴۱۹۔ النہایۃ، (انصار السنۃ الحمدیہ لاہور)، ۱۳/۱۔
- ۴۲۰۔ ایضاً، ۱/۱۴۔
- ۴۲۱۔ ایضاً، ۱/۸ (مقدمہ التحقیق)۔
- ۴۲۲۔ ایضاً۔
- ۴۲۳۔ عبدالرشید عراقی، کاروان حدیث، (نور اسلام اکیڈمی لاہور) ص ۳۳۹۔
- ۴۲۴۔ شذرات الذهب، ۵۲/۸۔
- ۴۲۵۔ عراقی، کاروان حدیث (بحوالہ حسن الحاضرۃ، ۱/۸۸-۱۹۰) ص ۳۳۹۔
- ۴۲۶۔ عراقی، کاروان حدیث (بحوالہ العنود للامع)، ۱/۸۸-۱۹۰۔
- ۴۲۷۔ ایضاً، ص ۳۳۹-۳۵۰ (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکاۃ)، ۱/۲۳۸ (درمنثور مطبوع ہے)۔
- ۴۲۸۔ ایضاً، ص ۳۵۰ (الاتقان مطبوع ہے)۔
- ۴۲۹۔ ایضاً، ص ۳۵۰۔
- ۴۳۰۔ ایضاً، ص ۳۵۰۔
- ۴۳۱۔ ایضاً۔
- ۴۳۲۔ شذرات الذهب، ۵۵/۸۔

- ۲۳۳۔ تاریخ حدیث و محدثین، ص ۶۰۳۔
- ۲۳۴۔ صدیقی، محمد سعید، علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت (قائد اعظم لائبریری لاہور)، ص ۲۳۷۔
- ۲۳۵۔ رحمان علی، تذکرۃ علماء ہند، ص ۱۳۰۔
- ۲۳۶۔ محمد اسحاق، ڈاکٹر، علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۷۶ء)، ص ۱۵۴۔
- ۲۳۷۔ تذکرۃ علماء ہند، ص ۱۳۰۔
- ۲۳۸۔ سیالکوٹی، محمد ابراہیم میر، تاریخ اہل حدیث (اسلامی پبلشنگ کمپنی لاہور، ۱۹۵۳ء)، ص ۳۹۵۔
- ۲۳۹۔ محمد طفیل، نقوش رسول (ادارہ فروغ اردو لاہور، شمارہ نمبر ۱۳، دسمبر ۱۹۸۳ء)، ۶/۱۷ (مجموعہ انبار مطبوع ہے)۔
- ۲۴۰۔ عبدالحی حسنی، نزہۃ الخواطر، ۲/۲۹۸-۲۹۹۔
- ۲۴۱۔ زبیر احمد، ڈاکٹر، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور)، ص ۷۴۔
- ۲۴۲۔ خالد محمود، آثار الحدیث، ۱/۳۶۰۔
- ۲۴۳۔ مصنف، لابن ابی شیبہ، ۲/۳۱۰۔
- ۲۴۴۔ مکملہ مجمع البحار، ص ۸۵۔
- ۲۴۵۔ وحید الزمان، لغات الحدیث، مقدمہ، (میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی)، ۳/۱۔
- ۲۴۶۔ ایضاً۔
- ۲۴۷۔ ایضاً، ص ۱۷۔
- ۲۴۸۔ چشتی، عبدالحلیم، حیات و حیدر الزمان، (نور محمد، کارخانہ تجارت، آرام باغ کراچی)، ص ۱۵۔
- ۲۴۹۔ حیات و حیدر الزمان، ص ۱۱۴۔
- ۲۵۰۔ لغات الحدیث، مقدمہ، ۱/۵۔
- ۲۵۱۔ ایضاً، ۱/۳۔
- ۲۵۲۔ وحید الزمان، لغات الحدیث، ۱/۳-۵۔
- ۲۵۳۔ چشتی، حیات و حیدر الزمان، ص ۱۵-۱۶۔
- ۲۶۶۔ اصول التفریح و دراستہ الاسانید، ص ۴۷۔
- ۲۶۷۔ مری، تھتہ الاشراف، ۱/۲۔
- ۲۶۸۔ کتانی، الرسائل المسطرہ، ص ۱۳۵۔
- ۲۶۹۔ اصول التفریح و دراستہ الاسانید، ص ۴۹-۴۷۰۔

- ۳۷۰۔ ایضاً۔
- ۳۷۱۔ تحفۃ الاشراف (مقدمہ الحقق) ۲۱/۱-۲۲۔
- ۳۷۲۔ ایضاً، ۳۱/۱۔
- ۳۷۳۔ تحفۃ الاشراف، ۶/۱ (مقدمہ المؤلف)۔
- ۳۷۴۔ ایضاً، ۳-۳۔
- ۳۷۵۔ ایضاً، ۶/۱ (مقدمہ المؤلف)۔
- ۳۷۶۔ ایضاً، مقدمہ المصحح، ۱۳/۱۔
- ۳۷۷۔ ایضاً۔
- ۳۷۸۔ ایضاً۔
- ۳۷۹۔ ایضاً۔
- ۳۸۰۔ اصول التخریج ودرلئے الاسانید، ص ۵۲۔
- ۳۸۱۔ ایضاً، ص ۵۳-۵۴۔
- ۳۸۲۔ ایضاً، ص ۵۳۔
- ۳۸۳۔ تحفۃ الاشراف (مقدمہ الحقق)
- ۳۸۴۔ اصول التخریج ودرلئے الاسانید، ص ۷۵۔
- ۳۸۵۔ تاجی، عبدالحق، ذخائرالموارد (دارالکتب العلمیہ، بیروت الطبعة الاولى ۱۹۹۸ء) ۱/۱-۹-۱۰۔
- ۳۸۶۔ ایضاً، ۹/۱۔
- ۳۸۷۔ ایضاً، ۶۶/۱۔
- ۳۸۸۔ ایضاً، ۳۹/۱۔
- ۳۸۹۔ ایضاً، ۱۱/۱۔
- ۳۹۰۔ ایضاً۔
- ۳۹۱۔ ایضاً، ۹/۱۔
- ۳۹۲۔ ایضاً۔
- ۳۹۳۔ ایضاً، ۹/۱ (مقدمہ)۔
- ۳۹۴۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (ہفت جلدیں پرنٹڈ لاہور) ۱۲/۱۲-۹۱۲۔
- ۳۹۵۔ تاجی، ذخائرالموارد (ترجمہ المعصن) ۳/۱۔

- ۳۹۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۹۱۲/۱۲۔
- ۳۹۷۔ ذخائر الموارث (ترجمہ المؤلف) ۳/۱۔
- ۳۹۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۹۱۲/۱۲۔
- ۳۹۹۔ ذخائر الموارث (ترجمہ المؤلف) ۳/۱۔
- ۵۰۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۹۱۲/۱۲۔
- ۵۰۱۔ المرادی، محمد ظلیل، سبک الدردر فی ایمان الثانی عشر (دار البھار الاسلامیہ بیروت ۱۳۰۸-۱۹۸۸ء) ۳۰/۱۔
- ۵۰۲۔ تذکرۃ الخطاط (بیروت ۱۹۹۸ء) ۱۸۰/۳۔
- ۵۰۳۔ ایضاً، ۱۸۰/۳۔
- ۵۰۴۔ ایضاً، ۱۸۰/۳۔
- ۵۰۵۔ ایضاً، ۱۷۹/۳۔
- ۵۰۶۔ ایضاً، ۱۷۹/۳۔
- ۵۰۷۔ طبقات الخطاط (دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۹۸۳ء) ص ۳۱۷۔
- ۵۰۸۔ تذکرۃ الخطاط (عربی) ۱۸۰/۳۔
- ۵۰۹۔ طبقات الخطاط، ص ۳۱۷۔
- ۵۱۰۔ تذکرۃ الخطاط (عربی) ۱۸۰/۳۔
- ۵۱۱۔ ایضاً، ۱۸۰/۳۔
- ۵۱۲۔ تذکرۃ الخطاط مترجم، ۳-۱۷۷/۳۔
- ۵۱۳۔ تذکرۃ الخطاط، ۳-۳۲۲/۳۔
- ۵۱۴۔ ایضاً، ۳-۳۲۲/۳۔
- ۵۱۵۔ ایضاً۔
- ۵۱۶۔ طبقات الخطاط، ص ۳۲۳۔
- ۵۱۷۔ تذکرۃ الخطاط مترجم، ۳-۳۲۲/۳۔
- ۵۱۸۔ ایضاً، ص ۳۲۲۔
- ۵۱۹۔ طبقات الخطاط، ص ۳۲۳۔
- ۵۲۰۔ تذکرۃ الخطاط مترجم، ۳-۳۲۳/۳۔
- ۵۲۱۔ ایضاً، ۳-۳۵۵/۳۔

- ۵۲۲۔ ایضاً۔
- ۵۲۳۔ تذکرۃ الخطاظ مترجم ۳-۲-۸۹۴۔
- ۵۲۴۔ تذکرۃ الخطاظ ۳-۲-۸۹۴۔
- ۵۲۵۔ شذرات الذهب، ۳-۲۳۹۔
- ۵۲۶۔ ایضاً، ۳-۲-۸۹۴-۸۹۵۔
- ۵۲۷۔ شذرات الذهب، ۳-۲۳۹۔
- ۵۲۸۔ تذکرۃ الخطاظ مترجم ۳-۲-۸۹۶۔
- ۵۲۹۔ ایضاً، ۳-۲-۸۹۸۔
- ۵۳۰۔ شذرات الذهب، ۳-۲۳۹۔
- ۵۳۱۔ تذکرۃ الخطاظ (مترجم) ۳-۲-۸۳۳۔
- ۵۳۲۔ ایضاً۔
- ۵۳۳۔ ایضاً، ۳-۲-۸۳۳۔
- ۵۳۴۔ ایضاً، ۳-۲-۸۳۵۔
- ۵۳۵۔ ابن حجر، لسان المیزان، ۵/۲۱۰۔
- ۵۳۶۔ عمر رضا کمالہ، معجم المؤلفین (دار احیاء التراث العربی بیروت) ۱/۱۷۰۔
- ۵۳۷۔ طبقات الخطاظ ص ۵۵۱۔
- ۵۳۸۔ ابن حجر، انباء الغمر (دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۸۶ء، المطبعہ الثانیہ) ۸/۳۳۱۔
- ۵۳۹۔ ایضاً، ۸/۳۳۱؛ ابن البیاض والحسنی، شذرات الذهب (الکتب التجاری، بیروت) ۳/۲۳۳۔
- ۵۴۰۔ کشف القلوں (دار الفکر بیروت ۱۴۱۳) ۵/۱۰۴۔
- ۵۴۱۔ ایضاً۔
- ۵۴۲۔ ایضاً۔
- ۵۴۳۔ بستان المحمد ثین، ص ۲۰۱۔
- ۵۴۴۔ ایضاً۔
- ۵۴۵۔ الدرر الکامنه، ۳/۱۱۷۔
- ۵۴۶۔ بستان المحمد ثین، ص ۲۰۲۔
- ۵۴۷۔ ابن لحدکی، ذیل طبقات الخطاظ، ص ۳۳۸۔

- ۵۴۸۔ السخاوی، الضوء الملاح، ۲/۳۷۔
- ۵۴۹۔ عراقی، کاروان حدیث، ص ۳۳۴-۳۳۵۔
- ۵۵۰۔ شوکانی، البدر الطالع، ص ۱۹۴۔
- ۵۵۱۔ محارف اعظم گڑھ، ۱۰۱/۲۰۲۔
- ۵۵۲۔ السخاوی، الضوء الملاح، ۲/۳۸۔
- ۵۵۳۔ محارف اعظم گڑھ، ۱۰۱/۲۶۲۔
- ۵۵۴۔ بستان الحمد شین، ص ۲۰۴۔
- ۵۵۵۔ ایجد العلوم، ص ۷۸۵۔
- ۵۵۶۔ قاضی عیاض، ترتیب المدارک و تقریب المسالك (دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع اولی ۱۹۹۸ء، ۱۱/۱۵۷۔
- ۵۵۷۔ تذکرۃ الصحاظ (دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع اولی ۱۹۹۸ء، ۱۱/۱۵۷۔
- ۵۵۸۔ ترتیب المدارک، ۱/۴۷۔
- ۵۵۹۔ ایضاً، ۱/۴۶۔
- ۵۶۰۔ اصلاحي، تذکرۃ الحمد شین، ۱۱/۲-۳۔
- ۵۶۱۔ ترتیب المدارک، ۱/۴۵۔
- ۵۶۲۔ ایضاً۔
- ۵۶۳۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱۱/۵۱۔
- ۵۶۴۔ شاہ ولی اللہ، مسوی (مقدمہ) شرح غطا امام مالک (مطبع دہلی)۔
- ۵۶۵۔ ترتیب المدارک، ۱/۵۵۔
- ۵۶۶۔ ایضاً۔
- ۵۶۷۔ ایضاً۔
- ۵۶۸۔ ایضاً۔
- ۵۶۹۔ ایضاً۔
- ۵۷۰۔ ملک عبدالرشید عراقی، سیرۃ النصار بعد (شعبۃ تصنیف و تالیف، جامعہ اسلامیہ سیالکوٹ) ص ۱۶۔
- ۵۷۱۔ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۲۶۸، ص ۶۰۸۔
- ۵۷۲۔ سید سلیمان ندوی، حیات امام مالک، ص ۳۱۔
- ۵۷۳۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱۱/۱۳۔

- ۵۷۴۔ ایضاً۔
- ۵۷۵۔ کاروان حدیث، ص ۳۰۔
- ۵۷۶۔ مالک بن انس، المؤطا (مقدمہ محقق) (دار احیاء العلوم بیروت) ص ۹۔
- ۵۷۷۔ ایضاً، ص ۱۰۔
- ۵۷۸۔ ایضاً۔
- ۵۷۹۔ ایضاً، ص ۱۵۔
- ۵۸۰۔ ترتیب المدارک، ۱/۵۹، ذہبی، تذکرۃ الخطا (مترجم) ۱/۱۷۶۔
- ۵۸۱۔ شاہ ولی اللہ، مصنفی شرح مؤطا امام مالک (مقدمہ) (مطبع دہلی)، ص ۱۱۔
- ۵۸۲۔ سیوطی، ترمین الہماک، ص ۸؛ تذکرۃ الخطا، (مترجم) ۱/۱۷۸۔
- ۵۸۳۔ تذکرۃ الحمد شین، ص ۲۳۔
- ۵۸۴۔ سیر اعلام، ۱/۹۶/۸؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ترجمہ مالکؒ۔
- ۵۸۵۔ کتاب الاملۃ، ۲/۲۸۲؛ ابن خلدون، التاریخ، ۳/۱۹۰۔
- ۵۸۶۔ یہ ضخیم کتاب مصر سے چھپ چکی ہے۔
- ۵۸۷۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۳۳۔
- ۵۸۸۔ عراقی، کاروان حدیث، ص ۳۰۔
- ۵۸۹۔ ترتیب المدارک، ۱/۹۲۔
- ۵۹۰۔ تذکرۃ الخطا، ۱/۱۵۵۔
- ۵۹۱۔ ترتیب المدارک، ۱/۱۱۳۔
- ۵۹۲۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۳۰۔
- ۵۹۳۔ ایضاً۔
- ۵۹۴۔ ایضاً، ۱/۳۱-۳۲۔
- ۵۹۵۔ ترتیب المدارک، ۱/۳۹۔
- ۵۹۶۔ حیات امام مالک، ص ۷۹؛ اصلاحتی، تذکرۃ الحمد شین، ۱/۳۳-۳۵۔
- ۵۹۷۔ ترتیب المدارک، ۱/۶۲۔
- ۵۹۸۔ مؤطا (مقدمہ تحقیق) ص ۶۔
- ۵۹۹۔ ایضاً۔

- ۶۰۰۔ ایضاً۔
- ۶۰۱۔ ترتیب المدارک، ۶۱/۱۔
- ۶۰۲۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر، تفسیر قرآن کا مفہوم، آداب اور تقاضے (مجلس تحقیق لاٹری، جہلم ۱۹۹۱ء)۔
- ۶۰۳۔ م ۶۳؛ خطیب بغدادی، جامع اخلاق الراوی، ۱۸۳/۱۔
- ۶۰۴۔ ترتیب المدارک، ۶۳/۱۔
- ۶۰۵۔ ایضاً۔
- ۶۰۶۔ ایضاً، ۶۵/۱۔
- ۶۰۷۔ ایضاً، ۶۳/۱۔
- ۶۰۸۔ ترتیب المدارک، ۴۹/۱۔
- ۶۰۹۔ الفجر (۸۹) ۳۰ تا ۲۷۔
- ۶۱۰۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۳۰/۸۔
- ۶۱۱۔ قاموس الجلیل، ۲۲/۱۔
- ۶۱۲۔ حیات امام مالکؒ، م ۸۷۔
- ۶۱۳۔ ایضاً، م ۸۷۔
- ۶۱۴۔ لکھنوی، عبدالحی، مقدمہ التعلیق المجد علی النو ط امام محمد۔
- ۶۱۵۔ نواب صدیق حسن خان، اتحاف النبلاء، م ۱۶۵۔
- ۶۱۶۔ محمد عبدہ، امام مالک اور ان کی نو ط (مکتبہ ناصریہ، حاجی آباد فیصل آباد، ۱۹۹۸ء) م ۲۰-۲۱۔
- ۶۱۷۔ ترتیب المدارک، ۱۰۲/۱۔
- ۶۱۸۔ ایضاً، ۱۰۲/۱۔
- ۶۱۹۔ اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، ۳۷۹/۱۸۔
- ۶۲۰۔ حجتہ اللہ البالغہ، ۱۳۳/۱۔
- ۶۲۱۔ محمد زکریا کاندھلوی، مقدمہ اوجز المسالک، م ۳۱۔
- ۶۲۲۔ ترتیب المدارک، م ۳۳۔
- ۶۲۳۔ محمد زکریا کاندھلوی، مقدمہ ابن صلاح۔
- ۶۲۴۔ ترتیب المدارک، ۱۰۳/۱۔
- ۶۲۵۔ محمد زکریا کاندھلوی، اوجز المسالک، م ۲۸۔

- ۶۲۵۔ ترتیب المدارک، ۱/۱۳۱-۱۳۳۔
- ۶۲۶۔ مقدمہ التعلیق المجد علی موطا امام بحوالہ سیر العلماء۔
- ۶۲۷۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب، ترجمہ امام مالک۔
- ۶۲۸۔ تزئین الممالک بمناقب الامام مالک، طبع خیرہ مصر، ص ۳۳۔
- ۶۲۹۔ تدریب الراوی، ص ۵۶؛ قوت المستندی علی جامع الترمذی، ص ۵۔
- ۶۳۰۔ شاہ ولی اللہ، المعنی شرح موطا (دیباچہ)۔
- ۶۳۱۔ علوم الحدیث، ص ۱۲۲۔
- ۶۳۲۔ ترتیب المدارک، ۱/۱۰۲۔
- ۶۳۳۔ مالک بن انس، موطا (مقدمہ) ص ۹۔
- ۶۳۴۔ ایضاً، ص ۱۰۔
- ۶۳۵۔ ایضاً، ص ۱۲۔
- ۶۳۶۔ ندوی، سید سلیمان، حیات امام مالک، ص ۸۸۔
- ۶۳۷۔ ابن ابی العز، الاتباع، ص ۳۶۔
- ۶۳۸۔ یعنی، عمدۃ القاری (ادارۃ الطباعت لاہور ۱۳۳۸ھ) ۵/۱: ابن خلکان، وفیات الاعیان (منشورات الرضی قم)
- امام بخاری کے لئے ۳/۱۸۸: امام مسلم کے لئے ۵/۱۹۳۔
- ۶۳۹۔ تیسیر معطخ الحدیث، ص ۳۷-۳۲: ما اتصل سنده بنقل العدل الضابط عن مثله الی منتہاہ من غیر شدوذ ولا علة۔
- ۶۴۰۔ الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد (دار الکتاب العربی بیروت) ۲/۲۳-۲۵۔
- ۶۴۱۔ تہذیب التہذیب، ۹/۳۳۔
- ۶۴۲۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/۳۲۱۔
- ۶۴۳۔ حدی الساری، ص ۳۸۲۔
- ۶۴۴۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/۳۱۸، وموتہ ذہاب العلم۔
- ۶۴۵۔ تہذیب التہذیب، ۹/۳۳۔
- ۶۴۶۔ حدی الساری، ص ۳۸۳ فضل محمد بن اسماعیل علی العلماء کفضل الرجال علی النساء۔
- ۶۴۷۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/۳۲۳۔

- ۶۴۸۔ ایضاً ص ۳۳۲: الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد، ۱۰۲/۱۳۔
- ۶۴۹۔ تذکرۃ الحفاظ، ۵۵۶/۲۔
- ۶۵۰۔ شبیر احمد عثمانی، مقدمہ فتح الملہم، ۱۰۰/۱۔
- ۶۵۱۔ تذکرۃ، ۵۸۸/۲، ۵۸۹۔
- ۶۵۲۔ تہذیب التہذیب، ۱۱۵/۱۰۔
- ۶۵۳۔ تاریخ بغداد، ۱۰۱/۱۳۔
- ۶۵۴۔ تذکرۃ، ۵۸۹/۲۔
- ۶۵۵۔ ابن ابی حاتم، کتاب البحر والتحدیل، ج ۸، جز ۴، ص ۱۸۲۔
- ۶۵۶۔ تہذیب التہذیب، ۱۱۵/۱۰۔
- ۶۵۷۔ بستان المحدثین، ص ۲۸۰: شبیر احمد عثمانی، مقدمہ فتح الملہم شرح مسلم، ۱۰۰/۱۔
- ۶۵۸۔ اسحاقوی، فتح المکیف، ۱۵۱/۱۔ اسی طرح حضرت مولانا صفور لکھتے ہیں: ”امت کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ بخاری و مسلم دونوں کی تمام روایتیں صحیح ہیں“ (احسن الکلام، ج ۱، ص ۱۸۷) (بحوالہ مولانا ارشاد الحق اثری، ”مولانا سرفراز اپنی تصانیف کے آئینہ میں“۔
- ۶۵۹۔ تدریب الراوی، ۱۳۱/۱، ۱۳۲۔
- ۶۶۰۔ مقدمہ ابن الصلاح، ص ۲۵۔
- ۶۶۱۔ النووی، التدریب والتیسیر، ص ۲۶۔
- ۶۶۲۔ ابن تیمیہ، الفتاویٰ، ۳۲۱/۲۰۔
- ۶۶۳۔ طبری، الخلاصۃ فی اصول الحدیث، ص ۳۰۔
- ۶۶۴۔ الذہبی، الموقظ، ص ۸۰۔
- ۶۶۵۔ الموقظ، ص ۸۰ (الحواشی)۔
- ۶۶۶۔ ابن کثیر، اختصار علوم الحدیث، ص ۳۳۔
- ۶۶۷۔ العینی، عمدۃ القاری، ۵/۱۔
- ۶۶۸۔ زکریا الانصاری، فتح الباقی، ۳۰/۱۔
- ۶۶۹۔ حجة اللہ البانہ، ۱۳۵/۱۔
- ۶۷۰۔ تاریخ بغداد، ۸/۲۔
- ۶۷۱۔ تدریب الراوی، ۸۸/۱: ابوالولید الباجی، التحدیل والتقریح، ۳۰۹/۱: حدی الساری، ص ۷۔

- ۶۷۲۔ عمدۃ القاری، ۱/۵۱: ابن خلکان، الوفيات، ۳/۳۷۰: تاریخ بغداد، ۲/۱۳۔
- ۶۷۳۔ حدی الساری، ص ۳۸۹: التحدیل والتجرح، ۱/۳۱۰۔
- ۶۷۴۔ حدی الساری، ص ۳۸۹: التحدیل والتجرح، ۱/۳۱۰۔
- ۶۷۵۔ حدی الساری، ص ۳۸۹۔
- ۶۷۶۔ حدی الساری، ص ۳۸۳: الا اریک سحرا۔
- ۶۷۷۔ النووی، تقریب مع تدریب، ۱/۸۸۔
- ۶۷۸۔ العسقلانی، ارشاد الساری، ۱/۳۱: فلولہ درہ من تالیف رفع علمہ بمعارف معرفتہ۔
- ۶۷۹۔ البخاری، رباعیات الامام البخاری، ص ۷۵۔
- ۶۸۰۔ تاریخ بغداد، ۱۳/۱۰۱: سیر اعلام النبلاء، ۱۲/۵۷۰۔
- ۶۸۱۔ ابن الصلاح، صیانت صحیح مسلم، ص ۶۷: هذا الكتاب ثانی کتاب صنف فی صحیح الحدیث سبق البخاری الی ذلك۔
- ۶۸۲۔ تاریخ بغداد، ۱۳/۱۰۱: سیر اعلام النبلاء، ابن صلاح، ۱۲/۵۶۵: صیانت صحیح مسلم، ص ۶۷۔
- ۶۸۳۔ صیانت صحیح مسلم، ص ۶۸۔
- ۶۸۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۵۸۹۔
- ۶۸۵۔ صیانت صحیح مسلم، ص ۶۸۔
- ۶۸۶۔ حدی الساری، ص ۳۹۱۔
- ۶۸۷۔ کتاب الشہادۃ فی مصطلح الحدیث، ص ۱۶-۱۷۔
- ۶۸۸۔ المتحدی، ابوالفضل محمد بن طاہر، شروط الائمۃ السدہ، ۱۳-۱۴۔
- ۶۸۹۔ ایضاً، ص ۱۳-۱۴۔
- ۶۹۰۔ البخاری، الجامع الصحیح، ۲/۷۹۳: عن علی قال قال رسول اللہ ﷺ: رفع القلم عن ثلاث: عن المجنون حتی یفیک وعن الصبی حتی یدرک وعن النائم حتی یتقیظ (احمد، المسند، ۴/۱۰۰-۱۰۱ عن عائشہ بالفاظ مختلفہ)۔
- ۶۹۱۔ السخاوی، فتح المغیث، (المکتبۃ السلفیۃ المدینۃ المنورۃ، ۱۳۸۸ھ) ۲/۳۔
- ۶۹۲۔ محدثین کی اصطلاح میں تدلیس اس کو کہتے ہیں کہ راوی کسی ایسے شخص سے روایت بیان کرے جو اس کا ہم عصر تو ہو مگر اس نے حدیث اس سے نہ سنی ہو۔ اور راوی صیغہ روایت ایسا استعمال کرے جس سے حدیث کے مسلسل و متصل ہونے کا ملاحظہ ہو) (ملاحظہ ہو کتب حدیث، کتب اصطلاح حدیث، مثلاً مقدمہ ابن

- اصلاح، ص ۹۵ اور الفہ علی مقدمہ ابن الصلاح، ۶۱۳/۲۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اتحاد بیٹ فی علوم الحدیث، مؤلفہ مقالہ نگار، ص ۱۸۵ تا ۱۹۱۔
- ۶۹۳۔ ابو بکر محمد بن موسیٰ الحارثی، شروط الامۃ الخمسہ ص ۳۵-۳۷ (مکمل پانچوں شرائط)
- ۶۹۴۔ دونوں حضرات نے یقیناً ایسے راویوں سے بھی روایت کی ہے جن کی ثقاہت پر اتفاق ہے۔ عام طور پر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ جن لوگوں سے صحیحین میں روایتیں لی گئی ہیں ان کے بارے میں راجح رائے توثیق کی ہی ہے۔ اگرچہ بعض غیر محدثین اور متعصب لوگوں نے بعض پر تنقید کی ہے لیکن تمام رواۃ کا محدثین نے دفاع کیا ہے۔
- ۶۹۵۔ شروط الامۃ السبعہ، ص ۱۳-۱۴۔
- ۶۹۶۔ الخطابی ذکر الصالح السبعہ۔
- ۶۹۷۔ شروط الامۃ الخمسہ، ص ۳۲-۳۳۔
- ۷۹۸۔ المدخل الی کتاب الاکلیل، ص ۳۳۔
- ۶۹۹۔ شروط الامۃ الخمسہ، ص ۳۷-۳۸۔
- ۷۰۰۔ ابن الصلاح، صیاح صحیح مسلم، ص ۷۲: شرط مسلم فی صحیحہ ان یکون الحدیث متصل الاستناد، بنقل الثقة عن الثقة من اولہ الی منتہا، سالما من الشذوذ ومن العله هذا هو الحدیث الصحیح۔
- ۷۰۱۔ الصنعانی، توفیح الافکار، ۱/۱۰۹-۱۱۰، نووی شرح صحیح مسلم، ۱/۲۱: وهذا الذی صار الیہ مسلم قد انکرہ المحققون وقالوا: هذا الذی صار الیہ ضعیف والبین ردہ هو المختار الصحیح الذی علیہ آثمہ هذا الفن علی بن المدینی والبخاری وغیرہ محمد عبده، صحاح ستہ اور ان کے مؤلفین، ص ۴۷۔
- ۷۰۲۔ القاسمی، قواعد اتحاد بیٹ، ص ۸۲۔
- ۷۰۳۔ شروط الامۃ الخمسہ، ص ۳۸-۳۹ (تمام طبقات)۔
- ۷۰۴۔ کشف الظنون، ۱/۱۸۱۔
- ۷۰۵۔ مقدمہ، ابن الصلاح، ص ۱۲۲۔
- ۷۰۶۔ ایضاً، ص ۱۲۲۔
- ۷۰۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۳۶۔
- ۷۰۸۔ ایضاً، ۲/۱۹۱۔

- ۷۰۹۔ ایضاً۔
- ۷۱۰۔ ایضاً، ۱/۲۹۱۔
- ۷۱۱۔ ایضاً۔
- ۷۱۲۔ کشف الظنون، ۱/۱۸۰-۱۸۳۔
- ۷۱۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳/۱۲۹۔
- ۷۱۴۔ ایضاً، ۳/۱۳۰۔
- ۷۱۵۔ ایضاً، ۳/۱۳۰۔
- ۷۱۶۔ ایضاً۔
- ۷۱۷۔ ایضاً۔
- ۷۱۸۔ ایضاً، ۴/۳۳۔
- ۷۱۹۔ ایضاً۔
- ۷۲۰۔ ایضاً۔
- ۷۲۱۔ ایضاً۔
- ۷۲۲۔ ایضاً، ۳/۸۲-۸۳۔
- ۷۲۳۔ ایضاً، ۳/۸۳۔
- ۷۲۴۔ ایضاً، ۳/۸۳۔
- ۷۲۵۔ ایضاً، ۴/۸۳۔
- ۷۲۶۔ ایضاً، ۴/۸۵۔
- ۷۲۷۔ ایضاً۔
- ۷۲۸۔ ابوبلی القالی، الامالی (منشورات دارالافتاح الجدید، بیروت ۱۹۸۰ء) ترجمہ المؤلف۔
- ۷۲۹۔ ایضاً، ترجمہ المؤلف۔
- ۷۳۰۔ ایضاً، ۱/۳۔
- ۷۳۱۔ ایضاً۔
- ۷۳۲۔ ایضاً۔
- ۷۳۳۔ ایضاً، ۱/۷-۸۔
- ۷۳۴۔ ایضاً، ۱/۸۔

- ۴۳۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱۹۴/۴۔
- ۴۳۶۔ ایضاً، ۱۶۴/۴۔
- ۴۳۷۔ ایضاً۔
- ۴۳۸۔ ابن الحاجب، الامالی (دار الجلیل بیروت ۱۴۰۹ھ) ۱/۱۳۔
- ۴۳۹۔ ایضاً، ۲۰/۱۔
- ۴۴۰۔ یہ کتاب ”دار الجلیل بیروت نے ۱۴۰۹ھ میں شائع کی ہے۔
- ۴۴۱۔ البغوی، احمد بن محمد، المصباح المصیر (دار الحجر، قم، ایران، الطبعة الاولى ۱۴۰۵ھ) ۲/۴۹۲۔
- ۴۴۲۔ معجم اصطلاحات، ص ۱۶۴۔
- ۴۴۳۔ ایضاً (مقدمہ)، ص ۷۔
- ۴۴۴۔ الاحادیث القدسیہ، حدیث نمبر ۴۵، ص ۴۹۔
- ۴۴۵۔ ایضاً، ص ۹-۱۰؛ معجم اصطلاحات الحدیث، ص ۱۶۴-۱۶۵۔
- ۴۴۶۔ معجم اصطلاحات الحدیث، ص ۱۶۵۔
- ۴۴۷۔ ایضاً۔
- ۴۴۸۔ دائرة المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن نے دوسرا ایڈیشن ۱۳۵۸ھ میں شائع کیا۔
- ۴۴۹۔ یہ کتاب دارالکتب العربی بیروت سے ۱۹۹۹ء میں پہلی دفعہ شائع ہوئی۔
- ۴۵۰۔ الاسعدی، مولانا محمد عبداللہ، علوم الحدیث، ص ۳۱۲۳۹۔
- ۴۵۱۔ معجم اصطلاحات الحدیث، ص ۱۶۵۔
- ۴۵۲۔ ذاکر حبیب اللہ مختار، مقدس باتیں (پیش لفظ) (دارالتصنیف جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی، بن طاعت ۱۹۹۰ء)، ص ۲۱۔
- ۴۵۳۔ ایضاً، ص ۱۴۔
- ۴۵۴۔ مقدس باتیں، ص ۶۴۔
- ۴۵۵۔ ایضاً، ص ۱۲۲۔
- ۴۵۶۔ مکتبہ قدوسیہ لاہور نے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا، طبع دوم۔
- ۴۵۷۔ عزالدین ابراہیم، احادیث قدسیہ (مکتبہ قدوسیہ لاہور ۱۹۸۸ء، طبع دوم) مقدمہ، ص ۵۔
- ۴۵۸۔ ایضاً، ص ۷۔
- ۴۵۹۔ ایضاً، ص ۸۶-۸۷۔

- Dr. Abdul Wadood, Forth Hadith Qudsi, Darul Quran ۷۶۰
- Alkareem, Beirut, Damascus, 1st edition 1980.
- ۷۶۱۔ احمد سعید دہلوی، الہدیۃ السنیۃ فی الاحادیث القدسیۃ (احادیث قدسیہ، اللہ کی باتیں) شعبہ تحقیق و تصنیف، دار المطالعہ حاصل پور، ۱۳۶۰ء۔
- ۷۶۲۔ ایضاً، ص ۵-۶، ۱۳، ۲۳-۲۴۔
- ۷۶۳۔ معجم، ص ۶۰۔
- ۷۶۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۲۶۹۔
- ۷۶۵۔ ایضاً، ۱/۲۶۹-۲۷۲۔
- ۷۶۶۔ ایضاً، ۲/۹۶-۹۷۔
- ۷۶۷۔ ایضاً، ۲/۱۵۱۔
- ۷۶۸۔ ایضاً، ۲/۲۲۳-۲۲۵۔
- ۷۶۹۔ وکیع بن جراح، کتاب الزہد (مکتبۃ الدار المدینۃ المنورہ، الطبعة الاولى ۱۹۸۳ء) ۱/۲۲۳-۲۲۴۔
- ۷۷۰۔ ایضاً، مقدمہ التحقیق۔
- ۷۷۱۔ ایضاً، ۳/۸۶۲۔
- ۷۷۲۔ ایضاً، ۳/۸۵۵۔
- ۷۷۳۔ سیکلیدی الطائی، جامع التحصیل فی احکام المراسل (عالم الکتب بیروت، ۱۹۹۷ء) مقدمہ التحقیق۔
- ۷۷۴۔ ایضاً، ص ۲۲۔
- ۷۷۵۔ ایضاً، ص ۳۱۹۔
- ۷۷۶۔ بخاری، کتاب رفع الیدین فی الصلاۃ (دار ابن حزم بیروت، طبع اول ۱۹۹۶ء) ص ۱۷۹۔
- ۷۷۷۔ ملاحظہ ہو فہرست کتاب۔
- ۷۷۸۔ ابن ابی الدنیا، مکارم الاخلاق (دار الکتب العلمیہ بیروت، ۲۰۰۰ء) ص ۳-۴۔
- ۷۷۹۔ معجم اصطلاحات، ص ۳۳۸-۳۳۹۔
- ۷۸۰۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۲۶۶-۲۶۷۔
- ۷۸۱۔ کشف الظنون، ۲/۵۸۰۔
- ۷۸۲۔ عبدالرزاق، المصنف (دار احیاء التراث العربی بیروت، الطبعة الاولى ۲۰۰۲ء) ۵/۱۔
- ۷۸۳۔ ایضاً، ۱/۵۔

- ۷۸۴- ایضاً، ۱۱/۲۱۳۔
- ۷۸۵- تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۶۔
- ۷۸۶- کشف الظنون، ۲/۵۸۰۔
- ۷۸۷- ابن بکر، ابن ابی شیبہ، عبداللہ بن محمد، المصنف (مقدمہ المحقق) (دار الفکر بیروت، الطبعة الاولى ۱۹۸۹ء)۔
- ۷۸۸- ایضاً، ۱۱/۸، ۸۰۳۔
- ۷۸۹- ایضاً، ۱۱/۱۔
- ۷۹۰- ایضاً، ۸/۴۳۔
- ۷۹۱- ڈاکٹر رفیع حسن، فن کتبہ التخصیص والتحصیلات (مرکز المخطوطات التراث الوثائق الکویت، ۲۰۰۲ء) ص ۱۴۔
- ۷۹۲- معجم المؤلفین (دار احیاء التراث العربی بیروت) ۶/۴۰۔
- ۷۹۳- ابن جریر، الاعلام (دار العلم للملايين بیروت طبعہ ثامنہ ۱۹۸۹ء) ۳/۸۹۔
- ۷۹۴- ابن ابی جریر، حرمہ الازدی، مختصر صحیح البخاری (مؤسسۃ المکتب الثقافی، بیروت ۱۹۸۶ء) ص ۱۳۔
- ۷۹۵- ایضاً، ص ۲۹-۳۰۔
- ۷۹۶- ایضاً، ص ۲۱۰۔
- ۷۹۷- ایضاً، ص ۲۱۵۔
- ۷۹۸- محمد بن ابراہیم شیبانی، مختصر کتاب ”الالبانی جہودہ وحیاتہ العلمیہ وثناء العلماء علیہ“ (منشورات مرکز المخطوطات والتراث والوثائق الکویت، ۱۹۹۴ء) ص ۷۔
- ۷۹۹- ایضاً، ص ۷۔
- ۸۰۰- ایضاً، ص ۱۰۔
- ۸۰۱- ایضاً، ص ۲۶۔
- ۸۰۲- ایضاً، ص ۶۶۵۰۔
- ۸۰۳- الالبانی، محمد ناصر الدین، مختصر الجامع الصحیح (کلمۃ بین ید، المختصر) (المکتب الاسلامی بیروت/ دمشق، الطبعة الاولى ۱۳۹۹ھ) ص ز-۵۔
- ۸۰۴- ایضاً، ص ۳۔
- ۸۰۵- البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۱۔

- ۸۰۶- مختصر صحیح بخاری، ص ۳۔
- ۸۰۷- صحیح بخاری، ص ۶۔
- ۸۰۸- ایضاً، ص ۶۔
- ۸۰۹- البخاری، الجامع الصغیر، ص ۵، حدیث نمبر ۸؛ مختصر الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۵۔
- ۸۱۰- مختصر الجامع الصحیح، ص ۴۷۷۔
- ۸۱۱- الطائی، ابو الفتح محمد بن محمد، الاربعین فی ارشاد السائرین الی منازل المتقین (مخطوط مکتبہ چشمتی، ڈبلن، برطانیہ نمبر ۳۳۵۹) ص ۲۳ (الف)۔
- ۸۱۲- الرسالہ المسطر ذہ، ص ۱۷۳۔
- الاهلبی، محمد بن خیر، فہرستہ (مکتبہ المعی بغداد، الطبعة الثالثہ، ۱۹۶۷ء) ص ۱۲۲۔
- ۸۱۳- الرسالہ المسطر ذہ، ص ۱۷۳۔
- ۸۱۴- ایضاً۔
- ۸۱۵- ایضاً۔
- ۸۱۶- ایضاً، ص ۱۷۳-۱۷۴۔
- ۸۱۷- ایضاً، ص ۱۷۴۔
- ۸۱۸- ایضاً، ص ۱۷۴؛ کمالہ، عمر رضا، معجم المؤلفین (مطبعة الترقی، دمشق، ۱۹۶۱ء) ۵/۱۵۹۔
- ۸۱۹- مصطفیٰ بن عبداللہ، کشف الظنون، ۱/۵۳۶۔
- ۸۲۰- الرسالہ المسطر ذہ، ص ۱۷۵۔
- ۸۲۱- ایضاً۔
- ۸۲۲- ایضاً۔
- ۸۲۳- ایضاً۔
- ۸۲۴- عجائب الخطیب، لمحات من المکتبہ والبعث والمصادر (دمشق، بیروت، الطبعة الرابعہ ۱۹۷۵ء) ص ۱۷۳۔
- ۸۲۵- ایضاً۔
- ۸۲۶- ایضاً۔
- ۸۲۷- الرسالہ المسطر ذہ، ص ۱۷۸۔
- ۸۲۸- ایضاً، ص ۱۷۹۔

- ۸۲۹- ایضاً۔
- ۸۳۰- ایضاً، ص ۱۸۰؛ لمحات فی المکتبہ والجمہ والمصادر، ص ۱۷۵۔
- ۸۳۱- کشف الظنون، ص ۱/۱۵۸۔
- ۸۳۲- الترکلی، الاعلام، ۶/۲۸۳۔
- ۸۳۳- ایضاً۔
- ۸۳۳- لمحات فی المکتبہ والجمہ والمصادر، ص ۱۷۶۔
- ۸۳۵- ایضاً۔
- ۸۳۶- ایضاً۔
- ۸۳۷- ایضاً۔
- ۸۳۸- الرسالہ المسطرہ، ص ۱۸۱۔
- ۸۳۹- لمحات فی المکتبہ والجمہ والمصادر، ص ۱۷۱۔
- ۸۴۰- ابن دقین العید، شرح الاربعین النوویہ (مؤسسہ الطباعت والصحافہ والنشر، جدہ، ۱۹۸۲ء) ص ۲۔
- ۸۴۱- الرسالہ المسطرہ، ص ۱۰۳؛ کشف الظنون، ۱/۵۶۔
- ۸۴۲- الفاسی، ابوطیب اتقی محمد بن احمد، العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین (مطبعہ السنہ المحمدیہ القاہرہ، ۱۹۵۸ء) ۱/۳۳۱۔

باب پنجم

تاریخ حدیث

مراکز حدیث

رسول اللہ ﷺ بحیثیت معلم مبعوث ہوئے۔ مکہ مکرمہ کے حالات نا سازگار ہونے کے باوجود یہاں پر آپ ﷺ اپنے فرائض تعلیمی سرانجام دیتے رہے۔ اس دور میں کوئی باقاعدہ درس گاہ تو نہیں تھی۔ مسجد ابی بکر، دار ارقم، بیت فاطمہ بنت خطاب اور شعب ابی طالب وغیرہ کو کسی حد تک درس گاہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس کے باوجود کئی دور میں متعدد قراء و معلمین پیدا ہوئے جنہوں نے دوسروں کو قرآن و حدیث کی تعلیم دی۔ حضرت خباب بن ارت مکہ میں فاطمہ بنت خطاب کے گھر میں قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے تھے۔

مدینہ منورہ میں حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہ ہجرت سے پہلے قبا میں، حضرت مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم، نفیع الغنصات میں اور حضرت رافع بن مالک زرقی مسجد نبی زریق میں تعلیمی خدمات انجام دیتے تھے۔

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں مرکزی درس گاہ (صفہ) قائم ہوئی جس میں سید المعلمین رسول اللہ ﷺ تعلیم دیتے تھے نیز حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت ابی کعبؓ اور حضرت عبادہ بن

صامت وغیرہ اس درس گاہ کے معلم و متری تھے یہاں کے طلبہ (صحابہ) اپنے گھروں میں بچوں اور عورتوں کو تعلیم دیتے تھے۔ مختلف علاقوں سے قبائل اور وفود مدینہ منورہ آ کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ درس گاہ نبوی سے تعلیم حاصل کر کے قبائل کے رئیس و ترجمان اپنے اپنے قبیلے میں تعلیم دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کو معلم بنا کر مختلف قبائل میں روانہ کرتے تھے۔ اس دور میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور یمن کے مختلف علاقوں میں تعلیم و تعلم کی سرگرمیاں زیادہ تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام کی مساعی جلیلہ کی بدولت اسلامی حکومت کے دائرہ میں بڑی وسعت آئی اور وہاں کے رہنے والے حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور اسلامی تعلیمات کو سیکھنے کا تقاضا کرنے لگے۔ چنانچہ صحابہؓ اپنی مرضی سے ان شہروں میں جا کر لوگوں کو قرآن و حدیث کی روشنی میں اسلامی احکام سے آگاہ کرنے لگے۔ بعض صحابہؓ نے ان شہروں کو پسند کر کے اپنا وطن بنالیا اور پھر زندگی بھر وہ وہیں مقیم رہے وہاں قرآن و حدیث کی تعلیم و تدریس کے مدارس و مراکز کھولے۔ ان مدارس و مراکز میں مختلف علاقوں کے طلبہ ان کے چشمہ علم سے اپنی پیاس بجھاتے اور ان سے وہ فیوض حاصل کرتے جو انہوں نے سرور کائنات ﷺ سے درس میں پائے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مفتوحہ علاقوں کے ہر گوشہ سے تابعین کا ایک گروہ فارغ التحصیل ہو کر نکلا جو آگے چل کر احادیث کا حامی و محافظ اور راوی و ناقل ثابت ہوا اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس وقت دور حاضر کی طرح مدارس و کالج کھلے جہاں خصوصی انتظامات تھے اور ٹیکچر روم ہوتے تھے بلکہ لوگ فطری سادگی کو اپنائے ہوئے تھے۔ صحابہؓ کے سینے دینی علوم کا مخزن تھے۔ مسجدیں اس دور میں مراکز حدیث، وار الحدیث اور درس گاہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ معلم مسجد میں بیٹھ جاتے ان کے تلامذہ ان کے گرد حلقہ باندھ کر ان کی باتیں سنتے اور ان کو اپنے سینوں میں جاگزیں کرتے۔ تلامذہ سوال کرتے اور معلم ان کو قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیتے یا اپنے اجتہاد سے جو قرآن و حدیث سے ہی ماخوذ ہوتا تھا جن ملکوں اور شہروں میں حدیث کے مراکز (دار الحدیث) قائم ہوئے ان کی فہرست بہت طویل ہے ان میں سے چند مشہور مراکز حدیث یہ ہیں:

مکہ مکرمہ کے مراکز حدیث

مکہ مکرمہ وہ حرم پاک ہے جہاں سے وحی نبوت کا آغاز ہوا اور حضور ﷺ نے بعثت کے تیرہ

سال گزارے ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے کوئی مرکزی درس گاہ نہیں تھی، جہاں رہ کر سکون و اطمینان سے باقاعدہ تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھتے۔ اس زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کی ذات ہی متحرک درس گاہ تھی۔ صحابہ کرام میں سے چند حضرات چمپ چمپا کر قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس دور کے ایسے مقامات اور حلقے کو درس گاہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جہاں حالات کی نزاکت اور ضرورت کے مطابق کسی نہ کسی انداز میں قرآن پڑھا پڑھایا جاتا تھا۔ ان میں سے زیادہ نمایاں ابن ابی ارقم کا مکان (دار ارقم) ہے۔

۱۔ دار ارقم

حضرت ارقم بن ابی ارقم سابقون اولون اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں ان کا مکان کوہ صفا کے اوپر واقع تھا، اس جگہ کو اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کو دار السلام کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

نبوت کے پانچویں سال بعض صحابہ خبیثہ کی طرف ہجرت کی اور مکہ میں رہ جانے والے حضرات سخت حالات کا مقابلہ کر رہے تھے یہاں تک کہ ۶ سن نبوی میں رسول اللہ اور صحابہ کرام نے دار ارقم میں پناہ لی اور یہیں سے دعوت اسلام کا فریضہ ادا کرتے رہے اس میں قرآن و حدیث کی تعلیم و تعلم کا شغل بھی جاری رہا۔

متدرک حاکم میں ہے: کان النبی ﷺ یسکن فیہا فی اول الاسلام و فیہا یدعو الناس الی الاسلام فأسلم فیہا قوم کثیر (۱) (رسول اللہ ابتدائے اسلام میں اسی مکان میں رہتے تھے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور بہت سے لوگ مسلمان ہوئے)۔ اور ابو الولید ازرقی لکھتے ہیں: یجتمع هو واصحابه عند الارقم بن ابی الارقم ویقرءہم القرآن ویعلمہم فیہ (۲) (رسول اللہ اور صحابہ کرام دار ارقم میں جمع ہوتے تھے اور آپ لوگوں کو قرآن پڑھاتے اور دین (حدیث) کی تعلیم دیتے تھے)۔ یہاں رسول اللہ اور صحابہ کرام تقریباً ایک ماہ رہ کر خفیہ تعلیم و تعلم اور دعوت اسلام میں لگے رہے۔ اس مدت میں حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تو مسلمانوں نے علی الاعلان کعبہ میں نماز پڑھنا شروع کی اور ان میں ایمانی جرأت پیدا ہوئی۔ دار ارقم کے

علاوہ مسجد ابوبکر اور بیت فاطمہ بنت خطاب کو بھی درس گاہ شمار کیا جاتا ہے۔

مکہ مکرمہ میں درس حدیث

جب آنحضورؐ نے مکہ کو فتح کیا تو قرآن کریم کی تعلیم و تدریس اور حلال و حرام کے مسائل سکھانے کے لیے حضرت معاذؓ بن جبل کو وہاں قیام کرنے کا حکم دیا۔ حضرت معاذؓ "علم و حلم اور جود و سخاوت کے اعتبار سے انصاری صحابہؓ" میں ممتاز تھے۔ آپ تمام غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کر چکے تھے۔ اور صحابہؓ میں حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم شمار ہوتے تھے۔ حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابن عباسؓ بصرہ سے لوٹ کر مکہ آ گئے تو وہاں کے دارالحدیث کے رئیس دزیم قرار پائے۔ مکہ کو جو علمی شہرت حاصل ہوئی وہ انہیں کی مساعی جیلہ کی شہرت تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ابن عباسؓ مخزن علم اور جلیل القدر حافظ حدیث تھے۔ اس دور میں مکہ میں اور بھی بہت سے صحابہؓ تھے جن کا تذکرہ محدث حاکم نے اپنی کتاب "معرفۃ علوم حدیث" میں کیا ہے۔

۱۔ عیاض بن ربیعہ مخزومی	۲۔ عبداللہ بن ربیعہ مخزومی
۳۔ حارث بن ہشام	۴۔ عکرمہؓ بن ابی جہل
۵۔ عبداللہ بن سائب مخزومی	۶۔ عتابؓ اسید
۷۔ خالد بن اسید	۸۔ حکم بن ابی العاص
۹۔ عثمان بن طلحہ	۱۰۔ عقیقہ بن الحارث
۱۱۔ ہشیم بن عثمان الجلی	۱۲۔ صفوان بن امیہ
۱۳۔ ابو محمد ورہؓ	۱۴۔ مطیع بن الاسود
۱۵۔ عبداللہ بن مطیع	۱۶۔ مہاجر بن قنفذ
۱۷۔ سمیل بن عمرو	۱۸۔ عمیر بن قنادہ لیلی
۱۹۔ کریر بن علقمہ	۲۰۔ حمیم بن اسد
۲۱۔ اسود بن غلف	۲۲۔ ابو شریح کعمیؓ
۲۳۔ عبداللہ بن حوش	۲۴۔ عبداللہ بن صفوان

۲۵۔ لقیط بن حمزہ ۲۶۔ ایاس بن عبدالمونی (۳)

امام ذہبی لکھتے ہیں: ”مکہ مکرمہ میں صحابہؓ کے اخیر دور میں اس (علم حدیث) کی کثرت ہوئی اور اسی طرح عہد تابعین میں مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر اور ابن ابی ملیکہ اور پھر ان کے شاگردوں کے دور میں عبداللہ بن ابی النجیح، قارئ ابن کثیر، حظلہ بن ابی سفیان اور ابن جریج اور ہارون رشید کے وقت میں مسلم زنجی، فضیل، ابن عیینہ، ابو عبد الرحمن مفری، ازرقی، حمید بن سعید بن منصور جیسے علماء پیدا ہوئے ہیں۔“

امام بخاری کو حرمین کے علم پر کتنا اعتماد تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی صحیح میں ایک مستقل باب باندھا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ تیسری صدی ہجری میں اگرچہ مدینہ طیبہ کی طرح مکہ معظمہ کی بھی وہ پہلی سی علمی رونق باقی نہ رہی تھی۔ تاہم مندرجہ ذیل حضرات کی بدولت ابھی بزرگوں کی یاد تازہ تھی۔

- ۱۔ حافظ حلوانی۔ ۲۔ حافظ زہیر بن بکار۔
- ۳۔ حافظ سلمہ بن شیب۔ ۴۔ حافظ عدنی۔
- ۵۔ حافظ یعقوب بن حمید۔

ان کے علاوہ ابراہیم بن محمد بن العباس ابواسحاق الشافعی الہمی (م ۲۴۷ھ) (یہ امام شافعی کے چچا زاد بھائی بھی تھے) حسین بن حرب السلمی الروزی نزیل مکہ (م ۲۴۶ھ) محمد بن عبداللہ بن یزید الحدادی البوہمی المقری الہمی (م ۲۵۶ھ) قابل ذکر ہیں۔

۳۔ درس گاہ حضرت عبداللہ بن عبد الرحمن نوفلی مکی۔

حضرت عبداللہ بن عبد الرحمن بن ابی حسین بن حارث نوفلی مکی قبیلہ قریش کی شاخ بنو نوفل سے ہیں۔ ابن سعد نے لکھا ہے: کان ثقة قليل الحديث (وہ ثقہ قلیل الحدیث عالم تھے) (۳)۔ ان کا حلقہ درس مکہ مکرمہ میں منعقد ہوتا تھا۔ ان کی درس گاہ کے فیض یافتہ حضرات میں امام مالک، ابن جریج، لیث بن سعد، محمد بن مسلم طاہمی، سفیان بن عیینہ، سفیان الثوری، شعیب بن ابی حمزہ، شعبہ، عبداللہ بن

افض، ابراہیم بن شیط اور مسلم بن خالد مشاہیر ائمہ ہیں (۵)۔

۴۔ دارالحدیث مکہ مکرمہ

مکہ مکرمہ کا یہ دارالحدیث ۱۳۵۲ھ میں قائم ہوا۔ جس میں ایک صدر المدرسین اور متعدد اساتذہ تھے۔ جہاں مؤطا، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی، تفسیر ابن کثیر اور تفسیر بنوی پڑھائی جاتی تھی۔ نیز علم کلام، اصول حدیث، فقہ و اصول فقہ، فرائض اور عربی لغت (ادب عربی) کی تعلیم دی جاتی تھی (۶)۔

۵۔ جامعہ أم القرى

یہ یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں ہے۔ اسے ۱۹۷۹ء میں یونیورسٹی کا درجہ دیا گیا ہے۔ اس کے موجودہ وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر ناصر بن عبداللہ الصالح ہیں۔ اس جامعہ میں علوم اسلامی کے تمام شعبے ہیں۔ عالم اسلام کے بڑے محدث اس یونیورسٹی میں پڑھاتے رہے ہیں۔ اب بھی یہ یونیورسٹی اعلیٰ علم کو علم حدیث سے سیراب کر رہی ہے۔

مدینہ منورہ کے مراکز حدیث

مدینہ منورہ، مدینہ العلم تھا۔ یہیں سے پورے عالم اسلام میں دین اور علم دین کی اشاعت ہوئی اور یہیں سے قراء و محدثین اور ان کے تلامذہ و اصحاب نے اپنے اپنے حلقوں اور علاقوں میں علم حدیث پھیلایا۔ مدینہ کی مشہور درسگاہیں اور مراکز حدیث یہ ہیں:

مدینہ منورہ میں درس حدیث

مدینہ طیبہ آنحضرتؐ کا دارالہجرۃ اور نبوت کی آخری قیام گاہ تھا اور اس لیے علم نبوت کا اصل مخزن اور منبع و معدن ہونے کا فخر اسی مبارک شہر کو حاصل ہے۔ یہاں آپؐ کی زیادہ احادیث بیان فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ شرعی احکام زیادہ تر مدینہ منورہ میں ہی نازل ہوئے تھے۔ صحابہ مدینہ کی بود و باش

پسند کرتے تھے اور مکہ یا کسی دوسری جگہ نقل مکانی کرنا انہیں گوارہ نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ اسلامیہ اور خلافت راشدہ کا مرکز و محور اور صحابہؓ اور علماء کی اقامت گاہ تھا۔ اس اعتبار سے مدینہ کو صحابہؓ کے اولین مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے جس کو وہ دوسرے مقامات پر ترجیح دیتے اور آنحضورؐ کی زندگی میں ان کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے تھے۔ حضورؐ کی وفات کے بعد صحابہؓ مدینہ کو کسی خاص سیاسی، معاشی یا تعلیمی مجبوری کی بناء پر ہی ترک کرتے تھے۔ چنانچہ عہد نبوی ﷺ سے لے کر حضرت علیؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ تک ساری دنیائے اسلام کا مرکز یہی تھا (۷) مدینہ میں متعدد صحابہ ایسے تھے جنہوں نے حدیث و فقہ میں بڑی شہرت حاصل کی۔ جن میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:

حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ (کو فہ سکونت اختیار کرنے سے قبل) حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ اور زید بن ثابتؓ۔ یہ حضرات کتاب و سنت سے اخذ کرنے اور اجتہاد صحیح میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔

دارالہجرۃ مدینہ میں عہد صحابہ میں قرآن و سنت کا علم بہت زیادہ تھا اور زمانہ تابعین میں فقہاء سب سے جیسے حضرات موجود تھے۔ صحابہ کرامؓ کی آغوش علم و فضل میں جن تابعین نے تربیت پائی ان میں سے مندرجہ ذیل کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

سعید بن المسیبؓ، عروہ بن زہرہ، ابن شہابؓ زہری، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عقبہ بن مسعود، سالم بن عبد اللہ بن عمر، قاسم بن محمد بن ابی بکر، نافع مولیٰ ابن عمر۔ یہ حضرات فقہاء سب سے جیسے ہیں (۸) اور صفار تابعین کے دور میں عبید اللہ بن عمر، ابن ابی ذئب، ابن عجلانؓ اور جعفر صادقؓ تھے۔ پھر امام مالکؓ، قاری مدینہ نافعؓ، ابراہیم بن سعدؓ، سلیمان بن بلال اور اسمعیل بن جعفرؓ تھے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ شرح مؤطا میں فرماتے ہیں: ”مدینہ شریف امام مالک کے زمانہ میں بلاشبہ فضلاء کا مرجع اور اہل علم کی فروگاہ تھا“ (۹) مدینہ طیبہ کی دارالعلم کی حیثیت باقی تھی۔ امام مالک کو اپنے یہاں کے علماء پر اتنا وثوق تھا کہ ان کے نزدیک تعامل اہل مدینہ مستقل حجت ہے۔

۱۔ مسجد نبوی (صفہ)

ہجرت عامہ سے دو سال پہلے مدینہ منورہ میں مسجد بنی زریق، مسجد قبا، و تہج الخضعات اور دیگر

مساجد و مقامات میں قرآن وحدیث اور شرائع اسلام کی تعلیم ہو رہی تھی اور ان میں تعلیمی خدمات انجام دینے والے حضرات کے لیے معلم اور مقرر کا لقب مشہور ہو گیا تھا۔ اور ان کے فضلاء وقاریفین کی اچھی خاصی تعداد ہو گئی تھی۔

جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، تو آپ کا معمول تھا کہ نماز فجر کے بعد مسجد نبوی کے ستون ابولبابہ کے پاس تشریف لاتے، جہاں پہلے سے اصحاب صفہ، ضعفاء و مساکین، مولعۃ القلوب اور باہر سے آنے والے افراد حلقہ بنا کر بیٹھتے تھے۔ آپ ان کو قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے، ان کی دلجوئی اور دل داری فرماتے، پھر کچھ دیر کے بعد اعیان و اشراف اور خوش حال لوگ آتے اور حالتہ میں منجائش نہ ہونے کی وجہ سے کھڑے رہتے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغدلة والعشي يريدون
وہ (۱۰) آپ ان لوگوں کے ساتھ رہیں جو صبح وشام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اور اپنے رب کی رضا چاہتے ہیں۔

اس درس گاہ میں مقامی طلبہ کے علاوہ بیرونی طلبہ بھی کثیر تعداد میں شریک ہوتے تھے۔ ان کی حاضری ہنگامی اور وقتی ہوتی تھی، اور مقامی طلبہ مستقل طور سے حاضر رہتے تھے طلبہ کی تعداد کم و بیش ہوتی رہتی تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے مطابق اصحاب صفہ کی تعداد ۷۰ ہے (۱۰-۱)۔ جو اس درس گاہ کے بہت بڑے طلباء تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے تھے ہم ساٹھ ساٹھ آدمی رسول اللہ کی مجلس میں رہا کرتے تھے، بعض اوقات ان کی تعداد بہت بڑھ جاتی تھی خاص طور سے بیرونی وفد کی آمد پر بہت اضافہ ہو جاتا تھا، وفد بچیلہ میں ۱۵۰ وفد نخل میں ۲۰۰ وفد مدینہ میں ۳۰۰ افراد تھے۔ اسی طرح دیگر وفود میں مختلف تعداد کے افراد ہوتے تھے اور ان کی آمد دین سیکھنے کے لیے تھی۔

حضرت عبادہ بن صامت کی رسول اللہ ﷺ نے صفہ میں ڈیوٹی لگائی کہ وہ لوگوں کو کتابت اور قرآن کی تعلیم دیں (۱۰-۲)۔ اصحاب صفہ میں ہر طبقہ کے افراد شریک ہوتے تھے، انصار، مہاجرین، مقامی، بیرونی، بچی، بوڑھے، جوان، بچے سب ایک ساتھ بیٹھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سب کے احوال و ظروف، ذہن و مزاج اور زبان و لب و لہجہ کی رعایت رکھتے ہوئے تعلیم دیتے تھے۔ اس لیے آپ

ﷺ کی بات سب کے دل میں اتر جاتی تھی حضرت انسؓ نے آپؐ کا طریقہ تعلیم ان الفاظ میں بیان کیا ہے: **إِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتَّى تَفْهَمَ عَنْهُ وَإِذَا أُنِى عَلَى قَوْمٍ فَسَلَّمْ عَلَيْهِمْ ثَلَاثًا (۱۱)** (جب آپ کوئی بات کہتے تھے تو تین بار دہراتے تھے تاکہ سمجھا جاسکے اور جب کسی جماعت کے پاس جاتے تو ان کو تین بار سلام کرتے تھے)۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے: **إِنْ النَّبِيُّ كَانَ إِذَا حَدَّثَ حَدِيثًا أَعَادَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ (۱۲)** (رسول اللہ ﷺ جب کوئی حدیث بیان کرتے تو اس کو تین مرتبہ دہراتے تھے)۔

حضرت عائشہؓ آپؐ کے طریقہ تدریس یوں بیان کرتی ہیں: **أَنَّ كَسَانَ رَسُولِ اللَّهِ لِيَحْدِثَ الْحَدِيثَ لَوْ شَاءَ الْعَادَةُ أَنْ يَحْصِيَهُ أَحْصَاهُ (۱۳)** (رسول اللہ ﷺ اس طرح حدیث بیان کرتے تھے اگر شمار کرنے والا چاہتا تو شمار کر لیتا)۔ آپ ہر جملہ تین بار دہراتے اور پھر پھر کر حدیث بیان کرتے۔ اس سے سامعین کے دل میں بات بیٹھ جاتی تھی اور یاد کرنے والے یاد کر لیتے اور لکھنے والے لکھ لیتے تھے۔

۲۔ درسگاہ حضرت سعید بن مسیب (م ۹۲ھ)

سیدنا یحییٰ بن سعید بن مسیب کی علمی جلالت کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی ان سے اپنے والد حضرت عمرؓ کے اقوال و آراء معلوم کرتے تھے۔ انہوں نے اجلہ صحابہ سے روایت کی۔ ان کی مجلس درس مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی۔ ایک دفعہ عبدالملک بن مروان مدینہ آیا اور قاصد کو حکم دیا کہ مسجد نبوی سے کسی عالم کو بلا لائے۔ اس نے آکر سعید بن مسیب سے کہا کہ امیر المؤمنین یاد کر رہے ہیں۔ اس وقت وہ اپنے حلقہ میں درس دے رہے تھے۔ جانے سے صاف انکار کر دیا۔ خلیفہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے کہا کہ یہ سعید بن مسیب ہے ان سے تعرض نہ کرو (۱۴)۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اپنے دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان کے حق میں لوگوں سے بیعت لی مگر سعید بن مسیب نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر امیر مدینہ ہشام بن اسماعیل مخزومی نے ان کو ساٹھ دڑے رسید کرائے اور بازار میں گشت کرایا (۱۵)۔ اس زمانہ میں سعید بن مسیب اپنی مجلس

میں تنہا بیٹھے تھے کیونکہ لوگوں کو ان کی مجلس میں جانے سے منع کر دیا گیا تھا۔ حادثہ ۷۶۳ھ کے بعد بھی انہوں نے مسجد نبوی کو نہیں چھوڑا (۱۶)۔

۳۔ درس گاہ حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر (م ۱۰۷ھ)

قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق مدنی، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے اور حضرت عائشہؓ کے بھتیجے ہیں۔ انہوں نے اجلہ صحابہ و تابعین سے علم حاصل کیا۔ اپنی چھوٹی بھی حضرت عائشہؓ کی احادیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔ انتہائے سبھ میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ ان کی مجلس درس مسجد نبوی میں روزہ شریفہ اور منبر کے درمیان خود عمر کے پاس منعقد ہوتی تھی (۱۷)۔

اس مجلس میں حضرت قاسم بن محمد اپنے تلامذہ کے ساتھ عشاء کے بعد حدیث کا درس دیتے تھے۔ عن القاسم بن محمد انه كان يتحدث بعد العشاء الآخرة هو وأصحابه (۱۸)
(قاسم بن محمد اور ان کے تلامذہ عشاء کے بعد حدیث پڑھتے پڑھاتے تھے)۔

عبدالرحمن نے اپنے والد (قاسم بن محمد بن ابی بکر) سعید بن مسیب، سالم بن عبداللہ بن عمر، نافع مولیٰ ابن عمر، عبداللہ بن عبداللہ بن عمرو وغیرہ سے روایت کی ہے۔ اہل علم میں ان کی بڑی قدر و قیمت تھی۔ سفیان بن عیینہ نے ان کو اپنے زمانہ میں علم و فضل میں سب سے اعلیٰ بتایا ہے۔

۴۔ درس گاہ حضرت عروہ بن زبیر (م ۹۴ھ)

حضرت عروہ بن زبیر بن عوام کا خاندان ابتدائے اسلام ہی سے علم و فضل اور مجد و شرف میں مشہور تھا۔ ابن شہاب زہریؒ کہتے ہیں کہ عروہ جب کوئی حدیث بیان کرتے ہیں، اور بعد میں عمرہ بنت عبدالرحمن جب اسی حدیث کو بیان کرتی ہیں تو ان کی حدیث کی تصدیق عروہ کی حدیث کرتی ہے۔ عروہ کو میں نے بحر بے کنار پایا۔ عروہ، عمرہ اور قاسم تینوں حضرات عائشہؓ کی احادیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔ روزانہ رات کو نفل نماز میں چوتھی قرآن پڑھتے تھے۔ اس میں فرق نہیں ہوتا تھا، البتہ جس دن ان کا پاؤں چھوڑے کی وجہ سے کاٹا گیا اس رات کا ٹانگہ ہو گیا تھا (۱۹)۔

۵۔ درس گاہ حضرت ربیعہ الرائی (۱۳۶ھ)

ربیعہ بن ابوعبدالرحمن فروخ تمیمی، مولیٰ آل مکہ ربیعہ الرائی کے لقب سے مشہور ہیں۔ امام ربیعہ الرائی کا حلقہ درس مسجد نبوی میں قائم تھا۔ جس میں اعیان و اشراف کثیر تعداد میں شریک ہوتے تھے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: وهو صاحب الفتوى بالمدينة كان يجلس إليه وجوه الناس وبه تفقه مالك (۲۰) (وہ مدینہ کے محدث تھے ان کی مجلس میں اعیان و اشراف بیٹھے تھے اور امام مالک نے ان ہی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی ہے)۔

۶۔ درس گاہ حضرت اسلم عدویؒ

حضرت اسلم عدوی کی وفات ۶۰ھ اور ۷۰ھ کے درمیان ہے۔ حضرت عمرؓ کے غلام ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا ہے۔ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت حصہؓ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ اسلم عدوی نے درس میں ایک حدیث بیان کی، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ ابواسامہ یہ حدیث کس راوی کی ہے انہوں نے جواب دیا: یسا اخی! ما کننا نجالس السفهاء (بھائی! ہم بیوقوفوں کے پاس نہیں بیٹھتے ہیں)۔

اسلم عدویؒ کے حلقہ درس میں نامی گرامی اہل علم و فضل شریک ہوتے تھے۔ ان ہی میں امام زین العابدینؑ، علی بن حسینؑ بھی تھے، جو بظاہر ان کے علم و فضل اور حسب و نسب کے خلاف معلوم ہوتا تھا، اس پر ایک قریشی نے ان سے کہا کہ آپ اہل قریش کی مجلس چھوڑ کر بنی عدی (کے غلام) کی مجلس میں بیٹھتے ہیں؟ امام زین العابدینؑ نے جواب دیا کہ انسان کو جہاں سے نفع پہنچتا ہے وہیں بیٹھتا ہے (۲۱)۔ حضرت اسلم عدویؒ کے بعد ان کی مسند پر ان کے صاحبزادے زید بن اسلم عدویؒ بیٹھے وہ تفسیر اور حدیث کے مشہور عالم تھے۔ والد کی طرح ان کی مجلس درس بھی مسجد نبوی میں بڑی پروقار ہوتی تھی۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: وكان له حلقة العلم بمسجد النبي ﷺ (۲۲)۔

زید بن اسلم کے زہد و تقویٰ اور علم و فضل کا رعب مجلس پر چھایا رہتا تھا۔ ابن عجلان کا بیان ہے: ما هبت احداً قط هيبتى زيد بن اسلم (۲۳) (میں جتنا زید بن اسلم سے ڈرتا تھا کسی عالم سے نہیں ڈرتا تھا)۔

۷۔ درس گاہ حضرت عمرؓ بنت عبدالرحمن انصاریہ (م ۹۸ھ)

حضرت عمرؓ بنت عبدالرحمن بن اسعد بن زرارہ نجاریہ انصاریہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی آغوشِ حدیث کی پروردہ اور ان کے علم کی جامع ترجمان ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز ان سے حدیث کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے اور کہتے تھے: ما بقی أحد أعلم بحديث عائشة منها یعنی عمرؓ کا عمرؓ سے زیادہ علم تھا (۲۳) حضرت عائشہؓ کی احادیث کے بارے میں عمرہ سے بڑا کوئی عالم باقی نہیں رہا اور حضرت عمرؓ آپ سے پوچھتے تھے۔

علی بن عبداللہ کہتے ہیں: ”عمرہ حضرت عائشہؓ کی احادیث کے ثقات علماء میں سے ہیں۔“ اجتہاد صحیح میں بڑی شہرت رکھتی تھیں۔

۸۔ جامعہ اسلامیہ مدنیہ منورہ

جامعہ اسلامیہ دورِ حاضر میں علمِ حدیث کا بہت بڑا مرکز ہے۔ یہ ۱۹۶۱ء میں قائم ہوئی اس کے موجودہ وائس چانسلر ڈاکٹر صالح بن عبداللہ بن عبدالرحمن العبود ہیں۔ اس جامعہ میں شیخ عبدالعزیز بن باز، شیخ ناصر الدین البانی، شیخ ربیع بن حادی اور شیخ حماد الانصاری اور مولانا عبدالغفار حسن جیسے شیوخ الحدیث پڑھاتے رہے ہیں۔ اس یونیورسٹی کے فارغ التحصیل دنیا کے بہت سے ممالک میں تبلیغ اور تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

مدینہ کے محدثین

مدینہ منورہ کے علمی انحطاط کا زمانہ امام ابن ماجہ کا زمانہ تھا۔ تاہم ابھی تک وہ محدثین سے خالی نہیں ہوا تھا۔ امام مالک اور ان کے معاصر علماء کے تلامذہ علم کی آخری بہار دکھا رہے تھے۔ اس وقت کے مشہور محدثین میں مندرجہ ذیل حضرات شامل ہیں:

۱۔ حافظ ابو مصعب زہری (م ۲۹۲ھ)۔

۲۔ حافظ ابوالجیم بن المنذر۔

- ۳۔ حافظ اسحاق بن موسیٰ الانصاری۔
 ۴۔ بکر بن عبد الوہاب المدنی خواہر زادہ واقدی (۲۵۰ھ)۔
 ۵۔ حسن بن داود ابو محمد المدنی المکندری (۲۳۷ھ)۔
 ۶۔ محمد بن عبید بن میمون المدنی الثبانی۔
 اب ہم ان میں سے چند مشہور محدثین کے مختصر تعارف قلم بند کرتے ہیں:

۱۔ حافظ ابو مصعب زہری (۲۹۲ھ)

حافظ ابو مصعب زہری احمد بن ابی بکر العوفی المدنی۔ حافظ ذہبی ”تذکرۃ الحفاظ“ میں ان کے متعلق لکھتے ہیں: احد الاثبات وشيخ اهل المدينة وقاضيه ومحدثهم (۲۵)۔
 امام مالک کے شاگرد ہیں۔ اور مؤطا کے آخری راویوں میں سے ہیں۔ ابن حزم نے تصریح کی ہے کہ ان کے نسخہ مؤطا میں دیگر نسخوں کی بہ نسبت سو حدیثیں زیادہ ہیں۔ بخاری کے سب مصنفین صحاح ستہ کو آپ سے براہ راست تلمذ حاصل ہے۔ ۱۵۰ء میں پیدا ہوئے اور بانوے سال کی عمر میں جب آپ مدینہ منورہ میں عہدۂ قضا پر فائز تھے ۲۹۲ھ میں وفات پائی (۲۶)۔

۲۔ حافظ ابراہیم بن المہر (۲۳۶ھ)

ابو اسحاق ابراہیم بن المہر الخزامی الاسدی المدنی مدینہ منورہ کے کبار محدثین میں سے ہیں۔ امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں مدینہ منورہ کے تمام شیوخ میں سے سب سے زیادہ حدیثیں ان سے روایت کی ہیں۔ حافظ ذہبی نے ان کو الامام المحدث الثقة لکھا ہے۔ امام بخاری بھی ان کے شاگرد تھے۔ محرم ۲۳۶ھ میں وفات پائی (۲۷)۔

۳۔ حافظ ابو موسیٰ اسحاق بن موسیٰ الانصاری المدنی (۲۳۳ھ)

حافظ ذہبی نے ”تذکرۃ الحفاظ“ میں ان کا ترجمہ ”الفقيه الحافظ الثبت“ (۲۸)۔
 جیسے شاندار اوصاف کے ساتھ شروع کیا ہے۔ حدیث میں یہ سفیان بن عیینہ، عبدالسلام بن حرب اور معن بن یساع کے شاگرد ہیں اور ان سے امام مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کو تلمذ حاصل ہے۔

واضح رہے کہ امام ترمذی جہاں اپنی جامع میں ”حدثنا انصاری“ کہتے ہیں یہی مراد ہوتے ہیں۔ ابو حاتم رازی، امام نسائی اور خطیب بغدادی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: کان من ائمة الحديث صاحب سنة (۲۹) (وہ حدیث کے اماموں میں سے تھے اور صاحب سنت تھے)۔ ۳۳۳ھ میں دمشق سے لوٹتے ہوئے بمقام جوسہ جو حص کا ایک حصہ ہے وفات پائی (۳۰)۔

الریاض

سعودی عرب کا دار الحکومت ہے۔ یہاں دو جامعات مشہور ہیں۔ جامعہ امام محمد بن سعود اور جامعہ ملک سعود۔ جامعہ امام محمد بن سعود اسلامی علوم کے حوالے سے مشہور ہے ۱۹۷۷ء میں اسے یونیورسٹی کا درجہ حاصل ہوا اس کے موجودہ وائس چانسلر ڈاکٹر محمد بن سعد السالم ہیں۔ ڈاکٹر عبد اللہ عبد الحسن ترکی کافی عرصہ تک اس کے وائس چانسلر رہے، انہوں نے ہزاروں کے لحاظ سے دینی کتب طبع کرائیں۔ اب بھی اس جامعہ میں بہت سی کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ معروف پروفیسر ڈاکٹر فضل الہی صاحب اس یونیورسٹی میں کافی عرصہ رہے ہیں جن کی بہت سی کتابیں ہیں۔ آج کل انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں حدیث کے پروفیسر ہیں۔ اسی یونیورسٹی میں ڈاکٹر محمود میرہ، ڈاکٹر عبد الفتاح ابو غدہ، ڈاکٹر محمود طحان اور ڈاکٹر صلاح الدین ادلی جیسے معروف محدث تدریس حدیث کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں۔

دوسری یونیورسٹی جامعہ ملک سعود ہے یہ ۱۹۵۷ء میں قائم ہوئی۔ اس کے موجودہ وائس چانسلر ڈاکٹر عبد اللہ بن محمد الفیصل ہیں۔ اس یونیورسٹی میں جدید علوم کی تعلیم زیادہ ہے لیکن اس جامعہ میں پروفیسر ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی پڑھاتے رہے ہیں۔ انہوں نے کیمبرج یونیورسٹی میں (STUDIES IN EARLY HADITH LITERATURE) کے عنوان پر پی ایچ ڈی کی۔ جو شائع ہو چکی ہے۔ ان کی اس کتاب کا عربی میں ترجمہ ”الدراسات فی الحدیث النبوی“ کے نام سے کیا گیا ہے۔ جسے اسی جامعہ نے ۱۹۷۸ء میں شائع کیا ہے۔ دونوں کتب بندہ کے پاس موجود ہیں۔

کوفہ کے مراکز حدیث

۱۔ کوفہ میں درس حدیث

وہ عظیم الشان اسلامی شہر جو صدیوں تک علوم اسلامیہ کا دارالعلوم بننا رہا۔ جو عہد مرتضوی سے لے کر بغداد کی تعمیر ہونے تک وسعت علم اور کثرت حدیث میں تمام بلاد اسلامیہ میں ممتاز تھا۔ جس کو علامہ نووی دارالفضل والفہلام بتاتے ہیں (۳۱)۔

امیر المومنین حضرت علیؑ نے اس شہر کو اپنا دار الخلافہ قرار دیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں: کان أغلب قضایاه بالكوفة (۳۲) (حضرت علیؑ کے بیشتر فیصلے جو کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے مطابق ہوتے تھے کوفہ میں صادر ہوئے)۔ اور حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ”بلاشبہ حضرت علیؑ کا علم اور آپ کی فقہ کوفہ میں اسی قدر ظاہر ہوئی جتنا کہ آپ نے اپنی مدت خلافت کوفہ میں ان کے یہاں قیام فرمایا (۳۳)۔“

امام ابن تیمیہ کی تصریحات اس بارے میں حسب ذیل ہیں: وانما كان غالب علمه في الكوفة ومع هذا فاهل الكوفة كانوا يعلمون القرآن والسنة قبل ان يتولى عثمان فضلاً عن عليؑ (۳۴) (اور بلاشبہ حضرت علیؑ کا بیشتر علم کوفہ ہی میں رہا۔ تاہم اہل کوفہ حضرت علیؑ کے وقت تو کیا حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہونے سے بھی بیشتر قرآن و سنت کا علم رکھتے تھے)۔

چوبیس بدری صحابہ اور ایک ہزار پچاس دیگر صحابہ کرام کوفہ میں آ کر فروکش ہوئے۔ تھے (۳۵)۔ صحابہ کی اس کثرت کے باوجود علماء کوفہ کے شوق کا یہ عالم تھا کہ وہ برابر مدینہ طیبہ کا سفر کیا کرتے اور وہاں کے اکابر صحابہ کے فیض علمی سے مستمع ہوتے رہتے تھے۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ”ابو عبد الرحمن سلمیٰ اور دیگر علماء کوفہ جیسے کہ علقمہ، اسود بن حارث لیلیٰ، زربین حبش، کہ جس کے پاس عامر بن ابی النجود نے قرآن پاک کی قرأت کی ہے۔ ان سب لوگوں نے حضرت ابن مسعودؓ سے قرآن پاک سیکھا نیز یہ لوگ مدینہ طیبہ جا کر حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ سے علم کی حاصل کیا کرتے تھے بلکہ ان حضرات نے حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ سے جتنا علم اخذ کیا

اتنا حضرت علیؑ سے نہیں کیا۔ اور کوفہ کے قاضی شریح نے فقہ کی تعلیم حضرت معاویہ بن جبل سے یمن میں حاصل کی تھی“ (۳۶)۔

تمام بلاد اسلامیہ میں یہ خصوصیت صرف کوفین کو ہے کہ طبقات کی پوری ایک ضخیم جلد صرف انہیں کے تراجم پر مشتمل ہے۔ اس سے کوفہ کی علمی منزلت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

قراء سبعہ (عبداللہ بن کثیر، نافع، ابن عامر، ابوعمر، عاصم، کسائی، حمزہ) میں سے عاصم، حمزہ اور کسائی تینوں کوئی ہیں۔ سعید بن جبیر جن کو قوادہ تمام تابعین میں تفسیر کے سب سے بڑے عالم مانتے تھے وہ اسی کوفہ کے رہنے والے تھے۔ تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کو علامہ ابن تیمیہ نے ”علم الناس بالتفسیر“ لکھا ہے۔ وہ بھی کوئی تھے۔

حدیث کی نشر و اشاعت کا وہاں یہ عالم تھا کہ حافظ ابو محمد عبدالرحمن بن حسن بن خلاد الرامهرمزی ”المحدث الفاصل بین الراوی والواعی“ میں محدث بغداد حافظ عفان بن مسلم سے سنداً نقل کرتے ہیں اور حافظ عراقی نے بھی ”شرح الفیہ“ میں عفان کا یہ بیان نقل کیا ہے: حدثنا عبداللہ بن أحمد بن معدان حدثنا مذکور بن سلیمان الواسطی قال سمعت عفان يقول، وسمع قوما يقولون نسخنا كتب فلان ونسخنا كتب فلان، فسمعته يقول نرى هذا الغرب من الناس لا يفلحون. كناناتي هذا فنسمع منه ما ليس عنه هذا ونسمع من هذا ما ليس عند هذا. فقدمنا الكوفة فأقمنا أربعة أشهر، ولو أردنا أن نكتب مائة ألف حديث لكتبناها، فما كتبنا إلا قدر خمسين ألف حديث، ومارضينا من أحد إلا بالإملاء إلا شريكاً، فانه أبى علينا، وما رأينا بالكوفة لحائناً فجوراً (۳۷) (انہوں نے کچھ لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ فلاں فلاں کی کتابیں نقل کر چکے ہیں۔ اس پر فرمانے لگے کہ ہماری رائے میں اس قسم کے لوگ کامیاب نہیں ہوا کرتے ہمارا تو یہ دستور تھا کہ جب اس استاد کے پاس آتے تو اس سے وہ روایتیں سنتے جو دوسرے استاد کے پاس نہ ہوتیں اور اس استاد سے وہ سنتے جو دوسرے استاد کے پاس نہ ہوتیں۔ چنانچہ جب ہم کوفہ آئے تو چار ماہ تک قیام کیا اور اگر ہم چاہتے کہ ایک لاکھ حدیثیں لکھ لیں تو لکھ سکتے تھے۔ لیکن ہم نے صرف پچاس ہزار حدیثیں ہی لکھیں۔ پھر کسی سے الماء

کے علاوہ راضی نہ ہوئے۔ سوائے شریک کے کہ انہوں نے ہم سے انکار کر دیا۔ اور ہم نے کوفہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا کہ وہ عربیت میں غلطی کرے اور اس کو رو رکھے۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے اس شہر کی کثرت حدیث کا کہ جہاں عفان جیسا حافظ حدیث چار ماہ میں پچاس ہزار احادیث لکھ لے (کہ جو مسند احمد جیسی ضخیم کتاب کی روایات سے بھی تعداد میں کہیں زیادہ ہو) اور حافظ ابی بکر بن ابی داؤد ایک ہی شیخ سے لکھ لیں۔ وہاں حدیث وسنت کی اشاعت کا کیا عالم ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل سے جب ان کے صاحبزادے عبد اللہ نے دریافت کیا کہ آپ کی رائے میں طالب علم کو کیا کرنا چاہیے۔ آیا ایک ہی صاحب علم کی خدمت میں برابر حاضرہ کر اسی سے حدیثیں لکھتا رہے یا ان مقامات کا رخ کرے کہ جہاں علم کا چرچا ہے اور وہاں جا کر علماء سے حدیثیں لکھنی چاہیے۔ اور ان علماء میں سب سے پہلے امام موصوف نے کوفین ہی کا ذکر کیا۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں: یرحل ویکتب عن الکوفیین والبصریین واهل المدینة ومكة۔

امام بخاری نے طلب حدیث میں بخارا سے لیکر مصر تک تمام اسلامی شہروں کا سفر کیا تھا۔ دو دفعہ جزیرہ گئے۔ چار دفعہ بصرہ جانا ہوا چھ سال تک حجاز میں مقیم رہے۔ مگر اس کے باوجود کوفہ اور بغداد کی وہ اہمیت تھی کہ فرماتے ہیں: لا احصى کم دخلت الی الکوفة وبغداد مع المحدثین (۳۸) (میں شمار بھی نہیں کر سکتا کہ کوفہ اور بغداد میں مجھے محدثین کے ساتھ کتنی بار جانا پڑا)۔

عربیت اور نحو کی تدوین بھی کوفہ اور بصرہ ان ہی دو شہروں میں ہوئی ہے۔ چنانچہ لغت اور نحو کی کتابوں میں بجز ان دو مقامات کے عام طور پر اور کسی جگہ کے علماء کا اختلاف ذکر نہیں کیا جاتا۔ امام ذہبی کا بیان ہے: وما زال العلم بهما توافرا الی زمان ابن عقده (اور ابن عقده کے زمانے تک برابر وہاں کی وسعت ہی چلی آئی)۔

حافظ مصر ابن عقده کی وفات ۳۳۲ھ میں ہوئی ہے۔ اس حساب سے کوفہ تقریباً متواتر تین سو سال تک حدیث کا مرجع علم رہا ہے۔ امام ابن بلجہ نے جس زمانہ میں کوفہ کا سفر کیا ہے اس کی علمی رونق بدستور قائم تھی اور یہ محدثین و حفاظ حدیث سے بھرا ہوا تھا۔

۲۔ درس گاہ حضرت علقمہ بن قیس کو فی (۵۶۲ھ)

حضرت علقمہ بن قیس نخعی کو فی رسول اللہ کی حیات طیبہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم نخعی کے ماموں اور حضرت اسود نخعی کے چچا ہیں۔ تابعین کے طبقہ کبار میں بلند ترین مقام رکھتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگرد خاص ان کے علم کے ناشر اور ان کی زندگی کا پرتو ہیں۔ انہوں نے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابوذرؓ وغیرہ سے روایت کی۔

قاموس بن ابوظہیمان نے اپنے والد سے کہا کہ آپ صحابہؓ کو چھوڑ کر علقمہؓ کی مجلس میں کیوں جاتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے کئی صحابہؓ کو دیکھا ہے کہ وہ علقمہ سے استفادہ اور سوالات کرتے ہیں (۳۹)۔

۳۔ درس گاہ حضرت عامر شععیؓ (۱۰۲ھ)

حضرت عامر بن شراحیل شععیؓ کو فی یمن کے شاہی خاندان حمیر سے ہیں۔ ان کا شمار قبیلہ ہمدان میں ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں پیدا ہوئے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے پانچ سو صحابہؓ کو پایا ہے۔ بہت سے اجلہ صحابہؓ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ اور عتار ثقفی کے خوف سے آٹھ یا دس ماہ عبداللہ بن عمرؓ کے یہاں مقیم رہا ہوں۔

عاصم احوال کہتے ہیں: ”کہ اہل کوفہ، اہل بصرہ اور اہل جاز کی حدیث کا شععیؓ سے بڑا عالم میں نے نہیں دیکھا (۴۰)۔“ خود شععیؓ کا بیان ہے کہ بیس سال سے جب میں کسی کو حدیث بیان کرتے ہوئے سنتا ہوں تو میں اس حدیث کے بارے میں اس شخص سے زیادہ علم رکھتا ہوں۔ امام شععیؓ حدیث کے الفاظ و عبارات سے زیادہ اس کے معنی کو بیان کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ تم لوگ مجھ سے جو کچھ سنو لکھ لو چاہے دیوار پر ہی کیوں نہ ہو۔

نکول شامی کہتے ہیں: کہ شععیؓ ماضیہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔“ علی کا بیان ہے کہ: شععیؓ نے ازنا لیس صحابہؓ سے حدیث سنی ہے۔“ شععیؓ کہتے ہیں کہ سلف صالحین کثرت سے حدیثیں بیان کرنے کو ناپسند کیا کرتے تھے۔ اگر میری زندگی کے دن لوٹ آئیں تو میں وہی حدیث بیان کرتا جس پر محدثین متفق ہیں۔ شععیؓ ظریف الطبع انسان تھے۔ ۱۰۲ھ میں فوت ہوئے (۴۱)۔

کوفہ کے محدثین

کوفہ کے چند مشہور محدثین درج ذیل ہیں:

۱۔ حافظ ابو بکر ابن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ)

عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان العنسی الکوفی حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے۔ ابو بکر بن ابی شیبہ، الحافظ عدیم العظیم، المعبود التحریر بہت بڑے نامور محدث تھے (۲۲)۔ مصنفین صحاح ستہ میں سے امام بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ ان کے خاص شاگرد تھے (۲۳)۔ چنانچہ صحیح بخاری میں تیس اور صحیح مسلم میں ایک ہزار پانچ سو حدیثیں ان کی سند سے مروی ہیں (۲۴)۔

عمرو بن علی فلاس کا بیان ہے: ”ان سے بڑا حافظ حدیث ہماری نظر سے نہیں گزرا“ (۲۵) محرم ۲۳۵ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جن میں ”المسند“ اور ”المصنف“ زیادہ مشہور ہیں۔

۲۔ شیخ الاسلام رافع (م ۲۵۷ھ)

ان کا نام عبداللہ اور کنیت ابوسعید ہے۔ یہ وہی ہیں جن سے ابو بکر بن ابی داؤد نے ایک ماہ میں تیس ہزار حدیثیں لکھی تھیں۔ امام ابن ماجہ نے بھی ان سے بکثرت روایتیں کی ہیں۔ تمام ارباب صحاح ستہ فن حدیث میں ان کے شاگرد ہیں۔

محمد بن احمد بن بلال کا بیان ہے کہ ”میں نے ان سے بڑھ کر حافظ حدیث نہیں دیکھا“۔ ربيع الاول ۲۵۷ھ میں جب آپ کی عمر نوے سال سے متجاوز ہو چکی تھی انتقال فرمایا (۲۶)۔

۳۔ حافظ ابو کریب محمد بن العلاء (م ۲۳۸ھ)

ابو کریب محمد بن العلاء بن کریب کوفہ کے مشہور حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ تمام ارباب صحاح ستہ ان کے شاگرد تھے۔

ابن عقدہ ان کو تمام مشائخ پر حفظ و کثرت حدیث میں مقدم رکھتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ

”میں نے ابو کریب سے تین لاکھ حدیثیں سنی ہیں (۴۷)۔ عراق میں ان سے زیادہ کثیر الحدیث کوئی نہیں۔ اور ہمارے شہر کی حدیثوں کا جاننے والا بھی ان سے زیادہ کوئی نہیں۔“

جمادی الاولیٰ (م ۲۳۸ھ) میں ستاسی سال کی عمر میں انتقال کیا (۴۸)۔

۴۔ شیخ الکوفہ ہناد (م ۲۲۳ھ)

ہناد بن سری حافظ حدیث کوفہ کے شیخ الحدیث اور زہد و تقویٰ میں نمونہ تھے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ذکر ان الفاظ سے کیا: ہناد بن سری بن مصعب الحافظ القدوة الزاهد شیخ الکوفہ أبو السری التمیمی الدارمی المحدث (۴۹)۔

امام احمد سے سوال ہوا کہ کوفہ میں کس سے حدیثیں لکھی جائیں کہنے لگے ”علیکم بہناد“ (۵۰) (تم ہناد سے لکھو)۔ اکانوے سال کی عمر میں ربیع الآخر ۲۲۳ھ میں انتقال کیا (۵۱)۔

بصرہ کے مراکز حدیث

بصرہ میں درس حدیث

وہ مشہور اسلامی شہر جو تیسری صدی ہجری تک علوم اسلامیہ کا گہوارہ خیال کیا جاتا تھا۔ اور جس کو وسعت علم و کثرت حدیث اور دیگر فضائل و کمالات کے لحاظ سے نہایت ممتاز مقام حاصل تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حزم لکھتے ہیں: وهذا بغداد حاضرة الدنيا ومعدن كل فضيلة والمحلة التي يسبق اهلها الى حمل الوية المعارف والتدقيق في تعريف العلوم ورقة الاخلاق والنباهة والذكاء ووحدة الافكار ونفاذ الخواطر، وهذه البصرة وهي عين المعمور في كل ما ذكرنا (۵۲) (اور یہ بغداد جو دنیا کی بستی اور ہر فضیلت کی کان ہے۔ اور وہ مقام ہے کہ جہاں کے رہنے والے معارف کے پرچم بلند کرنے میں اور علوم میں دقیق نظر، لطافت اخلاق، فطانت و ذکاوت، وحدت فکر اور ذہن کی رسائی میں سبقت لے گئے ہیں۔ اور یہ بصرہ جو ان تمام امور سے پوری طرح معمور تھا) (۵۳)۔

بصرہ مرکز علم تھا۔ ذہبی لکھتے ہیں: وما زال هذا الشأن وافرا إلى رأس المائة

الثالثة وتناقض جداً (یہ فن یعنی علم حدیث وہاں تیسری صدی کے شروع تک خوب رہا اور پھر بہت ہی گھٹ گیا)۔ بصرہ میں ایک دور ایسا گزرا ہے کہ محدثین کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ حافظ مسلم بن ابراہیم بصری کہتے ہیں: کتبت عن ثمان مائة شیخ وما جزت الجسر“ (۵۴) (میں نے آٹھ سو شیوخ سے حدیثیں لکھیں اور پہاڑ اتر کر نہیں گیا) (وجہ کا پہلا مراد ہے جو بصرہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہے)۔

بصرہ کی چند مشہور درس گاہ درج ذیل ہیں:

۱۔ درس گاہ حسن بصری (م ۱۱۰ھ)

حضرت حسن بصری (م ۱۱۰ھ) حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ خیرہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کی باندی تھیں۔ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں قرآن حفظ کیا۔ وادی القطریٰ میں نشوونما ہوئی (۵۵)۔

بصرہ میں آباد ہوئے۔ وہ علوم دینیہ کے جامع عالم، فقیہ، محدث، عابد، زاہد، فصیح و بلیغ، خوبصورت، غازی و مجاہد اور اپنے زمانہ کے مشہور بہادر تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن سرہ کی امارت میں کابل، اندغان اور زابلستان کے جہاد میں شریک ہوئے (۵۶)۔ ان کے حلقہ نشینوں اور طالب علموں کی کثرت اور بھیڑ کا یہ حال تھا۔ اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو ان پر گرے جاتے تھے۔ اور وہ کہتے تھے کہ ان لوگوں کو ہٹاؤ دور کرو۔

حسن بصری جس دن کوئی جنازہ دیکھ لیتے تو حدیث بیان نہیں کرتے تھے۔ احادیث کے بیان میں الفاظ سے زیادہ معانی پر نظر رکھتے تھے۔ جریر بن حازم کہتے ہیں: ”حسن ہم سے حدیث بیان کرتے تو ان کے الفاظ میں کمی، زیادتی ہوتی تھی مگر معنی ایک ہوتا تھا“ (۵۷)۔

علی بن زید کہتے ہیں: ”کہ میں نے حسن بصری سے ایک حدیث بیان کی جس کو انہوں نے بیان کیا تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ حدیث آپ سے کس نے بیان کی ہے۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی تو میں نے کہا کہ یہ حدیث میں نے بیان کی تھی“۔ حسن بصری ایک دفعہ مکہ مکرمہ گئے۔ تو وہاں کے اہل علم نے ان کو سخت پرہمایا۔ اور علماء و محدثین کے سامنے انہوں نے حدیث بیان کی۔ اس مجلس میں مجاہد بن جبر،

عطاء بن ابی رباح، طاؤس بن کيسان اور عمرو بن شعیب موجود تھے۔ اور سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ایسی مجلس ہم نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ان کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی (۵۸)۔

۲۔ درس گاہ حضرت محمد بن سیرین (۱۱۰ھ)

حضرت محمد بن سیرین بصری حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں پیدا ہوئے (۵۹)۔

سوار بن عبداللہ کا قول ہے کہ محمد بن سیرین اور حسن بن ابوالحسن دونوں بصرہ کے عربوں اور موالی کے سردار ہیں۔

ابن عیون سے روایت ہے ”کہ وہ حدیث کو روایت باللفظ میں بیان کرتے تھے“ (۶۰)۔ ان کی مجلس درس کا حال اضعف بیان کرتے ہیں: ”جب ہم لوگ ان کے پاس بیٹھتے تھے۔ تو ہم سے حدیث بیان کرتے تھے۔ ہنستے تھے اور اخبار و احوال بیان کرتے تھے۔ اور جب حلال و حرام کے بارے میں ان سے سوال کیا جاتا تو ان کا رنگ بدل جاتا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ ابن سیرین نہیں رہ گئے“ (۶۱)۔

۳۔ درس گاہ حضرت ایوب سختیانی بصری (۱۳۱ھ)

حضرت ایوب بن ابی حمزہ کيسان سختیانی بصری عرہ یا جہنیہ کے غلام ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ کی زیارت کی ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ ایوب سختیانی علمائے عالمین و خافضین میں سب سے آگے ہیں۔ ان کے دل میں رسولؐ کی عظمت دیکھ کر میں نے ان سے حدیث لکھی ہے۔ حضرت ایوب سختیانی کا مستقل حلقہ درس بصرہ میں قائم ہوتا تھا۔ حماد بن زید کہتے ہیں: کان ایوب عندی أفضل من جالسته وأشدّ اتباعاً للسنة (۶۲) (میں جس اہل علم کی مجلس میں بیٹھا ہوں میرے نزدیک ان میں ایوب سب سے افضل اور اتباع سنت میں سب سے آگے تھے)۔

امام مالک کا بیان ہے کہ لوگ ایوب سختیانی کی مجلس میں حاضر باش رہتے۔ جب ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کی جاتی تھی تو اس قدر روتے تھے کہ ہم لوگوں کو ان پر ترس آتا تھا (۶۳)۔ حماد بن زید کہتے ہیں: ”ہم لوگ ایوب سختیانی کی مجلس میں رہتے تھے اور اہل مجلس میں سے کوئی شخص ان کی موجودگی میں حدیث بیان کرتا تھا۔ اور ہم اس سے سن لیتے تھے مگر اس کے بارے میں ایوب سے دریافت نہیں کرتے تھے“۔ آپ کا شمار عظیم محدثین بصرہ میں ہوتا تھا (۶۴)۔

۴۔ درس گاہ حضرت عبداللہ بن عون بصریؒ (م ۱۵۰ھ)

حضرت عبداللہ بن عون ارطہان حزنی بصری نے مدینہ، مکہ، بصرہ، کوفہ اور شام کا سفر کر کے وہاں کے اہل علم سے استفادہ کیا تھا۔ ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ لوگ راستہ میں ان سے حدیث کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے۔ ابن عون کہتے تھے کہ لوگ مجھ سے اس قدر زیادہ حدیث کے متعلق سوال کیا کرتے تھے کہ میرا راستہ تنگ کر دیتے ہیں۔ اپنی ذاتی ضروریات کے لیے بھی مجھے ٹکنا مشکل تھا (۶۵)۔ ان کے حلقہ نشینوں کے خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ ذرا حرکت کی تو پرندے اڑ جائیں گے (۶۶)۔

۵۔ درس گاہ حضرت قتادہ بن دعامہ بصریؒ (م ۱۱۸ھ)

حضرت قتادہ بن دعامہ سدوسی بصریؒ مادر زاد تابعین تھے۔ جلیل القدر تابعی تھے۔ غضب کا حافظہ تھا۔ ایک دفعہ جابر بن عبداللہ کا صحیفہ احادیث سنا تو پورا یاد کر لیا تھا (۶۷)۔ قتادہ کی مجلس درس و تحدیث بصرہ میں قائم ہوتی تھی۔ سلام بن مسکین کہتے ہیں کہ جب میں قتادہ سے سند کے بارے میں سوال کرتا تھا تو وہ ناراض ہو جاتے تھے۔ ایک دن میں نے ایک حدیث بیان کی تو انہوں نے کہا کہ یہ حدیث تم سے کس نے بیان کی ہے؟ میں نے سند بیان کر دی اس کے بعد وہ سند بیان کرنے لگے (۶۸)۔

بصرہ کے محدثین

- ۱۔ احمد بن عہدہ بن موسیٰ۔
- ۲۔ احمد بن ثابت البصری (ت ۲۵۵ھ)۔
- ۳۔ اسمعیل بن بشر بن منصور السلمی ابو بشر البصری (ت ۲۵۵ھ)۔
- ۴۔ اسحاق بن ابراہیم بن داؤد السواق البصری۔
- ۵۔ ایوب بن محمد بن ایوب الحاشمی البصری۔
- ۶۔ عبید اللہ بن یوسف الجہمی ابو حفص البصری۔

۷۔ عبدالوارث بن عبدالصمد البصری البصری (ت ۳۵۲ھ)۔

۸۔ محمد بن ثعلبہ السدوسی البصری۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہ بھی بصرہ میں سکونت گزیرے تھے:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ ۲۔ عتبہ بن غزوہؓ۔

۳۔ عمران بن حصینؓ۔ ۴۔ ابو ہریرہؓ۔

۵۔ معقل بن یسارؓ۔ ۶۔ ابو بکرؓ۔

۷۔ عبدالرحمن بن سمرہؓ۔ ۸۔ عبداللہ بن فضیرؓ۔

۹۔ جاریہ بن قدامہؓ (۶۹)۔

شام کے مراکز حدیث

ملک شام کا دمشق صدر مقام اور خلفاء بنی امیہ کا پایا تخت رہا ہے۔ شام کی سرزمین وہ مبارک سرزمین ہے۔ جہاں ایک زمانہ میں دس ہزار ایسے نفوس قدسی موجود تھے کہ جن کی آنکھیں حضور سرور عالم ﷺ کے دیدار فیض آثار سے منور ہو چکی تھیں۔

حافظ ابن عساکر (م ۵۷۱ھ) تاریخ دمشق میں ولید بن مسلم سے، جو امام اوزاعی کے نہایت نامور شاگرد تھے سند نقل کرتے ہیں: دخلت الشام عشرة الاف عین رأت رسول الله ﷺ (۷۰)۔ ملک شام میں دس ہزار اصحاب ایسے داخل ہوئے کہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں مسلمانان شام کی دینی تعلیم و تربیت کے لیے معاذ بن جبل اور عبادہ بن الصامت جیسے اکابر کو بھیجا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ اپنی مشہور و معروف کتاب ”منہاج السنہ النبویہ“ میں لکھتے ہیں: ”کان عمرؓ قد أرسل إلى کل مصر من يعلمهم القرآن والسنۃ وأرسل إلى أهل الشام معاذ بن جبل وعبادة بن الصامت وغيرهما وأرسل إلى العراق ابن مسعود وحذيفة وغيرهما“ (۷۱)۔ (حضرت عمرؓ نے ہر شہر میں علماء کو بھیجا تاکہ وہاں کے لوگوں کو قرآن و سنت کی تعلیم دیں۔ چنانچہ اہل شام کی طرف حضرت معاذ بن جبل اور

حضرت عبادہ بن صامت وغیرہ کو اور عراق کی طرف عبداللہ بن مسعود اور حضرت حذیفہؓ کو بھیجا۔
 فتن و ملاحم کی احادیث میں اہل شام کی خصوصیت سے شہرت ہے۔ چنانچہ حافظ ابوالقاسم بن
 عساکر فرماتے ہیں: الغالب علی اهل الشام احادیث الفتن والملاحم (۷۲) (اہل شام کی
 حدیثوں میں فتن و ملاحم کی احادیث غالب تھیں)۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ”دمشق بلاد شام میں سے ہے جو ایک وسیع مملکت ہے اور متعدد شہر
 قصبات اور دیہات پر مشتمل ہے۔ یہاں متعدد صحابہ آ کر فروکش ہوتے۔ حضرت امیر معاویہؓ اور ان کے
 بعد خلیفہ عبدالملک اور اس کی اولاد کے زمانہ میں یہاں علم کی کثرت رہی اور تابعین اور تبع تابعین کے عہد
 میں فقہاء محدثین اور قراء برابر ہوتے رہے۔ اور ایسا ہی ان کے شاگردوں کا سلسلہ چلا رہا۔“

امام ذہبی لکھتے ہیں: وہی دار قرآن و حدیث وفقہ و تناقص بہا العلم فی
 المائة الرابعة والخامسة (یہ قرآن، حدیث اور فقہ کا گھر ہے اور چوتھی اور پانچویں صدی میں یہاں
 علم کم ہو گیا)۔

۱۔ دارالحدیث الاشرفیہ

یہ دمشق کے بڑے مراکز میں سے شمار ہوتا ہے جس کی تاسیس ۶۲۶ ہجری کو ہوئی۔ یہ امیر
 صارم الدین قایماز کا گھر تھا۔ اسے بادشاہ اشرف نے خرید کر دارالحدیث بنا دیا۔ اسی کی نسبت سے دار
 الحدیث اشرفیہ مشہور ہوا۔ ملک اشرف نے دارالحدیث کے ملازمین، طلباء اور شیوخ الحدیث کے
 وظائف (مختواہ) مقرر کیے۔ دارالحدیث کے مشہور محدثین میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ الشیخ عبداللہ بن مروان بن عبداللہ الفاروقی (م ۷۰۳ھ)۔

۲۔ الشیخ محمد بن ابی العزیز شرف بن بیان الانصاری (م ۷۰۷ھ)۔

۳۔ امام محمد بن عمر بن کئی بن عبدالصمد (م ۷۱۶ھ)۔

۴۔ ابوالفضل اسماعیل بن عمر بن کثیر (م ۷۷۷ھ)۔

۵۔ ولی الدین ابوذر عبداللہ السبکی (م ۷۸۵ھ)۔

یہ تاتاریوں کے حملے تک حدیث الرسول کی تعلیم و تعلم کا مرکز رہا جب تاتاریوں نے دمشق پر

حملہ کیا تو شہر کے ساتھ دارالحدیث کی بھی انہوں نے توڑ پھوڑ کی اور جو سامان اس میں تھا وہ ساتھ لے گئے۔ باقی چیزوں کو جلا دیا اور اس کے آس پاس کے دارالحدیث نوریہ، عادلیہ مغربی سمیت دوسرے مدارس کو بھی جلا دیا۔ اسے شیخ یوسف بیانی نے دوبارہ تعمیر کیا اور محدث کبیر شیخ بدرالدین الحسینی نے درس حدیث شروع کیا گیا ۱۳۳۰ھ میں اسے ایک بار پھر جلا دیا گیا (۷۳)۔

۲۔ دارالحدیث الناصریہ

یہ یہودیوں کا ایک کنیہ تھا ”جو کنیہ شقال“ کے نام سے معروف تھا۔ قاضی القضاہ کمال الدین کے ایماء پر ان سے لے کر مسلمانوں کے مال فنی میں شامل کیا گیا۔ پھر اس میں دینی تعلیم شروع ہوئی اور ناصریہ کے حکمران سے درخواست کی گئی کہ اس کی عمارت تعمیر کرائے تو انہوں نے اس کی اجازت دے دی۔ اس دارالحدیث میں جملہ کتب احادیث، تفسیر القرآن، اصول حدیث اور دیگر علوم بھی پڑھائے جاتے تھے۔ اور محمد راغب الطہاخ کے مطابق ”جامع الحیات“ کے نام سے اب بھی مشہور ہے (۷۴)۔

۳۔ درس گاہ حضرت یزید بن ابوما لک ہمدانی (م ۱۳۰ھ)

حضرت یزید بن عبدالرحمن بن ابوما لک ہمدانی دمشقی نے اپنے والد عبدالرحمان بن ابوما لک سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔ دمشق کے قاضی اور نہایت ثقہ محدث تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے: ولہ احادیث (۷۵)۔ آپ کوفہ میں درس حدیث دیتے تھے۔ آپ ۷۲ سال زندہ رہے۔

محدثین شام

شام کے محدثین میں ہشام اور دحیم دو نامور محدث ہیں۔ امام ابن ماجہ جب دمشق آئے اس وقت ان کے درس کا شہرہ تھا۔ امام موصوف نے ان سے بکثرت احادیث روایت کیں۔

حافظ عبدالرحمن بن ابراہیم دحیم (م ۲۳۵ھ)

عبدالرحمن بن ابراہیم بن عمرو بن میمون الاموی مولی آل عثمان ابوسعید الدمشقی القاضی المعروف بدحیم الحافظ ابن التیم۔ فقہ میں امام اوزاعی کے مذہب پر تھے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ

میں ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے: الحافظ الفقیہ الكبير ابو سعيد الاموى مولا هم
الدمشقى الاوزاعى المذهب محدث الشام (۷۶)۔ بجز امام ترمذی کے تمام آئمہ صحاح ستہ ان
کے شاگرد ہیں۔ طلب حدیث میں مصر، شام، حجاز، کوفہ اور بصرہ کا سفر کیا تھا۔

امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ دمشق میں اپنے زمانے میں ان کی نظیر نہ تھی۔ مصر میں قاضی
القضاۃ کے منصب پر ان کی طلبی ہوئی تھی کہ پیام اجل آ گیا اور رمضان المبارک ۲۳۵ھ کو بمقام
فلسطین انتقال فرمایا (۷۷)۔

ابوالولید السلمی ہشام بن عمار (م ۲۳۵ھ)

ہشام دمشق کی جامع مسجد کے خطیب تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے بیس سال سے کسی
خطبہ کو دوبارہ نہیں پڑھا (۷۸)۔ یہ حدیث کے درس پر اجرت لیا کرتے تھے (۷۹)۔ آپ ۲۳۵ھ میں
وفات پائی (۸۰)۔

صحیح بخاری میں ان سے چار احادیث مروی ہیں۔ دمشق میں ان کے علاوہ چند مشہور محدثین
درج ذیل تھے:

- ۱۔ عمر بن ضحاک
- ۲۔ ہشام بن خالد (ت ۲۳۹ھ)
- ۳۔ احمد بن عبد اللہ بن میمون (ت ۲۳۶ھ)
- ۴۔ غیاث بن جعفر الشای۔
- ۵۔ عثمان بن اسمعیل الدمشقی (۸۱)۔

مصر کے مراکز حدیث

مصر میں درس حدیث

مصر کو حضرت عمرو بن العاص نے فتح کیا اس میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص
(م ۶۷ھ) تشریف لائے جو ابتداء سے ہی کاتب وحی رہے۔ یہاں تین سو صحابہ کرامؓ کے مبارک قدم

آئے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں: ”مصر ایک عظیم شہر اور وسیع اقلیم ہے جو اضلاع شرقی و غربی اور صعیہ اعلیٰ اور صعیہ ادنیٰ پر مشتمل ہے اس کو حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں فتح کیا تھا۔ صحابہ کرامؓ کی ایک خلقت یہاں آ کر سکونت گزریں ہوئی اور تابعین کے زمانہ میں یہاں علم کی کثرت رہی۔ پھر عمرو بن الحارث، یحییٰ بن ایوب، حیوۃ بن شریح، لیث بن سعد، ابن لہیعہ کے دور میں اور زیادتی ہوئی جو ابن وہب، شافعی، ابن القاسم اور ان کے تلامذہ تک باقی رہی۔“

ائمہ مجتہدین میں سے امام لیث بن سعدؒ ہمیں کے رہنے والے تھے جن کے متعلق امام شافعی فرماتے ہیں: اللیث افقہ من مالک ضیعہ اصحابہ (۸۲) (لیث، امام مالک سے زیادہ فقیہ تھے لیکن ان کے تلامذہ نے انہیں ضائع کر دیا)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ ضائع کر دینے سے امام شافعی کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح امام مالک وغیرہ کی فقہ کی ان کے شاگردوں نے تدوین کی۔ امام لیث کے شاگردوں نے نہ کی۔ مصر کی چند مشہور درس گاہیں درج ذیل ہیں:

۱۔ درس گاہ حضرت یزید بن ابوجیب مصری (۱۲۸ھ)

حضرت یزید بن ابوجیب سوید ازدی مصری، مصر کے مفتی و محدث ہیں۔ ان کا حلقہ درس و افتاء مصر میں منعقد ہوتا تھا۔ جہاں سے علم وین کی اشاعت ہوئی۔ ابن سعد نے انہیں ثقہ اور کثیر الحدیث لکھا ہے (۸۳)۔

۲۔ درس گاہ حضرت لیث بن سعد مصری (۱۷۵ھ)

حضرت لیث بن سعد بن عبد الرحمن فہمی مصری کا خاندان اصفہان کا تھا۔ اور مصر میں آباد ہوا۔ حضرت لیث بن سعد، حدیث و فقہ کے ساتھ عربیت، نحو، شعر کے بھی عالم تھے۔ ان کی مجلس درس میں ان علوم کا بھی چرچا رہتا تھا (۸۴)۔ یہ سعید مقبریؒ کی احادیث زیادہ صحیح طور پر بیان کرتے تھے۔ مقبریؒ نے جو احادیث حضرت ابو ہریرہؓ سے سنی تھیں اور جو اپنے والد کی روایت سے سنی تھیں۔ لیث بن سعد ان سب میں فرق کیا کرتے تھے۔ اپنے تلامذہ سے کہتے تھے کہ میں نے عبید اللہ بن ابوجعفر سے براہ راست احادیث کا سماع نہیں کیا ہے۔ بلکہ یہ حدیثیں مناولہ کے طور پر ہیں۔ ایک دفعہ ان کے تلامذہ نے

کہا کہ ہم آپ سے ایسی حدیثیں سنتے تھے جو آپ کی کتابوں میں نہیں تو کہا: ”کیا جو کچھ میرے سینے میں ہے میری کتابوں میں بھی ہے۔ اگر میں ان حدیثوں کو لکھوں تو ان کا بار اٹھانا مشکل ہو جائے۔“ ان کے غیر مصری طلبہ نے ان سے ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جو ان کے مصری طلبہ کے یہاں نہیں ہیں (۸۵)۔

۳۔ جامعہ الازھر

یہ یونیورسٹی اسلامی علوم کی قدیم درسگاہ ہے اور اسلامی دنیا کی میں ایک معروف مقام رکھتی ہے۔ شیخ الازھر کا بہت بڑا مقام ہے۔

محدثین مصر

چند مشہور محدثین مصر درج ذیل ہیں:

۱۔ حافظ ابن السرخ (۲۵۰ھ)

یہ حافظ حدیث ہونے کے ساتھ فقیہ بھی تھے۔ انہوں نے مؤطا کی شرح بھی تصنیف کی تھی۔ امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ ان کے شاگرد ہیں۔ امام ابن ماجہ نے ان سے بکثرت حدیثیں روایت کی ہیں۔ ذہبی لکھتے ہیں: کان من کبار العلماء۔ ابن یونس کہتے ہیں: کان فقیہا من الصالحین الاثبات۔ ذیقعدہ ۲۵۰ھ میں وفات پائی (۸۶)۔

۲۔ ربیع مراوی (۲۷۰ھ)

۱۷۲ھ میں پیدا ہوئے۔ فسطاط کی ”جامع مسجد“ کے مؤذن تھے۔ امام شافعی کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں (۸۷)۔ اور علماء شافعیہ کے یہاں اس درجہ معتمد ہیں کہ اگر امام شافعی سے کسی فقہی مسئلہ کی نقل میں ان کے اور مرئی کے درمیان اختلاف ہو جائے تو باوجود مرئی کی جلالت شان کے ربیع کی روایت کو ترجیح ہوگی۔ امام شافعی کو ان سے حد درجہ محبت تھی کہ ایک بار ان سے فرمانے لگے ”ربیع“ اگر علم کھلایا جاتا تو میں تمہیں کھلا دیتا۔“ آپ نے ۲۷۰ھ کو انتقال کیا (۸۸)۔

۳۔ محمد بن ریح" (۲۳۴ھ)

حدیث میں امام مسلم اور ابن ماجہ ان کے شاگرد ہیں۔ امام نسائی کا بیان ہے کہ: "ان سے ایک حدیث میں بھی غلطی نہیں ہوئی"۔ ابن یونس نے ان کے بارے میں یہ الفاظ لکھے ہیں: "ثقة ثبت فی الحدیث" صحیح مسلم میں ان کی روایت سے ایک سو اکتھ حدیثیں منقول ہیں۔ اور سنن ابن ماجہ میں بھی ان سے بکثرت احادیث درج ہیں۔ ۲۳۴ھ میں وفات پائی (۸۹)۔

۴۔ یونس بن عبدالاعلیٰ" (۲۶۳ھ)

فقہ کی تعلیم امام شافعی سے حاصل کی۔ حدیث میں امام مسلم، نسائی اور ابن ماجہ کو آپ سے تلمذ حاصل ہے۔ امام شافعی کا بیان ہے "کہ مصر میں ان سے زیادہ عاقل میری نظروں سے نہیں گزرا"۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں تصریح کی ہے کہ سنن ابن ماجہ میں ان سے جو حدیث بروایت امام شافعی سے منقول ہے اور جس کے آخر میں لامحدی الاعمینی بن مریم کے الفاظ مذکور ہیں وہ منکر ہے (۹۰)۔ ۲ ربیع الاول ۲۶۳ھ کو وفات پائی۔

اس کے علاوہ چند محدثین مصریہ ہیں۔ عبداللہ بن محمد بن ریح بن المہاجر التیمی ابوسعید المصری (م ۲۰۰ھ)۔ عمرو بن سواد بن الاسود العامری السری ابو محمد المصری (ت ۲۲۵ھ)۔ محمد بن الحارث بن راشد بن طارق الاموی عمر بن عبدالعزیز ابو عبداللہ مؤذن جامع مسجد (م ۲۴۱ھ)۔ محمد بن سلمہ بن عبداللہ بن ابی قاطم المرادی الجملی مولاہم ابو الحارث المصری (م ۲۳۸ھ)۔

یمن کے مراکز حدیث

مراکز حدیث میں ایک نام یمن بھی ہے۔ اس علمی مرکز کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں تعلیم و تبلیغ کے لیے رسول اللہ نے خود حضرت علی، معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو بھیجا۔ انہوں نے وہاں کے لوگوں کو حدیث نبوی کی تعلیم سے متمتع فرمایا (۹۰-۱)۔

حضرت معاذ بن جبل خلافت ابو بکر صدیق تک وہاں رہے پھر شام تشریف لے گئے۔ آنحضرت ﷺ نے یمن سے تعلق رکھنے والے صحابی حضرت ابو شاہ کو فتح مکہ کے دن اپنا خطبہ تحریر کروا کے

حنایت فرمایا تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور ان کے شاگرد حضرت ہمام بن منہ کا تعلق بھی یمن سے تھا جن کا تیار کردہ صحیفہ آج ہمارے پاس ذخیرہ احادیث کے ابتدائی تحریری ماخذوں میں شمار ہوتا ہے۔ طاؤس بن کیسان، وہب بن منہ اور یحییٰ بن ابوکثیر مرکز یمن کے نمایاں شیوخ میں سے ہیں۔ دیگر مراکز کی نسبت یمن کا حدیث کی نشر و اشاعت میں کم دخل ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ فتوحات میں شمولیت کے لیے اہل علم یہاں سے تشریف لے گئے جن میں سے اکثر نے بلا و شام کا رخ کیا (۲-۹۰)۔

قاسم بن قحمر کہتے ہیں کہ میں ابن عمرؓ کی مجلس میں حاضر ہوا انہوں نے نہایت گرجبوشی سے میرا استقبال کیا اور اپنے پہلو میں بٹھا کر یہ آیت پڑھی ”من یرتد منکم عن دینہ فسوف یأتی اللہ بقوم“ (المائدہ (۵) ۵۴) (جو آپؐ میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا)۔ اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا واللہ! تم ہی اہل یمن سے ہوگی جو مرتدوں کا قلع قمع کرے گی۔ یہ بات بار بار کہتے رہے (۳-۹۰)۔

اندلس میں علم حدیث کا ارتقاء (پہلی صدی ہجری سے چھٹی صدی ہجری تک)

موسیٰ بن نصیر کے اندلس پر حملہ اور غلبہ کے بعد جب صحابہ مجرمات کی یہاں آمد و رفت شروع ہوئی تو اسی وقت علوم دینیہ کی درس و تدریس کا بھی آغاز ہو گیا۔ صحابہ میں منذر یا معین (بہ اختلاف روایت) اور تابعین میں موسیٰ بن نصیر فاتح، علی بن رباح، حنظل بن عبد اللہ الصنعانی یمنی ہیں۔ مؤخر الذکر پر تو اہل اندلس کو تازہ تھا (۹۱)۔

قرآن پاک کی طرح علم حدیث بھی انہی فاتح علماء کے ساتھ اندلس میں داخل ہوا۔ چند ہی دنوں میں اس نے باقی علوم میں بہت اہم مقام حاصل کر لیا اور مسلم علماء کی توجہ نے اسے اوج ثریا تک پہنچا دیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ علم حدیث اسلامی شریعت کے لیے ایک بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے (۹۲)۔

بلاد مغرب اور اندلس امام مالکؒ بن انسؒ کی فقہ کے مرکز سمجھے جاتے تھے۔ علم حدیث میں اہل اندلس کا اصلی مرجع ”موطا امام مالکؒ“ تھا جسے درس و تدریس اور افتاء کی غرض سے وہ برابر مطالعہ میں رکھتے تھے۔ ان کا تعلق ان فقہاء سے تھا جو علم حدیث کو فقہ اسلامی کے لیے بنیادی مصدر مانتے تھے۔ چنانچہ اس عظیم کتاب اور اس کی طرف علماء کے کثرت میلان کے باعث اندلس میں امام مالکؒ کے مسلک کو کافی فروغ ملا (۹۳)۔ البتہ اصطلاحی معنوں میں علم حدیث، مثلاً جرح و تعدیل، جمع روایات، اسباب و علل کی معرفت، اسماء الرجال، واجب العمل احادیث کی معرفت، تاسخ و منسوخ کی حقیقت جمع احادیث اور دیگر مباحث سے تعرض، اہل اندلس کے یہاں غیر معروف تھا (۹۴)۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اندلس اس وقت محدثین سے خالی تھا۔ بلکہ اس زمانہ میں وہاں معاویہ بن صالح الحضرمی، داؤد بن جعفر الصغیر، حبیب بن الولید، مصعب بن السلام شامی اور غازی بن قیس القرطبی جیسے بلند پایہ محدثین موجود تھے۔ معاویہ بن صالح الحضرمی (م ۱۵۸ھ/ ۷۷۴ء) جو اندلس کے قاضی بھی تھے، ۱۲۳ھ/ ۷۴۰ء میں اندلس آئے۔ داؤد بن جعفر الصغیر جن کے ہارے میں کہا جاتا ہے انہوں نے اپنے ایک شاگرد کو تین ہزار احادیث املا کرائی تھیں، ابن الفرغی فرماتے ہیں کہ ان کا تعلق قرطبہ سے تھا، مالک بن انس اور

سفیان بن عیینہ سے حدیث کی سماعت کی“ (۹۵)۔ حبیب بن الولید، مصعب بن سلام الشامی (م ۱۹۳ھ) جن کے متعلق ابن یونس کی رائے ہے کہ یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اندلس میں علم حدیث کی بنیاد رکھی (۹۶)۔ غازی ابن قیس القرطبی (م ۱۹۹ھ) (۹۷) جنہوں نے اہل اندلس کو عبدالرحمن بن معاویہ کے زمانہ (۱۳۸ھ/۷۴ھ) میں امام مالک کی مؤطا سے متعارف کرایا اور امام مدینہ مالک بن انس سے بھی اخذ کیا تھا۔

یہ محدثین بہت کم تعداد میں تھے۔ ان کی کوئی منظم مجلس نہیں ہوا کرتی تھی اور نہ انہوں نے بعد والوں کے استفادہ کے لیے کوئی سرمایہ چھوڑا کیونکہ اہل مغرب اس وقت فقہی فروعات ہی میں زیادہ مشغول تھے۔ البتہ حدیث نبوی کی طرف انہوں نے اس وقت توجہ مبذول کی جبکہ محمد بن وضاح (م ۲۷۷ھ) اور یحییٰ بن خالد اپنے علمی سفر سے واپس آ گئے۔ چنانچہ ان دونوں محدثین سے قبل علم حدیث کسی مستقل فن کی حیثیت سے معروف نہیں تھا کہ جس کے اصول و ضوابط متعین ہوں۔ لوگ مؤطا امام مالک کے علاوہ کسی اور ماخذ سے واقف نہیں تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس علم کی طرف اس طرح توجہ نہیں دی جس طرح فقہ مالکی کی طرف دی۔ یہاں تک کہ قرقوس بن العباس جنہوں نے براہ راست امام مالک سے سماعت حدیث کی وہ بھی فقہ مالکی ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ انہیں علم حدیث سے کوئی خاص شغف نہیں تھا (۹۸)۔

محمد بن وضاح (م ۲۷۷ھ) وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم حدیث کو اس کے معروف معنی میں اندلس کی علمی زندگی میں داخل کیا۔ اسی لیے صحیح معنی میں پہلے محدث یہی سمجھے جاتے ہیں۔ حدیث سننے کی غرض سے لوگ ان کے پاس اکٹھا ہوتے تھے اور وہ اسناد کے ساتھ انہیں احادیث بیان کرتے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے دو مرتبہ مشرق کا بھی سفر کیا (۹۹)۔ ان کے متعلق امام ذہبی کا خیال ہے کہ ۱۹۹ھ یا ۲۰۰ھ میں قرطبہ میں ولادت ہوئی۔ یحییٰ بن یحییٰ اللقی، اسماعیل بن ابی اویس، زہیر بن عباد، اصغ بن القرج، حرملہ، اسحاق بن ابی اسرائیل اور یعقوب بن کاسب وغیرہم سے حدیث کی سماعت کی۔ اس سے قبل سفر کر کے آدم بن ابی ایاس سے ملاقات کر چکے تھے پھر حجاز، شام، عراق اور مصر کی طرف بھی کوچ کیا۔ بہر کیف اندلس میں علم حدیث پہنچانے کا سہرا انہیں کے اور ان کے بعد یحییٰ بن خالد کے سر

بندھتا ہے (۱۰۰)۔

ابن الفرغی نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ ”وہ حدیث کے ایک جید عالم، طرق حدیث میں ماہر، عل حدیث پر محکم گفتگو کرنے والے، متقی، زاہد، علم کی نشر و اشاعت میں مستقل مزاجی کے ساتھ منہمک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ اہل اندلس کو کافی فائدہ پہنچایا (۱۰۱)۔ ابن وضاح نے سعید بن منصور، آدم بن ایاس، ابن ضبل، ابن معین، ابن المدینی، عبد اللہ بن ذکوان، ابو حنیفہ، ابن المصطفیٰ اور کاتب اللیث وغیرہ سے شرف ملاقات حاصل کیا۔ لوگوں کو حدیث رسول کا علم، اطمینان اور مستقل مزاجی کے ساتھ حصول اجر کی نیت سے سکھاتے تھے۔ ابن وضاح سے احمد بن خالد، محمد بن لبابہ، محمد بن غالب ابو صالح، ابن الخزاز، عبد الملک بن ایمن، قاسم بن اصبح اور وہب بن مسرۃ وغیرہ نے علم حدیث حاصل کیا (۱۰۲)۔ ابن وضاح نے اپنی پوری زندگی حدیث اور علوم حدیث کی تدریس میں صرف کردی مگر اس کے ذریعے کسی عہدہ یا مال کی تمنائ نہ کی۔ بلاشبہ وہ اندلس میں مدرسہ علم حدیث کے بانی اور ساتھ ہی اہل اندلس کو زہد و تقویٰ کی طرف رہنمائی کرنے والے انسان تھے (۱۰۳)۔

ابن وضاح کے بعد ابو عبد الرحمن قتی بن مخلد القرطبی (۲۰۱-۲۷۶ھ/۸۱۶-۸۸۹ء) کا نام آتا ہے۔ جو ابن وضاح کے معاصر تھے۔ انہوں نے پہلے اندلس میں یہ علم حاصل کیا تھا پھر مشرق کی جانب دوبار سفر کیا۔ پہلا سفر بیس سال اور دوسرا چودہ سال پر مشتمل تھا۔ اسی طرح آپ نے حصول علم میں اپنی جوانی صرف کر دی۔ انہوں نے ابن وضاح کے تمام شیوخ کے علاوہ مزید ۲۸۴ شیوخ سے بھی استفادہ کیا (۱۰۴)۔ انہوں نے پہلی مرتبہ اہل اندلس کو علم حدیث میں ابن ابی شیبہ کی مسند سے متعارف کرایا (۱۰۵)۔

انہوں نے امام احمد بن ضبل سے اس وقت جبکہ امام موصوف نے اپنے اوپر حدیث بیان کرنے پر پابندی عائد کر لی تھی، فقیر کے بھیس میں علم حدیث سیکھا (۱۰۶)۔ قتی بن مخلد کا یہ امتیاز ہے کہ انہوں نے فقہ مالکی کو علمی حیثیت عطا کی۔ اس طرح بلا دانلس میں ایک نئی بیداری پیدا کر دی۔ وہ جملہ فقہی مذاہب کی تقلید سے بالاتر ہو کر براہ راست کتاب و سنت کی پیروی کی دعوت دیتے رہے۔ ان کی ایک بلند پایہ تفسیر اور المسند الکبیر بھی ہے۔ ان کی تفسیر کے متعلق ابن حزم کا خیال ہے کہ ”اس جیسی کوئی

تفسیر نہیں لکھی گئی“ (۱۰۷)۔ حجتی بن حجتی اللہی القرطبی، ابو مصعب الزہری، حجتی بن کبیر، ابراہیم بن المہر الخزامی، زہیر بن عباد، صفوان بن صالح، حجتی بن عبد الحمید الحمانی، ابن نمیر اور ابن ابی شیبہ سے انہوں نے حدیث کی سماعت کی ہے (۱۰۸)۔ حجتی بن خالد سے ان کے صاحبزادے احمد، احمد بن عبد اللہ الاسوی اور ابن یونس التمیمی اور دیگر علماء نے روایت کی ہے (۱۰۹)۔ ان کے متعلق ابو الولید القرظی کا خیال ہے کہ حجتی نے اندلس کو علم حدیث سے مالا مال کر دیا (۱۱۰)۔ مذہب اہل الاثر کے مطابق عمل کرنے کی وجہ سے لوگوں نے حجتی کے خلاف کافی تعصب کا مظاہرہ کیا مگر اس وقت کے امیر محمد بن عبد الرحمن المروانی نے ان کی حمایت کی اور ان کی کتابوں کی نقلیں تیار کروا کر اشاعت کی، مزید فرمایا کہ ”آپ اپنے علم کو جہاں تک ممکن ہو سکے خوب پھیلایے (۱۱۱)۔ حجتی کا کہنا ہے کہ میں نے اندلس میں مسلمانوں کے لیے ایسا پودا لگا دیا ہے جسے دجال کے ظہور ہی پر اکھاڑا جاسکتا ہے (۱۱۲)۔ ان کے متعلق ابن حزم کا خیال ہے کہ حجتی امام احمد بن حنبل کے خاص لوگوں میں سے تھے اور بخاری، مسلم اور نسائی کی راہ کے رہرو تھے (۱۱۳)۔ یہ درس دینے کے ساتھ کتابوں کی تالیف بھی کرتے رہے۔ ان کا شمار اندلس کے بلند پایہ مؤلفین میں ہوتا ہے۔ حجتی نے ایک مسند بھی تصنیف کی جس میں احادیث کو رجال سند اور موضوع کے اعتبار سے ترتیب دیا۔

کسانی نے اس مسند کے متعلق ابن حزم کا قول نقل کیا ہے کہ اس مسند میں انہوں نے ایک ہزار تین سو سے کچھ زائد صحابہ کرام سے روایت کی ہے اور اس کی ترتیب ابواب فقہ کے لحاظ سے کی ہے۔ اس کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک ایسی تالیف ہے جس کی مثال ابھی منصہ شہود پر نہیں آ سکی ہے (۱۱۴)۔

ان دونوں کے معاصر شیخ المعتمد احمد بن ابو محمد قاسم بن محمد البیانی الاندلسی القرطبی (م ۶۷۷ھ) ہیں۔ جو مجتہد کی حیثیت سے معروف ہیں۔ ایک کتاب ”الایضاح فی الرد علی المقلدین“ کے مصنف بھی ہیں (۱۱۵)۔ البتہ علم حدیث کی نشر و اشاعت میں ان کا وہ مقام نہیں ہے جو ابن وضاح اور حجتی کا رہا ہے۔ ان علماء کے علاوہ اندلس میں دیگر علماء حدیث بھی نظر آتے ہیں جن میں ابو عمر احمد بن خالد بن یزید القرطبی (م ۳۱۲ھ) سرفہرست ہیں، جنہیں ابن الجباب کے نام سے بھی جانا جاتا

ہے۔ انہوں نے یمن میں بھی بن خلد، محمد بن وضاح، قاسم بن محمد اور اسحاق الوبری سے اور مکہ میں علی بن عبد العزیز سے سماعت کی (۱۱۶)۔ ان کے متعلق قاضی عیاض کا خیال ہے کہ فقہ مالکی میں امام جانے جاتے تھے اور علم حدیث میں بے مثال درک رکھنے والے تھے۔ ان سے خلق کثیر نے سماعت کی ہے (۱۱۷)۔ جن میں محدث اندلس حافظ ابو عبد اللہ محمد بن فطیس بن واصل الخافقی اللاندی البیری (م ۳۱۹ھ) ہیں جو ابن فطیس کے نام سے بھی معروف ہیں۔ انہوں نے طلب حدیث کی خاطر مصر، حجاز، افریقہ، کاسفر کیا اور کہا کرتے تھے کہ میں نے اپنے اس سفر میں دوسو شیوخ سے ملاقات کی (۱۱۸)۔ ان کے بعد ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن قاسم بن قاسم القرطبی (۲۰۳-۳۲۸ھ) نے اپنے والد ماجد اور بھی بن خلد وغیرہ سے سماعت حدیث کی اور اس کی خاطر سفر کیا۔ مکہ، بصرہ، کوفہ، بغداد، و میاط، اسکندریہ اور قیروان کی طرف رحلات علیہ میں ۱۶۰ شیوخ سے استفادہ کیا (۱۱۹)۔ ابو محمد الباجی فرماتے ہیں کہ میں نے قرطبہ میں ان سے بڑا محدث کسی کو نہیں پایا (۱۲۰)۔ ان کے بعد معروف محدث حافظ قاسم بن اصغ البیانی القرطبی (۲۳۳-۳۳۰ھ/۸۵۸-۹۵۲ء) آئے۔ انہوں نے قرطبہ میں بھی بن خلد، محمد بن وضاح، مطرف بن قیس، اصغ بن ضیل اور ابن مرة سے سماعت کی (۱۲۱)۔ ۲۷۳ھ میں مشرق کا سفر کیا (۱۲۲)۔ مکہ، بغداد اور کوفہ میں قیام کے دوران شہروں کے علماء و شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا (۱۲۳)۔ مکہ میں محمد بن اسماعیل الصائغ اور علی بن عبد العزیز سے کوفہ میں ابراہیم بن ابی العباس وغیرہ اور عبد اللہ بن الامام احمد بن ضیل سے حدیث کی سماعت کی۔ ابن ابی ضیمہ کی تاریخ خود انہیں کے واسطے لکھی۔ ابن قتیبہ سے ان کی اکثر کتابوں کی سماعت کی اور اسی طرح دیگر اصحاب علم سے بھی۔ مصر میں محمد بن عبد اللہ العری سے استفادہ کیا (۱۲۴)۔ جب اندلس آئے تو علم کا ایک خزانہ ان کے پاس تھا۔ چنانچہ لوگ احمد بن زبیر کی تاریخ، ابن قتیبہ کی کتابوں اور علوم حدیث کی طلب میں ٹوٹ پڑے (۱۲۵)۔ ان کے متعلق ابن الفرضی مرقی اور ذہبی کا کہنا ہے کہ انہیں حدیث اور رجال حدیث میں بڑی دسترس حاصل تھی (۱۲۶)۔ ان سے ان کے پوتے قاسم بن محمد بن قاسم، عبد اللہ بن محمد الباجی، عبد الوارث اور خالد بن سعد القرطبی نے حدیث کی سماعت کی (۱۲۷)۔ سنن ابی داؤد کے انداز پر ایک سنن ترتیب دی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب یہ ۲۷۶ھ میں محمد بن الیمین کے ساتھ عراق آئے تو ان کی آمد سے ذرا پہلے ابو داؤد وفات پا چکے تھے۔

وہیں ہر ایک نے یہ طے کر لیا کہ ابوداؤد کی کتاب جس شکل میں موجود ہے اسی طرح کی ایک اور کتاب ترتیب دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اور اپنے شیوخ کی روایت سے احادیث کی تخریج کی۔ اس طرح دو اور اہم تصنیفات کا اضافہ ہوا۔ پھر قاسم بن اصبح نے اپنی تصنیف کا اختصار پیش کیا اور اس کا نام ”الجبتی“ رکھا انہوں نے ۱۲۳۹۰ احادیث کو کل ۷ حصوں میں منقسم کیا (۱۲۸)۔ اندلس میں علم حدیث کی نشر و اشاعت میں ان کا بہت اہم رول رہا ہے (۱۲۹)۔

ان کے معاصرین میں حافظ امام ابوعلی الحسن بن سعد بن اوریس القرطبی (م ۳۳۱ھ) رہے ہیں جنہوں نے جہی بن مخلد سے سماعت کی مکہ میں علی بن عبدالعزیز البغوی، یمن میں اسحاق الوبری، مصر میں یوسف بن یزید القرطبی اور بصرہ میں ابو مسلم الکلتی سے بھی سنا، یہ علامۃ العصر، غیر مقلد مجتہد اور امام شافعی کے اقوال سے زیادہ موافقت رکھتے تھے (۱۳۰)۔ ان کے دوسرے معاصر ابوالمزہم وہب بن مسکرة التیمی الاندلسی (م ۳۳۶ھ) بھی ہیں۔ انہوں نے محمد بن وضاح اور عبید اللہ بن محلی اور اس طبقہ کے افراد سے حدیث کی سماعت کی۔ قاضی عیاض کا ان کے متعلق خیال ہے کہ یہ فقہ کے حافظ، اس میں دسترس رکھنے والے اور حدیث و رجال اور علل حدیث میں ماہر تھے۔ ساتھ ہی زہد و تقویٰ میں بے مثال تھے (۱۳۱)۔

اندلس میں علم حدیث اسی رفتار کے ساتھ نشوونما پاتا رہا۔ یہاں تک کہ قاسم بن اصبح کے شاگرد رشید امام خالد بن سعد القرطبی (م ۳۵۲ھ) نے اندلس کے علماء حدیث پر ایک جامع کتاب تصنیف کی۔ یہ قرطبہ میں اپنے ہم عصر حفاظ حدیث میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ ایک عظیم امام کی حیثیت سے بھی معروف تھے۔ ان کے بارے معروف ہے کہ انہوں نے ایک نشست میں ۲۰ احادیث حفظ کر ڈالیں (۱۳۲)۔ اندلس کے امیر مستنصر کہا کرتے تھے کہ ”جب اہل مشرق ہمارے سامنے بیٹھیں تو پر فخر کا اظہار کریں گے تو ہم خالد بن سعد کو پیش کریں گے اور ان پر فخر کریں گے“ (۱۳۳)۔ اس وقت کے مشہور محدثین میں قرطبہ کے ابو عمر احمد بن سعید بن حزم بن یونس الصدقی (۲۸۳-۳۵۰ھ / ۸۹۷-۹۶۱ء) ہیں۔ انہوں نے ۳۶۱ھ میں طلب حدیث کے لیے رخت سفر باندھا اور زبردست ذخیرہ علم کے ساتھ اندلس واپس آئے (۱۳۴)۔ ان کی آثار پر مکمل توجہ تھی (۱۳۵)۔ ایک بڑی جماعت

نے ان سے علم حدیث کا درس لیا۔ اندلس میں تاحیات احادیث بیان کرتے رہے اور سنت نبویؐ کی خدمت میں لگے رہے (۱۳۶)۔

ان کے بعد ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن یحییٰ بن مفرج الاموی الاندلسی القربطی (م ۳۸۰ھ) کا نام آتا ہے جو ابن حجر کے نام سے مشہور ہیں اور جن کے والد قوری کے نام سے معروف ہیں۔ قرطبہ میں قاسم بن اصبح اور طرابلس میں ضیعہ بن سلیمان سے حدیث کی سماعت کی۔ ان سے حافظ ابوسعید بن یونس جو خود ان کے شیخ ہیں ابو الولید بن الفرغی، ابو عمر احمد بن محمد الطلمنکی اور ایک خلق کثیر نے روایت کی ہے۔ ان کے شیوخ کی تعداد ۲۳۰ تک پہنچتی ہے (۱۳۷)۔ ابن الفرغی کی رائے ہے کہ ”وہ حافظ حدیث تھے، رجال حدیث اور ان کے احوال سے بخوبی آگاہ تھے“ (۱۳۸)۔ ابو عمر احمد بن محمد بن عقیف کا کہنا ہے کہ ”ابو عبد اللہ بن مفرج ان لوگوں میں سے تھے جن کو علم سے کافی لگاؤ تھا۔ حدیث کے بلند پایہ حافظ اور فن رجال پر کافی عبور رکھتے تھے۔ میں نے ان کی طرح اس فن میں کسی کو نہیں دیکھا۔ اندلس میں موجود تمام محدثین کے مقابلہ میں زیادہ ثقہ اور اپنی کتابوں کو خوب اچھی طرح یاد رکھنے والے تھے (۱۳۹)۔ مسند قاسم بن اصبح کو سات جلدوں میں جمع کیا (۱۴۰)۔

اندلس کے معروف محدثین میں ابو القاسم خلف بن القاسم بن سہل (۳۲۵-۳۹۳ھ) ہیں۔ مشرق کا سفر کیا اور مصر، مکہ اور دمشق کے اکثر محدثین سے حدیث کی سماعت کی۔ حدیث مالک اور حدیث شعبہ کی تصنیف کی نیز زہد کے موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی (۱۴۱)۔ اندلس کی ایک جماعت نے ان کے واسطہ سے حدیث بیان کی جن میں ابو عمر الدائمی، ابو عمر یوسف بن عبد البر ہیں۔ ابن عبد البر کا حال تو یہ تھا کہ اپنے جملہ شیوخ میں کسی کو بھی ان سے زیادہ قابل نہیں سمجھتے تھے (۱۴۲)۔ اس زمانے کے ایک اور محدث ابو عمر احمد بن عبد اللہ بن محمد علی اللخمی الاشعری (۳۳۲-۳۹۶ھ) جو ابن الباجی کی کنیت سے مشہور ہیں۔ انہوں نے مشرق کا سفر کیا (۱۴۳)۔ ابو عبد اللہ الخولانی کا کہنا ہے کہ ابو عمر حدیث اور وجوہ حدیث سے واقف مشہور امام تھے۔ میں نے کوئی محدث متانت و سنجیدگی میں ان کے برابر نہیں دیکھا (۱۴۴)۔ عبد الغنی الازدی کا کہنا ہے کہ ابو عمر نے میرے واسطے سے لکھا ہے اور میں نے ان کے واسطے سے لکھا ہے (۱۴۵)۔ امام ذہبی کا خیال ہے کہ ان سے ابو عمر بن عبد البر نے حدیث بیان کی (۱۴۶)۔ ان کے بعد

ابو جعفر احمد بن محمد بن عبیدہ الاموی الطلیطلی المعروف ابن میمون (م ۴۰۰ھ) کا نام آتا ہے۔ انہوں نے اندلس کے اکثر محدثین سے سماعت کی اور مشرق کا سفر کیا۔ چنانچہ جب واپس آئے تو لوگ زانوئے تلمذتہ کرنے کی خاطر لپک پڑے (۱۴۷)۔ ابن مظاہر کہتے ہیں کہ ”ان کا شمار اہل دانش و نبش میں ہوتا تھا۔ حافظہ تھے اور حدیث کے عظیم راوی سمجھے جاتے تھے۔ تمام علوم میں درک رکھتے تھے۔ اخلاق و ادب اور زہد و ورع میں ممتاز تھے۔ طریقہ آخرت پر پوری طرح گامزن تھے۔ انہوں نے شادی نہیں کی تھی (۱۳۸)۔ ان کے ساتھی ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن حسین بن ہنظیر الاموی (م ۴۰۲ھ) تھے۔ یہ دونوں شیوخ ”الصاحبان الحافظان“ کے لقب سے مشہور تھے (۱۳۹)۔

ابن بھکوالؒ نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ ”یہ دونوں علم حدیث، روایت کی تحقیق و ضبط میں پوری توجہ دینے میں مقابلہ کے شہسوار سمجھے جاتے تھے (۱۵۰)۔ ابواسحاق ایک شب زندہ دار کثرت سے روزے رکھنے والے، زاہد اور متقی شخص تھے۔ ان پر علم حدیث اور اس کے طرق کی معرفت کا غلبہ رہتا تھا (۱۵۱)۔ ان کے بعد حافظ مقرئ ابو عمر احمد بن محمد بن عبد اللہ العافری القرطبی الطلمنکیؒ (۳۴۰-۴۳۹ھ) کا شمار ہوتا ہے۔ انہوں نے اندلس میں اکثر محدثین سے سماعت کی۔ مشرق کا رخت سفر باندھا اور وہاں کے محدثین سے ملاقات کی اس طرح وہ اندلس علم حدیث کا عظیم ذخیرہ لے کر واپس آئے (۱۵۲)۔ ان کے واسطے سے ابو عمر بن عبد البر اور ابو محمد بن حزم وغیرہ نے روایت کی (۱۵۳)۔ علوم قرآن و حدیث کے امام اور سنن کے حافظ تھے۔ بلاشبہ وہ اپنے زمانہ کے بلا شرکت غیرے ایک بے مثال عالم تھے (۱۵۴)۔ امام ذہبیؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ ”حدیث اور رجال حدیث کی مکمل معرفت انہیں حاصل تھی۔ سنن کے حافظ، ذہبی اصولوں سے واقف کار بلند پایہ اسناد کے حامل اور عزم و استقامت کے پہاڑ تھے (۱۵۵)۔ طلمنکی ہی کی طرح علم حدیث میں قاضی القضاۃ ابو عبید اللہ یونس بن عبد اللہ بن محمد بن مغیث القرطبیؒ (۳۸۸-۴۲۳ھ) بھی ہیں۔ انہوں نے بہت سے محدثین سے سماعت حدیث کی ہے اور اس کی طرف بنجیدگی سے توجہ مبذول کی۔ مصر سے حسن بن رشیق اور عراق سے ابو الحسن دارقطنی نے انہیں سند اجازت عطا کی۔ سنن نسائی وغیرہ کو ابو بکر محمد بن معاویۃ المروانی اور مؤطا کے راوی ابو عیسیٰ اللیشی کے واسطے سے بیان کیا (۱۵۶)۔ ان کے ساتھی ابو عمر بن مہدی کا خیال ہے کہ ”یہ حدیث کے جید علماء میں سے تھے،

بہت زیادہ روایتیں بیان کرنے والے، خوش قسمت، زہد و تقویٰ پر مشتمل عمدہ اشعار لکھنے والے بلخ اور خشوع و خضوع سے پر خطابت کے حامل تھے۔ جو بھی سنتا وہ خود پر قابو نہیں رکھ پاتا۔ مزید برآں وہ ایک متقی، زاہد و عابد شخص تھے (۱۵۷)۔ حسین مونس نے نقل کیا ہے کہ ”وہ حدیث و فقہ میں کافی دسترس رکھتے تھے (۱۵۸)۔ اور یہ دونوں عالم الطہرکی اور ابو عبد اللہ یونس ایک پوری نسل کے استاذ ہیں جو ابن حزم لفظا ہری، ابو عبد اللہ محمد بن غیاث، علی الجبائی، ابو الولید الباجی جیسے افراد پر مشتمل ہے۔ جنہوں نے محمد بن وضاح اور قحطی بن مخلد کے منصوبوں اور مقرر کردہ مناج پر پوری طرح عمل کر کے دکھایا۔

پانچویں صدی ہجری میں قرآن و حدیث سے احکام مستنبط کرنے میں وسعت کا عمل مکمل ہو گیا۔ اس طبقہ کے محدثین میں حافظ ابو عمر عثمان بن سعید بن عثمان القرطبی ہیں، جنہیں الدانی سے جانا جاتا ہے (۳۷۱-۴۴۳ھ)۔ انہوں نے بھی بلاد مشرق کا سفر کیا اور اکثر محدثین سے ساعت کی (۱۵۹)۔ الدانی کہا کرتے تھے کہ ”مجھے جو چیز بھی ملتی اسے نوٹ کر لیتا اور جسے تحریر کر لیتا وہ یاد ہو جاتی اور جو چیز یاد ہو گئی وہ کبھی نہیں بھولی“ (۱۶۰)۔ ابن بھکوال فرماتے ہیں کہ ”ابو عمر علم قراءت، روایات، تفسیر، معانی حدیث، طرق اور اعراب حدیث کے ایک جتید امام تھے۔ ان تمام فنون میں عمدہ تالیفات جمع کی ہیں۔ انہیں حدیث، طرق حدیث، اور اساء الرجال میں کافی دسترس حاصل تھی وہ خوشخط بھی تھے اور بلا کے ذہین سمجھے جاتے تھے (۱۶۱)۔ انہیں میں حافظ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم القرطبی لفظا ہری بھی ہیں جنہیں ابن حزم (۳۸۴-۴۵۶ھ) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان کے آباؤ اجداد میں سے کوئی پہلی بار اندلس میں سکونت پذیر ہوا (۱۶۲)۔ ان کے معاصر ابو مروان بن حیان اللاندی فرماتے ہیں کہ ”ابن حزم متعدد علوم و فنون میں ماہر تھے۔ جن میں حدیث، فقہ، جہل، نسب اور متعلقات ادب شامل ہیں جبکہ قدیم تعلیم میں مختلف النوع میدانوں کے شہ سوار بھی تھے (۱۶۳)۔

ابو حامد الغزالی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسار پر ایک ایسی کتاب میرے دیکھنے میں آئی جس کی تالیف ابو محمد ابن حزم نے کی ہے جسے دیکھ کر صاحب تالیف کی حد درجہ ذکاوت اور سرعت فہم کا واضح طور پر پتہ چلتا ہے (۱۶۴)۔

ابن حزم کے شاگرد قاضی صاعد بن احمد اللاندی فرماتے ہیں کہ ”ابن حزم اہل اندلس میں

اسلام کے جملہ علوم کے جامع اور علم و معرفت کے اعتبار سے فائق تھے۔ جبکہ علم اللسان، بلاغت، شعر، سنن، آثار و اخبار میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ مجھے ان کے صاحبزادہ الفضل نے بتایا کہ ان کے پاس ان کے والد کی ۴۰۰ تا یغاث ان کی اپنی تحریر میں موجود ہیں۔ جو تقریباً اتنی ہزار اور اوراق پر مشتمل ہیں (۱۶۵)۔ حافظ ابو عبد اللہ محمد بن فلاح الحمیدی فرماتے ہیں کہ ”ابن حزم حافظ حدیث، کتاب و سنت سے احکام مستنبط کرنے والے، بیک وقت کئی کئی علوم کے ماہر اور علم کے ساتھ عمل کے پابند تھے۔ میں نے ان کی طرح کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ اتنا ذہین، سرلیغ الفہم، متدین اور شریف ہو۔ حدیث میں بہت زیادہ شہرت رکھتے تھے (۱۶۶)۔“

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ”علامہ حافظ ابن حزم اظہاریؒ نے علوم شرعیہ میں دلچسپی لی۔ ان میں نمایاں مقام حاصل کیا اور اپنے ہم عصر علماء پر فوقیت لے گئے۔ مشہور کتابوں کی تالیف کی وہ ایک ادیب و طبیب اور فصیح شاعر تھے (۱۶۷)۔ عزالدین بن عبد السلام کہتے ہیں کہ ”میں نے اسلامی کتابوں میں ابن حزم کی ”المحلی“ اور شیخ موفق کی ”المغنی“ جیسی کوئی کتاب نہیں دیکھی (۱۶۸)۔ وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ مالکی فقہاء نے برہائے تعصب ان کے خلاف علاقہ کے امراء کو ابھارا چنانچہ وہ ان سے ناراض ہو گئے انہیں ایذا پہنچائی، جلا وطن کر دیا اور ان کی کتابوں کو علانیہ طور پر جلا ڈالا۔ ایسے موقع پر ابن حزم نے ایک شعر کہا جو حرف زریں سے لکھنے کے قابل ہے۔“

فان يحرقوا القرطاس لا يحرقوا الذي

تضمنه القرطاس بل هو في صدري

(اے اگر وہ کاغذ جلا دیتے ہیں تو کوئی حرج نہیں، قرطاس کے اندر جو کچھ ہے اسے نہیں جلا

سکتے بلکہ وہ میرے سینے میں محفوظ ہے)۔

علماء اسلام میں سوائے ابن جریر طبری کے اور کوئی بھی اس مقام و مرتبہ کا حامل نہیں بنا (۱۶۹)۔

ان علماء میں ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی (۳۶۸-۴۶۳ھ/

۹۷۸-۱۰۷۱ء) بھی ہیں، جنہوں نے اکثر علماء اور محدثین سے سماعت کی۔ ابو القاسم عبد الوارث بن

سفیان کے سامنے مؤطا ابن وہب ”عن قاسم بن الصغیر عن ابن وضاح عن سحون وغیرہ“ کی سند سے پڑھی

اور ابو عمر الطلمسکی سے بھی چند روایتیں پڑھیں اور حافظ ابو الولید بن الفرغی کے سامنے مسند مالک پڑھی (۱۷۰)۔ بہت سے علماء اور محدثین نے ان کے واسطے سے حدیثیں بیان کی ہیں۔ جن میں ابو محمد ابن حزم، حافظ ابوعلی الغسانی البجائی اور حافظ ابو عبد اللہ الحمیدی وغیرہ ہیں (۱۷۱)۔ الحمیدی فرماتے ہیں کہ ”ابو عمر ایک فقیہ، حافظ، قرأت کے عالم، علوم حدیث اور رجال حدیث میں ماہر ہیں اور قدیم السماع تھے (۱۷۲)۔“

ابو الولید الباجی فرماتے ہیں کہ ”علم حدیث میں ابو عمر بن عبد البر جیسا فرواندلس میں کوئی نہیں تھا۔“ مزید فرماتے ہیں ”ابو عمر اہل مغرب میں عظیم ترین حافظ مانے جاتے ہیں“ (۱۷۳)۔ ابوعلی الغسانی فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عبد البر کو کہتے ہوئے سنا کہ ”علم حدیث میں قاسم بن محمد اور احمد بن خالد الحبیب جیسا اندلس میں کوئی نہیں ہے۔“ ابوعلی نے مزید فرمایا کہ ”ابن عبد البر ان دونوں سے کسی طرح نہ تو کم اور نہ ہی پیچھے تھے“ (۱۷۴)۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ ”یہ ثقہ امام، علامہ، تبحر اور قابل اتباع شخص تھے“ (۱۷۵)۔ انہوں نے بہت سی تصنیفات چھوڑی ہیں۔ مگر ہم یہاں ان ہی کتابوں کا ذکر کرتے ہیں جو علم حدیث سے متعلق ہیں۔ ابوعلی الغسانی فرماتے ہیں کہ ”ابو عمر نے مؤطا کے متعلق مفید کتابیں تصنیف کی جن میں ”کتاب التمهید لمافی الموطا من المعانی والاسانید“ معروف ہے۔ اس کی ترتیب امام مالک کے شیوخ کے ناموں پر حروف جمعی کے اعتبار سے کی ہے۔ ۷۰ اجزاء پر مشتمل ایسی تصنیف کسی اور کی منظر عام پر نہیں آئی (۱۷۶)۔ ابن حزم فرماتے ہیں کہ ”فقہ حدیث پر ایسی تالیف ہی جب میرے علم میں نہیں ہے تو اس سے بہتر کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے“ (۱۷۷)۔ ابن عبد البر اس کتاب کی خوبی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سیر فوادی من ثلاثین حجة وصاقل ذهنی والمفرج عن همی

بسطت لهم فيه كلام نبيتهم لما في معانيه معنى الفقه والعلم

وفيه من الآداب ما يهتدى به إلى البر والتقوى ونهى عن الظلم (۱۷۸)

(یہ تیس برسوں سے میرے قلب و جگر کی ہم راز ہے۔ میرے ذہن کو صیقل کرنے والی اور میرے غم کو دور کرنے والی ہے۔ میں نے انسانوں کی خاطر نبی ﷺ کے کلام کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے

کہ اس میں علم و معرفت کے معانی موجود ہیں۔ اس کتاب میں ایسے آداب ہیں جن سے بروقتوی کی پرورش اور ظلم سے روکنے کی رہنمائی ملتی ہے۔ ان کی ایک اور کتاب ”الاستذکار“ کے نام سے ہے۔ حامی خلیفہ کی یہ رائے صحیح نہیں ہے کہ یہ کتاب ان کی ایک دوسری کتاب التہید کا اختصار ہے (۱۷۹)۔

الذمعی لکھتے ہیں: انہوں نے ”الاستذکار لمذہب علماء الامصار“ کے نام سے کتاب تصنیف کی جس میں ”التہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید“ کے مباحث بھی شامل ہیں (۱۸۰)۔ ایک اور کتاب ”الاستیعاب فی معرفة الاصحاب“ کے نام سے لکھی جو صحابہ کے حالات پر بہت ہی مستند کتاب بھی جاتی ہے (۱۸۱)۔

ان کی ایک تصنیف ”جامع بیان العلم وفضله“ ہے (۱۸۲)۔ ایک تصنیف ”کتاب الدرر فی اختصار المغازی والسمیر“ ہے (۱۸۳)۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ”ابو عمر کی وفات ربیع الثانی ۳۶۳ھ جمعہ کی رات میں ہوئی۔ اس طرح انہوں نے ۹۵ برس، پانچ دن مکمل فرمائے (اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے)۔ میرا خیال ہے کہ ”وہ مغرب کے اپنے زمانہ میں بلند پایہ حافظ تھے۔ اسی تاریخ میں حافظ مشرق ابو بکر الخطیبؒ کی وفات ہوئی (۱۸۴)۔

علم حدیث میں طویل القدر مرتبہ کے حامل ابوالولید سلیمان بن خلف الباجیؒ (۳۰۳-۳۷۷ھ / ۱۰۱۲-۱۱۰۸ء) بھی ہیں۔ اندلس میں اکثر علماء اور محدثین سے سماعت کی پھر ۳۲۶ھ میں مشرق کی طرف کوچ کیا۔ اور دمشق و موصل میں سماعت کی اور مکہ میں ابو ذر الدوری سے سماعت کیا پھر بغداد کا سفر کیا اور وہاں تین سال تک قیام پذیر رہے۔ وہاں فقہ وحدیث کا درس دیتے تھے۔ چند علماء سے ملاقات بھی کی۔ مثلاً ابوالطیب الطبری القفیہؒ اور شیخ ابواسحاق الشیرازیؒ۔ خطیب سے انہوں نے روایت کی اور خطیب نے ان سے روایت کی (۱۸۵)۔ خطیب فرماتے ہیں کہ ابوالولید الباجیؒ نے اپنے متعلق مجھے یہ شعر پڑھ کر سنایا:

إذا كنت اعلم علما يقينا بان جميع حياتي كساعة

فلم لا اكون ضنينا بها واجعلها في صلاح وطاعة (۱۸۶)

(مجھے جب یہ اچھی طرح پتہ ہے کہ میری پوری زندگی ایک لمحہ کے برابر ہے۔ تو پھر کیوں نہ

میں اس کی قدر کروں اور اسے خیر و طاعت میں لگا دوں۔

انہوں نے ابو عبد اللہ الصوریؒ سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے والہانہ محبت کرتے تھے یہاں تک کہا کرتے تھے ”الصوری میری معلومات کی حد تک سب سے بلند پایہ حافظ ہیں“ (۱۸۷)۔ تیرہ سال بعد علم کا ایک ذخیرہ لیے ہوئے اندلس واپس آئے۔ جسے انہوں نے نہایت فخر و تشدد کی حالت میں حاصل کیا تھا (۱۸۸)۔

ان سے حافظ ابو بکر الخطیبؒ اور حافظ ابو عمر وابن عبد البرؒ نے بھی روایت کی ہے جبکہ یہ دونوں ان سے عمر میں بڑے ہیں اور ابو عبد اللہ الحمیدیؒ اور حافظ ابو علی الصدیقیؒ نے بھی روایت کی ہے (۱۸۹)۔ ان سے ابو علی الغسانیؒ اور ابو بکر الطریشیؒ نے سماعت کی ہے (۱۹۰)۔ اندلس کے متعدد مقامات پر قضاء کے عہدہ پر فائز رہے (۱۹۱)۔ علماء ان کی غایت درجہ تعظیم کرتے تھے۔ ان کے متعلق قاضی عیاضؒ کا خیال ہے کہ یہ سنجیدہ، خوب رو اور بارعب تھے (۱۹۲)۔ ابن ماکولاً فرماتے ہیں کہ یہ جلیل القدر اور عالی ہمت تھے (۱۹۳)۔ ابو علی ابن سکرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو الولید الباجیؒ جیسا کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ہی کسی کو ان کی طرح خوب رو اور باوقار پایا (۱۹۴)۔ چنانچہ قاضی ابو بکر محمد بن مظفر الشاشی الباجیؒ کا اسی طرح احترام کرتے تھے جس طرح کوئی بیٹا اپنے باپ کی تکریم کرتا ہے۔ ابو علی ابن سکرہؒ کہتے ہیں کہ میں نے شاشی سے کہا کہ ”اللہ تعالیٰ آپ کا رتبہ بلند کرے یہ شیخ اندلس کے صاحبزادہ ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ شاید وہ ابن الباجی ہیں؟ میں نے جواب دیا، ہاں! تو وہ ان کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گئے (۱۹۵)۔

حدیث دفعہ کے موضوع پر انہوں نے کئی تصنیفات چھوڑی ہیں۔ حدیث سے متعلق بعض اہم تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ کتاب التحدیل والتقریح لمن خرج له البخاری فی الجامع الصحیح (۱۹۶)۔

۲۔ المنتقى فی شرح المؤطا (۱۹۷)۔

۳۔ المعانی فی شرح المؤطا۔ میں اجزاء پر مشتمل ایک بے مثال تالیف ہے (۱۹۸)۔

ان محدثین میں حافظ ابو عبد اللہ محمد بن ابی نصر فتوح بن عبد اللہ الازدی الحمیدی اللاندیؒ (۳۲۰-۳۸۸ھ) ہیں۔ انہوں نے اندلس، مصر، شام، عراق، مکہ المکرمہ اور افریقہ میں حدیث

کی سماعت کی (۱۹۹)۔ ابو الولید الباہلی سے سنا (۲۰۰)۔ ابن حزمؒ اور ابو عبد اللہ القضاہیؒ ابو عمر بن عبد اللہ اور ابو بکر الخطیبؒ جیسے علماء سے بھی سماعت حدیث کی (۲۰۱)۔ مکہ مکرمہ میں الحمد شکریمہ الروزیہ سے اور مصر میں عبد العزیز العراب سے سماعت حدیث کی (۲۰۲)۔

محمد بن طرخان کہتے ہیں کہ میں نے حمیدی سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ ”مجھے ۳۲۵ھ میں سماعت کی غرض سے کندھے پر اٹھا کر لے جایا جاتا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے فقیہ ابو القاسم اصبح بن راشدؒ سے سنا، جو کہ ان کے سامنے پڑھا جاتا تھا اسے سماعت تھا (۲۰۳)۔ ان کے واسطے سے ابو عامر العبدری طرخان الترمذیؒ اور ان کے شیخ ابو بکر الخطیبؒ وغیرہ نے احادیث بیان کیں (۲۰۴)۔ اور ان کے دوست امیر ابو نصر ابن ماکولانے بھی ان کے واسطے سے حدیث بیان کی ہے (۲۰۵)۔

الامیر ابن ماکولؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دوست حمیدیؒ جیسا باعفت اور علم سے شغف رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ انہوں نے تاریخ اندلس لکھی (۲۰۶)۔ محلی ابن ابراہیم السملانیؒ کہتے ہیں کہ میرے والد نے فرمایا کہ ”میری نگاہوں نے الحمیدیؒ کی طرح فضل و شرافت، وسعت علم اور علم کی نشرو اشاعت کا شائق نہیں دیکھا۔ مزید فرمایا کہ وہ با اعتماد، متقی، امام حدیث تھے اور علل حدیث کا علم رکھتے تھے۔ میں نے انہیں محقق مذہب اور اہل الحدیث کے مطابق اور اصول میں کتاب و سنت کی موافقت میں صاحب بصیرت پایا، وہ فصیح اور عربی زبان و ادب اور فنِ تریل میں با کمال تھے (۲۰۷)۔

حسین بن محمد ابن خسرؒ فرماتے ہیں ابو بکر بن میمون ان کے ہاں حاضر ہوئے، دروازہ کھٹکھٹایا اور یہ سمجھا کہ الحمیدیؒ نے انہیں اجازت دے دی ہے اور وہ داخل ہو گئے اچانک قابل ستر مقام پر ان کی نگاہ پڑ گئی۔ الحمیدیؒ رونے لگے اور فرمایا کہ بخدا تمہاری نگاہ ایسی جگہ پڑی ہے جہاں کسی کی نگاہ میرے ہوش سنبھالنے کے بعد سے نہیں پڑی تھی (۲۰۸)۔

شیخ الحمیدیؒ عمدہ شعر کہتے تھے۔ ابن طرخانؒ کہتے ہیں کہ ابو عبد اللہ الحمیدیؒ نے ہمیں اپنے شعر

سنائے:

لقاء الناس ليس يفيد شيئا سوى الهذيان من قيل وقال

فاقل من لقاء الناس الا لاخذ العلم او اصلاح حال (۲۰۹)

(لوگوں سے ملاقات کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی سوائے بے فائدہ باتوں اور گپ شپ کے۔ پس لوگوں سے ملنا کم کر دو البتہ علم حاصل کرنے یا اصلاح حال کے لیے ملنے میں کوئی حرج نہیں)۔
انہیں کے یہ اشعار بھی ہیں:

کلام اللہ عز وجل قولی وما صحت به الآثار دینی

وما اتفق الجميع عليه بدا وعوداً فهو عن حق مبين

فدع ما صد عن هذا وخذها تكن منها على عين اليقين (۲۱۰)

(اللہ عز وجل کا کلام میری گفتگو ہے اور آثار صحیحہ میرا طریقہ عبادت (دین) ہے۔ جس پر

تمام لوگوں کا برہنہ دلیل اتفاق ہو وہی حق یقین ہے۔ چنانچہ جو اس کے خلاف ہو اسے چھوڑ دو اور جو حق ہو اس کو پکڑ لو۔ اس طرح تمہیں عین یقین کا مرتبہ حاصل ہو جائے گا)۔

ان کی مشہور کتابوں میں ”کتاب الجمع بین الصحیحین“ اور ”جذوة المقتبس فی اخبار الاندلس“ ہیں (۲۱۱)۔ ابن طرخان کہتے ہیں کہ میں نے حمیدی سے سنا کہ ”علم حدیث کی تین اصناف ایسی ہیں جن کو درخور اعتنا سمجھنا ضروری ہے۔ پہلی صنف کتاب العلل ہے۔ اور اس موضوع پر سب سے عمدہ کتاب دارقطنی کی ہے۔ دوسری صنف ”المؤتلف والمختلف“ ہے۔ اس موضوع پر سب سے بہتر کتاب امیر ابن ماکولا کی ”الاکمال“ ہے۔ تیسری صنف ”وفیات المشائخ“ ہے، اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں ہے۔ الحمیدی کہتے ہیں کہ میں خود اس موضوع پر کوئی کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتا تھا“ (۲۱۲)۔ یہ اس وقت کی بات ہے بعد میں اس موضوع پر ”وفیات الاعیان“ (ابن خلکان) اور الوافی بالوفیات وغیرہ۔۔۔ اور کئی کتب لکھی گئیں۔

محمد شین کا یہ طبقہ ایسا تھا جو حدیث اور علوم حدیث میں اپنے انہماک اور مہارت کے ساتھ ساتھ اپنی بہترین یادداشت کی بنا پر مشہور و معروف تھا۔ ان میں سر فہرست حافظ ابو علی الحسین بن محمد الغسانی الجبائی (۳۲۷-۴۹۸ھ) ہیں۔ انہوں نے حکم بن محمد الجذامی کے واسطے سے حدیث بیان کی جو ان کے عظیم المرتبت شیخ تھے۔ مزید برآں انہوں نے حاتم بن محمد الطرابلسی، ابو عمر بن عبد البر، ابو عبد اللہ محمد بن عتاب، محدث ابو عمر بن الجداء، ابو شاکر عبد الواحد القمیری، سراج بن عبد اللہ القاضی، ابو الولید

سلیمان بن خلف الباہلی، ابو العباس احمد بن عمر بن دلہاٹ اور ان کے علاوہ بھی متعدد افراد سے حدیثیں بیان کیں (۲۱۳)۔ وہ آخری وقت تک اندلس ہی میں مقیم رہے (۲۱۴)۔ ان سے محمد بن محمد بن حکم الباہلی، محمد ابن احمد بن ابراہیم الجبائی البغدادی قاضی ابوعلی بن سکرۃ، ابو العطاء زہیر بن عبد الملک الایادی، عبد اللہ بن احمد بن ساک الفرناطی، حافظ عبد الرحمن بن احمد بن ابی لیلی، یوسف بن ہبلی السخوی اور محمد بن عبد اللہ بن خلیل القیس مسند مراکش (مغرب) نے روایت کی چنانچہ مؤخر الذکر نے ان کے واسطے سے ۵۷۰ھ میں صحیح مسلم میں سے احادیث بیان کیں (۲۱۵) اور ان سے قاضی ابوعلی الصدیقی (۲۱۶) اور قاضی عیاض وغیرہ نے سنا (۲۱۷)۔

ابن ہشکوال کہتے ہیں کہ ”حسین الغسانی قرطبہ میں رئیس المحدثین مانے جاتے تھے۔ ان کا شمار نمایاں محدثین اور بلند پایہ مستند علماء میں ہوتا تھا۔ انہوں نے حدیث، کتب حدیث اور ضبط روایت کی طرف پوری توجہ دی۔ خوش نویس اور جید حافظ تھے (۲۱۸)۔ امام ذہبی ان کے متعلق فرماتے ہیں ”ان کا شمار عظیم حفاظ میں ہوتا تھا۔ عربی زبان و ادب، شعر و انساب پر کامل عبور رکھتے تھے۔ اور ان تمام علوم میں کتابیں بھی تصنیف کیں۔ لوگ ان کے پاس طلب علم کے لیے آتے اور نقل و روایت پر اعتماد رکھتے تھے“ (۲۱۹)۔ السہلی نے ”الروض الانف“ میں فرمایا ہے کہ مجھ سے ابو بکر بن طاہر نے ابوعلی الغسانی کے واسطے سے بیان کیا کہ ابو عمر ابن عبد البر نے ان سے کہا کہ ”تم پر اللہ تعالیٰ کی یہ امانت ہے کہ اگر تم کسی ایسے صحابی سے واقف ہو جن کا تذکرہ میری کتاب الاستیعاب میں نہیں ہے۔ تو تم ان کا نام اس میں درج کر دینا“ (۲۲۰)۔

ابن عطیہ نے ان کے متعلق فہرس میں فرمایا ہے کہ ”وہ اندلس کے ایسے شخص ہیں جن پر علم حدیث، رجال حدیث اور علل کی معرفت کا معیار قائم ہوا وہ علم نحو، ادب، شعر اور غریب الفاظ پر بھی کافی عبور رکھتے تھے (۲۲۱)۔ حسن بن مغیث فرماتے ہیں کہ ”ابوعلی ان کامل ترین لوگوں میں سے ہیں جن کو میں نے علم حدیث، طرق حدیث کی معرفت اور فن رجال پر دسترس رکھنے میں ممتاز پایا ہے۔ انہوں نے لغت کی کتابوں سے بحث کی ہے، اشعار کی بکثرت روایت کی ہے اور میری واقفیت کی حد تک کسی نے بھی ان سے زیادہ روایات جمع نہیں کیں (۲۲۲)۔ کتابوں کی تصحیح کے معاملہ میں بھی کوئی ان کا ہسر نہیں

ہے (۲۲۳)۔ علم حدیث پر انہوں نے بیش بہا تصنیفات چھوڑی ہیں۔ کتنی کہتے ہیں کہ ان کی کتاب ”تقیید المہمل وتمییز المشکل“ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں وہ تمام الفاظ جمع کر دیئے گئے ہیں جن کے بارے میں بخاری و مسلم کے راویوں میں التباس ہوا ہے (۲۲۴)۔ ان کی ایک تصنیف ابن عبد البر کی ”الاستیعاب“ کے لیے عمدہ تخریج کی حیثیت رکھتی ہے (۲۲۵)۔ ان کی دیگر تصانیف میں ”تسمیۃ شیوخ أبی داؤد السجستانی فی مصنفہ“ (۲۲۶) اور ”فہرست ابی علی حسین بن محمد الغسانی“ (۲۲۷) بھی شامل ہیں۔

ان کے بعد ابو علی الحسین بن محمد بن فیروہ بن حیون الصدقی السرقطی الاندلسی (م ۵۱۴ھ) کا نام آتا ہے جو ایک عظیم محدث تھے اور ابن سکرۃ کے نام سے معروف تھے۔ قاضی ابوالولید، محمد بن سہرون، ابوبکر الشاشی اور نصر المقدسی سے ساعت حدیث کی (۲۲۸)۔ اور ابو علی الجبائی سے بھی حدیث کی ساعت کی (۲۲۹)۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ ”علم وافر لے کر آئے اور فن حدیث کے متن و اسناد میں مہارت تامہ پیدا کی۔ ساتھ ہی ساتھ خوش نویس، ضبط اور حسن تالیف، فقہ و ادب، دینداری، تواضع و انکساری میں ممتاز تھے (۲۳۰)۔

صاحب ”فتح الطیب“ ان کے متعلق فرماتے ہیں ”یہ حدیث، طرق حدیث کے عالم، علل سے آگاہ اسامہ الرجال اور ناقلین حدیث سے واقف، خوش نویس، عمدہ یادداشت کے مالک تھے۔ خود اپنی تحریر سے بہت علوم نقل کیے۔ حدیث کی کئی تصنیفات کے حافظ، متون و اسانید اور رواۃ کو محضر رکھنے والے تھے۔ محض حافظ کی بنیاد پر صحیح بخاری کو ایک سفر میں اور صحیح مسلم کو دوسرے سفر میں تحریر کیا۔ ان دونوں کتابوں سے کافی لگاؤ رکھتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ سنن ترمذی سے بھی والہانہ تعلق تھا“ (۲۳۱)۔ قاضی حیاض فرماتے ہیں کہ ”مجھ سے ابواسحاق ابراہیم بن جعفر نقی نے بیان کیا“ ابو علی الحسین نے ان سے فرمایا کہ صحیح حدیث مجھ سے حاصل کرو اور میرے سامنے جو متن بھی پڑھو گے میں اس کی سند بتا دوں گا اور جس سند کا ذکر کرو گے میں اس کا متن بتا سکوں گا“ (۲۳۲)۔

صحیح بخاری کا صحیح ترین نسخہ مغرب میں ان کے پاس موجود تھا۔ جسے انہوں نے خود اپنے قلم سے تحریر کیا تھا۔ کتانی فہرست الفہارس میں لکھتے ہیں ”بعد میں لوگ طرابلس میں ۱۲۱۱ء میں صحیح بخاری کے

ایک اصل نسخہ سے واقف ہوئے جسے حافظ الصدیقی نے خود تحریر فرمایا تھا۔ جس کی خوب تعریف کی (۲۳۳)۔ اور مزید فرمایا کہ ”اس کے آخر میں قاضی عیاض کے سامع کا تذکرہ خود ان کی تحریر میں موجود ہے اور آغاز میں ابن جماعہ، حافظ الدمیاطی، ابن الطائر اور سخاوی کی یہ تحریر ہے کہ اس نسخہ کو حافظ ابن حجر العسقلانی نے اپنی شرح فتح الباری کی بنیاد بنایا ہے اور اسی پر اعتماد کیا ہے کیونکہ یہی نسخہ مشرق و مغرب، حرمین، مصر، شام، عراق اور مراکش میں متداول رہا۔ لہذا اسی کو مستحکم سمجھنا زیادہ مناسب بھی تھا۔ جیسے ان کے شاگرد ابن سعاده کی روایت قابل اعتبار سمجھی جاتی ہے“ (۲۳۴)۔ کتانی فرماتے ہیں کہ برہان الدین ابن جماعہ نے اس نسخہ کو ۸۰۲ھ میں دیکھا تو انہیں بہت پسند آیا اور فرمایا کہ اگر میں کوئی واضح نسخہ خوبصورت تحریر سے لکھتا اور اس سے موازنہ کرتا تو یہ نسخہ زیادہ عمدہ لگتا کیونکہ اس کے تحریر کرنے والے ایک جلیل القدر عالم ہیں (۲۳۵)۔

ابن بشکوال فرماتے ہیں کہ ”یہ ان بزرگ ترین لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے میرے پاس اجازت کے لیے لکھا“ (۲۳۶)۔ امام صدیقی سے بہت سے علماء اور محدثین نے سماعت کی۔ ان کے مشہور شاگردوں میں ابو محمد عبدالحق بن عطیہ (م ۵۳۲ھ) (۲۳۷) اور قاضی عیاض ہیں (م ۵۵۴ھ) (۲۳۸)۔ ابن عطیہ کی مشہور تالیفات میں ”برہان فی اسماء شیوخہ“ (۲۳۹) اور ”التعلیقۃ الکبریٰ فی الخلاف“ (۲۴۰) ہیں ۵۱۲ھ/۱۱۱۸ء میں اسبانیوں کے ہاتھوں حافظ صدیقی کا شہر اور ان کی جائے پیدائش سر قسطہ کا سقوط ہوا تو انہوں نے عوام کی غیرت و حمیت کو لکارا اور انہیں جہاد پر آمادہ کرنے کے لیے تقریریں کیں۔ چنانچہ ایک عظیم اسلامی لشکر حافظ صدیقی اور امیر ابراہیم بن یوسف المرابطی کی قیادت میں اکٹھا ہو گیا۔ اگرچہ ان کی عمر ۶۰ سال سے زائد ہو چکی تھی۔ لیکن انہوں نے بڑی ثابت قدمی اور سرگرمی سے اس جہاد کی تیاریاں کیں اور جب فریق مخالف سے مقابلہ ہوا تو علماء صالحین کے ایک گروہ کے ساتھ خدا کی رضا کے لیے انہوں نے ۵۱۴ھ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا (۲۴۱)۔

چوتھی اور پانچویں صدی ہجری اندلس میں حدیث اور علوم حدیث کا سنہری دور مانا جاتا ہے۔ چھٹی صدی ہجری میں حافظ جیائی اور الصدیقی کے اکثر شاگرد علماء نے حدیث اور علوم حدیث سے اشتغال رکھا۔ ان کا شمار علوم حدیث اور دیگر علوم کے قائدین میں ہوتا ہے۔ ان میں حافظ ابو بکر محمد بن

حیدر بن مغزو العافری (م ۵۱۵ھ) جو ابن مغزو کے نام سے معروف ہیں۔ سب سے زیادہ شہرت یافتہ ہیں۔ انہوں نے اپنے چچا طاہر الحافظ اور ابوعلی الغسانی کے واسطہ سے حدیث بیان کی اور ابو عمر بن الخداء اور قاضی ابوالولید البائی کی طرف سے اجازت یافتہ بھی تھے (۲۳۲)۔ ان کے متعلق امام ذہبی فرماتے ہیں کہ ”یہ حافظ حید عالم، ادب اور فنون ادب کے ماہر تھے۔ قرطبہ میں حدیث بیان کی اور اپنے شیخ ابوعلی الحافظ کے صحیح جاشین قرار پائے“ (۲۳۳)۔

انہیں میں علامہ ابو محمد عبدالحق بن غالب کے والد ماجد ابو بکر غالب بن عبد الرحمن الغرناطی الاندلسی (۳۱۱-۵۱۸ھ) ہیں (۲۳۴)۔ انہوں نے بہت سے محدثین سے سماعت کی ہے اور اپنے والد حافظ علی الغسانی سے بھی روایت کرتے ہیں (۲۳۵) ابن بھکوال فرماتے ہیں: ”حافظ حدیث اور طرق و علل میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ فن رجال کے ماہر، متون و معانی کو محفوظ رکھنے والے تھے۔ ہم نے اپنے بعض اصحاب کی تحریر پڑھی ہے کہ انہوں نے ان سے ذکر کرتے ہوئے سنا کہ صحیح بخاری کو سات سو مرتبہ دہرایا“ (۲۳۶)۔ انہیں میں حافظ ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن سلیمان الاندلسی الاہمیلی محدث قرطبہ ہیں (۵۲۴ھ)۔ انہوں نے ابوعلی الغسانی کی صحبت اختیار کی اور ابوعلی ان کی تعظیم کرتے تھے اور ان کو ذویہن اور وسیع العلم گردانتے تھے۔ ابن بھکوال کہتے ہیں کہ ”حدیث و علل کے حافظ، فن رجال اور جرح و تعدیل میں مہارت تامہ رکھتے تھے، نقد اور ضابطہ تھے۔ ان کی کئی ایک تعنیفات ہیں جن میں ”الاقلید فی بیان الاسانید“ اور کتاب ”معرفة اسانید المؤطا“ وغیرہ ہیں (۲۳۷)۔

اس صدی کے حافظ ابو جعفر احمد بن عبد الرحمن بن محمد الاندلسی (م ۵۴۲ھ) ہیں جو الطبرجی کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے ابوعلی الغسانی وغیرہ محدثین سے اخذ و استفادہ کیا۔ ان کے واسطہ سے ابن بھکوال، محمد بن عبد العزیز الشوری اور دیگر محدثین نے روایت کی (۲۳۸)۔ ان کے متعلق ابن بھکوال کا کہنا ہے کہ ”یہ حدیث و فقہ، رجال و تاریخ کے بلند پایہ حافظ اور اپنے ہم عصروں پر فائق تھے۔ ابن بھکوال کے علاوہ دیگر افراد کا خیال ہے کہ ”ان کی کئی ایک مشہور تالیفات ہیں اور یہ رجال و تراجم رجال پر عبور رکھتے تھے (۲۳۹)۔

جیانی اور صدیقی کے شاگردوں میں قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ المعروف ابن

العربی العافری الاثیری (۳۶۸-۵۴۳ھ/۱۰۷۶-۱۱۷۸ء) ہیں۔ انہوں نے ۴۸۵ھ میں مشرق کا سفر کیا اور اہل شام و حجاز سے سماعت کی۔ حج کیا اور دو مرتبہ بغداد گئے۔ ابوبکر الشاشی اور ابو حامد الغزالی کی صحبت میں رہے۔ اسکندریہ تشریف لے گئے۔ وہاں محدثین کے ایک گروہ سے ملاقات کی۔ ان سے حدیثیں لکھیں، استفادہ کیا اور قائمہ بھی پیونچایا (۲۵۰)۔ علم کے خزانہ سے مالا مال ہو کر اندلس واپس آئے (۲۵۱)۔ ان کے متعلق ان کے شاگرد ابن بشکوال کا خیال ہے کہ ”حافظ بصر، اندلس کے آخری عالم اور امام تھے (۲۵۲)۔ اور ان کے متعلق حافظ ابن ناصر الدین الدمشقی نے شرح بدیع البیان میں لکھا ہے کہ ”یہ ایک مشہور حافظ اور معتبر امام تھے“ (۲۵۳)۔

ان کا ذکر اساتذہ ابو جعفر احمد بن ابراہیم الرزبی نے اپنی کتاب ”صلہ“ میں کیا ہے اور فرمایا ہے ”انہوں نے اپنے والد ابو محمد کے ساتھ حکومت عبادیہ کے سقوط کے بعد ۴۸۵ھ میں حج کا سفر کیا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۷۱ سال تھی۔ چنانچہ مصر کے شیوخ سے ملاقات کی اور کئی ایک افراد کا نام بتایا پھر فرمایا کہ ”انہوں نے احادیث نوٹ کیں، روایتوں کو اکٹھا کیا اور بکثرت روایت کی“ (۲۵۴)۔ ان کے متعلق امام ذہبی کا خیال ہے کہ قاضی ابوبکر کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو اجتہاد کے درجہ پر فائز ہیں (۲۵۵)۔ جلیل القدر علماء نے ان سے استفادہ کیا جن میں قاضی عیاض، ابن بشکوال، صاحب فہرست ابن خیر اور ابو عبد اللہ بن سعاده ہیں۔ علم حدیث میں ان کی درج ذیل تصانیف ہیں:

۱۔ عارضۃ الاحوذی فی شرح جامع الترمذی۔

۲۔ کوکب الحدیث والسلسلات (۲۵۶)۔

۳۔ العوام من القوام (۲۵۷)۔

قاضی ابو الفضل عیاض بن موسیٰ الیمصی البستی (۵۴۳ھ) کا شمار بھی عظیم محدثین میں ہوتا ہے۔ قاضی حافظ ابو علی الغسانی نے انہیں اپنی سند اجازت عطا فرمائی، انہوں نے ابو علی بن سکرۃ وغیرہ سے استفادہ کیا (۲۵۸)۔ ان کے شاگردوں میں خلف بن بشکوال ہیں (۲۵۹)۔ ان کے متعلق ابن خلکان فرماتے ہیں کہ یہ ”حدیث، علوم حدیث، نحو، لغت، کلام عرب، ایام و انساب میں امام وقت مانے جاتے تھے (۲۶۰)۔

ان کے شاگرد خلف بن یسکوال فرماتے ہیں کہ ”وہ صاحب فہم و ذکا و اہل علم و فن میں سے تھے۔ انہوں نے ایک لمبی مدت سہیجہ میں قضا کی ذمہ داری ادا کی اس کے بعد کچھ دنوں غرناطہ میں یہی خدمت انجام دی پھر وہ قرطبہ واپس آ گئے۔ تو ہم نے ان سے استفادہ کیا“ (۲۶۱)۔ ان کے متعلق امام ذہبی کا خیال ہے کہ مختلف علوم میں تعمید کیا اور عمدہ تالیفات پیش کیں۔ ان کی تصنیفات اقصائے عالم میں پھیل گئیں۔ جس سے انہیں کافی شہرت ملی (۲۶۲)۔ ابن سعد نے ان کے ترجمہ میں ”من النجباء الثاقب“ میں ان کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ مجھے جو حدیث یا روایت ملی اس کی اسناد سے میں واقف تھا (۲۶۳)۔ حافظ السخاوی ان کے بارے میں فرماتے ہیں ”وہ علوم حدیث، نحو، لغت، کلام عرب اور انساب میں اپنے تمام ہم عصروں سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے“ (۲۶۴)۔ ان کے متعلق ابو الحسن بن عبد اللہ النباہی المالکی نے فرمایا ”انہوں نے بہت سی حدیثیں جمع کی تھیں اور اس کی طرف پوری توجہ دیتے تھے اور وہ علم، ذہانت، ہوشمندی اور سوجھ بوجھ میں یقین رکھنے والوں میں سے تھے“ (۲۶۵)۔

علم حدیث اور سیرت پر ان کی کئی تصنیفات ہیں۔ جن میں ”الشفاء فی شرف المصطفیٰ“ یا ”الشفاء بحریف حقوق المصطفیٰ“ ہے (۲۶۶)۔ دوسری تصنیف کتاب الاکمال ہے جو مسلم کی شرح کے طور پر لکھی گئی ہے یہ انہوں نے المازری کی کتاب ”المعلم فی شرح مسلم“ کی تکمیل کے طور پر لکھی۔ ایک اور تصنیف مشارق الانوار ہے جو انتہائی مفید کتاب ہے جسے صحاح ثلاثہ (موطا، بخاری، مسلم) میں وارد غریب احادیث کی تفسیر کے طور پر تحریر کیا ہے (۲۶۷)۔

بعض شیوخ کہتے تھے ”سورج مشرق سے طلوع ہو کر مغرب میں غروب ہوتا تھا۔ اب ایک اور سورج قاضی عیاض کی کتاب الشفاء کی صورت میں ہم مشرق والوں پر طلوع ہوا ہے (۲۶۸)۔ ابن فرحون نے کتاب المشارق کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ ”یہ ایسی کتاب ہے کہ اگر آپ زر سے لکھی جاتی یا جواہرات سے تولی جاتی پھر بھی اس کا حق ادا نہ ہوتا“ (۲۶۹)۔ علم حدیث میں ان کی ایک دوسری تصنیف ”الالماع الی معرفة اصول الروایة وتقیید السماع“ ہے (۲۷۰)۔ دیگر تصانیف ”شرح حدیث ام زرع“ اور ”کتاب التہبہات“ ہیں (۲۷۱)۔

قاضی عیاض کے بعد حافظ ابو بکر محمد بن خیر بن عمر بن خلیفہ الاشعری (۵۰۲-۵۷۵ھ) جو ابن

خیر کے نام سے مشہور ہیں کا ذکر آتا ہے۔ انہوں نے کئی شیوخ، قاضی ابوبکر ابن العربی، ابوالقاسم بن حمی، اور ابن مغیث وغیرہ سے استفادہ کیا (۲۷۲)۔ ابن الا بار نے ان کے متعلق فرمایا ہے ”یہ حد درجہ روایت کرنے والے تھے اور ایک سو سے زائد شیوخ سے سماعت کی اور ان کے ہم عصروں میں کوئی ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا“ (۲۷۳)۔ ان کی ایک مشہور کتاب ”فہرست“ ہے جس میں اپنے شیوخ کے واسطہ سے تمام علوم کی روایت کی ہے (۲۷۴)۔

ابو محمد عبدالحق بن عبد الرحمن الازدی الاشہلی (۵۱۰-۵۸۱ھ) ابن خیر کے معاصر ہیں۔ جنہیں ابن الخراط کے نام سے بھی جانا جاتا ہے (۲۷۵)۔ ان کے فضل و کمال کے لیے یہی کافی ہے کہ حافظ ابوبکر ابن عساکر نے انہیں سند اجازت خود لکھ کر دی (۲۷۶)۔ ان کے متعلق ابو عبد اللہ البیہقی نے فرماتے ہیں ”وہ فقیہ، حافظ، حدیث، علل اور فن رجال کے جید عالم تھے۔ خیر و صلاح، زہد و تقویٰ، سنت کی پابندی اور دنیا سے بے رغبتی میں معروف تھے“ (۲۷۷)۔ ان کی ایک تصنیف ”الجمع بین الصحیحین“ ہے۔ ”الاحکام“ کے دو نسخے ”کمری و صغریٰ“ کی شکل میں موجود ہیں (۲۷۸)۔ دونوں طبع ہو چکی ہیں۔

چھٹی صدی کے ایک محدث ابوالقاسم خلف بن عبد الملک بن مسعود بن موسیٰ بن یحیٰ کو الالاندی، القریطی (۳۹۲-۵۷۷ھ) ہیں۔ انہیں حافظ، ناقد اور محدث اندلس جیسے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ انہوں نے بہت سے محدثین سے استفادہ کیا۔ جن میں القاضی ابوبکر ابن العربی ہیں۔ ابو علی بن سکرۃ الصدقی نے انہیں سند اجازت عطا فرمائی (۲۷۹)۔ ان کے متعلق ابو عبد اللہ الا بار نے فرمایا ”وہ بکثرت روایت کرنے والے اور حد درجہ اس سے شغف رکھنے والے تھے۔ وجہ و علل سے آگاہ، حجت، اپنے زمانہ کے فائق، حافظ، اخباری اور اندلس کے واقعات کو محفوظ رکھنے والے تھے۔ اپنے شیوخ کے واسطہ سے سند اچار سو سے زائد کتابوں کی روایت کی ہے۔ جن میں چھوٹی بڑی سبھی شامل ہیں۔ لوگوں نے حصول علم کی خاطر ان کی طرف سفر کیا اور ان سے استفادہ کیا۔ ان کے واسطہ سے ہم سے ایک جماعت نے حدیث بیان کی اور انہیں اصلاح باطن سے متصف اور طلبہ کے حق میں مبرور و تواضع کا پیکر قرار دیا۔ مختلف علوم میں پچاس تالیفات چھوڑی ہیں۔ اشبیلیہ کے بعض مقامات میں ابن العربی کی نیابت

میں قضاء اور شروط کے انعقاد کی ذمہ داری سونپی گئی۔ پھر علم کے سنانے ہی پر اپنے آپ کو محدود رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے روایت کرنے والے بے شمار ہیں۔ جن میں ابو بکر بن خیر، ابو القاسم القطری، ابو بکر بن نجون اور ابوالحسن بن الضحاک بھی ہیں۔ یہ تمام کے تمام ان سے قبل ہی وفات پا گئے“ (۲۸۰)۔ ان کی کئی تصنیفات ہیں ان میں سے مشہور یہ ہیں:

- ۱۔ صلیۃ تاریخ ابن القریظ۔ ۲۔ غوامض الاسماء المسببة۔
- ۳۔ کتاب معرفة العلماء الافاضل۔ ۴۔ السلسلات۔
- ۵۔ حدیث من کذب علی (اسانید کے ساتھ) (۲۸۱)۔

اسی صدی کے مشہور محدث ابو القاسم عبدالرحمن بن عبداللہ المعروف بالسہلی (۵۰۸-۵۸۱ھ) ہیں۔ ان کی کتابوں میں ایک ”الروض الانف“ یہ سیرت نبوی ابن ہشام کی شرح کے طور پر تصنیف کی گئی ہے (۲۸۲)۔ یہ بہترین کتاب ہے۔

اسی صدی کے مشہور عالم حافظ ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم بن خلف الاندلسی (۵۱۱-۵۹۰ھ) ہیں۔ جنہیں ابن الخیار کے نام سے جانا جاتا ہے (۲۸۳)۔ ابن لآ ہار نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ: تمام حفاظ کے امام اور فائق عصر، متون و اسانید کو بیان کرتے تھے، ساتھ ہی ساتھ رجال سے واقف اور غریب احادیث کے حافظ تھے (۲۸۴)۔

میں نے طوالت کے خوف سے علم حدیث کے میدان میں مشہور علماء کے ذکر ہی پر اکتفا کیا ہے۔ ورنہ اندلس کو علوم شرعیہ بالخصوص علم حدیث کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔ اور وہاں کی درس گاہیں مثلاً جامع اشبیلیہ، جامع قرطبہ، جامع غرناطہ، جامع طلیطلہ اور جامع بیرۃ، علم حدیث اور آداب وغیرہ کے لیے معروف تھیں (۲۸۵)۔ ۶۳۳ھ میں قرطبہ کا سقوط ہوا اور پھر کیے بعد دیگرے دوسرے شہروں پر زوال آنا شروع ہو گیا۔ ۸۹۸ھ میں وہاں کا آخری شہر غرناطہ بھی صلیبیوں کے قبضہ میں آ گیا اس طرح دیار اندلس کفر و شرک کی تاریکیوں میں ڈوب گیا۔ جبکہ وہاں کا اسلامی عہد علم و ادب کے اعتبار سے تاریخ علم کا زریں دور شمار ہوتا ہے۔ یورپ اور دیگر تمام ممالک علم کے معاملہ میں ان کے دست نگر تھے۔ اب موسیٰ بن نصیر اور طارق ابن زیاد کہاں سے آئیں گے جو مسلمانوں کی گم شدہ عظمت کو بحال کر سکیں۔

برصغیر میں علم حدیث

عرب و ہند تعلقات

عرب و ہند کے تعلقات بہت پرانے ہیں ان تعلقات کی قدامت کا اندازہ مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے البتہ اتنا یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تعلقات کڑہ ارض پر انسانی وجود کے ساتھ ہی قائم چلے آ رہے ہیں۔ قصص الانبیاء کی اہم کتب کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام جنت سے دنیا کی طرف بھیجے گئے تو وہ ارض ہند کے جنوبی علاقہ سری لنکا میں اتارے گئے (۲۸۶) جب کہ ان کی بیوی حضرت حوا سعودی عرب کے موجودہ جدہ میں اتاری گئیں۔ حضرت آدم ہند سے چل کر حضرت حوا کو عرب کے عرفات میں جا ملے جو مکہ کے قریب ایک میدان ہے (۲۸۷)۔ یہ عرب اور ہند سے تعلق رکھنے والی ہستیوں کی پہلی ملاقات تھی۔ اس کے بعد زمانہ قدیم سے اب تک اہل ہندوستان سے عربوں کے تعلقات چلے آ رہے ہیں۔ عرب لوگ تاجر پیشہ تھے وہ آس پاس کے ملکوں کی منڈیوں سے تجارتی مال لاتے اور لے جاتے تھے۔ عرب و ہند میں سندھ مکران اور جنوبی عرب کے ساحل اس قدر قریب ہیں کہ ان کے درمیان تجارتی تعلقات اور دوسرے روابط قائم ہو جانا ایک ناگزیر اور فطری عمل تھا۔ عربوں اور ہندوستانوں میں قدر مشترک بت پرستی اور غیر اللہ کی پوجا تھی۔ عرب تاجر عموماً جنوبی ہند کی بندرگاہوں میں مال لاتے اور لے جاتے تھے۔ بعض عرب تاجروں نے جنوبی ہند کے ساحلی شہروں میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اس طرح قبل از اسلام ہی سے دونوں ممالک کے عوام ایک دوسرے سے متعارف تھے (۲۸۸)۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ ہندوستان اور اس کی مختلف چیزوں سے واقف تھے ان چیزوں میں مہک، کافور، زنجبیل (ادرک)، قرفل (لونگ)، قلفل (مرچ)، عود ہندی، قسط ہندی، ساج (ساگوان کی لکڑی)، ہندی تلواریں اور یہاں کے بعض کپڑے بھی عرب میں استعمال کیے جاتے تھے۔ اکثر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ان ہندوستانی اشیاء کو حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ بھی استعمال فرماتے تھے۔ احادیث رسول ﷺ میں بھی ہندوستان کا تذکرہ موجود ہے۔ روایات میں غزوہ ہند کا بھی

تذکرہ ملتا ہے (۲۸۹)۔

ہند میں اسلام

اہل ہندوستان کو ظہور اسلام کی خبر اسی وقت ہی پہنچ گئی تھی جب اس عالمگیر دین کا دروازہ اہل مکہ پر کھلا (۲۹۰)۔ اوراق تاریخ اس بات کے شاہد ہیں کہ وہ قافلے جو عرب و ہند کے درمیان بغرض تجارت رواں دواں تھے پہلے پہل اسلام نے انہی کے ہاتھوں ہندوستان کی سرحد پار کی (۲۹۱)۔ اہل عرب کے تجارتی قافلے مالا بار، لنکا، مالدیپ، انڈونیشیا اور چین کے علاقوں میں آتے جاتے تھے۔ اس وقت ایک مشہور واقعہ معجزہ شق القمر سے متاثر ہو کر مالا بار کے راجہ زموزا کا اسلام قبول کر لینا ہے۔ پھر عہد فاروقی میں لنکا کے راجہ نے بھی اسلام قبول کر لیا (۲۹۲)۔

ہند میں صحابہ کرامؓ کی آمد

برصغیر میں خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہی اسلام آ گیا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں مغربی ہندوستان میں ممبئی اور تھانہ میں مسلمانوں کی آبادیاں وجود میں آ چکی تھیں۔ عام طور پر یہ تابعین تھے جو ہندوستان میں آئے اور جن کی آبادیاں برصغیر میں قائم ہوئیں۔ انہی تابعین کے ہاتھوں میں برصغیر میں اسلام باقاعدہ طور پر داخل ہوا (۲۹۳)۔

سرزمینِ عجم پر فتوحات کا سلسلہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں شروع ہوا اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اسلامی سلطنت جنوب کی جانب ہرات اور بلخ تک پہنچ گئی۔ اگر خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ نے ان مہم جو عربوں کو چند مصلحتات کو ملحوظ رکھ کر اس ملک کو فتح کرنے سے منع نہ کیا ہوتا جنہوں نے ان کے عہد خلافت میں ہند فتح کرنے کے ارادے سے ۶۳۳ھ/۶۳۳ء میں بڑی اور بحری حملے کیے تو شاید ہند میں علمِ حدیث کا آغاز خود صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں ہو گیا ہوتا۔ اس اہم واقعہ کے بعد اگرچہ ہندوستان کی سرحدوں پر عربوں کے اکاؤنٹ کا حملہ ہوتے رہے تاہم اس علاقہ کو فتح کرنے کی منظم کوشش اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان (۶۸۶-۷۰۵ء/۷۰۵-۷۱۳ء) کے عہد سے پہلے نہیں کی گئی۔ پھر اسی خلیفہ کے عہد میں سندھ فتح ہوا۔ یہی سبب ہے کہ ہندوستان کا شمار ان مسلم ممالک میں نہیں کیا جاسکتا جہاں صحابہ کرامؓ

نے اپنی زبان سے احادیث بیان کیں (۲۹۳)۔

ان کے خلاف مہموں میں جن صحابہؓ نے حصہ لیا ان میں سے یہ نام ہم تک پہنچے ہیں:

- ۱۔ عبد اللہ بن عبد اللہ عقیق۔
- ۲۔ عاصم بن عمر غسانی۔
- ۳۔ صحرار بن العبدی۔
- ۴۔ سہیل بن عدی۔
- ۵۔ الحکم بن ابی علی ثقفی (۲۹۵)۔

تاریخ کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کئی ایک صحابہ ہند آئے وہ اس ملک میں علم حدیث کی اشاعت کے چلتے پھرتے مدرسے تھے۔ تاہم یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اس زمانے میں حالات ایسے تھے جن میں اشاعت حدیث کا کام پوری توجہ سے انجام نہیں دیا جاسکتا تھا (۲۹۶)۔

سندھ میں اسلام کی آمد

پہلی صدی ہجری کی آخری دہائی میں سندھ میں مسلمانوں کی خود مختار اور مستقل بالذات سلطنت کا دار الحکومت قائم ہوا۔ ۹۳ھ/۷۱۲ء میں محمد بن قاسم نے سندھ فتح کیا۔ سندھ میں اسلامی علوم کے آغاز اور ان کی اشاعت کے بارے میں سب سے پہلا اور باقاعدہ تحریری ثبوت محمد بن قاسم کی فتح سندھ سے ملتا ہے۔ واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ عرب فوج میں قرآن مجید کے بہت سے قاری تھے جن کو حجاج نے یہ تاکید کی تھی کہ وہ قرآن کی قرات پابندی سے کیا کریں۔ (۲۹۷)۔

شمالی ہند میں اشاعت اسلام

سندھ کے علاوہ شمالی مغربی سرحدی صوبہ کی جانب سے سلطان محمود غزنوی نے ۳۹۲ھ/۱۰۰۲ء میں داخل ہو کر اسلام کے فروغ و اشاعت کی راہ ہموار کی۔ غزنوی عہد حکومت میں اسلام کی جڑیں لاہور اور گردونواح میں مستحکم ہو گئیں (۲۹۸)۔

برصغیر میں حدیث کی طرف رجحان

ابتدائی چار صدیوں میں ہندوستان میں لوگوں کا رجحان صرف حدیث نبوی کی طرف تھا کیونکہ جب اسلام ہندوستان میں داخل ہوا تو قرآن و حدیث کے علاوہ اور کسی چیز کا وجود نہیں تھا۔

لوگ علما اور محدثین کا بہت احترام کرتے تھے۔ چنانچہ ابوالقاسم مقدسی جس نے سلطان محمود غزنوی کے حملہ سے پہلے ۳۷۵ھ/۹۸۵ء میں سندھ کو دیکھا۔ وہ اس خطہ کے متعلق لکھتا ہے: ”ان میں سے اکثر لوگ حدیث کی طرف رجحان رکھنے والے ہیں“ (۲۹۹)۔

عرب سے آنے والے محدثین

اوائل صدیوں میں عرب سے آنے والے مشہور محدثین کے نام درج ذیل ہیں:

- ۱۔ موسیٰ بن یعقوب اشعری (۳۰۰)۔
- ۲۔ یزید بن ابی کھذافہ دمشقی (۳۰۱)۔
- ۳۔ ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ بصری (۳۰۲)۔
- ۴۔ ابو حفص ربیع بن صبیح (۳۰۳)۔

ابتدائی صدیوں میں سندھ اور ملتان کے مراکز حدیث و محدثین

اس زمانے میں سندھ اور ملتان کے کئی محدثین مشہور ہوئے جن کو ان مراکز کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ سندھ ہندوستان (موجودہ پاکستان کا) بہت بڑا علاقہ ہے اس میں کرمان، بھٹان، دہلی (کراچی) منصورہ اور قصار جیسے علاقے شامل تھے۔ بعض لوگوں نے ملتان کو بھی سندھ میں داخل کیا ہے۔ (۳۰۴)۔ اس علاقے کے مشہور محدثین مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱۔ ابو معشر قحطی بن عبدالرحمن سندھی (م ۷۷۰ھ/۸۸۶ء) (۳۰۵)۔
- ۲۔ ابو عبد اللہ محمد بن رجاہ سندھی (م ۷۳۶ھ/۸۶۰ء تقریباً) (۳۰۶)۔
- ۳۔ حافظ ابو بکر محمد بن محمد بن رجاہ السدھی (م ۷۲۸ھ/۸۹۹ء) (۳۰۷)۔
- ۴۔ ابو العباس احمد بن محمد بن صالح منصورہ، یہ چوتھی صدی ہجری کا آدمی ہے۔ منصورہ دوسری صدی کا مشہور شہر تھا۔ جس کو اہل ہند بھکر کہتے تھے اور اس میں علم حدیث کی کافی نشر و اشاعت ہوئی (۳۰۸)۔
- ۵۔ ابو محمد عبد اللہ بن جعفر مرزہ منصورہ (م ۷۳۹ھ/۱۰۰۰ء) (۳۰۹)۔

- ۶۔ ابو جعفر محمد بن ابراہیم دہلی (م ۲۳۲ھ/۸۴۶ء)۔ دہلی کراچی کا نام تھا۔ جسے محمد بن قاسم نے فتح کیا۔ اس کی فتوحات کے واقعات مشہور ہیں (۳۱۰)۔
- ۷۔ ابو العباس احمد بن عبد اللہ دہلی (م ۳۳۳ھ/۹۵۴ء) (۳۱۱)۔
- ۸۔ ابو العباس محمد بن محمد بن عبد اللہ الوراق الدہلی (م ۳۵۴ھ/۹۶۵ء) (۳۱۲)۔
- ۹۔ ابو جعفر بن خطاب قصداری (۳۱۳)۔ قصدار (قزدار) سندھ کا بڑا مشہور شہر تھا جسے مسلمانوں نے سنان بن سلمہ کی قیادت میں فتح کیا جو کہ علم حدیث کا بہت بڑا مرکز تھا (۳۱۳)۔
- ۱۰۔ ابو داؤد سیبویہ بن اسماعیل بن ابی داؤد الواحدی کزداری (م ۳۶۰ھ/۹۶۸ء یا اس کے بعد) (۳۱۵)۔

چوتھی صدی ہجری کے دوسرے نصف حصہ میں سندھ پر اسماعیلیوں کی حکومت کے قیام سے لے کر آٹھویں صدی ہجری کے وسط تک زیریں سندھ میں اسماعیلیوں کا اثر کسی نہ کسی شکل میں مسلسل باقی رہا۔ سندھ پر عربوں کی حکومت ختم ہو جانے کے بعد جو حالات رونما ہوئے۔ ان میں عرب ممالک اور بالخصوص حجاز میں واقع علم حدیث کے مراکز سے سندھ کا رابطہ منقطع ہو گیا۔ اس طرح جنوبی ہند میں علم حدیث کا احیاء کرانے میں بھی تاخیر ہو گئی۔

سندھ میں عرب حکومت کمزور پڑ جانے کے بعد شمال مغربی سرحد کی جانب سے جب غزنویوں اور غوریوں کی حکومت یہاں قائم ہوئی تو براہ راست محدثین کی آمد و رفت کم ہو گئی ان کی بجائے خراسان اور ماوراء النہر وغیرہ کے علما یہاں فروکش ہوئے۔ اس دور میں مذاہب اربعہ کا رواج بھی کسی قدر پڑ چکا تھا اور یہ فائقین بھی حنفی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے ساتھی فقہائے کرام کا تعلق علم حدیث سے بہت کم تھا جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے صراحت کی ہے۔ واشتغل الہم بعلم الحدیث قلیل قدیمًا و حدیثًا (ان کی قدیم اور جدید زمانہ میں علم حدیث کے ساتھ مشغولیت کم تھی) (۳۱۶)۔

سید عبدالحی حسنی لکھتے ہیں ”۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء میں سقوط بغداد کے بعد برصغیر میں حدیث کی طرف رجحان کم رہا زیادہ تر ادب، شعر، فقہ، اصول فقہ، ریاضی اور یونانی علوم کی طرف رجحان کرتے تھے۔ حدیث کی طرف ان کا اتنا ہی رجحان تھا جس قدر احادیث فقہ کی کتب میں آ جاتی تھیں۔ ان کی نظر

صرف صفائی کی کتاب مشارق الانوار کی طرف ہوتی تھی اور اگر کوئی مصابح السنہ یا مشکوٰۃ پڑھ لیتا تو اسے محدث سمجھا جاتا تھا۔ ایسا ان کے علم حدیث سے ناواقفیت کی بنا پر تھا۔ وہ حدیث کی کتب کو نہ پڑھتے تھے نہ جانتے تھے اور نہ ہی محدثین کے بارے میں معلومات رکھتے تھے۔ مشکوٰۃ کو بھی علم اور فہم کے لیے نہیں بلکہ برکت کے لیے پڑھا جاتا تھا۔ وہ تقلید کے قائل تھے اور تحقیق کی طرف ان کا میلان نہیں تھا اس لیے یہاں زیادہ تر ایسے فتویٰ دیے جاتے تھے جن میں فقہ کو حدیثوں احادیث پر فوقیت دی جاتی۔ جب دسویں صدی ہجری میں یہاں علمائے محدثین تشریف لائے تو حدیث کی طرف رجحان شروع ہوا“ (۳۱۷) اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ شیخ ٹمس الدین ترک جب آٹھویں صدی ہجری میں سلطان علاؤ الدین خلجی کے دور میں وارد ہند ہوئے تو یہاں کے حالات کے متعلق سلطان وقت سے مخاطب ہو کر لکھتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ تمہارے شہر میں احادیث مصطفیٰ ﷺ کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور فقہوں کی روایت پر عمل کی دیواریں استوار کی جاتی ہیں، تعجب ہے کہ جس شہر میں لوگ حدیث کی موجودگی میں فقہ کی روایت پر عمل کریں تو وہ شہر تباہ کیوں نہیں ہو جاتا اور اس پر آسانی مصائب کیوں نہیں چھوٹنے لگتے (۳۱۸)۔

سید سلیمان ندوی نے عہد تعلق میں علم حدیث کے متعلق لکھا ہے: ”اس عہد میں علم حدیث کے ساتھ لوگوں کو جو بے اعتنائی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ سلطان غیاث الدین کے زمانہ میں مسئلہ سماع کی تحقیق کے لیے ایک مجلس منعقد ہوئی۔ مناظرہ کے ایک فریق شیخ نظام الدین سلطان الادلیاء تھے اور دوسری طرف تمام علما۔ شیخ کا بیان ہے کہ جب میں کوئی حدیث بیان کرتا تھا تو علما بڑی جرأت اور بے باکی سے کہتے کہ اس ملک میں حدیث پر فقہی روایت مقدم سمجھی جاتی ہے اور کبھی یہ کہتے کہ چونکہ اس حدیث سے شافعی نے استدلال کیا ہے اور وہ ہمارا مخالف ہے اس لیے ہم اس حدیث کو نہیں مانتے (۳۱۹)۔ اس عمومی حالت کے باوجود یہاں خال خال شخصیات ایسی بھی نظر آتی ہیں جنہوں نے اس بے اعتدالی اور حمود کو قبول نہیں کیا۔ ان میں شیخ حسن بن محمد صفائی، علی الہی، شیخ محمد طاہر ثنی، شیخ ابوالحسن سندھی اور شیخ محمد حیات سندھی نامور ہیں۔ آخری دور میں شیخ احمد سرہندی یعنی مجدد الف ثانی نے بھی اپنی تعلیمات کی بنیاد کشف والہام اور مشرب مرشد کی بجائے کتاب وسنت پر رکھی۔ سید سلیمان ندوی

رقم طراز ہیں۔ ”حضرت مجدد نے اپنی تعلیم کی بنیاد اتباع سنت پر رکھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم حدیث اور شائکل کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول ہونے لگی“ (۳۲۰)۔

برصغیر پاک و ہند میں نامور محدثین گزرے ہیں جن میں سے درج ذیل بہت معروف ہیں:

۱۔ شیخ احمد سرہندی (م ۱۰۳۳ھ/۱۶۲۳ء)

ولادت: شیخ احمد بن عبدالاحد فاروقی سرہندی جو مجدد الف ثانی کے نام سے مشہور ہیں شوال ۹۷۱ھ/ مئی ۱۵۶۳ء میں سرہند میں پیدا ہوئے (۳۲۱)۔

تعلیم: شیخ احمد نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر دہلیا لکھنؤ اس کے بعد وہاں سے کشمیر گئے اور ملا کمال الدین کشمیری (م ۱۰۱۷ھ/۱۶۰۸ء) سے مقولات اور شیخ یعقوب صرنی سے مقولات کا درس لیا۔ اس کے علاوہ شیخ احمد نے قاضی بہلول بدخشی سے صحاح ستہ کیلئے اجازہ بھی حاصل کر لیا تھا۔ بدخشی مکہ کے مشہور محدث عبدالرحمن بن فہد کے شاگرد تھے (۳۲۲)۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کی کامیابی کا حقیقی رازیہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں میں قرآن اور حدیث کے مطالعہ کو فروغ دینے پر بہت زور دیا (۳۲۳) اور قرآن و حدیث پر مبنی اصلاح و ترقی کا جو مبارک کام انہوں نے شروع کیا تھا ان کے اخلاف نے پشت پا پشت جاری رکھا۔ انہوں نے جہانگیر کو سجدہ نہ کیا۔

تصنیف: شیخ احمد سرہندی حدیث کے مقرر عالم تھے جس کا ثبوت ان کے کتبوبات کے مطالعہ سے بھی ملتا ہے۔ لیکن تصنیف و تالیف کی حد تک اس موضوع پر انہوں نے صرف ایک رسالہ ربیعین لکھا ہے (۳۲۴)۔ محدث اور مصلح کی حیثیت سے حضرت مجدد نے جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ صرف حدیث پر کتابیں لکھنا اور اس کا درس دینا ہی نہیں تھا (اگرچہ وہ یہ بھی کیا کرتے تھے) بلکہ ان کا اصل کام اس زمانے کی حکومت و سیاست میں جو زبردست افراتفری پھیلی ہوئی تھی اس کی اصلاح تھی۔ اس کے باوجود اشاعت و فروغ حدیث میں انہوں نے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ ۲۰ صفر ۱۰۳۳ھ/ نومبر ۱۶۲۳ء کو شیخ احمد نے سرہند میں تریٹھ سال کی عمر میں وفات پائی (۳۲۵)۔

۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ تا ۱۶۳۲ھ)

شیخ عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ محرم ۹۵۸ھ بمطابق جنوری ۱۵۵۱ء کو دہلی میں پیدا ہوئے (۳۲۶)۔

تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم و تربیت میں ان کے والد ماجد کا خاص حصہ تھا۔ ایام طفلی میں ہی انہوں نے اپنے بیٹے کی تربیت کی طرف خصوصی توجہ دی۔ شیخ محدث کا بیان ہے "شب و روز در کنار مرحمت و جوار عنایت ایشاں تربیت و یافتہ" (۳۲۷)۔ ابتدائی تعلیم میں سب سے پہلے قرآن پاک شروع کرایا دو تین ماہ میں قرآن پاک ختم کر لیا (۳۲۸)۔ ایک ماہ کی قلیل مدت میں لکھنا سیکھ لیا (۳۲۹)۔ بارہ، تیرہ برس کی عمر میں شرح شمسہ اور شرح عقائد پڑھ لی۔ پندرہ سولہ برس کی عمر ہو گئی کہ مختصر و مطول سے فارغ ہو گئے۔ اٹھارہ برس کی عمر میں علوم عقلی و نقلی کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس کی سیر نہ کر چکے ہوں (۳۳۰)۔ اڑتیس سال کی عمر میں مکہ مکرمہ پہنچے اور اس سال ماہ رمضان تک محدثین مکہ سے صحیح بخاری و مسلم کی تعلیم کا شرف حاصل کر لیا (۳۳۱)۔

درس و تدریس: تعلیم سے فراغت کے بعد آپ ۱۰۰۰ھ تا ۱۵۹۲ھ میں ہندوستان میں پھر وارد ہوئے اور شریعت محمدی کی ترویج و تدریس پر کمر باندھ لی اور ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی جس میں تعلیم دین اسلام کا سلسلہ شروع کر دیا اور اپنی ساری زندگی اس مشن میں دارالعلوم میں درس و تدریس میں گزار دی (۳۳۲)۔

تصانیف: شیخ عبدالحق محدث دہلوی بہت زیادہ کتب لکھنے والے مصنف تھے۔ انہوں نے حدیث، تصوف، تاریخ اور سوانح پر ایک سو سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں (۳۳۳)۔ علم حدیث پر ان کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱۔ الطريق القويم في شرح الصراط المستقيم (مطبوعہ): یہ کتاب فیروز آبادی کی سفر السعاده یا الصراط المستقيم کی فارسی شرح ہے۔ یہ ایسی مستند احادیث کا مجموعہ ہے جو آنحضرت ﷺ کی زندگی کردار، عادات اور اخلاقی تعلیمات سے متعلق ہیں۔ یہ شرح دہلی میں لکھی گئی تھی اور ۲

جمادی الاول ۱۰۱۶ھ/۱۶۰۳ء کو مکمل ہوئی اور ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء میں لکھنؤ میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی (۳۳۳)۔

۲۔ **احمد المصنفات فی شرح مشکوٰۃ**: یہ مشکوٰۃ المصابیح کی مختصر شرح ہے جو فارسی زبان میں ہے۔ نول کشور پریس لکھنؤ نے ۱۳۲۱ھ/۱۹۱۳ء میں یہ کتاب ۵ جلدوں میں شائع کی تھی (۳۳۵) شیخ عبدالحق نے ۱۰۱۹ھ/۱۶۱۵ء کے وسط میں یہ کتاب لکھنا شروع کی تھی (۳۳۶) اور ۱۰۲۹ھ/۱۶۲۵ء میں اسے دہلی ہی میں مکمل کیا (۳۳۷)۔

۳۔ **لمعات الصّحیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح**: مشکوٰۃ کی عربی شرح ہے اس میں دینی اور فقہی مسائل پر جو بحث کی گئی ہے وہ احمد المصنفات کے مباحث سے زیادہ واضح اور مفصل ہے۔ حالانکہ لمعات ضخامت میں احمد سے کم ہے۔ اول الذکر میں اسی ہزار سطریں اور مؤخر الذکر میں ایک لاکھ تیس ہزار سطریں ہیں (۳۳۸)۔

۴۔ **الاکمال فی اسماء الزّجال**: یہ کتاب ان راویوں کے حالات پر مبنی ہے جن کا حوالہ مشکوٰۃ المصابیح میں ہے۔ یہ شرح لمعات مکمل ہونے کے بعد لکھی گئی (۳۳۹)۔

۵۔ **جامع البرکات منتخب شرح مشکوٰۃ**: اس کتاب میں مصنف نے مشکوٰۃ کے ہر ایک باب سے ایک دو حدیثیں منتخب کی ہیں (۳۴۰)۔

۶۔ **ما ثبت بالسنۃ فی تمام السنۃ**: یہ تمام اقسام حدیث یعنی صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع کا مجموعہ ہے اسے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی فارسی تصانیف کا ضمیمہ کہا جاسکتا ہے۔ یہ کتاب ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء میں لکھنؤ میں اور ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء میں لاہور سے شائع ہوئی (۳۴۱)۔

۷۔ **ترجمہ الاحادیث الاربعین**: اس رسالہ میں ایسی چالیس احادیث کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا ہے جن میں بادشاہوں اور شہنشاہوں کو تنبیہ کی گئی ہے (۳۴۲)۔

۸۔ **الاحادیث فی ابواب علوم الدّین**: اس رسالہ میں ایسی چالیس احادیث شامل کی گئی ہیں جو دینی علوم سے متعلق ہیں (۳۴۳)۔

۹۔ **دستور فیض القور**: یہ رسالہ ان احادیث پر مبنی ہے جو آنحضرت ﷺ کے لباس کے بارے

میں ہیں۔ یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے (۳۳۳)۔

۱۰۔ ذکر اجازۃ الحدیث فی القدریم والحدیث (۳۳۵)

وفات: آپ ۳۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ ۱۶۳۲ء کو فوت ہوئے اور حوض شمس کے کنارے دفن ہیں (۳۳۶)

۳۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۶م ۱۱۷۷ھ ۱۷۶۲ء)

آپ کا نام دلی اللہ بن عبدالرحیم العمری الحدیث الدہلوی ہے (۳۳۷)۔

ولادت: حضرت شاہ عبدالعزیز اپنے والد شاہ ولی اللہ کی تاریخ ولادت ۴ شوال ۱۱۱۳ھ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ والد ماجد کی طرح میں نے کسی کا حافظہ نہیں دیکھا (۳۳۸)۔

تعلیم: شاہ صاحب اپنے زمانہ طالب علمی کا ذکر فرماتے ہوئے اپنی کتاب الجزء اللطیف میں لکھتے ہیں: ”جب میں پانچ سال کا تھا تو فقیر کتب میں داخل ہوا، ساتویں برس والد بزرگوار نے نماز پڑھائی اور روزہ رکھنے کی تلقین فرمائی۔ اس سال حقہ کی رسم بھی ادا ہوئی مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس سال کے آخر میں، میں نے قرآن عظیم ختم کیا۔ دس برس کی عمر میں شرح ملا جامی پڑھی اور عام مطالعہ کی راہ میرے لیے کھل گئیں۔ چودھویں برس میری شادی کر دی گئی، اس معاملے میں والد بزرگوار نے بڑی عجلت سے کام لیا۔ پندرہ سال کا تھا کہ تفسیر بیضاوی کا ایک حصہ پڑھا اس سال والد بزرگوار نے کھانے کا وسیع پیمانے پر انتظام کیا اور خواص و عام کو دعوت دی اس موقع پر مجھے درس دینے کی اجازت دی گئی۔ الفرض اپنی عمر کے پندرہویں سال اپنے ملک کے دستور کے مطابق جو ضروری علوم و فنون تھے میں ان سے فارغ ہو گیا۔ سترہ سال کا تھا کہ والد ماجد رحمہ حق سے جا ملے۔ ان کی وفات کے بعد فقیر بارہ سال تک دینی اور علوم عقلیہ کی کتابیں پڑھتا رہا اور ہر علم میں غور و فکر جاری رکھا (۳۳۹)۔

درس و تدریس: والد گرامی کی رحلت کے بعد شاہ صاحب نے مسند علم و ارشاد کو ذہانت بخشی اور ان کی جگہ درس و تدریس اور وعظ و ارشاد میں مشغول ہو گئے۔ کم و بیش بارہ برس کتب دینیہ کا درس دیتے رہے۔ اسی اثناء میں شاہ صاحب نے اہم علوم میں مہارت حاصل کی اور ہر فن میں درجہ کمال کو پہنچے۔ ان پر توحید الہی کے راز کھلے، جذب کی راہیں کشاودہ ہوئیں، معرفت و سلوک کی بہت بڑی دولت میسر آئی اور علوم

و جہانپہ کی نعمت سے مالا مال ہوئے (۳۵۰)۔ خود فرماتے ہیں ”والد کی وفات کے بعد تقریباً ۱۲ سال دینیات اور معقولات کی کتابوں کے درس کا مشغل رہا“ (۳۵۱)۔

مولوی رحیم بخش لکھتے ہیں ”شاہ صاحب پورے بارہ سال تک اس (تدریس) میں اس استغراق اور محویت کے ساتھ معروف رہے جس کی نظیر نہیں ملتی“ (۳۵۲)۔ ۱۲ سال اس طرح درس و تدریس دینے کے بعد شاہ صاحب ۱۱۴۳ھ/ ۱۷۲۱ء میں حج کے لیے تشریف لے گئے اور دو سال تین ماہ بعد واپس آئے اور مہندیوں کے مدرسہ میں قال اللہ وقال الرسول کی محفل پھر گرم ہو گئی۔ اس سفر میں حج و زیارت کے ساتھ آپ نے محدثین عہد سے بھرپور استفادہ کیا۔

تصانیف: علم حدیث کے موضوع پر شاہ دلی اللہ نے متعدد کتب لکھیں جن میں سے چند اہم کتب کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ المسوٰی شرح الموطا: مؤطا امام مالک حدیث کی سب سے زیادہ قدیم کتاب ہے اس کی ترتیب اور اسلوب سے شاہ صاحب نہایت متاثر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس کتاب کی دو شرحیں لکھیں۔ اس وقت عربی اور فارسی زبان ان ظہار خیال کا ذریعہ تھیں۔ شاہ صاحب نے ان دونوں زبانوں میں مؤطا کی شرحیں قلمبند کیں۔ عربی شرح کو المسوٰی کے نام سے موسوم کیا اور فارسی شرح کا نام المعطی رکھا۔ المسوٰی من الموطا (عربی) میں شاہ صاحب نے مؤطا امام مالک کی احادیث کو فقہی ابواب کے مطابق نئی ترتیب دی۔

۲۔ المعطی (فارسی): یہ بھی مؤطا امام مالک کی فارسی شرح ہے۔

۳۔ شرح ترجمہ ابواب صحیح البخاری: صحیح بخاری کے تراجم ابواب پر مشتمل ہے۔

۴۔ حجۃ اللہ البالغہ: یہ اسرار شریعت اور فلسفہ احکام سے متعلق ایک ضخیم اور مشہور کتاب ہے اس کے مضامین اور محتویات کا زیادہ حصہ احادیث پر مبنی ہے۔

۵۔ الانصاف فی سبب الاختلاف: اس کتاب میں کتب احادیث کی تالیف و ترتیب اور مختلف

فقہی مذاہب کے نشو و نما کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ نیز مسائل دینی میں فقہی فیج کے جو اختلافات پیدا ہوئے ان کے اسباب اور پس منظر کی وضاحت کی گئی ہے۔

۶۔ مجموعہ رسالہ اربعہ: یہ بہت چھوٹے چھوٹے چار رسائل کا مجموعہ ہے۔ ہر رسالہ فن حدیث سے متعلق ہے۔

۷۔ الدر العمین فی مبشرات النبی الامین: اس میں ان مبشرات کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ سے خود شاہ صاحب کو یا ان کے بعض نسبی یا روحانی بزرگوں کو حاصل ہوئے۔

۸۔ تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء: اس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام کے قصص اور واقعات اس انداز میں بیان کیے گئے ہیں جس میں مختلف زمانوں میں جو شریعتیں رائج تھیں ان سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

۹۔ مسلسلات: عربی زبان میں ہے اور فن حدیث سے متعلق ہے (۳۵۳)۔

وفات: ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ بمطابق ۲۱ اگست ۱۷۶۲ء کو ظہر کے وقت وفات پائی (۳۵۴)۔

۳۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء)

ولادت: شاہ عبدالعزیز ۱۱۵۹ھ/۱۷۷۷ء کو ایک دینی اور علمی خاندان میں پیدا ہوئے (۳۵۵)۔

تعلیم و تربیت: چونکہ انہیں ابتداء ہی سے علمی اور دینی ماحول ملا تھا اس لیے پانچ سال کی عمر میں قرآن کریم ناظرہ پڑھ لیا۔ اس کے ساتھ ساتھ فارسی کے رسالے اور صرف و نحو کی ابتدائی کتب بھی پڑھتے رہے۔ گیارہ سال کی عمر میں باقاعدہ تعلیم کا آغاز کیا۔ آپ کے والد شاہ ولی اللہ نے انہیں اپنے مرشد کے سپرد کیا جنہوں نے دو سال میں معقولات، تاریخ اور جغرافیہ پڑھا دیا۔ پھر شاہ صاحب نے بنفس نفیس ان کی تعلیمی و تدریسی ذمہ داریاں ادا کیں۔ پندرہ سال کی عمر میں شاہ عبدالعزیز نے جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ اور رسمہ سے فراغت حاصل کر لی۔ عمر کے سترہویں سال میں شاہ ولی اللہ وفات پا گئے چونکہ علم اور عمر میں باقی بھائیوں سے بڑے تھے اس لیے مسند تدریس و خلافت آپ کو تفویض کر دی گئی (۳۵۶) اللہ تعالیٰ نے انہیں بلا کا حافظہ دیا تھا جو عبارتیں طلباء کو لکھاتے موازنہ کرنے پر زیر برکی غلطی نہ ہوتی۔ آپ کے شاگرد مرزا حسن علی صغیر محدث لکھنوی نے لکھا کہ آپ کا حافظہ نسخہ لوح تقدیر کا تھا۔ آپ کے وعظ میں بلا کی تاثیر تھی آپ جہاں خطاب فرماتے وہاں لوگوں کو پاؤں رکھنے کی جگہ تک نہ ملتی جو

اعتراض کرتا وہ منہ کی کھاتا۔ جب راجہ رنجیت سنگھ نے پنجابی مسلمانوں پر ظلم ڈھانا شروع کیے ان کی مساجد چھیننے اور انہیں نماز پڑھنے سے روکنے کی خبریں تسلسل کے ساتھ دہلی میں موصول ہونے لگیں تو شاہ عبدالعزیز نے اپنے پیروں مرشد امیر المؤمنین سید احمد شہید، اسماعیل اور مولانا شاہ عبدالحی بڑھانوی کو تحریک جہاد کے لیے تیار کیا (۳۵۷)۔

تصانیف

- ۱۔ شیعہ عقائد و نظریات کے متعلق آپ کی شہرہ آفاق کتاب ”تحفة اثنا عشریہ“ اردو اور فارسی کتاب شیعہ کی راز دہائے دروں طشت از ہام کر دیے۔
- ۲۔ بستان المحدثین کے نام سے محدثین کے حالات پر فارسی میں ایک مختصر فاضلانہ کتاب ہے۔
- ۳۔ ”عجالتہ نافعہ“ فارسی میں علم اصول حدیث پر ان کا بہترین علمی شاہکار ہے۔
- ۴۔ فتح القدیر یا تفسیر عزیزی معارف قرآن پر بہترین تفسیر ہے (۳۵۸)۔

تلامذہ: شاہ عبدالعزیز کے تلامذہ میں شاہ رفیع الدین محدث دہلوی ان کے نواسے شاہ محمد اسحاق، شاہ محمد یعقوب، مفتی صدر الدین خاں دہلوی، شاہ رفیع الدین، میر محبوب علی دہلوی، شاہ اسماعیل شہید، قاضی شام اللہ پانی پتی، مولانا خرم علی بلہوری، مولوی سید رمضان علی امرہوی، شاہ غلام علی دہلوی، مولانا حسن علی ہاشمی لکھنوی اور مولانا حسین احمد طبع آبادی کے علاوہ اور بہت سے لوگ ہیں (۳۵۹)۔

اولاد: شاہ صاحب کی تین بیٹیاں تھیں۔ ایک کا نکاح مولانا محمد عیسیٰ بن شاہ رفیع الدین محدث سے ہوا۔ دوسری بیٹی شیخ محمد افضل لاہوری سے بیاہی گئی جبکہ تیسری مولانا شاہ عبدالحی بڑھانوی کے حرم میں داخل ہوئی۔ شاہ صاحب نے وفات سے پہلے تمام اعزاء و اقربا کو بلا کر بڑا پر تاثیر وعظ کیا جسے سن کر کوئی آنکھ ضبط نہ کر سکی پھر خدا کے دربار میں بڑی آہ و زاری سے دعا مانگی۔

وفات: شاہ عبدالعزیز ۷ شوال ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳ء کو اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (۳۶۰)۔

۵۔ شاہ محمد اسحاق کئی (۱۲۶۲ھ/۱۸۴۹ء)

ولادت: شاہ محمد اسحاق ۱۱۹۲ھ/۱۷۷۷ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام محمد افضل فاروقی تھا۔ شاہ اسحاق، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نواسے تھے۔ شاہ عبدالعزیز کی وفات کے بعد شاہ اسحاق مسند علم و خلافت پر جانشین ہوئے۔ آپ شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین سے فیضیاب ہوئے۔ آپ نے معقولات اور مقولات ان سے سیکھا پڑھیں۔ شاہ اسحاق نے شیخ عمر بن عبدالعزیز کئی (م ۱۲۳۷ھ/۱۸۳۷ء) سے سند و اجازہ حدیث حاصل کیا۔ شیخ ممدوح سے مذاکرات ہوئے تو آپ نے شاہ صاحب کے متعلق فرمایا کہ ان کے اندر ان کے بزرگ نانا شیخ عبدالعزیز کی برکت حلول کر گئی ہے جب کہ آپ کے متعلق شاہ عبدالعزیز مرحوم فرمایا کرتے تھے میری تقریر شاہ اسماعیل تحریر رشید الدین اور تھکوی اسحاق نے لے لیا۔ یہاں تک کہ ممدوح نے اپنی زندگی میں اپنا پیش امام آپ کو مقرر کر دیا تھا (۳۶۱)۔ شاہ عبدالعزیز شاہ اسماعیل اور اسحاق کو دیکھ کر پڑھا کرتے الحمد للہ الذی وہب لی علی الکبر اسماعیل واسحق (۳۶۲)۔ شاہ اسحاق اپنے نانا کی زندگی ہی میں مسند تدریس پر جلوہ افروز ہو گئے تھے۔ تدریس کی وجہ سے صدر الحمید کے لقب سے مشہور ہوئے جیسا کہ مسوی کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ جب شاہ صاحب کا ہجرت حرمین شریفین کے بعد مکہ مکرمہ میں قیام ہوا تب بھی وہاں مکہ میں مشغلہ تدریس جاری رکھا اور ہزاروں علم کے پیاسے اس چشمہ صافی سے سیراب ہوئے۔

سرسید احمد خاں مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ میں شاہ اسحاق کے وعظ میں حاضر ہوتا ہا ہر مردوں کا ہجوم ہوتا زنان خانہ میں عورتیں جمع ہوتیں۔ ڈولیوں کا شانہ پالکیوں کی گنتی، محلات شاہی کی بیگمات حاضر ہوتیں۔ امراء کے ہاں پر تکلف کھانوں کی دیکھیں کہاروں کے کندھوں پر لدی چلی آ رہی ہیں۔ بیٹی کہتی حضرت جی! کھانا آ گیا، فرماتے تقسیم کر دو اور اس میں سب سے پہلے طلبا کو دیتے جوان سے بچ جاتا وہ خود گھر کے لیے رکھتے اور گرد و نواح کی محتاج عورتیں آ جاتیں جن کو کبھی بھی خالی ہاتھ نہ لوٹاتے (۳۶۳)۔ (۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء) کو شاہ محمد یعقوب کو ساتھ لے کر بیت المحرام کے قصد سے ہجرت کی راستے میں جہاں بھی قیام فرماتے وہاں مستقل قیام کا کہا جاتا۔ یہیں راستے میں مفتی صدر الدین اور حضرت میاں سید نذر حسین صاحب کو سند حدیث مرحمت فرمائی۔

تصانیف: شاہ صاحب کی تصانیف میں سے ”مسائل الاربعین، ملکہ مسائل اور تذکرۃ الصیام“ مشہور ہیں۔

تلامذہ: آپ کے شاگردوں میں سے چیدہ چیدہ درج ذیل ہیں۔ شاہ محمد یعقوب، شاہ محمد عمر بن شاہ اسماعیل مولوی کرامت اسرائیلی شیخ محمد انصاری سہارنپوری، سید عبدالحق، شیخ الکل فی الکل میاں سید نذیر حسین دہلوی، شاہ عبدالغنی مجدد، سر سید احمد خان مرحوم، شاہ اہلق کی مسند درس و تدریس پر بھی سید نذیر حسین محدث دہلوی ہی مسند نشین ہوئے۔

وفات: شاہ اہلق صاحب مکہ مکرمہ میں ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۹ء میں فوت ہوئے ان کی نماز جنازہ شیخ عبداللہ سراج کئی نے پڑھائی (۳۶۳)۔

۶۔ علامہ عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء)

ولادت: آپ کا نام عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنوی ہے۔ ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۱ء میں پیدا ہوئے۔
تعلیم و تربیت: اکثر علوم اپنے والد سے حاصل کیے۔ حج بھی کیا اور مکہ مکرمہ سے شیخ عبدالغنی مجددی سے سند حاصل کی (۳۶۵)۔

درس و تدریس: تعلیم مکمل کرنے کے بعد حیدرآباد میں تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے اور آخر عمر میں لکھنؤ آئے اور درس حدیث دیتے رہے (۳۶۶)۔

تصانیف: آپ کی تصانیف بہت زیادہ ہیں ان میں سے حدیث پر درج ذیل کتب ہیں:

- ۱۔ التعلیق المجید علی مؤطا محمد۔
- ۲۔ الآثار الرفوع فی الاخبار الموضوعة۔
- ۳۔ الاجوبۃ الفاضلۃ لأسئله العشرۃ الکاملۃ۔
- ۴۔ الرفع التامیل فی الجرح والتعديل۔
- ۵۔ النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر۔
- ۶۔ نظیر الامانی فی شرح المختصر المنسوب للبحر جانی فی المصطلح۔

۷۔ امام الکلام فیما یعلق بالقراءة خلف الامام (۳۶۷)۔

آپ ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء میں انتقال کر گئے (۳۶۸)۔

۸۔ نواب سید صدیق حسن خاں (م ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء)

اگرچہ نواب سید صدیق حسن خاں کا تعلق قنوج سے تھا مگر آپ کی پیدائش بانس بریلی میں نصیال کے ہاں ہوئی۔ تاریخ ولادت ۱۹ جمادی الآخر ۱۲۳۸ھ/۱۸۳۲ء ہے۔ آپ نہایت سادات میں سے تھے (۳۶۹)۔

تعلیم و تربیت: نواب سید صدیق حسن خاں ۵ سال کے تھے کہ ان کے والد مولانا سید اولاد حسن خاں کا انتقال ہو گیا۔ تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے ہوا ان کے پہلے استاد ان کے بڑے بھائی مولانا سید احمد حسن عرشی تھے۔ اس کے بعد عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں مولوی سید احمد علی فرخ آبادی، مولوی محمد حسین شاہ جہان پوری، محمد مراد بخاری اور مولوی محبت اللہ پانی پتی سے پڑھیں اس کے بعد ۱۲۳۹ھ/۱۸۳۱ء میں نواب صاحب دلی تشریف لے آئے اور مفتی صدر الدین دہلوی کی خدمت میں ایک سال ۸ ماہہ کر علوم اسلامیہ میں استفادہ کیا۔ (۳۷۰)

علمی خدمات: نواب سید صدیق حسن خاں نے اشاعت دین، توحید و سنت کی ترقی و ترویج اور شرک و بدعت کی تردید میں جو کرا افتد علمی خدمات سر انجام دیں ہیں وہ تاریخ الہدے کا ایک زریں باب ہے۔ قرآن و حدیث کی اشاعت میں آپ کی خدمات نمایاں ہیں۔ علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں: ”علمائے الہدے کی تدریسی و تصنیفی خدمات بھی قدر کے قابل ہیں۔ پچھلے عہد میں نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے قلم اور مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کی تدریس سے بڑا فیض پہنچا، بھوپال ایک زمانہ تک علمائے اہل حدیث کا مرکز رہا، قنوج، سہوان اور اعظم گڑھ کے بہت سے نامور اہل علم اس ادارہ میں کام کرتے رہے۔ شیخ حسین عرب یعنی ان سب کے سرخیل تھے۔ حضرت نواب صاحب مرحوم و مغفور نے زکیر صرف کر کے فتح الباری شرح صحیح بخاری، تفسیر ابن کثیر مع فتح البیان فی مقصود القرآن، اور نیل الاوطار چھوا کر علمائے اسلام میں مفت تقسیم کیں۔“ (۳۷۱)

نواب صاحب خود نوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں ”میرا اکثر مال ترویج علوم اور کتاب

وسعت کی اشاعت میں صرف ہوا ہے۔ میں نے ہر کتاب کو ایک ہزار کی تعداد میں طبع کر کے قریب و بعید کے تمام ممالک میں تقسیم کیا ہے اگرچہ ان پر ہزاروں روپے صرف ہوئے ہیں تاہم کبھی کسی سے کسی کتاب کی قیمت وصول نہیں کی (۳۷۲)۔ ذوق مطالعہ کا اندازہ ان کی اس تحریر سے لگایا جاسکتا ہے لکھتے ہیں:

”ایسی کوئی کتاب نہیں جو تالیف ہوئی اور طبع ہوئی یا عرب و عجم کے شہروں میں دستیاب ہوئی اور میرے مطالعہ میں نہ آئی ہو اگرچہ میں اسے اپنے پاس نہ رکھ سکا ہوں گا۔ چونکہ کسی چیز کا علم اس سے لاعلمی سے بہتر ہے۔ اگرچہ علم کا پسندیدہ حصہ صحائف دین کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے۔ اس لیے ابھی تک علم تفسیر وحدیث اور ان سے متعلقہ کتابوں کی آمد آمد ہے اور ائمہ سلف کی تالیفات کی جستجو باقی ہے (۳۷۳)

تصانیف: مولانا سید نواب صدیق حسن خاں نے عربی، فارسی اور اردو میں ۲۲۲ کتابیں لکھیں۔ جن میں سے علم حدیث پر چند کتابیں درج کی جاتی ہیں:

- ۱۔ عون الباری شرح تجرید شرح بخاری ۲۔ مسک الختام شرح بلوغ المرام (فارسی)
- ۳۔ منج الوصول (فارسی)۔ ۳۔ ہدایۃ السائل۔
- ۵۔ ردۃ ندیہ شرح در المنہجۃ۔ ۶۔ فتح المغنیف۔
- ۷۔ موائد العوائد۔ (۳۷۴)

وفات: نواب صاحب نے ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۰۷ھ بمطابق ۱۷ فروری ۱۸۹۰ء بمبھوپال میں انتقال کیا (۳۷۵)۔

۸۔ مولانا ابراہیم بن عبدالحی آرومی (م ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء)

آپ ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء کو آگرہ شہر میں پیدا ہوئے (۳۷۶)

تعلیم: بچپن میں علم میں مشغول ہو گئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور چھوٹی کتابیں اپنے شہر ہی میں پڑھیں۔ پھر دیوبند اور علیگزہ چلے گئے اور شیخ یعقوب نانوتوی، مفتی لطف اللہ سے علم حاصل کیا۔ پھر وطن واپس آئے اور کچھ کتابیں مولانا سعادت حسین بہارلی سے پڑھیں۔ پھر سہارنپور روانہ ہوئے۔ صحاح ستہ محدث احمد علی بن لطف اللہ سے پڑھیں (۳۷۷)۔

جواز کے لیے مئے حدیث کی سند حرم کی میں شیخ احمد بن زینی مدرس حرم شریف الہی سے حاصل کی۔ مولانا ابراہیم بن عبدالحی آردی عمل کرنے والے علماء اور اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے (۳۷۸)۔ عابد و زاہد تہجد گزار تھے۔ نصوص ظاہری پر عمل میں کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے..... ضعیف روایات بیان نہیں کرتے تھے (۳۷۹)۔ ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء میں انہوں نے اپنے شہر میں دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ جس کا نام ”المدرسہ احمدیہ“ رکھا۔ اس دور میں صوبہ بہار کی سب سے بڑی اسلامی درسگاہ، دانشگاہ تھی۔ یہی وہ مرکزی درسگاہ ہے۔ جس میں ۱۹۰۶ء کو الحمد للہ کانفرنس کی بنیاد رکھی (۳۸۰)۔

تصانیف: آپ کی تصانیف میں سے چند درج ذیل ہیں:

- ۱۔ طریق النجاة (یہ مشکوٰۃ شریف کا ترجمہ ہے)۔
- ۲۔ سلیقہ (یہ امام بخاری کی ادب المفرد کا ترجمہ ہے اور قرآن کے آخری جزو کی تفسیر ہے)۔
- ۳۔ فقہ محمدی (جو کہ شوکانی کی الدرر السعیدہ کی شرح ہے)۔
- ۴۔ ارکان اسلام۔ ۵۔ تلخیص الصرف۔
- ۶۔ قول المویذنی احکام التعلید (۳۸۱)۔

وفات: حافظ محمد آردی جب تیسری بار ۱۳۱۸ھ بمطابق ۱۹۰۰ء کو حج کیلئے تشریف لے گئے تو ایک ماہ مسجد نبوی میں گزار کر بیت اللہ کا قصد کیا۔ تو راستہ میں بیمار پڑ گئے اور ۱۳۱۹ھ بمطابق ۱۹۰۱ء بمطابق احرام طر آخرت پر روانہ ہوئے اور وہیں دفن ہوئے (۳۸۲)۔

۹۔ سید نذیر حسین دہلوی (م ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء)

سید نذیر حسین دہلوی بہار کے ضلع مونگیر میں پیدا ہوئے (۳۸۳)۔ بچپن میں تعلیم کی طرف توجہ کم تھی۔ حیرا کی اور کھیل کی طرف رجحان زیادہ تھا حالانکہ والد خود عالم تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۷ء میں دہلی آ گئے اور شاہ اسحاق کے مدرسہ میں داخل ہوئے۔ جہاں انہوں نے علم حدیث میں اعلیٰ ترین امتحان کامیاب کر کے ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء میں سند حاصل کی۔ اس کے بعد دہلی کی مسجد میں ایک مدرسہ قائم کیا (۳۸۴)۔ پٹنہ میں آپ نے ترجمہ قرآن و ترجمہ مشکوٰۃ پڑھا لیا تھا۔ اس لیے علم دین کا خیال زیادہ تھا۔ عربی زبان میں مہارت حاصل کرنے کے لیے مولانا عبدالحق

سے کافیر کا سبق شروع کیا اور کئی کتابیں پڑھیں (۳۸۵)۔ حدیث کی اجازت شاہ محمد اسحاق کی سے حاصل کی (۳۸۶)۔

درس و تدریس: شاہ محمد اسحاق صاحب نے جب مکہ مکرمہ جانے کا قصد کیا تو انہوں نے سید نذیر حسین کو اپنا جانشین مقرر کیا اور فتویٰ دینے کی اجازت دی۔ آپ نے ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء تک تفسیر اور فتون کی کتابیں پڑھائیں۔ اس کے بعد صرف علوم اصول حدیث، علوم دین، حدیث، تفسیر اور فقہ کو اختیار کیا اور پچاس سال اسی طرح گزارے (۳۸۷)۔ ان کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک ہے جو دنیا کے مختلف ممالک سے تشریف لائے اور آپ سے علمی پیاس بجھائی۔

تصانیف: سید نذیر حسین صاحب کو درس و تدریس میں اشہاک کی وجہ سے تصنیف و تالیف میں بہت کم وقت ملا۔ لیکن اسکے باوجود ان کی ۵۷ کتب کی فہرست ملتی ہے (۳۸۸)۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ معیار الحق تقلید کے متعلق بڑی اچھی کتاب ہے۔ مولانا آزاد فرماتے ہیں کہ اسی زمانے میں ”معیار الحق“ دیکھی اور اس کے جواب میں مولانا ارشاد حسین کی ”انتصار الحق“ دیکھی اور مجھ پر معیار الحق کی سنجیدہ وزنی بحث کا بہت اثر ہوا۔ اور ارشاد حسین رامپوری کا علمی ضعف صاف صاف نظر آ گیا (۳۸۹)۔ کتب یہ ہیں:

۲۔ ثبوت الحق الحقیق رسالہ فی محلی النساء بالذہب۔

۳۔ واقعات الفتویٰ و دافعتہ الہوی۔

۴۔ فلاح الولی فی اتباع النبی ﷺ۔

۵۔ فتاویٰ نذیریہ (۳۹۰)۔

وفات: میاں نذیر حسین دہلوی نے سو برس کی عمر میں ۱۳۲۰ھ بمطابق ۱۹۰۲ء کو وفات پائی۔ انہیں دہلی میں شیدی پور کے قبرستان میں دفن کیا گیا (۳۹۱)۔

۱۰۔ رشید احمد گنگوہی (۱۳۳۳ھ/۱۹۰۵ء)

پیدائش: مولانا رشید احمد گنگوہی قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے (۱۳۹۲)۔

ابتدائی تعلیم: والد کے انتقال کے بعد دادا نے پرورش کی۔ ابتداء میں کرنال شہر میں مولوی محمد تقی سے (جو ماموں بھی تھے) فارسی پڑھی۔ صرف و نحو کی تعلیم محمد بخش رامپوری سے حاصل کی۔ بعد ازاں دہلی جا کر مولوی قاضی احمد الدین چلمی کے شاگرد ہوئے۔ اس کے بعد مولانا مملوک علی نالوتوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حدیث شاہ عبدالغنی مجددی سے پڑھی (۱۳۹۳)۔ چار سال میں تعلیم مکمل کر کے وطن واپس لوٹے۔ اور درس و افتادہ میں مصروف ہو گئے (۱۳۹۳)۔

درس حدیث: پچاس برس انہوں نے گنگوہ میں حدیث، تفسیر، فقہ کا درس دیا (۱۳۹۵)۔ مولانا انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ مولانا گنگوہی نہ صرف مذہب حنفی کے ماہر تھے بلکہ چاروں مذاہب کے فقیہ تھے۔ ان کے سوا کسی کو چاروں مذاہب کا ماہر نہ دیکھا۔ ۱۸۹۵ء کے بعد آپ کی بصارت چلی گئی۔ ان کے درس حدیث سے ۳۰۰ سے زائد جدید علماء فیض یاب ہوئے (۱۳۹۶)۔

تصانیف: ”تذکرۃ الرشید“ میں آپ کی کم و بیش پندرہ تصانیف کا ذکر آتا ہے۔ جن میں مکاتیب و فتاویٰ کے مجموعے بھی شامل ہیں:

- ۱۔ الکوکب الدرری (ترمذی پر آپ کی تقاریر کا مجموعہ الکوکب الدرری دو جلدوں میں چھپ چکا ہے)۔
- ۲۔ زبدۃ المناہک (حج کے متعلق تمام مسائل ضروریہ) (۱۳۹۷)۔
- ۳۔ امداد السلوک (تصوف کے رسالہ مکمل کا ترجمہ) (۱۳۹۸)۔
- ۴۔ فتاویٰ رشیدیہ (۱۳۹۹)۔ ۵۔ سبیل الرشاد (۱۴۰۰)۔
- ۶۔ قطوف داعیہ (۱۴۰۱)۔
- ۷۔ تصفیۃ القلوب (حاجی صاحب کی تصنیف نیاہ القلوب کا ترجمہ) (۱۴۰۲)۔
- ۸۔ احتیاط الظہر (اس کا ثبوت کہ جہاں جمعہ ہوتا ہے وہاں احتیاط ظہر کی ضرورت

نہیں) (۴۰۳)۔ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء کو آپ نے دنیا کو الوداع کیا۔ عمر ۷۸ سال سات باہ تین دن تھی (۴۰۴)۔

۱۱۔ مولانا ابوالحسن سیالکوٹی (م ۱۳۳۵ھ/۱۹۰۷ء)

آپ کا نام مولانا ابوالحسن سیالکوٹی تھا۔ آپ کے اساتذہ میں سب سے مشہور سید نذیر حسین محدث دہلوی ہیں (۴۰۵)۔

مشہور کتابیں: اجاز سنت اور ابطال تقلید کے سلسلہ میں ان کی مشہور کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ الکلام الحسنین فی رد تلویسات المقلدین

۲۔ النظر الحسنین فی الرد علی مخالطات المقلدین (۴۰۶)۔

اس کے علاوہ خدمت حدیث میں ان کی مساعی کا اندازہ درج ذیل کتابوں سے لگایا جاسکتا ہے۔

۳۔ ترجمہ تیسیر الوصول۔

۴۔ فیض الباری فی شرح و ترجمہ صحیح البخاری (یہ ترجمہ مع شرح تیس پاروں پر مشتمل ہے۔

جس میں فتح الباری، ارشاد الساری، انکرمانی، سندھی شروح و حواشی کا خلاصہ بھی آگیا ہے۔

جسے مولانا فقیر محمد نے مطبع محمدی لاہور سے شائع کیا۔

۵۔ فیض السار ترجمہ کتاب لآ حار (امام محمد کی کتاب لآ حار کا اردو ترجمہ ہے)۔

۶۔ ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح۔ ۷۔ تلخیص الصحاح۔

وفات: آپ کی وفات ۱۳۲۵ھ بمطابق ۱۹۰۷ء کو ہوئی (۴۰۷)۔

۱۲۔ مولانا شمس الحق ڈیلانوی (م ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء)

پیدائش: مولانا شمس الحق ڈیلانوی ۱۲۷۳ھ بمطابق ۱۸۵۶ء کو اعظم آباد کے ایک قصبہ ڈیلانہ میں پیدا

ہوئے (۴۰۸)۔

ابتدائی تعلیم و تربیت: آپ نے ابتدائی کتب مولوی لطف اعلیٰ بہاری، مولوی فضل اللہ کھنوی،

مولانا قاضی بشیر الدین صاحب قنوجی سے پڑھیں اس کے بعد آپ دہلی چلے گئے اور سید نذیر حسین

دہلوی سے سید حدیث حاصل کی (۳۰۹)۔ یہاں سے فراغت کے بعد آپ اپنے شہر لوٹ گئے۔ پھر دہلی کا سفر کیا اور سید نذیر حسین سے تفسیر قرآن، سنن دارقطنی اور صحاح ستہ پڑھیں (۳۱۰)۔

تصانیف: آپ کی تصانیف بہت زیادہ ہیں۔ ہم یہاں اختصار سے حدیث کے سلسلہ میں ان کی تصانیف کا ذکر کرتے ہیں:

- ۱- غایۃ المعقود فی حل سنن ابی داؤد۔
- ۲- القول الحق۔
- ۳- عون المعبود شرح سنن ابی داؤد (یہ شرح دراصل غایۃ المعقود کا اختصار ہے۔ اور چار جلدوں پر مشتمل ہے) (۳۱۱)۔
- ۴- التعلیق الحنفی علی کتاب سنن الدار قطنی۔ کتب احادیث میں سنن دارقطنی کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اس سے کوئی طالب علم ناواقف نہیں۔ یہ بلند پایہ کتاب بھی مولانا شمس الحق ڈیلوی کی محنت سے منصفہ شہود پر آئی۔
- ۵- اعلام اہل العصر فی احکام رکعتی الفجر۔ صبح کی دو سنتوں کے متعلق جملہ مباحث پر یہ کتاب مشتمل ہے۔ مولانا نے کتاب کو دس فصلوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر فصل پر محدثانہ و فقہانہ نقطہ نظر سے بحث کی ہے (۳۱۲)۔
- ۶- المکتوب اللطیف الی المحدث الشریف: (یہ ایک خط ہے۔ اس میں اصول حدیث کے ایک ”الاجازۃ العامة“ پر تفصیلی بحث ہے) (۳۱۳)۔
- ۷- فقیۃ الاسمی (یہ رسالہ تین سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ جن میں پہلا سوال یہ ہے کہ محدثین کی اصطلاح لا یصح هذا الحدیث اور لا یثبت هذا الحدیث میں کیا فرق ہے۔ اسی اصولی سوال کا یہ جواب ہے۔ اسی بنا پر ہم اسے بھی اس فہرست میں شامل کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی تصانیف ہیں۔ جن کا تعلق بعض مسائل اور رجال سے ہے۔
- ۸- جوابات الزمات الدار قطنی علی النسخین: امام دارقطنی نے الجامع الصحیح الامام البخاری پر کچھ اعتراضات کیے تھے۔ یہ انہی اعتراضات کے جواب پر مشتمل رسالہ ہے۔ آپ نے ۱۹ ربیع الاذل

۱۳۲۹ھ بمطابق ۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء کو وفات پائی (۳۱۳)۔

۱۳۔ عبد الرحیم مبارکپوری (م ۱۳۳۰ھ ۱۹۱۲ء)

پیدائش: حافظ عبد الرحیم قصبہ مبارکپور میں پیدا ہوئے۔ قاضی امام الدین جونپوری سے حفظ و تجوید دونوں حاصل کیں۔ جن میں اس حد تک کمال حاصل ہوا کہ مبارکپور اور اس کے نواح کا جو شخص حفظ کے بعد قرآن آپ کو سنانہ لیتا حافظ نہ سمجھا جاتا تھا (۳۱۵)۔

صرف دھواورد دیگر علوم مولوی فیض اللہ اور ملا حسام الدین سے پڑھے۔ حدیث قاضی محمد مچلی شہری سے جن کی وجہ سے سند ”مسلسل بالاولیہ“ و سند متداولہ برائے بلوغ المرام اور سند اتحاف الاکابر جو کہ قاضی صاحب کے امتیازات تھے آپ کو بھی حاصل ہوئیں۔ قاضی صاحب کی شاگردی شوقِ اتباع سنت کا سبب بھی ہوئی۔ اس راہ میں گونا گوں مصائب کا سامنا بھی ہوا۔ مگر آخر مبارکپور میں عمل بالسنہ کی رسم (حسنہ) آپ کی وجہ سے جاری ہوئی (۳۱۶)۔

درس و تدریس: ان کی زیادہ تر تدریس ”حفظ قرآن“ تھی۔ اس اعتبار سے مبارکپور اور اس کے گرد و نواح میں تمام حافظان کے شاگرد تھے (۳۱۷)۔ آپ نے رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ بمطابق ۲۳ ستمبر ۱۹۱۲ء میں وفات پائی (۳۱۸)۔

۱۴۔ مولانا عبد الجبار غزنوی (م ۱۳۳۱ھ ۱۹۱۲ء)

ولادت: مولانا عبد الجبار غزنوی ۱۲۶۸ھ بمطابق ۱۸۵۱ء میں غزنی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام عبداللہ غزنوی تھا (۳۱۹)۔

تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم اپنے بھائی مولانا محمد احمد سے حاصل کی۔ پھر آپ دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں سید نذیر حسین دہلوی سے کتب احادیث کی سند حاصل کی۔ اُن کی عمر بیس برس بھی نہیں تھی کہ وہ علوم متداولہ سے فارغ ہو چکے تھے۔ بہت ذہین تھے (۳۲۰)۔

درس و تدریس: فراغتِ تعلیم کے بعد امرتسر میں قرآن و حدیث کی تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ مولانا عبداللہ غزنوی نے اپنی درس گاہ کا نام مدرسہ غزنویہ رکھا تھا۔ آپ نے یہ نام بدل کر تقویۃ الاسلام

رکھ دیا۔ مولانا سید عبدالجبار غزنوی کی ساری زندگی درس و تدریس، دعوت و ارشاد اور وعظ و تبلیغ میں بسر ہوئی۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ مشہور تلامذہ یہ ہیں: مولانا محمد داؤد غزنوی، فیض اللہ بھوجیانی، سید احمد علی غزنوی، عبدالقادر لکھوی، حافظ محمد گوندلوی، حافظ محمد عبداللہ روپڑی۔

مولانا سید عبدالجبار غزنوی علم و فضل کے اعتبار سے جامع الکملات تھے۔ مولانا عبدالحیٰ الحسینی فرماتے ہیں: ”میں نے بارہا امرتسر میں آپ کی زیارت کی۔ آپ کو سلف صالحین کے طریقے پر پایا۔ آپ جب فتویٰ دیتے تو کسی خاص مذہب کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ دلیل کی بنیاد پر فتویٰ دیتے تھے۔ ائمہ مجتہدین کے سلسلہ میں بدگمانی نہیں کرتے تھے۔ جب بھی ان کا ذکر کرتے اچھے انداز میں کرتے تھے (۴۲۱)۔ آپ نے ۱۳۳۱ھ بمطابق ۱۹۱۲ء کو وفات پائی (۴۲۲)۔

۱۵۔ حافظ عبدالمنان (وزیر آبادی) (م ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۴ء)

حافظ عبدالمنان بن شرف الدین بن نور خان احوان خاندان میں ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء کو کرولی، سیداں ضلع جہلم میں پیدا ہوئے (۴۲۳)۔

ابتدائی تعلیم: مولوی قادر بخش سے حاصل کی جو احمد آباد ضلع جہلم کے رہنے والے تھے۔ اس کے بعد سید فاضل شاہ اور مولوی برہان الدین سے مختصرات پڑھیں اور بنوں کشمیر میں مولوی گل احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر منطق و عقائد کی تکمیل کی۔ سندھ میں پیر محفوظ اللہ قدحاری کے ہاں پہنچ گئے۔ متعدد علماء سے ملاقاتیں کیں۔

درس و تدریس: دہلی سے فارغ ہو کر لاہور مسجد چیمپا والی تشریف لے آئے۔ یہاں پر ایک سال قیام۔ ہلا خروڑ وزیر آباد میں دارالحدیث کی بنیاد رکھی۔ تقریباً بیالیس سال تفسیر و حدیث کا درس دیتے رہے اور ۳۵ مرتبہ پوری صحاح ستہ پڑھائی۔ آپ کا شمار ان علمائے الحدیث میں ہوتا ہے جنہوں نے علم حدیث کی اشاعت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ آپ استاد پنجاب کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ حافظ صاحب کو لغت اور نحو پر کامل دسترس حاصل تھی۔ رجال کی جرح و تعدیل ان کے طبقات اور تمام فنون حدیث پر عبور حاصل تھا۔ آپ کو حدیث میں عالی و نازل اور صحیح و ضعیف کے علاوہ قرآن و حدیث کی متن بھی از بر تھی (۴۲۴)۔

تصانیف: ارشاد القاری الی نقد فیض الباری (۴۳۵)۔

وفات: آپ نے ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء میں وفات پائی (۴۳۶)۔

۱۶۔ عبد الجبار عمر پوری (۱۳۳۳ھ/۱۹۱۶ء)

مولانا عبد الجبار بن منشی بدر الدین عمر پور ضلع مظفر نگر دہلی میں ۱۲۷۷ھ بمطابق ۱۸۶۰ء کو پیدا ہوئے (۴۳۷)۔

علمی خدمات: مدرسہ دارالہدی دہلی میں درس و تدریس کا سلسلہ قائم کیا۔ عوام و خواص کو روزانہ صبح کی نماز کے بعد پابندی سے درس قرآن مجید سے مستفید کرتے رہے۔ ماہنامہ ”ضیاء السنہ“ جاری کیا جو اس دور میں بلند پایہ مجلات میں شمار ہوتا تھا۔ اس رسالہ میں عبداللہ چکڑالوی کے باطل نظریہ کا رد کیا۔ عبداللہ چکڑالوی کا خیال تھا کہ دین کے اصول و فروغ اور کلیات و جزئیات سب قرآن میں واضح طور پر موجود ہیں۔ مولانا عبد الجبار نے دلائل کے ساتھ اس نظریہ کی تردید کی کہ سنت کی ضرورت نہیں۔ اس رسالہ میں انہوں نے یہ ثابت کیا کہ سنت نبوی کے بغیر قرآن مجید سمجھا ہی نہیں جاسکتا۔ دینی حلقوں میں یہ مضامین بے حد پسند کیے گئے۔ یہ رسالہ تقریباً تین سال تک جاری رہا۔ اس رسالہ کی طباعت و اشاعت اور ترتیب و تہذیب کی گمرانی ضیاء الرحمن کرتے رہے اور نہایت آب و تاب کے ساتھ کلکتہ سے شائع ہوتا رہا (۴۳۸)۔

تصانیف

- ۱۔ ارشاد السالکین فی اہل الاثرین۔
- ۲۔ مصمام التوحید فی رد التقليد۔
- ۳۔ تذکیر الاخوان فی خطبۃ الجمعۃ بکل لسان۔
- ۴۔ تبصرہ الانعام برہ مغالطات صلیۃ الانام۔
- ۵۔ ارشاد الانام۔
- ۶۔ نصیحۃ الاخوان فی حجاب النسوان۔

۷۔ البرہمین القاطعہ فی ردالانوار السلطۃ (۴۲۹)۔

وفات: ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۶ء کو عظم ونگوی کا یہ آفتاب غروب ہو گیا (۴۳۰)۔

۸۔ عبدالستار عمر پوری (م ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء)

پیدائش: مولانا حافظ عبدالستار عمر پوری ۱۳۰۱ھ بمطابق ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام حافظ عبدالجبار تھا (۴۳۱)۔

تعلیم و تربیت: آپ نے علوم اسلامیہ کی تعلیم مولانا معین الدین عبدالرحمن عمر پوری، مولانا حکیم عبید الرحمن عمر پوری، مولانا محمد بشیر سہوانی اور اپنے والد ماجد مولانا عبدالجبار عمر پوری سے حاصل کی (۴۳۲)۔ درس نظامی کی تعلیم کی تکمیل مدرسہ احمدیہ آرہ میں کی اور تمام پاک تین ماہ میں حفظ کر لیا (۴۳۳)۔

تصنیفات: آپ کی تصانیف میں رسالہ ”اثبات الخمر فی رد منکر لا شر“ ہے اس کے علاوہ انہوں نے ایک رسالہ مرزا قادیانی کی تردید میں تحریر فرمایا (۴۳۴)۔ آپ نے ۱۳۳۵ھ بمطابق ۱۹۱۶ء کو وفات پائی (۴۳۵)۔

۹۔ عبدالعزیز رحیم آبادی (م ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء)

پیدائش: عبدالعزیز بن احمد اللہ سلفی رحیم آبادی مظفر پوری مشہور و معروف علماء اہل حدیث میں سے ہیں۔ ۱۲۷۰ھ بمطابق ۱۸۵۳ء کو رحیم آباد ضلع مظفر پور میں پیدا ہوئے (۴۳۶)۔

تعلیم و تربیت: مولوی محمود عالم رامپوری، حکیم عبدالسلام دہلوی اور مولانا محمد عظیم بن منور حسین عظیم آبادی سے کسب فیض کیا۔ پھر دہلی کا رخ کیا اور میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے حدیث کا علم حاصل کیا اور وطن لوٹے اور تحقیق و تعلیم میں مشغول رہے (۴۳۷)۔

تصانیف

۱۔ حسن البیان فیما فی سیرۃ العثمان۔

- ۲۔ سواء الطريق (اس میں مشکوٰۃ شریف سے صحیحین کی احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب چار جلدوں میں ہے۔ یہ کتاب پہلی دفعہ ۱۳۳۳ھ میں مطبع فاروقی دہلی سے شائع ہوئی (۳۳۸)۔
- ۳۔ رسالہ ہدلیۃ المستندی فی القراءۃ للمقتدی۔ یہ رسالہ قرأت فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر لکھا گیا۔ ۱۳۱۰ھ میں مطبع فاروقی دہلی سے شائع ہوا (۳۳۹)۔

وفات: آپ ایک مدت سے ذیابیطس کے مریض چلے آ رہے تھے۔ علاج معالجہ ہوتا رہا۔ بالآخر مرض میں تیزی آ گئی۔ آخری حملہ بڑا شدید تھا۔ جسم نہایت کمزور اور نحیف ہو چکا تھا۔ آپ قرآن و حدیث کے معارف و مطالب برابر بیان فرما رہے تھے۔ آخر ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۹ء میں وفات پا گئے (۳۴۰)۔

۱۹۔ عبداللہ غازی پوری (م ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۸ء)

پیدائش: عبداللہ غازی پوری ۱۲۶۱ھ بمطابق ۱۸۴۵ء کو ضلع اعظم گڑھ میں منو کے مقام پر پیدا ہوئے (۳۴۱)۔

تعلیم و تربیت: بارہ سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا۔ فارسی و عربی کی بعض درسی کتابیں مولوی محمد قاسم مودی سے پڑھیں۔ یہ وہی زمانہ ہے جب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی برپا ہوئی تھی۔ آپ کے والدین نے اسی زمانے میں منو چھوڑ کر غازی پور میں سکونت اختیار کی۔ غازی پور کے ”مدرسہ چشمِ رحمت“ میں تعلیم حاصل کرنے لگے۔ مولانا رحمت اللہ اور مولانا محمد فاروق چریا کوئی سے درسی کتابوں کی تکمیل کی۔ پھر جو نپور تشریف لائے اور مدرسہ ”امامیہ“ کے مولانا یوسف سے استفادہ کیا (۳۴۲)۔ اس کے بعد جون پور سے آپ دہلی چلے گئے وہاں حضرت مولانا سید نذیر حسین دہلوی سے تفسیر، حدیث اور فقہ کی تحصیل کی اور سند حاصل کی (۳۴۳)۔

حدیث کی کتابیں بھی مولانا سید نذیر حسین دہلوی سے پڑھیں اور انہی کی تعلیم کا اثر ان پر غالب ہوا۔ ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں حج کیا، وہیں علامہ شوکانی کے شاگرد عباس یمنی سے حدیث کی سند حاصل کی۔ اور ۲۰ سال تک درس و تدریس میں مصروف رہے (۳۴۴)۔

تصانیف: آپ کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

- ۱۔ البحر المواج فی شرح مقدمہ الصحیح المسلم المجاج۔
- ۲۔ ابراء المحدث والقرآن المانی جامع الشواهد من التسمیۃ والسمیۃ۔
- ۳۔ تسہیل الفرائض (یہ علم میراث پر ہے)۔
- ۴۔ فصول احمدی (یہ رسالہ علم صرف پر ہے)۔
- ۵۔ الحجۃ السالطۃ فی بیان التعمیر والسنائہ۔
- ۶۔ قانون مسجد (۱۳۳۵)۔

وفات: آپ ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء کو ککھو میں فوت ہوئے۔ عیش باغ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے آپ کی وفات پر لکھا کہ عبداللہ جیسا کامل، عالم و عابد دیکھا کوئی نہیں، سنے بہت سے ہیں (۱۳۳۶)۔

۲۰۔ مولانا وحید الزمان (م ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء)

نام و نسب: محمد وحید الزمان نام، وقار نواز جنگ خطاب تھا۔ نسبا فاروقی تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ وحید الزمان بن مسیح الزمان بن نور محمد بن شیخ احمد ملتانی (۱۳۷۷)۔

ولادت: آپ کے بزرگوں کا وطن اگرچہ ملتان تھا۔ مگر آپ کانپور میں پیدا ہوئے۔ سال ولادت ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۸۵۰ء ہے (۱۳۳۸)۔

تعلیم و تربیت: آپ نے قرآن شریف اپنے تایا مولوی بدیع الزمان سے پڑھا۔ اس کے بعد مفتی عنایت احمد سے صرف و نحو کی تعلیم حال کی چند روز کے بعد مفتی صاحب کی وفات ہو گئی تو ان کے شاگرد رشید مولوی سید حسین شاہ بخاری مصنف خلیۃ المہود سے درس لیتے رہے چنانچہ ایک سال کے عرصہ میں علوم صرف و نحو سے فارغ ہو گئے (۱۳۳۹)۔

شیوخ حدیث: جن نامور محدثین سے علم حدیث حاصل کیا۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی ۲۔ مولانا فضل الرحمان، گنج مراد آبادی

۳۔ حافظ عبد الغفور محدث لکھنوی ۴۔ محمد بشیر الدین قنوی (۲۵۰)

سند حدیث: سید نذیر حسین محدث دہلوی نے ان کو روایات حدیث کی اجازت ان الفاظ میں دی۔
لقد اجزت لجميع مرویاتی من کتب الحدیث اعنی الصحاح الستہ وغیرہا
للمولوی الالمعی الذی لہ رای صائب وذہن ثاقب وحید الزمان ابن مسیح
الزمان۔۔۔ الخ (۲۵۱)۔

مطالعہ کتب: آپ مطالعہ ہمیشہ دن کو کرتے تھے آپ فرماتے ہیں کہ میرے استاد مولانا بشیر الدین صاحب قنوی نے مجھے نصیحت کی تھی کہ رات کو کتاب کا مطالعہ نہ کرنا بلکہ دن کو جس قدر مطالعہ ہو سکے کافی ہے اور رات کو محض تفریح اور دوست احباب سے باتیں کرنے کے لیے رکھو (۲۵۲)۔ مولانا کے مطالعہ کے چند اصول ہیں۔ فرماتے ہیں مطالعہ ہمیشہ علمی کتابوں کا کرنا چاہیے، مطالعہ اس وقت کرنا چاہیے جب طبیعت میں نشاط ہو۔ مطالعہ سرسری اور جلدی کرنا چاہیے (۲۵۳)۔

تصانیف: مولانا وحید الزمان نے دو درجن سے زائد کتابیں لکھیں۔ ان میں سے حدیث کے موضوع پر درج ذیل کتابیں مشہور ہیں:

- ۱۔ کشف المخطا عن الموطا (ترجمہ مؤطا امام مالک)۔
- ۲۔ الہدی المحمود لترجمہ سنن ابی داؤد ۳۔ المعلم لترجمہ صحیح مسلم
- ۴۔ تسہیل القاری شرح اردو صحیح بخاری ۵۔ رفع الحجاب عن ترجمہ سنن ابن ماجہ
- ۶۔ وحید اللغات (لغات الحدیث) ۷۔ اشراق الابصار
- ۸۔ روض الری من ترجمہ الجہمی (سنن نسائی کا ترجمہ) (۲۵۴)

وفات: ۱۳۳۸ھ بمطابق ۱۵ مئی ۱۹۲۰ء کو حیدرآباد میں انتقال ہوا (۲۵۵)۔

۲۱۔ مولانا محمود الحسن (م ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء)

پیدائش: مولانا محمود الحسن بن ذوالفقار علی دیوبندی ۱۲۶۸ھ بمطابق ۱۸۵۱ء بمقام بریلی پیدا ہوئے (۲۵۶)۔

تعلیم و تربیت: چھ سال کی عمر میں پڑھنا شروع کیا۔ فارسی و عربی کی ابتدائی کتب اپنے چچا مولوی مہتاب علی صاحب سے پڑھیں (۳۵۷)۔ محمود الحسن دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب علم تھے۔ ۱۲۸۳ھ اور ۱۸۶۷ء میں کنز الدقائق اور مختصر معانی کا امتحان دیا۔ کتب صحاح ستہ اور دوسری کتب مولانا قاسم نانوتوی سے پڑھیں۔ ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء میں فارغ ہوئے (۳۵۸)۔

تصانیف: آپ کی چند تصانیف درج ذیل ہیں:

- ۱- افادات (یہ رسالہ شیخ الہند کے دو مضمونوں کا مجموعہ ہے)۔
 - ۲- الابواب والترجم (بخاری شریف کے چند تراجم ابواب کی مختصر شرح ہے) (۳۵۹)۔
 - ۳- حاشیہ ابی داؤد (یہ بھی حدیث نبوی کی خدمت ہے)۔
 - ۴- ترجمہ قرآن مجید (۳۶۰)۔
 - ۵- کلیات شیخ الہند (محمود الحسن کے منظوم کلام کا مجموعہ ہے)۔
- وفات: ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ بمطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو آپ کی وفات ہوئی (۳۶۱)۔

۲۲- عبدالسلام مبارکپوری (م ۱۳۳۲ھ/۱۹۲۳ء)

پیدائش: عبدالسلام مبارکپوری قصبہ مبارک پور میں ۱۲۸۲ھ بمطابق ۱۸۶۵ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام میاں خان محمد تھا جو کہ عامل بالحدیث تھے (۳۶۲)۔

تعلیم و اساتذہ: ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اس کے بعد آپ نے مولوی عبدالرحمن مبارک پوری، قاضی محمد مچلی شہری، شیخ حسین عرب یمنی، اور سید نذیر حسین دہلوی سے تعلیم حاصل کی۔ علم طب مختلف اساتذہ سے پڑھا (۳۶۳)۔

درس و تدریس: فراغت تعلیم کے بعد آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور مختلف دینی مدارس میں آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ جن دینی مدارس میں آپ نے تدریس فرمائی۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

- ۱- مدرسہ دارالحدیث صادق پور پٹنہ، ۱۵ سال۔

- ۲۔ مدرسہ فیض عام منو، ضلع اعظم گڑھ، ۳ سال۔
 ۳۔ مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث بوٹھریال، ۴ سال۔
 ۴۔ دارالحدیث رحمانیہ دہلی، ۱۸ سال (۳۶۳)۔

تصانیف

- ۱۔ سیرۃ البخاری
 ۲۔ تاریخ منوال دہلہ۔
 ۳۔ اسلامی تمدن۔
 ۴۔ تصوف۔
 ۵۔ الازارۃ بکرا صلوۃ الجنازۃ (۳۶۵)۔

آپ نے ۱۰ رجب ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء کو دہلی میں انتقال فرمایا (۳۶۶)۔

۲۳۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری (م ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء)

پیدائش: مولانا خلیل احمد سہارنپوری ۱۲۶۹ھ بمطابق ۱۸۵۲ء میں پیدا ہوئے۔ مولانا یعقوب، اول صدر مدرس دارالعلوم دیوبند آپ کے حقیقی ماموں تھے (۳۶۷)۔

تعلیم و تربیت: آپ نے کتب درسیہ کی تعلیم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں حاصل کی اور علم حدیث کی تحصیل مولانا محمد مظہر مدرس مظاہر العلوم سے کی۔ آپ نے اکثر کتابیں خصوصاً کتب حدیث و فقہ و اصول و تفسیر بھی محمد مظہر سے پڑھیں۔ حدیث کی سند و اجازت شاہ عبدالغنی مہدی سے اور شیخ احمد مفتی شافعیہ سے بھی حاصل کی۔ بیس سال کی عمر میں ۱۲۸۸ھ بمطابق ۱۸۷۱ء میں آپ فارغ التحصیل ہو گئے (۳۶۸)۔

خدمت علم حدیث: آپ کو تمام فنون میں مہارت حاصل تھی۔ لیکن علم حدیث میں زیادہ ہی شغف تھا (۳۶۹)۔ آپ نے سات حج کیے (۳۷۰)۔

تصانیف: آپ کی تصانیف میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ مجموعہ فتاویٰ، ۲۔ الہمد علی المہمد، ۳۔ تحفۃ الاذان، ۴۔ بذل المحمود فی ابی داؤد

وفات: آخری حج کے بعد مدینہ المنورہ میں اقامت فرمائی اور وہیں وفات پا کر ۱۳۳۶ھ بمطابق

۱۹۲۷ء کو جنت البقیع میں دفن ہوئے (۴۷۱)۔

۲۴۔ انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۳ء)

انور شاہ کشمیری ۲۷ شوال ۱۲۹۲ھ بمطابق ۱۸۷۵ء کو اپنے نضیال بمقام موضع دو دھوان و علاقہ لولاب کشمیر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام محمد معظم شاہ تھا (۴۷۲)۔

تعلیم: ساڑھے چار سال کی عمر میں اپنے والد سے قرآن پڑھنا شروع کیا اور چھ برس کی عمر میں قرآن کے علاوہ فارسی کے متعدد رسائل بھی ختم کر لیے۔ پھر مولانا غلام محمد سے فارسی و عربی کی تعلیم حاصل کی (۴۷۳)۔

تصانیف: آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ العرف العہدی (یہ جامع ترمذی کی شرح ہے۔ جو املا کی گئی ہے اور اس کو مولانا چارغ حسین نے املا کیا تھا)۔

۲۔ خاتم النہین ۳۔ عقیدہ الاسلام فی حیاة عیسیٰ علیہ السلام

۳۔ فصل الخطاب فی مسئلہ ام الكتاب ۵۔ بسط الیدین للیل الفرقین

۶۔ مرقاة الطارم لحدوث العالم (۴۷۴)

وفات: آپ نے ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۳ء کو تقریباً ۶۰ سال کی عمر میں دیوبند میں وفات پائی (۴۷۵)۔

۲۵۔ عبدالرحمن محدث مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۵ء)

پیدائش: آپ ۱۳۶۳ھ بمطابق ۱۸۶۶ء کو مبارکپور میں پیدا ہوئے (۴۷۶)۔

تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کرنے کے بعد مولانا عبداللہ غازی پوری سے تعلیم حاصل کی۔ پھر آپ سید نذیر حسین کے پاس دہلی آئے اور اُن سے حدیث کا علم حاصل کیا (۴۷۷)۔ دہلی سے علم حاصل کرنے کے بعد بھوپال چلے گئے اور علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی سے صحاح ستہ، مؤطا امام مالک، سنن دارمی، مسند امام شافعی، مسند احمد بن حنبل، اواب المفرد بخاری اور معجم صغیر طبرانی کے اطراف پڑھ کر، ان کتابوں کی روایت کی اجازت حاصل کی اور ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء میں

قاضی محمد بن عبدالعزیز مجملی شہری سے حدیث ”مسلسل بالاولیۃ“ کی سند لی (۴۷۸)۔

درس و تدریس: فراغت تعلیم کے بعد آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کی ساری زندگی تدریس میں صرف ہوئی۔ تدریس کا آغاز اپنے آبائی گاؤں مبارکپور سے کیا۔ اس کے بعد قصبہ بلرام پور (گوٹھ) میں تدریس فرمائی۔ اس کے بعد اللہ نگر (گوٹھ) میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد سراج العلوم گوٹھ، مدرسہ احمدیہ آریہ، مدرسہ دار القرآن والسنة کلکتہ اور مدرسہ میاں صاحب (سید نذیر حسین) دہلی میں تدریسی خدمات سرانجام دیں (۴۷۹)۔

تصانیف: آپ کی چند تصانیف درج ذیل ہیں:

۱- تحفۃ الاحوذی (تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی چار جلدوں میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے)۔ یہ کتاب دنیا و عرب میں بھی مقام رکھتی ہے اور اس پایہ کی عربی زبان میں اور کوئی شرح نہیں ہے۔ اس میں اصول حدیث، تاریخ حدیث اور سنن ترمذی کے متعلق بہت اہم مباحث ہیں اور اپنے موضوع پر لا جواب کتاب ہے۔

۲- مقدمہ تحفۃ الاحوذی (بیود الابواب پر مشتمل ہے)۔

۳- تحقیق الکلام فی وجوب القراءۃ خلف الامام۔ یہ کتاب طبع شدہ ہے۔

۴- القول السدید فیما یحلق بتکلیفات العید۔

۵- کتاب الجمائز۔

۶- نور الابصار (۳۸۰)۔

وفات: ۱۳۵۳ھ بمطابق ۱۹۳۵ء میں آنکھوں پر عمل جراحی کیلئے دہلی تشریف لائے تھے۔

آپریشن کے دوران میں صاحب فراش ہو کر مراجعت وطن ہوئے اور انتقال فرما گئے (۳۸۱)۔

۲۶- حضرت محمد جونا گڑھی (۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء)

ولادت: محمد بن ابراہیم جونا گڑھی کی ولادت ۸۰۱۳ھ/۱۸۹۰ء میں جونا گڑھ میں پیدا ہوئے (۳۸۲)

تعلیم و تربیت: آپ اپنے وطن میں ہی ایک اہل حدیث بزرگ مولانا عبد اللہ جونا گڑھی سے

ابتدا کی تعلیم حاصل کی۔ پھر آپ نے علم حاصل کرنے کے لیے دہلی کا قصد کیا۔ اس وقت دہلی اسلامی تہذیب و تمدن کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ چنانچہ آپ عازم دہلی ہوئے۔ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء میں آپ ہائیس برس کی عمر میں دہلی تشریف لائے اور مدرسہ امینیہ میں داخل ہوئے۔

مدرسہ دارالکتب والسنہ میں آپ نے درس نظامی کی تکمیل کی۔ مولانا عبدالوہاب صدیقی ملتانی سے مستفید ہوئے۔ اسی زمانہ میں پچانک حسن خان دہلی میں واقع مولانا عبدالرحیم صاحب غزنوی اور مولانا عبدالرشید کا مدرسہ بھی قرآن وحدیث کا سرچشمہ تھا۔ مولانا جو ناگڑھی نے ان دو جلیل القدر علماء سے استفادہ کیا (۳۸۳)۔

درس و تدریس: علامہ کی ذات بڑی ہمہ گیر تھی۔ تکمیل تعلیم کے بعد اجیری گیٹ دہلی میں مدرسہ محمدیہ کی بنیاد رکھی۔ جب تدریس کا سلسلہ شروع کیا تو طالب علموں میں ہر دلعزیز ہو گئے اور ”مگدستہ محمدی“ کے نام سے ماہوار رسالہ جاری کیا۔ جس نے بہت کم عرصے میں انتہائی زبردست مقبولیت وشہرت حاصل کی۔ اور ”اخبار محمدی“ کی شکل اختیار کر گیا (۳۸۴)۔

صحافت کے میدان میں بھی علامہ محمد جو ناگڑھی رحمہ اللہ کی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ آپ نے دنیائے صحافت میں داخل ہو کر توحید و سنت کا بول بالا کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔

خطابت: ملکہ خطابت بھی علامہ محمد صاحب جو ناگڑھی کی ہمہ جہت شخصیت کا ایک اہم خاصہ ہے۔ یہ وصف بھی آپ کی تقریر کا لازمی جزو تھا۔ آپ نہ صرف خود روتے بلکہ سامعین کو بھی رلایا کرتے تھے۔ آپ کے مواعظ سے لاتعداد حضرات قبیح سنت بن گئے (۳۸۵)۔

تصانیف: تصنیف وتالیف کے ضمن میں علامہ صاحب کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ آپ نے اپنی تصانیف کے ذریعے اشاعت اسلام میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ کی معروف اور مقبول کتابوں میں سے چند درج ذیل ہیں:

- ۱۔ تفسیر محمدی، ترجمہ تفسیر ابن کثیر۔ ۲۔ دین محمدی ترجمہ اعلام المؤمنین۔
- ۳۔ خطبات محمدی۔ ۴۔ سیرت محمدی۔
- ۵۔ نکاح محمدی۔ ۶۔ ارشاد محمدی۔

۷۔ غل محمدی۔	۸۔ درہ محمدی۔
۹۔ طریق محمدی۔	۱۰۔ مشکوٰۃ محمدی۔
۱۱۔ شمع محمدی۔	۱۲۔ ایمان محمدی۔
۱۳۔ اربعین محمدی۔	۱۴۔ برات محمدی۔
۱۵۔ حیات محمدی۔	۱۶۔ حقوق محمدی۔
۱۷۔ درود محمدی۔	۱۸۔ دلائل محمدی۔
۱۹۔ دین محمدی۔	۲۰۔ ذمہ محمدی (۳۸۶)۔

وفات: یکم صفر ۱۳۶۰ھ بمطابق ۱۹۴۱ء بروز جمعہ المبارک بوقت گیارہ بجے شب آپ نے وطن مالوف جوناگڑھ میں وفات پائی (۳۸۷)۔

۲۷۔ مولانا احمد اللہ شیخ الحدیث (م ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۳ء)

پیدائش: احمد اللہ بن امیر اللہ بن فقیر اللہ موضع مبارکپور ضلع پر تائب گڑھ میں پیدا ہوئے (۳۸۸)۔

تعلیم و تربیت: میاں پیر محمد سے فارسی گلستان پڑھی۔ سید محمد امین نصیر آبادی سے صرف و نحو اور شرح جای پڑھی اور قرآن پاک حفظ کیا۔ مولانا لطف الرحمن بردوانی سے علوم و فنون یعنی مطول میرزا ہد اور ملا حسین سے صحیحین، ترمذی اور نسائی پڑھی۔

بھوپال کے اس زمانہ کے جملہ مشاہیر و اعلام سے استفادہ کرنے کے بعد بقصد دہلی روانہ ہوئے۔ مگر اس سفر میں الہ آباد میں بھی قیام کیا۔ سید نذیر احمد سے کتب ادب یعنی سبہ، معلقہ، جنتی اور مقامات تحریری پڑھے۔ مولانا لطف حسین سے کتب فرائض پڑھیں۔ شیخ الحدیث سید نذیر حسین صاحب کے درس میں صحیحین و دیگر کتب صحاح پڑھ سند و اجازہ حاصل کیا (۳۸۹)۔

درس و تدریس: اس دور کے نامور اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد قدامت زندگی درس و تدریس کے لیے وقف کر دی کہ پورے بیس سال مدرسہ علی جان دہلی میں پڑھایا جہاں جملہ معقول اور منقول حدیث و تفسیر پڑھاتے رہے۔ اسی دوران دارالحدیث رحمانیہ دہلی کی تاسیس ہوئی تو ابتداء ہی میں یہاں

۷۰۴

تشریف لے آئے اور عرصہ تک کتب حدیث و تفسیر و اصول فقہ و اصول حدیث وغیرہ پڑھاتے رہے (۳۹۰)۔

تصانیف: مولانا احمد اللہ نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ کئی کتابیں تالیف کیں ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

۱۔ تخریج عقلانی (احادیث ہدایہ کی تخریج)۔

۲۔ القول الثمین فی بیان التامین۔

۳۔ برهان الحمد اذ عن مسئلۃ الزکوٰۃ۔

۴۔ القول المختصر فی الزکوٰۃ العشر۔

۵۔ التامل فی الرد علی رسالۃ التوسل بسید الرسل۔

۶۔ تحفۃ جنت من اهل سنت (۳۹۱)۔

وفات: آپ نے ۱۹۴۳ء میں وفات پائی (۳۹۲)۔

۲۸۔ مولانا عبدالنواب ملتان (م ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۷ء)

پیدائش: مولانا ابوتراب محمد عبدالنواب بن مولانا قمر الدین بن بدر الدین ۱۲۸۸ھ بمطابق ۱۸۷۱ء کو ملتان میں پیدا ہوئے (۳۹۳)۔

تعلیم: آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ آپ کے والد مولانا قمر الدین عامل بالحدیث تھے۔ انہوں نے آپ کو سیدنا محمد بن حسین محدث دہلوی کے پاس اکتساب فیض کیلئے دہلی بھیجا یہاں آپ نے علم حدیث کی تعلیم حاصل کی (۳۹۴)۔

درس و تدریس: تکمیل تعلیم کے بعد ملتان میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور اس کے ساتھ ذریعہ معاش کے لیے طباعت کتب کا مشغلہ اختیار کیا۔ کتابیں خود بھی چھپواتے اور اسلامی ممالک سے بھی منگواتے۔ کتب حدیث اور خاص کر امام ابن تیمیہ، حافظ ابن حجر عقلانی کی تالیفات سے آپ کو بہت زیادہ شغف تھا (۳۹۵)۔

تصانیف: آپ ایک جلیل القدر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ معنف بھی تھے۔ آپ کی بیشتر تصانیف عربی میں ہیں۔ تفسیر، حدیث اور فقہ پر مکمل عبور تھا۔ آپ کی تصانیف میں سے چند درج ذیل ہیں:

- ۱۔ تطبیق حاشیہ صحیح مسلم ابی الحسن سندھی (عربی)۔
- ۲۔ حاشیہ تحفۃ جالودرد باحکام المولود (عربی)۔
- ۳۔ تطبیق المصنف ابن ابی شیبہ (عربی)۔
- ۴۔ تطبیق عون المعبود شرح ابی داؤد (عربی)۔
- ۵۔ مسند عمر بن عبدالعزیز الاموی (عربی)۔
- ۶۔ شرح حدیث ما ذنبان جانحان (لابن رجب) (عربی)۔
- ۷۔ حواشی تفسیر عزیزی سورۃ مومنون (۲۹۶)۔

اردو تراجم اور حواشی

- ۸۔ ترجمہ و مختصر شرح مشکوٰۃ المصابیح
- ۹۔ حواشی علی الاشارات الی بیان المسلمات
- ۱۰۔ حواشی علی قیام اللیل المروزی
- ۱۱۔ المختصر النافع فی اصول الحدیث
- ۱۲۔ ترجمہ صحیح البخاری (اس کے صرف آٹھ پارے مکمل کیے)
- ۱۳۔ ترجمہ بلوغ المرام۔ یہ ترجمہ ان کے اپنے مطبعہ سلفیہ ملتان سے ۱۳۳۴ھ بمطابق ۱۹۲۵ء کو دو جلدوں میں شائع ہوا۔ پہلی جلد ۳۱۴ اور دوسری ۲۳۴ صفحات پر مشتمل ہے (۳۹۷)۔
- وفات: آپ اشاعتی اور علمی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ آپ نے ۱۳۶۷ھ بمطابق ۱۹۴۷ء کو وفات پائی اور ملتان ہی میں دفن ہوئے (۳۹۸)۔

۲۹۔ محمد ابوالقاسم سیف البنارسی (م ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء)

پیدائش: محمد ابوالقاسم ۱۳۰۷ھ بمطابق ۱۸۸۹ء میں بنارس میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام ”محمد فضل قادر“ تھا۔

تعلیم: سات سال کی عمر میں ناظرہ قرآن مجید ختم کرنے کے بعد حفظ کیا۔ اسی سال قاضی محمد مجلی شہری سے ”سلسل بالادلیہ“ حاصل ہوئی۔

درس و تدریس: سولہ سال کی عمر میں فارغ ہو کر خود تدریس و تصنیف میں مشغول ہو گئے۔ یہ دونوں سلسلے آخری عمر تک جاری رہے اور ماہوار رسالہ ”السعد“ جاری کیا۔ مگر ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں بند ہو گیا۔ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء میں مدرسہ ”سعیدیہ“ بنارس میں اوّل مدرس مقرر ہوئے۔ جہاں تمام علوم و فنون کی کتابیں آپ کے ذمہ تھیں۔ اس مدرسہ میں ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۳ء تک ۲۵ مرتبہ صحیح بخاری و صحیح مسلم پڑھائی (۴۹۹)۔

تصانیف: آپ نے فتنہ انگار حدیث کے رد میں زیادہ کتب لکھیں۔ چند تصانیف درج ذیل ہیں:

- ۱۔ حل مشکلات البخاری
- ۲۔ الامر بالمعروف لا یطال الکلام المحکم
- ۳۔ حکم الحاکم فی کعبۃ ابی قاسم
- ۴۔ اربعین محمدی (اردو ترجمہ)
- ۵۔ اجتناب المنفعہ
- ۶۔ السیر الحشیف فی براۃ اہل الحدیث (۵۰۰)۔

وفات: ۱۳۶۹ھ بمطابق ۲۵ نومبر ۱۹۴۹ء بروز جمعہ انتقال ہوا (۵۰۱)۔

۳۰۔ مولانا شبیر احمد عثمانی (م ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء)

پیدائش: مولانا شبیر احمد عثمانی ۱۳۰۵ھ بمطابق ۱۸۸۵ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام فضل الرحمن تھا اور وہ ضلع بجنور میں ڈپٹی انسپکٹر تھے۔ اس محکمے سے بطون لینے کے بعد وہ دیوبند میں مقیم ہو گئے اور ۱۸۶۶ء سے ۱۹۰۷ء تک انہوں نے بیالیس سال تک مدرسے کی خدمات انجام دیں۔ آپ کا

سلسلہ نسب حضرت عثمان سے جاملتا ہے (۵۰۲)۔

تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم اپنے ماموں محمد تقی سے حاصل کی پھر دہلی چلے گئے اور قاضی احمد الدین، مولانا مملوک اعلیٰ تانوتوی اور مولانا شاہ عبدالغنی مجددی سے علم حدیث حاصل کی۔ درسیات سے فارغ ہو کر قرآن مجید حفظ کیا۔ ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں عربی کا آغاز کیا اور ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں فراغت حاصل کی (۵۰۳)۔

درس و تدریس: تعلیم مکمل کرنے کے بعد سے ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۵ء تک ۳۷ سال کا عرصہ آپ نے درس و تدریس میں گزارا۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء سے ۱۳۲۷ھ/۱۹۲۸ء تک تعلیم دی اس وقت سے پہلے دو سال مدرسہ عربیہ فتح پوری دہلی اور ۱۳۳۷ھ/۱۹۲۸ء سے ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء تک دو تین سال کے سوا ڈابھیل (گجرات کا ضلع) کے جامعہ عربیہ میں درس دیا (۵۰۴)۔

تصانیف: آپ کی تصانیف مختلف علوم میں ہیں: العقول والہل، الشہاب، الاسلام اعجاز القرآن اور تفسیر عثمانی شامل ہیں۔

علم حدیث میں تصانیف: فتح الملہم شرح صحیح مسلم، فضل الباری شرح اردو صحیح البخاری۔

۱۳۶۹ھ/۸ دسمبر ۱۹۴۹ء کو امیر آف بہاولپور سردار صادق محمد خاں پنجم کی درخواست پر جامعہ اسلامیہ کا افتتاح کرنے کے لیے تشریف لائے۔ ۱۲ دسمبر کو بخار ہوا۔ ۱۳ دسمبر کو وفات پائے۔ اس وقت عمر ۶۴ سال تھی۔ تدفین کراچی میں ہوئی (۵۰۵)۔

۳۱۔ مولانا داؤد غزنوی (م ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء)

پیدائش: مولانا داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۵ء میں بمقام امرتسر پیدا ہوئے (۵۰۶)۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم انہوں نے اپنے والد مولانا عبدالجبار غزنوی اور مولانا عبدالاول غزنوی سے حاصل کی۔ مولانا گل محمد سے اردو اور حساب کی تعلیم حاصل کی۔ علوم عقلی میں مدرسہ فتح پور کے مشہور مدرس مولانا سیف الرحمن کابلی سے استفادہ کیا۔ علم حدیث سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد مولانا حافظ عبداللہ غازی پور سے حاصل کیا (۵۰۷)۔

تصانیف: ۱۔ براہین ۲۔ نخچۃ الاحادیث ۳۔ حجۃ اللہ بالہدیٰ کی کتاب التوحید کا ترجمہ۔

درس و تدریس: حصول علم سے فراغت کے بعد امرتسر واپس آ گئے اور بڑی مستعدی اور ذوق و شوق کے ساتھ اپنی آبائی درسگاہ یعنی مدرسہ غزنویہ میں تفسیر اور حدیث کی تدریس کا کام سرانجام دینے لگے اور ایک عرصہ تک کتاب و سنت کے چشمہ مصافی سے تشنگامی علم دین کی پیاس بجھاتے رہے۔ اس زمانے میں تدریس کے ساتھ ساتھ تبلیغ و اشاعت اسلام، تحریک آزادی وطن سے اپنی دلچسپی اور کمال خطابت کی وجہ سے ”امرتسر“ میں اپنا ایک مقام پیدا کر لیا تھا۔ لاہور میں مدرسہ تقویۃ الاسلام کی آپ نے بنیاد رکھی اور اس میں مؤطا امام مالک خود پڑھاتے تھے۔

سیاسی زندگی: ۱۳۳۷ھ تا ۱۹۱۹ء کو جب ترک انگریز کے خلاف صف آرا ہوئے اور مسلمانان ہند کی ہمدردیاں ترکوں کے ساتھ تھیں تو اسی زمانے میں تحریک خلافت کا آغاز ہوا۔ آپ اس تحریک کے سرگرم رکن تھے۔ اس دور میں انہوں نے انگریز کے خلاف بھرپور آواز اٹھائی۔ وہ بیباکی اور حق گوئی کی وجہ سے کئی مرتبہ جیل بھی گئے۔ جب مولانا دادرخ نوئی نے دیکھا کہ کانگریس کی ذہنیت تو مہاسبانیوں کی سی ہے اور ہندو مسلم اتحاد محض ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ تو انہوں نے کانگریس سے استعفیٰ دے دیا اور مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔

میدان صحافت میں: ۱۳۳۶ھ تا ۱۹۲۷ء کو امرتسر سے ہفتہ وار ”توحید“ کا پہلا شمارہ مولانا کی ادارت میں شائع ہوا۔ ”توحید“ کی مکمل فائل کے پہلے شمارے کے سرورق پر چلی حروف میں یہ دعا اور اس کا ترجمہ لکھا: ”رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطاناً نصیراً“ (اے میرے پروردگار! جس راستہ پر میں نے قدم رکھا ہے اور جو سفر میں نے اختیار کیا ہے۔ اس میں مجھے بہتر مقام تک پہنچائیو اور تمام مشکلات اور مخالف طاقتوں کے ہجوم سے بہتر طریق سے نکالو۔ میں عاجز و کمزور ہوں مگر تُو اپنی نصرت و اعانت سے اس کا راز حق و باطل میں فتح و غلبہ دیجو) آمین۔

اس محلے میں بڑے بڑے علماء لکھا کرتے تھے (۵۰۸)۔ قیام پاکستان کے بعد اسلامی تعلیمی

بورڈ کے ۳۱ ممبران میں آپ سرفہرست تھے۔ ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں مدینہ منورہ میں اسلامی یونیورسٹی قائم ہوئی تو اس کی مشاورتی کونسل کے ممبر تھے (۵۰۹)۔

وفات: حضرت مولانا داؤد غزنوی آخری دو برس مسلسل بیمار رہے۔ دل کے عارضے میں مبتلا تھے۔ دل کی شریانوں میں خون گاڑھا ہونے کی وجہ سے دوران خون میں رکاوٹ پیدا ہوئی۔ اس رکاوٹ سے دل میں شدید درد ہوتا۔ کئی راتیں انہیں درد دل کے ہاتھوں بستر پر بیٹھے بیٹھے کاٹنی پڑیں۔ آخری دنوں میں بات کم کرتے تھے۔ رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین اکثر پڑھتے تھے۔ کبھی کبھی بقضائے بشریت خیال آتا کہ میرے بعد فلاں بات کا کیا ہوگا۔ تو ساتھ ہی کہہ اٹھتے اللہ ربی لا اشرك به شیئا۔ آخری دنوں میں بیماری کی شدت، نقاہت اور بے خوابی کی وجہ سے صبح کی نماز میں بعض اوقات تاخیر ہوتی تو انہیں سخت صدمہ ہوتا۔

وفات: ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء میں آپ کا انتقال ہوا (۵۱۰)۔

۳۲۔ حافظ عبداللہ روپڑی (۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء)

ولادت و تعلیم: حافظ عبداللہ بن میاں روشن امرتسر میں ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے (۵۱۱)۔ آپ نے ابتدائی تعلیم موضع ڈوبہ ضلع لاہور سے حاصل کی۔ مولانا عبداللہ سے آٹھ پارے حفظ کرنے کے بعد مدرسہ غزنویہ امرتسر میں مولانا سید عبدالجبار غزنوی اور عبداللازل غزنوی سے علم تفسیر و حدیث حاصل کیا۔ ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں دہلی تشریف لے جا کر مولانا محمد اسحاق منطقی سے منطق و اقلیدس اور درس نظامی کی آخری کتب پڑھیں۔ علم حدیث و تفسیر مولانا نے عبداللہ غازی پوری سے پڑھیں۔ بعد میں مدرسہ عالیہ رامپور سے سند فضیلت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اسی دوران مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا (۵۱۲)۔

تصانیف: آپ کی تصانیف و تالیف پچاس کے قریب ہیں۔ جن میں تفسیر و حدیث کے موضوع پر درج ذیل کتب ہیں:

۱۔ اردو ترجمہ و حواشی مشکوٰۃ المصابیح ابتداء سے کتاب القدر (غیر مطبوعہ)

- ۲۔ اہلحدیث کے امتیازی مسائل۔ ۳۔ تعلیم الصلوۃ۔
 ۴۔ درایت تفسیری۔
 ۵۔ الکتاب المستطاب فی جواب فصل الخطاب (۵۱۳)۔

وقات: ۱۳۸۴ھ بمطابق ۲۰ اگست ۱۹۶۴ء کو لاہور میں وفات پائی اور گارڈن ٹاؤن میں مدفون ہوئے (۵۱۴)۔

۳۳۔ مولانا حافظ محمد گوندلوی (م ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء)

مولانا حافظ محمد گوندلوی کا تعلق جموں و کشمیر کے راجپوت گھرانے سے تھا۔ آپ کے اجداد میں دو بزرگ میاں بدمی چند اور میاں اودھے چند حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور قبول اسلام کے بعد میاں عبدالکریم اور میاں فضل کریم کے ناموں سے معروف ہوئے۔ ان دو بھائیوں کے قبول اسلام پر خاندان ان کا مخالف ہو گیا اور بالآخر ظلم و ستم کی تاب نہ لاتے ہوئے یہ دونوں بھائی صوبہ پنجاب کی طرف ہجرت کر آئے اور گوجرانوالہ شہر کے نواح میں ایک گاؤں مرالی والہ میں رہائش پذیر ہوئے۔ یہی میاں عبدالکریم ہیں جن کے پوتے فضل دین کو اللہ تعالیٰ نے حافظ محمد گوندلوی کے والد ماجد ہونے کا شرف بخشا ہے (۵۱۵)۔

پیدائش: میاں فضل دین کی اہلیہ زینب بی بی نہایت سعیدہ و صالحہ خاتون تھیں۔ حافظ محمد گوندلوی انہیں کے بطن سے رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ بمطابق ۱۸۹۷ء بروز جمعرات بوقت محرتولد ہوئے (۵۱۶)۔ والد محترم نے آپ کا نام اعظم رکھا جبکہ والدہ محترمہ نے آپ کو ”محمد“ کے نام سے موسوم کیا۔ حضرت حافظ محمد گوندلوی اپنے بڑے بیٹے عبداللہ کے نام کی مناسبت سے ابو عبداللہ کنیت اختیار فرماتے تھے (۵۱۷)۔ حضرت حافظ محمد صاحب گوندلوی نے ابتداء حفظ قرآن مجید کی طرف توجہ کی اور تھوڑے عرصے میں قرآن مجید مکمل یاد کر لیا۔

والد محترم کی وفات کے بعد آپ کو والدہ محترمہ نے جامع مسجد اہل حدیث ”چوک پنپائیں“ گوجرانوالہ میں مولانا علاؤ الدین کے سپرد کر دیا۔ جن سے آپ نے ابتدائی درسی کتب پڑھیں۔ بعد

اڑاں آپ امرتسر کے مدرسہ غزنویہ میں حصول تعلیم کے لیے تشریف لے گئے اور امام عبداللہ غزنویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے خوب استفادہ کیا (۵۱۸)۔ اور آپ نے مولانا عبدالاول غزنوی سے بلوغ المرام، مشکوٰۃ، کتاب الجہاد تک اور ترمذی کا بعض اجزاء پڑھے، ترمذی کے بقیہ حصہ مولانا عبدالغفور غزنوی سے مکمل کیا (۵۱۹)۔

مدرسہ غزنویہ میں آپ نے صحاح ستہ، اصول تفسیر و حدیث، فقہ و اصول فقہ، منطق، ہندسہ اور صرف و نحو کی آخری اور انتہائی کتب پڑھ کر جملہ عربی علوم و فنون کی تکمیل کی (۵۲۰)۔ ان دنوں استاد پنجاب حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کے درس حدیث کا بہت شہرہ تھا۔ چنانچہ آپ امرتسر سے تکمیل علوم کے بعد وزیر آباد تشریف لائے اور حضرت محدث وزیر آبادی سے بھی سند و اجازت حدیث حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ کرام میں چند معروف نام یہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا علاؤ الدین۔ ۲۔ فخر المحدثین امام عبدالجبار غزنوی۔

۳۔ حضرت مولانا عبدالاول غزنوی۔ ۴۔ حضرت مولانا عبدالغفور غزنوی۔

۵۔ جامع المعقول والمعقول حضرت مولانا محمد حسین ہزاروی۔

۶۔ استاد الفنون حضرت مولانا عبدالرزاق۔

۷۔ استاد پنجاب حافظ عبدالمنان وزیر آبادی (۵۲۱)۔

درس و تدریس: آپ کی تدریسی خدمات کا دائرہ تقریباً ساٹھ سال پر محیط ہے۔ آپ نے آغاز تدریس گوئندلوالہ سے ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء میں کیا۔ چند سال تک یہاں کتب صحاح ستہ کا درس دیتے رہے۔ ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء میں مد سہرمانیہ کی انتظامیہ کے پرزور اصرار پر دہلی تشریف لائے اور دو سال تک وہاں ارباب ذوق کی تسکین کا باعث بنے رہے۔ ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں جامعہ عربیہ دارالسلام عمر آباد تشریف لائے لیکن آب و ہوا کی ناموافقت کی وجہ سے ایک سال بعد اپنے گاؤں واپس تشریف لے گئے اور تقریباً ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء تک اپنے گاؤں میں ہی سلسلہ درس جاری رکھا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ گوئرنوالہ کی مرکزی جامع مسجد الامجدیہ (چوک نیائیں) میں پڑھاتے رہے۔ بہت سے طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا۔ ان میں مولانا محمد اسماعیل السلفی بھی شامل تھے (۵۲۲)۔

جامعہ تعلیم الاسلام اوڈاں والہ ماموں کالج جو برصغیر کے عظیم دینی مدارس میں سے ایک ہے۔ حافظ محمد گوندلوی صاحب وہاں دو سال تک منتہی طلبہ کو درس بخاری دیتے رہے۔ اوڈوالہ سے مراجعت کے بعد آپ نے گوجرانوالہ میں ”ناٹلی والی مسجد“ میں حلقہ درس قائم کیا جہاں فارغ التحصیل طلبہ کو صحیح بخاری، مؤطا امام مالک، حجتہ اللہ البالغہ اور الاقان وغیرہ کا درس دیتے رہے۔ یہ سلسلہ ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء تک جاری رہا۔ اس کے بعد آپ نے جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں درس کا آغاز فرمایا اور ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۶ء تک اسی جامعہ میں مسند تعلیم وارشاد پر جلوہ افروز رہے۔ ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء آپ جامعہ سلفیہ فیصل آباد تشریف لے آئے اور حضرت سید داؤد غزنوی کی سرپرستی میں جامعہ سلفیہ میں علم و عرفان کے موتی نکھرتے رہے (۵۲۳)۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں بحیثیت شیخ الحدیث

حکومت سعودیہ نے ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں مدینہ منورہ میں الجامعہ الاسلامیہ کا آغاز کیا۔ جس میں دنیا بھر سے متلاشیان علم جمع ہوئے۔ شیخ الجامعہ کے منصب پر محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی متکفل تھے جب علامہ ناصر الدین البانی اس منصب سے الگ ہوئے تو الجامعہ الاسلامیہ کے ذمہ داروں کی نگاہ انتخاب حضرت حافظ محمد گوندلوی پر پڑی۔ چنانچہ مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز نے جامعہ کے جلیل القدر استاد الشیخ عبدالقادر حمید الحمد کو پاکستان بھیجا جنہوں نے مولانا اسماعیل سلفی کی وساطت سے مدینہ یونیورسٹی تشریف لے جانے کی درخواست کی۔ چنانچہ حضرت حافظ محمد گوندلوی دو سال تک متواتر دیا رسول میں الحمد الاسلامیہ میں قال اللہ وقال الرسول کی صدائے دل گداز بلند کرتے رہے۔

فہن تدریس میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ مدینہ یونیورسٹی کی تاریخ ہی آپ کی تدریس علمی و تحقیقی محاضرات بے مثال اہمیت کے حامل سمجھے جاتے ہیں (۵۲۳)۔

تصانیف

- ۱۔ تقاریر صحیح بخاری (عربی)
- ۲۔ بغیۃ المحول (عربی)
- ۳۔ تحفۃ الاخوان (عربی)
- ۴۔ مسئلہ ایمان (عربی)

- ۵۔ شرح مشکوٰۃ المصابیح (عربی) ۶۔ الاصلاح (دو حصے)
 ۷۔ خیر الکلام فی وجوب الفاتحہ خلف الامام ۸۔ دوام حدیث۔
 ۹۔ ختم نبوت۔ ۱۰۔ معیار نبوت۔
 ان کے علاوہ آپ کے مختلف موضوعات پر بیس سے زائد کتب ہیں (۵۲۵)۔

وفات: ۲/۱۳۰۵ھ/۲ فروری ۱۹۸۵ء کو نماز تہجد کے لیے وضو کرتے وقت گر پڑے جس سے ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ ابتدائی علاج کے لیے میوہپتال اور بعد ازاں گوجرانوالہ الشیخ ہسپتال داخل رہے۔ چار ماہ علیل رہنے کے بعد ۱۳ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء سہ پہر تین بجے وفات پائی (۵۲۶)۔

۳۳۔ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجپانی (م ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۷ء)

پیدائش: آپ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۹ء کو امرتسر کے قصبہ بھوجیان، امرتسر میں پیدا ہوئے (۵۲۷)۔
 تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ قرآن مجید کا ترجمہ بھی انہی سے پڑھا۔ بلوچ المرام مولانا فیض اللہ خان مشہد سے اور صرف و نحو اور مشکوٰۃ ان کے فرزند عبدالرحمن سے، صحاح ستہ و جلالین، مولانا عبدالبارک کھنڈیلوی سے، شرح جامی و موطا امام مالک، مولانا ابوسعید شرف الدین سے، بخاری، بیضاوی، ملا حسن، حمد اللہ، شرح عقائد، اصول فقہ کی تعلیم محدث العصر حافظ محمد گوندلوی سے حاصل کی (۵۲۸)۔

درس و تدریس: فراغت تعلیم کے بعد کوٹ کپورہ، فیروز پور، اوڈانوالہ اور تقویۃ الاسلام لاہور میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ قیام پاکستان کے بعد کچھ عرصہ گوندلانووالہ میں مقیم رہے بعد ازاں لاہور میں (شیش محل روڈ) مستقل سکونت اختیار کی۔ گوندلانووالہ کے قیام کے دوران گوجرانوالہ سے مفت روزہ ”الاعتصام“ جاری کیا۔ جو بعد میں جمعۃ الہدیٰ پاکستان کا آرگن بھی رہا۔ مگر بعد میں جمعۃ الہدیٰ سے اختلاف کی وجہ سے الاعتصام کا انتظام سنبھال کر اپنی نگرانی میں اس کی اشاعت جاری رکھی۔ آج کل ان کے صاحبزادہ حافظ احمد شاہ کراس کے مدیر اعلیٰ ہیں (۵۲۹)۔

حال ہی میں ”الاعتصام“ کا مولانا عطاء اللہ حنیف نمبر شائع ہوا ہے۔

کتب خانہ: مولانا عطاء اللہ حنیف کو کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ قیام پاکستان سے قبل فیروز پور میں ایک کتب خانہ بنایا۔ مگر یہ کتب خانہ فسادات کی نذر ہو گیا۔ پاکستان میں آ کر مولانا نے دوبارہ کتابیں جمع کرنی شروع کیں اور ایک مثالی کتب خانہ بنایا۔ محی النہ مولانا سید نواب صدیق حسن خاں نے مختلف موضوعات پر عربی، فارسی اور اردو میں ۲۲۲ کتابیں تصنیف کیں۔ آپ نے یہ سب کتابیں اپنے کتب خانہ میں جمع کیں۔ اگر کوئی کتاب قیمتا دستیاب نہ ہو سکی تو اس کا فوٹو سٹیٹ حاصل کر کے اس کی جلد بنوائی (۵۳۰)۔

اردو رسائل میں ”معارف اعظم گڑھ“ اور ”نہ بان دہلی“ کے فائل بھی مولانا مرحوم نے جمع کیے۔ آپ کے کتب خانہ میں سب سے زیادہ ذخیرہ شرح حدیث اور اسماء الزجال کے متعلق ہے۔ تفاسیر قرآن مجید پر بھی کافی کتابیں ان کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ ہندوستان کے علماء کی کتب بکثرت آپ کے کتب خانہ میں ہیں۔

تصانیف: مولانا عطاء اللہ حنیف ایک بلند پایہ مصنف بھی تھے۔ آپ کی مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

- ۱۔ التعلیمات السلفیہ (شرح سنن نسائی) (عربی)۔
- ۲۔ فیض الودود تعلیق علی سنن ابی داؤد (عربی)۔
- ۳۔ قربانی کی شرعی حیثیت اور چند غلط فہمیوں کا ازالہ (اردو)۔
- ۴۔ پیارے رسول کی پیاری دعائیں۔
- ۵۔ تعلیق الاجاب (عربی)۔
- ۶۔ ترجمۃ الايمان فی اسباب الاختلاف (اردو)۔
- ۷۔ اتمام النہمہ فیما یحتاج الیہ المحدث والمقلع (عربی)۔ یہ شاہ ولی اللہ کی کتاب ہے۔ اس پر آپ نے حواشی لکھے (۵۳۱)۔

مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم رویت ہلال کمیٹی، مجلس شوریٰ اور اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن بھی رہے۔ جمعیتہ الہدیٰ لاہور کے امیر اور مرکزی جمعیتہ الہدیٰ کے ناظم اعلیٰ بھی رہے (۵۳۲)۔

وفات: آپ نے ۳ اکتوبر ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۷ء کو انتقال کیا۔ مولانا حافظ محمد عیسیٰ میر محمدی نے نماز جنازہ پڑھائی اور میانی صاحب کے قبرستان لاہور میں دفن ہوئے (۵۳۳)۔

۳۵۔ مولانا حبیب الرحمن الاعظمی (م ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۱ء)

ولادت: آپ کا تاریخی نام ”اختر حسن“ تھا۔ آپ ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی اس کے بعد قصبہ بہادر گنج کے مدرسہ میں مولانا ابوالحسن عراقی سے علم حاصل کرنے کے بعد مظہر العلوم بنارس سے بھی تعلیم حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند سے علم حاصل کرنے کی خواہش پر سفر کیا مگر طبیعت کے ناساز ہونے کی بنا پر واپس لوٹنا پڑا اور دارالعلوم منویش مولانا کریم بخش سنبل سے دورہ حدیث کیا۔

تصانیف: آپ کا خاص فن حدیث و اسماء الرجال تھا اور اس پر کافی گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ کو مخطوطات کا بھی شوق تھا۔ آپ نے بہت سی ایسی کتابوں کی اشاعت کی جو نادر ہونے کے باوجود محض مخطوطہ ہونے کی وجہ سے اہل علم تک نہ پہنچ سکتی تھیں۔

وفات: آپ ۱۱ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۱ء کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے (۵۳۴)۔

۳۶۔ مولانا سید محبت اللہ شاہ راشدی (م ۱۴۱۶ھ / ۱۹۹۵ء)

ولادت: سید محبت اللہ شاہ بن سید احسان اللہ راشدی محرم الحرام ۱۳۴۰ھ / ۲ اکتوبر ۱۹۲۱ء بروز اتوار کو پیر جھنڈو (حیدر آباد) سندھ میں پیدا ہوئے (۵۳۵)۔

تعلیم و تربیت: آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی اس کے بعد مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی سے واضح البیان اور شہادۃ القرآن پڑھی۔ آپ نے حدیث کی اجازت مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا عبدالحق بہاولپوری سے حاصل کی (۵۳۶)۔

درس و تدریس: دستار بندی کے بعد اپنے گاؤں پیر جھنڈو میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

کچھ عرصہ بعد بنو سعید آباد کے قریب گاؤں درگاہ شریف میں مدرسہ دارالافتاء قائم کیا جہاں قیمتی کتب سے مزین کتب خانہ المکتبۃ العلمیۃ بنایا اور خود ہی اس مدرسہ میں تدریس کی فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ آپ کے کتب خانہ میں دستیاب کتب کی تعداد پندرہ ہزار سے بھی زائد ہے جن میں نادر و نایاب قلمی مخطوطات بھی ہیں۔ آپ کا بیٹا قاسم شاہ صاحب ان کا جانشین ہے۔ آپ نے کافی کتب لکھیں جو اکثر عربی میں ہیں۔ ان میں حاشی صحیح بخاری بہت معروف ہے۔

وفات: آپ ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء میں اس دار فانی کو چھوڑ گئے (۵۳۷)۔

۳۷۔ حضرت مولانا سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء)

پیدائش: ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء کو موضع بیٹ احمد، صادق آباد نزد اُج شریف میں پیدا ہوئے۔ بلوچ قبیلہ قیسرانی سے ان کا تعلق تھا (۵۳۸)۔

تعلیم: مولانا نے آٹھ سال کی عمر میں حصول تعلیم کا آغاز کیا جس کے لیے بستی گمانی کے مولانا عبد المجید اور مولانا حبیب اللہ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ یہاں انہوں نے صرف و نحو، فقہ و اصول اور فلسفہ و منطق کی کتابوں کے علاوہ بیان و معانی اور پھر عربی ادبیات کی بعض کتابیں بھی پڑھیں (۵۳۹)۔ مندرجہ ذیل محدثین اساتذہ کی خدمت میں حصول علم کے لیے حاضر ہوئے:

- ۱۔ مولانا ابو محمد عبد الحق بن عبد الواحد ہاشمی
- ۲۔ مولانا عبد الحق ملتانی۔
- ۳۔ مولانا عبد التواب ملتانی۔

اس طرح مولانا سلطان محمود کو اس دور کے جلیل القدر علماء سے مستفید ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ خاص فضل کیا تھا۔ جس کے وہ دربار الہی سے مستحق قرار پائے۔ مولانا ان حضرات سے استفادہ کے دوران اور پھر تمام عمر حدیث کی نشر و اشاعت میں گزار دی (۵۴۰)۔

درس و تدریس: مولانا سلطان محمود ضلع نٹان کے شہر جلال پور پیر والہ کی درس گاہ دارالحدیث محمدیہ میں شیخ الحدیث کے منصب عالی پر متمکن تھے اور اسلاف کا صحیح نمونہ تھے۔ علم میں اللہ تعالیٰ نے ان کو فراوانی سے نوازا تھا اور تھکوی و صالحیت کی دولت بھی عطا کی تھی۔ جلال پور پیر والہ میں مولانا نے پہلی مرتبہ

۱۳۳۷ھ/۱۹۲۸ء میں سلسلہ تبلیغ آئے۔ اس کے بعد ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء میں دارالحدیث محمدیہ میں آگئے اور تدریس شروع کی۔

جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے ارباب اہتمام کے اصرار پر صرف ایک سال جامعہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ اس کے بعد پھر دارالحدیث جلال پور پیر والہ میں آگئے (۵۴۱)۔

تلامذہ

- ۱۔ مولانا محمد رفیق اثری (موجودہ شیخ الحدیث جلال پور پیر والہ)۔
- ۲۔ مولانا اللہ یار خاں ۳۔ مولانا عبداللہ مظفر گڑھی۔
- ۳۔ سید عبداللہ کور اثری ۵۔ عزیز زبیدی۔
- ۶۔ حافظ عبدالعظیم ۷۔ عبدالغفار اعوان۔
- ۸۔ راقم السطور کو بھی مولانا سے شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ ۱۹۷۳ء-۱۹۷۷ء میں ملتان سے قرآن مجید کی بعض سورتوں کی تفسیر اور اصول حدیث پر کچھ پڑھا۔ اس کے علاوہ بھی ان کے بہت سے شاگرد ہیں۔

وفات: ۱۴۱۶ھ/۴ نومبر ۱۹۹۵ء کو انتقال فرمایا (۵۴۲)۔

۳۸۔ علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی (م ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء)

ولادت: آپ کی ولادت ۱۳۳۵ھ/۱۶ مئی ۱۹۲۶ء میں ہوئی (۵۴۳)۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے آبائی درسگاہ مدرسہ دارالرشاد سے حاصل کی۔ اس کے بعد جن اساتذہ سے اکتساب فیض کیا ان میں حافظ محمد امین متوہ، مولانا ولی محمد کیریو، مولانا قطب الدین ہالجوی، مولانا بہاؤ الدین، جلال آبادی، محمد مدنی، عبداللہ روہڑی، محمد خلیل اور سید محبت اللہ شاہ ان کے بڑے بھائی شامل ہیں۔

علم حدیث کی اجازت اور سند فراغت: جن سے سند اور اجازت حدیث لی ان میں سید محبت اللہ راشدی، مولانا عبدالحق بہاؤپوری، مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری، مولانا حافظ عبداللہ روپڑی،

مولانا اہلق، نیک محمد امرتسری، مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی اور مولانا عبید اللہ سندھی شامل ہیں (۵۴۳)۔

درس و تدریس: مدرسہ دارالرشاد میں شروع کیا۔ پھر نیو سعید آباد میں شہر سے متصل آزاد پیر جھنڈو نامی آباد کیا۔ وہاں مدرسہ محمدیہ اور مکتبہ راشدیہ کی بنیاد رکھی۔ طلبہ کو صحیح بخاری اور تفسیر ابن کثیر پڑھاتے رہے (۵۴۵)۔

حج بیت اللہ کے متعدد مواقع پر بیت اللہ شریف مسجد نبویؐ اور مدینہ یونیورسٹی میں عربی وارو میں دروس کا سلسلہ جاری رکھا۔ تین سال مکہ مکرمہ اور المعتمد الحرم المکی میں تدریس کی خدمات سرانجام دیں۔ برصغیر عرب و افریقی ممالک کے ہزاروں علماء و زعماء ان کے دروس و محاضرات سے مستفید ہوئے (۵۴۶)۔

دعوت و تبلیغ: سندھ میں آپ نے دن رات محنت کی، شرک و بدعت کے ایوانوں میں توحید و سنت کی دعوت پہنچانے کا حق بحسن و خوبی ادا کیا۔ قرآن و حدیث کی تعلیم کو عام کیا۔ اس سلسلہ میں مصائب و تکالیف صبر کے ساتھ برداشت کیں اور یورپ، امریکہ، مشرق وسطیٰ، ہندوستان و بنگلہ دیش کے تبلیغی دورے کیے اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں خطاب کیا۔

کتب خانہ: آپ نے بڑی محنت سے تقریباً دس ہزار کتب جمع کیں۔ آپ نے تفسیر، حدیث، اسماء الرجال، تاریخ، فقہ، منطق، فلسفہ و لغت کے علاوہ متعدد علوم و فنون کی کتب جمع کیں۔

شاہ بدیع الدین جب برطانیہ تشریف لے گئے تو بندہ نے ان سے بھرپور استفادہ کیا۔ ان کے حکم پر برٹش میوزیم سے بعض قلمی کتب کی فوٹو کاپی لی اور حافظ ابن حجر کی ایک کتاب (مخطوط) لندن یونیورسٹی سے نقل کی۔ جو ان کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

تصانیف: آپ نے بہت کتب تحریر کیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ السمط الابریز حاشیہ مسند عمر بن عبدالعزیز، مکتبہ فاروقیہ ملتان سے شائع ہو چکی ہے۔

- ۲۔ المرأة لطرق حديث من كان له امام فقراة الامام له فقراة: ۲۲۵ صفحات پر مشتمل ہے۔
 - ۳۔ تهذيب الاقوال فيمن له ترجمة في اظهار في البراة من الرجال۔
 - ۴۔ جلاء العينين بتخريج روايات البخارى في جزء رفع اليدين: ۲۱۳ صفحات پر مشتمل ہے اسے علوم اثرية فيصل آباد نے ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء میں شائع کیا۔ بعد ازاں عرب ممالک سے کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔
 - ۵۔ توفيق الباري لترتيب جزء رفع اليدين للبخاري: جامعہ السلفیہ بنارس ۱۴۰۶ھ/مارچ ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی۔
 - ۶۔ غاية المرام في تخريج جزا القراءة خلف الامام۔
 - ۷۔ جزء منظوم في اسماء المدلسين۔
 - ۸۔ القندیل المشغول في تحقيق حديث اقتلوا الفاعل والمفعول۔
 - ۹۔ منجد المستجيز لرواية السنة والكتاب العزيز۔
 - ۱۰۔ القول اللطيف في الاحتجاج بالحديث الضعيف۔
 - ۱۱۔ رفع الارتباب عن حكم الاصحاب۔
 - ۱۲۔ ازهار الحقائق في تذكاري من جمع احاديث خير الخلائق۔
 - ۱۳۔ صريح المهمل في تخريج بلاغات مؤطا محمد۔
 - ۱۴۔ الاجابة مع الاصابه في ترتيب احاديث البيهقي على مسانيد الصحابة۔
 - ۱۵۔ الامام بتبويب لاحاديث الخطيب على الاحكام وغيره (۵۴۷)۔
- وفات: آپ کا ۱۴۷۱ھ/۸ جنوری ۱۹۹۶ء کو کراچی میں انتقال ہوا اور اپنے گاؤں نوسید آباد میں دفن ہوئے (۵۳۸)۔

۳۹۔ عبدالرشید نعمانی (م ۱۳۲۰ھ/۱۹۹۹ء)

تعلیم و تربیت: عبدالرشید نعمانی کا تعلق ہندوستان کے علاقے جے پور سے تھا۔ آپ نے بیسی کی حالت میں پرورش پائی۔ آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ مدوۃ العلماء کے حیدر حسن خان ٹوکی کے خصوصی شاگرد ہیں۔ آپ نے باقاعدہ کسی مدرسہ سے سند حاصل نہ کی لیکن اس دور کی مشہور ڈگریاں مولوی فاضل اور مفتی فاضل حاصل کیں۔

درس و تدریس: تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے ذریعہ معاش کے لیے مدوۃ المصنفین میں بطور رفیق کام کا آغاز کیا۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی میں محمد یوسف بنوری کے مدرسہ نیو ٹاؤن میں استاذ مقرر ہوئے اور وہاں کے مشہور ماہنامہ ”بینات“ کے ایڈیٹر بھی مقرر ہوئے۔ ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳ء میں جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے قیام کے بعد نائب شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ جہاں تقریباً دس گیارہ برس تک شعبہ حدیث و تفسیر میں تدریسی فرائض احسن طریقے سے سرانجام دیتے رہے اور خصوصی طور پر ایم اے کے مقالات کی نگرانی کیا کرتے۔

تصانیف: آپ کی تصانیف کافی زیادہ ہیں۔ جن میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں:

- ۱۔ ابن ماجہ اور علم حدیث۔
- ۲۔ مائتس الیہ الحلیہ لن یطالع سنن ابن ماجہ تعلیقات علی الدرر اسات،
- ۳۔ مقدمہ مؤطا امام محمد۔
- ۴۔ مقدمہ کتاب لا تار (۵۴۹)۔

وفات: آپ نے اگست ۱۳۲۰ھ/۱۹۹۹ء کو وفات پائی۔

۴۰۔ مولانا عبدالعزیز النورستانی

ولادت: عبدالعزیز بن محمد ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء کو افغانستان میں پیدا ہوئے (۵۵۰)۔

تعلیم: مولانا عبدالعزیز کا مولد اور آبائی وطن افغانستان ہے۔ افغانستان پر روسی تسلط کے بعد آپ

کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ تلاش معاش کے سلسلے میں کراچی چلے آئے۔ مدرسہ دارالسلام کراچی اور دار الحدیث رحمانیہ کراچی میں دینی تعلیم کے حصول میں منہمک رہے اور درس نظامی کے علاوہ السنۃ الشریعہ کے امتحانات کراچی بورڈ سے پاس کیے (۵۵۱)۔

تدریسی خدمات: مولانا عبدالعزیز تقریباً ۴۰ سال سے تدریسی و خطابی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ تقریر و تحریر اور افتاء پر مکمل عبور ہونے کے ساتھ مخالفین مسلک کے رد میں تحریری مناظرات کے ماہر ہیں۔ کتاب و سنت کے خلاف کسی بات کو برداشت نہیں کر سکتے۔ آپ نے اب تک جتنی بھی کتب تالیف کی ہیں۔ ان میں یہی چیز پائی جاتی ہے۔

تصانیف: آپ کی تقریباً چالیس تصنیفات ہیں (۵۵۲)۔

۴۱۔ مولانا عبدالغفار حسن

ولادت: مولانا عبدالغفار بن عبدالستار ۱۴ رجب ۱۳۳۱ھ، ۲۰ جون ۱۹۱۳ء بروز جمعہ المبارک موضع عمر پور (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: دینی تعلیم دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے حاصل کی اور یہاں سے سند فراغ حاصل کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل، لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب کے امتحانات پاس کیے (۵۵۳)۔ درس و تدریس: حصول علم سے فراغت کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا جس کا آغاز مدرسہ احمدیہ سے کیا۔ کچھ مدت بعد جامعہ رحمانیہ بنارس تشریف لے گئے اور وہاں تدریسی خدمات انجام دیں۔ بعد ازاں آپ نے مالیر کوٹلہ (مشرقی پنجاب) کے ایک مدرسہ میں بھی ۶ سال تک تدریسی خدمات سر انجام دیں (۵۵۴)۔

قیام پاکستان کے بعد پاکستان تشریف لے آئے۔ آپ نے دو سال تک دارالحدیث رحمانیہ کراچی، ایک سال جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور دو سال تک مدرسہ دارالقرآن فیصل آباد میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد آپ نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں بھی ۷ سال تک حدیث کی تدریس فرمائی۔ اس کے بعد آپ دارالافتاء سعودیہ عربیہ سے وابستہ ہو گئے اور اس سلسلہ میں مختلف

ممالک کے سفر کیے۔ کینیا میں آپ کا قیام کچھ مدت رہا۔ وہاں آپ نے ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی اور اس میں تدریسی خدمات انجام دیں (۵۵۵)۔

مولانا کے دو بیٹے حدیث میں ڈاکٹریٹ کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر صہیب حسن اور ڈاکٹر سہیل حسن۔ مولانا اب اسلام آباد میں ہیں۔

تصانیف ۱۔ انتخاب حدیث، ۲۔ حقیقت دعا، ۳۔ دین میں غلو، ۴۔ عظمت حدیث، ۵۔ معیار قانون، ۶۔ قصص القرآن۔ ۷۔ اسلام میں سنت کا مقام۔ اس کے علاوہ قادیانیوں کے خلاف بہت سے پمفلٹ شائع کیے۔

۴۲۔ مولانا محمد علی جانا باز

ولادت: محمد علی بن نظام الدین ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۳ء موضع چک بدھو کے تحصیل مکتھر ضلع فیروز پور (بھارت) میں پیدا ہوئے (۵۵۶)۔

تعلیم و تربیت: آپ نے ناظرہ قرآن مجید مولانا محمد سے اپنے گاؤں میں پڑھا۔ بعد ازاں مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ سے سند فراغت حاصل کی۔ ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء میں بخاری شریف پڑھنے کے لیے جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں داخل ہو گئے کیونکہ یہاں حضرت استاذ الاساتذہ حافظ محمد گوندلوی مسند تدریس پر جلوہ افروز تھے (۵۵۷)۔

درس و تدریس: ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء میں حضرت مولانا محمد اسحاق چیمہ مہتمم جامعہ سلفیہ کے کہنے پر حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی نے آپ کو جامعہ سلفیہ میں تدریسی ذمہ داریاں سونپ دیں۔ آپ یہاں بہت اچھے مدرس اور معتدلیہ منتظم ثابت ہوئے اور لائبریری، تنخواہ اساتذہ و دیگر عملہ اور جملہ انتظامی امور آپ کے سپرد تھے۔ ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء سے ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء تک آپ ان جملہ ذمہ داریوں سے باحسن طریق عہدہ و برآ ہوئے۔ ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء کے اوائل میں آپ شہر اقبال سیالکوٹ تشریف لے گئے اور اپنی جملہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس سرزمین کو دینی علوم کی درس و تدریس اور نشر و اشاعت کے لیے بطور مرکز و محور منتخب کیا (۵۵۸)۔ اب وہاں ہی اہل علم کو سیراب کر رہے ہیں۔

تصانیف: آپ کی تصنیفی و تالیفی خدمات یہ ہے

- ۱۔ اہمیت نماز۔
- ۲۔ احکام دعا اور توسل
- ۳۔ محبت الطہر فی تحقیق مسائل عید الفطر
- ۴۔ تحفہ الوریٰ فی تحقیق مسائل عید الاضحیٰ
- ۵۔ احکام سفر
- ۶۔ شرح سنن ابن ماجہ (عربی) مکمل ہو چکی ہے۔
- ۷۔ صلوٰۃ المصطفیٰ ﷺ
- ۸۔ احکام طلاق (۵۵۹)۔

مدارس علوم الحدیث

برصغیر پاک و ہند میں دینی مدارس کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان مدارس نے دینی علوم و فنون کی اشاعت میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ دینی مدارس نے ایسی باکمال شخصیتوں کو تیار کیا۔ جنہوں نے برصغیر میں ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا۔

مولانا قاضی محمد اسلم سیف مرحوم لکھتے ہیں: دینی مدارس سے ایسی نابذہ عصر شخصیتیں اُٹھیں جنہوں نے حالات کے رخ کا دہار ابدل کر رکھ دیا۔ علم و آگہی، تحقیق و دانش، ذہانت و امانت، تقویٰ و طہارت، بحث و مناظرہ، دعوت و ایثار، اخلاص و ایثار، استعداد و قابلیت، ذہانت و خطابت، قلم و قرطاس، تعلیم و تدریس، تالیف و تصنیف، سیف و سنان، شجاعت و راست بازی اور جرأت و بے باکی ان پر ناز کرتی ہے (۵۶۰)۔

ادارۃ العلوم الاثریہ، فیصل آباد

یہ مدرسہ مولانا محمد اسحاق چیمہ اور مولانا عبداللہ فیصل آبادی نے قائم کیا۔ مولانا ارشاد الحق اثری اس مدرسہ میں استاد ہیں۔ اس مدرسہ میں تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی ہوتا ہے۔ مولانا ارشاد الحق اثری کی کئی علمی و تحقیقی کتابیں اس مدرسہ سے شائع ہوئی ہیں۔ الحمد للہ مدارس میں اس مدرسہ کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اور اس مدرسہ کے فارغ التحصیل علماء ملک میں ممتاز مقام کے حامل ہیں۔

انوار العلوم ملتان

مولانا احمد سعید کاظمی امر دہوی اس کے شیخ الحدیث رہے ہیں۔ ان کے بیٹے مولانا مظہر سعید کاظمی اس مدرسے کے مہتمم ہیں۔

تقویۃ الاسلام لاہور

قیام پاکستان کے بعد مولانا سید محمد داؤد غزنوی لاہور میں قیام پذیر ہوئے اور شیش محل روڈ لاہور میں تقویۃ الاسلام کا اجراء کیا۔ اس مدرسہ میں مولانا غزنوی کے علاوہ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، مولانا محمد اسحاق حسینی، مولانا محمد عبدہ الفلاح نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ مولانا داؤد غزنوی کے بعد مولانا سید ابوبکر غزنوی اس کے نگران رہے اور ان کی وفات کے بعد سید عمر فاروق غزنوی نگران رہے۔ آج کل سید ابوبکر غزنوی کے صاحبزادے جنید غزنوی اس کے نگران ہیں۔

جامعہ ابی ہریرہ ریتالہ خورڈ

یہ مدرسہ حافظ عزیز الرحمان لکھنوی بن مولانا عطاء اللہ لکھنوی نے مدرسہ محمدیہ کے نام سے قائم کیا۔ بعد میں اس کا نام ”جامعہ ابی ہریرہ“ ہو گیا ہے۔ حافظ شفیق الرحمان لکھنوی مدرسہ کے نگران و مہتمم ہیں۔ اس مدرسہ میں درس نظامی کی تعلیم دی جاتی ہے اور خاص طور پر صرف و نحو کی خصوصی مہارت پیدا کی جاتی ہے۔

جامعہ ابراہیمیہ سیالکوٹ

یہ مدرسہ شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز نے قائم کیا۔ مولانا حافظ محمد گوندلوی (م ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء) نے اس کا سنگ بنیاد رکھا۔ مولانا جانباز اس مدرسہ کے شیخ الحدیث میں آپ کے علاوہ مولانا عطاء الرحمن اشرف صاحب، مولانا محمد یونس صاحب اور حافظ عبدالرحمان صاحب اس مدرسہ میں مدرس ہیں۔ طلباء کی تعداد تقریباً ایک صد کے قریب ہوتی ہے۔ اس مدرسہ کا ایک شعبہ تصنیف و تالیف کا بھی ہے۔ جس نے ۱۵ کے قریب مولانا جانباز کی کتابیں شائع کی ہیں۔ اور راقم آثم کے پانچ رسائل بھی شائع کیے ہیں۔

جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ

جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ حاجی محمد ابراہیم انصاری مرحوم نے قائم کیا تھا۔ اس مدرسہ میں مولانا حافظ محمد گوندلوی مولانا ابوالبرکات احمد مدرسی، شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز رہے ہیں۔ آج کل مولانا فاروق الراشدی صاحب شیخ الحدیث ہیں۔ مولانا محمد اعظم صاحب اس مدرسہ میں عرصہ ۲۵ سال سے تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس مدرسہ سے بے شمار حضرات مستفیض ہوئے ہیں۔

جامعہ اسلامیہ سلفیہ گوجرانوالہ

یہ مدرسہ حکیم محمود سلفی بن مولانا محمد اسماعیل سلفی (م ۱۳۱۵ھ / ۱۹۹۳ء) نے قائم کیا تھا۔ مولانا محمد الیاس اثری اس مدرسہ کے شیخ الحدیث رہ چکے ہیں۔ حافظ محمد امین بھی اس مدرسہ میں درس رہے ہیں۔ آج کل تقریباً دس کے قریب اساتذہ اس مدرسہ میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ حکیم محمود صاحب مرحوم کے صاحبزادہ مولوی اسد سلفی اس کے نگران و مہتمم ہیں۔ طلباء کی تعداد ایک سو کے قریب ہے۔

جامعہ اشرفیہ لاہور

مولانا مفتی محمد حسن صاحب نے اس جامعہ کی بنیاد رکھی۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی مولانا سید فیض اللہ اور مولانا عبدالرحمن یہاں درس حدیث دیتے رہے۔

جامعہ العلوم الاثریہ جہلم

یہ مدرسہ مولانا حافظ عبدالغفور جہلمی (م ۱۳۰۷ھ / ۱۹۸۶ء) نے قائم کیا تھا۔ اس کا سنگ بنیاد فضیلۃ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل امام کعبہ نے رکھا تھا۔ سنگ بنیاد کی تقریب ۱۳۹۹ھ / ستمبر ۱۹۷۷ء میں ہوئی۔ ۱۳۰۷ھ / ۱۹۸۶ء تک حافظ عبدالغفور اس مدرسہ کے نگران رہے۔ ان کے انتقال کے بعد آپ کے صاحبزادہ علامہ مدنی اس کے رئیس رہے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے دوسرے بھائی حافظ عبدالحمید روپڑی مدیر رہا۔ علامہ میر محمد یعقوب قریشی شیخ الحدیث ہیں۔

اس مدرسہ میں تین صد کے قریب طلباء اور ۱۲۰ اساتذہ تعلیم و تعلم میں مصروف ہیں۔

جامعہ الہمدیٹ چوک دالکراں لاہور

یہ مدرسہ مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑی (ت ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء) نے قائم کیا تھا۔ حضرت حافظ صاحب روپڑی، اپنے دور کے بلند پایہ محدث اور مجتہد تھے۔ قیام پاکستان کے بعد آپ سے کئی تلامذہ نے استفادہ کیا۔ بعد ازاں مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی اور آج کل مولانا حافظ عبدالغفار صاحب روپڑی اس کے مگران ہیں۔

جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کائنجن

یہ مدرسہ صوفی محمد عبداللہ وزیر آبادی (م ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۵ء) نے ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں چک ۴۹۳/گ ب اوڈالوالا ضلع فیصل آباد میں قائم کیا تھا۔ ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء میں یہ مدرسہ ماموں کائنجن خٹل ہو گیا۔ یہ مدرسہ ایک یونیورسٹی کی حیثیت رکھتا ہے اور پاکستان کے الہمدیٹ مدارس میں اس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ برصغیر کے طول و عرض میں اس جامعہ کے فیض یافتگان خدمت اسلام میں معروف ہیں۔ حافظ محمد اسحاق حسینی، حافظ محمد گوندلوی، پیر محمد یعقوب قریشی اور حافظ محمد بنیامین طور جیسے یگانہ روزگار اس جامعہ میں مسند تدریس پر جلوہ افروز رہے ہیں۔ آج کل مولانا عبدالرشید مجازی کی مگرانی میں یہ جامعہ دور حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق روز افزوں ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔

جامعہ توحید یہ وزیر آباد

یہ مدرسہ پروفیسر حافظ عبدالستار حامد نے قائم کیا ہے۔ حافظ صاحب اس مدرسہ کے مگران اور مہتمم ہیں۔ آپ کے علاوہ دو اور استاد اس مدرسہ میں تعلیم دیتے ہیں۔ حفظ قرآن کا شعبہ بھی قائم ہے۔ اندرونی اور بیرونی طلباء کی تعداد (۵۰) کے قریب ہے۔

جامعہ خیر المدارس، ملتان

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نے ۱۳۶۶ھ/۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ملتان میں سنگ بنیاد رکھا اور ملک کی مشہور تنظیم وفاق المدارس العربیہ کی بنیاد ڈالی گئی اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب تاحیات اس کے صدر رہے اب تک وفاق المدارس کا دفتر بھی یہیں چلا آتا ہے۔

جامعہ دارالعلوم بلتستان

یہ جامعہ بلتستان کا سب سے بڑا مدرسہ ہے۔ قیام پاکستان سے کئی سال پہلے مولانا مفتی محمد موسیٰ نے دارالحدیث کے نام سے اس کی بنیاد رکھی جو کہ شیخ سید نذیر حسین دہلوی کے شاگرد تھے۔ مفتی عبدالقادر، مفتی کریم بخش، مولانا حاجی خلیل الرحمان، مولانا عبدالرحمن خلیق اور مولانا عبدالرشید ندوی درس حدیث دیتے رہے ہیں۔ اب شیخ الحدیث مولانا ثناء اللہ سالک ہیں، نائب شیخ الحدیث الشیخ محمد حسین آزاد، ناظم اعلیٰ الشیخ عبدالواحد عبداللہ اور الشیخ عبدالرشید صدیقی سہ ماہی مجلہ ”الترغیث“ کے ایڈیٹر، رییس مجلس اہل ہیں۔ تقریباً ساٹھ اساتذہ اور ڈیڑھ ہزار طلباء، منجھ کے بڑے فضا مقام پر تعلیم و تعلم میں مصروف ہیں۔

جامعہ رشیدیہ ساہیوال

شکری میں ۱۳۶۷ھ ۱۹۴۸ء میں حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری نے اس کا سنگ بنیاد رکھا اور اس مدرسہ میں حافظ محمد صالح، مولانا حبیب اللہ اور مولانا عبداللہ رائے پوری شیخ الحدیث رہے۔ جامعہ رضویہ مظہر الاسلام، فیصل آباد مولانا سردار احمد گرداسپوری کا قائم کردہ ہے۔

جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر (نیپال)

یہ مدرسہ مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری (م ۱۴۲۰ھ ۱۹۹۹ء) نے قائم کیا تھا۔ جو بہت بڑے عالم اور واعظ تھے۔ علوم اسلامیہ پر بہت زیادہ عبور تھا۔ رابطہ عالم اسلامی کے رکن بھی تھے۔ اور اس کے ساتھ بہت بڑے معتمد بھی تھے۔ ان کی کتابوں کی تعداد ۳۵ سے زیادہ ہے۔ آپ کی کتابیں ہندوپاک میں بہت زیادہ مقبول ہیں۔ آج کل مولانا عبداللہ مدنی اس مدرسہ کے نگران ہیں۔

جامعہ سلفیہ بنارس

بنارس وسطی بھارت میں ہندوؤں کا ایک جبرک شہر ہے۔ اور اس شہر میں مندروں کی بہت زیادہ جہات ہے اور ہندو یونیورسٹی بھی اس شہر میں ہے۔ مگر اس کے ساتھ مسلمان بھی اس شہر میں آباد ہیں اور الحدیث مسلک کا قدیم مرکز ہے۔ مرکزی جمعیۃ الحدیث ہند نے ندوۃ العلماء لکھنؤ کی طرز

پروینی علوم کے ساتھ عربی ادب کی تعلیم کے لیے ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳ء میں ”جامعہ سلفیہ“ کے نام سے ریواڑی تالاب میں مدرسہ قائم ہوا۔ اس مدرسہ نے قلیل عرصہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دارالعلوم دیوبند کی برابری کا مقام حاصل کر لیا۔ اس مدرسہ کے زیر اہتمام دو ماہنامے ”الصوت الامہ“ (عربی) اور محدث (اردو) شائع ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری جو دور حاضر کے طویل القدر عالم و ادیب، مؤرخ اور محدث ہیں۔ اس مدرسہ کے نگران ہیں۔ عربی رسالے ”الصوت الامہ“ کے مدیر ہیں اور ماہنامہ ”محدث“ کے نگران بھی ہیں۔ بھارت میں اس وقت جماعت اہلحدیث کا سب سے بڑا یہی مدرسہ ہے۔

جامعہ سلفیہ فیصل آباد

جامعہ سلفیہ کاسنگ بنیاد اپریل ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء میں رکھا گیا۔ جون ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء میں لاہور میں اس کا آغاز کر دیا گیا۔ چنانچہ ۲۱ جون جمعرات کے روز اس کا افتتاح ہوا۔ جامعہ سلفیہ میں محدث انصر حافظ محمد گویند لوی، حافظ عبداللہ صاحب بڑھیا لوی اور مولانا سلطان محمود محدث جلالپوری جیسے پکانہ روزگار مسند تدریس پر جلوہ افروز رہے۔ آج کل حافظ عبدالعزیز علوی شیخ الحدیث گھمسنہ پر فروکش ہیں۔

جامعہ عربیہ دارالسلام عمر آباد (مدراں)

یہ مدرسہ مدراس کی ایک دینی شخصیت حاجی محمد عمر نے قائم کیا تھا۔ حاجی محمد عمر اپنے علم و فضل اور نیکی و تقویٰ کے سبب سے حاکم و محکوم دونوں طبقوں میں ہر دلعزیز اور مقبول تھے۔ مولوی ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی اس مدرسہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جامعہ عربیہ دارالسلام یعنی جسے اہلحدیث مدراس کی یونورسٹی کہنا چاہیے۔ نصاب درس نظامی و انگلش تائمیٹرک، مدت تعلیم ۹ سال تعداد اساتذہ ۱۳، تعداد طلاب ۱۵۰، مصارف ماہانہ ۲ ہزار تقریباً اساتذہ کی تنخواہوں اور طلباء کے تمام مصارف کے کفیل صاحب مہتمم کا کا محمد اسماعیل بن حاجی محمد عمر مرحوم ہیں (۵۶۱)۔

جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

مولانا محمد یوسف بنوری نے اسے قائم کیا۔ آپ اس کے پہلے شیخ الحدیث ہیں۔ آپ کے بعد حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب اس کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔

جامعہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاولنگر

مولانا فضل محمد نے ۱۳۲۰ھ ۱۵ اگست ۱۹۳۷ء میں اس کی بنیاد رکھی۔ یہ مدرسہ ۳۸ کنال رقبے پر مشتمل ہے۔ مولانا محمد قاسم اس کے پہلے مہتمم اور مولانا بشیر احمد نعمانی پہلے شیخ الحدیث تھے۔ مدرسہ میں ایک اکیڈمی بھی قائم ہے۔ مندرجہ ذیل علماء نے اس درسگاہ کو تدریس کا شرف بخشا ہے:

- ۱- مولانا عبد الکریم گھلوی
- ۲- مولانا فاروق احمد برادرزادہ مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری۔
- ۳- مولانا عبدالقدیر محدث کیمپوری تلمیذ مولانا سید انور شاہ صاحب کاشمیری۔
- ۴- مولانا مفتی فقیر اللہ رائے پوری حضرت شیخ الہند وہم سبق مولانا شبیر احمد عثمانی۔
- ۵- مولانا محمد نعیم دیوبندی صاحب کمالین علی الجلالین۔
- ۶- شیخ الحدیث مولانا عبداللہ رائے پوری۔

جامعہ کمالیہ، راجوال

یہ مدرسہ راجوال ضلع اوکاڑہ میں مولانا محمد یوسف صاحب نے قائم کیا۔ یہ مدرسہ نصف صدی سے دین اسلام کی نشر و اشاعت اور کتاب و سنت کی ترقی و ترویج میں مصروف ہے۔ دینی مدارس میں اس مدرسہ کو خاص مقام حاصل ہے۔ مولانا محمد یوسف صاحب شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز ہیں۔ اس مدرسہ سے فارغ التحصیل علماء کا شمار نہیں۔ مولانا محمد یوسف کے صاحبزادے ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن جنہوں نے یونیورسٹی کی ملازمت کو خیر باد کہہ کر مدرسہ کو شروع کیا۔

جامعہ محمدیہ، اوکاڑہ

جامعہ محمدیہ لکھو کے ضلع فیروز پور (مشرقی پنجاب) قیام پاکستان کے بعد اوکاڑہ منتقل ہوا۔

۷۳۰

مولانا معین الدین لکھوی اس مدرسہ کے نگران اور مہتمم ہیں۔

جامعہ نعیمیہ، گڑھی شاہولا ہور

مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی یاد میں بنا ہے۔ اس کے مفتی محمد حسین نعیمی شیخ الحدیث رہے ہیں۔ ان دنوں اس کے رئیس ڈاکٹر سرفراز ولد مفتی محمد حسین نعیمی ہیں۔

دارالحدیث رحمانیہ، دہلی

دارالحدیث رحمانیہ دہلی ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں شیخ عبدالرحمان اور شیخ عطاء الرحمن (برادران) نے قائم کیا۔ اس مدرسہ کو ایک کالج کی حیثیت حاصل تھی۔ اس مدرسہ میں برصغیر کے نامور علمائے الحدیث نے تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ مولانا عبدالسلام مبارکپوری (م ۱۳۳۲ھ/۱۹۲۳ء) صاحب سیرۃ البخاری۔ مولانا احمد اللہ محدث پر تاب گڑھی (م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۲ء) مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری صاحب مرعاۃ الفاتح (م ۱۳۳۱ھ/۱۹۲۲ء) مولانا نذیر احمد عراقی اطوی (م ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء) اور کئی دوسرے جلیل القدر علمائے کرام نے تدریس فرمائی۔

دارالحدیث محمدیہ، جلالپور پیر والہ

یہ مدرسہ مولانا سلطان محمود محدث (م ۱۳۱۶ھ/۱۹۹۵ء) نے قائم کیا تھا۔ آپ بلند پایہ عالم دین تھے۔ حدیث سے آپ کو خاص شغف تھا۔ بڑے بڑے علماء کرام آپ کے شاگرد ہیں۔ آج کل مولانا محمد رفیع اثری شیخ الحدیث ہیں جو حدیث کے بہت بڑے عالم ہیں اور تصنیف و تالیف میں انہیں خاص ملکہ حاصل ہے۔

دارالحدیث، وزیر آباد

یہ مدرسہ استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالننان محدث وزیر آبادی (م ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۱ء) نے قائم کیا تھا۔ اس مدرسہ سے بے شمار حضرات مستفیض ہوئے۔

دارالعلوم امجدیہ، کراچی

مولانا امجد علی خلیفہ خاص مولانا احمد رضا خاں کے نام پر بنا ہے۔

دارالعلوم تقویۃ الاسلام، امرتسر

۱۲۹۸ھ/۱۸۸۲ء میں سید عبداللہ غزنوی نے وفات پائی۔ تو آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا عبداللہ بن عبداللہ غزنوی ان کے جانشین ہوئے۔ جو ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء میں انتقال کر گئے۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا سید عبدالجبار غزنوی ان کے جانشین ہوئے۔ اور آپ نے مدرسہ غزنویہ کا نام ”تقویۃ الاسلام“ رکھا۔ اس مدرسہ میں جلیل القدر علماء نے تدریسی خدمات سرانجام دیں۔

دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خشک

یہ صوبہ سرحد کا دینی مدرسہ ہے۔ اس کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق سابق استاد حدیث ہیں۔

دارالعلوم کراچی

مولانا مفتی محمد شفیع مؤلف تفسیر معارف القرآن اس کے بانی ہیں۔ مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی سالہا سال یہاں شیخ الحدیث رہے۔ مفتی محمد شفیع کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادگان مفتی محمد رفیع عثمانی اور جسٹس تقی عثمانی جیسی علمی شخصیات کی مساعی جلیلہ سے دارالعلوم ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

مدرسہ احمدیہ، آرہ

یہ مدرسہ ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں مولانا حافظ ابراہیم آروی نے قائم کیا تھا۔ یہ مدرسہ اس دور میں ایک مثالی مدرسہ تھا۔ مولانا آروی نے اس مدرسہ کے لیے جلسہ مذاکرہ علمیہ کے نام سے ایک مجلس بنائی۔ جس کا ہر سال جلسہ ہوتا تھا۔ سید سلیمان ندوی مرحوم لکھتے ہیں: ”مولانا حافظ ابراہیم آروی نے سب سے پہلے عربی مدارس میں اصلاح کا خیال قائم کیا۔“

مولوی ابوحنیفی نوشہروی لکھتے ہیں: ”مدرسہ احمدیہ آرہ اپنے عہد میں الجحدیٹ بہار کی یونیورسٹی تھی۔“ اس مدرسہ میں خود مولانا ابراہیم آروی، مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا سعید بناری، مولانا محمد اسحاق فخر غازی پوری اور مولانا سید نذیر الدین احمد بناری وغیرہم نے تدریسی خدمات انجام

دیں۔ حضرت حافظ عبداللہ غازی پوری نے اس مدرسہ میں ۲۰ سال (۱۳۱۴ھ تا ۱۳۲۲ھ تا ۱۸۹۶ء تا ۱۹۰۶ء) تک تدریس فرمائی۔ اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل علماء میں مولانا عبدالرحمان محدث مبارک پوری صاحب تحفۃ الاحوذی، مولانا عبدالسلام مبارکپوری صاحب سیرت البخاری، مولانا شاہ عین الحق پھلوار دی اور مولانا ابو بکر شیت جون پوری شامل ہیں۔

مدرسہ احمدیہ سلفیہ، دربھنگہ

مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی (م ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء) نے دربھنگہ (بہار) میں مدرسہ سلفیہ کے نام سے ایک دینی درس گاہ قائم کی۔ جب مدرسہ احمدیہ آرہ پر زوال آیا۔ تو اس کو دربھنگہ منتقل کر دیا گیا اور اس کو مدرسہ سلفیہ میں ضم کر کے ”مدرسہ احمدیہ سلفیہ“ کا نام دے دیا گیا۔ جب تک مولانا رحیم آبادی حیات رہے اس مدرسہ کے نگران رہے۔ ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء میں ان کے انتقال کے بعد ڈاکٹر سید محمد فرید مرحوم اس مدرسہ کے نگران مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر فرید مرحوم اپنے علاقہ کی معزز شخصیت تھے۔ بہار اسمبلی کے ممبر بھی رہے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادہ ڈاکٹر سید عبداللطیف مرحوم اس مدرسہ کے نگران مقرر ہوئے۔ یہ مدرسہ اب بھی کتاب و سنت کی اشاعت میں مصروف عمل ہے۔

مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث، ستیانہ بنگلہ فیصل آباد

یہ مدرسہ مولوی حقیق اللہ سلفی نے قائم کیا ہے۔ مولانا عبداللہ احمد چغتوی شیخ الحدیث ہیں اور مولانا عبدالشکور اثری (ساتنگھ بل) نائب شیخ الحدیث ہیں۔ طلباء کی تعداد ۲۷ کے قریب ہے۔

مدرسہ حمیدیہ، سوہدرہ

یہ مدرسہ مولانا عبدالحمید سوہدروی (م ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء) نے قائم کیا تھا۔ اس مدرسہ میں آپ کے علاوہ آپ کے والد بزرگوار مولانا غلام نبی الربانی (م ۱۳۳۸ھ/۱۸۳۲ء) بھی تدریس فرماتے رہے۔ اس مدرسہ سے کئی حضرات فارغ التحصیل ہوئے۔

مدرسہ چشمہ رحمت، غازی پور

مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور مولانا رحمت اللہ لکھنوی (م ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء) نے قائم کیا تھا

اور مولانا حافظ عبداللہ غازی پور (م ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء) نے ابتدا کی تعلیم اسی مدرسہ سے حاصل کی تھی۔
 (۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) میں حافظ عبداللہ غازی پوری حجاز مقدس گئے اور حج بیت اللہ سے شرف ہوئے۔
 واپس آنے کے بعد مدرسہ چشمہ رحمت غازی پوری میں مدرس مقرر ہوئے۔ اور چھ سال تک (۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء) اس میں تدریس فرمائی۔

مدرسہ رحیمیہ، دہلی

(۱۰۷۰ھ) میں شاہ ولی اللہ دہلوی کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی (م ۱۱۳۱ھ) نے دہلی میں ”مہندویوں“ کے محلہ میں قائم کیا۔ اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اس مدرسہ کے سب سے ممتاز طالب علم جنہوں نے برصغیر میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) تھے۔ (۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء) میں شاہ عبدالرحیم نے وفات پائی تو ان کے بعد امام شاہ ولی اللہ دہلوی ان کی مسند تدریس پر متمکن ہوئے۔ اور ۱۲ سال تک اس مدرسہ میں علوم دینی و عقلی کی تعلیم دی۔ (۱۱۳۳ھ/۱۷۳۰ء) میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔ اور ایک سال حرمین شریفین میں قیام کے بعد واپس تشریف لائے اور دوبارہ مدرسہ رحیمیہ میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ ۳۳ سال تک درس و تدریس، تجدید احیائے دین اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ (۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) میں آپ کے انتقال کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی آپ کے جانشین ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۷۱ سال تھی۔ آپ نے مدرسہ میں ۶۰ سال تک درس دیا اور علم حدیث جسے حضرت شاہ ولی اللہ نے از سر نو برصغیر میں رائج کیا تھا اس کا فیض ملک میں عام کیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے علاوہ آپ کے برادران حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی (م ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء) حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی (م ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء) اور حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی (ت ۱۲۷۷ھ/۱۸۱۲ء) نے بھی اس مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

مدرسہ سعیدیہ، بنارس

یہ مدرسہ ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں مولانا محمد سعید محدث بنارس (ت ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) نے قائم

کیا تھا۔ اس کے دورِ اوّل میں تھا مولانا محمد سعید مرحوم اس مدرسہ میں تدریس فرماتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادہ مولانا ابوالقاسم سیف بخاری (ت ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء) مدرسِ اوّل مقرر ہوئے اور آپ نے اپنے انتقال تک اس مدرسہ میں تدریس فرمائی۔ ان کے علاوہ اس مدرسہ میں مولانا سید نذیر الدین احمد بخاری (م ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء) مولانا حکیم عبد المجید بخاری وغیرہ نے بھی تدریس فرمائی اس مدرسہ میں سے سائنسین اضلاع یوپی، بہار و بنگال کے بے شمار حضرات مستفیض ہوئے۔ مشہور علماء میں مولانا ابومسعود قمر بخاری، مولانا عبدالرحمان بخاری، قاری احمد سید بخاری اور مولانا عبدالآفر بخاری شامل ہیں۔

مدرسہ علی جان، دہلی

یہ مدرسہ دہلی کے ایک رئیس حاجی علی جان نے ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء میں مولانا محمد بشیر سہوانی (م ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) کی تحریک پر قائم کیا۔ اس مدرسہ میں خود مولانا محمد بشیر سہوانی، مولانا عبدالرحمن شاہ پوری، مولانا احمد اللہ محدث پر تاب گزشتہ اور مولانا عبدالسلام بستوی نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس مدرسہ میں سب سے زیادہ تدریسی خدمات مولانا عبدالرحمان شاہ پوری نے انجام دیں۔ آپ کی مدت تدریس ۴۰ سال ہے۔

مدرسہ محمدیہ، گوجرانوالہ

یہ مدرسہ ۱۳۳۰ھ/۱۹۲۱ء میں شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی (م ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۸ء) نے قائم کیا۔ اس مدرسہ میں مولانا سلفی مرحوم کے علاوہ مولانا حافظ محمد گوندلوی (م ۱۳۵۵ھ/۱۹۸۵ء) اور مولانا محمد عبداللہ نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ آج کل مولانا عبدالمنان نور پوری شیخ الحدیث ہیں۔

مدرسہ محمدیہ، بکھو کے

یہ مدرسہ مولانا حافظ محمد بن باریک اللہ لکھوی (م ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء) نے (۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء) میں قائم کیا تھا۔ اس مدرسہ میں حافظ محمد لکھوی کے علاوہ آپ کے صاحبزادہ مولانا محی الدین عبدالرحمان لکھوی (م ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۳ء) اور سید محمد مولانا عبدالقادر لکھوی (م ۱۳۳۲ھ/۱۹۲۳ء) اور ان کے

صاحبزادے مولانا عطاء اللہ لکھوی (م ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء) نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس مدرسہ سے بے شمار حضرات مستفیض ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد میں یہ مدرسہ اداکارہ خٹل ہو گیا۔

مدرسہ شاہ محمد اسحاق، دہلوی

مدرسہ رحیمہ دہلی کے دورِ اوّل میں حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی مدرسہ کے اول مدرس تھے۔ دورِ ثانی میں حضرت شاہ ولی اللہ مدرسہ کے مہتمم اور اوّل مدرس تھے۔ دورِ ثالث میں حضرت شاہ رفیع الدین، حضرت شاہ عبدالقادر، اور حضرت شاہ عبدالغنی اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی مدرسہ رحیمہ کی مسند تدریس پر فائز رہے۔ حضرت شاہ رفیع الدین، حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شاہ عبدالغنی رحمہم اللہ اچھین دورِ رابع تک مسند نشین رہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز نے (۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء) میں وفات پائی۔ تو ان کے بعد ان کے نواسہ حضرت شاہ محمد اسحاق بن شیخ محمد افضل فاروقی (ت ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۲ء) مدرسہ رحیمہ کے مسند تدریس پر فائز ہوئے۔ ان کا دور مدرسہ رحیمہ کا دورِ خامس کہلاتا ہے۔

مدرسہ مظہر العلوم شالدرہ، کوئٹہ

۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں قائم ہوا۔ مولانا عبدالغفور صاحب شاگرد حضرت حسین احمد مدنی اس کے بانی مہتمم اور پہلے شیخ الحدیث ہیں۔ اب مولانا عبداللہ اجیری شیخ الحدیث کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

مدرسہ میاں صاحب، دہلی

۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء میں حضرت شاہ محمد اسحاق نے مکہ معظمہ ہجرت کی۔ تو ان کی مسند تدریس کے وارث شیخ اکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی (ت ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) ہوئے۔ مگر آپ نے مدرسہ رحیمہ کی بجائے مسجد پھانک جشن خاں دہلی میں اپنی تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور ۶۲ سال تک آپ اس مسجد میں تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس دیتے رہے۔ اس ۶۲ سال میں بے شمار حضرات آپ سے مستفیض ہوئے۔ ان کا شمار ممکن نہیں۔

برصغیر میں اسالیب تدریس حدیث

حدیث کی اہمیت و مقاصد

درس و تدریس انسانی زندگی کی اہم ضرورت ہے۔ کسی بھی قوم کی بھلا کا انحصار درس و تدریس پر ہے۔ اس لیے اسلام سے قبل بھی مراکز درس و تدریس کا وجود ملتا ہے اور اسلام نے بھی اس شعبہ زندگی کو ایک نمایاں حیثیت دی ہے۔ اسلامی معاشرے میں علم کا حاصل کرنا اور اس کا پھیلاؤ تحسین کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ اسلام کے بنیادی علوم علم القرآن و علم الحدیث کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔ اس لیے اس اساس دین (علم الحدیث) کو مسلم معاشرے میں درس و تدریس کے نقطہ نظر سے خاص اہمیت حاصل ہے۔

درج ذیل مقاصد کے پیش نظر تدریس حدیث کا سلسلہ جاری ہے تاکہ ایمان بالرسول کے تقاضے پورے ہوں اور حدیث کے ذریعے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی سے عقیدت و محبت پروان چڑھے:

- ۱- قلمت خانہ دل کو نور علم و عرفاں سے منور کرنا۔
- ۲- الحاد و دہریت، کفر و شرک کی بادِ سوم سے شمع ایمانی کو محفوظ رکھنا۔
- ۳- ضلالت اور جہالت کے پردے چاک کرنا۔
- ۴- سستی انسانیت کو اس کا حق دینا۔
- ۵- بدعات و خرافات سے بچانا۔
- ۶- کورانہ تقلید کی جکڑ بند یوں سے نجات دلانا۔
- ۷- بھٹکے ہوئے انسانوں کی جبین نیاز کو در حق پر سجدہ ریز ہونے کا شعور اجاگر کرنا (۵۶۲)۔

درس و تدریس حدیث کا ارتقائی جائزہ

مسلم تہذیب کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ تدریس حدیث نے بھی ارتقائی مراحل طے کیے۔

اگرچہ اس کی ابتدا و اہرام سے ہوئی۔ جہاں مطالعہ قرآن کے ساتھ اس کے مطالب و احکام کی تشریح و توضیح اور تفسیر نبی اکرم ﷺ خود کراتے تھے۔ یوں یہ ابتدائی درس گاہ مطالعہ کتاب و سنت کا اولین مرکز تھی۔ مکہ کی فضا مکدر ہونے کی وجہ سے اس سلسلہ تدریس میں اگرچہ زیادہ پیش رفت نہ ہوئی تاہم مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ساتھ مسجد نبوی کے گوشہ میں صفہ سے آپ ﷺ نے حدیث کے درس و تدریس کے سلسلے کا آغاز فرمایا اور جلد ہی صفہ قرآن و حدیث کی ایک اقامتی یونیورسٹی کی صورت اختیار کر گیا۔

صفہ اسلام کا پہلا مستقل ادارہ ہے جس کے معلم اعظم خود جناب رسول اکرم ﷺ کی ذات بابرکات ہے اور تمام صحابہ جن کے ذریعے سے آپ ﷺ کے ارشادات ہم تک پہنچے ہیں۔ وہ اس ادارہ کے فارغ التحصیل طلباء تھے۔ صفہ کو ایک ایسے سرچشمہ کی حیثیت حاصل تھی جس سے بے شمار چشمے نکلے اور اطراف و جوانب کی زمین کو سیراب کر کے اقوال نبی ﷺ سے سرسبز و شاداب بنا دیا۔

خلافت راشدہ میں تدریس حدیث کا عمل نہ صرف جاری رہا بلکہ ترویج و ترقی کی منازل بھی طے کرتا رہا۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں حکومت نے بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے مدارس قائم کیے اور تنخواہ دار مدرسین کا تعین کیا۔

دور اموی میں اس تدریجی و ارتقائی عمل میں خوب ترقی ہوئی۔ نامور علماء، مفسرین، محدثین اور ماہرین فن پیدا ہوئے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے ساتھ کوفہ، بصرہ، دمشق، اسکندریہ اور دوسرے بڑے بڑے شہر علمی مراکز قرار پائے اور لوگ دور دراز سے حصول علم کے لیے یہاں آتے تھے۔

عباسی دور چونکہ علم و عرفان کے عروج و ارتقاء کا سنہری دور ہے اس لئے قرآن و حدیث کے علوم نے بھی خوب ترقی کی۔ بیشتر عباسی خلفا خود بھی عالم تھے اور علما کی خوب قدر دانی کرتے تھے۔ ہارون الرشید اور مامون الرشید اس اعتبار سے قابل ذکر ہیں۔ عباسی خلفا نے مدارس کی سرپرستی میں بڑی فیاضی دکھائی۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے دور میں علوم و فنون کی تحقیق اور تدریس کے لیے بڑے بڑے ادارے قائم ہوئے۔

برصغیر پاک و ہند کے باشندے ابتدائی صدی ہجری میں اسلام سے آشنا ہو گئے تھے اور اسی

زمانے میں یہاں اسلامی تعلیم کا آغاز بھی ہو گیا تھا۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ محمد بن قاسم، موسیٰ بن یعقوب ثقفی کو پنجاب کے گرد و نواح میں درس حدیث کے لئے متعین کر چکے تھے (۵۶۳)۔

اس کے بعد مختلف ادوار میں حالات کے مطابق اس میں تبدیلی ہوتی رہی۔ اس خطہ ارض میں بے شمار علمائے مدرسہ قائم کیے اور درس و تدریس کی مسندیں بچھائیں یہاں سے متعدد ملوک و سلاطین نے بھی اس میں پوری دلچسپی لی۔ سرکاری حیثیت سے اہل علم کو تدریسی خدمات انجام دینے پر مامور کیا گیا۔ اس طرح طلباء کی علمی و فکری تربیت کے لیے وہ تمام وسائل اختیار کیے گئے جن کا اختیار کرنا وقت کے تقاضوں کے مطابق ضروری تھا۔

اجمالی طور پر چند ایک نام پیش خدمت ہیں: نامور تابعی اسید بن اخس اشجی (۵۶۳)، ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ البصری (۱۵۵ھ) (۵۶۵)، ابو عبد الملک محمد بن ابی محضر السندی (۲۷۷ھ) (۵۶۶)، ابو العباس محمد بن احمد بن عبد اللہ دہلی (۳۳۵ھ) (۵۶۷)، ابو داؤد سیبویہ بن اسماعیل بن داؤد خضداری (۳۶۳ھ)، (۵۶۸) شیخ محمد اسماعیل بخاری لاہوری (۳۳۸ھ) (۵۶۹)، ابو الحسن علی بن عمرو بن حکم لاہوری (۵۲۹ھ) (۵۷۰)، ابو الفضل رضی الدین الحسن بن محمد البغافانی (۶۵۰ھ) (۵۷۱)، نظام الدین بدایونی (۷۲۵ھ) (۵۷۲)، ابن فہد عتقی بن عبد الرحمن بن ابی الخیر الهاشمی (۸۳۳ھ) (۵۷۳)، شیخ علی البغوی الہندی (۹۸۶ھ) (۵۷۴)، شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) (۵۷۵)۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) (۱۱۷۶ھ) اور ان کے خاندان کے کامند حدیث بچھانا اور اس سے برصغیر میں ہر طرف فیض جاری ہونا ہر کس پر عیاں ہے طوالت مقالہ کے خوف سے ان ارتقائی مراحل کو دہرانا زیادہ سودمند دکھائی نہیں دیتا۔ نامور شخصیات کی تدریس حدیث پر الگ سے گفتگو میں یہ خلا قدرے بڑھ جاتا ہے۔

برصغیر میں رائج نصاب تعلیم

تعلیم و تدریس میں سب سے اہم اور قابل توجہ نصاب ہوتا ہے کیونکہ ”نصاب تعلیم کا صحیح ہونا کسی قوم کو تعلیمی ترقی کی اعلیٰ منازل تک لے جاسکتا ہے لیکن ایک غلط نصاب تعلیم اس کے اعلیٰ دماغوں کو منتشر اور پریشان کر دیتا ہے“ (۵۷۶)۔ نصاب تعلیم کی اہمیت و کردار کے پیش نظر اسلامی مدارس کے

نصاب تعلیم میں جمود و قہطل کبھی نہیں رہا۔ وقت اور ماحول کے لحاظ سے اس میں تبدیلیاں تدریجاً ہوتی رہی ہیں۔ کتابوں میں بھی تغیر ہوا اور فنون میں بھی۔ تفسیر، حدیث، فقہ و اصول، بلاغت، ادب، صرف اور نحو وغیرہ اس کے خاص فنون تھے۔

امام غزالی (م ۵۰۵ھ) نے قبل تک علوم عقلیہ کا قاعدہ نصاب تعلیم میں داخل نہیں تھے۔ بلکہ علوم شرعیہ کے معارض و مخالف تصور کیے جاتے تھے۔ امام غزالی نے اس ذہن و فکر کی نہایت سختی کے ساتھ تردید کی اور بتایا کہ علوم عقلیہ شرعی علوم کے بہت زیادہ مدد و معاون بن سکتے ہیں۔ نصاب تعلیم میں یہ پہلی سب سے بڑی تبدیلی تھی جو پانچویں صدی ہجری میں عمل میں آئی۔ ہندوستان میں قائم مدارس اسلامیہ کا نصاب تعلیم بھی تقریباً اسی طرز پر تھا اور یہی فنون تفسیر، حدیث، فقہ و اصول، بلاغت، ادب، صرف و نحو، منطق و فلسفہ، کلام و تصوف زیر درس تھے۔ اس نصاب میں بارہویں صدی ہجری میں جا کر تبدیلی ہوئی جب ملا نظام الدین فرنگی نخلی (م ۱۱۶۱ھ) نے ضرورت اور حالات کے تقاضوں کے پیش نظر ایک نیا نصاب مرتب کیا جو درس نظامی کے نام سے جانا جاتا ہے (۵۷۷)۔

برصغیر کے نصاب کو مولانا سید عبدالحی نے چار اور ابوالحسنات ندوی نے پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ جن کے مطابق دو راؤل جو کہ بارہویں صدی عیسوی اور پندرہویں صدی عیسوی کے درمیان تقریباً دو سو سال تک رائج رہا۔ اس میں علاوہ دیگر مضامین کے حدیث میں صرف مشارق الانوار اور مصابیح السنہ شامل نصاب تھیں۔

دو سو دوں کا آغاز ۱۲۸۹ء میں سکندر لودھی کی تخت نشینی سے ہوتا ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) پر ختمی ہوتا ہے۔ اس دور میں بھی ”مشارق الانوار“ اور ”مصباح السنہ“ ہی شامل نصاب رہیں۔ بقول پروفیسر مختیار حسین صدیقی ”حدیث سے بے اعتنائی کا وہی عالم رہا“ (۵۷۸)۔

دو سو سوم کا آغاز ۱۵۸۳ء میں سیر فتح اللہ شیرازی (م ۹۹۷ھ/۱۵۸۸ء) کی اکبر (م ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) کے دربار میں آمد سے ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) اس دور کے آخری لیکن سب سے زیادہ نامور عالم تھے۔ اس دور میں مکتوٰۃ المصابیح (کھل)، شمائل ترمذی (کھل) اور صحیح بخاری (کچھ حصہ) شامل نصاب تھا۔ اس دور میں حدیث کی کتب دو سے بڑھ کر تین ہو گئیں۔ مشارق

الاولاء کی جگہ شامل ترمذی اور صحیح بخاری نے لے لی (۵۷۹)۔

دور چہارم بارہویں صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے اور تقریباً عہد مغلیہ کے خاتمے تک جاری رہا۔ اس دور میں صرف مشکاة المصابیح شامل نصاب تھی۔

دور پنجم ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت ختم ہونے پر ۱۸۵۷ء کے بعد شروع ہوا اور سابقہ نصاب میں اضافہ ہوا جس میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، مؤطا، سنن ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ شامل نصاب ہوئیں۔

مولانا ابوالحسنات ندوی کے الفاظ میں ”یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اس نصاب میں منطق (منطقی، کبریٰ، ایساغوجی، قال اقول۔۔۔ ۱۹ کتابیں) کی جتنی کتابیں داخل ہیں وہ علی العموم ہر درس گاہ میں پڑھائی جاتی ہیں۔ بخلاف اس کے ادب و حدیث کی جو کتابیں مندرج ہیں وہ ہر جگہ نہیں پڑھائی جاتی ہیں۔۔۔ حدیث کے لیے دیگر کتب درسیہ سے فارغ ہونے کے بعد ایسے مقامات کا سفر کرنا پڑتا ہے جہاں حدیث کے پڑھانے والے مل سکیں۔ اس بنا پر میرے خیال میں اسی نصاب درس سے جو عموماً مدارس عربیہ میں رائج ہے عملاً حدیث و ادب کی مذکورہ بالا کتابوں کو خارج ہی سمجھنا چاہیے (۵۸۰)۔

مدارس دینیہ کا جدید نصاب تعلیم

مدارس دینیہ میں رائج الوقت نصاب کا جائزہ لیتے وقت ہم برصغیر کے نمائندہ اداروں کے حوالے سے حاصل کردہ معلومات پیش کر رہے ہیں۔

مدارس دیوبند کا نصاب

دیوبندی مکتب فکر کی بنیادی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کے گیارہ سالہ درجات عربیہ کے نصاب میں صرف سال ہفتم اور سال ہشتم میں حدیث اور اصول حدیث کو شامل کیا گیا ہے۔ سال ہفتم میں حدیث (مشکوٰۃ شریف مکمل) اور اصول حدیث (شرح نخبۃ الفکر مکمل) پڑھائی جاتی ہے۔ سال ہشتم میں دورہ حدیث کے نام پر نسائی، ابن ماجہ، ترمذی شریف، بخاری شریف، ابوداؤد شریف، مسلم شریف، شامل ترمذی، طحاوی شریف، مؤطا امام مالک اور مؤطا امام محمد شامل نصاب ہیں (۵۸۱)۔

جامعہ نعیمیہ کا نصاب

بریلوی کتب فکر کی اہم ترین درس گاہ جامعہ نعیمیہ لاہور کے نصاب میں سال پنجم میں مشکوٰۃ اور سال ہفتم میں بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی، ابوداؤد، طحاوی، نخبۃ الفکر، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ شامل ہیں (۵۸۲)۔

اہل حدیث مدارس کا نصاب

مدارس سلفیہ میں دیگر نصاب کے ساتھ ساتھ الٹانویہ العامہ نمبر ۱ میں بلوغ المرام ابتداء سے کتاب الحج تک اور کتاب الآداب پڑھائی جاتی ہے۔ اور اصطلاح حدیث میں محمد ادریس بکرامی کا رسالہ اصول الحدیث پڑھایا جاتا ہے۔ جبکہ الثانیہ العامہ نمبر ۲ میں مشکوٰۃ المصابیح نصف اول اور اصطلاح حدیث میں مولانا سلطان محمود محدث جلال پور پیر والا کی کتاب ”اصطلاحات الحدیث“ اور شیخ عبدالحق کی ”مسطحات الحدیث“ پڑھائی جاتی ہے۔ اور الٹانویہ العامہ نمبر ۱ میں مشکوٰۃ المصابیح نصف ثانی اور سنن نسائی پڑھائی جاتی ہے جبکہ معطل الحدیث میں مؤلف بہ من اطیب العنع پڑھائی جاتی ہے۔ اور الٹانویہ العامہ نمبر ۲ میں حدیث میں سنن ابی داؤد جبکہ معطل الحدیث میں ڈاکٹر محمود طحان کی ”تیسیر معطل الحدیث“ پڑھائی جاتی ہے۔ اسی طرح درجہ العالیہ نمبر ۱ میں سنن ترمذی اور حافظ ابن حجر کی ”شرح نخبۃ الفکر“ پڑھائی جاتی ہے۔ جبکہ العالیہ نمبر ۲ میں الجامع الصحیح مسلم اور مؤطا امام مالک پڑھائی جاتی ہے اور حجتہ الحدیث میں ڈاکٹر مصطفیٰ سہابی کی ”السنۃ ومکانتها فی التشريع الاسلامی“ پڑھائی جاتی ہے اور العالیہ نمبر ۱ میں الجامع الصحیح للبخاری اور العالیہ نمبر ۲ میں جرح وتعدیل، نقد حدیث، تاویل مختلف الحدیث اور اسماء الرجال پڑھائے جا۔ یہ ہیں (۵۸۳)۔

مدارس کے درج بالا نصاب سے صاف عیاں ہے کہ احتاف کے مدارس خواہ ویو بندی ہوں یا بریلوی ہر دو کے ہاں حدیث کا نصاب رسوخ فی الحدیث پیدا کرنے والا نصاب نہیں ہے۔ کیونکہ ایک سال کے دورہ سے صرف کتب حدیث کی ورق گردانی ہی ممکن ہوتی ہے نہ کہ درک فی الحدیث۔ ان مدارس کے نصاب پر عقلیات اور فقہ و اصول فقہ کی کتابوں کا غلبہ ہے اسی لیے حدیث کے میدان میں بات سلی ہی رہ جاتی ہے۔ مطالعہ حدیث کو مرکزی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ ان کے بالمقابل اہل حدیث

مدارس میں پہلے سال سے ہی حدیث کے چھوٹے چھوٹے مجموعے شامل نصاب کر دیے جاتے ہیں اور ہر سال متن حدیث میں کوئی ایک کتاب تفصیلی طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ ساتھ ساتھ اصول حدیث پر مختلف کتابوں کی تدریس بھی جاری رہتی ہے۔ جس سے اہل حدیث مدارس کے طلباء میں حدیث سے واقفیت دیگر مدارس کے طلباء کی نسبت کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

سرکاری اداروں میں تدریس حدیث

سرکاری تعلیمی اداروں میں کالج کی سطح پر ایف اے (اسلامیات اختیاری) کے نصاب میں اربعین نووی شامل نصاب ہے جبکہ B.A (اسلامیات اختیاری) میں ساٹھ (۶۰) منتخب احادیث شامل نصاب ہیں۔ یونیورسٹی کی سطح پر ایم اے اسلامیات میں حدیث کا ایک مکمل پرچہ شامل نصاب ہوتا ہے۔ جس میں اصول حدیث، تاریخ حدیث اور متن حدیث کے حوالے سے ہر یونیورسٹی کا اپنا اختیار کردہ مواد شامل نصاب ہوتا ہے جبکہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں ایم اے سال اوّل کے بعد سال دوم میں بھی حدیث کا مکمل پرچہ شامل ہے۔ مزید برآں حدیث کے دو اختیاری پرچے بھی نصاب کا حصہ ہیں (۵۸۴)۔

الحمد للہ ہماری یونیورسٹی یعنی جامعہ اسلامیہ، بہاولپور نے ایک خاص قدم اٹھایا ہے اور ہمارے ہاں ایم اے حدیث و سیرت کے نام سے الگ سے کلاسز کا اجراء ہو چکا ہے۔ جس کا نصاب قابل دید ہے کیونکہ حدیث کے پرچہ جات کے علاوہ تفسیر، فقہ، عربی زبان و ادب کے پرچہ جات کا نصاب بھی حدیث کی روشنی میں تیار کیا گیا ہے۔ اس نصاب میں اصول حدیث، تاریخ حدیث، متون حدیث کا جدید خطوط پر موضوعاتی مطالعہ شامل کیا گیا ہے۔ جس کے لیے حدیث کی اہمات الکتاب میں سے صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، کتاب لا تارامام محمد، شرح معانی لا تارامام طحاوی، سنن داری، شمائل ترمذی، سنن شافعی اور صحیح ابن حبان میں سے ابواب کا انتخاب کیا گیا ہے (۵۸۵)۔ یوں تدریس حدیث کے حوالے سے جملہ کتب حدیث زیر درس آتی رہتی ہیں۔

ایم فل کے نصاب میں علوم الحدیث کے نام سے ایک پرچہ پڑھایا جاتا ہے (۵۸۶) اور پی

ایچ ڈی کی سطح پر خدمات محدثین کے حوالے سے مقالہ جات لکھے گئے ہیں یا لکھے جا رہے ہیں۔ جن میں علاوہ ان کی دیگر خدمات کے تدریسی خدمات کا بھی جائزہ لیا جاتا ہے۔

تدریسی اسالیب

برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس میں تعلیم کا جو طریقہ رائج ہوا وہ مطالعہ، قراۃ و سماع، مباحثہ، اعادے، پڑھانے کی مشق اور امالی کے چھارکان پر مشتمل تھا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ مطالعہ

نوذ متحرکی پر مبنی اس تعلیم کا پہلا اصول مطالعہ کا اصول تھا پشگرد کے لیے ضروری تھا کہ وہ درس سے پہلے خود کتاب کا بنظر غائر مطالعہ کرے۔ اپنی قوت فکر کو حرکت میں لائے اور کتاب کی عبارت کو سمجھنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ بقول محس الدین عیسیٰ بن عیسیٰ، صاحب سیر الاولیاء، ”شبہات و قیود“ کی تحقیق کرے۔ شبہات و قیود کی اس ”تحقیق“ کا نام مطالعہ تھا۔ مسئلے کے بیان کرنے میں مصنف کتاب نے جو طریقہ بیان اختیار کیا ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ پر غور کرنا، اس پر جو اعتراضات ہو سکتے ہوں ان کو پیدا کرنا۔ اسی کا نام ”شبہات“ تھا۔ بیان کس قدر جامع و مانع ہے اس کو جانچنا۔ اس کے لیے جن قیود اور شرائط کے الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے ان کو پرکھنا۔ کتاب کی عبارت کے سوا خود مسئلے میں جو چھیدمگیاں ہوں ان کو خود سلجھانا اور اگر مشکل پیش آئے تو استاد سے رجوع کرنا۔

مفتی رکن الدین نے مولانا انوار اللہ خاں حیدر آبادی کی سوانح عمری، مطلع الانوار میں طالب علمی کے زمانے میں ان کے مطالعے کا طریقہ خود ان کے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے: ”ہم کوشش کرتے تھے کہ مضمون کسی صورت سے مطالعے میں حل ہو جائے طریقہ یہ تھا کہ پہلے عبارت و ترجمہ کی جانب توجہ کی جاتی تھی جو نئے الفاظ آتے تھے، ان کو لغت کی مدد سے حل کیا جاتا۔ پھر مطلب کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی۔ اگر ایک دفعہ مضمون حل نہ ہوتا تو دوبارہ بارہا سہ بارہ سعی کی جاتی اگر کوئی اتنا ہی مشکل مضمون ہوتا جو سعی ہیہم کے باوجود سمجھ میں نہ آتا تو دل میں ایک خلش رہتی جب استاد (مولانا عبدالحی فرنگی نعلی) کے سامنے سبق شروع ہوتا تو بجز شبہات کے جو مطالعے میں حل نہ ہو سکے ہوں اور کوئی بات دریافت طلب نہ رہتی۔ یہی وجہ تھی کہ روزانہ کئی صفحے درس ہوتا تھا۔“

”مطالعے کے سلسلے میں صرف لغت سے استفادہ کرنے کی اجازت تھی۔ طلباء کو سختی سے پابند کیا جاتا تھا کہ مطالعے کے وقت وہ کسی تشریحی نوٹ یا حواشی سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ کسی طالب علم کے متعلق اگر استادوں کو محسوس ہو جاتا کہ یہ مطالعے کے وقت حاشیہ وغیرہ دیکھنے کا عادی ہے تو اس سے سخت ناراضگی کا اظہار کیا جاتا“ (۵۸۷)۔ یہ تھا مطالعے کا وہ طریقہ جس کے ذریعے قوت فکرو فہم کی نشوونما کی جاتی تھی اور جسے تعلیم کا اصل مقصود سمجھا جاتا تھا۔ مدارس دینیہ میں تا حال یہ مشق جاری ہے۔

۲۔ سماع و قرات

برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس میں درس کا جو طریقہ رائج ہوا وہ ”قراءت“ کا طریقہ تھا۔ استاد کتاب کی قراءت کرتا اور طلباء اسے غور سے سنتے تھے۔ بعض اوقات طالب علم قراءت کرتا اور استاد دستا تھا اور تلفظ کی غلطیوں کی تصحیح کرتا جاتا تھا۔ ”قراءت“ کے دوران طلباء اپنے ہلکے رفع کرنے کے لیے جو مطالعے کے وقت ان کے ذہن میں پیدا ہوتے، سوال بھی کرتے رہتے تھے اور روزانہ کئی صفحے درس ہوتا تھا۔ کیونکہ جب استاد کے سامنے سبق شروع ہوتا تو بجز شبہات کے جو مطالعے میں حل نہ ہو سکے ہوں اور کوئی بات دریافت طلب نہ رہتی (۵۸۸)۔ استاد کے پڑھنے کو آگے بیان کرنے کے لئے سماع اور شاگرد کے پڑھنے کو قراءت کہتے ہیں۔

برصغیر میں اس کی مثال سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی کا مولانا محمد اسحاق شاہ سے حدیث پڑھنے کے حوالے سے صحیح بخاری و صحیح مسلم پڑھنے کا یہ دستور تھا کہ ایک دن پہلے شام کو مولوی رحمت اللہ بیک کے ساتھ مولانا عبدالحق سے وہی سبق پڑھ لیتے تھے جو اگلے روز مولانا محمد اسحاق کے درس میں پڑھنا تھا اور صبح کو مولانا محمد اسحاق صاحب کے درس میں شریک ہوتے تو صرف ساعت کرتے اور اگر کوئی شبہ باقی رہ جاتا تو اس کو حل کراتے۔ اس لیے شاہ محمد اسحاق صاحب کے حلقہ میں ان کو قراءت کا اتفاق کم ہوا اور ساعت کا زیادہ اور اس کی طرف شاہ صاحب نے اُن کی سند میں اشارہ کیا ہے۔ حیث قال، سمع منی الاحادیث الکثیرہ (۵۸۹) (انہوں نے مجھ سے بہت سی احادیث سنی)۔ اسی طرح الشیخ، شمس الحق ڈیلانی کی قراءۃ علی الشیخ سید نذیر حسین دہلوی، ابو داؤد ابتداء سے کتاب البناؤ تک ہوئی (۵۹۰)۔ مولانا عبد الرحمن مبارکپوری فرماتے ہیں: فاجازنی بہ وبجميع ما قرأت علیہ

من کتب الحدیث وغیرہا (۵۹۱) (کتب حدیث وغیرہ جو میں نے ان سے پڑھیں۔ ان کی مجھے انہوں نے اجازت دی)۔ اسی طرح حافظ محمد گوندلوی صاحب کے متعلق ہے: قرأ علی مولانا الشیخ عبدالاول بن محمد بن عبداللہ الغزنوی بلوغ المرام واكثر المشکوۃ مع حفظه عن ظهر قلبه (۵۹۲) (انہوں نے مولانا شیخ عبدالاول بن محمد بن عبداللہ غزنوی کے پاس بلوغ المرام اور مشکوٰۃ کا کافی حصہ پڑھ کر زبانی یاد کیا)۔

حدیث نعمت کے طور پر عرض گزار ہوں کہ عالم عرب کی نامور شخصیت صلاح الدین الادلبی پر تاجیز نے المدخل للحاکم کی قراءت کی تھی اور امام ذہبی کی اصول حدیث پر کتاب الموقظہ کی قراءت برطانیہ میں شیخ محمد سعید بادجی ندوی پر کی۔

مولوی امجد علی (اعظمی انصاری) نے سال بھر میں صحاح ستہ، مسند شریف، کتاب الآثار شریف، مؤطا شریف طحاوی شریف کا قراءت و سماعت درس حاصل کر کے اعلیٰ درجہ کا امتحان دیا (۵۹۳)۔

۳۔ مباحثہ

قدیم درس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ”گوٹھا درس“ نہ تھا۔ یعنی ایسا درس جس میں استاد بولے اور شاگرد کان لگا کر خاموش ہو کر صرف سنے یا لکھے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ علم ایک خزانہ ہے اور اس خزانے کی کنجی سوال ہے۔ اس لیے سوال کرنا فرداً فرداً ہر طالب علم کے لیے لازم تھا۔ اگر کوئی طالب علم چند دن بھی چپ رہتا تو استاد فوراً اس کی طرف متوجہ ہو جاتا اور اسے سوال کرنے پر مجبور کرتا اور اس طرح درس ”بحث و تحقیق“ کی ایک محفل بن جاتا جس میں ہر طالب علم بڑی سرگرمی سے حصہ لیتا۔ مطالعہ اور مباحثہ طالب علم کے دو ضروری جزو تھے۔ طلبا مطالعہ کرتے ہیں یا نہیں۔ اساتذہ اس کی باقاعدہ نگرانی کرتے تھے اور اس کا پتہ ”طریق بحث“ سے چل جاتا تھا۔ مباحثہ شاگرد کی خود ترقی کے مدارج ترقی کا مقیاس تھا (۵۹۴)۔ بطور مثال ہم حافظ محمد گوندلوی صاحب کے درس حدیث کا اس پہلو سے جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے ”دوران درس طلبہ جس قدر بھی سوالات کرتے آپ ان کے تسلی بخش جوابات عنایت فرماتے۔ ان میں سے کچھ سوالات موضوع سے غیر متعلق بھی ہوتے مگر آپ خندہ پیچانی سے ان کے بھی جوابات دیتے مقصد یہ تھا کہ طلبا کو مسائل کا محتذہ ذہن نشین ہو جائیں اور کسی قسم کا شک و

شبہ باقی نہ رہے (۵۹۵)۔

مدارس دینیہ و سرکاری اداروں میں دورانِ تعلیم طلبا کو یہی حق سب سے زیادہ دیا جاتا ہے کہ وہ بھرپور بحث و مباحثہ میں حصہ لیں تاکہ ان کے شکوک و شبہات دور ہوں اور ان کی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آئیں۔

۴۔ اعادہ یا تکرار

قدیم درس کی ایک اور خصوصیت سبق کو دہرانے کا اہتمام تھا جسے پہلے اعادہ کہتے تھے۔ لیکن بعد میں جس کا نام تکرار پڑ گیا۔ ”اس زمانے میں نامور علماء کے ہاں معمول تھا کہ جب وہ درس دے چکے تھے تو شاگردوں میں سے جو سب سے زیادہ لائق ہوتا تھا وہ باقی طالب علموں کو دوبارہ درس دیتا تھا اور استاد کے بتائے ہوئے مضامین کو اچھی طرح ذہن نشین کراتا تھا۔ یہ منصب جسے حاصل ہوتا تھا اسے معید کہتے تھے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں اعادے کے اس دستور کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔ اور اس (استاد) کے دائیں اور بائیں دو معید بیٹھے ہیں جو ان لیکچروں کو دہراتے ہیں، جسے استاد شاگردوں کو دیتا ہے۔“ اعادے کے اس دستور کے دو فائدے تھے طالب علم اگر سبق کا کوئی حصہ بھول جاتا تو اس سے یہ کی پوری ہو جاتی۔ اس کے علاوہ درس کے جو نقوش ذہن پر ثبت ہوتے وہ اس طرح واضح اور گہرے ہو جاتے کہ کمزور اور ذہین طلبا دونوں اس سے یکساں طور پر مستفید ہوتے اور ان کی قوت فکر و فہم اور حفظ کو تقویت ملتی (۵۹۶)۔

۵۔ پڑھانے کی مشق: (مانیٹوریل سسٹم)

قدیم مدارس میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ اعلیٰ جماعتوں کے طلبا طالب علمی ہی کے دنوں میں اس بات کی کوشش کرتے کہ اپنی پڑھی ہوئی کتابیں چلی جماعت کے طلبا کو پڑھاتے رہیں۔ خصوصاً وہ طلباء جو استاد بننے کے خواہشمند ہوتے تھے۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی نفع المفسی والساہل میں لکھتے ہیں: ”جس کتاب کے پڑھنے سے میں فارغ ہوتا، اسی کو پڑھانا بھی شروع کر دیتا۔“ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ”تمام علوم میں میری لیاقت پختہ ہوتی چلی گئی۔۔۔۔۔ مجھے کسی کتاب کے سمجھنے سمجھانے میں کوئی

دشواری محسوس نہیں ہوتی تھی، خواہ کون سی بھی کتاب ہو اور کسی فن کی بھی ہوتی کہ اس مشق کی بنیاد پر ایسی کتابوں کو میں نے پڑھا دیا جنہیں استاد کے سامنے میں نے پڑھا نہیں تھا مثلاً طوسی کی شرح اشارات اور افق المبین، طب میں قانون شیخ، عروض کا رسالہ (۵۹۷)۔

۶۔ امالی

تدریس حدیث میں ایک یہ طریقہ بھی رائج تھا کہ استاد دوران درس املا کرواتا جاتا اور طالب علم اپنے استاد کی تحقیقات کو قلم بند کرتے چلے جاتے۔ اس طرح یہ ایک مستقل کتاب تیار ہو جاتی جسے ”امالی“ کہا جاتا ہے۔ امالی کا طریقہ مسلمانوں کے نظام تعلیم میں قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں اس طرز تدریس کے نتیجے میں ہی لامع الدراری علی جامع البخاری از مولانا رشید احمد گنگوہی معرض وجود میں آئی ہے جو کہ ان کے شاگرد مولانا محمد عظیمی کا نہر حلوٰی (۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء) کے درسی نوٹس ہیں۔ جنہیں مولانا محمد زکریا (۱۳۰۲ھ/۱۹۸۲ء) نے شرح و حواشی کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اسی طرح الکوکب الدرّی علی جامع الترمذی کا معاملہ ہے۔

مولانا انور شاہ کشمیری (۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء) کی فیض الباری علی صحیح البخاری بھی امالی کی طرز پر معرض وجود میں آنے والی شرح بخاری ہے جو کہ دوران درس مولانا بدر عالم میرٹھی (۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء) نوٹس لیتے تھے اور پھر حواشی کے ساتھ انہیں شائع کروایا گیا۔

حافظ محمد گوندلوی (۱۳۰۴ھ/۱۹۸۳ء) کی ارشاد القاری بھی اسی قسم کا مظہر ہے جو کہ ان کے نامور شاگرد حافظ عبدالمنان نورپوری کی کاوش کا نتیجہ ہے (۵۹۸)۔

برصغیر کی نامور شخصیات کی تدریس حدیث (تاریخی جائزہ)

شاہ ولی اللہ (۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء)

شاہ ولی اللہ صحاح ستہ، مؤطا امام مالک، مسند الدارمی اور مشکوٰۃ المصابیح وغیرہ کی تدریس کا فریضہ ربیع صدی تک سرانجام دیتے رہے۔ ”ان کی تدریس کا انداز یہ تھا کہ سب سے پہلے وہ طلباء سے یہ کہتے تھے کہ وہ خود روزانہ اپنا سبق پڑھ کر آئیں اور پھر ان سے اس سبق پر بحث و گفتگو کرتے تھے۔۔۔۔۔

مسائل گھبیہ پر بحث کرتے وقت ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ان پر مذاہب اربعہ میں جو اختلاف پایا جاتا ہو اسے بوجہ چار کا پیش کرنے کی بجائے کم سے کم کر کے دکھائیں۔ بالخصوص ایسے اختلافات کو جو ضعیف اور شافعی مسلک میں پائے جاتے ہوں۔ اس مقصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ ایسے تمام مسائل کے صرف ان پہلوؤں پر بہت زور دیتے اور ان کا تجزیہ کرتے تھے جن میں اتفاق رائے پایا جاتا تھا اور کسی ایک مسلک کو دوسرے پر فوقیت نہ دیتے تھے۔ یہ ایک ایسا طریقہ تعلیم تھا جس میں نوجوان طلباء میں وسیع انٹھری پیدا کرنے میں بہت مدد ملتی تھی۔ اور ان کے دل میں چاروں اماموں اور ان کے مسلک کے بارے میں احترام و رواداری کا جذبہ بھی پیدا ہو جاتا تھا“ (۵۹۹)۔

شاہ ولی اللہ کی تدریس حدیث میں جمع و تطبیق بین السالک کی فکر غالب رہتی تھی یہی وجہ ہے کہ انہوں نے روایتی مسلکی تعصبات والا انداز اختیار نہیں کیا جیسا کہ الاستاذ السیاح لکھوٹی نے لکھا ہے۔ ”انہ اختار طریقة تدریس الحدیث علی منهج المحدثین الاوائل رواية ودرایة۔ وانکر طریقة الفقهاء الجامدین والمتعصبین الذین عادتہم تاویل الحدیث وتحریفہ لتایید مذاهبہم واهوائہم“ (۶۰۰) (انہوں نے تدریس حدیث کے لیے اوائل محدثین کا طریقہ روایت و درایت کے اعتبار سے اختیار کیا۔ اور جامد و متعصب فقہاء کے طریقے کو ناپسند کیا جو کہ اپنے مذہب اور اپنی آراء کی تائید میں احادیث کی تاویل و تحریف کرنے کے عادی ہیں)۔

شیخ النکل سید نذیر حسین محدث دہلوی (۱۳۲۴ھ/۱۹۰۲ء)

سید نذیر حسین محدث دہلوی نے شاہ محمد اسحاق کی ہجرت حجاز کے بعد ان کی مسند کی جانشینی کا حق ۶۰ برس تک ادا کیا۔ ابتدا میں آپ تمام علوم پڑھاتے رہے مگر آخری زمانہ میں صرف حدیث و تفسیر پر کار بند رہے۔ بقول مولانا سید عبدالحی حسنی رحمہ اللہ: ”ہندوستان میں تدریس حدیث کے میدان میں ان کو ایک اتمیاد و اعزاز حاصل ہوا“ (۶۰۱)۔

آپ کی تدریس حدیث کا آکھوں دیکھا حال ان کے مشہور شاگرد مولانا فضل حسین بہاری یوں بیان کرتے ہیں، ”ہم نے خود اپنی آکھوں سے دیکھا ہے کہ پڑھانے میں جس وقت کسی حدیث کی نسبت تکرار ہوتی تھی اور یہ ضرورت آگے پڑتی تھی کہ اس حدیث کے موافق یا مخالف کتنی حدیثیں ہیں

اور کس کس جگہ ہیں۔ آپ فوراََ بتا دیتے تھے کہ فلاں حدیث فلاں کتاب کے فلاں باب سے نکال لو اور فلاں حدیث فلاں کتاب کے فلاں باب سے۔ اسی طرح وہ تمام حدیثیں جو اس متنازع فیہ حدیث کے متعلق کتب صحاح میں موجود ہوتیں، چند منٹوں میں نکل آتی تھیں (۶۰۲)۔

تدریس حدیث میں آپ کے مد نظر نہ کوئی مذہبی تعصب ہوتا تھا اور نہ ہی کوئی دنیاوی مفاد۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے شاگرد مولانا محمد حسین بٹالوی کی نوکری پر خفگی کا اظہار فرماتے ہوئے لکھا ”تم نے حدیث رسول ﷺ اسی دن کے لیے پڑھی تھی کہ نوکری کرو“۔ چنانچہ مدوح فوراََ نوکری سے کنارہ کش ہو گئے (۶۰۳)۔ خدمت حدیث نبوی ﷺ کے پیش نظر تدریس حدیث کی یہ لگن آپ کو پابند سلاسل ہونے پر بھی باز نہ رکھ سکی۔ آپ نے وہاں پر بھی صحیح بخاری کی تدریس جاری رکھی۔ راولپنڈی جیل میں عطاء اللہ نامی آپ کے قید کے ساتھی نے سبھا سبھا صحیح بخاری مکمل پڑھی (۶۰۴)۔ تدریس حدیث میں آپ کا ملکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحیح بخاری کی پہلی حدیث پر سبق ۲۷ دن تک جاری رہتا تھا (۶۰۵)۔

آپ کی محدثانہ تدریس کا اثر تھا کہ درس میں طلبہ کا ایک جھوم رہتا تھا اور سارے ہندوستان میں آپ کے درس کی دھوم مچی ہوئی تھی بلکہ بیرون ہند، حجاز، چین اور افریقہ تک لوگ حدیث پڑھنے حاضر ہوتے تھے (۶۰۶)۔

مولانا انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء)

مولانا انور شاہ کشمیری نے عام درس گاہی طریق درس میں یکسر انقلاب برپا کیا۔ آپ نے حدیث کی شرح و تفصیل میں صرف دعو، فقہ و اصول فقہ، معانی و بلاغت، اسرار و حکم، سلوک و تصوف، فلسفہ و منطق، سائنس و عصری علوم کا ایک گراں قدر اضافہ، رجال کی بحیثیں، مصنفین و مؤلفین کی تاریخ و سوانح، تالیفات و تصنیفات پر نقد و تبصرہ آپ کے درس کا ایک امتیاز تھا (۶۰۷)۔

حضرت شاہ صاحب (انور شاہ کشمیری صاحب) کا درس حدیث محض حدیث تک محدود نہ تھا بلکہ فقہ و تاریخ، ادب، کلام، فلسفہ، منطق، ہیئت، ریاضی، سائنس الغرض تمام علوم جدیدہ و قدیمہ پر مشتمل ہوتا (۶۰۸)۔

مولانا کا مدحیہ کے بقول: فقہ الحدیث پر جب کلام فرماتے تو اولاً الحمد اربعہ کے مذاہب نقل فرماتے اور پھر ان کے وہ دلائل بیان فرماتے جو اس مذہب کے فقہاء کے نزدیک سب سے زیادہ قوی ہیں۔ پھر ان کا شافی جواب اور ابو حنیفہؒ کے مسلک کی ترجیح بیان فرماتے“ (۶۰۹)۔ آپ کی تدریس حدیث میں فقہی تعصب کا رجحان غالب رہتا تھا۔ مسلکی دفاع کی خدمت کا یوں اقرار کرتے ہیں: ”میں (انور شاہ کشمیری) نے حنیفہ کو اس درجہ مستحکم کر دیا کہ اب ان شاء اللہ سو سال تک اس میں کوئی اضطلال پیدا نہیں ہو سکتا“ (۶۱۰)۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا (م ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء)

مولانا محمد زکریا اپنے درس میں مشکل عربی الفاظ کا بہتر اردو میں ترجمہ، مشکل مقامات کی تشریح، وہم راوی کو رفع کرنا، مذاہب ائمہ کی تحقیق اور ان کے دلائل خصوصاً مسلک حنفی کے دلائل کو تفصیل سے بیان کرتے۔ اگر کوئی روایت بظاہر حنیفہ کے مسلک کے خلاف نظر آتی تو اس کی توجیہات اس طرح نقل فرماتے کہ مسلک حنیفہ اس حدیث سے اقرب نظر آنے لگتا (۶۱۱)۔

مولانا کے درس بخاری کی کیفیت اس طرح بیان کی گئی: ”مسند تدریس پر قدم رکھتے تو کھڑے ہی سے ”جی“ فرما دیتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ عبارت پڑھ۔ کسی طالب علم نے عبارت شروع کر دی ابھی بیٹھنے بھی نہ پائے تھے بلکہ بین القیام والحقو دعی تھے کہ عبارت میں کوئی ایسی جگہ آگئی جہاں کلام کرنے کی ضرورت تھی اسی وقت وہیں سے کلام شروع فرما دیا۔ تشریف فرما ہوئے سانس لیا، عبارت پڑھی جا رہی ہے شیخ جگہ جگہ کلام فرما رہے ہیں۔ تقریر مسلسل جاری ہے نکات بیان ہو رہے ہیں۔ محدثین کے اقوال ازبر ہیں اور پوری تقریر پر شاعر کا یہ قول صادق آتا ہے۔

تھمتانہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے ہے، علامہ یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا، میرے حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد ہے اور جناب والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے ہے اور میری بھی ایک رائے ہے بوجہ تکملہ والی اور کبھی فرماتے تھے میرا بھی یہ چکی کا پاٹ ہے“ (۶۱۲)۔

مولانا حیدر حسن خان ٹونگی (م ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء)

عموماً حدیث شریف کے درس میں طلبہ عبارت پڑھتے ہیں پھر استاد مطالب و مباحث پر مفصل و مدلل تقریر کرتا ہے۔ لیکن مولانا کا طریقہ درس اس سے بالکل مختلف تھا۔ وہ طلبہ کے سامنے عبارت کی تشریح مطالب کی توضیح اور مباحث کی تفسیر ہی نہیں پیش کرتے تھے بلکہ طلبہ کو مآخذ سے بھی واقف کراتے تھے۔ ان کے مراتب ذہن نشین کراتے۔ ان کے مطالعہ کے آداب بتاتے اور ان سے استفادہ کا سلیقہ سکھاتے تھے (۶۱۳)۔ مختصر ا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اپنے بیان کے ثبوت میں جہاں ضرورت محسوس کرتے، کتابوں کا حوالہ دیتے، کبھی کبھی کسی کتاب کو کھول کر دکھا بھی دیتے تھے (۶۱۳)۔ ان کے متعلق سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے: ”وكان مع انتصاره لمذهب الحنفی كثير العطف على تلامذته من اهل الحديث“ (۶۱۵) (وہ حنفی مذہب کی طرف اپنے بہت زیادہ رجحان کے باوجود اپنے اہل حدیث طلبہ سے محبت رکھتے تھے)۔

مولانا محمود حسن (م ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء)

مولانا محمود حسن مسائل مختلف فیہا میں ائمہ ثلاثہ (رحمہم اللہ) بلکہ دیگر مجتہدین کے مذاہب بھی بیان فرماتے اور مختصر طور سے دلائل بھی نقل فرماتے لیکن جب امام ابو حنیفہ کا نمبر آتا ”تو مولانا (محمود حسن) کے قلب میں انشراح، چہرہ پر بشاشت، تقریر میں روانی، لہجہ میں جوش پیدا ہو جاتا دلیل پر دلیل، شاہد پر شاہد، قرینہ پر قرینہ بیان کرتے چلے جاتے تقریر رکتی ہی نہ تھی، اور اس خوبی سے مذہب امام اعظم کو ترجیح دیتے تھے کہ سلیم الطبع اور منصف المزاج لوٹ جاتے تھے۔ دور دور کی مختلف المعنائیں احادیث جن کی طرف کبھی خیال بھی نہ جاتا تھا۔ پیش کر کے اس طرح مدعا ثابت فرماتے کہ بات دل میں اترتی تھی اور سامعین کا دل گواہی دیتا اور آنکھوں سے نظر آ جاتا تھا کہ یہی جانب حق ہے“ (۶۱۶)۔

مسئلی حمیت، مذہبی تعصب دوران تدریس کس طرح جھلک رہا ہے۔ اپنے مذہب کی ترجیح ثابت کرنے میں کس طرح دور سے کڑیاں ملائی جاتی تھیں۔ تدریس حدیث کے پیچھے صرف اور صرف حدیث نبوی کی خدمت کا جذبہ کارفرما ہونا ایک دوسری چیز ہے اور مذکورہ بالا انداز چیز دیگر۔

مولانا حفیظ اللہ مہتمم ندوۃ العلماء (۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء)

عموماً حدیث شریف کے درس میں طلباء عبارت پڑھتے ہیں۔ پھر استاد، مطالب و مباحث پر مفصل و مدلل دلائل پیش کرتا ہے اور اپنے بیان کے ثبوت میں جہاں ضرورت محسوس ہو کتابوں کا حوالہ دیتا ہے کبھی کبھی کسی کتاب کو کھول کر دکھا بھی دیتا ہے۔ اس کے برعکس ندوۃ کے مہتمم (پرنسپل) مولانا حفیظ اللہ صاحب تھے ان کو حدیث پڑھانے کا شوق تھا۔ صحیح مسلم ان کے پاس رہتی تھی۔ ان کا درس سادہ ہوتا تھا۔ حدیث کا مطلب بتا دیتے تھے لیکن مختلف فقہاء کے مذہب بیان کرنے اور ان کے دلائل فراہم کرنے سے زیادہ دلچسپی نہ تھی (۶۱۷)۔

حافظ محمد گوندلوی (۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء)

نامور مؤرخ اسحاق بھٹی کے بقول: ”حضرت استاد کا اسلوب درس حدیث اپنے اندر انفرادیت بھی رکھتا تھا اور بے حد جاذبیت بھی۔ وہ انتہائی وقار اور حکمت کے مالک تھے اور اسی وقار اور حکمت سے مسند تدریس پر بیٹھے اور طلباء کو پڑھاتے تھے۔ بخاری شریف میں ایک مہینہ سے زیادہ عرصہ حجیت حدیث، اتباع حدیث، صحیح بخاری کی شرائط، صحت حدیث، امام بخاری کے مقام و مرتبہ کی تعیین اور دیگر محدثین سے ان کے امتیاز وغیرہ امور کی وضاحت میں صرف ہو جاتا۔ وہ بڑی روانی اور صفائی سے درس دیتے تھے۔ ان کے ارشادات انتہائی احتیاط اور توجہ سے سننے کی ضرورت تھی۔ آسان زبان اور عام فہم انداز میں ان کے لیے بات کرنا بہت مشکل تھا۔ وہ مشکل کلام تھے“ (۶۱۸)۔

آپ کا انداز تدریس بڑا منفرد اور اچھوتا تھا حلقہ درس میں ملک اور بیرون ملک کے متعدد طلبہ ہوتے۔ ایک طالب علم سبق پڑھتا آپ غور سے کتاب دیکھتے اور جو مقام جس قدر تشریح کا طالب ہوتا اس پر اسی قدر روشنی ڈالتے اور مغلط اور پیچیدہ مقامات کی اس عمدگی سے تشریح فرماتے کہ کسی طالب علم کو کوئی تفسلی باقی نہ رہتی (۶۱۹)۔

معروف پبلشر منیر احمد سلفی لکھتے ہیں: ”ہمارے شیخ الحدیث کے علمی تجربے کی بنا پر درس حدیث صرف علوم حدیث تک ہی محدود نہ رہتا بلکہ ضمناً لطیف نسبتوں کے ساتھ ہر علم و فن کی بحث ہوتی

رہتی۔۔۔ غرض نقل و درایتی فنون میں نقل و عقل دونوں کی بحثیں آئیں اور ہر فن کے متعلقہ مقصد پر ایسی سیر حاصل اور محققانہ بحث آتی کہ تحقیق حدیث کے علاوہ وہ فن مسئلہ بھی فی نفسہ پوری وضاحت کے ساتھ مع ہو کہ سامنے آ جاتا“ (۶۲۰)۔

دورانِ درس حضرت الاستاذ روانی سے مختلف شروح کے عربی اقتباسات پڑھ کر شارحین حدیث کے موقف کا تقابل فرماتے تھے اور علامہ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری تو قریب قریب آپ کو حفظ تھی (۶۲۱)۔ حدیث نبوی کے معروف محقق مولانا ارشاد الحق اثری نے دیگر طلباء کے ساتھ ۱۹۶۸ء میں ان سے صحیح بخاری پڑھی۔ ان کے بقول ابتدائی طور پر کافی دن مقام حدیث، حجیت حدیث، اسناد حدیث، فہم قرآن کے لیے حدیث، جمع و تدوین حدیث، جرح و تعدیل اور اسماء الرجال پر لگائے الزامات امام بخاری، صحیح بخاری کے متعلق بعض مباحث پر گفتگو فرمائی پھر تراجم ابواب سے متعلق بعض بہت ضروری باتیں کیں۔

عام طور پر طلباء سے پڑھاتے، قراءت کا سلسلہ ہوتا، اسانید پر بحث کرتے، رجال کو زیر بحث لاتے، لغوی بحث کرتے اور مسائل کا استنباط کرتے۔ ان کے درس میں طلباء کو فکری آزادی ہوتی۔ سبق سے متعلق ہر قسم کا سوال کرنے کی اجازت تھی۔ بخاری کی شروح کی عبارتیں زبانی یاد ہوتی تھیں۔ زیادہ تر امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم کے حوالے دیتے۔ آئمہ اربعہ کی رائے کو بھی زیر بحث لاتے۔ آپ کا درس فقہ الحدیث کا بہترین نمونہ ہوتا تھا۔

مولانا عبدالحق (م ۱۴۰۹ھ / ۱۹۸۸ء)

حضرت (مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک) کے درس کا ایک نمایاں وصف یہ تھا کہ وہ فن حدیث کے ادق سے ادق مباحث بھی پوری تفصیل و استقصاء کے ساتھ ایسے آسان، شستہ انداز اور سلجھے ہوئے ہڈائے میں بیان کرتے کہ غبی سے غبی طالب علم بھی اس سے محروم نہیں رہتا تھا۔ دورانِ تدریس عصر حاضر کے علمی و دینی فتنوں اور فرق باطلہ کی تردید بھی کرتے جاتے ہیں۔ ملکی سیاسیات، اقتصادی و معاشی مسائل، سائنسی ترقیات کی روشنی میں اسلام کی حقانیت و صداقت پر روشنی ڈالتے رہتے (۶۲۲)۔

مولانا عبدالحق جیسے وسیع انکسار اور وسیع البصر ب اہل علم کے درس میں حدیث پر عالمانہ،

محمد ثناء بخشوں کے ساتھ ساتھ دورِ حاضر کے مسائل پر بھی خوب راہنمائی ہوتی تھی لیکن مولانا مذہبی تعصب کے بغیر نظری والے دائرے سے باہر نہ نکل سکے۔ ان کے ہاں بھی ہر حال میں ترجیحِ حنفیہ کی فکر پائی جاتی ہے اور درسِ حدیث کے دوران بقول ”آئمہ اربعہ کے مذاہب بالتحقیق بیان فرما کر نہایت کشادہ دلی سے ان کے دلائل کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر مسلکِ حنفیہ کی ترجیح میں ایک ایک دلیل کا معقول اور شافی جواب دیتے ہیں“ (۶۲۳)۔

مولانا سید داؤد غزنوی (م ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء)

مولانا داؤد غزنوی کے دادا محترم مولانا عبداللہ غزنوی (م ۱۳۹۸ھ/۱۸۷۸ء) کے متعلق علامہ محمد اقبالؒ نے ایک مکتوب بنام محمد دین فوق میں لکھا ہے کہ ”مولوی عبداللہ غزنوی درسِ حدیث (مؤطا امام مالک) دے رہے تھے کہ ان کو اپنے بیٹے کے قتل کیے جانے کی خبر ملی۔ ایک منٹ تاہل کیا پھر طلباء کو مخاطب کر کے کہا ”برضائے اور اضیٰ مستم بیاید کہ کار خود کلنیم“ (ہم اس کی رضا پر راضی ہیں، آؤ ہم اپنا کام کریں) یہ کہہ کر پھر درس میں مشغول ہو گئے (۶۲۴)۔

مولانا محی الدین سلفیؒ ”میرے استاد مولانا داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ“ کے تحت لکھتے ہیں کہ ہم مؤطا کے گھنٹے (چیریڈ) کا شدت سے انتظار کرتے۔ جس دن نافتہ ہو جاتا ہمیں اس کا نہایت دکھ ہوتا۔ مولانا کے درس میں علم بھی تھا، وقار بھی، ادب بھی، زبان بھی، اختلافِ رائے کے باوجود آئمہ کا نام اتنے ادب و احترام سے لیتے کہ سننے والوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے۔

مولانا علیہ الرحمہ میں یہ خوبی بدرجہ غایت موجود تھی کہ مسائل میں اعتدال کی راہ اختیار فرماتے۔ پورا درس نہایت دلچسپ ماحول میں ہوتا۔ تھکان اور بیوست نام کو نہ ہوتی جیسا کہ عام اساتذہ کے اسباق میں ہوتی ہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب انہیں کوئی علمی نکتہ بیان فرمانا ہوتا تو طلبہ کو پوری طرح اپنی طرف متوجہ فرماتے اور کہتے ”اعلم، اعلم۔ آپ کے درس کی نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ دورانِ درس دنیا کی کسی بات کا تذکرہ نہ فرماتے۔ اگر کوئی صاحبِ ملاقات کے لیے آتے تو کیا مجال کہ آپ سے دورانِ درس بات کر سکے۔۔۔ آپ کے ہاں یہ طریقہ ہرگز رائج نہ تھا کہ مسندِ حدیث پر بھی بیٹھے

ہوئے ہیں اور دنیا داری کے تذکرے بھی ہو رہے ہیں۔۔۔ دورانِ درس آپ ضروری اشارات لکھواتے۔ غرض کہ درس اس طرز پر ہوتا کہ خود بخود ذہن نشین ہوتا جاتا“ (۶۲۵)۔ حافظ عبدالرشید صاحب کے بقول ”جب حضرت پڑھانے کے لیے تشریف لائے تو خوب اُجلا لباس پہن کر اور خوشبو لگا کر درس ارشاد فرماتے“ (۶۲۶)۔

حدیث نبوی کی درافت میں ملنے والی محبت و عظمت اس قدر کوٹ کوٹ کر بھری تھی کہ دورانِ تدریس اگر ڈی سی لا ہو بھی آیا تو ہات کرنا گوارا نہ کی، تدریس حدیث کے بعد ہی ملاقات کی۔ یہ سب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی سے والہانہ عقیدت و محبت کا نتیجہ تھا۔

مولانا عبدالقدوس کلیم

آپ سے راقم الحروف نے بلوغ الحرام، الجامع الصحیح امام بخاری اور حدیث کی بعض دیگر کتب مدرسہ ضیاء القرآن والحدیث منڈی چشتیاں میں پڑھیں۔ ان کا قراءۃ اور سماع دونوں طرح سے پڑھانے کا طریقہ تھا۔ تدریس سے قبل حدیث سے متعلق ضروری باتیں بتاتے تھے پھر کوئی طالب علم پڑھتا اور ضرورت کے مطابق مولانا خود تشریح فرمادیتے یا بعض اوقات طلبا ان سے سوال کرتے۔ بعض اوقات اپنی مرضی سے خود پڑھنے لگ جاتے اور ضرورت کے مطابق تشریح کرتے۔ قرآن مجید کی آیات اور احادیث تشریح میں بیان فرماتے۔ حافظ ابن حجر، علامہ عینی اور قسطلانی کے حوالے دیتے۔ بعض مسائل میں آئمہ اربعہ کی رائے بھی بتاتے اور امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کی کتب سے بھی حوالے دیتے۔ عام طور پر مطالعہ کر کے آتے اور بڑے علمی نکات بیان فرماتے۔ کتب حدیث کا درس پورا سال جاری رہتا۔

تدریس حدیث میں جدید سہولتوں کے استعمال کا رویہ

دورِ حاضر میں تدریس کے حوالے سے بہت سی جدید سہولتیں میسر آ چکی ہیں مثلاً بلیک بورڈ، پروجیکٹر، لاؤڈ سپیکر، آڈیو کیسٹ، ویڈیو کیسٹ، ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، اخبارات و رسائل اور فاصلاتی تدریس کا نظام وغیرہ وغیرہ۔

ہم دیکھتے ہیں کہ برصغیر میں تدریس حدیث کے دوران ان سہولتوں میں سے صرف بلیک بورڈ

یاطلباء کی کثرت کے پیش نظر لازماً ڈپٹیکر کا استعمال بھی شاذ و نادر ہوتا ہے۔ دیگر سہولتوں سے استفادہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اکثر اہل علم کے ہاں تو ان سہولتوں کے جائز و ناجائز کا مسئلہ ہی تصفیہ طلب ہے۔ حالانکہ اپنی تمدنی زندگی میں دیگر جدید سہولتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا جا رہا ہے اور زندگی کی رفتار کئی گنا تیز ہو چکی ہے۔ آج دنیا کے ایک کنارے میں کوئی چیز سامنے آتے ہی دنیا میں چاروں طرف اس کی خبر ہو جاتی ہے۔ آج میڈیکل سائنس میں انتہائی پیچیدہ آپریشن، دنیا میں ایک ہسپتال میں ہوتا ہے اور دنیا بھر کے میڈیکل کے طالب علم اپنے اپنے کلاس روم میں اس سے بھرپور راہنمائی پا رہے ہوتے ہیں۔ آیا تدریس حدیث میں اگر ایک محدث دوران تدریس ایک جگہ درس حدیث ارشاد فرما رہے ہوں اور دیگر مختلف مقامات کے طالبان حدیث کے لیے ان سہولتوں کی بدولت براہ راست استفادہ کی گنجائش کیوں نہیں؟ ہمارے حدیث سکالرز کو اس پر غور و خوض کرتے ہوئے تدریس حدیث کے ذریعے ترویج دین کی بدولت اصلاح معاشرہ میں بھرپور کردار ادا کرنے کی سوچ اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

برصغیر میں تدریس حدیث کے اثرات

برصغیر پاک و ہند کے مدارس کے نصاب تعلیم کا پانچ مختلف ادوار میں جائزہ لیتے وقت ہم مولانا ابوالحسنات ندوی کے الفاظ نقل کر چکے ہیں کہ ”میرے خیال میں اس نصاب درس سے جو عموماً مدارس عربی میں رائج ہے۔ عملاً حدیث و ادب کی مذکورہ بالا کتابوں کو خارج ہی سمجھنا چاہیئے۔“

رشید احمد ارشد برصغیر کے اہل علم کے حدیث نبوی سے تعلق پر رقم طراز ہیں ”یہاں کے علماء حدیث کی اعلیٰ تعلیم کو غیر ضروری سمجھنے لگے بلکہ اس فن میں ان کی انتہائی معراج مشارق الانوار اور مشکوٰۃ المصابیح کی تعلیم ہوتی تھی اور یہ تعلیم بھی محض برکت حاصل کرنے کے لیے ہوتی تھی۔ اس کا مقصد مسائل کا استنباط اور فقہی مسائل کا اثبات نہ ہوتا تھا“ (۶۲۷)۔ یہ رویہ کچھ بے جا نہ تھا اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ فاتحین ہند زیادہ تر حنفی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے اور یہاں پر حنفی مسلک کو زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ فقہا کرام کا علم حدیث سے تعلق ہمیشہ کمزوری گردانا گیا ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ ”واشتغالہم بعلم الحدیث قلیل قدیمًا وحديثًا“ (۶۲۸) (ان کا علم حدیث سے مشغول کم رہا ہے۔ زمانہ ماضی میں بھی اور حال میں بھی)۔ اس حقیقت کا اظہار مولانا عبدالحی لکھنوی (۱۳۰۴ھ) نے بھی کیا ہے (۶۲۹)

فقہی استنباطات و استخراجات کے لیے اصولی و منطقی علوم کی ضرورت ہونا اظہر من الشمس ہے۔ اسی احتیاج کا نتیجہ تھا کہ یہاں کے نصاب تعلیم میں ۱۹ کتابیں منطق و فلسفہ کی تو شامل کی گئیں لیکن حدیث کی صرف دو کتابوں پر اکتفا کیا گیا اور عملاً وہ بھی خارج از نصاب ہی رہتی تھیں۔ بعد ازاں جب تدریس حدیث پر مجبور ٹیچر تھے تو پھر مسلکی تائید پر بے قراری کی سوچ کا اعزازہ لگانے کے لیے ایک حوالہ پیش خدمت ہے۔ مولانا ظہیر احسن نیوی (م ۱۳۲۵ھ) ایک اشتہار میں یوں اعلان کرتے ہیں۔

”یہ تو ظاہر ہے کہ حدیث میں پہلے بلوغ المرام یا مشکوٰۃ شریف پڑھائی جاتی ہے اور ان کے مؤلف شافعی المذہب تھے۔ ان کتابوں میں زیادہ وہی حدیثیں ہیں جو مذہب امام شافعی کی مؤید اور مذہب حنفی کے خلاف ہیں۔ اس پر طرہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر معلم در پردہ غیر مقلد ہوتے ہیں۔ بے چارے اکثر طلباء یہ ابتدائی کتابیں پڑھ کر مذہب حنفی سے بے عقیدہ ہو جاتے ہیں۔ پھر جب صحاح ستہ کی نوبت آتی ہے تو ان کے خیالات اور بھی بدل جاتے ہیں۔ علمائے حنفیہ نے کوئی ایسی کتاب قابل درس تالیف نہیں کی کہ جس میں مختلف کتب احادیث کی وہ حدیثیں ہوں جن سے مذہب حنفی کی تائید ہوتی ہو، پھر بے چارے طلباء ابتدا میں پڑھیں تو کیا اور ان کے عقائد درست رہیں تو کیونکر آخر بے چارے غیر مقلد نہ ہوں تو کیا ہوں؟ فقیر نے انہی خیالات سے حدیث شریف میں آثار السنن کے نام سے ایک کتاب کی بنائے تالیف ڈالی ہے اور ارادہ ہے کہ کتب متداولہ کے علاوہ عرب و عجم کی نایاب کتب احادیث سے حدیثیں انتخاب کر کے جمع کروں اور حاشیہ میں اسناد لکھ دوں“ (۶۳۰)۔

مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب بھی تدریس حدیث میں مذہبی تعصب کو بروئے کار لانے کی خاطر یوں مشورہ دیتے ہیں۔ ”مشکوٰۃ شریف کے طلباء اور حضرات مدرسین کے لیے حضرت مولانا (ظفر احمد عثمانی مرحوم) کا ایک مفید مشورہ یہ بھی تھا کہ مشکوٰۃ شریف کے ہر باب کے ساتھ بطور تفصیل الراہل کے اعلاء السنن کے متن سے لے کر احادیث مؤیدہ حنفیہ کو جمع کر کے ان کو سہل سہل پڑھایا جایا کرے۔ اس طرح مشکوٰۃ شریف پڑھنے والے طلباء کو ہر بات میں حنفیہ کے دلائل کا بھی ساتھ ساتھ علم ہوتا رہے گا“ (۶۳۱)۔

برصغیر میں مذہبی تعصبات سے بالاتر ہو کر تدریس و ترویج حدیث کی سعادت شاہ ولی اللہ کی

ذات گرامی کا مقدر تھی۔ آپ نے یہاں کے معقولی و منقولی نظام تعلیم میں پرورش پائی جس پر حقیقت کا رنگ غالب تھا لیکن زیارت حرمین سے حج و عمرہ کی سعادت کے ساتھ ساتھ دینی افتخار کی وسعت بھی نصیب ہوئی۔ مسلکی تعصب کی جگہ بین الممالک تطبیقی فکر نے لی۔ واپسی پر آپ نے درس حدیث میں مؤطا امام مالک پر دوام اختیار کیا۔ مؤطا امام مالک کی دو شرحیں بنام المسوئی (عربی) اور المصلى (فارسی) میں لکھیں اور حجۃ اللہ البالغہ میں اس کو صحیحین کے ساتھ ذکر فرمایا۔ فکر محمدین کی طرف رجوع کی تلقین کی۔ اس مشن اور فکر کو لے کر آپ کا خاندان آگے بڑھا۔ یہاں پر دارالحدیث کا قیام اور کتب حدیث کی تدریس میں اضافہ کا سہرا اپنے سر باندھا۔ مولانا ابوالحسن ندوی کے بقول ”در حقیقت صحاح ستہ کے درس و تدریس کا ہندوستان میں رواج اسی وقت سے ہوا ہے جب کہ شاہ صاحب اور ان کے نامور اخلاف نے اس کو رواج دیا اور اپنی اپنی عمر عزیز کا بیش بہا حصہ اس کی اشاعت میں صرف کر دیا“ (۶۳۲)۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے بستان الحدیث جیسی انسائیکلو پیڈیا قسم کی کتاب لکھ کر برصغیر کے متلاشیان علم کو کتب حدیث و محدثین سے روشناس کروایا۔ مجالہ نافعہ جیسی اصول حدیث کی کتاب لکھ کر اصولی راہنمائی کی آپ کے نواسے شاہ محمد اسحاقؒ نے مسند حدیث پر متمکن ہو کر محدثین کی یاد تازہ کی اور ان کے جانشین شیخ النکل سید نذیر حسین محدث دہلویؒ نے تدریس حدیث کو چار چاند لگائے۔ آپ کی تدریس حدیث کا شہرہ چارواک عالم میں پھیلا۔ اور حدیث نبویؐ سے اس قدر وابستگی بڑھی کہ اب اقوال آئمہ کی برتری ختم ہو گئی اور ان کی جگہ احادیث نبویؐ مقدم ٹھہریں۔ بقول سید سلیمان ندویؒ ”مدت کا رنگ طبیعتوں سے دور ہوا اور یہ جو خیال ہو گیا تھا کہ اب تحقیق کا دروازہ بند اور نئے اجتہاد کا راستہ مسدود ہو چکا ہے، رفع ہو گیا اور لوگ از سر نو تحقیق و کاوش کے عادی ہونے لگے۔ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے دلائل کی عویدہ ہوئی اور قیل و قال کے مکر گرڑھوں کی بجائے ہدایت کے اصلی سرچشمہ معفا کی طرف واپسی ہوئی“ (۶۳۳)۔

سید نذیر حسین محدث دہلوی کی درس گاہ سے اپنے قلوب و اذہان کو حدیث نبویؐ سے منور کرنے والے محدثین مثلاً مولانا ابراہیم آروئیؒ، مولانا شمس الحق ڈیلانویؒ، حافظ عبداللہ غازی پوریؒ اور مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ جیسے کئی ایک خدام حدیث نے اپنے اپنے مقامات پر مسند حدیث بچھائی اور

تدریس و تدریس سے عوام الناس کو خوب فائدہ پہنچایا۔

شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے لوا سے شاہ محمد اسحاق کی تدریس حدیث کا فیض مدارس احناف میں بھی پہنچا۔ سلسلہ علمائے فرنگی بھلی (لکھنؤ) میں درس حدیث کی باقاعدگی مولانا عبدالرزاق سے ہوئی جو کہ ایک واسطہ سے شاہ عبدالعزیز کے شاگرد تھے۔ بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی، شاہ عبدالغنی مجددی کے واسطے سے شاہ محمد اسحاق کے شاگرد ہیں۔ اسی طرح جو پور، صادق پور، رام پور اور دیگر مقامات پر مدارس حنفیہ میں تدریس حدیث اسی خاندان کی بدولت جاری ہوئی۔

سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگردوں کی بدولت یہاں پر علائقہ ریگ اختیار کرنے والی تحریک عمل بالجہد کی روز بروز کامیابی نے مدارس احناف میں تدریس حدیث کی مجبوری بڑھادی۔ ان مدارس میں دورہ حدیث کے نام پر کئی ایک کتب حدیث کی صرف ایک سال میں درق گردانی کو رواج ملا۔ اس دورہ میں بھی مذہبی تعصب کی ختم ریزی کی فکر ہی غالب رہتی ہے۔ بہر حال مجموعی طور پر برصغیر میں تدریس حدیث کا رجحان بڑھتا چلا گیا اور مدارس کے نصاب تعلیم میں لائی جانے والی جدید ترجمہ پلیوں میں کتب حدیث کو زیادہ مقام ملتا جا رہا ہے۔

اہل حدیث و احناف کے ہاں تدریس حدیث میں اضافے سے عمل بالجہد کی کارحاجان غالب آیا ہے۔ موضوع و ضعیف روایات کی جگہ صحیح و حسن احادیث کی تلاش اور عمل کرنے کی خواہش روز بروز افزوں ہے (اللہم زد فرد)۔

حوالہ جات

- ۱- حاکم، المستدرک (بیروت) ۵۰۲/۳۔
- ۲- الاذرقی، ابو الولید محمد بن عبد اللہ، اخبار مکہ (مطابع الثقافتہ المکتزۃ ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء) ۲/۲۶۰۔
- ۳- معرقہ علوم الحدیث، ص ۱۹۲۔
- ۴- المطبوعات الکبریٰ، ۵/۳۸۶۔
- ۵- البخاری، تاریخ الکبیر، ۳/۱۳۳۔
- ۶- راجب الطہار، تاریخ افکار علوم اسلامی (اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۸۹ء) ۲/۳۲۶، بحوالہ رسالہ موجر دلیل البخاری (السبق قبل اللہ دین، ص ۱۶۵)۔
- ۸- تاریخ حدیث والحدیثین، ص ۱۲۲۔
- ۹- شاہ ولی اللہ، مصنفی شرح عو طائمام مالک (طبع دہلی، ۱۳۲۶ھ) ۱/۶۔
- ۱۰- الکشف (۱۸) ۲۸۔
- ۱۰-۱- احمد، المسند، ۳/۱۳۷۔
- ۱۰-۲- کتابی، نظام الحکومت النبویہ، ۱/۲۸، بحوالہ ابوداؤد، السنن، کتاب الموع، باب کتب العلم۔
- ۱۱- البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۹۵، ص ۲۲۔
- ۱۲- ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۳۶۵۳، ص ۵۲۳۔
- ۱۳- ایضاً، حدیث نمبر ۳۶۵۴، ص ۵۲۳۔
- ۱۴- المطبوعات الکبریٰ، ۵/۱۳۰۔
- ۱۵- ایضاً، ۵/۱۲۶۔
- ۱۶- ایضاً۔
- ۱۷- ایضاً، ۵/۱۸۸۔
- ۱۸- ایضاً۔
- ۱۹- تذکرہ الحفاظ (بیروت) ۶۲/۱۔
- ۲۰- ایضاً، ۱/۱۵۸۔
- ۲۱- المطبوعات الکبریٰ، ۵/۲۱۶۔
- ۲۲- البحر فی خبر من ظہر، ۱/۱۸۳۔

- ۲۳- تہذیب العہد، ج ۳، ۳۹۵۔
- ۲۴- الطبقات الکبریٰ، ۲/۳۸۷۔
- ۲۵- تذکرۃ الحفاظ، ۲/۵۲۔
- ۲۶- ایضاً، ۲/۵۲-۵۳۔
- ۲۷- تذکرۃ الحفاظ، ۲/۳۳۔
- ۲۸- ایضاً، ۲/۲۱۲۔
- ۲۹- ایضاً۔
- ۳۰- ایضاً۔
- ۳۱- نووی، شرح صحیح مسلم (کراچی)، ۱/۱۸۵۔
- ۳۲- شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ (مصر)، ۱/۱۳۳۔
- ۳۳- ابن تیمیہ، منہاج السنۃ النبویہ (مکتبۃ الریاض الحدیث، الریاض)، ۳/۱۳۷۔
- ۳۴- ایضاً، ۴/۱۳۹۔
- ۳۵- کتاب الاسماء واللقب، ۱/۱۷۳۔
- ۳۶- ابن تیمیہ، منہاج السنۃ، ۴/۱۴۲۔
- ۳۷- حافظ عراقی، شرح الفیہ (طبع مصر)، ۳/۹۰۔
- ۳۸- ابن حجر، فتح الباری (طبع منیریہ، مصر)، ۲/۳۰۷ (مقدمہ)۔
- ۳۹- تذکرۃ الحفاظ، ۱/۳۸۔
- ۴۰- ایضاً، ۱/۸۵۔
- ۴۱- الطبقات الکبریٰ، ۶/۲۳۶-۲۵۵۔
- ۴۲- تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۶۔
- ۴۳- ایضاً، ۲/۱۶۔
- ۴۴- تہذیب العہد، ج ۳، ۶۔
- ۴۵- تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۷۔
- ۴۶- ایضاً، ۲/۶۶۔
- ۴۷- ایضاً، ۲/۶۳۔
- ۴۸- ایضاً۔

۳۹۔	ایضاً، ۲/۷۰۔
۵۰۔	ایضاً۔
۵۱۔	ایضاً۔
۵۲۔	ابن حزم، فضائل اہل اندلس، ص ۵۵۔
۵۳۔	فتح الطیب، ۳/۱۵۹۔
۵۴۔	تذکرۃ الحفاظ، ۱/۲۸۸۔
۵۵۔	الطہجات الکبریٰ، ۷/۱۵۶-۱۵۷۔
۵۶۔	ایضاً۔
۵۷۔	ایضاً، ۷/۱۵۸-۱۵۹۔
۵۸۔	الطہجات الکبریٰ، ۷/۱۵۸۔
۵۹۔	تذکرۃ الحفاظ، ۱/۶۲۔
۶۰۔	سیر اعلام النبلاء، ۳/۶۱۰-۶۱۱۔
۶۱۔	ایضاً، ۳/۶۱۳۔
۶۲۔	تذکرۃ الحفاظ، ۱/۹۸۔
۶۳۔	ایضاً، ۱/۹۹۔
۶۴۔	المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، ص ۲۳۶۔
۶۵۔	الطہجات الکبریٰ، ۷/۲۶۲۔
۶۶۔	تذکرۃ الحفاظ، ۱/۱۱۸۔
۶۷۔	ایضاً، ۱/۹۳۔
۶۸۔	الطہجات الکبریٰ، ۷/۲۳۰۔
۶۹۔	معرفۃ علوم الحدیث، ص ۱۹۲۔
۷۰۔	تاریخ دمشق، ۱/۳۱۳۔
۷۱۔	منہاج السنۃ النبویہ، ۳/۱۴۲۔
۷۲۔	تاریخ دمشق، ۱/۳۳۸۔
۷۳۔	ڈاکٹر محمد بن عروذ، مدرسۃ الحدیث فی بلاد الشام (دار البہار الاسلامیہ بیروت، ۲۰۰۰ء) ص ۲۲۳-۲۲۴۔
۷۴۔	ایضاً، ص ۳۸۵۔

- ۷۵۔ الطبقات الکبریٰ، ۷/۳۶۱۔
- ۷۶۔ تذکرۃ الحفاظ (بیروت) ۵۰/۲۔
- ۷۷۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/۵۱۷۔
- ۷۸۔ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۳۰۔
- ۷۹۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/۳۲۶۔
- ۸۰۔ ایضاً، ۲/۳۰۔
- ۸۱۔ کتاب الشیعات، ص ۲۱۵۔
- ۸۲۔ حافظ ابن حجر عسقلانی، الرحمۃ المیعۃ فی ترجمہ المیعۃ (طبع منیریہ مصر ۱۳۰۵ھ) ص ۶۔
- ۸۳۔ الطبقات الکبریٰ، ۷/۵۱۳۔
- ۸۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۲۲۶۔
- ۸۵۔ تہذیب المعجم، ۸/۳۵۹۔
- ۸۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱۰/۲۲۷۔
- ۸۷۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/۵۸۷۔
- ۸۸۔ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۹۳۔
- ۹۰۔ ایضاً، ۲/۸۴۔
- ۹۰-۱۔ بھٹی، محمد اسحاق، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد (مکتبہ قدوسیہ لاہور ۲۰۰۳ء) ص ۲۲۱۔
- ۹۰-۲۔ ابن حبان، مشاہیر علماء اصحاب (دار الکتب العلمیہ بیروت) ص ۱۲۵۔
- ۹۰-۳۔ البخاری، تاریخ الکبیر، ۳/۳۸۶۔
- ۹۱۔ احمد امین، ظہر الاسلام (دار الکتب العربی، بیروت، الطبعة الخامسة، ۱۹۶۹ء) ۳/۱۲۸۔
- ۹۲۔ حسن امیر، تاریخ الاسلام، ۳/۳۳۸۔
- ۹۳۔ ابن القریظ، تاریخ علماء الاندلس، ۱۲/۲؛ مقدمہ ابن خلدون، ص ۳۳۱۔
- ۹۴۔ تذکرۃ، ۱/۱۷۶۔
- ۹۵۔ تاریخ علماء الاندلس، ۱/۱۲۲۔
- ۹۶۔ البدلیہ والتمیمیہ، ۱۰/۲۵۹۔
- ۹۷۔ ابن القوطیہ، تاریخ فتح الاندلس، ص ۲۵۔
- ۹۸۔ تاریخ علماء الاندلس، ۱/۲۹۰۔

- ۹۹- ابن فرعون، الدیاج المذهب، ص ۲۳۸، حرید ملا حقہ ہو؛ احسان عباس، تاریخ الادب الاندلس، ص ۲۸۔
- ۱۰۰- التذکرۃ، ۱/۱۰، ۶۳-۶۴۔
- ۱۰۱- ایضاً۔
- ۱۰۲- ابن وضاح، کتاب البدر والنہی ص ۱۱۱ (المقدمۃ)۔
- ۱۰۳- الدیاج المذهب، ۲۳۹، بافتوح محمد، شجرۃ النور اذکیہ فی طبقات المالکیہ، ص ۶۔
- ۱۰۴- تاریخ علماء الاندلس، ۱/۱۰۷۔
- ۱۰۵- حسین مولیٰ، شیوخ الحصر فی الاندلس، ص ۴۶۔
- ۱۰۶- سیر اعلام العلماء، ۱۳/۲۹۲-۲۹۳۔
- ۱۰۷- التذکرۃ، ۲/۶۳۰۔
- ۱۰۸- ایضاً۔
- ۱۰۹- ایضاً۔
- ۱۱۰- ایضاً۔
- ۱۱۱- ایضاً۔
- ۱۱۲- ایضاً۔
- ۱۱۳- ایضاً۔
- ۱۱۴- الرسالة المصطفیٰ، ص ۷۴-۷۵۔
- ۱۱۵- التذکرۃ، ۲/۶۳۸۔
- ۱۱۶- ایضاً، ۳/۸۱۵۔
- ۱۱۷- ایضاً۔
- ۱۱۸- ایضاً، ۲/۸۰۲۔
- ۱۱۹- احمد المقرئ، مجمع الطیّب، ۶/۱۶۰-۱۶۱۔
- ۱۲۰- ایضاً، ص ۱۶۱۔
- ۱۲۱- ایضاً، ص ۱۱۸۔
- ۱۲۲- ایضاً۔
- ۱۲۳- ایضاً۔
- ۱۲۴- ایضاً، ۱۲۰؛ تذکرۃ، ۳/۸۵۳۔

- ۱۲۵۔ مجمع الطیّب، ۶/۱۲۰۔
- ۱۲۶۔ تاریخ علماء الاندلس، ۱/۲۹۷؛ الذکر ۳/۸۵۲؛ ظہر الاسلام، ۳/۵۱۔
- ۱۲۷۔ الذکر ۳/۸۵۶۔
- ۱۲۸۔ مجمع الطیّب، ۶/۱۲۱۔
- ۱۲۹۔ ظہر الاسلام، ۳/۵۱۔
- ۱۳۰۔ الذکر ۳/۸۷۰۔
- ۱۳۱۔ ایضاً، ۳/۸۹۰۔
- ۱۳۲۔ ایضاً، ۹۱۹؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۶/۱۸۔
- ۱۳۳۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۶/۱۹؛ الذکر ۳/۹۱۹؛ تاریخ علماء الاندلس، ۱/۱۱۳۔
- ۱۳۴۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۶/۱۰۵۔
- ۱۳۵۔ ایضاً۔
- ۱۳۶۔ ایضاً، تاریخ علماء الاندلس، ۱/۳۹۔
- ۱۳۷۔ الذکر ۳/۱۰۰۷۔
- ۱۳۸۔ ایضاً، ص ۱۰۰۸۔
- ۱۳۹۔ ایضاً، ص ۱۰۰۷؛ مجمع الطیّب، ۷/۲۳۷۔
- ۱۴۰۔ الذکر ۳/۱۰۰۸۔
- ۱۴۱۔ ایضاً، ۳/۱۰۲۵۔
- ۱۴۲۔ ایضاً۔
- ۱۴۳۔ ایضاً، ص ۱۰۵۸۔
- ۱۴۴۔ ایضاً۔
- ۱۴۵۔ ایضاً، ص ۱۰۵۹۔
- ۱۴۶۔ ایضاً۔
- ۱۴۷۔ ایضاً، ص ۱۰۹۱۔
- ۱۴۸۔ ایضاً۔
- ۱۴۹۔ ایضاً۔
- ۱۵۰۔ ایضاً، ص ۱۰۹۲۔

- ۱۵۱۔ ایضاً۔
- ۱۵۲۔ ایضاً، ص ۱۰۹۸۔
- ۱۵۳۔ ایضاً، ۱۰۹۸-۱۰۹۹۔
- ۱۵۴۔ ابن یحکوم، اصلہ، ۳۳/۱۔
- ۱۵۵۔ الذکر، ۳/۱۰۹۹۔
- ۱۵۶۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۷۰-۵۶۹-۵۷۰۔
- ۱۵۷۔ ابوالحسن، تاریخ قضاۃ الاندلس، ۹۵۰-۹۶۔
- ۱۵۸۔ حسین مونس، شیوخ الحصر، ۸۲۔
- ۱۵۹۔ الذکر، ۳/۱۱۲۰۔
- ۱۶۰۔ ایضاً، ص ۱۲۱۱۔
- ۱۶۱۔ ایضاً۔
- ۱۶۲۔ ایضاً، ۳/۱۱۳۶۔
- ۱۶۳۔ مصطفیٰ احمد زرقاء، مقدمہ مجمع فقہ ابن حزم، ۱۳/۱۔
- ۱۶۴۔ الذکر، ۳/۱۱۴۷۔
- ۱۶۵۔ ایضاً۔
- ۱۶۶۔ الحمیدی، جذوۃ المقتبس فی ذکر ولایۃ الاندلس، ۲۱۹؛ ابن حجر، لسان المیزان، ۴/۲۳۰۔
- ۱۶۷۔ مجمع فقہ ابن حزم، ۱۳/۱۔
- ۱۶۸۔ لسان المیزان، ۴/۲۳۲۔
- ۱۶۹۔ ایضاً، ص ۳۳۳۔
- ۱۷۰۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۸۰/۱۵۵۔
- ۱۷۱۔ ایضاً۔
- ۱۷۲۔ جذوۃ المقتبس، ص ۳۶۷؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۸۰/۱۶۵۔
- ۱۷۳۔ اصلہ، ۲/۶۷۷-۶۷۸؛ وفيات الاعیان، ۷۶/۷۶۔
- ۱۷۴۔ الذکر، ۳/۱۱۲۹-۱۱۳۰؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۸۰/۱۵۶۔
- ۱۷۵۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۸۰/۱۵۷۔
- ۱۷۶۔ ایضاً، ۱۵۷-۱۵۸؛ وفيات الاعیان، ۷۷/۷۷؛ اصلہ، ۳/۶۷۸۔

- ۱۷۷۔ وفيات الاعيان، ۶/۷؛ الفصلۃ ۲/۶۷۸؛ بغية الملتقى، ص ۳۹۰؛ سير اعلام العلماء، ۱۸۰/۱۵۸۔
- ۱۷۸۔ تاريخ الحديث والمحدثين، ۲۵۱۔
- ۱۷۹۔ كشف الظنون، ۲/۱۹۰۷۔
- ۱۸۰۔ سير اعلام العلماء، ۱۸۰/۱۵۸۔
- ۱۸۱۔ مطبوع علی حاشیہ: الاصابہ (دار احیاء التراث العربی، بیروت)۔
- ۱۸۲۔ وفيات الاعيان، ۷/۶۷۔
- ۱۸۳۔ ایضاً۔
- ۱۸۴۔ سير اعلام العلماء، ۱۸۰/۱۵۹۔
- ۱۸۵۔ وفيات الاعيان، ۲/۴۰۸۔
- ۱۸۶۔ ایضاً، ۲/۴۰۸-۴۰۹، دیکھئے تاریخ نقباء الاندلس، ص ۹۵۔
- ۱۸۷۔ السیوطی، طبقات الحفاظ، ۳۲۷۔
- ۱۸۸۔ التذکرہ، ۳/۱۱۷۹۔
- ۱۸۹۔ ایضاً۔
- ۱۹۰۔ التحدیل والنقرتج، ۱/۲۸ (المقدمۃ)۔
- ۱۹۱۔ التذکرہ، ۳/۱۱۸۰۔
- ۱۹۲۔ ترتیب المدارک، ۴/۸۰۳۔
- ۱۹۳۔ فتح الطیب، ۶/۱۷۴۔
- ۱۹۴۔ ایضاً، ص ۱۷۵۔
- ۱۹۵۔ التذکرہ، ۳/۱۱۸۰، ترتیب المدارک، ۴/۸۰۳۔
- ۱۹۶۔ مطبوع دار اللوام، الریاض، ۱۹۸۶م۔
- ۱۹۷۔ سير اعلام العلماء، ۱۸۰/۵۳۸ (حواشی کے ساتھ)۔
- ۱۹۸۔ ایضاً۔
- ۱۹۹۔ التذکرہ، ۳/۱۱۲۶۔
- ۲۰۰۔ ایضاً، ص ۱۱۳۹۔
- ۲۰۱۔ ایضاً، ۴/۱۲۱۸۔
- ۲۰۲۔ سير اعلام العلماء، ۱۹/۱۲۱۔

- ۲۰۳۔ الذکرۃ ۳/۱۲۱۸: فتح الطیب، ۶/۳۰۰۔
- ۲۰۴۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۲۲/۱۹۔
- ۲۰۵۔ وفيات الاعيان، ۳/۲۸۲۔
- ۲۰۶۔ الذکرۃ ۳/۱۲۱۹۔
- ۲۰۷۔ ايضاً، سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۱۲۳۔
- ۲۰۸۔ الذکرۃ ۳/۱۲۱۹، سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۱۲۳۔
- ۲۰۹۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۱۲۷: الذکرۃ ۳/۱۲۲۲: وفيات الاعيان، ۳/۲۸۳۔
- ۲۱۰۔ الذکرۃ ۳/۱۲۲۲: سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۱۲۷۔
- ۲۱۱۔ فتح الطیب، ۶/۳۰۱۔
- ۲۱۲۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۱۲۵۔
- ۲۱۳۔ ايضاً، ۱۹/۱۳۸-۱۳۹۔
- ۲۱۴۔ ايضاً، ۱۹/۱۳۹۔
- ۲۱۵۔ ايضاً، ۱۹/۱۵۰۔
- ۲۱۶۔ ابن الا بار محمد بن عبداللہ بن ابی بکر الصغیر، المعجم اصحاب ابی علی الصدفی، ۷۹-۸۰۔
- ۲۱۷۔ القاضي عیاض، الاماراع (مقدمہ)۔
- ۲۱۸۔ المصلی، ۱۰/۱۳۱-۱۳۳۔
- ۲۱۹۔ الذکرۃ ۳/۱۲۳۳-۱۲۳۳۔
- ۲۲۰۔ ايضاً، ۱۲۳۳۔
- ۲۲۱۔ ابن عطیہ، نهر، ۷۸۔
- ۲۲۲۔ المصلی، ۱۰/۱۳۳۔
- ۲۲۳۔ ايضاً۔
- ۲۲۴۔ الرسالة المصطفیٰ، ۱۱۸: الکتاب فی فہرہ البھار، ۲/۲۵۴: سیر۔ ۱۹/۱۵۰: ابن خیر، فہرست، ۲۲۰۔
- ۲۲۵۔ لسان الخیر، ۳/۳۳۵۔
- ۲۲۶۔ ابن خیر، فہرست، ۲۲۱۔
- ۲۲۷۔ ايضاً، ۳۲۵۔
- ۲۲۸۔ الذکرۃ ۳/۱۲۵۳۔

- ۲۲۹۔ المعجم فی اصحاب القاضی ابی علی الصدقی، ص ۷۹-۸۰۔
- ۲۳۰۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۳۷۷۔
- ۲۳۱۔ فتح الطیب، ۶/۲۳۷۔
- ۲۳۲۔ ایضاً، ۶/۲۳۹؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۳۷۸۔
- ۲۳۳۔ فہرس المہارس، ۲/۱۱۱۔
- ۲۳۴۔ ایضاً۔
- ۲۳۵۔ ایضاً، ص ۱۱۲۔
- ۲۳۶۔ الصلۃ، ۱/۱۳۵؛ سیر اعلام، ۱۹/۳۷۷۔
- ۲۳۷۔ ابن خیر، فہرست، ص ۱۰۰۔
- ۲۳۸۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۳۷۷۔
- ۲۳۹۔ التحدیل والتجریح، ۱/۸۳۔
- ۲۴۰۔ المعجم فی اصحاب الصدقی (مقدمہ)؛ التحدیل والتجریح، ۱/۸۳۔
- ۲۴۱۔ شیوخ العصر، ص ۹۳۔
- ۲۴۲۔ التذکرۃ، ۲/۱۲۵۵۔
- ۲۴۳۔ ایضاً۔
- ۲۴۴۔ ایضاً، ص ۱۲۶۹۔
- ۲۴۵۔ ایضاً۔
- ۲۴۶۔ الصلۃ، ۲/۳۵۸، دیکھئے سیر اعلام، ۱۹/۵۸۷۔
- ۲۴۷۔ التذکرۃ، ۲/۱۲۷۲۔
- ۲۴۸۔ ایضاً، ص ۱۲۹۳۔
- ۲۴۹۔ ایضاً۔
- ۲۵۰۔ ایضاً، تاریخ قضاۃ الاندلس، ۱۰۵؛ وفيات الاعیان، ۴/۲۹۶۔
- ۲۵۱۔ وفيات الاعیان، ۶/۲۹۶۔
- ۲۵۲۔ فہرس المہارس، ۲/۲۲۹؛ الصلۃ، ۲/۳۹۰؛ شیوخ العصر، ص ۸۷۔
- ۲۵۳۔ فہرس المہارس، ۲/۲۲۹۔
- ۲۵۴۔ تاریخ قضاۃ الاندلس، ۱۰۶۔

۲۵۵۔	سیر اعلام النبلاء، ۲۰۰/۲۰۱۔
۲۵۶۔	ایضاً، ص ۱۱۹۔
۲۵۷۔	بیروت سے شائع شدہ۔
۲۵۸۔	الذکرۃ، ۲/۱۳۰۴-۱۳۰۵۔
۲۵۹۔	سیر اعلام النبلاء، ۲۰۰/۲۱۴۔
۲۶۰۔	وفیات الاعیان، ۳/۴۸۳۔
۲۶۱۔	سیر اعلام النبلاء، ۲۰۰/۲۱۴؛ المجلد، ۲/۴۵۳۔
۲۶۲۔	سیر اعلام النبلاء، ۲۰۰/۲۱۴۔
۲۶۳۔	فہرس القہارس، ۲/۱۸۴۔
۲۶۴۔	ایضاً۔
۲۶۵۔	تاریخ قضاۃ الاندلس، ص ۱۰۱۔
۲۶۶۔	الذکرۃ، ۲/۱۳۰۵۔
۲۶۷۔	یہ کتاب ۱۹۸۳ء میں مرآئیں سے شائع ہوئی ہے۔ مزید دیکھئے: وفیات الاعیان، ۳/۴۸۳۔
۲۶۸۔	فہرس القہارس، ۲/۱۸۶۔
۲۶۹۔	ایضاً۔
۲۷۰۔	ایضاً۔
۲۷۱۔	سیر اعلام النبلاء، ۲۲۰/۲۱۵۔
۲۷۲۔	ایضاً، ۲۱/۸۰۶۔
۲۷۳۔	ایضاً، المجلد، ۱/۵۲۳۔
۲۷۴۔	مطبوع مکتبۃ المعنی بغداد، ۱۹۶۳ء۔
۲۷۵۔	الذکرۃ، ۲/۱۳۵۰۔
۲۷۶۔	ایضاً۔
۲۷۷۔	سیر اعلام النبلاء، ۲۱۰/۱۹۹۔
۲۷۸۔	ایضاً۔
۲۷۹۔	ایضاً، ص ۱۳۹۔
۲۸۰۔	ایضاً، ص ۱۴۰۔

- ۲۸۱۔ تذکرۃ ۳/۱۳۳۰۔
- ۲۸۲۔ ایضاً ۳/۱۳۳۹۔
- ۲۸۳۔ ایضاً ۳/۱۳۵۵۔
- ۲۸۴۔ ایضاً ۱۳۵۵-۱۳۵۶۔
- ۲۸۵۔ آئی، ایچ برنی، مسلم حسین (اردو) ص ۳۰۲۔
- ۲۸۶۔ الطبری، جامع البیان، تفسیر سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۲۸۔
- ۲۸۷۔ ڈاکٹر زبید احمد صدیقی، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ (ادارہ ثقافت اسلامپور، لاہور، ۱۹۸۷ء) ص ۳۱۔
- ۲۸۸۔ قاضی محمد اسلم سیف، تحریک اہل حدیث، تاریخ کے آئینے میں، ص ۱۲۷۔
- ۲۸۹۔ نسائی، السنن، حدیث نمبر ۳۱۷۳، ص ۱۳۸۔
- ۲۹۰۔ بلاذری، احمد بن حنبل، فتوح البلدان (القاہرہ) ص ۸۴۔
- ۲۹۱۔ ندوی، سید سلیمان، عربوں کی جہاز بانی (اسلاک پبلیشرز، لاہور، دکن) ص ۵۲-۵۳۔
- ۲۹۲۔ بزرگ، بن شہریار، خدا، رام مرحری، کتاب عجائب الہند (طبع ۱۸۸۲ء)۔
- ۲۹۳۔ قازی، محمود احمد، محاضرات حدیث (المفصل ناشران کتب لاہور، ۲۰۰۴ء) ص ۲۱۳۔
- ۲۹۴۔ علم حدیث میں برصغیر پاک و ہند کا حصہ، ص ۱۷۔
- ۲۹۵۔ ایضاً ص ۲۷۔
- ۲۹۶۔ ایضاً ص ۳۳۔
- ۲۹۷۔ مرزا قليچ بیگ، بیچ نامہ (مترجم انگلش، فریدوں بیگ کراچی) ص ۷۸۔
- ۲۹۸۔ فریوائی، عبدالرحمن بن عبدالجبار، جمود و مخلص فی خدمۃ السنۃ المظہرۃ (الجامعۃ السلفیہ یارس بند، ۱۴۰۶ھ) ص ۳۔
- ۲۹۹۔ ایضاً ص ۲۱-۲۲ بحوالہ احسن التلاسم۔
- ۳۰۰۔ عبدالحی حسنی، نزہۃ الخواطر (دائرۃ المعارف، حیدرآباد، بھارت) ۳۵/۱۔
- ۳۰۱۔ جمود و مخلصہ، ص ۱۳۔
- ۳۰۲۔ ایضاً ص ۱۸۔
- ۳۰۳۔ ایضاً ص ۲۳۔
- ۳۰۴۔ مبارکپوری، قاضی محمد اطہر، رجال السند والہند (المطبعۃ المجازیہ ممبئی، ۱۹۵۸ء) ص ۳۰۔
- ۳۰۵۔ عبدالحی حسنی، نزہۃ الخواطر (کارخانہ تجارت کتب کراچی) ۳۵/۱؛ رجال السند والہند، ص ۲۵۵۔
- ۳۰۶۔ رجال السند والہند، ص ۲۱۷-۲۱۸۔

- ۳۰۷۔ ایضاً، ص ۲۳۶-۲۳۷۔
- ۳۰۸۔ ایضاً، ص ۶۳۶۳۵۔
- ۳۰۹۔ ایضاً، ص ۱۶۷۔
- ۳۱۰۔ ایضاً، ص ۲۰۴، ۲۷-۲۰۵۔
- ۳۱۱۔ ایضاً، ص ۵۶-۵۸۔
- ۳۱۲۔ ایضاً، ص ۳۳۔
- ۳۱۳۔ ایضاً، ص ۸۹۔
- ۳۱۴۔ ایضاً، ص ۳۳۔
- ۳۱۵۔ ایضاً، ص ۱۵۳۔
- ۳۱۶۔ شاہ ولی اللہ، الانصاف، ص ۷۷۔
- ۳۱۷۔ مجموعہ مکتوبہ، ص ۳۶-۳۷، بحوالہ ثقافت الاسلامیہ فی الہند، ص ۱۳۵۔
- ۳۱۸۔ فقہائے ہند (ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۷۶ء) ۱/۲۲۳، بحوالہ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی۔
- ۳۱۹۔ ندوی، سید سلیمان، مقالات سید سلیمان ندوی، ۶/۲-۳۰، ۷۔
- ۳۲۰۔ ایضاً، ۲/۳۷۔
- ۳۲۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: عظمیٰ، تاریخ کشمیر، ص ۱۱۹۔
- ۳۲۲۔ رحمان علی (تذکرہ علمائے ہند) کا بیان ہے کہ عبدالرحمن ہندی محدث تھے۔ درست نہیں ہے۔ زبدۃ المقاصد، ۹۲ الف۔
- ۳۲۳۔ معارف، ج ۲، ش ۴، ص ۳۵-۳۳۳۔
- ۳۲۴۔ ایضاً۔
- ۳۲۵۔ علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ (مترجم)، ص ۱۶۵۔
- ۳۲۶۔ ایضاً، ص ۱۷۱۔
- ۳۲۷۔ محدث، دہلوی، اخبار الاخیار، ص ۳۰۰۔
- ۳۲۸۔ ایضاً، ص ۳۰۰۔
- ۳۲۹۔ ایضاً، ص ۳۰۱: نظامی، خلیق احمد، حیات شیخ عبدالحق محدث، ص ۷۷۔
- ۳۳۰۔ حیات شیخ عبدالحق، محدث، ص ۷۹۔
- ۳۳۱۔ مدارج المنبوذ (مقدمہ)، عبدالصطفیٰ محمد اشرف (مترجم)، (مکتبہ اسلامیہ، اردو بازار لاہور) ص ۶۔

- ۳۳۲۔ ایضاً، ص ۷۔
- ۳۳۳۔ رائل جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۹۱۶ء ۲۲/۳۳-۶۰۔
- ۳۳۴۔ ایضاً ص ۷، نمبر ۱۱، فہرست مصنفین دہلی، ص ۳ و ما بعد؛ فہرست باگلی پور، ۱۳/۱۴-۴۷۔
- ۳۳۵۔ مخطوطات باگلی پور، ۱۳/۱۴-۱۱۹۳-۹۴: آصفیہ: ۸۳/۱، فہرست، نمبر ۲۶۵۴، ریویو فہرست، ۱۵/۱۳-۱۵۱۳۔
- ۳۳۶۔ محدث دہلوی شیخ عبدالحق، ابوہد المصنفات (مطبع نول کشور لکھنؤ) ج ۱، فہرست باگلی پور، ۱۳/۱۴-۵۳۔
- ۳۳۷۔ فہرست مصنفین دہلی (پنجاب یونیورسٹی لاہور) ص ۳ و ما بعد۔
- ۳۳۸۔ رائل جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ص ۴۔
- ۳۳۹۔ فہرست باگلی پور (پنجاب یونیورسٹی لاہور) ۱۲/۱۳-۷۹-۷۰۔
- ۳۴۰۔ محدث دہلوی، شیخ عبدالحق، فہرس التوالیف۔
- ۳۴۱۔ برائے مخطوطات باگلی پور، ج: ۵ (۴۰۴) راہپور، ۱، نمبر ۳۱۸، ۲۰۔
- ۳۴۲۔ رائل جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی، نمبر ۲۲۔
- ۳۴۳۔ ایضاً، نمبر ۲۱۔
- ۳۴۴۔ ایضاً، نمبر ۷۔
- ۳۴۵۔ اظہار آفس لائبریری، نمبر ۲۶۵۸۔
- ۳۴۶۔ مدارج النبوت (مقدمہ)، ص ۷۔
- ۳۴۷۔ تذکرۃ علمائے ہند، ص ۵۴۲۔
- ۳۴۸۔ شاہ ولی اللہ، الجزء اللطیف مع انفاس العارفين (حاشیہ، مطبع احمدی دہلی) ص ۱۹۳۔
- ۳۴۹۔ ایضاً، ص ۴۰۴۔
- ۳۵۰۔ فقہائے ہند، ۵/۳۲۰۔
- ۳۵۱۔ الجزء اللطیف (حاشیہ) ص: ۱۔
- ۳۵۲۔ دہلوی، رحیم بخش، حیات دلی، ص ۲۳۰۔
- ۳۵۳۔ تحریک احیائے دین اور امام راشد، ص ۲۶، فقہائے ہند، ۵/۳۳۶۔
- ۳۵۴۔ ناز، ڈاکٹر ایم ایس، شاہ ولی اللہ اور علم حدیث (مقبول اکیڈمی لاہور، ۱۹۹۳ء) ص ۱۱۳۔
- ۳۵۵۔ عبدالرشید عراقی، تذکرۃ العلماء (بیت الفکرت لاہور، ۲۰۰۴ء) ص ۴۵۔
- ۳۵۶۔ قاضی محمد اسلم سیف، تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں، ص ۲۷۷۔
- ۳۵۷۔ ایضاً، ص ۲۲۸۔

- ۳۵۸۔ ایضاً، ص ۲۲۸۔
- ۳۵۹۔ ایضاً، ص ۲۲۹۔
- ۳۶۰۔ ایضاً۔
- ۳۶۱۔ بہاری، فضل حسین، البیات بعد الممات (مکتبہ شعیب، حدیث منزل کراچی نمبر ۱) ص ۳۸۔
- ۳۶۲۔ تحریک الہدیث تاریخ کے آئینے میں، ص ۲۳۵۔
- ۳۶۳۔ ایضاً، ص ۲۳۶۔
- ۳۶۴۔ ایضاً، ص ۲۳۷۔
- ۳۶۵۔ مجموعہ غلہ، ص ۲۳۵۔
- ۳۶۶۔ ایضاً، ص ۲۳۵۔
- ۳۶۷۔ ایضاً، ص ۲۳۶۔
- ۳۶۸۔ ایضاً، ص ۲۳۷۔
- ۳۶۹۔ تذکرۃ العلما فی تراجم العلماء، ص ۳۶۹۔
- ۳۷۰۔ ایضاً، ص ۳۲۰۔
- ۳۷۱۔ ایضاً، ص ۳۲۱-۳۲۲۔
- ۳۷۲۔ نواب مدتی حسن خان، ابقاء العنن باللقاء المحن (خودنوشت سوانح حیات)، تمہیل مولانا محمد خالد سیف (دارالدعوتہ السلفیہ، شیش محل روڈ لاہور) ص ۷۵۔
- ۳۷۳۔ ایضاً، ص ۳۲۱-۳۲۲۔
- ۳۷۴۔ ایضاً، ص ۳۶۱-۳۶۳۔
- ۳۷۵۔ تذکرۃ العلما فی تراجم العلماء، ص ۳۲۳۔
- ۳۷۶۔ نزہۃ الخواطر، ۴/۸۔
- ۳۷۷۔ ایضاً، ۴/۸۔
- ۳۷۸۔ ایضاً۔
- ۳۷۹۔ الفلاح محمد عبدہ مفتی، تحریک الہدیث کے چند ادراک، ۱/۶۰: نزہۃ الخواطر، ۴/۸۔
- ۳۸۰۔ سلفی، عبد القیوم، تحریک الہدیث خدمات کارنامے، ص ۱۱۔
- ۳۸۱۔ نزہۃ الخواطر، ۴/۸۔
- ۳۸۲۔ ایضاً، ۴/۸۔

- ۳۸۳۔ علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ، ص ۲۰۲۔
- ۳۸۴۔ ایضاً، ص ۲۰۲۔
- ۳۸۵۔ حافظ محمد ابراہیم سیالکوٹی، تاریخ الہمدیث، ص ۴۱۔
- ۳۸۶۔ قاضی صبری، محمد جعفر، حیات احمد شہید (نفس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۸ء)، ص ۳۸۳۔
- ۳۸۷۔ ایضاً، ص ۳۸۳۔
- ۳۸۸۔ بہاری، الہیۃ بعد الحماۃ، ص ۵۵۷-۵۶۰۔
- ۳۸۹۔ سید نذیر حسین محدث، معیار الحق، مقدمہ، عبدالرزاق، مولانا آزاد کی کہانی خود اس کی زبان، ص ۳۶۶۔
- ۳۹۰۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۸۹۷۔
- ۳۹۱۔ علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ، ص ۲۰۲۔
- ۳۹۲۔ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلو پیڈیا (شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی)، ص ۹۰۱۔
- ۳۹۳۔ مقصود ایاز، شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا (شعاع ادب لاہور)، ص ۳۰۶۔
- ۳۹۴۔ بجنوری، سید احمد رضا، مقدمہ انوار الہاری (مکتبہ ناشر العلوم دیوبند، یو۔ پی بھارت)، ۲/۲۳۰۔
- ۳۹۵۔ ارشد، عبدالرشید، بیس بڑے مسلمان (شاہ عالم باریک لاہور)، ص ۱۵۰۔
- ۳۹۶۔ مقدمہ انوار الہاری، ۲/۳۳۱؛ شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا، ص ۳۰۶۔
- ۳۹۷۔ انوار الہاری، ۲/۲۳۱۔
- ۳۹۸۔ بیس بڑے مسلمان، ص ۲۲۵۔
- ۳۹۹۔ مقدمہ انوار الہاری، ۲/۲۳۱۔
- ۴۰۰۔ ایضاً۔
- ۴۰۱۔ بیس بڑے مسلمان، ص ۲۳۵۔
- ۴۰۲۔ مقدمہ انوار الہاری، ۲/۲۳۱۔
- ۴۰۳۔ ایضاً۔
- ۴۰۴۔ بیس بڑے مسلمان، ص ۲۲۰۔
- ۴۰۵۔ الہیۃ بعد الحماۃ، ص ۶۸۸۔
- ۴۰۶۔ اثری، ارشاد الحق، پاک وہند میں علمائے الہمدیث کی خدمات حدیث (فیصل آباد، ۱۹۹۰ء)، ص ۱۱۶۔
- ۴۰۷۔ ایضاً، ص ۱۱۶۔
- ۴۰۸۔ الفلاح، تحریک الہمدیث کے چند اوراق، ص ۶۲۔

- ۳۰۹۔ مقدمہ انوار الباری، ۲/۲۳۲۔
- ۳۱۰۔ لکھنؤ، نزہۃ الخواطر، ۸/۱۷۹۔
- ۳۱۱۔ انوار الباری، ۲/۲۳۲۔
- ۳۱۲۔ تحریک الہدیث کے چند اوراق، ص ۶۲۔
- ۳۱۳۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۱۸۰۔
- ۳۱۴۔ تذکرۃ العلماہ فی تراجم العلماء، ص ۲۳۳۔
- ۳۱۵۔ نوشہروی، ابوحنیفی امام خاں، تراجم علمائے حدیث سند (جامعہ سلفیہ، فیصل آباد) ص ۳۲۲۔
- ۳۱۶۔ ایضاً، ص ۳۲۲۔
- ۳۱۷۔ تذکرۃ العلماہ، ص ۳۳۱۔
- ۳۱۸۔ ایضاً، ص ۳۳۲۔
- ۳۱۹۔ ایضاً، ص ۱۳۰-۱۳۱۔
- ۳۲۰۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۲۱۸۔
- ۳۲۱۔ تذکرۃ العلماہ فی تراجم العلماء، ص ۱۳۱۔
- ۳۲۲۔ ایضاً۔
- ۳۲۳۔ راہی، اختر، تذکرۃ علماء پنجاب (مکتبہ رحمانیہ لاہور، ۱۹۸۰ء)، ۱/۳۸۵۔
- ۳۲۴۔ عراقی، برصغیر پاک و ہند میں علمائے الہدیث کے علمی کارنامے، ص ۳۵-۳۶: تحریک الہدیث کے چند اوراق، ص ۵۷-۵۹۔
- ۳۲۵۔ اثری، پاک و ہند میں علماء الہدیث کی خدمات حدیث، ص ۱۲۵۔
- ۳۲۶۔ گھرجا کھی، خالد، سوانح حیات فضل الہی (جمعیت المجاہدین پاکستان، گوجرانوالہ، ۱۹۳۲ء) ص ۶۱۔
- ۳۲۷۔ ایضاً، ص ۷۷۔
- ۳۲۸۔ ایضاً، ص ۷۸-۷۹۔
- ۳۲۹۔ ایضاً، ص ۷۷-۷۸۔
- ۳۳۰۔ ایضاً، ص ۷۸۔
- ۳۳۱۔ عبدالغفار حسن، عظیم حدیث (دارالعلم آب پارہ، اسلام آباد) ص ۱۲۔
- ۳۳۲۔ تذکرۃ العلماہ فی تراجم العلماء، ص ۷۹۔
- ۳۳۳۔ تراجم علمائے حدیث ہند، ص ۱۶۰۔

- ۳۳۳۔ تذکرۃ العلما فی تراجم العلماء، ص ۷۹۔
- ۳۳۵۔ عظیمیہ حدیث، ص ۱۲۔
- ۳۳۶۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۲۵۶۔
- ۳۳۷۔ الحیاۃ بعد الممات، ص ۶۷۱۔
- ۳۳۸۔ ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات، ص ۳۳۔
- ۳۳۹۔ عبدالعزیز رحیم آبادی، حسن البیان فی سیرۃ النعمان (اہل حدیث اکادمی، لاہور) ص ل (مقدمہ)۔
- ۳۴۰۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۲۵۶؛ حسن البیان، ص ل (مقدمہ)۔
- ۳۴۱۔ تذکرۃ العلما و تراجم العلماء، ص ۲۳۳، مقصود ایاز، شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا، ص ۵۰۸۔
- ۳۴۲۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۱۱۱؛ نزہۃ الخواطر، ۸/۲۸۷؛ ندوی، یادِ رفیقان (دارالاشاعت کراچی) ص ۳۰۔
- ۳۴۳۔ تذکرۃ العلما فی تراجم العلماء، ص ۲۳۳۔
- ۳۴۴۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۱۱۱۔
- ۳۴۵۔ تذکرۃ العلما فی تراجم العلماء، ص ۲۳۳-۲۳۵۔
- ۳۴۶۔ تحریک الجہدیت کے چند اوراق، ص ۶۱۔
- ۳۴۷۔ چشتی، عبدالعلیم، حیات وحید الزمان، ص ۱۵۔
- ۳۴۸۔ ایضاً، ص ۱۵۔
- ۳۴۹۔ ایضاً، ص ۱۶۔
- ۳۵۰۔ ایضاً، ص ۲۲۔
- ۳۵۱۔ ایضاً، ص ۲۳۔
- ۳۵۲۔ ایضاً، ص ۳۵۔
- ۳۵۳۔ ایضاً، ص ۳۵۔
- ۳۵۴۔ پاک و ہند میں علماء الجہدیت کی علمی خدمات حدیث، ص ۹۸-۱۰۰؛ حیات وحید الزمان، ص ۱۱۳-۱۶۵۔
- ۳۵۵۔ حیات وحید الزمان، ص ۸۳۔
- ۳۵۶۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۳۶۵۔
- ۳۵۷۔ سید اصغر حسین، محمود الحسن کے حالات و کمالات (دارالعلوم دیوبند، ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۷۷ء) ص ۷۱۔
- ۳۵۸۔ رحمان علی، تذکرۃ علماء ہند، ص ۳۶۷۔
- ۳۵۹۔ میں بڑے مسلمان، ص ۲۹۸۔

- ۳۶۰۔ عزیز الرحمن، مفتی، تذکرۃ شیخ الہند (ادارہ مدنی دارالتالیف بجنور) ص ۸۱۔
- ۳۶۱۔ تذکرۃ علماء ہند، ص ۳۶۷۔
- ۳۶۲۔ تراجم علماء حدیث ہند، ص ۳۲۳۔
- ۳۶۳۔ ایضاً، ص ۳۲۳۔
- ۳۶۴۔ تذکرۃ العلماء فی تراجم العلماء، ص ۳۳۷۔
- ۳۶۵۔ ایضاً، ص ۳۳۷۔
- ۳۶۶۔ ایضاً، ص ۳۳۷۔
- ۳۶۷۔ نزہۃ الخواطر، ۱۳۳/۸۔
- ۳۶۸۔ میرٹھی، عاشق الہی، تذکرۃ اقلیل، (مکتبۃ قاسمیہ سیالکوٹ، ۱۹۴۹ء) ص ۲۶۔
- ۳۶۹۔ نزہۃ الخواطر، ۱۳۵/۸۔
- ۳۷۰۔ تذکرۃ اقلیل، ص ۳۷۰۔
- ۳۷۱۔ المرجع السابق، ص ۳۷۰۔
- ۳۷۲۔ نزہۃ الخواطر، ۸۱/۸؛ مقدمۃ انوار الباری، ۲/۲۳۷۔
- ۳۷۳۔ نزہۃ الخواطر، ۸۱/۸؛ میں بڑے مسلمان، ص ۳۷۰۔
- ۳۷۴۔ میں بڑے مسلمان، ص ۳۹۷۔
- ۳۷۵۔ مقدمۃ انوار الباری، ۲/۲۵۴۔
- ۳۷۶۔ نزہۃ الخواطر، ۲۳۲/۸؛ تذکرۃ العلماء فی تراجم العلماء، ص ۳۳۲۔
- ۳۷۷۔ نزہۃ الخواطر، ۲۳۲/۸؛ النبیۃ بعد النبی، ص ۶۹۳۔
- ۳۷۸۔ تذکرۃ العلماء فی تراجم العلماء، ص ۳۳۳۔
- ۳۷۹۔ ایضاً، ص ۳۳۳۔
- ۳۸۰۔ ایضاً، ص ۳۳۵۔
- ۳۸۱۔ نزہۃ الخواطر، ۲۳۳/۸؛ تراجم علمائے حدیث ہند، ص ۳۲۶؛ تذکرۃ العلماء، ص ۳۳۳۔
- ۳۸۲۔ تذکرۃ العلماء، ص ۳۵۱۔
- ۳۸۳۔ ایضاً۔
- ۳۸۴۔ ایضاً۔
- ۳۸۵۔ ایضاً، ص ۳۵۱-۳۵۲۔

- ۳۸۶۔ ایضاً، ص ۳۵۲-۳۵۳۔
- ۳۸۷۔ ایضاً، ص ۳۵۲۔
- ۳۸۸۔ تراجم علمائے حدیث ہند، ص ۶۶۔
- ۳۸۹۔ ایضاً۔
- ۳۹۰۔ ایضاً، ص ۱۶۸۔
- ۳۹۱۔ تذکرۃ العلما فی تراجم العلماء، ص ۲۵۱۔
- ۳۹۲۔ تراجم علماء حدیث ہند، ص ۱۶۹۔
- ۳۹۳۔ تذکرۃ العلما، ص ۲۵۲۔
- ۳۹۴۔ راہی، تذکرہ علمائے پنجاب، ص ۲۵۰۔
- ۳۹۵۔ تذکرۃ العلما فی تراجم العلماء، ص ۲۵۲۔
- ۳۹۶۔ ایضاً، ص ۲۵۲-۲۵۳۔
- ۳۹۷۔ پاک و ہند میں الہدیت کی خدمات حدیث، ص ۱۱۹۔
- ۳۹۸۔ تذکرۃ علماء پنجاب، ۱/۲۵۱۔
- ۳۹۹۔ ابوالقاسم ہناری، جمع القرآن والاحادیث (تحقیق پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر، مجتہد ہاشمی (مقدمہ تحقیق) (النور انٹرنیشنل بہاولپور، طبع اڈل، ۲۰۰۰ء) ص ۴۔
- ۵۰۰۔ تراجم علمائے اہل حدیث ہند، ص ۲۹۲۔
- ۵۰۱۔ جمع القرآن والاحادیث، ص ۵ (مقدمہ تحقیق)۔
- ۵۰۲۔ بیس بڑے مسلمان، ص ۵۴۵۔
- ۵۰۳۔ ایضاً، ص ۵۴۵۔
- ۵۰۴۔ صدیقی، علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت، ص ۳۳۱؛ مقدمہ انوار الباری، ۲/۳۷۰۔
- ۵۰۵۔ علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت، ص ۳۳۱۔
- ۵۰۶۔ تذکرۃ العلما، ص ۱۳۸۔
- ۵۰۷۔ تذکرۃ العلما فی تراجم العلماء، ص ۱۳۸۔
- ۵۰۸۔ ایضاً، ص ۱۳۹۔
- ۵۰۹۔ ایضاً، ص ۱۳۰۔
- ۵۱۰۔ ماہنامہ صراطِ مستقیم، برہنہ (برطانیہ) دسمبر ۱۹۸۷ء، ص ۲۷؛ ابو بکر غزنوی، سید داؤد غزنوی (مکتبہ غزنویہ

- لاہور) ص ۲۵۰-۲۷۷۔
- ۵۱۱۔ تذکرۃ العلماء، ص ۱۹۰۔
- ۵۱۲۔ ایضاً، ص ۱۹۱۔
- ۵۱۳۔ ایضاً، ص ۱۹۳۔
- ۵۱۴۔ تذکرۃ علمائے پنجاب، ۳۳۲-۳۳۳۔
- ۵۱۵۔ حافظ محمد گوندلوی، درس صحیح بخاری مرتب منیر احمد سلفی، ص ۹۔
- ۵۱۶۔ ایضاً، ص ۱۰۔
- ۵۱۷۔ ایضاً۔
- ۵۱۸۔ ایضاً۔
- ۵۱۹۔ ایضاً۔
- ۵۲۰۔ ایضاً۔
- ۵۲۱۔ ایضاً، ص ۱۳۔
- ۵۲۲۔ ایضاً، ص ۱۳-۱۵۔
- ۵۲۳۔ ایضاً، ص ۱۵-۱۶۔
- ۵۲۴۔ ایضاً، ص ۱۷۔
- ۵۲۵۔ ایضاً، ص ۲۶-۲۷۔
- ۵۲۶۔ ایضاً، ص ۲۵۔
- ۵۲۷۔ تذکرۃ العلماء، ص ۳۶۸۔
- ۵۲۸۔ انصاری، عبدالعظیم، تذکرۃ علمائے ہجو جیان، (ناشر، عمر فاروق بھوجپانی، قصور ۱۹۸۳ء) ص ۲۲۱-۲۲۲۔
- ۵۲۹۔ تذکرۃ العلماء، فی تراجم العلماء، ص ۳۶۹۔
- ۵۳۰۔ ایضاً، ص ۳۷۱۔
- ۵۳۱۔ ایضاً، ص ۳۷۳۔
- ۵۳۲۔ ایضاً، ص ۳۷۴۔
- ۵۳۳۔ ایضاً، ص ۳۷۵۔
- ۵۳۴۔ ماہنامہ ”الحق“ (جون ۱۹۹۲ء، جلد ۷، ش ۹) ص ۳۹-۵۱۔
- ۵۳۵۔ تذکرۃ العلماء، فی تراجم العلماء، ص ۳۹۷۔

- ۵۳۶۔ ایضاً۔
- ۵۳۷۔ سجاد، محمد یوسف، تذکرہ علمائے اہل حدیث پاکستان، ۳۶/۲-۳۸: تذکرۃ العلماء، ص ۳۹۸۔
- ۵۳۸۔ تذکرہ علمائے اہل حدیث پاکستان، ۳۰۱/۲۔
- ۵۳۹۔ بھٹی، محمد اسحاق، کاروانِ سلف (مکتبہ اسلامیہ، فیصل آباد)، ص ۴۱۲۔
- ۵۴۰۔ ایضاً، ص ۴۱۳۔
- ۵۴۱۔ ایضاً، ص ۴۱۶۔
- ۵۴۲۔ ایضاً، ص ۱۳۵۔
- ۵۴۳۔ تذکرۃ العلماء فی تراجم العلماء، ص ۳۹۸۔
- ۵۴۴۔ تذکرہ علماء اہلحدیث پاکستان، ۱۶۴/۲۔
- ۵۴۵۔ ایضاً، ص ۱۶۷۔
- ۵۴۶۔ ایضاً، ۱۶۸/۲۔
- ۵۴۷۔ ایضاً، ۲۱۱/۲-۲۱۸۔
- ۵۴۸۔ تذکرۃ العلماء فی تراجم العلماء، ص ۴۰۰۔
- ۵۴۹۔ انوار الباری، ۱۸۳/۲-۲۳۹۔
- ۵۵۰۔ تذکرۃ علماء اہلحدیث پاکستان، ۳۷۷/۲۔
- ۵۵۱۔ ایضاً، ۲۷۷-۲۷۸۔
- ۵۵۲۔ تذکرۃ العلماء فی تراجم العلماء، ص ۸۰۔
- ۵۵۳۔ ایضاً۔
- ۵۵۴۔ ایضاً، ص ۸۱۔
- ۵۵۵۔ ایضاً۔
- ۵۵۶۔ ایضاً، ص ۳۰۳۔
- ۵۵۷۔ تذکرہ علماء اہلحدیث پاکستان، ۲۷۹/۳-۲۸۰۔
- ۵۵۸۔ ایضاً، ۲۸۰/۳۔
- ۵۵۹۔ ایضاً، ۳۸۲/۳۔
- ۵۶۰۔ تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینے میں، ص ۶۹۹۔
- ۵۶۱۔ ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات، ص ۱۶۳۔

- ۵۶۲۔ سلفی، عزیز الرحمن، جماعت احمدیہ کی تدریسی خدمات، ص ۱۱-۱۲۔
- ۵۶۳۔ تحریک احمدیہ کے چند اوراق، ص ۴۔
- ۵۶۴۔ ماہنامہ محدث، لاہور، جلد ۲۳، شمارہ ۲، ص ۱۶۴۔
- ۵۶۵۔ نزہۃ الخواطر/۱، ۱۸، مجموعہ مکتبہ فی خدمۃ السنۃ المکرمہ، ص ۲۳۔
- ۵۶۶۔ السمعانی، ابوسعید عبدالکریم، الانساب (دار الجمان، بیروت ۱۹۸۸ء) ۳/۳۲۱۔
- ۵۶۷۔ ایضاً، ۲/۵۲۳۔
- ۵۶۸۔ ایضاً، ۳/۳۹۳، رجال السند والہند، ص ۱۵۳۔
- ۵۶۹۔ مقالات سلیمان، ۲/۴۔
- ۵۷۰۔ رجال السند والہند، ص ۱۷۸؛ مقالات سلیمان، ۲/۴۔
- ۵۷۱۔ مجموعہ مکتبہ، ص ۳۳-۳۴؛ مقالات سلیمان، ۲/۴۔
- ۵۷۲۔ مجموعہ مکتبہ، ص ۳۷۔
- ۵۷۳۔ ایضاً، ص ۴۰۔
- ۵۷۴۔ ایضاً، ص ۴۸۔
- ۵۷۵۔ ایضاً، ص ۵۹-۶۱۔
- ۵۷۶۔ رفیق، پروفیسر سعید احمد، مسلمانوں کا نظام تعلیم (اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، کراچی ۱۹۶۲ء) ص ۲۵۵۔
- ۵۷۷۔ قادری، حقانی، ڈاکٹر، دینی مدارس نصاب و نظام تعلیم اور عصری تقاضے (فضل منیر، کراچی ۲۰۰۲ء) ص ۳۴۱۔
- ۵۷۸۔ صدیقی، پروفیسر بخشیار حسین، برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم (ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۸۲ء) ص ۱۲۔
- ۵۷۹۔ ایضاً، ص ۱۷۔
- ۵۸۰۔ ندوی، ابوالحسنات، ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں (مکتبہ خاور، لاہور ۱۹۷۹ء) ص ۱۰۵-۱۰۶۔
- ۵۸۱۔ قاری محمد طیب، تاریخ دارالعلوم دیوبند (دارالاشاعت، کراچی ۱۹۷۲ء) ص ۳۵-۳۶۔
- ۵۸۲۔ تحارف دارالعلوم جامعہ نعیمیہ، لاہور، ص ۱۴۹۔
- ۵۸۳۔ نصاب الجامعہ السلفیہ، فیصل آباد۔
- ۵۸۴۔ ملاحظہ برائے تفصیلات، نصاب برائے ایم اے علوم اسلامیہ، ۱۹۹۵ء تا حال، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور۔
- ۵۸۵۔ نصاب شعبہ حدیث و سیرت (ماڈرن پراگریو سنٹر آف ایکسٹینس، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور ۲۰۰۲-۲۰۰۳ء)۔
- ۵۸۶۔ سلیس، شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور ۲۰۰۲ تا ۲۰۰۵ء۔

- ۵۸۷۔ برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم ص ۳۷۔
- ۵۸۸۔ ایضاً ص ۳۰۔
- ۵۸۹۔ الحیاء بعد الہما ص ۳۳-۳۴، ۵۳؛ عظیم آبادی، محمد طحس الحق، الوجازۃ فی الاجازۃ ص ۳۶۔
- ۵۹۰۔ عظیم آبادی، محمد طحس الحق، غالیۃ المقصود فی شرح سنن ابی داؤد (حدیث اکادمی، فیصل آباد، ۱۴۱۳ھ) ۱/۱۔
- ۵۹۱۔ مبارکپوری، عبدالرحمن، جامع ترمذی مع شرح تھمتۃ الاحوذی (مکتبہ ضیاء اللہ، فیصل آباد) ۱/۱۔
- ۵۹۲۔ گوندلوی، حافظ محمد، ارشاد القاری (ادارہ ضیاء الحدیث والحدیث شین، گوجرانوالہ، ۱۹۹۵ء) ۵/۱۔
- ۵۹۳۔ رضی حیدر، خواجہ، محدث سورتی (سورتی اکیڈمی کراچی) ص ۹۹۔
- ۵۹۴۔ برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم ص ۳۰-۳۱۔
- ۵۹۵۔ درس صحیح بخاری، ص ۲۰۔
- ۵۹۶۔ برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم ص ۳۲۔
- ۵۹۷۔ ایضاً ص ۳۲-۳۳۔
- ۵۹۸۔ ارشاد القاری ۹/۱۔
- ۵۹۹۔ علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ ص ۱۹۳-۱۹۴۔
- ۶۰۰۔ السیاح لکھنؤ، محمد بشیر، الشاہ ولی اللہ دہلوی حیات و دعوت (مکتبہ دارالعلم، اسلام آباد، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء) ص ۹۲۔
- ۶۰۱۔ سید ابوالحسن علی ندوی، بصائر (مجلس نشریات اسلام ناظم آباد، کراچی) ص ۲۳-۲۵۔
- ۶۰۲۔ الحیاء بعد الہما ص ۲۳۰-۲۳۱۔
- ۶۰۳۔ ایضاً ص ۲۰۹۔
- ۶۰۴۔ ایضاً ص ۱۰۳، ۱۱۳؛ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، تاریخ اہل حدیث (مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۱ء) ص ۴۷۷۔
- ۶۰۵۔ الحیاء بعد الہما ص ۱۱۱۔
- ۶۰۶۔ ایضاً ص ۶۶۲-۷۰۳ (مختصر طور پر ۵۰۰ شاگردوں کے نام لکھے ہیں)۔
- ۶۰۷۔ مسعودی، انظر شاہ، نقش دوام (المکتبہ البوریہ، کراچی) ص ۱۴۷۔
- ۶۰۸۔ ایضاً ص ۱۵۲۔
- ۶۰۹۔ ایضاً ص ۱۶۵۔
- ۶۱۰۔ ایضاً ص ۱۷۳۔
- ۶۱۱۔ ماہنامہ ”الفرقان“ لکھنؤ (خصوصی اشاعت پیادگار شیخ الحدیث، محمد زکریا ۱۴۰۳ھ، مضمون: حضرت شیخ الحدیث اور علم حدیث از مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری ص ۲۳۷-۲۳۸ (تلفیظ)؛ ڈاکٹر محمد نواز،

- شیخ الحدیث محمد زکریا کی دینی و علمی خدمات (نعت اکادمی، فیصل آباد ۱۹۹۷ء) ص ۳۰۱: محمد عاشق الہی بلند شہری، سوانح عمری مولانا محمد زکریا (مسعد الخلیل الاسلامی، کراچی ۱۴۱۷ھ) ص ۲۹۸۔
- ۶۱۲۔ سوانح عمری مولانا محمد زکریا ص ۲۹۳-۲۹۵۔
- ۶۱۳۔ قدوائی، مولانا عبدالسلام، مولانا حیدر حسن خان (مطبع معارف، اعظم گڑھ ۱۹۷۵ء) ص ۳۲-۳۳۔
- ۶۱۴۔ ایضاً، ص ۳۲-۳۳۔
- ۶۱۵۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۱۲۸۔
- ۶۱۶۔ اصغر حسین، حیات شیخ الہند، ص ۳۵-۳۶۔
- ۶۱۷۔ قدوائی، مولانا حیدر حسن خان، ص ۲۷۔
- ۶۱۸۔ محمد اسحاق بھٹی، نقوش عظمت رفتہ (مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۱۹۹۶ء) ص ۱۳۱۔
- ۶۱۹۔ ہفت روزہ الاعتصام، لاہور، جنوری ۱۹۸۶ء (اشاعت خاص یاد محمدت عمر حافظ محمد گوندلوی، مضمون: حضرت الاستاذ حافظ محمدت گوندلوی از مولانا محمد ادریس فاروقی) ص ۵۲۔
- ۶۲۰۔ درس صحیح بخاری، ص ۲۱۔
- ۶۲۱۔ ایضاً، ص ۲۳۔
- ۶۲۲۔ مجلہ ”الحق“، مولانا عبدالحق نمبر (اکوڑہ خٹک) ص ۳۳۲۔
- ۶۲۳۔ ایضاً، ص ۳۳۲۔
- ۶۲۴۔ فقہائے ہند (تیرہویں صدی ہجری) ۱۸۰/۲۔
- ۶۲۵۔ ابوبکر غزنوی، حضرت مولانا دادا دغزنوی، ص ۱۶۹-۱۷۰۔
- ۶۲۶۔ ایضاً، ص ۱۷۳-۱۷۴۔
- ۶۲۷۔ پاک و ہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث، ص ۱۰۔
- ۶۲۸۔ شاہ ولی اللہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (مکملہ اوقاف حکومت پنجاب، لاہور ۱۹۷۷ء) ص ۵۵۔
- ۶۲۹۔ عبدالحی لکھنوی، مقدمہ عمدة الراعیہ ص ۱۲-۱۳ اور عبدالحی لکھنوی، النافع الکبیر ص ۱۲۳-۱۲۴۔
- ۶۳۰۔ پاک و ہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات، ص ۷۰۔
- ۶۳۱۔ ترمذی، مولانا عبدالغفور، تذکرۃ الظفر سوانح مولانا ظفر احمد عثمانی (مطبوعات علمی، کمالیہ، ۱۹۷۷ء) ص ۲۳۸۔
- ۶۳۲۔ ندوی، مولانا ابوالحسن علی، ہندوستانی مسلمان (مجلس نشریات اسلام، کراچی) ص ۱۱۸۔
- ۶۳۳۔ تراجم علمائے حدیث ہند، ص ۳۳ مقدمہ از سید سلیمان ندوی۔

باب ششم

مکاتب فکر اور ان کا نظریہ حدیث

فتنہ انکار حدیث کا تاریخی و تحقیقی جائزہ

(برصغیر کے تناظر میں)

تاریخ عالم گواہ ہے کہ اسلام کے سوا کوئی دین بھی اپنی اصلی صورت میں موجود نہیں۔ خواہ آسمانی ادیان ہوں یا مفکرین عالم کے بنائے ہوئے اصول۔ اسلام قیامت تک محفوظ رہے گا۔ قرآن مجید کے تحفظ کی ذمہ داری کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”انما نحن نزلنا الذکر وانما له لحفظون“ (۱) (بے شک ہم نے ہی ذکر اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)۔

قرآن مجید کی تشریح وہی درست ہے جو رسول اللہؐ نے کی ہے۔ یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر ڈالی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وانزلنا الیک الذکر لتبیین للناس ما نزل الیہم“ (۲) (اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن مجید) اتارا تاکہ آپ لوگوں کو وضاحت کر دیں اس کی جو ان کی طرف اتارا گیا)۔ قرآن کی طرح قرآن کا بیان یعنی حدیث و سنت بھی محفوظ ہے اس کا اعتراف غیردول کو بھی ہے۔

اس سلسلے میں R.V.C. Bodlay لکھتا ہے: ”ہمارے پاس مولیٰ، کنفیو شس یا گوتم

بدھ کا کوئی معاصر اندر ریکارڈ نہیں ہے اور عیسیٰؑ کی زندگی کے بس چند اجزاء ہم جانتے ہیں۔ ان کی زندگی کے ان تیس (۳۰) برسوں کا جنہوں نے آخری تین برسوں کے لیے راستہ ہموار کیا ہمیں کچھ علم نہیں۔ مگر محمد ﷺ کی کہانی انتہائی روشن ہے۔ یہاں اسرار اور پرچھائیاں نہیں تاریخ ہے۔ ہم محمد ﷺ سے ایسے ہی واقف ہیں جیسے کہ اپنے قریب العہد شخص سے۔ ان کا خارجی ریکارڈ، ان کی جوانی، ان کے اعزاء، ان کے عادات و اطوار نہ کوئی افسانہ ہے نہ سنی سنائی بات اور نہ مثنوی و اعجاز کی دھندلی روایت، ہمارے پاس ابھی انہیں کے یکتا ہم عصروں کا قلم بند کیا ہوا ان کا ایسا ریکارڈ ہے جو اپنے آغاز اور تحفظ دونوں کے لحاظ سے قطعی یکتا ہے اور جس سچائی کے متعلق ایک بھی سنجیدہ شبہ ظاہر کرنا کسی کے لیے ممکن نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم کے ساتھ سیرت و حدیث کے ذخیروں کا اس طرح محفوظ رہنا اسلام کا اعجاز اور اس کا ایک لامتناہی امتیاز ہے جس میں کوئی مذہب اور کوئی امت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی (۳)۔

اس بارے میں ایک مغربی مؤرخ ایڈورڈ گھن لکھتا ہے: ”محمد ﷺ کے مذہب کی جو چیز واقعی حیرت انگیز ہے وہ اس کی اشاعت نہیں بلکہ اس کا اثبات، اس کی پائیداری اور اس کی شان دوام ہے۔ جو صاف اور سادہ نفس آپؐ نے مکہ (مکہ) اور مدینہ میں کندہ کیا تھا، بارہ صدیوں کے افکار و بات کے بعد آج بھی قرآن کے ہندی، افریقی اور ترکی نو محققوں کے پاس اسی طرح محفوظ ہے“ (۴)۔

تاریخی پس منظر

یہ قوتوں کا دور ہے طرح طرح کے فتنے ظہور میں آ رہے ہیں۔ گمراہی اور بے دینی کے داعی طرح طرح کی دعوت دینے کے لیے کھڑے ہیں اور نشر و اشاعت کے ذریعے اپنے زہریلے اثرات مسلمانوں میں چھوڑ رہے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے اس قسم کے لوگوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا: ”دعاة علی ابواب جہنم من اجابہم الیہا قذوفہ فیہا“ (دوزخ کے دروازے کی طرف بلانے والے ہوں گے جو شخص ان کی دعوت کو قبول کرے گا اسے دوزخ میں پھینک دیں گے)۔ اس حدیث کے راوی حضرت حذیفہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صنفہم لنا (ان کا حال ہمیں بیان فرما دیجئے)۔ آپؐ نے فرمایا: ”ہم من جلدتنا ویتکلمون بالسنتنا“ (۵) (وہ لوگ ہماری جماعت سے نسبت رکھنے والے ہوں گے اور اسی طرح کی باتیں کریں گے جیسی ہم باتیں کرتے

ہیں۔ ان حقائق کے باوجود جنہیں غیر اقوام کے انصاف پسند اور غیر انصاف پسند دونوں قسم کے سکارلز تسلیم کرتے ہیں مگرین حدیث سادہ لوح مسلمانوں خاص کر اردو دان طبقہ سکول اور کالجوں کے نوخیز طلباء کے ایمانوں پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے گمراہ کن لٹریچر کے ذریعے اسلامی تعلیمات سے ناواقف مسلمانوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات کی جنم ریزی کرتے ہیں اور یہ کوئی اتفاقی امر نہیں بلکہ یہ ان یہودی اور نصرانی آقاؤں کی ایک خاص منصوبہ بندی اور سازش ہے۔ جس کو وہ اسلام کے خلاف زمان و مکان کے رنگ و حالات کے مطابق جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یہ سارا کچھ ایک سازش کے تحت تکمیل پا رہا ہے کیونکہ ہم لوگ جانتے ہیں۔ ابتدائے آفرینش سے حق کے مقابلے میں باطل اور نور کے بالمقابل ظلمت نبرد آزار ہے ہیں۔ حضرت آدمؑ نے ابھی خلعتِ خلافت نہیں پہنی تھی کہ ابلیس ملائکہ کی صف سے علیحدہ ہو گیا اور حضرت ابراہیمؑ ابھی پیدا نہ ہوئے تھے کہ اقدارِ نمرود کے ہاتھوں میں تھا۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت موسیٰؑ کے پیدا ہونے سے پہلے تھی مصر پر فرعون براجمان تھا۔ حدیث نبویؐ نے جس طرح قرآن کریم کے گرد حفاظت کا پہرہ دیا اور عملاً ایک اُمت کی تشکیل کی اور اسے توارثِ عمل بخشا تو ضروری تھا کہ اس کے بالمقابل پھر ظلمت کی گھٹا اٹھے۔ اُمت کو اتحاد کی بجائے انتشار ملے اور قرآن اپنے احکام کے تعین میں ممبرانِ اسبلی کا دسبِ مگر ہو اور عقل کی ہر بدلتی لہرِ تعلیم نبوت کے کنارے توڑتی رہے۔ مگرین حدیث انہی تقاضوں سے اٹھے اور مختلف عنوانوں سے سامنے آئے۔ جدید فتنوں میں انکارِ حدیث کا فتنہ بظاہر تو نیا ہے لیکن حقیقت میں پرانا۔ جس جماعت نے حضراتِ صحابہ کرامؓ سے کٹ کر اپنا راستہ علیحدہ بنایا اس نے انکارِ حدیث کی ریش اپنائی اور اسے آگے بڑھایا، اپنی گمراہی پر خوش نمالیل لگایا اور اپنا اچھا نام تجویز کیا۔

انگریزوں نے ۱۸۶۹ء میں ایک کمیشن اس مقصد کے لیے متحدہ ہندوستان بھیجا تا کہ وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی تجاویز مرتب کرے۔ اس کمیشن نے یہاں ایک سال میں مسلمانوں کے حالات معلوم کیے اور ۱۸۷۰ء میں وائٹ ہاؤس لندن میں ان نمائندوں کی ایک کانفرنس ہوئی جس میں متعین مشنری پادری بھی خاص طور پر شریک ہوئے جنہوں نے علیحدہ علیحدہ رپورٹیں پیش کیں۔ یہ وہ دوستِ نمادِ شمن جو مار آستین بن کر مسلمانوں کے ذہنوں میں زہرِ قاتل کا انجکشن لگا رہے

ہیں مگر افسوس کی انتہا تو یہی ہے کہ خود مسلمانوں میں سے ایک گروہ (منکرین حدیث) اہل القرآن کا خوش نما لبیل لگا کر یہود و نصاریٰ کی راہنمائی کر رہا ہے اور مختلف اطراف میں انکار حدیث کا زہریلا لٹریچر پھیلا رہا ہے۔ کہیں مفت علاج کے کیمپ کا دلچسپ نام دے کر غریب مسلمانوں کو اس منافقانہ پروپیگنڈے کے ذریعے جمع کر رہے ہیں۔ کہیں ”مفت علاج اور مفت دوائی“ کے عیارانہ ہتھکنڈے سے ان کے ایمانوں میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور کہیں منافقانہ چال بازوں سے قرآنی ریسرچ کے اسلام نما دقت رکھول کر سکول اور کالج کے معصوم بچوں کے ذہنوں میں گمراہ کن عقائد کی عم ریزی کر رہے ہیں (۶)۔

انکار حدیث کی تحریک کسی دور میں منقی عنوانوں سے نہیں چلی بلکہ اس نے اپنی منقی آواز کے لیے ہمیشہ کسی نہ کسی مثبت عنوان کا سہارا لیا ہے منکرین کبھی:

۱۔ جامعیت قرآن کا فقرہ لے کر اٹھے کہ قرآن کریم کے ہوتے ہوئے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں (یعنی حدیث کی ضرورت نہیں) کبھی ان لوگوں نے کہا کہ قرآن کے ابدی قوانین ہر زمانے کے نئے تقاضوں کے تحت طے ہونے چاہئیں۔

۲۔ کبھی ان لوگوں نے بعض حدیثوں کے خلاف عقل ہونے کا سہارا لیا اور ان کے ذریعے سارے ذخیرہ حدیث کو گدلا کرنا چاہا۔ کبھی یہ الزام تراشی کی کہ ہم ان حدیثوں کو کیسے مان لیں جن میں خلاف عقل مضامین ہیں۔ ان لوگوں نے چند تشابہات کے باعث تمام ذخیرہ احادیث کا انکار کر دیا۔

۳۔ کبھی انہوں نے باطنی تاویلات کی راہ سے احادیث کا انکار کیا اور کہا کہ ہم اہل معرفت خود ہی حدیث کو دیکھ لیتے ہیں۔ تمہارے ذخیرہ حدیث میں سے ہمیں کسی حدیث کی ضرورت نہیں۔

چودھویں صدی بھری نے جہاں اور بہت سے گل کھلائے وہیں انگریز نے جھوٹے نبی کھڑے کیے اور فقہ انکار حدیث بھی نئے اعزاز میں سامنے آیا۔ اب یہ فقہ اچھا خاصا معروف ہو چکا ہے اور کچھ لوگ اب منقی عنوان اختیار کرنے سے بھی نہیں چوکتے اور یہ تحریک اب زور پکڑتی جا رہی

ہے۔ چنانچہ ایک منکر حدیث کمال کر رکھتا ہے: ”یہ سنت ہی تھی جس نے اسلام کے ابتدائی جمہوری مزاج میں بگاڑ پیدا کیا۔ یہ سنت ہی تھی جس نے مسلمانوں کو متحدہ فرقوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ یہ سنت ہی تھی جس نے بغوامیہ اور بغومہاس کے جہد میں نہ ہی لوگوں کو غیر معمولی اہمیت دلوائی اور یہ سنت ہی تھی جس نے دولت عثمانیہ کو ناقابل علاج مریضوں کی آماجگاہ بنایا“ (۷)۔

فقہ الکلام حدیث کی پیشین گوئی ہمیں آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے ملتی ہے، حضرت مقداد بن معدی کرب کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”یوشک أحدکم ان یکذبنی وهو متکبر۔ علی أریکته یحدث بحدیثی فیقول بیننا وبينکم کتاب اللہ فما وجدنا فیہ من حلالٍ استحللناہ وما وجدنا فیہ من حرامٍ حرماناہ الا وان ما حرم رسول اللہ ﷺ ما حرم اللہ“ (۸) (متریب تم میں سے ایسا آدمی ہوگا جو میری گھڑب کرے گا اور وہ اپنے پلنگ پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا ہوگا۔ میری طرح ہائیں کرے گا اور کہے گا ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب (قرآن) ہی کافی ہے۔ جو اس میں حلال ہم پائیں گے اسے حلال سمجھیں گے اور جو اس میں حرام پائیں گے اسے حرام سمجھیں گے (آپ نے سمجھہ فرمادی) کہ خبردار جو (چیزیں) اللہ کے رسول نے حرام کی ہیں وہ (بھی حکم) ایسی ہی ہیں جیسے خود اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہوں (یعنی رسول اللہ کا حکم اللہ ہی کا حکم ہے)۔

اس حدیث میں جہاں اس فقہ کی خبر دی ہے وہاں ایک اشارہ بھی کر دیا کہ الکلام حدیث کی آواز پہلے امرا کے اسی قسم کے حلقوں سے اٹھے گی۔ لوگ صوفیوں پر بیٹھے کوشیوں میں مٹھلیں لگائے حدیث کا انکار کریں گے اور یہی لوگ ہیں جو منکرین حدیث کی صفیں ہانڈھیں گے۔

الکلام حدیث کی آواز انفرادی طور پر امام شافعی کے زمانے میں اٹھی تھی۔ امام شافعی نے ایسے افراد سے مناظرہ بھی کیا تھا لیکن یہ آواز منظم نہ ہو سکی اور یہ فقہ اس وقت اپنی موت آپ مر گیا۔ ماضی قریب میں الکلام حدیث کی آواز مختلف افراد نے بلند کی۔ عالم اسلام خاص طور پر عالم عرب مثلاً مصر وغیرہ میں اس فقہ کو چمکانے کی کوشش کی گئی لیکن یہ سب کوششیں انفرادی تھیں کوئی فرقہ یا کوئی منظم تحریک وجود میں نہ آ سکی (۹)۔

دور نبوی ﷺ تا عصر حاضر

دور نبوی ﷺ میں انکارِ حدیث

انکارِ حدیث کا فتنہ بظاہر تو نیا ہے لیکن حقیقت میں کافی پرانا ہے۔ کیونکہ اس کی ابتدا ایک لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اس وقت ہو چکی تھی جب ذوالخویصرہ نامی شخص نے اللہ کے رسول ﷺ کی بات کا اعتبار نہ کرتے ہوئے اسے رد کر دیا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا حضرت علیؓ نے جب وہ یمن میں تھے آنحضرت ﷺ کے پاس سونے کا ایک کھڑا بھیجا۔ آپ نے وہ سونا اقرع بن حابس حطلی جو بنی جاشع میں سے تھا اور عیینہ بن بدر فزاری اور علقمہ بن علاشہ عامری کو جو بنی کلاب میں سے تھا اور زید خیل طائی جو بنی مہجان میں سے تھا (ان چار آدمیوں) میں تقسیم کر دیا۔ یہ دیکھ کر قریش اور انصار کے لوگ خستے ہوئے اور کہنے لگے آنحضرت ﷺ کو کیا ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ خجد کے رئیسوں کو دیتے ہیں مگر ہم کو نہیں دیتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے یہ مال خجد والوں کو دیا ہے، تو ایک مصلحت کے لیے میں ان کا دل بہلاتا ہوں۔ اسنے میں ایک شخص آ پہنچا۔ عبداللہ ذوالخویصرہ جس کی آنکھیں اندر دھنسی ہوئی اور پیشانی اوپر اٹھی ہوئی، داڑھی بہت گھنی، گال پھولے ہوئے اور سر منڈا ہوا تھا کہنے لگا۔ محمد خدا سے ڈرو۔ آپ نے فرمایا: اگر میں اللہ کا رسول ہو کر اس کی نافرمانی کروں گا تو پھر اس کی اطاعت کون کرے گا وہ تو زمین والوں پر مجھ کو امین جانتا ہے (جیسی تو اس نے مجھ کو خیر اور اپنا نائب بنا کر بھیجا) اور تم میرا اعتبار نہیں کرتے۔ ایک شخص مسلمانوں میں سے (خالد بن ولید یا عمر بن خطاب) کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ حکم ہو تو اس کی گردن اڑا دیں آپ نے اجازت نہ دی۔ جب وہ پیٹھ موڑ کر چلا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی نسل سے کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو قرآن کے صرف لفظ پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے سے نہیں اترے گا۔ یہ لوگ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیرہ کاری جانور میں سے پار نکل جاتا ہے (اس میں کچھ لگا نہیں رہتا)۔ یہ کم بخت مسلمانوں کو تواریں گے (کہیں گے تم کافر ہو گئے) اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے (ان سے جہاد نہیں کریں گے) اگر میں نے کہیں ان کا زمانہ پایا تو

عاد کی قوم کی طرح ان کو نیست و نابود کر دوں گا“ (۱۰)۔

یہ وہ پہلا واقعہ جس میں آنحضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی حدیث کا انکار کیا گیا۔ اس حدیث نبوی سے واضح پتہ چلتا ہے کہ کچھ لوگ بعد میں ایسے پیدا ہوئے جن کا رجحان انکار حدیث کا ہو گا۔ تاریخ عالم بتاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور اقوال کی مخالفت سب سے پہلے یہود نے کی اور یہ مخالفت انہوں نے محض اسلام دشمنی، بغض و عناد اور قوی تعصب کی بنا پر کی۔ اس سلسلے میں ہر وہ منافقانہ اور دورنگی چالیں اختیار کی گئیں جن کے ذریعے وہ اسلامی احکام کو زک پہنچا سکتے تھے۔ چنانچہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے انکار کی تحریک بحث نبوی کے ساتھ ہی شروع کی گئی تاکہ لوگوں کو اسلام لانے میں ان کے پیدا کردہ شکوک کی بنا پر رکاوٹیں ہوں۔ چنانچہ وہ اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ انہوں نے اپنی مذہبی کتاب تورات کو تبدیل کر دیا اور اس میں رسول اللہ ﷺ کی جو علامات اور آمد کی پیشین گوئیاں کی گئی تھیں ان آیات کو سرے سے نکال دیا۔

قرآن کریم اس کا ذکر یوں کرتا ہے: ”ثم يحرفونه من بعد ما عقلوه وهم يعلمون“ (۱۱) (پھر (یہود) نے خوب جان بوجھ کر تورات کے احکام میں رد و بدل کیا (جن آیتوں میں حضور پاکؐ کی نبوت کی نشانیاں بتلائی گئی تھیں)۔

قرآن کریم ان کے معاندانہ تحریف پر ان کو دھمکاتا ہے اور اس کا فرانہ حرکت پر ان کو طاعت کرتا ہے۔ لیکن ان تمام تر ہدایات کے باوجود یہود نے ہر وہ حربہ استعمال کیا جس کے ذریعے وہ اسلام کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے متعلق شکوک پیدا کرنے کے لئے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر انہیں دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ اس کے لیے انہوں نے یہ چال چلی کہ دن کے پہلے حصہ میں ایمان لانا ظاہر کیا کرتے اور مسلمانوں کے ساتھ منافقانہ طور پر نمازوں میں بھی شریک ہوتے لیکن شام کے وقت اسلام سے نکل جاتے تاکہ نو مسلم اور ضعیف الایمان مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوں۔ اسی طرح بعض یہود نے اسلام کا لبادہ دیر تک اوڑھے رکھا اور خود کو مسلمان ظاہر کرتے رہے۔ لیکن ان کے دلوں میں چونکہ حق و صداقت کی روشنی نہیں تھی اس لیے وہ چمپ چمپ کے منافقانہ چالوں کے ذریعے مسلمانوں کو زک پہنچانے کی فکر میں لگے

رہتے تھے اور چونکہ ان کو اپنی کتابوں کے ذریعے یہ معلوم تھا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ صحیح اور حقیقی پیغمبر ہیں چنانچہ کبھی کبھار خود ان کے منہ سے بھی یہ حق بات مسلمانوں کے سامنے نکل جاتی تھی تو پھر یہود تنہائی میں اس بات پر ایک دوسرے کو ملامت کرتے تھے کہ تم کیوں حق بات مسلمانوں کے سامنے بیان کرتے ہو (۱۲)۔

منافقانہ رویہ ایک فتنہ انگیز اور زہریلا اھتیار ہے جو حق و صداقت کے لیے شرک سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ قرآن حکیم نے ایک طرف منافقین کے لیے سزا بھی سخت مقرر کی۔ جیسا کہ ارشاد ہوا: ”ان المنافقين في الدرك الاسفل من النار“ (۱۳) (بے شک منافقین جہنم کے سب سے نچلے حصہ میں ہوں گے)۔ تو دوسری طرف مسلمانوں کو یہودیوں سے دور رہنے کی ہاد ہار تلقین بھی کی۔ یہودی ہر وقت اس تاک میں رہتے تھے کہ کسی بھی طریقے سے مسلمانوں کو دوبارہ کفر کی طرف لوٹا دیں (۱۴)۔

ارشاد مبارک ہے۔ ”وَذَكِّرْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُونَ نِكَاحًا مِنْ بَعْدِ أَيْمَانِهِمْ كَفَرُوا حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ“ (۱۵) (اہل کتاب میں سے اکثر اپنے دلی حسد اور کینے کے سبب بھی چاہتے ہیں کہ کاش وہ کسی بھی طریقے سے تم (مسلمانوں) کو ایمان لانے کے بعد دوبارہ کافر بنادیں یا وجود اس کے کہ حق بات ان پر ظاہر ہو چکی ہے)۔ چنانچہ اس سلسلے میں یہود نے مسلمانوں کو دین سے پھیرنے کے لیے کوئی چال نہیں چھوڑی۔ یہی وجہ ہے کہ فتنہ ارتداد میں یہودیوں نے بڑا مرکزی کردار ادا کیا۔ چنانچہ مؤرخ ابن الاثیر لکھتے ہیں کہ یہود نے اسلام دشمنی کے لیے پھر اپنا سرا اٹھایا اور منافقت کا لہارہ اوڑھ کر عرب قبائل کو اسلام سے کفر کی طرف لوٹانے میں خوب کام کیا (۱۶)۔

سجاح نامی عورت نے جو عیسائی قبیلہ بنو تغلب سے رشتہ رکھتی تھی نبوت کا دعویٰ کر کے جھوٹی نبوت کے دوسرے دعویدار مسیلمہ الکذاب سے شادی کی اور جب سجاح نے مسیلمہ الکذاب سے مہر کا مطالبہ کیا تو مسیلمہ نے ازراہ تحقیر سجاح کو دو دھتوں کی نماز یعنی صبح اور عشا کی نماز کی معافی کا اعلان کر دیا اور کہا کہ یہ دو نمازیں تمہارا مہر ہے (۱۷)۔ یہ ان منافقین کے معاندانہ حربے تھے جن کے سبب وہ دین میں تذبذب اور تردد پیدا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اس سازش میں لگے ہوئے تھے کہ کسی بھی ممکن

طریقے سے پیغمبر خدا ﷺ کو راجح سے ہٹا کر اپنا غیر کاربنا دیں جو بالکل ایک ناممکن سی بات تھی۔ جیسے قرآن کریم ان کی سازش کو یوں بیان کرتا ہے: "ولن ترضى عنك اليهود ولا النصارى حتى تتبع ملتهم قل ان هدى الله هو الهدى" (۱۸) (اے پیغمبر! یہود اور نصاریٰ تو ہرگز آپ سے اس وقت تک خوش نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ خود ان کے دین کی پیروی اختیار نہ کریں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے)۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ان الدين عند الله الاسلام" (۱۹)۔ (اللہ کے ہاں اسلام ہی دین ہے)۔ لیکن یہود کسی صورت میں بھی اسلام کی پیروی کرنا نہیں چاہتے تھے اس لیے مسلمانوں کو صاف حکم ہے کہ یہود و نصاریٰ سے ہرگز دوستی نہ رکھو اور جو کوئی یہود کی چال چلے گا وہ ان کی جماعت میں سے شمار ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "يا ايها الذين امنوا لا تتخذوا اليهود والنصارى اولياء بعضهم اولياء بعض ومن يتولهم منهم فانهم منكم فانه منهم ان الله لا يهدي القوم الظالمين" (۲۰) (اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا تو وہ بھی ان ہی میں شمار ہوگا، بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا)۔

حضور ﷺ کی رسالت کا سب سے پہلا انکار یہود نے کیا۔ کیونکہ رسالت کا مقصود صرف اقوال رسول ﷺ کو سچا مان کر ان پر ایمان لانا ہے اور جو فرمان الہی وہ پیش کریں اس پر سچے دل سے یقین کر کے عمل کرنا ہے۔ پس حضور ﷺ کا یہ دعویٰ کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہو رہا ہے۔ حریف رسول کہلاتا ہے۔ اس لیے جو حدیث رسول کا منکر ہے وہ حقیقت میں قرآن و حدیث دونوں کا منکر ہے (۲۱)۔

دور صحابہؓ میں انکار حدیث اور یہودی سازشیں

حضور نبی اکرم ﷺ کی رحلت کے فوراً بعد یہود و نصاریٰ نے اسلام کے خلاف مختلف قسم کی سازشیں شروع کیں۔ قہر ارتداد میں ان دونوں نے بہت بڑا کام کیا۔ حضور ﷺ کی رحلت کے فوراً بعد یہودیت اور نصرا نیت نے اسلام دشمنی کے لیے اپنا سراپا ہمارا اور منافقت کا لبادہ اوڑھ کر عرب قبائل کو

اسلام سے کفر کی طرف پھیرنے میں خوب کام کیا۔ مثلاً ایک قبیلے کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی کہ ”زکوٰۃ کی فرضیت اور ادا ہونے کی حلق حضور کی ذات سے تھا“ اب اس کی ضرورت باقی نہ رہی۔ نعم نبوت کے خلاف مختلف اطراف میں نبوت کے دعوے کرائے گئے۔ عبادات کا مذاق اڑایا گیا جیسے مسیلہ الکذاب نے اہم ترین عبادت، نمازوں کا مذاق اڑا کر (سجاء کو بعوض مہر معاف کر کے) اللہ تعالیٰ کے اہم ترین حکم کی بے حرمتی کی۔

عین اسی زمانے میں ایک انتہائی خطرناک آدمی یمن کا ایک صنعانی یہودی مسودا ہوا جس کا اصلی نام جہود تھا۔ اس نے منافقانہ طور پر اسلام ظاہر کیا اپنا اسلامی نام عبداللہ ابن سہارکھا اور مشہور کر دیا کہ اس نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے اس کا خیال تھا کہ اس طرح حضرت عثمانؓ کی قدر کریں گے۔ مگر جب حضرت عثمانؓ نے اس کو شہر مدینہ سے باہر نکال دیا تو اس نے حضرت عثمانؓ کی عیب جوئی شروع کر دی۔ چنانچہ یہ وہ پہلا یہودی سازشی ہے جس نے پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ ان کے صحابہ کرامؓ کو بھی عیب جوئی کا نشانہ بنایا۔ مدینہ سے نکل کر اس نے کوفہ، شام اور بصرہ کا دورہ کیا اس نے وہاں موقع پا کر اسلام کے خلاف تحریک چلائی۔ اس کی تحریک کے بنیادی عناصر درج ذیل تھے:

۱۔ صحابہ کرامؓ کے خلاف جموئے الزامات لگا کر لوگوں کے سامنے ان کی عداوت اور معیار و وقار کو گرائے۔

۲۔ پیغمبر خدا ﷺ کی طرف جموئے بیانات منسوب کرنا۔

۳۔ مہم قرآنی کے تعین کے لیے حضورؐ کی تشریحات کی ضرورت نہیں بلکہ اپنی من مانی اور خواہش کے مطابق قرآن پاک کے مطالب بیان کرنا۔

۴۔ ان عقائد کی ترویج کر کے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا اور ان کو آپس میں لڑانا تاکہ اسلامی قوت جس جس نہ ہو جائے اور یہودیت کا پھر سے غلبہ ہو جائے (۲۲)۔

آحضرت ﷺ کی طرف جموئے بیانات سب سے پہلے اس یہودی نے منسوب کیے مثلاً یہ کہ آحضرت ﷺ نے خلافت کا مستحق حضرت علیؓ کو قرار دیا تھا اور وہ تمام صحابہؓ سے افضل تھے وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ حافظ۔۔۔ حضرت معمرؓ کے حوالے سے ابن سہارکھا کے متعلق یوں رقم طراز ہیں کہ

”اَوَّلُ مَنْ كَذَبَ عَبْدَ اللَّهِ بْنِ سَبَّاحٍ“۔

حضور ﷺ پر سب سے پہلے جھوٹ کہنے والا یہ یہودی منافق تھا چنانچہ حضرت علیؑ کے گروہ کے ایک مشہور بزرگ مسیب بن نجہ نے کوفہ کی جامع مسجد میں اسے کھڑا کر کے لوگوں کے سامنے اعلان کیا: ”يَكْذِبُ عَلَى اللَّهِ وَعَلَى رَسُولِهِ“ (۲۳) (یہ منافق یہودی اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر جھوٹ باندھتا ہے) ان کی طرف ایسی بیہودہ باتیں منسوب کرتا ہے جو ایک احمق ترین آدمی بھی نہیں کہہ سکتا۔

قرآن کے مطالب بیان کرنے کے لیے اس یہودی نے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی کہ قرآن کریم خود ایک مکمل کتاب ہے۔ اس کے مطالب اور وضاحت کے لیے حدیث رسول پاکؐ کی کوئی ضرورت نہیں تا کہ قرآن کریم سے حدیث رسول پاکؐ کے بیان اور وضاحت کا رشتہ کاٹا جائے اور یوں اسلام کے احکام ہر ایک کے لیے محض مشق بنے رہیں۔ حالانکہ قرآن کریم صاف طور پر بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا قرآنی مفہوم وہی ہے جو پیغمبر اسلامؐ بیان کرے کیونکہ جس پر قرآن کریم نازل ہو رہا ہے مفہوم بیان کرنے کا عقلاً حق وار وہی ہوتا ہے اور جو کوئی قرآنی مفہوم کے تعین کے لیے حدیث رسولؐ کا رشتہ کاٹتا ہے، وہ مفسد ہے۔

جیسا کہ ارشاد رہا ہے: ”وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ“ (۲۴) (اور وہ کاٹتے ہیں اس چیز کو جس کے ملانے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور وہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں)۔ یعنی خدا کا حکم تو یہی ہے کہ قرآنی مفہومات کے بیان کے لیے اقوال رسولؐ کا ربط نہ کاٹا جائے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں تو درحقیقت وہ زمین میں فساد کا آغاز کرتے ہیں۔

قرآن کریم کی حیثیت تو متن کی ہے جب کہ حدیث رسولؐ کی حیثیت اس کی شرح کی ہے جس کا کھول کر بیان کرنا، صرف پیغمبر کا کام ہے۔ مگر اس مفسد اور یہودی منافق نے لہرہ میں ایک ایسی جماعت تیار کی تھی جو کہا کرتی تھی کہ قرآن کے سوا ہم کسی بات کو نہیں مانتے۔ چنانچہ صاحب کفایہ خلیب بغدادی بیان کرتے ہیں کہ یہ جماعت لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھاتی تھی کہ قرآن کے سوا کسی اور بات کو نہ مانو اور قرآن کا مفہوم وہی ہے جو تمہارا ذہن اخذ کرتا ہے (۲۵)۔ اس سلسلے میں حافظ ابن حجر اپنی کتاب ”لسان المیزان“ میں فرماتے ہیں: ”كَانَ عَبْدُ اللَّهِ أَوَّلُ مَنْ أَظْهَرَ ذَلِكَ“ (۲۶)

(عبد اللہ بن مسعودی وہ پہلا شخص ہے جس نے اس تحریک کا آغاز کیا)۔

اس یہودی کو جب مسلمانوں کے درمیان مصالحت کی کوئی صورت نظر آتی تو وہاں اپنی منافقانہ چال کی بدولت دروغ گوئی کے ذریعے اس مصالحت کو برباد کر دیتا۔ گویا یہود و نصاریٰ بغض و عناد کی وجہ سے مسلمانوں کے وجود کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ دین اسلام کو نیست و نابود کیا جائے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم مسلمانوں کو یہودی دوستی اور ان کی عیرودی سے بچنے کے ساتھ منع کرتا ہے۔

دورِ تابعین اور فقہانِ انکارِ حدیث

قوم یہود نے اسلام کی دشمنی اور مخالفت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گویا وہ اسلام کی مخالفت اپنا مذہبی مشن سمجھتے تھے۔ اس لیے حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ وہ مناسب سازشوں کا جال بچاتے رہے۔ یہاں تک کہ پہلی صدی ہجری کے اواخر میں اعتزال یعنی عقل پرستی رونما ہوئی۔ جس کے بنیادی حوالے میں غلط نظریات کا دخل رہا ہے۔

مہد ہوا مہیہ میں معتزلہ کی وجہ سے حکمرانوں کی غوریز یوں نے عوام میں انتہائی بے چینی اور مسلمان حکمرانوں کے خلاف بدگمانی پیدا کی کہ اسلام میں مسلمانوں کا خون بہاتے ہیں۔ جن کے تذکرہ کے لیے طہرین نقدر کی آڑ لے کر یہ جواب دیتے تھے کہ یہ ہم خود نہیں کرتے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ ہم سے کراتا ہے، کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ کوئی کام بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں ہوا کرتا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہود و نصاریٰ کے حواریوں نے بڑے پیمانے پر پروپیگنڈہ کر کے یہ بھی مشہور کر دیا کہ دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ ورنہ اس کی تعلیمات میں حقیقی خوبیاں، اخلاقی جاذبیت اور اتنی قوت نہیں جو حیاتِ انسانی کے مختلف گوشوں کے لیے کافی ہوں وغیرہ وغیرہ۔ ان حوالے نے ایک نیا فرقہ جنم دیا جس کے خیال کے مطابق جو احکام عقلی گرفت میں نہ آ سکتے ہوں ان کا انکار کر دیا جائے اس فرقہ کا نام معتزلہ ہے (۲۷)۔

اس فرقے کے حلق مولانا بدر عالم لکھتے ہیں: ”اس فرقے نے اپنے قاسد مزاج کے سبب حشر و نشر، رویتِ باری تعالیٰ، صراط، میزان، وزن، اعمال، جنت و دوزخ جیسے بنیادی عقائد کے وجود

سے انکار کر دیا جن کا مضموم ان کے متعین کردہ عقلی میزان میں پوری طرح نہیں آ سکتا تھا ان کے مسائل کے متعلق قرآنی آیات کی خود ساختہ تاویلیں کیں اور خبر واحد جیسی احادیث کا انکار کیا“ (۳۸)۔

حافظ ابن حزمؒ (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں: ”اہل سنت، خوارج، شیعہ، قدریہ تمام فرقے آنحضرت ﷺ کی ان احادیث کو جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں برابر قابلِ حجت سمجھتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ پہلی صدی کے بعد متکلمین معتزلہ آئے اور انہوں نے اس اجماع کے خلاف کیا“ (۳۹)۔

معتزلہ کا یہ فتنہ ایک علمی فتنہ تھا۔ اس لیے انکارِ حدیث میں انہیں بہت کچھ پس و پیش کرنا پڑا یہاں تک کہ ایک جماعت نے تصریح کی کہ خبر واحد اگر عزیز ہو جائے تو چونکہ وہ مفید یقین بن جاتی ہے اس لیے وہ حجت ہو جائے گی۔ تحریک اعتزال کا بانی واصل بن عطاء جو پہلی صدی ہجری کے آخر میں انبار اور عقل کے ہتھیاروں کی تیزی میں بہت سے ذخیرہ احادیث کو کچلتے ہوئے آگے نکل گیا۔ دوسری صدی میں امام شافعیؒ نے سب سے پہلے فتنہ انکارِ حدیث کا رد کیا (۴۰)۔

معتزلہ کے علاوہ مجسریوں نے بھی انکارِ حدیث کیا۔ لیکن ان کا انکار علمی شبہات کی ادھ میں پردان چڑھا۔ اس تحریک کے بانی سرسید احمد خان تھے اور ان کے شاگرد نواب اعظم یار جنگ، مولوی چراغ علی (۱۸۹۵ء) جیسے لوگ ایک فکری حلقہ بنا چکے تھے۔ تیرہویں صدی کے آخر میں یہ معتزلہ کی نشاۃِ جدید تھی۔ انکارِ حدیث کا عنوان انہوں نے بھی اختیار نہ کیا تھا پھر یہ بھی یاد رہے کہ مسلمانوں نے اگر سرسید کا ساتھ دیا تو وہ ان کی تعلیمی پالیسی کی وجہ سے تھا۔ مذہبی پہلو سے وہ ان کے ساتھ نہ تھے۔

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری ایک مقام پر لکھتے ہیں ”پہلی تحریک علی گڑھ سے اٹھی جس کے محرک سرسید احمد خاں تھے یہ تحریک انگریزی تعلیم کی ترقی کے لیے تھی۔ اس لیے مسلمان اس کے حامی ہو گئے مگر سرسید مرحوم نے مسلمانوں کے عقائد میں دخل دینا شروع کیا تو بگاڑ شروع ہو گیا (۴۱)۔

سرسید اور ان کے حلقہ فکر میں اسلام کس قسم کی نشوونما پا رہا تھا اس کا جواب مولوی چراغ علی کی اس صاف گوئی سے ملتا ہے: ”مردم شاری ہوئی تو انہوں (سرسید) نے مذہب کے خانہ میں اپنی بیوی کے نام کے سامنے شیعہ لکھ دیا اپنے اور اپنے بیٹوں کے نام کے مقابل مفر صفر لکھ دیئے“ (۴۲)۔ نچھریوں کے علاوہ شیعہ اور قادیانیوں نے بھی انکارِ حدیث کیا۔ شیعہ حضرات اہل سنت کے سامنے جب کبھی ان

حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جو اہل سنت والجماعت کے ہاں متداول ہیں یا صحاح ستہ میں بھی جاتی ہیں تو وہ انہیں الزامی طور پر پیش کر رہے ہوتے ہیں وہ اس بات کے مدعی ہوتے ہیں کہ یہ روایات اہل سنت کے ہاں معتبر ہیں لیکن جہاں تک ان کے اپنے عقیدے کا تعلق ہے وہ نہ ان کتابوں کو معتبر سمجھتے ہیں نہ ان کے مؤلفین سے انہیں کوئی عقیدت ہے۔ نہ وہ انہیں اپنے ہاں مومن تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے ہاں تو حدیث کی اپنی کتابیں وہ ہیں جو اصول اربعہ کے نام سے معروف ہیں۔ سوشیعہ حضرات کا صحاح ستہ کی احادیث سے انکار دراصل ان کتابوں سے انکار ہے، حدیث رسول ﷺ سے اصولی انکار نہیں۔ ارشاد رسالت کے حجت ہونے کو وہ بہر حال قائل ہیں۔ مگر شیعہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ ان کا امام معصوم ہر دور میں موجود رہا ہے اور یہ صرف امام کی بات ہے جو ان کے ہاں حدیث کا درجہ رکھتی ہے سو اس کی حدیث کے ہوتے ہوئے انہیں جناب رسالت مآب کی احادیث کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی۔

قادیانی لوگ طبعی مباحث میں جب بھی حدیث سے استدلال کرتے ہیں تو ان کی بھی کوشش برائیل الزام ہوتی ہے خود وہ حدیث کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ وہ یہ انداز محض اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ مسلمان حدیث نبوی کے قائل ہوتے ہیں وہ اسے اپنے لیے ناقابل اعتماد سمجھتے ہیں اور علم و عمل کی سند جانتے ہیں۔ ورنہ جہاں تک قادیانیوں کا اپنا تعلق ہے وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی پوری امت کے لیے حکم بن کر آیا ہے اور اب حدیث وہی قابل قبول ہے جسے وہ صحیح قرار دے اور وہ حدیث ضعیف ہے جسے وہ ناقابل قبول ٹھہرائے (۳۳)۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ معتزلہ، شیعہ اور قادیانیوں کے اختلافات عام مسلمانوں سے کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں آنحضرت کی ذات گرامی کے حجت اور سند ہونے پر یہ بھی متفق ہیں۔

قادیانی تو دیسے ہی پاکستان میں غیر مسلم اقلیت ہیں۔ شیعہ کے عوام پر گو غیر مسلم ہونے کا فتویٰ نہیں تاہم یہ ضرور ہے کہ اثنا عشری شیعہ علماء اسلامی مغفوں میں کچھ وزن نہیں رکھتے۔ رہے معتزلہ تو ان کا احترام اس دور میں مستقل نہیں رہا، شیعیت اور نجیریت میں جذب ہو چکا ہے۔ مستشرقین نے بھی اس پہلو سے صف اسلام میں بہت انتشار پیدا کیا ہے حدیث سے اعتماد اٹھانے میں شک کے کانٹے دور تک نکمیرے۔ گولڈزیہر اور شاخت نے اس معرکے میں اپنی عمریں صرف کر ڈالیں اور عرب ممالک میں

حدیث کے خلاف ہر طرف تھکیک کی راہیں کھول دیں۔ الحمد للہ کہ ان ممالک میں جامعۃ الازھر اور سعودی عرب کے بعض علماء نے اس محاذ پر کام کیا ہے اور اس فتنے کا پوری طرح سد ہاب کیا ہے (۳۳)۔

دور جدید اور فتنہ انکار حدیث

دور جدید کا فتنہ انکار حدیث علمی نہیں بلکہ یہ پھر اس یہودی اور عیسائی سازش کا حصہ ہے جو عناد اور اسلام دشمنی پر مبنی ہے جس کو عیسائی سازش کے تحت یورپ کے مستشرقین نے ہندوپاک کے اسلام نما شاگردوں کے ذریعے شروع کیا۔ بعض کو نبوت کے دعوے کے لیے تیار کر دیا اور بعض کو حدیث رسول ﷺ کے انکار کے لیے تیار کیا۔ چنانچہ ان مفسدین نے حفاظت حدیث کے متعلق لوگوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس ضمن میں انہوں نے حفاظت حدیث کی کثرت تعداد پر حیرت و تعجب کا اظہار کر کے اس کو خلاف فطرت قرار دیا۔ دوسرے قدم میں انہوں نے حدیث کی تاریخیت پر حملہ کر دیا اور جان بوجھ کر صحابہ کرام اور صالحین امت پر یہ بہتان لگایا کہ ان کے زمانے میں حدیث کا وجود نہیں تھا (۳۵)۔

انگریزی دور حکومت نے ایسا ہی نظام ہندوپاک میں رائج کیا، جس کے سبب دین اسلام کی مخالفت کے لیے ایک اسلام نما مگر یورپی ذہن رکھنے والا گروہ وجود میں آیا۔ جس کا کام دین سے فرار اور اعمال رسولؐ سے گریز کرنا تھا۔ چنانچہ خود ڈبلیو ہنٹر اس نظام تعلیم کا مقصد بتاتے ہوئے کہتا تھا: ”ہمارے اینگلو انڈین سکولوں سے کوئی مسلمان ایسا نہیں نکلا جو اپنے آباؤ اجداد کے مذہب سے انکار نہ جانتا ہو“ (۳۶)۔ اس سلسلے میں لارڈ میکالے کا بیان ہے ”نظام تعلیم کے ذریعے ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ہمارے اور رعایا کے درمیان ترجمان کا کام کرے اور وہ ایک ایسی جماعت ہو، خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق، رائے اور الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو“ (۳۷)۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے انگریز مکار نے اسلام نما دشمنوں کا انتخاب کیا جو اسلام کا ظاہری لیبل لگائے منافقانہ اور عیارانہ طریقوں سے اسلام کے ہارے میں بدگمانی پھیلاتے رہے۔ ان لوگوں میں سے انگریزوں کو ایک سرکردہ لیڈر سر سید احمد خان ملا جس نے حدیث رسولؐ کا انکار کر کے قرآنی تعلیمات کے خلاف عیسائی اور انگریزی سازشوں کی تائید کی (۳۸)۔ لیکن سر سید صاحب انگریز حکمرانوں کو خوش

کرنے کے لیے ان تمام تاریخی حقائق کا انکار کر کے دھڑی کرتا ہے کہ بائبل تو بالکل محفوظ ہے۔ البتہ خود نبی کریم ﷺ کا حدیثی سرمایہ اس کے نزدیک غیر محفوظ اور ناقابلِ اسناد ہے۔
بحول علامہ اقبال:

جسے کساد سمجھتے ہیں تاجرانِ فریگ
وہ شے متاعِ ہنر کے سوا کچھ اور نہیں

مہمانِ رسولِ مصباحہ کرامِ اقوالِ محبوب رہائی کو سرمایہٴ ایمان سمجھتے تھے اور ان کی زبان سے لکھے ہر حرف کو دل و دماغ میں پیوست کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اعمال میں بغیر کسی کم و کاست کے ظاہر کرتے تھے۔ ایسے عشاقِ رسول جن کو حضورؐ کی طرف سے احادیث کو محفوظ کرنے کی خوشخبری ملی تھی: ”نضمر اللہ امرہ أسمع مقاتلتی فوعاھا و حفظھا و بلغھا“ (۳۹) [اللہ تعالیٰ اس آدمی کو تروتازہ رکھے جس نے میرا قول سنا تو اسے یاد کیا اور اچھی طرح محفوظ کیا اور] (پھر دوسروں تک ایسا ہی) پہنچایا۔

دوسری طرف خطرناک قسم کے طباب کا ڈر بھی سنایا کہ ”من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعده من النار“ (۴۰) (جس کسی نے میری طرف قصداً جھوٹ منسوب کیا اس نے دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنالیا)۔ اس طرح ہر بات کی حضورؐ نے پہلے سے یہ پیشین گوئی کر دی تھی۔ سرسید احمد خان نے انگریز حاکم کو خوش کرنے کے لیے مسلمانوں کے دل و دماغ میں اسلامی احکامات کے متعلق شکوک و شبہات کا دروازہ کھولا۔ پیغمبر اسلام کی تشریحات کی پرواہ کیے بغیر قرآن کریم کی من مانی تشریحات کیں اور یوں مسند پیغمبر پر قبضہ کر کے خداوندِ عالم کی کتاب کو اپنی رکیک تاویلات کا نشانہ بنایا (۴۱)۔ بڑی آسانی کے ساتھ ان اقوال سے سرسید کی اسلام دشمنی کا پتہ چلتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ عبد اللہ ابن سبا یہودی نے اسلام کے خلاف جس سازش کا آغاز کیا تھا وہ بھی قرآنی آیات کی من مانی تشریحات اور حدیثِ رسول پاک کے انکار پر مبنی سازش تھی۔ پس سرسید کی سازش کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ ابن سبا یہودی کی تحریک کا پرتو ہے (۴۲)۔

سرسید کے پیر و کاروں میں سے بعض نے ختم نبوت کا انکار کر کے اپنی خود ساختہ نبوت کا اعلان

کیا جن میں سے غلام احمد قادیانی نے انگریز آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا۔ جبکہ بعض نے اپنا نام اہل قرآن رکھ کر اسلام کے حلیہ کو بگاڑنا شروع کر دیا۔ چنانچہ غلام احمد قادیانی نے قرآنی آیات کے مفہومات کو اپنی من مانی تاویلات کے ذریعہ بگاڑنے کی خوب کوشش کی۔ سرسید احمد خان کا ایک سرگرم پیروکار عبداللہ چکڑالوی جس کا اصل نام غلام نبی تھا۔ حدیث سے نفرت کی بنا پر اپنا نام عبداللہ بن سبا کی طرح عبداللہ رکھا۔ اس نے کھلم کھلا حدیث کا انکار کر کے (اپنا نام) اہل قرآن رکھا۔ اور مسلمانوں کو دین اسلام سے منحرف کرنے لگا۔ اس نے تمام ذخیرہ احادیث اور اقوال رسول اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ شیطانی خیال کیا۔

عبداللہ چکڑالوی کے بعد اس کا بیوہ سرگرم رکن احمد الدین امرتسری نے تمام اسلامی عبادات کو بیک جنبش قلم مٹا دیا (۴۳)۔

منکرین حدیث کے گروہ کا ایک سرگرم رکن نیاز فتح پوری قرآن کریم کے متعلق لکھتا ہے۔ ”کلام مجید کو میں نہ کلام خداوندی سمجھتا ہوں نہ الہام ربانی بلکہ اسے ایک انسان کا کلام جانتا ہوں اور اس مسئلہ پر میں اس سے قبل کئی بار گفتگو کر چکا ہوں“ (۴۴)۔ اس نے قرآن مجید کے کلام الہی ہونے کے انکار کے ساتھ سرے سے وحی کا بھی انکار کر دیا ہے۔ یہ ہیں قرآن مجید کے متعلق اصل عقائد اور خیالات جو عبداللہ چکڑالوی سے بھی بہت آگے اس کے شاگرد نیاز فتح پوری نے ظاہر کیے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ”اہل قرآن“ اپنے یہودیانہ سازشوں میں ابلیس سے بھی اونچا مقام حاصل کر چکے ہیں۔ اقوام عالم میں کوئی بھی قوم ایسی نہیں گزری ہے جس نے وحی کا انکار کیا ہو مگر بعض وعاد میں دشمن جب حسد کی انتہا تک پہنچ جاتا ہے تو پھر وہ سب کچھ کر گزرتا ہے (۴۵)۔

منکرین حدیث میں ایک اسلم حیران پوری ہے اس نے بھی اپنے زہریلے پروپیگنڈے کے ذریعے اقوال رسول کا انکار کیا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ ”احادیث کا ذخیرہ پیغمبر کے منہ سے نکلا ہی نہیں آپ نے صرف قرآن کی تبلیغ کی ہے“ (۴۶)۔ بعد ازاں ایسا شخص آیا جس نے قرآن کریم کے نام سے اسلام دشمنی کی تمام حدود کو پامال کر کے ضلالت گمراہی کی حد کر دی۔ وہ غلام احمد پرویز بٹالوی ہے جو ایک طرف خدا اور رسول کے وجود سے انکار کرتا ہے اور دوسری طرف خود اپنے آپ کو اہل قرآن کہتا ہے

۔ وہ لکھتا ہے: ”قرآن مجسم میں جہاں اللہ اور رسول کا ذکر آیا ہے اس سے مراد مرکز نظام حکومت ہے۔ اس لیے قرآن کریم میں مرکزیت کو اللہ اور اس کے رسول سے تعبیر کر لیا گیا“ (۴۷)۔

پرویز کے بیانات تو اس سلسلے میں واضح ہیں کہ انسان خدا بھی ہے اور انسان بھی، جنت بھی، جہنم بھی نیز فرشتے بھی انسان کی نفسانی محرکات کا نام ہیں۔ ایک عقل مند اور ذی ہوش انسان کی سمجھ سے تو یہ بات بالکل بالاتر ہے کہ انسان خالق بھی ہو اور مخلوق بھی جنت بھی ہو اور دوزخ بھی یہ ہیں وہ احقانہ خیالات جن کو مکرین حدیث بڑی دھوم دھام سے پیش کرتے ہیں اور ان کو قرآن کریم کی تعلیم بھی بتاتے ہیں۔

یہ چند مختصر بیانات مکرین حدیث کے ہیں جو درحقیقت مکرین قرآن ہیں تاکہ یہ پتہ چلے کہ مکرین حدیث دراصل قرآن کے تمام حلیہ کو بگاڑنے کے ورپے ہیں اور جو نظریات وہ پیش کرتے ہیں، اسلام کو مٹانے کی وہی یہودیانہ سازشیں ہیں جن کو عبداللہ بن سبا اور ان کے پیروکاروں نے شروع کی تھیں (۴۸)۔

مکرین حدیث کے مختلف گروہ

احادیث نبویہ میں مختلف قسم کے مکرین حدیث کی خبر دی گئی ہے کہ وہ مختلف صورتوں اور مختلف اندازوں سے احادیث رسول کا اہتبار ختم کرنے کی ناکام سعی کریں گے۔ ان کی تین بڑی قسمیں درج ذیل ہیں:

الف: وضاعین حدیث

ایک طبقہ کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ وضاعین حدیث کی صورت میں نمایاں ہوگا جو وضع حدیث کے پیروی میں حدیث کو بے اعتبار کر کے گویا اس سے انکار کی دعوت دے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: آخر زمانہ میں ایسے جموٹے اور جلسا ز پیدا ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی حدیثیں (گھڑ کر) بیان کریں گے جو نہ کبھی تم نے سنی ہوں گی اور نہ تمہارے آباؤ اجداد نے۔ ان سے بچتے رہنا کہیں تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور جتلائے

فتنہ و فساد نہ کر دیں (۴۹)۔

علامہ ابن الصلاح فرماتے ہیں: ”والواضعون للحديث اصناف، واعظمهم ضررا قوم من المنسويين الى الزهد وضعوا الاحاديث احتسابا فيما زعموا فتقبل الناس موضوعاتهم ثقة منهم بهم، وركونا اليهم، ثم نهضت جهابذة الحديث لكشف عوارها ومحو عارها والحمد لله“ (۵۰) (حدیث گھڑنے والوں کی (کئی) قسمیں ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ ضرر رساں وہ لوگ ہیں جو ہد کی طرف منسوب ہیں انہوں نے اپنے خیال میں احتساب (ڈرانے) حدیثیں گھڑ لیں اور سمجھتے یہ رہے کہ اس میں ثواب ملے گا۔ لوگوں نے ان کی ظاہری حالت پر اعتماد کر کے ان سے عقیدت رکھتے ہوئے ان کی موضوع روایت کو قبول کر لیا۔ پھر فن حدیث کے اعلیٰ ماہرین اٹھے تاکہ اس کمزوری کا پردہ چاک کر دیں اور اس کی خرابی کو مٹا دیں اور اصل تعریف تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات کے لیے ہے)۔

پس یہ لوگوں کی اطلاع قبی جنہوں نے حدیث اور بیان قرآن کو معتبر کہہ کر بلکہ اس سے عقیدت کا اظہار کر کے عیاری اور سادگی سے جعلی حدیثیں گھڑیں اور اصلی احادیث غلط ملط کر کے شائع کیں تاکہ اصل احادیث کا اعتبار اٹھ جائے گویا اقرار کے پیرایہ میں انکار حدیث کیا۔

ب: منکرین حدیث

ایسے لوگوں کے وجود کی بھی رسول اللہ ﷺ نے خبر دی جو کھلے بندوں حدیث کا انکار کر کے اسے بے اعتبار بنانا اور مٹانا چاہیں گے چنانچہ مقداد بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”خبر دار ہوا مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اس کا مثل اور بھی دیا گیا ہے (یعنی حدیث) آگاہ رہو کہ ایک پیٹ بھرتو تو گرم کا آدی مسند و تکبہ پر بیٹھ کر کہے گا۔ لوگو! بس قرآن کو مضبوط تھامو جو اس میں حلال ہے اسے حلال سمجھو اور جو اس میں حرام ہے اسے حرام سمجھو (حدیث کا کوئی اعتبار نہیں) حالانکہ (حدیث میں) رسول اللہ نے بہت سی چیزوں کو حرام کیا ہے۔ جیسے اللہ نے حرام فرمایا ہے، دیکھو پالتو گدھے کا گوشت تمہارے لیے حلال نہیں، کائٹنے والے درندے تمہارے لیے حلال

نہیں۔ کسی معاہدہ کی گری پڑی چیز تمہارے لیے حلال نہیں۔ لایہ کہ تمہاری اطلاع کے بعد وہ خود ہی اس سے دست بردار ہو جائے“ (۵۱)۔

اس حدیث نے فتنہ انکار حدیث کا منشا بھی بتلا دیا ہے کہ وہ منکروں کی شکم سیری اور ہیبت بھرے ہوئے کارِ شرمہ ہوگا۔ دنیا کی طرف سے بے فکری ہوگی تو دین پر ہاتھ صاف کرنے کی سوچھے گی۔ ارشادِ بانی ہے: کَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِۦٓ اِذٍ اِسْتَفْنٰی (۵۲)۔ (ہرگز نہیں آدمی سرکش ہو جاتا ہے جب کہ اپنے آپ کو مال اور دولت کے اعتبار سے غنی دیکھتا ہے)۔

پس غور کیا جائے تو وضائیں حدیثِ روافض کے نقش قدم پر ہیں جنہوں نے قرآن کا نام لے کر احادیث کو بے اعتبار ٹھہرایا۔

ج: محرفین حدیث

یہ تو وہ طبقات تھے جنہوں نے برملا انکار حدیث یا تحریف الفاظ حدیث کا فتنہ امت میں پھیلا یا ایسے طبقوں کی خبر بھی دی گئی ہے جو الفاظ حدیث کو مان کر اس کی معنویت میں تحریف کے مرتکب ہونے والے تھے۔ چنانچہ احادیث میں ان تحریف معنوی کرنے والوں کی اطلاع بھی موجود ہے جو قرآن و حدیث کو ثابت مان کر بھی پھر اس سے آزاد بلکہ اپنی عقل کو حکمران سمجھیں گے اور معانی قرآن و حدیث میں عقل محض اور رائے مجرد سے معنوی تحریف کر کے ان کا نقشہ بدل دینے کی کوشش کریں گے جس سے امت میں مستقل گروہ بندی کی ٹو پیدا ہو جائے گی، فرمایا گیا یہود اکہتر فرقوں میں بٹ گئے اور نصاریٰ بہتر فرقوں میں بٹ گئے، میری امت بہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، سوائے ایک فرقے کے سب جہنمی ہوں گے (۵۳)۔

یہ گروہ بندی قرآن و حدیث کے انکار کے نام پر نہیں بلکہ اقرار کے نام پر ہوئی اور امت میں اصولاً بہتر فرقے بن گئے، یہ وہی معنوی تحریف ہے جو یہود و نصاریٰ کا طریقہ تھا اور رفتہ رفتہ توراۃ و انجیل کا اصل علم کم ہو گیا۔

”يَحْصِرُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ“ (۵۴)
(کلمات (دین) کو اپنی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں اور نصیحتوں سے جو یاد کرایا گیا تھا اسے بھلا بیٹھتے ہیں)۔

فتنہ انکار حدیث کے اسباب

قطع و برید نصوص

حدیث کے انکار کا ایک سبب یہ ہے کہ منکرین حدیث جن ماخذ پر انحصار کرتے ہیں وہ لوگ قرآن یا حدیث کا صرف ایک مخصوص حصہ کاٹ کر الگ کر کے لکھتے ہیں۔ جس سے انکے مخصوص ذہن کی ترجمانی ہو جاتی ہے۔ مگر حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انکار حدیث کے جراثیم نشوونما پاتے ہیں۔ مثلاً کتابت حدیث کے متعلق دلیل میں حدیث پیش کرتے ہیں ”لا تکتبوا عنی غیر القرآن“ (مجھ سے قرآن کے علاوہ اور کچھ نہ لکھو) صرف اتنے ہی کلمے پراکتفا کرتے ہیں اگر پوری حدیث لکھ کر اس کا ترجمہ کریں تو کتابت حدیث کی ممانعت اس حدیث سے ہرگز ثابت نہیں ہوتی (۵۵)۔

سطحی تعلیم اور ناقص مطالعہ

اکثر منکرین حدیث کی رسائی اصل ماخذ تک نہیں ہوتی کیونکہ اصل ماخذ تو عربی میں ہیں اور پھر عربی بھی قدیم، اس کا مطالعہ اور مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ لوگ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالے بغیر تحقیق بھی کرنا چاہتے ہیں یوں ان کا مطالعہ مکمل نہیں ہو پاتا۔ یہ ناقص مطالعہ ”نیم حکیم خطرہ جان.....“ کے مصداق نیم مطالعہ خطرہ ایمان کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ انہوں نے ناقص مطالعہ کی بنا پر جو نظریات قائم کیے ان کے لیے تو گھائے کا سودا تھا ہی ساتھ ہی ان کے لیے بھی باعث نقصان ثابت ہوئے جنہوں نے بعد میں ان کا مسلک اپنایا۔ ناقص مطالعہ کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان لوگوں نے حدیث کا مطالعہ باقاعدہ کسی عالم دین اور مستند ادارے سے نہیں کیا اس لیے بھی ان میں وہ سطحی گہرائی اور دقت نظر پیدا نہ ہو سکی۔ یوں انکار حدیث کی راہ پر چل نکلے (۵۶)۔

اصول حدیث سے بے خبری

چونکہ ان لوگوں نے اسلام کا مطالعہ سطحی کیا ہوتا ہے اس لیے وہ اسلامی علوم کے اصولوں سے

بے خبر ہوتے ہیں۔ ان کو اقسام حدیث کا بھی صحیح علم نہیں ہوتا۔ بعض اوقات موضوع احادیث کو ہی اساس بنا کر چل پڑتے ہیں جس سے احادیث کی قانونی اور فقہی حیثیت مشکوک ٹھہرتی ہے۔ نیز وہ اس بات سے بھی قطعاً ناواقف ہوتے ہیں کہ کسی خاص حدیث سے جو حکم ثابت ہوتا ہے وہ فرض ہے سنت ہے جائز ہے یا صرف مباح ہے (۵۷)۔

وہنی مرغوبیت

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مفتوح قوم فاتح قوم سے گفتگو کے میدان میں بھی مار کھا جاتی ہے اور آخر کار وہنی شکست خوردگی کا شکار ہو جاتی ہے اور غالب و فاتح قوم کے نظریات و افکار کو عین عقل اور الہامی تسلیم کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ منکرین حدیث بھی وہنی اور فکری میدان میں یورپ سے مرعوب ہیں اس لیے ان لوگوں نے یورپ سے درآمد شدہ اسلام کو ہی عین اسلام سمجھا اور اس اسلام کے آڑے صرف اور صرف حدیث آتی تھی اس لیے اس کا انکار کر کے شکوک و شبہات کی فضا قائم کر لیتے ہیں (۵۸)۔

نفسانی خواہشات

آج تہذیب و تمدن کی ترقی کے نام پر جو نفسانی خواہشات کی پراگندگی پھیل رہی ہے۔ انسانیت کی اعلیٰ اقدار جس طرح پامال ہو رہی ہیں۔ انسانیت حیوانیت کی پستیوں کی اقماء گہرائی میں گرتی جا رہی ہے۔ یہ غیر اسلامی معاشرے کی مظہر کشی ہے۔ کچھ مخصوص مرنی اور غیر مرنی قوتیں بھی اپنی خواہشات کے افادہ عام کے لیے اسلامی معاشرے میں وہی حیا باخستہ مظاہر بد تہذیبی پھیلا نا چاہتے ہیں۔ سنت اس راہ میں رکاوٹ ہے تو ان لوگوں نے اس رکاوٹ کو توڑنے کے لیے سنت کا سرے سے ہی انکار کر دیا تاکہ ”نہ رہے ہانس نہ بچے ہانسری“۔ یعنی نہ سنت ہوگی اور نہ ہی ہمیں اپنے کسی فعل پر ندامت ہوگی اور قرآن کا انکار اس لیے نہیں کرتے کیونکہ قرآن مجید میں اجمال ہے۔ تفصیل نہیں ہے اور سنت کی عدم موجودگی میں اس کے معانی و مطالب کو اپنے نظریات کے مطابق ڈھال کر پیش کرنا آسان ہے اور اس طرح یہ لوگ بزدل خود مسلمان بھی ہیں کیونکہ کلمہ گو ہیں۔ اور ارکان اسلام پہ عمل پیرا نہ ہو کر بھی مسلمان۔ ان کے کیونکہ ان کے خیال میں ذخیرہ احادیث مشکوک ہے۔ وہ اس آڑ میں اپنی خواہشات کی

تھکیل کرتے ہیں کیونکہ ان کے ہاں حدیث حجت کی حامل نہیں ہے (۵۹)۔

مادی لالچ

مادی منفعت اور لالچ انسان کی طبیعت میں ہے اور مادی لالچ تو انسانیت کے لیے زہر قاتل ہے۔ سم و زہر ہی سے انسان اپنی ہوائے نفسانی کی تھکیل کرتا ہے۔ معاندین اسلام نے جب ہر طرح کے حربے آزمائے اور اہل اسلام شس سے مس نہ ہوئے تو ان لوگوں نے بعض کمزور ایمان مسلمانوں کو لالچ دیا۔ جس کے دام میں یہ لوگ آ گئے۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ طرہ اسلامیہ کے حفاظی حصار پیر و نی حملہ آوروں سے نہیں بلکہ اندرونی فتنہ انگیزوں کی وجہ سے منہدم ہوئے۔ بالکل اس طریق پر یورپ نے جو سرمایہ و قوت و اقتدار میں آج کل بلند تر ہے۔ مسلمانوں کو لالچ دیا۔ انہیں اپنے ادارہ جات میں داخلے اور ڈگریاں دیں۔ مزید انہیں ملازمتیں اور مالی امداد کی یقین دہانیاں کرائیں۔ یہ سب کچھ کیا اور معاندین اسلام کے یہ ناخلف اسلامی علامہ ان کے جھانے میں آ گئے اور وہی زبان بولنے لگے جو وہ بولتے تھے۔ قادیانیت کے پھیلنے کا بھی یہی سبب ہے کیونکہ مادی لالچ میں پھنس کر ان لوگوں نے حدیث رسول ﷺ کا انکار کر دیا تاکہ مادی وسائل سے بھرپور استفادہ کیا جاسکے (۶۰)۔

نفسیاتی بیماری

بعض لوگ دنیا میں بلند مقام حاصل کرنے کی مطلوبہ بہت نہیں رکھتے لیکن انہیں بڑا بچنے کا شوق ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ درحقیقت یہ ذہنی مریض ہوتے ہیں۔ نت نئے شوٹے، افکار علمی، تحقیق جدید کے نام پہ چھوڑتے رہتے ہیں۔ مگرین حدیث کی تمام تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ان لوگوں نے علم و ادب اور عقل و منطق کے کسی بھی معیار پر پورا نہ اترنے والی تاویلات کیں۔ ایسی نئی موڈ گافوں سے انہیں ذہنی تسکین تو حاصل ہو گئی اس ذہنی تسکین کا سامان ان لوگوں کو حجت حدیث کے انکار سے ہی حاصل ہوا (۶۱)۔

حریت فکر کا شاخسانہ

بعض منکرین حدیث، سنت و حدیث کو آزادی فکر و عمل کے منافی قرار دیتے ہیں۔ انسان اگر

کسی جنگل کا جانور نہیں بلکہ انسانی معاشرے کا فرد ہے تو پھر اسے معاشرتی طور و اطوار کی پابندی کرنا ہوگی ورنہ نام نہاد جدید تعلیم یافتہ معاشرے اور جنگل میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا۔

اسلامی تبدیلی اقدار کے نام پر اخلاق کے بگاڑ کی بجائے ایسی معاشرتی پابندیوں کو سنت کی پابندی کی شکل میں پیش کرتا ہے لیکن کسی ادنیٰ سے اشارے سے بھی انسانی فکر کی پرواز پر پابندی عائد نہیں کرتا بلکہ اسلام تو مسلمان کو ادراک باری تعالیٰ ایسا بلند ترین منصب عطا کرتا ہے کہ ساری عمر عقل کے گھوڑے پر سوار ہوا کے دوش اڑتا رہے لیکن پھر بھی عاجز رہے (۶۲)۔

پست ہمتی

ہر نیا دن نئے مسائل کے ساتھ طلوع ہوتا ہے۔ قرآن دانی، ذخیرہ احادیث پر مکمل عبور، احادیث پر جرح و تعدیل کی بحثوں کے مکمل احاطہ، خارجی و داخلی نقد، حدیث کی مہارت اور ملکہ، جدید و قدیم اسلامی علوم سے واقفیت عامہ، استنباط مسائل کی قوت اور استخراج اولہ کی مہارت نیز اخلاص و تقویٰ ان سب پر مستزاد ہو تو یہ مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ مگر مکررین حدیث ان تمام اوصاف حمیدہ سے عاری، ان علوم و فنون سے بے بہرہ اور عقل کے اندھے، نفسیاتی مریض، خواہشات نفسانی کے اسیر، اس کار مردان کے کیسے متحمل ہو سکتے تھے؟ لہذا ذخیرہ احادیث کو ناقابل اعتماد کہہ کر اپنی جان چھڑا گئے۔ حالانکہ قصور اپنا تھا التزام سنت پر سونپ دیا۔ پر لطف بات یہ کہ ذخیرہ احادیث مجموعی طور پر ناقابل اعتماد ٹھہرانے والے اپنی نماز بھی مکمل نہ کر پائے اور نہ ہی ادائیگی نماز پر اتفاق ہو سکا۔ بلکہ ان کی نماز کی رکعات و اوقات میں صرف دوسری پشت میں اتنا بعد پیدا ہو گیا کہ استاد و شاگرد کی تیز بینی نہ رہی (۶۳)۔

موضوع احادیث

اسلام کے نادان دوستوں اور علمبردار دشمنوں کی مشترکہ کوششوں سے بے شمار موضوع احادیث گھڑی گئیں اور یہ ایک حقیقت ہے۔ لیکن اسلام کے خیر اندیش اور یہی خواہ مخہ بین (ہر فرعون راموسی کے مصداق) نے ایک۔ ایک راوی اور اس کی ایک ایک مروی حدیث کی ایسی باریک بینی سے جانچ پڑتال کی کہ انسانی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

قابل اعتماد اور ناقابل اعتماد احادیث کو روز روشن کی طرح عیاں کر دیا۔ منکرین کے نزدیک اب بھی اگر تمام ذخیرہ احادیث ناقابل اعتماد ہے تو ذرا اس کی بنا پر دیگر علوم اور زندگی کے دوسرے معاملات کو بھی پرکھتے ہیں۔ یا اصل نقل کی پہچان اور فرق کے باوجود اصل کو نقل سے الگ کر کے سنبھال رکھتے ہیں حالانکہ ان کے اصول کے مطابق تو اصل نقل تمام ناقابل اعتماد اور پھینکنے کے لائق ہیں۔ مگر عام دنیاوی معاملات میں کھرے اور اصل مال کو لینا مباح اور نقل کو پھینکنا ان کی فطرت ہے۔ تو بقیہ دین اسلام کے معاملے میں بھی انہیں یہی راہ اختیار کرنی چاہیے جو وہ دنیاوی معاملات میں کرتے ہیں۔ اگر کریں تو ٹھیک و گرنہ یہ ان کی منافقانہ روش ہے (۶۳)۔

منصب رسالت سے بے اعتنائی

قرآن عزیز میں پیغمبر انسانیت کو تا قیامت اسوۂ حسنہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ خالق انسانیت کے اپنی مخلوق کے لیے پیش کردہ ماڈل کی حقیقت و عظمت اور معرفت و یقین نہ ہونے کی بنا پر بعض لوگ انکار کی روش اپناتے ہیں۔ یا ادھر ادھر جھانکتے ہیں اور اگر یہ احساس ہو جائے کہ میرا دامن ”محمدی ماڈل“ رکھتا ہے جو کہ ہر دور میں کامل و افضل اور اپنی جامعیت کی بنا پر صرف اور صرف وہی لائق اتباع ہے۔ تو پھر سنت سے انکار کی بجائے عقیدت و اطاعت کے لیے وہ بے مثال محبت ابھرتی ہے کہ اس کی نظروں میں کوئی دوسرا ماڈل ذرہ برابر وقعت و اہمیت نہیں رکھتا۔ اور نہ ہی وہ کسی کی طرف لچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے۔

یورپ اپنے دامن میں تحریف و تبدل سے محفوظ کوئی ذخیرہ ہدایت اور راہنمائی کے لیے مکمل نمونہ نہیں رکھتا جو کہ انسانی ضرورت ہے۔ اس لیے نت نئے نئے انکار سے دوچار ہے۔ لیکن ذہنی آسودگی نہیں پارہا اور عملی بے چینی و بے قراری کا اندازہ تو ان کی بے مقصد آوارگی سے خوب ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ ان کے ذہنی کرب و اذیت اور لگری در ماندگی کا آئینہ دار ہے (۶۵)۔

ایرانی تصور تصوف

کچھ محققین کے مطابق ابتداء میں انکار حدیث کا سبب غالباً ایرانی تصور تصوف تھا (۶۶)۔ یہ ایرانی تصور تصوف اصولاً توسل پر غالب نہ آ سکا مگر اس کی فعالیت اور ایک حد تک افادیت کی نفی کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سنت بعض لوگوں کے ہاں ایک خیالی رسم بن گئی اور اس کو بے جان و بے معنی ڈھانچہ سمجھا جانے لگا (۶۷)۔

معجزات کو عقل انسانی پر پرکھنا

انسانی عقل محدود ہے اور کائنات لامحدود اور خالق کائنات کی قدرت کاملہ اور اس کے تصرفات کا احاطہ عقل انسانی کے ادراک سے ہی ماوری ہے۔ لیکن انسان نے جب سے اپنی عقل کو کل علوم و فنون کا منبع تصور کر رکھا ہے۔ تب سے یہ تصورات و افکار پیدا ہو رہے ہیں۔ انبیاء کے خرق عادت و افعال و تمثیلات ہیں۔ حالانکہ یہ صرف ان لوگوں کی فریب عقلی کے سوا کچھ نہیں۔ اور یہ ان لوگوں کے علم کی حد سے بالاتر ہیں۔ اور انسانی عقل خام کی رسائی وہاں تک ناممکن ہے۔

اپنے اس عقلی تفوق کو معیار بنا کر معجزات کا انکار کیا اور چونکہ معجزات انبیاء کی تصدیق عام علمی و تاریخی ناممکن ہوتی ہے اور ان کی تائید و نصرت میں صرف احادیث ہی ہیں تو ان لوگوں نے اپنے آپ کو برتر ثابت کرنے کے لیے سنت و حدیث کا انکار کر دیا۔ تاکہ اپنے خود ساختہ مفروضات کے لیے کوئی دلیل مہیا ہو سکے (۶۸)۔

اسلام اور جدید علوم

آج ہمارے سامنے علمی و عقلی نقطہ نظر سے ترقی کے افق پر چھایا ہوا ہے۔ اس کی علمی و عقلی قوتوں کے سامنے کائنات کی وسعت اور دوریاں سمٹ رہی ہیں۔ انسان نے اسی مادی ترقی کے حصول کا لہذا اور کٹھن سفر بڑی صعوبتوں اور مصیبتوں سے طے کیا ہے۔ مزید سفر ابھی جاری ہے اور یہ تمام سفر یعنی ترقی کا سفر جدید علوم کی بدولت ہی ممکن ہوا۔ ان علوم جدیدہ کا انسانی زندگی و تہذیب پر اس قدر گہرا اثر ہے کہ ہر نئے نئے اہل گزشتہ کل سے کئی قدم آگے کے حقائق کو حقیقت کے روپ میں دکھلا رہا ہے اور کچھ مرعوب

ذہن اور صحیح اسلامی علوم و فنون سے عاری لوگ جب یورپ کی اس علمی جولا نگاہ پر نظر دوڑاتے ہیں۔ تو بجائے کچھ کرنے کے انہوں نے یہی سمجھا کہ کیوں نہ سنت کا انکار کر دیا جائے۔ کیونکہ سنت پر عمل پیرا ہونے سے ہی مسلمان رو بہ تنزل ہیں اور سنت ہی اسلامی اقوام کی ترقی میں رکاوٹ ہے۔

اس لیے ان لوگوں نے سنت کے انکار کی راہ کو اپنایا۔ اگر وہ لوگ اسلام سے واقفیت حاصل ہوتے تو سنت کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے اسلاف کی روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ترقی و برتری میں بھی نام پیدا کر سکتے تھے لیکن کاش وہ ایسا تو نہ کر سکے اور ایک ایسی راہ کا انتخاب کیا جو صرف انہی کے لیے ہی نہیں تمام ملت اسلامیہ کے لیے تباہی و بربادی کی راہ ہے (۶۹)۔

شہرت و ناموری

انسان طبعی طور پر شہرت و ناموری کا خواہاں ہے۔ کچھ لوگ ہامت اور صاحب کردار ہوتے ہیں دنیا خوب بخود اپنی جمین عقیدت ان کے حضور جھکا دیتی ہے اور شہرت و ناموری ان کا مقدر ہوتی ہے اور تاریخ کے اوراق ان کے لیے اپنے دامن کو پھیلا لیتے ہیں اور آئندہ آنے والی نسلیں بھی ان کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرنا فرض اولین جانتی ہیں۔ ان کی عزت و وقار اور اعتراف عظمت کے انٹ نفوش جب خود غرض، دنیا دار قسم کے لوگ دیکھتے ہیں تو یہ بھی کچھ ایسے شوشے چھوڑتے ہیں۔ جن کے اذہان میں بزم خود انشور اور مفکر بن جانے کا سودا سٹایا ہوتا ہے۔ اور کسی دانا کے بقول: کبرنی موت الکبرواہ (بڑے لوگوں کی موت نے مجھے بڑا بنا دیا)۔

چونکہ اہل علم و فن تو نہ تھے۔ اہل اللہ و اہل تقویٰ بھی نہ تھے مگر شہرت و ناموری کے حصول کی آسان راہ یہی نکالی کہ جمہور کو طعون قرار دے کر خود کو حق پر جانا اور اپنی انفرادیت قائم رکھنے کے لیے طرح طرح کے نظریات پیش کیے۔ ان میں ایک نظریہ انکار حدیث بھی ہے (۷۰)۔

تکوی کا فقدان

اہل ایمان کی یہ خصوصی صفت ہے۔ تمام ارکان اسلام کا پر تو تکویٰ ہی ہے۔ تکویٰ کے بغیر اسلامی معاشرہ ایک بے روح معاشرہ ہے۔ تکویٰ اسلامی معاشرے اور اسلامی علوم و فنون کی روح ہے۔

قرآن کتاب ہدایت ہے تو صرف اہل تقویٰ کے لیے ہے۔ تقویٰ وہ کسوٹی اور معیار ہے جس سے اوصاف حمیدہ کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ تقویٰ کے بغیر انسانی زندگی کالا حاصل ہے۔ منکر بن حدیث و سنت عموماً تقویٰ یعنی خوف خدا سے خالی ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں تقویٰ اور لطیف کی بجائے خود غرضی اور خواہشات کا غلبہ ہوتا ہے۔

برصغیر کے منکرین حدیث

۱۔ مولوی غلام العلی قصوری (م ۱۳۰ھ/۱۸۸۹ء)

غلام العلی بن داؤد بن مخدوم حافظ غلام مرتضیٰ بن حاجی عبدالمالک ہے۔

قصوری صاحب ۴۲-۱۲۴۱ھ/۱۸۲۶ء کے لگ بھگ قصور ضلع لاہور میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور دیگر قصوری فضلاء سے بھی کسب فیض کیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد ضلع فیروزپور میں فوجیوں کے امام مقرر ہوئے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ملازمت چھوڑ دی اور آپ لاہور تشریف لے آئے۔ آپ نے مولانا غلام محی الدین بھگوی اور مولانا احمد دین بھگوی کے زیر سایہ دینی تعلیم مکمل کی اور امرتسر تشریف لے گئے اور سرکاری مدرسہ میں نائب مدرس و بینات مقرر ہوئے۔ اپنے بڑے بھائی مولانا غلام رسول کی وفات کے بعد ۷-۸-۱۲۷۷ھ/۱۸۶۱ء میں شہر کے قاضی مقرر ہوئے اسی سال کے وسط میں انہوں نے سرکاری ملازمت کو چھوڑ دیا کیونکہ آپ بزم خود غیر شرعی امور کے خلاف جہاد کرنا چاہتے تھے۔ یاد رہے کہ ان کا طبعی رجحان طریقت و تصوف کے برعکس تھا۔

قصوری صاحب نے ۳۰ ذی الحجہ ۱۲۸۲ھ/۲۶ مئی ۱۸۶۵ء میں اپنی قصور کی جائیداد فروخت کر کے کڑہ سفید میں ایک قطعہ زمین بیس روپے میں خریدا اس پر مسجد اور رہائشی مکان تعمیر کیا اور مسجد میں مدرسہ تائید الاسلام جاری کیا۔ جس کا انتظام ایک مجلس کے سپرد تھا۔

مولوی غلام العلی قصوری نے کسی قابل ذکر علمی شخصیت سے علم حدیث حاصل نہیں کیا مزید وہ نہ صرف انگریزوں سے روابط رکھتے تھے بلکہ ان کے ملازم بھی تھے۔ اس کے علاوہ ان کا تعلق صاحبزادگان کی گدی سے تھا جو قصور میں واقع ہے جو معلوم ہوا کہ ان کا حدیث کی بنیاد رکھنے میں یہی عوامل کارفرما تھے۔

آپ کی تصانیف اردو، عربی اور فارسی میں ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

- تفسیر قرآن مجید (سورۃ کہف تک، یہ مسودہ ان کے نبیرہ کے پاس ہے)۔

- حدیث قرطاس (فارسی)۔

- تحریق قرآن۔

- تعامل الکفار (فارسی) اس کا اردو ترجمہ بنام کفار کی نوکری شائع ہوا۔

- وہ ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء میں قصور میں فوت ہوئے (۷۱)۔

۲۔ مولوی چراغ علی (م ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء)

چراغ علی ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۳ء میں برہم پور میں پیدا ہوئے۔ والد محمد بخش سہارنپور کی ایک انگریزی عدالت میں ملازم تھے۔ جوان کی پیدائش سے قبل ہی فوت ہو چکے تھے۔ مولوی چراغ علی نے رواجی تعلیم بھی حاصل کی اور علمی انہماک کی بدولت یونانی اور لاطینی وغیرہ قدیم زبانیں بھی سیکھیں۔

چراغ علی، سرسید احمد خاں کے معین و مددگار تھے اور رسالہ ”تہذیب الاخلاق“ کے خاص مقالہ نگار تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے اسلام کی عقلی دکالت میں کئی علمی رسائل و مقالات لکھے۔ ان کی مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ تحقیق الجہاد ۲۔ اعظم الکلام

یہ کتب انگریزی سے اردو ترجمہ ہو کر مقبول عام ہوئیں۔ نیز رسائل چراغ علی بھی ایک اہم تصنیف ہے۔ موصوف ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء کو ممبئی میں فوت ہوئے (۷۲)۔

۳۔ سرسید احمد خاں (م ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء)

۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء دہلی میں پیدا ہوئے ان کے والد کا نام سید محمد متقی خان تھا۔ بہادر شاہ ظفر نے انہیں ”جواد الدولہ، عارف جنگ“ کا خطاب دیا۔ حکومت انگلستان نے انہیں ”سر“ کا خطاب دیا۔ ان کی تعلیم وتر بیت نہال میں ہوئی۔ فارسی درسیات، تھوڑی سی عربی، قدیم ہیئت، ریاضی اور طب پڑھی۔ طب آپ نے حکیم غلام حیدر خاں دہلوی سے پڑھی اور عربی قواعد اور عربی کی دوسری کتابیں

اپنے خالوزین العابدین سے پڑھیں۔ فقہ میں آپ کے استاد نوازش دہلوی تھے۔ عربی ادب میں آپ کے استاد فیض الحسن سہارنپوری تھے۔ حدیث (مشکوٰۃ اور جامع ترمذی) کا درس مولانا مخصوص اللہ ابن رفیع الدین الدہلوی سے لیا۔ ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء تا ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء انگریز کبھی میں ملازمت کی۔ سرسید ۱۸۹۸ء میں فوت ہوئے۔

تصانیف

۱۔ آثار الصنادید

۲۔ تاریخ ضلع بنجور

۳۔ سیرت رسول اللہ (خطبات احمدیہ) یہ آپ نے ولیم میور کے جواب میں اردو میں لکھے تھے۔ انگریزی میں ترجمہ کروا کر شائع کروائے، کیونکہ سرسید احمد خاں انگریزی نہیں جانتے تھے۔

۴۔ قرآن مجید کی نصف تک تفسیر بھی لکھی تھی۔ اس تفسیر نے فقہ انکار حدیث کو شہہ دی۔ ان کے حدیث پر اعتراضات کے جوابات مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اپنی ”تفسیر ثنائی“ میں دیئے ہیں جو سرسید کو ان کی زندگی ہی میں بھجوائی گئی۔ ان کے اکثر اجتہادات مذہبی حلقوں میں نامقبول ہوئے۔ انہوں نے باقاعدہ کسی ادارے سے اور کسی بھی معروف عالم دین سے تعلیم حاصل نہیں کی۔ حالانکہ اس دور میں بڑی بڑی نابغہ روزگار شخصیات برصغیر میں موجود تھیں اور تو حید و سنت کے تالش و نور سے جہالت کی تاریکی دور فرما رہی تھیں۔ بقول شخصے سید احمد کو سرسید احمد خاں بتایا ہی اس بات نے ہے کہ اس نے مکمل علم دین نہیں پڑھا اگر وہ مکمل دین پڑھ لیتے تو ایک مولوی ہوتے سرسید احمد خاں نہ ہوتے (۷۳)۔

۴۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی (م ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء)

پہلا شخص جس نے ہندوستان میں کھلم کھلا حدیث کا انکار کیا قاضی غلام نبی تھا یہ شخص چکڑالہ ضلع میانوالی کا رہنے والا تھا اور قاضی نور عالم کا بیٹا تھا۔ اس کو حدیث نبوی ﷺ سے یہاں تک نفرت تھی کہ اپنا نام غلام نبی بدل کر عبداللہ رکھ لیا اسی شخصیت کو عبداللہ چکڑالوی کہتے ہیں

موصوف کی پیدائش انیسویں صدی عیسوی کے تیسرے عشرے میں ہوئی (۷۴)۔ ان کا

خاندانی پس منظر پر وہ اخفا میں ہے۔ علمی گہرانہ نہ تھا بلکہ علاقائی رواج کے مطابق کچھ زمینیں تھیں۔ آبائی قصبہ کی نسبت سے چکڑ الوی کہلائے۔ والد کا نام بھی معروف نہیں۔ صاحب نزہۃ الخواطر نے ان کا نام عبداللہ بن عبداللہ بیان کیا ہے (۷۵)۔

ان کے اخلاف آج بھی قاضی کہلاتے ہیں۔ مولوی غلام نبی سے مولوی عبداللہ کے نام کی تہذیبی کب ہوئی تاریخ اس بارے میں خاموش ہے۔ ان کے اخلاف بھی اس بارے میں کوئی واضح خبر نہیں رکھتے۔ قرین قیاس یہی ہے کہ انہوں نے جب اپنے خیالات و عقائد میں تبدیلی کی تو اپنا نام بھی بدل دیا کیونکہ ان کے خیال میں نام میں نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف تھی اور یہ غیر اللہ کی طرف نسبت ان کے ہاں شرک تھی۔ چکڑ الوی کے والد خواجہ اللہ بخش تونسوی کے مرید تھے (۷۶)۔

ان کے ابتدائی حالات، رحلات، ابتدائی تعلیم اور دینی تعلیم کہاں سے حاصل کی، آپ کے اساتذہ و شیوخ کون کون سے ہیں؟ سب نام معلوم ہیں۔ البتہ یہ معلوم ہوا کہ ۱۲۸۲ھ میں علوم دینیہ کی تحصیل کی۔ عربی زبان میں کافی وسیع مطالعہ کے حامل تھے۔ موصوف جدید علوم بالخصوص انگریزی سے نا آشنا تھے۔ مولانا محمد علی قصوری لکھتے ہیں: ”چکڑ الوی چونکہ انگریزی بالکل نہ جانتے تھے اس لیے ان تمام خطوط کو ہمارے ایک دوست سے پڑھوائے (جو عیسائی، پادری وغیرہ انہیں لکھتے) (۷۷)۔

موصوف، خواجہ احمد دین امرتسری (معروف منکر حدیث) سے متاثر تھے۔ ۱۸۹۹ء میں خواجہ صاحب لاہور تشریف لائے تو چکڑ الوی صاحب اور ان کے مقتدی میاں چٹو اور شیخ محکم الدین خواجہ صاحب کے ہم خیال ہو گئے اور احادیث کو وحی الہی اور مشلہ معہ سمجھنے کے بجائے کتاب اللہ کے قائل ہو گئے (۷۸)۔ چکڑ الوی صاحب نے خواجہ صاحب کے نظریات قبول کرتے ہوئے انکار حدیث کی طرح ڈالنے اور عیسائی پادریوں وغیرہ کے ساتھ روابط کی بنا پر اس میں شدت پیدا ہوئی اور اس نظریہ کو توحید بنیادوں پر پھیلایا۔

انکار حدیث کا کھلم کھلا اظہار کرنے پر مسجد چیمپیاں (جس میں وہ امامت کرواتے تھے) ان انتظامیہ نے انہیں مسجد سے نکال دیا تو انہوں نے سریاں بازار میں ایک نئی مسجد کی بنیاد رکھی اور ایک انجمن قائم کی۔

چکڑالوی کے نظریات والٹکار سے متاثرہ افراد نے گوجرانوالہ، گجرات اور امرتسر میں مراکز قائم کیے۔ اپنے نظریات کی اشاعت کے لیے ایک رسالہ ”اشاعت القرآن“ جاری کیا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اہل القرآن کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ عبداللہ چکڑالوی قاضی کی حالت میں ۱۹۱۵ء میں فوت ہو گئے اور انہیں چکڑالہ ہی میں دفن کیا گیا (۷۹)۔

مولوی عبداللہ چکڑالوی نے ”ترجمہ القرآن ہدایات القرآن“ کے نام سے ایک تفسیر بھی لکھی جس کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

”کتاب اللہ کے مقابلے میں انبیاء اور رسولوں کے اقوال و افعال یعنی احادیث قولی، فعلی، تقریری پیش کرنے کا مرض ایک قدیم مرض ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے مخاطب بھی قطعی اور یقینی طور پر یہی لوگ تھے“ (۸۰)۔

”کسی جگہ سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ قرآن کریم کے ساتھ کوئی اور شے رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی تھی اگر کوئی شخص کسی مسئلہ میں قرآن کریم کے سوا کسی اور چیز سے دین اسلام میں حکم کرے گا تو وہ مطابق آیات مذکورہ بالا کافر، ظالم اور فاسق ہو جائے گا“ (۸۱)۔

موصوف کے نزدیک نماز میں (احادیث سے ثابت شدہ) غیر قرآنی دعائیں مانگی جائیں تو وہ سب شرک ہیں۔ ”رسول اللہ کی زبان مبارک سے دین کے متعلق یا قرآن شریف نکلتا تھا اور سوا اپنے خیالات و قیاسات جن میں انتہاء شیطانی موجود ہوتا تھا جن کو خدا تعالیٰ نے منسوخ و مذکور فی القرآن کر کے آپ کی ان سے بریت کر دی“ (۸۲)۔

مولوی عبداللہ چکڑالوی کی ان تصریحات میں ان کا اعتقادی چہرہ بہت کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ اطاعت رسول کو زیر بحث لانے سے قبل تمام ذخیرہ احادیث کی حیثیت کو ناقابل اعتبار اور مشکوک بنا دیتے ہیں تاکہ حدیث رسول کو بے اعتبار ٹھہرایا جاسکے۔ حدیث کے موجود لٹریچر کو جعلی جعلی اور وضعی بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں: ”حدیث کی تشریح و تفصیل کتاب اللہ المجید کے سراسر مخالف ہے۔۔۔ اس وجہ سے مجھے اس بارے میں شک ہوا کہ حدیث محمد رسول اللہ ﷺ کا قول و فعل اور تقریر نہیں ہے۔۔۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ ایک نہایت ہی کریہہ النظر، بد صورت، اور بد شکل مصنوعی چیز ہے۔ اس کو رسول اللہ

سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ کی وفات سے سینکڑوں برس پیچھے بعض خود غرض لوگوں نے از خود ہزلیات گھڑ لیں اور کمال سیاہ ولی سے ان کو ناحق محمد رسول اللہ کے ذمے لگا دیا ہے یہ کام زیادہ تر بعض یہود و نصاریٰ دشمنان اسلام کا معلوم ہوتا ہے جنہوں نے اسلام کی بیخ کنی کی یہ بہترین راہ سوچی کہ وہ مسلمانوں کے لباس میں لوگوں کو قرآن حکیم کی طرف سے ہٹا کر اور طرف لگا دیں“ (۸۳)۔

ایک دوسری جگہ لکھا ہے: ”فی الحقیقت حدیث میں اس قدر لغویات، ہزلیات اور دراز کار اور بے سرو پا باتیں مندرج ہیں کہ وہ اس کی شکل کو نہایت ہی بد نما بناتی ہیں لیکن واضعین حدیث نے یہ بڑی کاریگری کی کہ اس کو خاتم النبیین ﷺ کی طرف منسوب کر دیا اور اس طرح اس کے بد شکل چہرہ پر سفید (پاؤڈر) مل دیا“ (۸۴)۔

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ چکڑالوی صاحب کا حملہ پہلے براہ راست اطاعتِ رسول کے لازم ہونے اور حدیث کی حجیت پر نہ تھا وہ صرف موجودہ ذخیرہ حدیث کو ناقابلِ اعتماد سمجھتے تھے اور ان کے پاس جب حضور کی صحیح تعلیمات تک پہنچنے کے لیے اور کوئی راہ بھی تو نہ تھی۔ مجبوراً انہوں نے یہ راہ اختیار کی کہ قرآن مجید کو ہر طرح سے ہر بات میں کافی اور دانی کہیں تاکہ اور کسی طرف انہیں دھیان نہ کرنا پڑے۔

ذخیرہ احادیث کے متعلق چکڑالوی صاحب کے موقف کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ ملاحظہ ہو: ”حدیث کا کوئی وجود حضور ﷺ کے زمانے میں نہ تھا حضور نے قرآن کے سوا کبھی کوئی بات نہ کی تھی۔ صحابہ نے حضور کے کسی قول یا عمل کو بھی کسی کے سامنے نقل کیا تھا نہ ان میں حضور کی وفات کے بعد حضور کی کسی بات کو آگے نقل کرنے کا داعیہ پیدا ہوا اور نہ ہی انہوں نے پچھلوں سے حضور ﷺ یا صحابہ کے زمانے کی کوئی بات پوچھی۔ انہی حالات پر اسلام کی دو تین صدیاں بہتر ہوئیں اور اس کے بعد یہود و نصاریٰ کے کہنے سے حدیث کی کتابیں یکا یک لکھ دی گئیں اور مسلمان یکا یک ان کی باتوں میں آ کر ان ہزلیات کو دین سمجھنے لگے۔ پہلی تین صدیوں میں جو قرآنی نماز قائم کی تھی وہ یکا یک ترک ہو گئی اور نماز کا موجودہ نقشہ جو سراسر قرآن کے خلاف تھا۔ مسلمانوں میں قائم ہو گیا۔ اسلامی دنیا جہاں تک وسیع ہوتی گئی۔ یہی عجیب نماز ہر جگہ پھنی اور کسی عربی دان کو قرآن کے مطالعہ سے قرآن میں یہ نقشہ نماز نظر نہ آیا جو

مولوی عبدالمجید چکڑالوی نے برہان القرآن علی صلوٰۃ القرآن میں درج فرمایا ہے۔ پھر مسلمانوں میں ان قرون اولیٰ اور قرون وسطیٰ میں جتنے بھی قانون دان اور ماہرین فقہ گزرے ان میں سے کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ یہ معتبر راویوں کے نقل کیے ذخائر حدیث ہرگز ناخذ علم نہیں بلکہ یہ سب ہزلیات کا ایک ذخیرہ ہے جو دشمنان اسلام نے مسلمانوں کی بیخ کنی کے لیے تیار کیا ہے (۸۵)۔

چکڑالوی صاحب کا یہ تبصرہ صرف اس امت پر ہی نہیں وہ پہلی امتوں کو بھی اس عقیدہ (حجیت حدیث) میں برابر کا مجرم قرار دیتے ہیں اور مولوی صاحب کا کہنا ہے کہ اجماع حدیث کی تجویز پہلے اودار میں بھی تھی۔ موصوف آخری عمر میں مرض فالج کا شکار ہوئے اور اسی حالت میں ۱۹۱۵ء میں فوت ہوئے اور چکڑالہ میں دفن ہوئے۔ (۸۶)

۵۔ خواجہ احمد دین امرتسری (م ۱۹۱۷ھ/ ۱۹۳۶ء)

خواجہ احمد دین ۱۸۶۱ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ولید گرامی کا نام میاں محمد تھا (۸۷)۔ پانچ سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ مکمل کیا۔ بعد ازاں چکندوزی کا کام سیکھا یہ ان کا خاندانی ہنر تھا۔ لیکن آپ کے ایک تایازاد فیض محمد کے سکول داخل ہونے پر آپ نے بھی سکول داخل ہونے کی ضد کی۔ والد صاحب کی رضامندی سے مشن ہائی سکول امرتسر میں داخل ہو گئے (۸۸)۔

مشن سکول امرتسر میں دنیاوی تعلیم کے ساتھ بائبل بھی پڑھائی جاتی تھی۔ آپ بائبل میں بالخصوص اور بقیہ مضمون میں ہمیشہ اوّل رہے اور انعام حاصل کیا۔ ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم حافظ امام الدین سے حاصل کی جب کہ دینی تعلیم مولانا غلام علی سے حاصل کی۔ بچپن ہی سے آپ کو مطالعہ کا بہت شوق تھا اور آدمی آدمی رات تک کتاب لیے بیٹھے رہتے۔ کھیل کود سے آپ کو بے حد نفرت تھی۔ دیر تک مطالعہ کی عادت اور کھیل کود پر ریاضت سے عدم دلچسپی کی وجہ سے بچپن ہی میں آپ کی آنکھیں خراب ہو گئیں اور آخری وقت تک ضعف بصارت میں جٹلا رہے لیکن اس پر بھی آپ نے مطالعہ ترک نہ کیا بلکہ بڑھاپے تک جاری رکھا۔

کثرت مطالعہ و مختلف فرق سے مباہت و فیروہ کرنے کی بنا پر اور تقابلی ادیان میں دلچسپی کی

وجہ سے مذہب کے بارے میں کافی معلومات تھیں۔ فقہ الکاۃ حدیث کا شکار ہو گئے اور اس گمراہی کو آگے پھیلانے میں بڑی تندہی سے کام کیا۔ خواجہ امرتسری سے متاثرہ افراد میں مولانا عبداللہ چکڑالوی، علامہ اسلم جیراچوری، علامہ مشرقی خاکسار قاضی ذکر ہیں۔ خواجہ صاحب نے تمام زندگی قلم، کتاب اور علم سے ناطہ جوڑے رکھا۔ حتیٰ کہ بستر مرگ پر بھی تحقیق و تخریج مسائل کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ آخری ایام میں آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی اور اسی حالت میں جون ۱۹۳۶ء کو راضی عدم ہوئے (۸۹)۔

چونکہ تعلیم نظریہ ضرورت کے تحت مولوی غلام علی سے حاصل کی اور استاد بھی کامل نہ تھے اس لیے شاگرد بھی علم دین خصوصاً علم حدیث پر اعتراضات کرتے ہی رہے۔ نماز وغیرہ اور اقوال و اعمال میں سے انکار نہ کر سکے بقیہ تمام احادیث کے منکر ہو گئے۔ ان کے نزدیک احادیث ایک عظیم الشان کوشش ہے جو اسلامی قانون سازی میں بطور نفاذ کے ہی کام آ سکتی ہے (۹۰) یعنی موصوف کے نزدیک عام علماء و فقہاء کے اقوال اور احادیث نبویہ کا ایک ہی مقام ہے۔

آپ کی تصانیف میں خیر کثیر در اثبات وجود رب قدیر، معجزہ قرآن، برہان القرآن، اصل مطارع، ریحان القرآن اور تفسیر بیان الناس زیادہ اہم ہیں۔ آخر الذکر تفسیر دوست الیوسی ایش، اردو بازار لاہور نے ۱۹۹۹ء میں شائع کی۔

۶۔ حافظ اسلم جیراچ پوری (۱۳۷۲ھ/۱۹۵۵ء)

علامہ اسلم جیراچ پوری ۱۸۸۱ء میں جیراچ پور ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے (۹۱)۔ ابتدائی تعلیم ننہال میں رہ کر حاصل کی۔ سب سے پہلے قرآن پاک حفظ کیا کیونکہ والدین کے اکلوتے بیٹے تھے اس لیے ان کی تعلیم و تربیت کے لیے بہترین اساتذہ کا بندوبست کیا گیا۔ فارسی، ریاضی، صرف و نحو، فقہ، منطق، فلسفہ، عربی ادب، حدیث اور تفسیر میں متداول اور غیر متداول کتب سب سے سبقاً اور مطالعہ پڑھیں۔ ۱۹۰۶ء میں علی گڑھ کالج میں عربی و فارسی کے مدرس مقرر ہوئے۔ آپ نے ایک موٹرخ کی حیثیت سے زیادہ شہرت حاصل کی اور چھ جلدوں میں ”تاریخ امت“ تحریر کی۔ تقسیم ہند پر کراچی تشریف لائے لیکن بقول پرویز: ”اس خطہ زمین کو اہل علم حضرات کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی لیے وہ انہیں قبول نہ کر سکی اور اس طرح عصر حاضر کا یہ جوہر گراں مایہ مراجعت فرمائے ہندوستان ہو گیا“ (۹۲)۔

موصوف دسمبر ۱۹۵۵ء میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ اسلام جبراج پوری کے والد ریاست بھوپال محکمہ تعلیم کے ذمہ دار آفیسر تھے اور انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کی تعلیم کے لیے عالم اساتذہ کا گھر پر ہی اہتمام کیا۔ موصوف نے علم کے حصول میں کوئی سفری تکلیف نہ اٹھائی اور نہ ہی دہلی اور بھوپال کے مراکز حدیث سے استفادہ کر سکے۔ یاد رہے کہ یہ ریاست انگریزوں کے حلیف تھی اور ان کا ریاست میں کافی عمل دخل تھا۔ جبراج پوری صاحب نے انگریزی تہذیب کے مرتبہ اثرات کے زیر اثر پرورش پائی تو فکری طور پر اس سے متاثر ہو گئے۔ علاوہ ازیں علی گڑھ میں بھی ایسے متاثرہ افراد کے ہم سفر رہے کہ لامحالہ انکار حدیث کرتے ہی بنے۔ ان کے نظریہ حدیث کے حوالے سے ایک بات قابل ذکر ہے کہ وہ احادیث کو دین کی تاریخی حیثیت دیتے ہیں (۹۳)۔

ان کی درج ذیل تصانیف زیادہ معروف ہیں:

تاریخ الامت (چھ جلد)، تاریخ اسلام کا جائزہ (قرآن کی روشنی میں)، تعلیمات قرآن، تاریخ القرآن، مقام حدیث، مقالات، نوادرات۔ حدیث اور حجیت حدیث کے حوالے سے ان کے عقائد ملاحظہ ہوں: ”نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے اور نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ نہ حدیث کے راوی پر ہمارا ایمان ہے نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ نہ حدیث کی سند میں جو رجال ہیں ان پر ہمارا ایمان ہے نہ ان پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ پھر یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ ایسی غیر ایمانی اور غیر یقینی چیز کو ہم قرآن کی طرح حجت مانیں“ (۹۳)۔

”قرآن میں جہاں جہاں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد امام وقت یعنی مرکز ملت کی اطاعت ہے جب تک رسول اللہ ﷺ امت میں موجود تھے۔ ان کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت تھی اور آپ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہوگی اور اطاعت عربی میں کہتے ہیں زندہ کی فرمانبرداری کو“ (۹۵)۔

جبراج پوری کا یہ استدلال درست نہیں کہ اطاعت زندہ کی ہی ہو سکتی ہے فوت شدہ کی نہیں۔ فوت شدہ کا پیروی کے لیے بھی لفظ اطاعت حدیث میں موجود ہے۔ اسلم صاحب کا یہ نظریہ منکرین حدیث سے ماخوذ ہے۔

حافظ اسلم خاندانی طور پر نہ ہی پس منظر رکھنے کے باوجود انکار حدیث کے نئے کاروان میں شریک سفر ہو گئے۔ آپ حدیث کے اصولاً تو خلاف تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسوۂ رسول کو اصولاً حجت تسلیم کرتے تھے۔ لیکن اسوۂ رسول کے بارے میں ایسی ایسی قیود لگائیں کہ انجام انکار حدیث ہی کے قریب رہا۔

علامہ وحید الزمان کی تحریر سے ہمیں موصوف کی علمی سطح کا کچھ اندازہ ہو جائے گا: ”مولانا اسلم جبراج پوری کو یہاں عجیب شہ گزرا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ما انتکم کی آیت مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں ہے۔ حدیث سے اس کا دور کا واسطہ نہیں ہے۔ یہاں ”اتنا“ کے لفظ کو جو ”نہی“ کے بالمقابل واقع ہے لوگوں نے غلط فہمی سے امر یا قال کے معنی میں سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ یہ لفظ قرآن میں سینکڑوں جگہ آیا ہے اور کہیں ان معنوں میں مستعمل نہیں ہوا بلکہ ہر جگہ اس کے معنی دینے ہی کے ہیں۔ لہذا یہ استدلال بھی صحیح نہیں کیونکہ حدیثیں اقوال ہیں ان کے لیے لینے دینے کا لفظ نہیں کہا جاسکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے جو چیز دی ہے وہ قرآن ہے۔ اُٹھی“ (۹۶)۔

مولانا بدر عالم میرٹھی لکھتے ہیں: ”مولانا جبراج پوری کو چونکہ قرآن کی جامعیت کا علم ہی نہیں اس لیے یہاں بھی انہوں نے آیت ہالا کو صرف مال غنیمت سے خاص کر ڈالا۔ قائلین حدیث کے نزدیک آیت ہالا اپنی شان جامعیت کی وجہ سے صرف مال کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ان ساری ہدایات کو بھی شامل ہیں جو آپ نے اپنی امت کو دی ہیں“ (۹۷)۔

علامہ وحید الزمان موصوف کی قرآن فہمی کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی علمی قابلیت کا پردہ چاک کرتے ہیں: ”مولانا (اسلم جبراج پوری) کی قرآن دانی کی یہ انتہا ہے کہ انہیں سینکڑوں جگہ میں ایسی کوئی آیت نظر نہیں آئی جہاں یہ لفظ ایسے مسائل میں مستعمل ہو جو حدیث پر بھی بولے جاسکیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات (الحجرات: ۱۱) (اللہ تعالیٰ درجے بلند کرتا ہے مومنین کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا ہے) اگر علم کے لیے یہ لفظ مستعمل ہو سکتا ہے تو کیا حدیث ایک علم ہی نہیں دوسری جگہ فرمایا: واتیناہم الحکم (مریم: ۱۲) وعلمناہم من لدنا علما (الکہف: ۶۹) ولقد اتینا لقمن الحکمة (لقمان: ۱۲) اتانی الكتاب وجعلنی

نبیاً (مریم: ۳۰) واتاکم ما لم یؤت احدًا من العلمین (المائدہ: ۲۰) اتیناہ الحکمۃ وفصل الخطاب) (ص: ۲۰)۔

ان آیات میں ”اتنا“ کا لفظ کتاب کے لیے، علم کے لیے، حکمت کے لیے، حکم اور نبوت کے لیے فضائل و کمالات کے لیے اور آخری آیت میں ”فصل الخطاب“ یعنی اقوال کے لیے بھی مستعمل ہوا ہے۔ اس لیے مولانا کا دعویٰ بالکل بے دلیل ہے۔ یہ چند سطور ہی مولانا کے دعویٰ کی تردید کے لیے کافی ہیں (۹۸)۔

۷۔ علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی (م ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء)

عنایت اللہ خاں مشرقی، عطا محمد خاں امرتسری کے ہاں محرم ۱۳۰۷ھ/۲۸ اگست ۱۸۸۸ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد امرتسر کے مشہور رئیس اور سرسید وغالب کے ساتھی تھے۔ انٹر میڈیٹ کا امتحان امرتسری سے اعلیٰ اعزاز کے ساتھ پاس کیا اور وظیفہ حاصل کیا۔ حرید تعلیم کے لیے لاہور تشریف لائے اور فارمن کریمین کالج سے B.A کیا۔ اس امتحان میں بھی وظیفہ حاصل کیا۔

۱۸ سال کی عمر میں ایم اے ریاضی کے امتحان میں صوبہ بھر میں اول پوزیشن حاصل کی اور یونیورسٹی کے سابقہ تمام ریکارڈ توڑ ڈالے۔ المشرقی کے والد نے اپنے خرچ پر انہیں انگلستان بھیجا۔ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں موصوف نے کیمبرج یونیورسٹی کے کرائسٹ کالج سے ریاضی کے مقابلے کے امتحان میں شرکت کی ستر پونڈ وظیفہ اور فاؤنڈیشن سکالرشپ کا لقب ملا۔ ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں انجینئرنگ کے سب سے بڑے امتحان مکینیکل سائنس، ٹراپس میں شامل ہوئے اور صرف ایک سال میں پی۔ ای آرز کی ڈگری حاصل کی (۹۹)۔

علامہ مشرقی کا اصل میدان تو یورپ سے حاصل کردہ ریاضی اور انجینئرنگ کی تعلیم تھا۔ چلتے چلتے ایک امتحان عربی کا بھی دے دیا اور علامہ معروف ہو گئے۔ موصوف جدید علوم سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ قلم میں بلا کی روانی اور تحریر و تقریر میں جوش و ولولہ کی خوبی سے بھی مالا مال تھے چنانچہ لوگوں کا ان سے متاثر ہونا یقینی تھا۔ اپنے سیاسی افکار کو مذہبی رنگ دیتے دیتے اسلام کی اساس مانی (حدیث) کے درپے آزار ہو گئے اور حدیث پر اعتراض کرنے بیٹھ گئے۔ ان کی تصانیف تذکرہ اور ملا کے مذہب

میں ہمیں ان کے شخصی افکار کی جھلک نظر آتی ہے۔

۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء میں لاہور میں فوت ہوئے اور اچھرہ میں دفن کیے گئے۔ (۱۰۰)

۸۔ نیاز فتح پوری (م ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء)

اصل نام نیاز محمد خاں جبکہ تاریخی نام لیاقت علی خاں تھا۔ ۱۸۸۳ء میں فتح پور مسوہ کے پولیس آفیسر امیر خاں کے ہاں ولادت پائی۔ نو سال کی عمر میں مدرسہ اسلامیہ فتح پور میں داخلہ لیا اور ۱۸۹۹ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ عملی زندگی کا آغاز ۱۹۰۱ء میں صحافت کے میدان سے شروع کیا۔ ۱۹۱۱ء میں ہفت روزہ اخبار ”توحید“ کے معاون مدیر ہوئے۔ ۱۹۱۹ء میں اخبار ”رعیت میرٹھ“ کے چیف ایڈیٹر ہو گئے۔ فروری ۱۹۲۲ء سے اپنا رسالہ ”نگار“ شائع کیا جو کہ ان کے انتقال ۲۳ مئی ۱۹۶۶ء ہر ماہ باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔

نیاز فتح پوری بھی انکار حدیث میں نمایاں شخصیت تھے۔ ”من ویز دال“ انہی کی تصنیف ہے۔ وہ انکار حدیث میں یہاں تک آ گئے کہ مسلمانوں کی تمام خرابیوں کا ذمہ دار حدیث کو ٹھہراتے ہیں۔ خود لکھتے ہیں: ”اگر مولویوں کی جماعت واقعی مسلمان ہے تو میں بھی کافر ہوں اور اگر میں مسلمان ہوں تو یہ سب نامسلمان ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اسلام نام ہے صرف کورانہ تقلید کا اور تقلید بھی رسول و احکام رسول کی نہیں بلکہ بخاری و مسلم و مالک و غیرہ کی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ حقیقی کیفیت یقین کی اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہو سکتی جب تک ہر شخص اپنی جگہ غور کر کے کسی نتیجہ پر نہ پہنچے۔ قصہ مختصر یہ کہ اولیں بیڑاری اسلامی لٹریچر کی طرف سے مجھ میں احادیث نے پیدا کی“ (۱۰۱)۔

اس میں نیاز فتح پوری نے علماء کو امام بخاری و امام مسلم، امام مالک و غیرہ محدثین کا مقلد قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ بات قطعی طور پر غلط ہے اور مسلمانوں کے متعلق معلومات کی کمی ہے۔ مسلمان محدثین کی تقلید نہیں کرتے انہوں نے جو صحیح سندوں کے ساتھ احادیث نبویہ بیان کی ہیں صرف ان کو ماننے ہیں۔

نیاز فتح پوری لکھتے ہیں: ”اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے متعلق قرآن کے بتائے ہوئے تصورات دوزخ و جنت، حشر و نشر و غیرہ عقائد ان سب کا مفہوم میرے لیے کچھ سے کچھ ہو گیا ہے کیونکہ اب مجھے نہ

صرف عقائد بلکہ خود مذاہب کا وجود بچوں کا کھیل نظر آنے لگا۔“ (۱۰۲)۔

فتح پوری حدیث نبوی ہی نہیں بلکہ قرآن حکیم پر بھی ایمان میں قلعہ نہیں۔ حدیث رسول میں شک سے کانٹے لگانے والے نیاز صاحب قرآن مجید کے ساتھ کہاں تک وفادار ہیں۔ ملاحظہ ہو: ”میں کلام مجید کو نہ کلام خداوندی سمجھتا ہوں اور نہ الہام ربانی بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں“ (۱۰۳)۔

قرآن مجید کے متعلق یہ ہرزہ سرائی انکار حدیث سے پیدا ہوئی؟ انکار حدیث کا اصل سبب رسول اللہ کی باتوں کو چھوڑ کر فیروں کی باتوں پر ایمان لانا ہے۔ معجزات کے بارے میں نیاز فتح پوری کا عقیدہ ہے کہ: ”معجزے کبھی ظاہر ہی نہیں ہوئے بلکہ یہ سب داستانیں ہیں جو صدیوں بعد گھڑی گئیں“ (۱۰۴)۔

۹۔ تمنا عمادی پھلواڑی (۱۳۹۲ھ تا ۱۹۷۷ء)

اصل نام محی الدین قلعہ تمنا جبکہ تمنا عمادی کے نام سے شہرت حاصل کی۔ وطن مالوف کی نسبت سے پھلواڑی کہلائے۔ تمنا عمادی صوبہ بہار کے ایک صوفی گھرانے میں ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئے (۱۰۵) یہ مردم خیز علاقہ کئی ایک اہل علم و صاحب قلم ملا کی جائے پیدائش ہے۔

آپ کے بچپن کے حالات پردہ اخفا میں ہیں۔ ابتدائی تعلیم والد گرامی مولانا شاہ نذیر الحق اور خاندانی بزرگوں مولانا علی نعمت اور منظور احمد سے حاصل کی۔ درس نظامی کی تکمیل کے بعد مولانا نے تدریس شروع فرمائی اور پندرہ برس تک تدریسی خدمات سر انجام دیں۔ قیام پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان ڈھاکہ میں قیام پذیر ہوئے۔ نومبر ۱۹۷۲ء میں عمر کی ستاسی بہاریں گزار کر کراچی میں مسافرانہ بے کسی میں فوت ہوئے اور یہیں دفن ہوئے (۱۰۶)۔

مولانا تمنا عمادی کی مطبوعہ اور عام دستیاب کتب میں جمع القرآن، اعجاز القرآن و اختلاف قرأت، حدیث کے مدقن اول زہری اور تفسیر کے مدقن اول طبری، سبیل المؤمنین، انتظار مہدی و مسیح کی حقیقت زیادہ معروف ہیں۔

ان کا نظریہ حدیث حسب ذیل ہے: ”وہی ایک حدیث صحیح ہے جو قرآن سے قریب تر ہو اور باقی سب غلط۔۔۔ چاہے ان باقی کے راوی کیسے ہی ثقہ کیوں نہ ہوں اور وہ صحاح ستہ کی متفق علیہ

حدیثیں ہی کیوں نہ ہوں اور وہ ایک حدیث جو کہ قرآن سے قریب تر ہے۔ اس کا راوی کیسا ہی مجروح کیوں نہ ہو اور وہ صحاح ستہ سے باہر ہی کی حدیث کیوں نہ ہو بلکہ شیعوں کی اصول کافی وغیرہ ہی کی حدیث کیوں نہ ہو (۱۰۷)۔

وہ مزید لکھتے ہیں: ”بعض صحابہ نے عہد نبوی میں حدیثوں کا لکھنا شروع کر دیا تھا اور جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنتے تھے یا آپ کو کرتے ہوئے دیکھتے تھے اس کو لکھ کر جمع کرنے لگے تھے تو یہ آیتیں اتریں: ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ“ (یونس: ۵۷-۵۸)۔

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حدیثیں لکھنے سے منع کر دیا“ (۱۰۸)۔
جمہور محدثین کے ہاں کتابت حدیث کی ممانعت اس ابتدائی دور میں تھی جب صحابہ کرام قرآن مجید اور احادیث کو ایک ہی جگہ لکھ لیتے تھے۔ اس کے باوجود بعض صحابہ کو لکھنے کی اجازت مل گئی جیسے عبداللہ بن عمرو اور بعض کو بعد میں ملی۔ مگر تمنا عمادی نے ہی انکار حدیث کی راہ تلاش کرنے کے لیے اپنی مرضی سے یہ شرح بیان کر دی۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ”یہ سب من گھڑت افسانے ہیں ذرا صل کسی صحابی نے حدیثوں کا کوئی مجموعہ مرتب نہیں کیا تھا۔ اگر دو چار حدیثیں بھی کوئی صحابی کسی ورق پر لکھ لیتے وہ ورق تہرک کے طور سے ضرور محفوظ رکھا جاتا“ (۱۰۹)۔

ماہنامہ طلوع اسلام ستمبر ۱۹۵۰ کی اشاعت میں ان کا ایک مضمون شائع ہوا جو حدیث کے بارے میں ان کے نظریات کی پوری وضاحت کرتا ہے۔ تمنا صاحب لکھتے ہیں: ”منافقین عجم نے اپنے مقاصد کے ماتحت جمع احادیث کا کام شروع کرنا چاہا تو انہیں منافقین عجم کے آمادہ کرنے سے اس وقت خود ابن شہاب کو خیال ہوا کہ ہم حدیثیں جمع کرنا شروع کر دیں تو یہ مدینہ پہنچے اور کوفہ بھی اور احادیث مختلف مقامات سے حاصل کیں اور بیسیوں راویوں کے ساتھ رہے“ (۱۱۰)۔

اہل علم سے چھٹی نہیں کہ ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے

حدیث لکھنی شروع کی تھی۔ صالح بن کیمان آپ کے ساتھ تھے مگر تمنا صاحب کا شوق تحقیق دیکھتے کس وضاحت سے اسے عجبی سازش کا نام دیا ہے۔

حدیث کو عجبی سازش قرار دینا ”طلوع اسلام“ کے حل و عقد کا حصہ ہے۔ اس کے متعلق مولانا محمد اسماعیل سلفی کا نہایت دقیق مقالہ ان کی کتاب ”حجیت حدیث“ میں موجود ہے۔ جس کا کچھ حصہ راقم الحروف کی کتاب ”التحدیث فی علوم الحدیث“ کے مقدمہ میں بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۰۔ چوہدری غلام احمد پرویز (م ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء)

غلام احمد پرویز بٹالہ ضلع گورداس پور کے چوہدری فضل دین کے گھرانے میں ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئے۔ یہ گھرانہ بقولہ شریعت و طریقت کا بڑا لطیف آمیزہ تھا۔ ان کے دادا حضور بخش خفی المسلک ایک جید عالم دین، چشتیہ نظامیہ سلسلے کے ممتاز بزرگ اور حاذاق طیب تھے (۱۱۱)۔

۱۹۲۱ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا مگر بچپن کے بعد سول سروس میں چلے آئے اور ساری زندگی ایک ہی ملازمت پر اکتفا کیا۔ ابتدائی استادان کے دادا چوہدری رحیم بخش تھے جنہوں نے آپ کو سلوک کی منازل بھی طے کرائیں اور انہیں کے حکم پر سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بیعت ہوئے (۱۱۲)۔

موصوف نے گیتا کا درس دوڈان (گیتا اچاریہ) سے لیا اور ان کے کہنے پر شملہ کے نزدیک باؤلی کے کنارے ایک سادھی پر مشقیں اور مشقتیں کیں اور سادھی کے گرو کے جانشین بنے (۱۱۳)۔ موصوف ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں ان کا قابل فخر چیلہ تھا۔ عربی ادب دہلی میں قیام کے دوران علامہ اسلم حیراج پوری سے پڑھا۔ فردری ۱۹۸۵ء کو لاہور میں وفات پائی (۱۱۴)۔

ان کی تعنیفات میں مفہوم القرآن، لغات القرآن، مطالب الفرقان، تجویب القرآن، ابلیس و آدم، اسلام کیا ہے؟ شاہکار رسالت، انسان نے کیا سوچا؟ سلیم کے نام خطوط، طاہرہ کے نام خطوط، مقام حدیث، بہارِ نو خصوصاً قابل ذکر ہیں۔

ان کے حالات زندگی سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ موصوف نے بھی تمام زندگی سول سروس میں گزاری تھی اور اس میں ان کا میل ملاپ انگریزوں سے بھی رہا۔ نتیجہً موصوف نے بھی اپنی بزم طلوع اسلام کی اٹھان حدیث و اصول حدیث پر تھلک و غیرہ کے افکار پر رکھ کر انکار حدیث کے اس فتنہ کو

ایک قوت فراہم کی۔ مزید پرویز صاحب حنفی المسلک اور طریقت و تصوف کے سلاسل و مشارب کے متعلقین میں سے تھے۔ بلکہ ان کا تعلق تو ہندو جوگیوں اور سادھوؤں سے بھی رہا ہے۔ ان حالات کے تناظر میں ان میں انکار حدیث کے نظریات پروان چڑھے ہیں اور انہوں نے اس فتنہ کو بڑی تقویت فراہم کی۔

غلام احمد پرویز کا عقیدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس کوئی طے شدہ شریعت نہیں ہے جسے ابدیت حاصل ہو اور اس میں تبدیلی ہو۔ ان کا موقف یہ ہے کہ جرنیات مختلف حالات کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ ان کے ہاں ان بدلتی جرنیات کو ہی شریعت کہتے ہیں جو وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ بدلتی چاہیے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے کی شریعت صرف اس دور کے لیے تھی اس دور کے لیے نہیں۔ ہمارے زمانے کی شریعت مرکز ملت (وفاقی اسمبلی) طے کرے گی انہیں حدیث سے طے کرنا درست نہیں (۱۱۵)۔

غلام احمد پرویز کے دور میں فقہانکار حدیث پر بے عروج کو پہنچا ہے۔ اس کا انداز تصنیف بڑے عم خود با سلیقہ لیکن الجھا ہوا ہے جس میں جھانک کر اصل فتنے کی نشاندہی کرنا ایک بڑا مشکل کام ہے۔ آپ نے تفسیر معجم القرآن کئی جلدوں میں تحریر کی ہے جو اردو عبارت اور حسن طبعیت میں نہیں کتاب ہے۔ اس میں کس طرح اسلام کے قطعی نظریات سے کھیلایا گیا ہے، وہ ہمیں مطالعہ سے ہی پتہ چلتا ہے۔ نیز یہ کہ انکار حدیث کا نظریہ پرویز صاحب کو کہاں تک اسلام سے دور لے گیا ہے۔ ان کی یہ تحریر ملاحظہ ہو: ”اب آئیے قرآن کریم کی طرف۔۔۔ اس میں یہ بات تصریح کہیں نہیں لکھا کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی تھی“ (۱۱۶)۔

کیا یہ وہی عقیدہ نہیں جو قادیانیوں کا ہے؟ کیا قرآن حضرت عیسیٰ کو بار بار مسیح بن مریم نہیں کہتا؟ کیا پارہ ۳ سورہ آل عمران رکوع ۵ میں اور پارہ ۱۶ سورہ مریم رکوع ۲ میں اس پر مفصل بحث نہیں ملتی؟ اس وقت ہم اس موضوع پر بحث نہیں کر رہے تھانا یہ مقصود ہے کہ دیکھو انکار حدیث کس طرح پرویز صاحب کو قادیانیوں کے قریب لے گیا ہے۔ مزید دیکھیے: ”حضرت عیسیٰ کے اب تک زندہ ہونے کی تائید قرآن کریم سے نہیں ملتی۔ قرآن پاک آپ کے وفات پا جانے کا بھراحت ذکر کرتا ہے“ (۱۱۷)۔

ہمیں تو اب تک قرآن پاک میں کہیں وہ آیت نہیں ملی جس میں خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات صراحت سے مذکور ہو رہی ہو الفاظ کی کھینچا تانی اور دور از کار تاویلات سے قادیانوں کا لٹریچر بھی بھرا ہوا ہے۔

ہر دین صاحب لکھتے ہیں: ”کوئی روایت جو حضرت عیسیٰ کی آمد کی خبر دیتی ہے وضعی اور جھوٹی ہے جو ہمارے لیے سند نہیں ہو سکتی“ (۱۱۸)۔

آپ کے ہاں کل ذخیرہ حدیث ہی جعلی اور وضعی ہے تو یہاں حدیث مسیح کی تخصیص کس لیے ہے؟ ہر دین صاحب نے جس طرح قرآن پر یہ بہتان باندھا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کی وفات کا بصراحت ذکر کرتا ہے اسی طرح قرآن پاک پر ان کا دوسرا بہتان بھی ملاحظہ کیجئے: ”قرآن کریم نے کس شدت اور تکرار سے اس کی صراحت فرمادی ہے کہ نبی اکرم کو کوئی خسی معجزہ نہیں دیا گیا اور حضور کا معجزہ صرف قرآن ہی ہے“ (۱۱۹)۔

ہر دین صاحب تو اس باب میں شدت اور تکرار کے مدعی ہیں لیکن ہمیں تو ایک آیت بھی ایسی نہیں ملی جس میں بصراحت کہا گیا ہو کہ حضور اکرم کو کوئی خسی معجزہ نہیں دیا گیا۔ معجزہ نہ انے اسی پہلو سے معجزات کا انکار کیا تھا۔ فقہ انکار حدیث اپنی لپیٹ میں اسلام کے ہر بنیادی عقیدہ کو کھینچ رہا ہے اور اس دور میں مسٹر غلام احمد ہر دین اسلام کے لیے دوسرے غلام احمد (قادیانی) کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

ہندوستان میں انکار حدیث کی باقاعدہ تحریک مولوی عبد اللہ چکڑالوی سے چلی تھی۔ پاکستان بننے پر مسٹر ہر دین اس کشتی کو کھینچتے رہے۔ ہر دین نے اپنے خیالات کی اشاعت میں اپنی سرکاری پوزیشن بھی استعمال کی اور افسران کے ایک حلقے کو جو پہلے سے علماء سے بغض رکھتا تھا متاثر کیا اور جدید تعلیم یافتہ لوگ کسی درجے میں اس کے گرد جمع ہو گئے۔ ہر دین نے اپنے اس موقف پر خاص لٹریچر مہیا کیا ہے۔ پہلے اس خیال کے لوگوں کو چکڑالوی کہا جاتا تھا اب انہیں ہر دین کہتے ہیں۔ یہ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سب سے پہلے ہر دین کسری ایران نے حضور کے نام مبارک کو پارہ کیا تھا۔ حدیث کا یہ پہلا انکار تھا۔

ہر دین صاحب کے ہاں اللہ اور رسول کی اطاعت سے کیا مراد ہے؟ ملاحظہ ہو:

”چونکہ نظام دین میں اللہ کے احکام مرکز سے نافذ ہوتے تھے اور یہ مرکزی قوت نافذہ رسول

کی مخصوص شخصیت میں تھی اس لئے ان مرکزی احکام کی اطاعت کو اللہ اور رسول کی اطاعت قرار دیا گیا ہے۔ لہذا اللہ اور رسول سے مراد وہ مرکزی نظام دین ہے جہاں سے احکام قرآنی نافذ ہوں“ (۱۲۰)۔

”ان تصریحات سے واضح ہے کہ نظام قرآنی میں اطاعت مرکزیت کی ہے اور چونکہ یہ مرکز قوانین خداوندی کی تفسیر کرتا ہے اور پہلا مرکز رسول اکرم کی ذات گمراہی تھی اس لیے قرآن کریم میں مرکزیت کو اللہ اور رسول کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے“ (۱۲۱)۔

۱۱۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق (م ۱۳۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء)

یہ سرکاری ملازم تھے، ان کی تحریر میں چاشنی تھی۔ اس کی کتابوں میں دو قرآن، دو اسلام، جہان نو اور حروفِ محرمانہ، اللہ کی عادت وغیرہ سلسلہ انکار حدیث دیکھنے کے لائق ہیں۔ ایک جگہ مرزا غلام احمد کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”مرزا صاحب درست فرماتے ہیں کہ تمام حدیثیں تحریفِ معنوی و لفظی سے آلودہ یا سرے سے موضوع ہیں“ (۱۲۲)۔

رسولوں کی اطاعت درکنار ہی برق صاحب کے ہاں خود رسولوں پر بھی ایمان لانا ضروری نہیں تھا۔ خدا تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان ہو تو نیک اعمال شرف قبولیت پالیتے ہیں لیکن اس کے ہاں رسولوں پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے امنوا باللہ والیومِ الآخر کو قبولِ اعمال کی بنیادی شرط قرار دیا ہے۔ اس میں ایمان بالرسول شامل نہیں“ (۱۲۳)۔ ایک جگہ علماء کو خطاب کرتے ہوئے لکھا ہے: ”آپ کے ہاں اسلام چند عقائد کا نام ہے اور قرآن کے نزدیک صرف نیکوئی کا۔ اس لیے خدا اور رسول کا صحیح پیرو وہ ہے جو ان اعمال پر عمل کر رہا ہو خواہ اس پر صیانت کا لیل لگا ہوا ہو یا یہودیت کا، نہ وہ جو خدا اور رسول کا صرف زبانی قائل ہو اور عملاً کافر“ (۱۲۴)۔

ہدایتِ اللہ کے اختیار میں ہے۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق جو انکار حدیث میں اس قدر آگے نکلے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کی دھیمیری کی اور وہ انکار حدیث سے یکسر تائب ہو گئے۔ ان کی آخری تصنیف تاریخ حدیث ہے۔ جس میں انہوں نے حدیث کو قبول کرنے کا غیر مشروط اقرار کرتے ہوئے اپنے انکار حدیث کے نظریات سے یکسر تائب ہونے کا اظہار کیا ہے۔

۱۳۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء میں فوت ہوئے اور اپنے آبائی گاؤں میں دفن ہوئے (۱۲۵)۔

منکرین حدیث کے مراکز

۱۔ امرتسر

۱۔ امرتسر پنجاب کا ایک اہم علمی و تجارتی مرکز تھا۔ نیز یہاں آریہ، مسلم اور عیسائیت کے فروغ کی تحفیں اپنے اپنے مذہبی اٹکار کو باقاعدہ تحریکی صورت میں پھیلا رہی تھیں۔

۲۔ جب امرتسر مسلم علماء نے مخالف فریقین کے دلائل میں ذہنی اور فکری پہنائی اختیار کی تو سابقہ گمراہ فرق (معتزلہ اور خوارج وغیرہ) کے پیش کردہ نظریہ کفایت قرآن کو بنیاد بنا کر اٹکار حدیث کا دروازہ کھول دیا۔

۳۔ امرتسر میں مولوی غلام علی قصوری بسلسلہ ملازمت تشریف لائے اور یہیں کے ہو رہے۔ ان کی اسلامی تعلیم نامکمل تھی۔ حدیث و اصول حدیث سے کماحقہ آگاہ نہیں تھے۔

۴۔ موصوف نے مد مقابل کے اعتراضات سے بچنے کے لیے حدیث کی صحت اور حجت کا اٹکار کیا۔ اس مرکز سے وابستہ لوگ عمل تو اتر کے قائل رہے۔ امرتسر میں اس فتنہ کی بنیاد موصوف مولوی صاحب نے رکھی اور اس تحریک کو پروان ان کے شاگرد خاص منشی احمد دین نے چڑھایا۔

۵۔ بیسویں صدی میں بھی امرتسر کی مرکزی حیثیت قائم رہی۔ یہاں منکرین حدیث کی قیادت خواجہ احمد دین کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے ۱۹۲۳ء میں امرتسر میں ایک مجلس ”امت مسلمہ“ قائم کی (۱۲۶)۔

اٹکار حدیث کی ابتداء تو امرتسر سے ہی ہوئی لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس گروہ کی انتہائی کوشش کے باوجود امرتسر میں اس کو فروغ حاصل نہ ہو سکا اور عام مسلمان اس باؤسوم سے محفوظ رہے۔

۲۔ دہلی

بیسویں صدی عیسوی میں اٹکار حدیث کے جرائم دہلی بھی پہنچ گئے۔ یہاں اس فتنہ کے سرپرست و مربی اسلم حیدر انجوری تھے۔ جو کہ جامعہ ملیہ دہلی میں استاد تھے اور غلام احمد پرویز کے بھی مرشد

مرہی و استاد تھے۔ انہوں نے اپنے انکار و نظریات کو پھیلانے کے لیے کوئی انجمن یا ادارہ قائم نہ کیا ان کی کچھ کتب جامعہ ملیہ دہلی نے شائع کیں اور باقی کی اشاعت ”بلاغ امرتسر“ اور طلوع اسلام دہلی، کراچی اور لاہور نے کی کیونکہ موصوف کے اکثر مضامین انہیں رسائل میں چھپا کرتے تھے۔

۳۔ علی گڑھ

انگریزوں کے لائے ہوئے طحانہ نظریات اور فلسفہ کے دور میں انکار حدیث کی پہلی آواز وابستگانِ علی گڑھ کی جانب سے بلند ہوئی (۱۲۷)۔ علی گڑھ سرسید احمد خاں اور ان کے رفقا جو ترقی پسند کہلاتے تھے، ان کا مرکز تھا۔ یہ لوگ چونکہ انگریزی تہذیب و تمدن اور ان کے فلسفہ و نظریات سے متاثر تھے۔ ان کی زیادہ تر زندگی انگریزی ہی کی ملازمت میں گزری اور یہ لوگ اسلامی علوم و فنون اور ان کے علم اصول سے نا آشنا تھے۔ نتیجہ یہ لوگ مستشرقین کے انکار و نظریات سے متاثر ہوئے اور ان لوگوں نے انکار حدیث اور تھکیک فی القرآن کے نظریات کو عامۃ الناس میں پھیلایا۔ تاہم علی گڑھ میں شبلی جیسی تابذرو کار شخصیات بھی موجود تھیں جو اس سے مستغنی ہیں۔

۴۔ کراچی

کراچی بھی منکرین حدیث کا ایک اہم مرکز رہا ہے اور ہے قیام پاکستان کے فوراً بعد پرویز نے کراچی ہی کو اپنا مرکز بنا کر طلوع اسلام اور اپنی دوسری تالیفات شائع کیں۔ بعد ازاں مولوی حبیب الرحمن کا مدحی اور تمنا عمادی جیسی شخصیات نے بھی انکار حدیث کے نظریات کے فروغ کے لیے کراچی ہی کو مرکز بنایا۔ ”رحمان پبلشنگ“ ان کے مذموم عقائد کو فروغ دے رہا ہے۔ نگار نیاز فتح پوری کا رسالہ بھی کراچی ہی میں انکار حدیث کی تحریک کی زہر پاشی میں مصروف رہا ہے۔

۵۔ لاہور

انیسویں صدی میں انکار حدیث کے معروف مراکز دو تھے۔ لیکن جونہی بیسویں صدی کا آغاز ہوا۔ فقہانہ انکار حدیث کی دہانے لاہور جیسے علمی اور تحریکی مرکز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ گزشتہ صدی میں امرتسر، علی گڑھ ہی ان کے مراکز تھے لیکن اب لاہور ان کا تیسرا اور سب سے اہم مرکز بنا۔

بیسویں صدی کے اوائل میں مولوی عبداللہ چکڑالوی نے لاہور میں ایک انجمن ”اہل الذکر والقرآن“ قائم کی جس کے تحت اپنے نظریات و افکار کا پرچار شروع کیا۔ اور اپنے نظریات کی اشاعت کے لیے رسالہ ”اشاعت القرآن“ بھی جاری کیا۔ اس کی وفات کے بعد اس انجمن کو ان کے جانشین اسے چلاتے رہے۔ بلاآخر یہ مجلس اور رسالہ اپنی موت آپ مر گیا۔

پرویز نے اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد لاہور ہی کو اپنا مرکز قرار دے کر ”ماہنامہ طلوع اسلام“ جاری کیا جو تاحال جاری ہے۔ قبل ازیں یہ رسالہ کراچی سے شائع ہوتا تھا۔ اس نے اپنے نظریات کے فروغ کے لیے بزم طلوع اسلام قائم کی۔ ہفتہ وار درس قرآن شروع کیا جو کہ آج کل بھی بذریعہ ویڈیو کیسٹ ہر اتوار صبح نو بجے ہوتا ہے۔ تعلیم یافتہ طبقے بالخصوص ماڈرن خواتین میں یہ درس اور رسالہ کافی مقبول ہے۔

اس بزم و رسالے کا ہیڈ آفس پرویز کی رہائش گاہ ہے۔ جسے ان لوگوں نے ایک ٹرسٹ کی حیثیت دے رکھی ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ طلوع اسلام نے اپنے اور ما قبل دور کے تمام اہم ارکان اور ان کے نظریات جو کہ انکارِ حدیث کے متعلق تھے ان تمام کو اپنے اندر سمویا ہے۔ اس کی موجودہ حیثیت انکارِ حدیث کے ایک دائرہ معارف کی سی ہے۔

نظریاتی و اساسی طور پر پرویز، سید احمد خاں کے نظریات و افکار کا ترجمان ہے۔ بلکہ پرویز کے ایک معتقد کے نزدیک تو سید احمد خاں کا پرویز کی شکل میں دوسرا جنم ہے (۱۲۸)۔ ادارہ طلوع اسلام نے پرویز کی تمام کتب شائع کی ہیں۔

لاہور کو خاکسار تحریک نے مرکز بنایا۔ علامہ عنایت اللہ المشرقی کی زیر قیادت انکارِ حدیث کے افکار کو فروغ دیا۔

۴۔ اسی شہر میں متعدد ادارے اور رسائل معرض وجود میں آئے۔ جنہوں نے بیسویں صدی عیسوی میں انکارِ حدیث کے پھیلانے میں اپنا تن من و دھن اور ایمان سب کچھ غارت کیا۔ ان میں معروف ”ماہنامہ بلاغ القرآن لاہور“، ”دوست الیسوی ایش لاہور“ قابل ذکر ہیں۔

۵۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی کے مربی منشی احمد دین نے بھی لاہور میں ایک مجلس قائم کی۔ جس کا

نام ”امت مسلمہ“ رکھا جس کے زیر انتظام موصوف کی کتب کی اشاعت بھی ہوئی۔ جب تک وہ زندہ رہے اسی کے تحت لکھی چوک کے نزدیک ایک ہال میں درس قرآن دیتے رہے جو کہ اسی انجمن کے تحت ہے اور یہ ہال روڈ پر واقع ہے (۱۲۹)۔

فتنہ انکار حدیث کے رد میں لکھی جانے والی کتب

- ۱۔ آئینہ پرویزیت، عبدالرحمان کیلانی۔
- ۲۔ اتباع سنت، سید بدیع الدین شاہ راشدی۔
- ۳۔ اثبات الخیر فی رد منکری الحدیث والاثر، عبدالستار حسن عمرپوری۔
- ۴۔ احادیث صحیح بخاری و مسلم کو مذہبی داستانیں بنانے کی ناکام کوشش، مولانا ارشاد الحق اثری۔
- ۵۔ اسلام میں سنت کا مقام، عبدالغفار حسن۔
- ۶۔ اسلام میں سنت و حدیث کا مقام، مصطفیٰ حسن السباعی/ احمد حسن۔
- ۷۔ اسلامی معاشرہ میں سنت کی اہمیت، علامہ محمد اسد/ محمد معین خان۔
- ۸۔ اقبال اور منکرین حدیث، محمد فرمان۔
- ۹۔ انتخاب حدیث، عبدالغفار حسن عمرپوری۔
- ۱۰۔ انکار حدیث ایک فتنہ ایک سازش، محمد فرمان۔
- ۱۱۔ انکار حدیث حق یا باطل، صفی الرحمن الاعظمی۔
- ۱۲۔ انکار حدیث کے نتائج، محمد سر فر از صغدر۔
- ۱۳۔ انکار حدیث یا انکار رسالت، سید معین الدین۔
- ۱۴۔ اہتمام المحمدین، فقہ الحدیث سنداً و مقناً، محمد لقمان السلفی۔
- ۱۵۔ برق اسلام بجواب رسالہ طلوع اسلام، محمد شرف الدین۔
- ۱۶۔ پرویز اور قرآن، مفتی مدار اللہ مدار۔
- ۱۷۔ پرویز کا اسلام، مفتی عبدالرحمان خان۔
- ۱۸۔ پرویز نے کیا سوچا؟ ڈاکٹر بسطین لکھنوی۔

- ۱۹۔ تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی۔
- ۲۰۔ جمع القرآن والاحادیث، ابوالقاسم بناری تحقیق ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر، نگہت ہاشمی۔
- ۲۱۔ حجیت حدیث، محمد اسماعیل سلفی۔
- ۲۲۔ حجیت حدیث، ناصر الدین البانی۔
- ۲۳۔ حجیت حدیث، محمد تقی عثمانی۔
- ۲۴۔ حجیت حدیث اور اتباع رسول، ثناء اللہ امرتسری۔
- ۲۵۔ حجیت حدیث (وجوب العمل بسنۃ الرسول وکفر من انکرها)، عبدالعزیز بن باز۔
- ۲۶۔ حجیت حدیث، بجواب حقیقت حدیث۔
- ۲۷۔ حجیت حدیث پر برصغیر کے ادب کا تنقیدی جائزہ۔
- ۲۸۔ حجیت سنت، مترجم خالد گمر جاکھی۔
- ۲۹۔ حجیت سنت، عبدالغنی عبدالخالق۔
- ۳۰۔ حجیت السنۃ، دکتور محمد لقمان سلفی۔
- ۳۱۔ حدیث اور قرآن، ابوالاعلیٰ مودودی۔
- ۳۲۔ حدیث کی اہمیت، محمد رفیق۔
- ۳۳۔ حدیث کی تدوین عہد صحابہ اور تابعین میں، حکیم عبدالشکور۔
- ۳۴۔ حمایت حدیث، محمد عبداللہ حنیف۔
- ۳۵۔ خود انصاف کیجیے بجواب خود فیصلہ کیجیے، مسعود احمد۔
- ۳۶۔ دراسات فی الحدیث النبوی و تاریخ تدوینہ، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی۔
- ۳۷۔ دفاع حدیث، عبدالرحمان کیلانی۔
- ۳۸۔ دلیل الفرقان بجواب اہل القرآن، ثناء اللہ امرتسری۔
- ۳۹۔ زوال الحنفی وجہ السنۃ قدیمہ و احادیث، صلاح الدین مقبول احمد۔
- ۴۰۔ عظمت حدیث، مولانا عبدالغفار حسن۔

- ۳۱۔ السنۃ تجسّعہا مکاتیبہ فی الاسلام والرد علی منکرہا، محمد لقمان سلفی۔
- ۳۲۔ فتاویٰ اکابر حدیث، حافظ محمد ایوب دہلوی۔
- ۳۳۔ فتاویٰ اکابر حدیث، رشید احمد مفتی۔
- ۳۴۔ فتاویٰ اکابر حدیث، مفتی ولی حسن خاں ٹوکی۔
- ۳۵۔ فتاویٰ اکابر حدیث اور اس کا پس منظر، محمد عاشق الہی مفتی۔
- ۳۶۔ فتاویٰ اکابر حدیث اور اسلام، عبدالعزیز بن باز/عبدالستار حماد۔
- ۳۷۔ فتاویٰ اکابر حدیث کا منظر و پس منظر، افتخار احمد بلخی۔
- ۳۸۔ قرآنی تعزیرات، بحواب پرویزی خرافات، منور حسین سیف الاسلام دہلوی۔
- ۳۹۔ قضیۃ الحدیث فی حجۃ الحدیث، ابو القاسم بناری۔
- ۵۰۔ کتابت حدیث، منت اللہ رحمانی۔
- ۵۱۔ کتابت حدیث عہد تابعین، محمد خالد سیف۔
- ۵۲۔ کتابت حدیث عہد نبوی میں، ابو بکر غزالی۔
- ۵۳۔ مکتوب لطیف فی حجیت حدیث، محمد سرفراز خاں چوہدری۔
- ۵۴۔ منکرین حدیث کا جنازہ و اخذہ، سید محمد احسن۔
- ۵۵۔ یہودی سازش اور فتاویٰ اکابر حدیث، انعام اللہ جان (۱۳۰)۔

موجودہ صورت حال

موجودہ دور میں یہ فتنا اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ اس گروہ کی طرف سے اپنے آپ کو حالات کے دھارے میں ڈھالتے ہوئے جدید ذہن کو مسوم کرنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔ اس کا ہدف خصوصاً وہ پڑھا لکھا طبقہ ہے جو عربی اور علوم اسلامیہ سے پوری طرح واقفیت نہیں رکھتا۔ سطحی مطالعہ اور دینی تربیت کا فقدان انہیں بڑی آسانی سے اس فکر کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے۔

منکرین حدیث کا ایک گروہ ”حزب المسلمین“ کے نام سے لاہور میں سرگرم عمل ہے۔ اس کے زیر انتظام ایک ہفت روزہ رسالہ ”قرآنی معاشرہ“ شائع کیا جا رہا ہے۔ جس کے مدیر محمد قاسم نوری

ہیں۔ ان کے افکار ملاحظہ ہوں: ”حزب المسلمین قرآن کے سوا کسی چیز کو تسلیم نہیں کرتی۔ ان الذی فرض عليك القرآن [القصاص (۱۳۱)] فرض صرف قرآن ہے۔ لہذا جو کچھ قرآن میں ہے وہی ایمان ہو سکتا ہے۔ اور جو بات قرآن میں نہیں اسے اپنا ایمان بنالینا کفر ہے، شرک ہے اور جرم ہے۔

قرآن کریم کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ نہ کسی حدیث کا نہ تفسیر کا نہ تشریح کا اور نہ کسی فقہی موشگافیوں کا“ (۱۳۲)۔ ایک اور ادارہ ”صوت القرآن“ کے نام سے لاہور میں کام کر رہا ہے۔ ملک احسان الحق کی تصنیف ”سبیل المؤمنین“ ادارہ مذکور نے شائع کی ہے۔ جس میں صراحتاً دعویٰ کیا گیا ہے کہ دین اسلام کا واحد حقیقی ماخذ قرآن مجید ہے (۱۳۳)۔ علاوہ ازیں کچھ لوگ انفرادی طور پر بھی اس فکر کو پروان چڑھا رہے ہیں۔ لاہور کے بشیر صاحب نے ”صحیح بخاری کی چند احادیث اور ان پر تبصرہ“ کے عنوان سے ایک پمفلٹ شائع کیا ہے۔ اس میں رقمطراز ہیں: ”جس طرح پارسل کا صحیح حالت میں ملنا اس کا ثبوت ہے کہ چیز محفوظ حالت میں مل گئی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو قرآن مجید بالکل محفوظ حالت میں ہم تک پہنچا ہے اور مجموعہ حدیث پر یہ مثال صادق نہیں آتی اس لیے کہ اس میں ضعیف روایات شامل ہو گئی ہیں“ (۱۳۴)۔

اسی طرح رحمت اللہ طارق، صاحب ”منسوخ القرآن“، ”برہان القرآن“، ”میزان القرآن“ ہیں۔ جو علم حدیث کو ایک مشکوک علم گردانتے ہوئے اس بات کے علمبردار ہیں کہ دین میں احادیث حجت نہیں، حجت صرف اسوہ رسول ہے۔ اسوہ کا تعلق مشاہدہ سے ہے روایات سے نہیں (۱۳۵)۔

TRUEMASLAK@INBOX.COM

خوارج

تاریخی پس منظر، عقائد اور روایت حدیث

ادیانِ سماویہ میں سے اسلام، واحد دین ہے جس کی جملہ تعلیمات حرف بحرف محفوظ ہوئیں اور تحریف و تغیر سے بالاتر رہ کر تسلسل کے ساتھ نسل در نسل امت مسلمہ تک پہنچ رہی ہیں اور اٹھنا پہنچتی رہیں گی۔ اس منفرد دین کے دو بنیادی ماخذ ”قرآن وحدیث“ میں سے قرآن مجید کی لفظی صیانت و حفاظت کا ذمہ خود اس کے نازل کرنے والے نے اپنے ذمے لیا (۱۳۶)۔ جو اقوام عالم کے مختلف ناکام تحریفی حربوں کے باوجود اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ محفوظ ہے۔

دین اسلام کے دوسرے بنیادی ماخذ کو بھی جس حسن و خوبی اور کمال احتیاط کے ساتھ محفوظ کیا اس کی مثال پیش کرنا بھی ممکن نہیں۔

محدثین نے تمام تر تعضبات سے بالاتر ہو کر قبول حدیث کے لیے اتنے کڑے معیار قائم کیے کہ ادیان عالم میں سے اس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔ محدثین عظام حدیث رسول اللہ ﷺ کے معاملہ میں کسی کی رعایت نہ کرتے تھے، بلکہ اس معاملے میں اگر کوئی خاص عزیز یا رشتہ دار ہو تو اس کی بھی پروا نہ کرتے تھے۔ چنانچہ امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری کے استاد علی بن المدینی نے اپنے والد پر تنقید کی (۱۳۷)۔ اسی طرح اور محدثین کے متعلق بھی روایات ملتی ہیں (۱۳۸)۔ اس معاملے میں محدثین بہت زیادہ محتاط تھے۔ ہر چند کہ جرح و تعدیل بہت نازک اور حساس کام ہے مگر محدثین نے صحت حدیث کے لیے بلا خوف و لومۃ لائم یہ فریضہ سرانجام دیا۔ امام ابن دقیق العید فرماتے ہیں: ”أعراض المسلمين حفرة من حفر النار، وقف علی شفیہا طافتان من الناس: المحدثون والحکام“ (۱۳۹) (مسلمانوں کی عزتیں جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھ ہے، جس کے کنارے لوگوں کے دو گروہ محدثین اور حکمران کھڑے ہیں)۔

امام بخاری کا منہج تحدیث ذکر کرتے ہوئے جمال الدین قاسمی فرماتے ہیں، فخرج عن کل عالم صدوق ثبت عن أئمة فرقة کان (۱۴۰) (انہوں نے ہر سچے اور ثقہ عالم سے احادیث

بیان کیس خواہ وہ کسی فرقہ سے ہو۔ علمائے امت نے بخاری اور مسلم کا کسی راوی سے روایت کرنا اس کے ثقبہ ہونے کا ثبوت قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں ”تعرف ثقة الراوي بالتنقيص عليه من رواه او ذكره في تاريخ الثقات أو تخریج أحد الشیخین له فی الصحیح وإن تكلم فی بعض من خرج له فلا يلتفت اليه“ (۱۳۱) (راوی کی شاعت کا علم نص قطعی سے ہوتا ہے یا اس کا تاریخ ثقات میں ذکر آنے سے ہوتا ہے، یا شیخین (بخاری و مسلم) کے صحیح میں روایت لانے سے ہوتا ہے۔ جس کی روایت کو ان کی صحاح میں لایا گیا۔ اس پر کلام بھی کیا گیا ہو تو وہ ناقابل الثقات ہوگا)۔ نیز امام ابوالحسن المتقدی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ایسا شخص جس سے بخاری و مسلم کی صحیحین میں روایت آگئی ”هذا جاوز القنطرة“ (یہ ہل گزر گیا)۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: ”یعنی بذلك أنه لا يلتفت إلى ما قيل فيه“ (۱۳۲) (اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے متعلق جو کچھ کہا جائے گا، اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی جائے گی)۔

روایت حدیث کے سلسلہ میں جہاں محدثین نے اہل سنت کو مختلف طبقات میں تقسیم کر کے معیار صحت پر پورا اترنے والے اشخاص کی کاٹ چھانٹ کی وہاں مبتدعہ (اہل سنت کے علاوہ تمام فرقے بشمول اہل تشیع، روافض، خوارج وغیرہ) میں سے میدان تحدیث کیلئے زندگی وقف کرنے والے لوگوں میں سے باصلاحیت اور قابل اعتماد افراد کو آٹے میں سے ہال کی طرح نکال کر ان کی روایات کو اپنے دواوین میں فری حیثیت سے جگہ دی۔ انہی میں سے ایک گروہ ”خوارج“ ہے۔ محدثین نے دوران تدوین حدیث ان افراد کی وساطت سے پہنچنے والی احادیث کو جس معیار تحقیق پر پرکھا، ذیلی طور میں ہم اس کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ بالخصوص رجال صحیح بخاری میں خوارج رواۃ کو زیر بحث لایا جائے گا۔

لغوی واصطلاحی تعریف

خوارج کی تعریف اور وجہ تسمیہ کے متعلق متعدد اقوال منقول ہیں۔ جن میں سے اہم درج ذیل ہیں:

القاموس المحیط میں ہے: ”الخوارج من اهل الاهواء لهم مقالة على حدة سموا به لخروجهم على الناس“ (۱۳۳) (خوارج اہل بدعت میں سے ہیں۔ ان کے اپنے طبعہ

نظریات ہیں۔ ان کا یہ نام اس وجہ سے پڑا کہ انہوں نے عام مسلمانوں کے خلاف بغاوت کی)۔ تاج العروس میں اس کے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے کہ خارجی کے علاوہ ان کا نام حروریہ بھی ہے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ لوگ دین حق یا حضرت علی سے صلین کے بعد طیمہ ہو گئے تھے (۱۳۳)، البخاری میں ہے ”الخارجی من خالف السلطان والجماعة ومن اعتقد بمذهب الخوارج“ (۱۳۵) (وہ آدمی جو حکمران اور جماعت کا مخالف ہو اور خوارج کے مذہب کا عقیدہ رکھے خارجی کہلاتا ہے)۔ عبدالقادر بغدادی نے صلین کے بعد حروراء مقام پر جمع ہونے کی وجہ سے ”حروریہ“ اور ”لا حکم الا للہ“ کا نعرہ لگانے کی وجہ سے ان کا نام ”محکمہ“ بھی لکھا ہے (۱۳۶)۔

بغدادی نے ”الفرق بین الفرق“ میں محکمہ کے ساتھ ”شراۃ“ کے نام سے بھی انہیں موسوم کیا ہے (۱۳۷)۔ لغت اور عقیدہ کی دیگر کتب میں بھی ان کی تعریف اسی طرح سے کی گئی ہے اور یہی نام لکھے گئے ہیں (۱۳۸)۔ احمد امین مصری نے خوارج کے لفظ کی وجہ تسمیہ حضرت علیؑ کے خلاف بغاوت قرار دی اور کہا ہے کہ وہ اپنے نام کو خروج فی سبیل اللہ سے مشتق سمجھتے تھے اور اس ارشاد ربانی سے استناد کرتے تھے۔ ”ومن یخرج من بیتہ مهاجرا الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ“ (۱۳۹) (جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے اپنے گھر سے نکلے پھر اس کو موت آجائے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر لا رہا ہو جاتا ہے)۔ احمد امین کہتے ہیں ان کا نام شراۃ بھی تھا۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے ہاتھ میں فروخت کر دیا ہو ان کے ہاں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ”ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضاة اللہ“ (۱۵۰) (بعض لوگ اپنے آپ کو اللہ کی رضامندی کی خاطر فروخت کر دیتے ہیں)۔ اس لغوی اور اصطلاحی تعریف سے معلوم ہوا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حکومت وقت سے الگ ہو گئے اور انہوں نے مع دعات سے انکار کیا۔ اس وجہ سے ان کو خارجی یا باغی کہا جاتا ہے۔

ابتدائی تاریخ

امت محمدیہ میں پہلے امام حق خود حضرت محمد ﷺ ہیں۔ حضرت محمد ﷺ پوری کائنات میں امانت، دیانت، شرافت، حیا، عبادت، ریاضت، شہادت اور حسن و جمال میں سب سے بڑھ کر

تھے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی زندگی کو لوگوں کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا (۱۵۱)۔ لیکن اس کے باوجود ایک بد بخت نے آنحضرت ﷺ پر اعتراض کیا۔ قرآن مجید میں ہے: وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمُزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ (۱۵۲) (ان میں سے بعض لوگ آپ ﷺ کے صدقہ تقسیم کرنے پر آپ ﷺ پر الزام لگاتے ہیں)۔ امام بغوی نے اس آیت کے شان نزول کے متعلق لکھا ہے۔ یہ آیت ذوالخولصرہ کے بارے میں اتری جس کا نام حرقوم بن زہیر تھا جو اصل الخوارج (خوارج کا بانی) تھا (۱۵۳)۔ معالم الثقلیل میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے ہیں کہ بنو قحیم کا ایک آدمی ذوالخولصرہ نامی آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول ﷺ: انصاف کیجیے۔ آپؐ نے فرمایا ”تمہارا برا ہو اگر میں انصاف نہیں کرتا تو پھر کون انصاف کرے گا“۔ نا انصافی کی صورت میں (کیا) نقصان اور خسارے میں نہیں ہوں گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے اجازت دیجیے میں اس کا سر قلم کر دوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اسے چھوڑ دو اس کے ساتھی ایسے لوگ ہوں گے کہ تم میں سے بعض ان کی نماز دیکھ کر اپنی نماز کو حقیر سمجھیں گے اور ان کے روزوں کو دیکھ کر اپنے روزوں کو حقیر سمجھیں گے۔ وہ قرآن مجید پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا۔ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے (۱۵۴)۔

یہ پورا واقعہ مزید تفصیل سے صحیح بخاری میں موجود ہے۔ اس میں یہ اضافہ ہے کہ ان کی نشانی یہ ہوگی کہ جب یہ لوگ رونما ہوں گے تو ان میں ایک شخص ہوگا جس کا ایک ہاتھ عورت کی چھاتی کی طرح یا حرکت کرتے ہوئے گوشت کے ٹوٹنے کی طرح ہوگا۔ یہ لوگ اس وقت ظاہر ہوں گے جب مسلمانوں میں پھوٹ پڑی ہوگی۔ حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حدیث آنحضرت ﷺ سے سنی اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علیؓ نے (آوان میں) ان کو قتل کیا۔ میں بھی آپؐ کے ساتھ تھا۔ اس شخص کو تلاش کر کے لایا گیا، اس کی شکل وہی تھی جو آنحضرت ﷺ نے فرمائی تھی (۱۵۵)۔ علامہ شہرستانی نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے ”وذلك خروج صريح على النبي ﷺ“ (۱۵۶) (یہ آنحضرت ﷺ کے خلاف واضح بغاوت تھی)۔

آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں ان کی خاص

کا روائی نظر نہیں آتی۔ عبداللہ بن سبا حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں اسلام لایا لیکن وہ ان کے رعب اور دبدبہ کی وجہ سے کوئی جرأت نہ کر سکا۔ لیکن بعد ازاں یہی لوگ حضرت عثمانؓ کی شہادت کا سبب بنے (۱۵۷)۔ باقاعدہ طور پر ان کا ظہور حضرت علیؓ کی فوج میں ہوا۔ جنگ صفین میں حضرت علیؓ حکیم پر راضی نہ تھے لیکن ان لوگوں نے حضرت علیؓ کو مجبور کیا۔ جب حضرت علیؓ اس معاہدہ پر متفق ہوئے تو یہ لوگ الگ ہو گئے (۱۵۸)۔

علامہ شہرستانی نے اس کے متعلق لکھا ہے حضرت علیؓ جنگ بندی نہیں کرنا چاہتے تھے مگر اس گروہ کے سرغنہ حضرت بن قیس الکندی، مسعود بن فدک التمیمی اور زید بن حصین الطائی آ کر حضرت علیؓ سے کہنے لگے ”القوم يدعوننا الى كتاب الله وانت تدعوننا الى السيف“ (۱۵۹) (یہ لوگ ہمیں کتاب اللہ کی دعوت دیتے ہیں لیکن آپ ہمیں تلوار کی طرف بلا رہے ہیں)۔ جب حضرت علیؓ نے ان کی بات مان لی تو یہی لوگ آپؓ سے الگ ہو گئے۔ اور اپنی نادانی کی بنا پر اسی پر اعتراض شروع کر دیے۔ حضرت علیؓ پر ان کو تین اعتراض تھے۔ حضرت معاویہؓ سے صلح کرتے ہوئے انہوں نے اپنے نام سے امیر المؤمنین کا لفظ کیوں کٹوایا، حکیم کو کیوں پسند کیا اور حضرت عائشہؓ کے ساتھیوں کو جنگ جمل کی فتح کے بعد غلام کیوں نہیں بنایا (۱۶۰)۔ ابن عبدالبر نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ نے حضرت علیؓ کی اجازت سے ان کو سمجھایا۔ وہ (ابن عباس) ان پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ دینی معاملات میں بہت تشدد تھے۔ ان کے چہرے مسلسل بیداری سے زرد اور پیشانیوں پر سجدوں کے نشانات تھے۔ یہ لوگ حضرت ابن عباسؓ کو دیکھ کر خوش ہوئے کہ ابن عم الرسول آئے ہیں۔ ابن عباسؓ نے ان سے علیحدگی کے اسباب پوچھے تو انہوں نے مذکورہ تین اعتراضات بیان کیے۔ فرمایا جہاں تک آدمیوں کو منصف بنانے کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: ”يا ايها الذين امنوا لا تفتلوا الصيد وانتم حرم ومن قتله منكم متعمدا فجزاء ما قتل من النعم يحكم به ذوا عدل منكم“ (۱۶۱) (اے اہل ایمان! احرام کی حالت میں شکار نہ کرو جو تم میں سے عہد ایسا کرے گا تو اس کا فدیہ اس قسم کا جانور دینا ہے۔ تم میں دو صاحب عدل اس کا فیصلہ کریں گے)۔ بیوی اور اس کے خاوند کے متعلق ارشاد ہے: ”وان خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكما من اهله وحكما من اهلها“ (۱۶۲) (اگر ان

کے متعلق مخالفت کا ذکر ہو تو خاندانِ نبوی کے اہل میں سے ایک ایک منصف مقرر کرو۔ فرمایا احرام اور عورت کا معاملہ زیادہ اہم ہے یا مسلمانوں کی آپس میں صلح کرانی بہتر ہے۔ سب نے کہا مسلمانوں کا معاملہ اہم ہے۔ فرمایا میں نے آپ کی اس بات کا جواب دے دیا۔ سب نے کہا ہاں، پھر فرمایا جہاں تک امیر المؤمنین کے لفظ کو مٹانے کا تعلق ہے۔ آنحضرت ﷺ جب ابوسفیان اور سہیل بن عمرو سے حدیبیہ کا معاہدہ طے کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے حضرت علیؑ سے کہا علیؑ لکھو "ہذا ما صالح علیہ محمد رسول اللہ" تو انہوں نے اس کو نہ مانا۔ آنحضرت ﷺ نے رسول کا لفظ صلح کرانے کے لیے کٹوا دیا۔ وہ اس بات کو بھی مان گئے۔ پھر فرمایا جہاں تک قیدی بنانے کا تعلق ہے کیا آپ اپنی ماں کو قیدی بنانا چاہتے ہیں۔ اگر ایسا کرتے ہو تو تم مسلمان نہیں ہو۔ اگر کہتے ہو تو تمہاری ماں نہیں ہے پھر بھی تم مسلمان نہیں ہو۔ انہوں نے اس بات کو مان لیا۔ اس طرح سے دو ہزار آدمی ان میں سے الگ ہو کر حضرت علیؑ کی طرف لوٹ گئے باقی اپنے مقام پر قائم رہے (۱۶۳)۔ ان لوگوں سے حضرت علیؑ نے نہروان کے مقام پر جنگ کی جس میں ان کی کافی تعداد قتل ہو گئی (۱۶۴)۔ یہ اپنی ریشہ وراثتوں میں معروف رہے آخر انہوں نے حضرت علیؑ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو شہید کرنے کا ہر دو گرام بنایا۔ حضرت علیؑ کو شہید کر دیا گیا۔ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ بچ گئے (۱۶۵)۔

حضرت معاویہؓ کے دور میں خوارج سر اٹھاتے رہے لیکن ۴۳ھ میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے کافی حد تک ان کا قلع قمع کر دیا (۱۶۶)۔ بعد ازاں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے بڑی حکمت کے ساتھ ان کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ان کو خطوط لکھے، اپنے پاس بلایا۔ ان میں سے کافی لوگ تائب ہو گئے اور باقی ان کی سیرت سے متاثر ہونے کے سبب خاموش رہے (۱۶۷)۔ بعد ازاں یہ لوگ بنو امیہ اور بنو عباس کی خلافت کے عطف ادوار میں ظہور پذیر ہوتے رہے (۱۶۸) اور خلفاء کے لیے مشکلات کا باعث بنتے رہے۔ اب ان کے ہم خیال عمان میں موجود ہیں جو اباضیہ کے نام سے معروف ہیں۔ یہ لوگ عام خوارج سے معتدل ہیں۔

خوارج کے مشہور فرقے

خوارج کے بہت سے فرقے ہیں، ان میں سے درج ذیل زیادہ مشہور ہیں:

- ۱۔ ازرقہ: نافع بن ازرق کے پیر و کار ہیں۔
- ۲۔ نجدیہ: نجدہ بن عامر حنفی کے متبع ہیں (نجدات)۔
- ۳۔ مہیمیہ: ابو بھیس بن جابر کے اصحاب ہیں۔
- ۴۔ اباضیہ: عبداللہ بن اباض التمیمی کے متبع ہیں۔
- ۵۔ صفریہ: زیاد بن صفر کے متبعین ہیں (۱۶۹)۔

خصوصی اوصاف

- یہ لوگ تمام فقہائے کبار کے باوجود بعض اوصاف کے حامل تھے۔ چند اوصاف درج ذیل ہیں:
- ۱۔ فصاحت و بلاغت طلاق لسانی اور خوش الحانی ان کا خصوصی وصف تھا اسی وجہ سے لوگ ان سے متاثر ہو جاتے تھے (۱۷۰)۔
 - ۲۔ جدل و مناظرہ، شعر و شاعری اور ادبیات اقوال و آثار ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ مہلب بن ابی صفرہ اور قطری بن فداء کے مابین جنگ ہوئی جنگ بند کر کے امن اور سکون سے باہم دینی مسائل پر بحث و تحقیق کرتے رہے (۱۷۱)۔
 - ۳۔ کتاب و سنت پر تمسک کرنے پر زور دیتے تھے۔ اس کے معنی کی گہرائی تک نہ جاتے تھے (۱۷۲)۔
 - ۴۔ عابد و زاہد تھے۔ عبادت بہت اٹھاک سے کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے جب ان سے ملاقات کی تو واپس آ کر ان کی عبادت کی تعریف کی تھی (۱۷۳)۔
 - ۵۔ عقیدہ کے دفاع کے لیے مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے تھے اور عقیدہ کے لیے مخلص تھے (۱۷۴)۔

مخصوص اعتقادات

- ۱۔ خلیفہ کا آزادانہ اور منعقدانہ انتخاب ہو۔ جب عدل سے انحراف کرے تو اس کو معزول کر کے قتل کر دیا جائے۔
- ۲۔ خلافت کسی عرب یا قریشی سے مخصوص نہیں ہے۔

- ۳۔ عجمی خلیفہ بہتر ہے اس لیے کہ انحراف کی صورت میں اسے قتل کرنا آسان ہے۔
- ۴۔ ہر گناہ گار کو کافر سمجھتے تھے خواہ گناہ ارادۂ ہو، غلط فہمی سے ہو یا اجتماعی خطا سے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ حضرت علیؑ کو حکیم کے معاملہ میں کافر کہتے ہیں (۱۷۵)

اہل سنت سے ان کے اختلافات

- ۱۔ باہمی اختلاف کے باوجود خوارج کے تمام فرقے حضرت علیؑ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عاتشہؓ اور حضرت معاویہؓ کی تکفیر کرتے تھے (۱۷۶)۔
- ۲۔ نجدات کے علاوہ ان کے تمام فرقے کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر سمجھتے ہیں (۱۷۷) جب کہ اہل سنت کے ہاں مرتکب کبیرہ کافر نہیں ہے۔
- ۳۔ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کو حکم مقرر ہونے کی وجہ سے کافر سمجھتے ہیں (۱۷۸)۔
- ۴۔ عذاب قبر کے ناکل نہیں ہیں (۱۷۹)۔
- ۵۔ سلطان جابر کے خلاف بغاوت کو واجب سمجھتے ہیں (۱۸۰)۔
- ۶۔ خلیفہ کا غیر قریشی ہونا بہتر سمجھتے ہیں۔ اس بنا پر انہوں نے عبداللہ بن وہب الراسی کو اپنا امیر مقرر کیا جو کہ قریشی نہ تھا (۱۸۱)۔
- ۷۔ خلیفہ آزاد مسلمانوں کے اختیار سے ہوگا۔ منتخب ہو جانے کے بعد اسے معزول کرنا جائز نہیں (۱۸۲)۔

اسلام میں کبائر کا تصور اور خوارج

اسلام نے ارادۂ کیے جانے والے جرائم کو دو اقسام میں منقسم کیا ہے۔ صفائر اور کبائر۔ کبائر میں وہ جرائم داخل ہیں جن کا کبیرہ ہونا منصوص ہو یا جن کے مرتکب کو حد، جہنم، لعنت یا غضب الہی کی وعید سنائی گئی ہو (۱۸۳)۔ ان کے علاوہ تمام جرائم کو صفائر میں شمار کیا گیا ہے (۱۸۴)۔ کبائر کے بارے میں اہل سنت والجماعت (جملہ فرق) کا نظریہ یہ ہے کہ ان کے ارتکاب سے کوئی شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ البتہ توبہ کے بغیر یہ گناہ معاف نہیں ہو سکتے۔ بلا توبہ فوت ہونے والا مسلمان جہنم میں

سزا پانے کے بعد جنت میں داخل ہو سکے گا (۱۸۵)۔

اس کے برعکس خوارج کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ دائرہ اسلام سے خارج اور ابدی جہنمی ہے۔ چنانچہ علامہ شہرستانی ان کی کئی چیزوں کا ذکر کر کے لکھتے ہیں ”وَيَكْفُرُونَ أَصْحَابَ الْكِبَايِرِ“ (۱۸۶) (کبیرہ کے ارتکاب کرنے والے کو کافر سمجھتے ہیں)۔ ان کے ایک فرقے ازارقہ کے متعلق فرماتے ہیں: ”اجتمعت الأزارقة على أن من ارتكب كبيرة من الكبائر كفر كفر ملة خرج به عن الاسلام جملةً ويكون مخلصاً في النار مع سائر الكفار“ (۱۸۷) (ازارقہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا وہ ایسے کفر کا مرتکب ہوا جس سے آدمی مکمل طور پر اسلام سے خارج ہو جائے اور تمام کفار کے ساتھ ہمیشہ جہنم میں رہے گا)۔

عبارہ کے متعلق لکھتے ہیں: وَيَكْفُرُونَ بِالْكِبَايِرِ (۱۸۸) (اصحاب کبار کو کافر سمجھتے ہیں)۔ ان میں سے یزید اور بھی متشدد ہیں وہ مستوجب حد و کو خواہ وہ خوارج میں سے ہو یا عام مسلمان کافر اور مشرک سمجھتے ہیں۔ اسی طرح صغیرہ گناہ کا مرتکب بھی ان کے ہاں مشرک ہے (۱۸۹)۔ امام ابن حزم ان کے ایک فرقہ کمریہ کے متعلق یوں رقم طراز ہیں: ”من اتى كبيرة فقد جهل الله تعالى فهو كافر ليس من أجل الكبيرة كفر لكن لأنه جهل الله عز وجل فهو كافر بجهله بالله تعالى“ (۱۹۰) (جس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا یہ اللہ سے جاہل ہو گیا۔ وہ کافر ہے لیکن کبیرہ کے ارتکاب کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے جاہل ہونے کی وجہ سے لہذا وہ اللہ تعالیٰ سے لاعلم ہونے کے باعث کافر ہے)۔

کذب بیانی سے متعلق خوارج کا موقف

کذب بیانی کا کبیرہ ہونا نفا ثابت ہے چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کبار کا ذکر فرمایا: ”الشرك بالله وعقوق الوالدين وقتل النفس وقول الزور“ (۱۹۱) (اللہ کے ساتھ شریک کرنا۔ والدین کی نافرمانی قتل نفس اور جھوٹ)۔ لیکن مذکورہ بالا اختلاف کے باعث خوارج نے اس کے متعلق متشددانہ موقف اختیار کیا ہے۔ چنانچہ نجدات کے قائد نجدہ بن عامر لکھی کا قول ہے: ”من كذب كذبة صغيرة أو كبيرة أو أصر عليها فهو“

مشرک“ (۱۹۲) (جس نے چھوٹا یا بڑا جھوٹ بولا یا اس پر اصرار کیا وہ مشرک ہے)۔

امام ابن حزم نے ان کے ایک فرقے نجدات کے متعلق لکھا ہے: ”من كذب كذبة صغيرة أو عملاً صغيراً فأصر على ذلك فهو كافر مشرك“ (۱۹۳) (جس نے چھوٹا جھوٹ بولا یا چھوٹا (برا) عمل کیا اور اس پر اصرار کیا وہ کافر و مشرک ہے)۔

المبرد نے لکھا ہے: ”الخوارج في جميع أصنافها تبرىء من الكاذب ومن ذى المعصية“ (۱۹۴) (خوارج کے تمام فرقے جھوٹے اور معصیت کرنے والے سے براءت کا اظہار کرتے ہیں)۔

اسلام نے کذب بیانی کو کبیرہ گناہ میں سے شمار کیا ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے لیکن روایت حدیث کے معاملہ میں اس کی معافی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”من كذب على متعمداً فليتبوأ مقعده من النار“ (۱۹۵) (جس نے عمدتاً میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تیار کر لے)۔

طاعی القاری نے حافظ سیوطی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اس حدیث کو ایک سو سے زیادہ صحابہ نے بیان فرمایا ہے، اس کے بعد مفصل طور سے تمام طرق کو ذکر کیا ہے (۱۹۶) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ”ان أفرى الفرى من قولنى مالم أقل ومن أرى عينيه مالم ترى ومن ادعى إلى غير أبيه“ (۱۹۷) (سب سے بڑا بہتان یہ ہے کہ کوئی آدمی میری طرف ایسی بات منسوب کرے جو میں نے نہ کہی ہو یا اپنی آنکھوں کو ایسی چیز دکھانے کا دعویٰ کرے جو انہوں نے نہ دیکھی ہو) جھوٹا خواب بیان کرنا) یا کسی غیر باپ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے)۔ طاعی القاری نے سیوطی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اہل سنت کے نزدیک کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کفر نہیں ہے مگر رسول اللہ ﷺ کی ذات پر جھوٹ کفر ہے (۱۹۸)۔

مندرجہ بالا حدیث کے پیش نظر جب ہم خوارج کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عام جھوٹ کو ناجائز سمجھتے ہیں اور اس کے مرتکب کو کافر و مشرک قرار دیتے ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی ذات سے متعلق کیے جھوٹ بول سکتے ہیں۔

روایت حدیث اور خوارج

محدثین نے اصول روایت حدیث وضع کرتے ہوئے کسی راوی کی ثقاہت کے لیے صدق مقال کو اس قدر اہمیت دی کہ وہ عام باتوں میں کذب بیانی سے کام لینے والے شخص سے بھی اخذ روایت میں اجتناب کرتے۔ چنانچہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں: ”حدثنا أحمد بن سنان قال: كان عبد الرحمن بن مہدی لا یترك حدیث رجل إلا متهم بالكذب أو رجلاً الغالب علیہ الغلط“ (۱۹۹) (احمد بن سنان نے بیان کیا ہے کہ عبد الرحمن بن مہدی کسی آدمی کی حدیث چھوڑتے تو اس کا سبب یہ ہوتا کہ وہ آدمی مقہوم بالکذب ہوتا یا زیادہ اغلاط کا مرتکب ہوتا)۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ”لا ینبغي لأحد أن یحدث عنه إلا عن یلق بخبره ویرضی دینہ وأمانتہ لأنها دیانۃ“ (۲۰۰) (آنحضرت ﷺ کی حدیث صرف ایسے شخص سے لی جائے جس کے ثقہ ہونے کا یقین ہو اور اس کا دین و امانت پسندیدہ ہو کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے)۔

امام شافعیؒ ہی حدیث نبویؐ: ”حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج وحدثوا عني ولا تکذبوا علی“ (۲۰۱) (بنی اسرائیل کی روایات بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں میری احادیث بھی بیان کرو، لیکن میری ذات پر جھوٹ نہ باندھو) کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: ”لا نتقبل حدیثاً إلا من ثقة ونعرف صدق من حمل الحدیث من حین ابتدأ إلی أن یبلغ به منقہا“ (۲۰۲) (ہم صرف ایسے آدمی سے حدیث اخذ کرتے ہیں جو ثقہ (با اعتماد) ہو۔ اس کی نقل روایت کی صداقت ابتداء سے انتہا تک معروف ہو)۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ محدثین سخت ترین مرتبہ ”اکذب الناس“ (سب لوگوں سے جھوٹا) کو دیتے ہیں اور اس سے کم دجال، وضاع اور کذاب کو شمار کرتے ہیں، اور ان کی روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔ اس پر مستزاد ہے کہ مقہوم بالکذب راوی سے بیان کردہ روایت کو بھی ناقابل اعتماد قرار دے کر ”متروک“ کا نام دیتے ہیں (۲۰۳)۔

محدثین نے اپنی اس شرط میں اہل سنت والجماعت کے علاوہ فرق کی وساطت سے پہنچنے والی روایات کے لیے اور بھی سختی پیدا کر دی ہے تاکہ حدیث رسول ﷺ کے اس صاف و شفاف چشمے کو کسی

صورت بھی مکدر نہ ہونے دیا جائے چنانچہ محمود زعمی لکھتے ہیں: ”وَأَجْمَعُوا عَلَىٰ عَدَمِ قَبُولِ رَوَايَةِ الْعَبْتَدَعِ الَّذِي يَسْتَحِلُّ الْكَذِبَ فِي نَصْرَةِ مَذْهَبِهِ أَوْ لِأَهْلِ مَذْهَبِهِ“ (۲۰۴) (محدثین کا ایسے بدعتی کی عدم قبول روایت پر اجماع ہے جو اپنے مذہب یا مذہب والوں کی نصرت کے لیے جھوٹ کو جائز سمجھتا ہو)۔

خوارج کے متعلق ذکر ہو چکا ہے کہ وہ کذب بیانی کو کبیرہ گناہ قرار دیتے ہیں اور کبیرہ کا مرتکب ان کے ہاں دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ محدثین نے ان کی اس انتہا پسندی کے باعث ان کی وساطت سے پہنچنے والی روایت کو بنظر استحسان دیکھا ہے۔ چنانچہ خطیب بغدادی، امام ابو داؤد کا یہ قول نقل فرماتے ہیں: ”لَيْسَ فِي أَصْحَابِ أَهْلِ الْأَهْوَاءِ أَصَحُّ حَدِيثًا مِنَ الْخَوَارِجِ ثُمَّ ذَكَرَ عِمْرَانُ بْنُ حِطَّانٍ وَأَبَا حَسَنَ الْأَعْرَجِ“ (۲۰۵) (اہل حواء (بدعت) میں سے خوارج سے بڑھ کر صحیح احادیث بیان کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ پھر انھوں نے عمران بن حطان اور ابو حسان الاعرج کا ذکر کیا)۔

خطیب بغدادی ہی خوارج کی روایات قبول کرنے کے متعلق لکھتے ہیں: ”وَالَّذِي يَعْتَمِدُ عَلَيْهِ فِي تَجْوِيزِ الْاِحْتِجَاجِ بِأَخْبَارِهِمْ اِشْتَهَرَ مِنْ قَبُولِ الصَّحَابَةِ اَخْبَارَ الْخَوَارِجِ وَشَهَادَاتِهِمْ وَمَنْ جَرَىٰ مَجْرَاهُمْ مِنَ الْفَسَاقِ بِالتَّوَابِلِ ثُمَّ اسْتَمْرَارِ عَمَلِ التَّابِعِينَ وَالْخَالِفِينَ بَعْدَهُمْ عَلَىٰ ذَلِكَ لَمَّا رَأَوْا مِنْ تَحْرِيمِهِمُ الصَّدَقَ وَتَعْظِيمِ الْكَذِبِ وَحِفْظِهِمْ أَنْفُسَهُمْ عَنِ الْمَحْظُورَاتِ مِنَ الْأَفْعَالِ وَانْكَارِهِمْ عَلَىٰ أَهْلِ الرِّيبِ وَالطَّرَاقِ الْمَذْمُومَةَ وَرَوَايَاتِهِمُ الْأَحَادِيثَ الَّتِي تَخَالِفُ آرَاءَهُمْ وَيَتَعَلَّقُ بِهَا مَخَالِفُهُمْ فِي الْاِحْتِجَاجِ عَلَيْهِمْ فَاحْتَجَّجُوا رَوَايَةَ عِمْرَانَ بْنِ حِطَّانٍ وَهُوَ مِنَ الْخَوَارِجِ“ (۲۰۶) (صحابہ کرام کے خوارج اور اس قسم کے دیگر فاسق لوگوں کی روایات و شہادات کو جائز سمجھنے اور بعد ازاں تابعین اور تبع تابعین کے اس پر عمل کرنے کا سبب یہ تھا کہ یہ لوگ سچائی کے متلاشی تھے۔ جھوٹ کو برا سمجھتے تھے اور ان چیزوں کا ارتکاب نہ کرتے تھے جن سے بچنا چاہیے۔ نیز شکوک و شبہات پیدا کرنے والے اور مذموم نظریات اپنانے والے لوگوں کی تردید کرتے تھے یہ لوگ (خوارج) ایسی احادیث بیان

کرتے تھے جو ان کے نظریات کے خلاف ہوں بلکہ ان کے مخالف وکیل کے طور پر ان کی مخالفت میں پیش کرتے مثلاً انہوں (محدثین) نے عمران بن حطان کی روایت اس کے خارجی ہونے کے باوجود قبول کی۔

امام ابن الصلاح فرماتے ہیں: ”اعتمدہم بعض أئمة الحديث كالبخاري فقد احتج بعمران بن حطان وهو من الخوارج لا سيما إذا علمت أن الخوارج يحكمون بكفر من يكذب لأن مرتكب الكبيرة كافر في نظرهم والكذب من الكبائر“ (۲۰۷) (بعض ائمہ حدیث نے ان کی روایت پر اعتماد کیا ہے مثلاً امام بخاریؒ نے عمران بن حطان سے روایت کیا ہے حالانکہ وہ خارجی تھے خاص کر اس وجہ سے جب کہ یہ معلوم ہو گیا کہ خوارج جھوٹ بولنے والے پر کفر کا حکم لگاتے ہیں کیونکہ مرتکب کبیرہ گناہ ان کے خیال میں کافر ہے اور جھوٹ کبیرہ گناہ ہے۔

امام ابن تیمیہؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں: ”ليسوا ممن يعتمد الكذب بل هو معروفون بالصدق حتى يقال: إن حديثهم من اصح الحديث لكنهم جهلوا وضلوا في بدعتهم ولم تكن بدعتهم عن زندقة والحاد بل عن جهل وضلال في معرفة معاني الكتاب“ (۲۰۸) (یہ لوگ عدا جھوٹ نہ بولتے تھے بلکہ سچائی میں معروف تھے، اس بناء پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ ان کی احادیث زیادہ صحیح ہیں لیکن وہ لوگ جاہل تھے اور بدعت میں بھٹک گئے تھے، لیکن ان کی بدعت زندقہ اور الحاد کی وجہ سے نہ تھی بلکہ کتاب اللہ کے معنی کے فہم میں جہالت اور ضلالت کی وجہ سے تھی۔)

محمد ابو زحر ”خوارج اور وضع حدیث“ کے عنوان کے تحت ان کی صداقت، بہادری اور عدم تقیرہ جیسے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ”یہ تمام عوامل خوارج کے لیے حدیث میں جھوٹ کی قلت کا ثبوت ہیں۔ جبکہ دیگر فرق میں ایسا نہ تھا،“ (۲۰۹)۔

محمود زحری نے محدثین کے ہاں ان کی روایت کے قبول کرنے کے دو سبب بیان کیے ہیں:

۱۔ خوارج کی بدعت کتاب و سنت سے جہالت اور تاویل کا نتیجہ تھا۔

۲۔ خوارج عام گفتگو میں سچے تھے اور جھوٹ کو حرام سمجھتے تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا معاملہ تو سب سے بڑھ کر ہے (۲۱۰)۔

کتب موضوعات میں زنادقہ اور روافض کی وضع کردہ روایات تو ملتی ہیں لیکن خوارج کی روایات نہیں ملتیں۔ صرف دو روایات ایسی ہیں جن کی نسبت خوارج کی طرف کی گئی ہے اور وہ دونوں محل نظر ہیں۔

پہلی روایت

”عن ابن لہیعة قال سمعت شیخا من الخوارج وهو يقول: إن هذه الأحادیث دین فانظروا عن تاخذونه دینکم أنا کنا إذا هوینا أمرا صیرناه حدیثا“ (۲۱۱) (ابن لہیعة سے روایت ہے کہ میں نے خوارج کے ایک شیخ سے سنا کہ یہ احادیث دین ہیں آپ دیکھ لیا کریں کہ اپنا دین کن سے لیتے ہیں۔ ہم جب کسی کام کو پسند کرتے تو اس کے متعلق حدیث گھڑ لیتے)۔

اس حدیث کے متعلق محدث شام ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی فرماتے ہیں۔ قدیم و جدید مؤلفین اسی طرح لکھتے رہے ہیں لیکن تلاش بسیار کے باوجود مجھے ایک حدیث بھی ایسی نہ ملی جو کسی خارجی نے وضع کی ہو۔ میں نے موضوعات کی کتب میں بہت تلاش کیا۔ مجھے ایک خارجی بھی نہ ملا جسے کذاب یا وضاع شمار کیا گیا ہو۔ گذشتہ روایت جس میں ایک خارجی شیخ کا ذکر کیا گیا ہے مجھے معلوم نہیں وہ کون تھا۔ حماد بن سلمہ نے ایک ایسی روایت ایک رافضی شیخ سے نقل کی ہے جو گزر چکی ہے (۲۱۲) اس لیے اس روایت کی نسبت غلط ہی کیوں نہ سمجھی جائے بالخصوص اس صورت میں کہ ہمیں خوارج کی وضع کردہ ایک حدیث بھی نہیں ملی (۲۱۳)۔

دوسری روایت

عبدالرحمن بن مہدی سے منقول ہے کہ زنادقہ اور خوارج نے یہ حدیث وضع کی ہے۔ ”إذا أتاکم عني حدیث فأعرضوه علی کتاب اللہ فإن وافق کتاب اللہ فأنأقلته“ (۲۱۴) (جب تمہارے پاس کوئی حدیث آئے تو اسے کتاب اللہ پر پیش کرو۔ اگر کتاب اللہ کے موافق ہو تو میں

نے کہی ہوگی)۔

ڈاکٹر سباعی فرماتے ہیں ”عبدالرحمن بن مہدی“ کا قول ہے کہ ”یہ حدیث خوارج اور زنادقہ کی وضع کردہ ہے“ میں نہیں سمجھتا کہ اس قول کی نسبت موصوف کی طرف درست ہو کیونکہ اس کی کوئی سند نہیں ہے۔ اس میں پتہ نہیں چلتا کہ اس کا واضع کون ہے؟ کب وضع کیا گیا ہے؟ علاوہ ازیں اس امر سے ہمارے شک میں اور بھی اضافہ ہوتا ہے کہ ایک حدیث کو وضع کرنے کی نسبت خوارج اور زنادقہ دونوں کی طرف ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ دونوں (خوارج اور زنادقہ) اس کے وضع کرنے پر کیسے متفق ہوئے؟ نیز یہ کہ دونوں فرقوں نے ایک ہی وقت میں وضع کیا یا ایک نے پہلے اور دوسرے نے بعد میں۔ عبدالرحمن بن مہدی کے علاوہ دیگر علماء نے اسے صرف زنادقہ کی طرف منسوب کیا ہے (۲۱۵)۔

آخر میں نتیجہ بحث ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: ”لقد حاولت أن أعثر على دليل علمي يؤيد نسبة الوضع إلى الخوارج ولكني رأيت الأدلة العلمية على العكس“ (۲۱۶) (میں نے بہت کوشش کی کہ وضع کی نسبت خوارج کی طرف کرنے کی کوئی دلیل مل جائے، لیکن علمی دلائل اس کے برعکس ہیں)۔

محدث ہند شمس الحق ڈیالوی ”عون المعبود شرح سنن ابی داؤد“ میں اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: ”فانہ حدیث باطل لا أصل له وقد حکى زكريا الساجي عن يحيى بن معين أنه قال هذا حدیث وضعته الزنادقة“ (۲۱۷) (یہ حدیث باطل ہے اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ زکریا ساجی نے یحییٰ بن معین سے بیان کیا ہے کہ اس کو زنادقہ نے وضع کیا ہے)۔

علامہ طاہر یحییٰ نے علامہ خطابی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یہ روایت زنادقہ کی وضع کردہ ہے (۲۱۸)۔

صحیح بخاری میں خارجی روایت

امت مسلمہ کے تمام محدثین وفقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ صحیح بخاری کے تمام راوی عادل اور ثقہ ہیں۔ ان میں دو خارجی راوی ہیں۔ سطور ذیل میں ہم ان دونوں کی حیثیت اور امام بخاری کے ان سے روایت لینے پر مفصل تبصرہ کرتے ہیں تاکہ یہ بات کھل کر سامنے آسکے کہ انہوں نے خوارج کو کس

سیاق میں اپنی کتاب میں جگہ دی اور کیوں؟۔

پہلا راوی عمران بن حطان

امام ابن القیصر انی ان کا تعارف کراتے ہوئے فرماتے ہیں: ”عمران بن حطان السدوسی سمع عائشة وابن عمرو ابن عباس روی عنه یحییٰ بن ابی کثیر فی اللباس عند البخاری“ (۲۱۹) (اس نے حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے سماع کیا ہے، اس سے یحییٰ بن ابی کثیر نے روایت کیا۔ بخاری کی کتاب اللباس میں حدیث ہے)۔ ابو الولید الباجی نے بھی تقریباً اس قسم کے الفاظ لکھ کر حدیث بیان کی ہے (۲۲۰)۔ امام بخاری کے اس سے روایت لینے کے بارہ میں ہم مندرجہ ذیل نکات قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

اولاً: ایک رائے کے مطابق امام موصوف نے اس سے خارجی نظریات اپنانے سے پہلے روایت کی ہے۔ جیسا کہ دیگر محتاط و غیر موثوق رواۃ کے بارے میں امام بخاری کا طرۃ امتیاز ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ”رایت بعض الاقاصم یزعم أن البخاری إنما أخرج له ما حمل عنه قبل أن یری رأی الخوارج“ (۲۲۱) (امام بخاری نے ان سے خوارج کا نظریہ اپنانے سے قبل بیان کی گئی حدیث بیان کی ہے)۔

ثانیاً: اس کے متعلق حافظ ابن حجر نے دوسری رائے امام ابو زکریا الموصلی سے اس طرح نقل کی ہے: ”ذکر أبو زکریا الموصلی فی تاریخ الموصل عن محمد بن بشیر العبیدی الموصلی قال: لم یمت عمران بن حطان حتی رجع عن رأی الخوارج“ (ابو زکریا الموصلی نے تاریخ موصل میں لکھا ہے کہ محمد بن بشیر العبیدی الموصلی نے کہلا عمران بن حطان نے وفات سے قبل خوارج کے عقیدہ سے رجوع کر لیا تھا)۔ اس رائے کو پسندیدہ قرار دیتے ہوئے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ”هذا أحسن ما یعتذر به عن تخریج البخاری له“ (۲۲۲) (یہ اس لحاظ سے امام بخاری کے اس سے حدیث روایت کرنے کیلئے بہترین عذر ہے)۔

حافظ ابن حجر مزید فرماتے ہیں: ”کان من المعروفین فی مذهب الخوارج وکان قبل ذلك مشهوراً فی طلب العلم الحدیث ثم ابتلی“ (۲۲۳) (خوارج کے مذہب میں

معروف آدمی تھا۔ اس عقیدہ سے قبل طلب علم اور طلب علم حدیث میں مشہور تھا پھر آزمائش میں جلا ہو گیا۔

جلائ: اگر ہم مذکورہ بالا دونوں آراء سے صرف نظر کرتے ہوئے اسے خارجی تسلیم کر بھی لیں تو امام بخاری کے سامنے تمام روایت کے بارے میں ان کی صدق و ثقاہت ملحوظ ہوتی ہے جیسا کہ ابن الصلاح کے قول میں لکھا جا چکا ہے۔

راہٹا: حرید براں ہمیں اس راوی کے خارجی نظریات اپنانے کا ایک ایسا سبب معلوم ہوا ہے جو اس کی خارجی نظریات میں حرجزل ہونے پر دلیل ہے: ”عن ابن سیرین قال تزوج عمران امرأة من الخوارج ليردها عن مذهبها فذهبت به“ (۲۳۳) (امام ابن سیرین سے روایت ہے کہ عمران نے ایک خارجی عورت سے شادی کی تاکہ اس کے عقیدہ کو بدلے لیکن وہ اس کو اپنے ساتھ ملا لے گئی)۔

چنانچہ مختلف ائمہ کی رائے ملاحظہ ہو:

۱۔ امام ذہبی فرماتے ہیں: ”عمران بن حطان السدوسي عن عمرو أبي موسى وجمع وعنه قتادة ومحارب بن دثار وعدة وثق وكان خارجيًا“ (۲۳۵) (عمران نے عمر، ابو موسیٰ اور ایک جماعت سے حدیث روایت کی۔ اس سے قتادہ، محارب بن دثار اور کئی لوگوں نے روایت کی ہے یہ ثقہ راوی تھا لیکن خارجی تھا)۔

۲۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ”رؤی برأى القعدية من الخوارج“ (۲۳۶) (اس پر خوارج کے فرقہ قعدیہ سے تعلق رکھنے کا الزام ہے) (تقدیر فرقہ کے تعلق لکھتے ہیں: ”كانوا يقولون بقولهم ولا يرون الخروج با يزينونه“ (۲۳۷) (یہ لوگ انہی (خوارج) کا سا عقیدہ رکھتے تھے لیکن بنیاد کے قائل نہ تھے بلکہ صرف اس کو جائز سمجھتے تھے)۔

۳۔ حافظ ابن حجر دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ”قد وثقه العجلي وقال قتادة: لا يثهم في الحديث، وقال أبو داود: ليس في أهل الأهواء أصح حديثًا من الخوارج ثم ذكر عمران بن حطان هذا وغيره“ (۲۳۸) (عجلی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں

حدیث کے بارے میں اس پر کوئی الزام نہیں۔ ابوداؤد نے کہا ہے اہل بدعت میں خوارج سے بڑھ کر کج حدیث بیان کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس کے بعد انہوں نے عمران بن حطان اور دیگر لوگوں کا ذکر کیا۔

۳۔ امام غزالی کے اپنے الفاظ یہ ہیں: ”عمران بن حطان بصري تابعي ثقة“ (۲۲۹) (عمران بن حطان بصری ثقہ تابعی تھا) اب امام بخاریؒ کے ہاں اس کی روایت بالتحفیل ملاحظہ ہو۔

”حدثني محمد بن بشار قال حدثنا عثمان بن عمر قال حدثنا علي بن المبارك عن يحيى بن أبي كثير عن عمران بن حطان قال سألت عائشة عن الحرير فقالت: أئت ابن عباس فسأله فقال سل ابن عمر فسألت ابن عمر فقال: أخبرني أبو حفص يعني عمر بن الخطاب أن رسول الله ﷺ قال: إننا يلبس الحرير في الدنيا من لا خلاق له في الآخرة فقلت: صدق وما كذب أبو حفص على رسول الله ﷺ وقال عبد الله بن رجاؤ حدثنا حرب عن يحيى قال حدثني عمران وقص الحديث“ (۲۳۰) (عمران بن حطان روایت کرتے ہیں کہ میں نے عائشہؓ سے ریشم کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا ابن عباسؓ سے پوچھو۔ ان سے جا کر پوچھا تو انہوں نے فرمایا ابن عمرؓ سے پوچھو۔ میں نے ابن عمرؓ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا ابو حفص یعنی عمرؓ بن الخطاب نے مجھے بتایا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ دنیا میں ریشم وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔ میں نے کہا اس نے سچ کہا۔ ابو حفص نے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ نہ باندھا۔ عبد اللہ بن رجاؤ نے بیان کیا۔ حرب نے بخاری سے روایت کیا اس نے کہا مجھے عمران نے حدیث بیان کی اور پوری حدیث بیان کر دی۔

اس روایت کو بیان کرنے سے قبل امام بخاری نے اس کے ہم معنی پانچ روایات بیان کی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ روایت متابعت میں سے ہے۔ اس طرح دیگر محدثین نے بھی اس کی ہم معنی روایات دیگر رواۃ سے بیان کی ہیں (۲۳۱)۔ اس وجہ سے حافظ ابن حجر اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: قلت: لم يخرج له البخاري سوى حديث واحد (۲۳۲) (امام بخاری نے اس سے صرف

ایک روایت بیان کی ہے)۔

پھر اس روایت کو بیان کر کے فرماتے ہیں: ”وهذا الحديث انما أخرجه البخاري في المتابعات فللحديث عنده طرق غير هذا من رواية عمر وغيره وقد رواه مسلم من طرق أخرى عن ابن عمر وغيره وقد رواه مسلم من طرق أخرى نحوه“ (۲۳۳) (امام بخاری نے اس حدیث کو متابعات میں بیان کیا ہے۔ ان کے ہاں اس حدیث کی اور بھی سندیں حضرت عمرؓ وغیرہ سے ہیں۔ اس حدیث کو امام مسلم نے اور سند سے ابن عمرؓ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ امام مسلم نے اور سند سے ایک اور روایت اسی طرح کی لکھی ہے)۔

امام ذہبیؒ، عمران کے متعلق فرماتے ہیں: ”فكان عمران صدوق في نفسه“ (۲۳۴) (عمران فی نفسہ سچا آدمی ہے) ان تمام باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔

۱۔ عمران بن حطان نے خارجی عقیدہ سے رجوع کر لیا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے امام بخاریؒ کے اس سے روایت لینے کا بہت بڑا جواز قرار دیا ہے۔

۲۔ ابن حبان اور عجلی جیسے نقاد نے اس کو ثقہ شمار کیا ہے۔

۳۔ ایک رائے کے مطابق امام بخاری نے اس سے خوارج کا عقیدہ اپنانے سے قبل روایت کیا ہے۔

۴۔ امام عالی مقام نے اس کی روایت کو مستقل حیثیت نہیں دی بلکہ متابعات میں بیان کیا ہے۔

۵۔ محدثین کی شرائط کا خیال رکھتے ہوئے ایسی روایت بیان کی ہے جس کا اس کے نظریہ اور عقیدہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

۶۔ ایسی روایت ہے جس کے ہم معنی اور تائید میں تقریباً تمام کتب احادیث میں روایات موجود ہیں۔

۷۔ اس کا تعلق جتنا بھی رہا یا تھا وہ خوارج کے ایک معتدل فرقہ سے تھا۔

۸۔ حدیث کے معاملہ میں متعمم نہ تھا۔

۹۔ خارجی عورت سے شادی کرنے کے لئے خوارج کی طرف رجحان کیا تاکہ اس کا عقیدہ بدل سکے۔

دوسرا راوی ولید بن کثیر

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: الولید بن کثیر بن یحییٰ المدنی رمی برای الاباضیۃ من الخوارج (۲۳۵) (اس پر خوارج کے فرقہ اباضیہ میں سے ہونے کا الزام ہے) دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ”الولید بن کثیر المعزومی ابو محمد المدنی نزیل کوفہ و ثقہ إبراهيم بن سعد وابن معین وقال ابن سعد ليس بذاك وقال الساجي: قد كان ثقة ثبتا يحتج بحديثه ولم يضعفه احد انما عابوا عليه الرأي وقال الأجري عن أبي داود ثقة إلا أنه أباضي قلت: الإباضية، فرقة من الخوارج ليست مقاتلتهم شديدة الفحش ولم يكن الوليد داعية واللّه أعلم“ (۲۳۶) (ولید بن کثیر کوفہ کا رہنے والا تھا۔ ابراہیم بن سعد اور ابن معین نے اس کو ثقہ کہا۔ ابن سعد نے کہا ہے کوئی اتنا بڑا آدمی نہ تھا۔ ساجی نے کہا ہے وہ ثقہ اور قابل اعتماد آدمی تھا۔ اس کی حدیث قابل حجت ہے۔ کسی نے اس کو ضعیف نہیں کہا۔ اس کی خامی صرف یہ بیان کی گئی ہے کہ اہل رائے میں سے تھا۔ آجری نے کہا ہے کہ ابو داؤد کہتے ہیں وہ ثقہ آدمی ہے البتہ اباضی ہے۔ میں (حافظ ابن حجر) کہتا ہوں۔ اباضیہ خوارج کا ایسا فرقہ ہے ان کے نظریات سخت نہیں تھے جہاں تک ولید کا معاملہ ہے وہ اپنے مذہب کا داعی بھی نہ تھا)۔

امام عبدالرحمن الرازی فرماتے ہیں: ”روی عن محمد بن كعب بن روى عنه عيسى بن يونس وإبراهيم بن سعد وأبو أسامة سمعت أبي يقول ذلك“ (۲۳۷) (میں نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا تھا کہ اس نے محمد بن کعب سے روایت کیا، یحییٰ بن پولس اور ابراہیم بن سعد اور ابو اسامہ اس کے شاگردوں میں سے ہیں)۔ الحافظ الذہبی کے ہاں ابن حجر کے قول کے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے ”ثقة صدوق حديثه في الصحاح سمع سعيد بن أبي هند الكبير“ (۲۳۸) (ثقہ اور نہایت سچا آدمی تھا، اس کی احادیث صحاح میں ہیں۔ اس نے سعید بن ابی ہند اور بڑے علماء سے سنا کیا)۔

ولید بن کثیر ثقہ تھا علم غزوات کا متلاشی اور اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں حریص

تھا (۲۳۹)۔

امام الباجی ان کے متعلق فرماتے ہیں: ”الولید بن کثیر أبو محمد المخزومي المدني أخرج البخاري في الألفية والخمس والشرع وغير موضع عن ابن عيينه وإبراهيم بن سعد عنه عن بشير بن يسار وهب بن كيسان ومحمد بن عمرو بن حلحلة. مات بالكوفة سنة إحدى وخمسين ومائة“ (۲۴۰) (امام بخاری نے اس سے اطعمہ، خمس اور دیگر ابواب میں روایت کی ہے۔ ابن عیینہ اور ابراہیم بن سعد اس سے روایت کرتے ہیں جبکہ وہ بشیر بن یسار، وہب بن کيسان اور محمد بن عمرو بن حلحلہ سے روایت کرتا ہے۔ کوفہ میں ۱۵۱ھ میں فوت ہوا)۔

حافظ ابن حجر نے تہذیب المعادب میں ان کے سترہ اساتذہ اور پانچ شاگردوں کے نام لکھے ہیں۔ مزید یہ کہ عیسیٰ بن یونس نے اسے ثقہ کہا ہے۔ ابراہیم بن سعد نے بھی ثقہ کہا ہے۔ ابن عیینہ نے صدوق (بہت سچا) کہا۔ ابن معین نے ثقہ کہا۔ ابو داؤد نے کہا ہے ثقہ ہے مگر اباضی ہے۔ ابن سعد نے کہا ہے سیرۃ اور مغازی کا علم رکھتا ہے اس نے احادیث روایت کی ہیں۔ اتنا کوئی بڑا آدمی نہ تھا، (لیس بذاك) عیسیٰ بن یونس نے کہا: ”كان متقنا في الحديث“ (حدیث میں مستحکم تھا) ساجی نے کہا ہے: ”صدوق ثبت يحتج به“ (ثقہ اور سچا ہے اس سے حدیث میں حجت لی جاتی ہے)۔

ابن معین نے اسے ثقہ (قابل اعتماد) کہا اور لا باس بہ (مناسب) قرار دیا۔ ساجی نے مزید کہا: ”كان اباضيا ولكنه كان صدوقا“ (۲۴۱) یہ اباضی تھا لیکن انتہائی سچا شخص تھا) ابن القیسر انی نے لکھا ہے اس سے بشیر بن یسار، وہب بن کيسان، محمد بن عمرو بن حلحلہ کے حوالے سے بخاری و مسلم میں روایت ہے۔ محمد بن کعب، سعید بن ابی ہند، محمد بن عمرو بن عطاء، سعید المقمری، ابراہیم بن عبد اللہ بن حصین، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر، نافع اور معبد بن کعب کے حوالے سے مسلم میں روایات ہیں۔ اس سے سفیان بن عیینہ ابو اسامہ اور ابراہیم بن سعد کے حوالے سے صحیحین (بخاری و

(مسلم) میں روایت ہے۔ عیسیٰ بن یونس سے صرف مسلم میں ہے (۳۳۲)۔ امام ذہبی الکاشف میں فرماتے ہیں: ”قال أبو حاتم يكتب حديثه“ (۳۳۳) (اس کی حدیث لکھی جائے) ابن حبان نے کتاب الثقات میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے اس سے ایک حدیث بھی بیان کی ہے (۳۳۴) صحیح البخاری میں اس کی ایک حدیث کتاب الجہاد باب ما جاء في بيوت أزواج النبي ﷺ الخ میں ہے جو کہ راجح ذیل ہے: ”حدثنا سعيد بن محمد الجرعي حدثنا يعقوب بن ابراهيم حدثنا أبي أن الوليد بن كثير حدثه عن محمد بن عمرو بن حلحلة الدولي حدثه أن ابن شهاب حدثه أن علي بن حسين حدثه أنهم حين قدموا المدينة من عند يزيد بن معاوية مقتل حسين بن علي لقيه المسور بن مخرمة فقال له: هل لك إلى من حاجة تأمرني بها فقلت له: لا قال له: فهل أنت معطي سيف رسول الله ﷺ فاني أخاف أن يغلبك القوم عليه، وأيم الله لئن أعطيتني لا يخلص إليه أحد حتى تبلغ نفسي۔ أن علي ابن أبي طالب خطب ابنة أبي جهل على فاطمه فسمعت رسول الله ﷺ يخطب الناس في ذلك على منبره هذا وأنا يومئذ محتلم فقال: إن فاطمه مني وأنا أخوف أن تفتن في دينها ثم ذكر صهرًا له من بني عبد شمس فأنشئ عليه مصاهرته إياه قال حدثني فصدقني ووعدني فوفى لي واني لست أحرم حلالا ولا أحل حراما ولكن والله لا تجتمع بنت رسول الله ﷺ وبنت عدو الله أبدا (۳۳۵) (علی بن حسین نے بیان کیا کہ جب میں یزید بن معاویہ کے ہاں سے حسین بن علیؑ کے شہید ہونے کے بعد مدینہ آیا مسور بن مخرمہ نے مجھ سے کہا کہ آپ کو کوئی مجھ سے حاجت (کام) ہے تو کہہ دو تو میں نے کہا نہیں اس نے کہا آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کی تلوار عنایت کر دیں مجھے خوف ہے کہ وہ لوگ آپ پر غالب آ جائیں گے۔ اللہ کی قسم! ”اگر آپ نے مجھے تلوار دے دی تو اس کو جب تک میں زندہ ہوں کوئی نہ لے سکے گا۔ علی بن ابی طالب نے حضرت فاطمہؑ کی موجودگی میں ابو جہل کی بیٹی سے منگنی کرنا چاہی۔ میں نے حضور ﷺ کو منبر پر لوگوں کو خطبہ دیتے سنا جب کہ میں بالغ تھا اور انہوں نے کہا ”فاطمہ مجھ سے ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اپنے دین کے معاملے میں کسی فتنہ میں نہ پڑ جائیں پھر

انہوں نے بنی عبد شمس سے اپنے داماد کا ذکر کیا۔ اس کی تعریف کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس نے مجھ سے بات کی تو اس کو بچ کر دکھایا اس نے مجھ سے وعدہ کیا تو اسے پورا کیا میں کسی حلال کو حرام نہیں کرتا اور نہ حرام کو حلال کرتا ہوں لیکن رسول اللہ ﷺ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں)۔

یہی حدیث انہیں الفاظ میں معمولی تغیر کے ساتھ صحیح مسلم میں بھی موجود ہے۔ تمام سند وہی ہے تاہم امام بخاری کے استاد سعید بن محمد الجری ہیں جبکہ امام مسلم کے استاد امام احمد بن حنبل ہیں (۲۳۶)۔ اس حدیث کو دو مزید طرق سے امام مسلم نے مکرر روایت کیا ہے (۲۳۷)۔ یہ روایت دیگر رواۃ سے ابن ماجہ میں بھی مروی ہے لیکن سنن ابی داؤد میں تمام رواۃ صحیح مسلم کے ہیں (۲۳۸)۔ صحیح بخاری میں اس سے دوسری روایت کتاب الاطعمہ میں ان الفاظ سے ہے: ”حدثنا علي بن عبد الله قال حدثنا سفيان قال الوليد بن كثير اخبرني انه سمع وهب بن كيسان يقول انه سمع عمر بن ابي سلمة يقول كنت غلاما في حجر رسول الله وكانت يدي تطيش في الصحيفة فقال لي رسول الله ﷺ: يا غلام سم الله وكل بيمينك وكل مما يليك فما زالت تلك طعمتي بعد“ (۲۳۹) (عمر بن ابی سلمہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی پرورش میں تھا۔ میرا ہاتھ پلیٹ (کھانے کی) میں گھوم رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اے لڑکے اللہ کا نام لے اور دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنے آگے سے کھا۔ اس کے بعد میں ہمیشہ اسی طرح کھا تا رہا)۔ یہی روایت امام مسلم نے ولید بن کثیر سے روایت کی ہے اس میں امام مسلم کے استاد ابو بکر بن ابی شیبہ اور ابن عمر ہیں۔ سفیان بن عیینہ سے قبل سفیان اور ابو بکر کا واسطہ ہے باقی سند وہی ہے (۲۵۰)۔ اسی روایت کے ہم معنی روایت دیگر رواۃ سے اس سے اگلے باب الاکل مما يليه میں امام بخاری نے روایت کی ہے (۲۵۱)۔ اس روایت سے ملتی جلتی روایات امام مسلم نے اس روایت سے پہلے اور بعد میں بیان کی ہیں (۲۵۲)۔ ولید بن کثیر کی صحیح بخاری والی روایت آخری جملہ کے علاوہ سنن ابن ماجہ میں بھی موجود ہے (۲۵۳)۔ یہی روایت دیگر رواۃ سے سنن الترمذی میں بھی ہے (۲۵۴)۔ یہی روایت دیگر رواۃ سے سنن ابی داؤد میں بھی ہے (۲۵۵)۔

مذکورہ بالا امور کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں:

- ۱۔ ولید بن کثیر ثقہ راوی ہے۔ اس کی حدیث قابل حجت ہے۔
- ۲۔ کسی نے اس کو ضعیف نہیں لکھا۔
- ۳۔ اس کا تعلق خوارج کے اباضی سے ہے جو کہ میانہ روی اختیار کرنے والا ہے۔
- ۴۔ یہ اپنے مذہب کا داعی نہیں تھا۔
- ۵۔ یہ انتہائی سچا آدمی ہے۔
- ۶۔ علم کا متلاشی تھا۔
- ۷۔ اس کے اساتذہ اور تلامذہ میں کہا زہدین کی ایک جماعت شامل ہے۔
- ۸۔ اس کی بیان کردہ احادیث کا تعلق اس کے عقیدہ سے نہیں ہے۔
- ۹۔ صحیح بخاری میں روایت کردہ احادیث اور راوی سے دیگر کتب حدیث میں بھی ہیں۔
- ۱۰۔ صحاح میں اس راوی کی اور احادیث بھی ہیں۔
- ۱۱۔ بخاری میں بیان کردہ احادیث کی تائید دیگر کتب احادیث سے بھی ہوتی ہے۔
- ۱۲۔ بڑے بڑے نقاد زہدین نے اس سے روایت لینے کا لکھا ہے۔

TRUEMASLAK @ INBOX.COM

اہل تشیع اور ان کا نظریہ حدیث

شیعہ کی تعریف

شیعہ: (مادہ شیع) شالچ، یحایق، مشایخ، متابعت کرنا، کسی کے پیچھے چلنا (۲۵۶)۔
شیعہ اسم بمعنی دوست، پیروکار، گروہ، جماعت، رفقاء، مددگار، ایک جیسی رائے رکھنے والا، کسی کے پیچھے چلنے والے (۲۵۷)۔ عموماً شیعہ واحد جمع اور مذکر مؤنث کے لیے یکساں استعمال ہوتا ہے۔ اس کی جمع شیع واشیاع ہے (۲۵۸)۔

ابن منظور نے لکھا ہے: ”وَأَصْلُ الشَّيْعَةِ الْفِرْقَةُ مِنَ النَّاسِ وَيَقَعُ عَلَى الْوَاحِدِ وَالْإِثْنَيْنِ وَالْجَمْعِ وَالْمَذْكَرِ وَالْمُؤَنَّثِ بِلَفْظٍ وَاحِدٍ وَمَعْنَى وَاحِدٍ، وَقَدْ غَلَبَ هَذَا الْأِسْمُ عَلَى مَنْ يَقُولُ عَلَيْنَا وَأَهْلُ بَيْتِهِ رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ، حَتَّى صَارَ لَهُمْ اسْمًا خَاصًّا، فَإِذَا قِيلَ: فَلَانٌ مِنَ الشَّيْعَةِ، عُرِفَ أَنَّهُ مِنْهُمْ، وَفِي مَذْهَبِ الشَّيْعَةِ كَذَا: أَيِ عِنْدَهُمْ. وَأَصْلُ ذَلِكَ مِنَ الْمَشَايِعَةِ: وَهِيَ الْمَتَابَعَةُ وَالْمَطَاوَعَةُ“ (۲۵۹) (شیعہ کا اصل لوگوں کا ایک فرقہ ہے۔ یہ لفظ واحد ثنیہ، جمع، مذکر اور مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی ایک ہی ہے۔ یہ اسم عام طور پر ان لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو حضرت علیؑ اور ان کے اہل بیت سے تعلق رکھتے ہوں۔ پھر یہ نام ان کے لیے ہی مخصوص ہو گیا۔ جب کہا جائے فلان شیعہ سے ہے تو اس کا مطلب یہ ہے وہ ان میں سے ہے۔ وہی مذهب الشیعہ کذا کا مطلب ہے ان کے ہاں، اور اس لفظ کا اصل مشایعت سے ہے۔ جس کے معنی متابعت اور مطاوعت ہیں)۔

القیومی نے لکھا ہے: الشَّيْعَةُ: الْإِتْبَاعُ وَالْأَنْصَارُ، وَكُلُّ قَوْمٍ اجْتَمَعُوا عَلَى أَمْرٍ فَهِيَ شَيْعَةٌ، ثُمَّ صَارَتْ الشَّيْعَةُ اسْمًا لَجَمَاعَةٍ مَخْصُوصَةٍ، وَالْجَمْعُ شَيْعٌ (۲۶۰)
(شیعہ پیروکار اور مددگار کو کہتے ہیں۔ ہر قوم جو کسی ایک معاملے پر اکٹھے ہو جائیں وہ شیعہ ہیں۔ پھر شیعہ کا نام ایک مخصوص جماعت کیلئے استعمال ہونے لگا۔ اس کی جمع شیع ہے)۔

ابن الاثیر نے لکھا ہے شیعہ اولیاء اور انصار کو کہتے ہیں۔ شیعہ کا اصل ”الفرقة من الناس“

(لوگوں کا ایک فرقہ ہے)۔ ”وقد غلب هذا الاسم على كل من يزعم أنه يتولى علياً وأهل بيته حتى صار لهم اسماً خاصاً. فإذا قيل فلان من الشيعة عرف أنه منهم وفي مذهب الشيعة كذا: أي عندهم وتجمع الشيعة على شيع وأصلها من المشايعة وهي المتابعة والمطاوعة“ (۲۶۱) (یہ نام ہر اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو خیال کرتا ہے کہ وہ حضرت علیؑ اور ان کے اہل بیت سے محبت کرتا ہے۔ پھر یہ نام ان کے لیے مخصوص ہو گیا جب کہا جائے کہ فلاں آدمی شیعہ سے ہے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ان میں سے ہے اور فنی مذهب شیعہ کذا کا مطلب یہ ہے۔ کہ ان کے ہاں یہ ہے اور شیعہ کی جمع شیعہ ہے اور اس کا اصل مشایعت، متابعت اور مطاوعت سے ہے)۔

المجم الوسيط میں ہے: شایع مشایعة تبعہ وصحبہ وایتدہ وصحبہ مودع (اتباع کرنا، ساتھی ہونا، مدد کرنا، الوداع کرتے ہوئے ساتھ ہونا)۔ شیع. انتحل مذهب الشیعة، نشر (مذہب شیعہ اختیار کرنا، پھیلاتا)۔ الشیعة: الفرقة والجماعة (فرقہ اور جماعت)۔ الشیعة فرقة كبيرة من المسلمين اجتمعوا على حب علي وآله وأحقهم بالإمامة (ج) شیع وأشیاع، والأشیاع: الأمثال والأشباه (۲۶۲) (مسلمانوں کا بڑا فرقہ جو حضرت علیؑ اور ان کی آل کی محبت پر اکٹھے ہوئے اور انہی کو امامت کا حق دار سمجھتے ہیں۔ شیعہ کی جمع شیعہ اور أشیاع ہے اس کے معنی اتباع کرنے والے اور ان جیسے ہیں)۔

ابن خلدون کہتے ہیں: ”أعلم أن الشيعة لغة: هم الصحبُ والأتباع ويطلق في عرف الفقهاء والمتكلمين من السلف والخلف على أتباع عليّ وبنیه رضي الله عنهم“ (۲۶۳) (لغوی لحاظ سے شیعہ ساتھی اور پیروکار کو کہتے ہیں لیکن فقہاء اور متکلمین پہلے اور موجودہ سبھی اس لفظ کا استعمال حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کے پیروکاروں پر کرتے ہیں)۔

مصباح اللغات میں ہے: شاع یشیع شیعاً (خبر کو پھیلاتا) شاع شیانعاً (پیچھے جانا، ہمراہ جانا)۔ شیعہ (رخصت کرنے یا مکان تک پہنچانے کے لیے ہمراہ جانا)۔ شیع الرجل (کسی آدمی کا شیعہ ہونے کا دعویٰ کرنا)۔ تشیع الغضب (دل میں غصہ بھڑکنا)۔ تشایعا (مختلف گروہ

بنا)۔ شیعۃ الرجل (پیر و کارہمدگار)۔ شیعہ فرقہ اس لفظ کا غالب استعمال ان لوگوں کے لیے ہے جو حضرت علیؑ کے طرفدار ہوں۔ اس کا واحد شیعہ ہے (۲۶۳)۔

فیروز اللغات میں ہے۔ شیعہ: گروہ، مسلمانوں کا وہ فرقہ جو حضرت علیؑ کو پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد خلافت کا حق دار سمجھتا ہے، امامیہ مذہب کا پیر و کارہمدگار، شیعہ فرقہ سے منسوب (۲۶۵)۔

قرآن مجید میں لفظ شیعہ کا استعمال

قرآن مجید میں یہ لفظ پیر و کارہمدگار کے معنی میں اس طرح سے استعمال ہوا ہے:

۱۔ ”وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ“ (۲۶۶) (بے شک ابراہیم ان (نوحؑ) کے پیر و کاروں میں سے تھے جب وہ اپنے رب کے پاس قلب سلیم لے کر آیا)۔

۲۔ قرآن مجید میں گروہ کے معنی میں اس کلمہ کا استعمال یوں ہوا ہے: ”ثُمَّ لَنُنْزِلَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَهْلَهُمْ أَشَدَّ عَلَى الرَّحْمَنِ عِتِيًّا“ (۲۶۷) (پھر ہم ہر گروہ سے ان کو جدا کر دیں گے جو رحمن سے سرکشی میں زیادہ ہوگا)۔

۳۔ قرآن مجید میں لفظ شیعہ قوم، گروہ، گھڑا، ہم مشرب اور مثل کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے ”فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَذَا مِنْ عَدُوِّهِ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ“ (۲۶۸) (وہاں اس نے دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں۔ ایک اُس کی اپنی قوم کا اور دوسرا اُس کی دشمن قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی قوم کے آدمی نے دشمن قوم والے کے خلاف اُسے مدد کے لیے پکارا)۔

۴۔ ”وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِعَابِ الْأَوَّلِينَ“ (۲۶۹) (ہم تم سے پہلے بہت سی گزری ہوئی قوموں میں رسول بھیج چکے ہیں)۔

۵۔ ”قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَى أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبَسَكُمْ شِيعًا وَيُزَيِّقَ بَعْضَكُمْ بِأَسْ بَعْضٍ“ (۲۷۰) (کہو وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب اوپر سے نازل کر دے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے برپا کر

دے یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چکھوادے۔

۶۔ ”إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا لَسَتْ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ“ (۲۷۱) (بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے۔ ان سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں)۔

۷۔ ”إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيعًا“ (۲۷۲) (حقیقت یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا)۔

۸۔ ”وَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا“ (۲۷۳) (اور نماز قائم کرو اور نہ ہو جاؤ ان مشرکوں میں جنہوں نے اپنا دین الگ بنا لیا اور گروہوں میں بٹ گئے)۔

۹۔ ”وَجِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِنْ قَبْلِ“ (۲۷۴) (اس وقت جس چیز کی یہ تمنا کر رہے ہوں گے۔ اس سے محروم کر دیئے جائیں گے جس طرح ان کے پیش رو ہم مشرب ہو چکے ہوں گے)۔

۱۰۔ ”وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مَذْكَرٍ“ (۲۷۵) (تم جیسے بہت سوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں پھر ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا)۔

حدیث نبوی ﷺ میں لفظ شیعہ کا استعمال

حدیث نبوی میں بھی لفظ شیعہ استعمال ہوا ہے: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا: ”يَنْزِلُ الدِّجَالُ فِي هَذِهِ السَّبْخَةِ بِمِرْقَانَةٍ، فَيَكُونُ أَكْثَرُ مَنْ يَخْرُجُ إِلَيْهِ النِّسَاءُ حَتَّى أَنْ الرَّجُلَ لِيَرْجِعَ إِلَى حِمِيهِ وَإِلَى أُمِّهِ وَابْنَتِهِ وَأَخْتِهِ وَعَمَتِهِ فَيُؤْتِقُهَا رِبَاطًا، مَخَافَةَ أَنْ تَخْرُجَ إِلَيْهِ. ثُمَّ يَسْلُطُ اللَّهُ الْمُسْلِمِينَ عَلَيْهِ فَيَقْتُلُونَهُ وَيَقْتُلُونَ شِيعَتَهُ حَتَّى إِنْ الْيَهُودِي لِيَخْتَبِيَهُ تَحْتَ الشَّجَرَةِ أَوْ الْحَجَرِ فَيَقُولُ الْحَجَرُ أَوْ الشَّجَرَةُ لِلْمُسْلِمِ، هَذَا يَهُودِي تَحْتِي فَأَقْتُلْهُ“ (۲۷۶) (وہاں مرقعات کے مقام پر اس جگہ

نکلے گا زیادہ لوگ جو اس کی طرف نکلیں گے وہ عورتیں ہوں گی یہاں تک کہ آدمی اپنے دوست، اپنی والدہ، بیٹی، بہن اور پھوپھی کی طرف لوٹے گا تو اسے اچھی طرح ہاندھ دے گا۔ اس بات سے خوف کھاتے ہوئے کہ وہ اس کی طرف نہ نکل جائیں۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ مسلمانوں کو اس پر غلبہ دے دیں گے اور وہ اس کو قتل کر دیں گے اور اس کے ساتھیوں کو بھی قتل کر دیں گے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی یہودی کسی درخت کے پیچھے یا پتھر کے پیچھے چھپے گا تو وہ پتھر یا درخت مسلمان کو کہے گا یہ یہودی میرے پیچھے ہے اس کو قتل کر دو۔

ابتداء میں کسی کے حامی، ساتھی اور رفیق کو اس کا شیعہ کہا جاتا تھا۔ جیسے حامیان معاویہؓ، ہشعان معاویہؓ اور حامیان علیؓ، ہشعان علیؓ کہلاتے۔ مگر جنگ جمل اور جنگ صفین نے حضرت علیؓ کے طرف داروں کو خصوصی طور پر اس نام سے نمایاں کر دیا (۲۷۷) پھر عام طور پر یہ لفظ حضرت علیؓ کے حامیان کے لیے استعمال ہونے لگا۔ بعد ازاں اس نام سے ایک فرقہ مشہور ہو گیا۔

شیعہ مسلمانوں کے سیاسی فرقوں میں سے قدیم ترین فرقہ ہے جو اہل سنت سے الگ ہوا۔ شیعہ کا ظہور حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کے آخری دور میں ہوا اور حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں پھلا پھولا۔ حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے اور رسول اللہ ﷺ کے داماد تھے۔ اہل تشیع نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں میں آپؐ کے فضائل و مناقب بیان کرنے شروع کر دیے۔

شیعہ کے مشہور فرقے

مذہب شیعہ بنیادی طور پر چار فرقوں میں منقسم ہے:

- ۱۔ غلاة ۲۔ کیسانیہ ۳۔ زیدیہ ۴۔ امامیہ
- غلاة کے چوبیس (۲۴) فرقے، کیسانیہ کے چھ (۶) فرقے، زیدیہ کے نو (۹) فرقے اور امامیہ کے سبستیس (۳۷) فرقے ہیں (۲۷۸)۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاب ”تحفۃ اثنا عشریہ میں فرقوں کی جو تفصیل بتائی ہے۔ اس میں صرف امامیہ کے فرقوں کی تعداد ۳۹ لکھی ہے (۲۷۹)۔ جن میں سے اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ زیادہ معروف ہیں۔ اثنا عشریہ کے مندرجہ ذیل بارہ امام ہیں:

- ۱۔ حضرت علیؑ (۲۳ قبل الهجرة و الشہید بعد النہ ۴۰ ہجریہ)۔
 - ۲۔ حضرت حسنؑ بن علیؑ (۲-۵۵ھ)۔
 - ۳۔ حضرت حسینؑ بن علیؑ (۳-۶۱ھ)۔
 - ۴۔ امام علیؑ (زین العابدین) بن حسینؑ۔
 - ۵۔ امام ابو جعفر محمد الباقر بن علیؑ (۵۷-۱۱۴ھ)۔
 - ۶۔ امام جعفر صادق بن محمد الباقر (۸۳-۱۴۸ھ)۔
 - ۷۔ امام موسیٰ کاظم بن جعفر صادق (۱۲۸-۱۸۳ھ)۔
 - ۸۔ امام علی الرضا بن موسیٰ کاظم (۱۴۸-۲۰۳ھ)۔
 - ۹۔ امام محمد تقی الجواد بن علی الرضا (مت امامت ۱۸ سال) (۱۹۵-۲۲۰ھ)۔
 - ۱۰۔ امام علی نقی المہادی بن محمد تقی الجواد (مت امامت ۳۲ سال) (۲۱۲-۲۵۴ھ)۔
 - ۱۱۔ امام حسن عسکری بن علی نقی المہادی (۲۳۲-۲۶۰ھ)۔
 - ۱۲۔ امام محمد المہدی بن حسن عسکری (پیدائش ۲۵۶ھ)۔
- آخری بار ہویں امام کے متعلق شیعہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بچپن میں ایک غار میں چھپ گئے تھے، اور پھر وہ آج تک اس کے غار سے نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں (۲۸۰)۔

۲ اسماعیلیہ

یہ فرقہ اسماعیل بن جعفر کی طرف منسوب ہے یہ آئمہ کے بارے میں جعفر صادق تک اثنا عشریہ کے ساتھ متفق ہیں۔ امام جعفر صادق کے بعد ان دونوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اثنا عشریہ کے نزدیک امام جعفر صادق کے بعد ان کے بیٹے موسیٰ کاظم امامت کے منصب پر فائز ہوئے اس کے برعکس اسماعیلیہ امام جعفر صادق کے بیٹے اسماعیل کو امام قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک امام جعفر صادق کے بعد ان کے فرزند اسماعیل اپنے والد کی نص کی بنا پر امام ہوئے۔ اسماعیل اپنے والد سے قبل فوت ہو گئے۔ مگر نص کا یہ فائدہ ہوا کہ امامت ان کے اخلاف میں موجود رہی۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ اقوال امام، امامیہ کے یہاں شرعی نصوص کی طرح واجب التعمیل ہیں۔ اسماعیل سے نکل ہو کر

امامت محمد المکتوم کو ملی، پھر ان کے بیٹے جعفر مصدق، پھر ان کے بیٹے محمد حبیب کو۔ ان کے بعد عبداللہ مہدی کو ملی جس کو ملک المغرب کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد ان کی اولاد مصر کی بادشاہ ہوئی اور یہی فاطمی کہلائے (۲۸۱)۔ اسماعیلیہ میں سے آغا خانی فرقہ زیادہ مشہور ہے۔

اہل تشیع کی کتب حدیث: ایک تعارف

اہل تشیع رسول کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ آئمہ معصومین کے ارشادات اور تعامل کو بھی حدیث کا نام دیتے ہیں (۲۸۲) ان کے ہاں حدیث نبوی کے ساتھ قول امام کی اہمیت یوں بیان کی گئی ہے۔ ”قول و فعل امام حجت ہے۔ قرآن حکیم میں حدیث امام کا مرتبہ یوں بیان ہوا ہے: ”یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم“ (۲۸۳) آگے اس کی مزید وضاحت بھی کر دی کہ رسول ﷺ واولی الامر ایک ہی نوعیت کے عہدیدار ہیں (۲۸۴)۔

علم حدیث میں شیعہ علماء علمائے اہل سنت کے ساتھ متفق نہیں۔ ان کا علم حدیث ایک الگ متوازی سلسلہ ہے جو چوتھی صدی سے شروع ہوا۔ پہلا مرکزی محدث ملا محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ) ہے۔ کلبی نے لکھا ہے شیعہ امام نے اپنے پہلے ظہور میں ان کی کتاب ”الکافی“ کی تصدیق کی ہے۔ اس کا نام حضرت امام کی تصدیق ”هذا کاف لشیعتنا“ سے ماخوذ ہے۔ اس سے ان کے ہاں اس کی عظمت اور بڑھ جاتی ہے اور اس کا ہر لفظ اہل تشیع کے لیے سند سمجھا جاتا ہے (۲۸۵)۔

اہل تشیع کے ہاں اصول رواۃ

اہل تشیع کا رواۃ کے متعلق اصول یہ ہے کہ تمام راوی ثقہ ہوں اور عقیدہ امامت رکھتے ہوں۔ ان کی حدیث صحیح شمار ہوگی۔ راوی امامی ہوں مگر ثقہ نہ ہوں۔ ہاں مدح ہوں تو ان کی روایت حدیث حسن رہے گی۔ ہاں راوی سب کے سب ثقہ ہوں مگر عقیدہ امامت نہ رکھتے ہوں تو ان کی حدیث قوی شمار ہوگی۔ بعض راوی امامی ہوں اور بعض غیر امامی، مگر ہوں سب کے سب ثقہ تو بھی حدیث قوی سمجھی جائے گی۔ کسی حدیث کے بعض راوی مدح ہوں اور امامی ہوں اور بعض دوسرے راوی ثقہ ہوں مگر غیر امامی ہوں تو بھی حدیث قوی ٹھہرے گی۔ ضعیف راویوں کی روایت اہل سنت کے ہاں ناقابل اعتبار ہے۔ کسی راوی کے بارے میں یہ پتہ چلے کہ وہ عملاً غلط بیانی کرتا ہے تو اس کی روایت قابل اعتماد نہیں رہتی۔ لیکن

شیعہ کے ہاں اس سے روایت مسترد نہیں ہوتی کیونکہ ممکن ہے وہ تقیہ کے تحت ایسا کر رہا ہو اور تقیہ ان کے ہاں ہر بات میں ہو سکتا ہے۔ اس صورت حال میں ان کے علماء زیادہ تر گروہی اعتماد پر فیصلے کرتے ہیں۔ آئمہ اہل تشیع کے ہاں اٹھنے بیٹھنے والے سب کے سب امامی نہ تھے۔

اہل تشیع کی کتب حدیث میں وہ روایات بے شمار ہیں جو امامی نہ تھے۔ آئمہ کا عام طریقہ بھی یہی رہا کہ قبول روایت کے لیے راویوں میں امامی ہونے کی شرط نہ رکھی جائے آج اہل تشیع علماء جن کتابوں پر اعتماد رکھتے ہیں وہ سب طے جلے راویوں کا مجموعہ ہیں۔ اصول کافی تو اس لیے ہر جرح سے نکل گئی کہ اسے امام منظر محمد بن حسن امام مہدی نے پسند فرمایا اور باقی تین کتابیں اس لیے اصول مظہر میں کہ ان پر اثنا عشری اور اہل سنت علماء نے اظہار اعتماد کیا۔

اہل تشیع کی کتب صحاح اربعہ اور ان کی شروح

قدماہ شیعہ کے پاس بہت سے ابتدائی مسودے موجود تھے جو لوگوں نے علماء شیعہ کی مجالس سے مرتب کئے تھے جن سے یہ اصول اربعہ مرتب ہوئے۔ جن پر آج شیعہ علم حدیث کا مدار ہے۔ مندرجہ ذیل چار کتب صحاح اربعہ کے نام سے مشہور ہیں:

۱۔ الصحاح الکافی

تعارف مؤلف: الکافی ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی رازی، بغدادی (۲۵۰ھ/۸۶۳ء - ۳۲۸ھ/۹۴۱ء) کی تالیف ہے۔ کلین کے رہنے والے تھے، کلین بغداد کے ایک محلہ کا نام ہے۔ بعض نے کہا ہے کلین رے کا ایک قصبہ ہے، جو رے کے قریب شاہراہ قم سے مشرق کی سمت پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے (۲۸۶)۔

ابو جعفر الکلینی کا خاندانہ شیعہ فقہ و حدیث میں خاص امتیاز رکھتا تھا، ان کے والد یعقوب بن اسحاق عالم تھے اور ان کے ماموں ابو الحسن علی بن محمد بن ابراہیم بن ابان حلقہ کلینی بھی عالم تھے۔

ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کرنے کے بعد انہوں نے رے، قم اور نیشاپور کے نامور اساتذہ کے سامنے زبانوںے تلمذ کیا۔ الکافی کی ترتیب و تدوین سے اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف کو علم عقائد و کلام، معقولات و فقہ میں مہارت تھی۔ نیز تاریخ و رجال، درایت و روایت، تفسیر و ادب سے واقفیت تھی، الکافی

کا مقدمہ مؤلف کی وسعت نظر، قدرت تحریر، قدرت اسلوب اور کمال فہم و بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ ان کے علمی مرتبے اور جلالت قدر کے بارے میں شیعہ علماء اور ائمہ اہل حق نے لکھا ہے کہ کلینی اپنے عہد میں آئے کے شیخ الاصحاب اور باوجہ امت عالم اور فاضل حدیث تھے (۲۸۷)۔

کتب رجال سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابو جعفر محمد کلینی کا بیشتر وقت وطن میں گزرا۔ کچھ عرصہ کے لئے وہ آئے کو چھوڑ کر بغداد چلے گئے۔ مقتدر ہلالہ کے دور خلافت میں کلینی فقہائے امامیہ کے زعمیم تھے (۲۸۸)۔ اس کا اعتراف بڑے بڑے علماء نے کیا ہے (۲۸۹)۔

کلینی نے ۳۲۸ھ/۹۴۱ء میں وفات پائی۔ نماز جنازہ ابو قیراط محمد بن جعفر حسنی نے پڑھائی۔ کلینی کی کتابیں درج ذیل ہیں:

- ۱۔ کتاب تفسیر یا تعبیر رویا۔ ۲۔ کتاب الرجال
- ۳۔ کتاب الریاض القرامطہ۔ ۴۔ کتاب الرسائل
- ۵۔ کتاب ما قبل فی الامارۃ من الشعر (۲۹۰)۔ ۶۔ کتاب الکافی

کتاب الصحیح الکافی

اہل تشیع کے اصول اربعہ میں پہلی کتاب ہے جو بعض کے قول کے مطابق کلینی کی تیس سالہ کوششوں کا نتیجہ ہے۔ کتاب کافی کلینی کے نام سے موسوم ہے۔ پہلی دو جلدیں کافی کلینی کے نام سے مشہور ہیں۔ انکی پانچ جلدیں فروع کافی اور آٹھویں جلد روضہ کافی کے نام سے موسوم ہے۔ امامیہ کافی کو ترجیح دیتے ہیں (۲۹۱)۔ اہل تشیع کے مطابق کلینی نے امام جعفر محمد الصادق کا زمانہ پایا۔ اس امام نے اس کتاب کی تصدیق کی۔ اس کا نام کافی، امام محمدی کے قول: الکافی کاف لشیعتنا سے ماخوذ ہے۔ اس سے اس کی عظمت شیعہ کے ہاں اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور اس کا ایک ایک لفظ شیعہ کے لیے سند کی حیثیت رکھتا ہے (۲۹۲)۔

شیخ مفید (م ۴۱۳ھ) نے اس کتاب کافی کے متعلق کہا: ”هو من أجل كتب الشيعة وأكثرها فائدة“ (۲۹۳) (یہ شیعہ کتب میں سب سے بڑی ہے اور زیادہ فائدہ مند ہے)۔ مثلاً فیض کاشانی نے لکھا ہے: ”أشرفها وأوثقها وأتمها وأجمعها لاشتماله على الأصول من

بینہا واخلوا من الفضول وشینہا“ (۲۹۳) (سب کتب سے بہتر، معتبر، اکمل اور زیادہ محفوظ ہے۔ سب اصولوں پر مشتمل ہے اور ہر زائد اور عیب سے پاک ہے)۔

یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ اور اس میں پینتیس کتب ہیں ایک روایت کے مطابق احادیث کی تعداد ۱۶۹۹۰ ہے۔ احادیث کی تعداد صاحب لؤلؤة البحرین کے خیال میں ۱۶۱۹۹ یا ۱۵۹۷۷ ہے (۲۹۵)۔ اس کے تین حصوں کی تفصیل یہ ہے:

الف: الاصول: کتاب العقل سے کتاب العشرہ تک ہے تک ہے۔

ب: الفروع: کتاب الطہارت سے کتاب الایمان والہند وروا الکفارات تک ہے۔

ج: الروضہ: یہ حصہ ”متفرق احادیث“ اور خطوط و خطبات رسالت مآب ﷺ وائمہ اہل بیت پر مشتمل ہے۔ اس کی درج ذیل علماء نے شروع لکھی ہیں:

۱۔ محمد باقر داماد (م ۱۰۴۰ھ)۔

۲۔ ملا صدرالدین شیرازی (م ۱۰۵۰ھ)۔

۳۔ قاری میں ملا خلیل قزوینی (م ۱۰۸۹ھ) نے لکھی ہے۔

۴۔ ”مرۃ العقول فی شرح أخبار الرسول“ ملا باقر مجلسی (م ۱۱۱۰ھ)

یہ اس کتاب کی مفصل شرح ہے (۲۹۶)۔

ارباب فہارس نے کم و بیش اٹھارہ (۱۸) شروع اور اکیس (۲۱) حواشی کا تذکرہ کیا ہے۔ اس میں برصغیر میں لکھے گئے ترجموں اور خلاصوں کا تذکرہ نہیں ہے۔ حاشم معروف الحسینی نے ”دراسات فی الکافی للکلینی والصحیح للبخاری“ کے نام سے ایک تقابلی مقالہ شائع کیا ہے جس میں شیعہ نقطہ نظر کی نمائندگی کی گئی ہے (۲۹۷)۔

کلینی نے اس کتاب میں بعض ضعفاء راویوں سے بھی بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر حسین بن احمد السمری، کتاب ”فضل القرآن“ باب فضل القرآن، حدیث نمبر ۱۸ میں یہ راوی ہے۔ اس کی روایت کردہ حدیث ہے: ”من استکفی بآیۃ من القرآن من الشرق إلى الغرب کفی، إذا کان بیقین“ (۲۹۸)۔ اسی طرح کتاب الایمان والکفر میں باب التعمیل میں بھی اس راوی سے

روایت ہے (۲۹۹)۔ اس کے متعلق اٹکلی نے لکھا ہے کہ یہ ابو عبد اللہ سے شاذ روایت بیان کرتا ہے جو درست نہیں اور وہ ضعیف ہے (۳۰۰)۔

ابن داؤد اٹکلی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے (۳۰۱)۔ اس کتاب میں بعض مجہول راوی بھی ہیں۔ جیسے کتاب التوحید میں باب الجبر والقدر، حدیث نمبر ۸ ملاحظہ ہو: محمد بن یحییٰ، عن احمد بن محمد بن حسن زعلان، عن ابی طالب القمی، عن رجل، عن ابی عبد اللہ۔۔۔ (۳۰۲)۔

۲۔ من لا یحضرہ الفقیہ

ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن ہادی القمی المعروف شیخ صدوق (۳۰۸ھ/ ۹۲۰ء - ۳۸۱ھ/ ۹۹۱ء) کی تالیف ہے۔ انہوں نے کتب میں پرورش پائی۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ پھر مرید تعلیم کے لیے خراسان، نیشاپور، بغداد اور کوفہ گئے۔ ساٹھ سال تک یہ پڑھنے اور پڑھانے میں لگے رہے۔ ان کا مٹی مشغلہ تجارت تھا۔

اس کے متعلق لکھا ہے صاحب التصانیف السائرة بین الرافضہ (۳۰۳) (رافضہ میں اس کی تصانیف کافی چلتی ہیں)۔ اس کی کتب میں دعائم الاسلام، کتاب الخواتیم، کتاب الملاحی، کتاب دین الامامیہ اور کتاب التوحید وغیرہ شامل ہیں (۳۰۴)۔

من لا یحضرہ الفقیہ دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ اس کتاب میں فقہی استدلال کے اصولوں پر احادیث کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے جن پر ان کے فتاویٰ کا مدار تھا۔ اس میں ۱۵۹۶۳ احادیث ہیں اس کتاب میں اسنادوں میں (۳۰۵)۔ اس کی مشہور ترین فارسی شرح ملا محمد تقی مجلسی (م. ۱۰۷۰ھ) نے لکھی ہے۔ جو شرح الفقیہ کے نام سے موسوم ہے۔ اسے لوا مع صاحب قرانی بھی کہتے ہیں (۳۰۶)۔ اس کتاب میں نقد، ضعف اور مجہول ہر قسم کے راویوں سے روایات لی گئی ہیں مثلاً موسیٰ بن سعد۔ اس کے ضعیف ہونے میں کسی کو شک نہیں ہے (۳۰۷)۔

۳۔ تہذیب الاحکام

تعارف مصنف: ابو جعفر محمد بن الحسن بن علی القنوسی، ماہ رمضان ۳۸۵ھ/ ۹۹۲ء میں طوس میں پیدا ہوا۔

ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پانے کے بعد وہ ۱۲۰۸ھ/۱۰۱۷ء میں بغداد آ گیا اور شیخ المفید محمد بن محمد العمان البغدادی (م ۱۲۱۳ھ/۱۰۲۲ء) سے تعلیم حاصل کرنے لگا۔ اُن کی وفات پر الطوسی، السید المرتضیٰ (ابوالقاسم علی بن الحسین (م ۱۲۳۶ھ/۱۰۴۴ء) کے حلقہ درس میں شامل ہو گیا اور ۲۳ برس تک اُن کا شاگرد و صاحب رہا۔ جب وہ بھی وفات پا گئے تو بارہ برس تک بغداد میں مقیم رہا اور شیعہ مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں اپنی انتہائی کوشش صرف کرتا رہا۔ وہ اہل تشیع کا عظیم مجتہد ہے اور شیخ طائفہ یا صرف ”الشیخ“ کے لقب سے مشہور ہے۔ متعدد سوانح نویسوں کے قول کے مطابق اُس کا انتقال ۱۲۶۰ھ/۱۰۶۷ء میں نجف میں ہوا۔ بعض لکھتے ہیں کہ اُس نے ۱۲۵۸ھ/۱۰۶۵ء میں وفات پائی۔ اس کی دو کتابیں تہذیب الاحکام اور الاستبصار ان چار کتابوں (الکتب الاربعہ) میں سے ہیں جنہیں شیعہ بے حد قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے ہیں (۳۰۸)۔ وہ متعدد کتابوں کا مصنف ہے۔ اُس کی تصانیف میں اہم حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ کتاب تہذیب الاحکام۔
- ۲۔ کتاب الاستبصار فیما اختلف فیہ من الاخبار۔
- ۳۔ التعمیہ فی الفقہ۔
- ۴۔ فہرست کتب الشیعہ: مطبوعہ ۱۸۳۸ء۔
- ۵۔ دعاء الجوشن الکبیر: دعاؤں کی کتاب جو حضرت امام زین العابدینؑ (م ۹۴ھ) سے منسوب ہے۔
- ۶۔ دعاء الجوشن القصیر: وظائف یا دعاؤں کی ایک اور کتاب جو حضرت امام موسیٰ کاظمؑ (م ۱۸۳ھ) سے منسوب ہے۔
- ۷۔ کتاب المفصول فی الاصول: شیعہ مذہب کے اساسی عقائد و اصول پر ایک رسالہ ہے۔
- ۸۔ مصباح المستعجد الکبیر: یہ کتاب اعمال صالحہ اور دعاؤں سے متعلق ہے مولف نے مختصر کر کے نام مصباح المستعجد القصیر رکھا۔
- ۹۔ کتاب الجمل والعقد: مذہبی فرائض بالخصوص نماز کی کتاب۔

- ۱۰۔ کتاب الشہادۃ فی تفسیر القرآن: قرآن کی مفصل و مکمل تفسیر ۲۰ جلدوں میں مطبوعہ تہران۔
- ۱۱۔ عذۃ الاول: اصول فقہ کے متعلق ہے، مطبوعہ تہران۔
- ۱۲۔ الامالی فی الاحادیث: احادیث و روایات حدیث، مطبوعہ تہران۔
- ۱۳۔ کتاب ”المسوط“ شیعہ مذہب کے مطابق شرعی احکام کی تلخیص تہران سے ۱۲۷۱ھ میں شائع ہوئی۔
- ۱۴۔ کتاب الابواب المعروف بکتاب الرجال۔
- ۱۵۔ کتاب اختیار: لأحمد الراکشی (۳۰۹)۔

کتاب تہذیب الاحکام

یہ دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ اس میں احادیث احکام کا بڑا شیعہ ذخیرہ ہے۔ تہذیب کی سند سے ملائے شیعہ نے کئی جگہ کافی کی سند کی بھی تصحیح کی ہے۔ اس سے اس کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے اس کی احادیث ساڑھے تیرہ ہزار کے قریب ہیں (۳۱۰)۔ قاضی نور اللہ شومتری (م ۱۰۱۹ھ) نے اس کی تہذیب الاحکام کے نام سے شرح لکھی ہے۔ علامہ تقی مجلسی (م ۱۰۷۰ھ) نے احیاء الاحادیث کے نام سے اور ملاہا قر مجلسی (م ۱۱۱۰ھ) نے ”ملاذ الاخبار“ کے نام سے شرح لکھی ہیں (۳۱۱)۔

۴۔ الاستبصار فیما اختلف من الاخبار

یہ بھی ابو جعفر محمد بن حسن طوسی کی تالیف ہے مؤلف نے روایات متعارفہ کو جمع کیا ہے اور ان میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے یہ تین جلدوں میں ہے پہلی دو جلدیں عبادات پر ہیں۔ تیسری جلد میں دیگر معاملات اور احکام ہیں (۳۱۲)۔ پہلی تصنیف تہذیب الاحکام بہت مفصل ہے اور اس میں ہر قسم کی احادیث ہیں لیکن اس دوسری کتاب میں وہی احادیث ہیں جو مختلف فیہ ہیں۔

شیخ طوسی نے تہذیب الاحکام کی ترتیب اور اس میں جمع احادیث کا جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ نہ صرف اچھوتا بلکہ ایک لحاظ سے مفید بھی تھا لیکن اس طریقہ کار کی بنا پر قاری و فقہیہ دونوں کو چند مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جن کا احساس خود مؤلف کو بھی تھا۔ اس لیے اس نے ان مشکلات کا ازالہ کرنے کے لیے یہ کتاب مرتب کی جو اس سے زیادہ وسیع اور ضخیم ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب تہذیب الاحکام ہی کا تخری

ہے۔ اس میں مؤلف نے ہر باب میں ان احادیث کو مقدم رکھا ہے جن پر خود ان کے فتوے کا دارودار ہے۔ اس کے بعد اس کی مخالف احادیث لکھیں اور ساتھ ہی ان کی تشریح فرما کر ان اختلافات کی نوعیت اور ان میں تطابق کے امکانات پر گفتگو کی ہے۔

اس کتاب میں کل ”۹۸۶“ ابواب ہیں۔ بعض علماء کے مطابق ابواب کی تعداد ۹۲۵ اور ایک روایت میں ۹۱۵ ہے اور شیخ نے خود ابواب شمار کیے ہیں ان کے مطابق کل تعداد یہی ہے۔ اس کتاب میں کل احادیث مؤلف کے شمار کے مطابق ۵۵۱۱ یا ۵۵۱۳ ہیں۔ چند شارحین اور معتقین درج ذیل ہیں: محمد امین بن محمد شریف الاستر آبادی (م ۱۰۴۱ھ)۔ میر محمد باقر بن شمس الدین الحسینی، (م ۱۰۷۱ھ)۔ میر محمد صالح عبدالواسع الخواتون آبادی (م ۱۱۱۶ھ)۔ عبد اللہ بن حسین تسری (م ۱۰۴۱ھ)۔ عبد اللہ بن نور دین جزائری (م ۱۱۷۳ھ)۔ میر شرف الدین علی (م ۱۰۶۰ھ) شیخ زین الدین علی بن سلیمان (م ۱۰۶۳ھ)۔

محسن بن حسن اعرجی کاظمی، (م ۱۲۲۷ھ)۔ میرزا محمد بن علی بن حسین موسوی (م ۱۰۰۹ھ) یوسف خراسانی (۳۱۳)۔

اہل تشیع کی کتب رجال

شیعہ کی رجال سے متعلق درج ذیل کتب مشہور ہیں:

۱۔ رجال البرقی	۲۔ رجال الکشی
۳۔ رجال الشیخ طوسی	۴۔ فہرست الشیخ طوسی
۵۔ رجال النجاشی	

۱۔ رجال برقی

اس کا مؤلف ابو جعفر احمد بن محمد بن خالد بن عبد الرحمن برقی کوئی ہے جو کہ ۲۷۷ یا ۲۸۰ھ میں فوت ہوا۔ اس کے متعلق نجاشی کہتا ہے وہ خود ثقہ ہے لیکن ضعیف راویوں سے روایت کرتا ہے اور مراہیل پر اعتماد کرتا ہے (۳۱۳)۔ ابن النعمانی اس کے متعلق لکھتا ہے وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ روایت کس سے لیتا ہے (۳۱۵)۔

طہا طہائی اس کے متعلق لکھتا ہے: اس کی روایت میں طعن کیا گیا ہے لیکن اس کی ذات میں طعن نہیں کیا گیا (۳۱۶) رجال برقی کا علم نہیں کہ وہ چھپی ہے یا نہیں۔

۲۔ رجال کشی

مؤلف کتاب ابو عمر بن محمد بن عمر الکشی کی وفات ۳۷۸ھ کے قریب ہوئی۔ لیکن اس کی ولادت اور تاریخ وفات کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کی جاسکتی (۳۱۷)۔ یہ شیعہ کی بڑی معروف کتاب ہے اور اس کے بارے میں شیعہ کے کئی محدثین اور مؤرخین نقل کرتے ہیں۔ وہ راویوں کے حالات لکھتا ہے اور ان کے بارے میں رائے بھی دیتا ہے مثلاً فہرست میں شیخ طوسی نے فضل بن شاذان کے متعلق کشی کا قول لکھا ہے (۳۱۸)۔

اس کتاب میں پانچ سو بیس راویوں کے تراجم ہیں۔ اس کے متعلق علمائے امامیہ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف راویوں سے روایت کرتا ہے اور اس کتاب میں بہت سی غلطیاں ہیں۔ اور وہ کبھی ایک راوی کو دو جگہ ذکر کر دیتا ہے لیکن اس کے باوجود علمائے شیعہ اس سے بہت روایت کرتے ہیں (۳۱۹)۔

۳۔ رجال طوسی

اس کتاب کا مؤلف ابو جعفر طوسی (م ۴۶۰ھ) ہے۔ اس نے یہ کتاب اپنے شاگرد قاضی عبد العزیز (م ۴۸۱ھ) کے کہنے پر لکھی۔ اس کے متعلق خود مؤلف کہتا ہے کہ اس سے قبل ایسی جامع کتاب شیعہ کے ہاں نہیں لکھی گئی جس میں نبی ﷺ، آئمہ اور زمن قائم تک تمام راوی لکھے گئے ہوں (۳۲۰)۔ اس کتاب کے اندر ۸۹۰۰ راویوں کے حالات لکھے گئے ہیں۔ زیادہ تر وہ راوی کاتب طبقہ اور بعض اوقات روایات کا ذکر کرتا ہے۔ وہ راویوں کی توثیق اور تخریج کے متعلق کم ہی ذکر کرتا ہے اور اور جب کرے تو عام طور پر اس قسم کے لفظ ذکر کرتا ہے۔ ثقہ ثقہ ثقہ، صحیح، ثقة مامون، من اصحابنا، متکلم، مستقیم المذہب، مشکور، روی عنہم، من غلمان العیاشی، ضعیف، عامی فیہ نظر، ردی الاصل، مغلط، مدلس، مجهول، ملعون، خبیث۔ اسی طرح سے درج ذیل الفاظ ذکر کرتا ہے: غالی، غالی ملعون، یرمی بالغلب، جارودئی (۳۲۱)۔

۴۔ الفہرست

یہ بھی طوسی کی کتاب ہے۔ اس میں اصحاب الکتاب اور اصول اور ان کی اسانید کا ذکر ہے۔ اس میں ۹۰۰ مصنفین کا ذکر ہے۔ طوسی اس کے مقدمہ میں ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ میں ہر ایک مصنف کے حالات لکھتا ہوں اور ساتھ ساتھ اس کی تعدیل اور ترجیح کا بھی خیال کرتا ہوں (۳۲۲)۔ اس کتاب میں راوی کا ترجمہ، اس کا نسب، کنیت، شہر کی نسبت، بعض اوقات قبیلہ کی نسبت کا ذکر بھی کرتا ہے اور جرح و تعدیل کا بھی ذکر اس میں ہے۔

ابو زہرہ نے طوسی کے متعلق کہا ہے۔ طوسی نے مذہب جعفری کی صرف تالیفات لکھ کر ہی خدمت نہیں کی بلکہ ان لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے جن پر مذہب جعفری کا اعتماد ہے۔ مذہب جعفری کے تمام رواۃ کا ذکر کیا ہے (۳۲۳)۔

۵۔ رجال النجاشی

احمد بن محاسن النجاشی الاسدی (۳۷۲-۴۵۰ھ)۔ اس مؤلف کی کتب میں رجال نجاشی کے علاوہ کتاب الجمعہ، کتاب الکوفہ، کتاب انساب بنی نصر، کتاب مختصر الاواء، مواضع الخوم (۳۳۳)۔ نجاشی اپنی کتاب میں مصنف کا نسب، شہر، مذہب، وفات، تعدیل و ترجیح اور بعض اوقات روایات کا ذکر بھی کرتا ہے۔ اگر نجاشی اور طوسی کے قول میں تعارض ہو تو نجاشی کو ترجیح دیتے ہیں (۳۲۵)۔ اس کتاب کے متعلق شیعہ اس طرح سے اظہار کرتے ہیں:

۱۔ کثرت تکرار۔ ایک ہی راوی کو ایک امام کے رواۃ میں لکھتا ہے پھر خود اسی کے متعلق

لکھتا ہے۔ اس نے کسی امام سے روایت نہیں کیا۔

۲۔ کتاب میں تضاد ہے (۳۲۶)۔

معزلہ

(تاریخی پس منظر، عقائد، فرقے، اقتدار و زوال، مشہور کتب، نظریہ حدیث)

معزلہ کی تعریف

معزلہ ایک فرقہ کا نام ہے۔ معزلہ کے لفظ کا مادہ ”عزل“ ہے۔ اس کے معنی طہیدگی کے ہیں۔ یہ باب اعتزل یعتزل سے ہے۔ اس کے معنی جدا ہونے والا اور الگ ہونے والا کے ہیں۔ یہ ایک ایسا عجیب کتب فکر تھا جنہوں نے اپنے خیال میں روایت سے زیادہ درایت کو، نقل سے زیادہ عقل کو اور تقلید سے زیادہ اجتہاد کو اہمیت دی اور یوں اس نے ایک مستقل کتب فکر کی شکل اختیار کر لی۔

معزلہ کا تاریخی تسلسل و پس منظر

معزلہ کے تاریخی پس منظر و تسلسل کو جاننے کے لیے ہمیں تمام اسلامی ادوار کا مختصر جائزہ لینا ہوگا۔ بنیادی طور پر اسلام سادہ اور واضح اصولوں پر مشتمل دین ہے۔ اس کا غالب اصرار عقائد کی درستی اور اعمال کی پاکیزگی پر ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں اور صحابہ کرام کے عہد زریں میں اسلامی تعلیمات کی باریکیوں اور ان کے پس پردہ پائی جانے والی حکمتوں کی جانب اشارے تو ملتے ہیں لیکن ان کا مقصود محض تربیت نفس تھا۔ عربوں کا مزاج بھی حقیقت پسندانہ تھا۔ ان کے ہاں جزوی اختلافات آنے کی جھلکیاں تو موجود تھیں لیکن عقائد کے مفہوم و مطالب میں ان کا نقطہ نظر تقریباً یکساں تھا۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اپنے لگرو عمل کی اصلاح میں وہ کچھ اس انداز سے منہمک تھے کہ انہیں مجرد اور فلسفیانہ مباحث کی طرف توجہ مبذول کرنے کی مہلت ہی نہ ملتی تھی۔

یہ صورت حال زیادہ عرصے تک برقرار نہ رہ سکی۔ مختلف عمرانی، نفسیاتی اور جغرافیائی عوامل کے زیر اثر مسلمانوں میں فلسفیانہ رجحانات فروغ پانے لگے۔ یوں جداگانہ مکاتیب فکر کا آغاز ہوا۔ حدود سلطنت کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ نئے مسائل کا ابھرنا اور ان کا مختلف طریقوں سے سامنا کرنا بھی لازمی اور قدرتی امر تھا۔ سیاسی وجوہات کی بنا پر بھی فرقہ بندی ہوئی جو بتدریج دینی اختلافات کی شکل میں تبدیل ہو گئی۔

علامہ شہرستانی نے اپنی مشہور آفاق تصنیف ”الملل والنحل“ میں ان چار مابہ النزاع مسئلوں کا ذکر کیا ہے جو ابتدائی طور پر مسلمانوں کے نظریاتی اختلافات کا باعث بنے۔ ان کے خیال کے مطابق یہ مسئلے حسب ذیل تھے:

۱۔ ذات وصفات الہی	۲۔ جبر و قدر
۳۔ ایمان اور عمل	۴۔ عقل اور نقل

جو اختلافات ابتداء میں بالکل معمولی تھے وقت کے ساتھ ساتھ پھیلتے چلے گئے اور یوں ان گنت مکتبہ ہائے فکر و وجود میں آ گئے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ سب مکتبہ ہائے خیال نے اپنے اپنے نقطہ نظر کی حمایت میں قرآن و حدیث سے جواز ڈھونڈنے کی روش اختیار کی اور اس طرح تفسیری نکات، احادیث کی صحت و عدم صحت اور فقہی مسائل پر بحث مباحثے کو فروغ حاصل ہوا۔

تاریخی اعتبار سے اختلاف رائے کی خلیج اس وقت وسیع ہوتی دکھائی دیتی ہے جب شہادت حضرت عثمانؓ کے بعد مسلمانوں میں سیاسی افراتفری پیدا ہو گئی۔ خلافت کا تنازعہ مختلف گروہوں کے ابھرنے کا باعث بنا۔ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں خانہ جنگی کی کیفیت زور پکڑ گئی، غلط فہمیوں اور منافقین کی مکارانہ چالوں اور سازشوں کی وجہ سے صحابہ کرام میں باقاعدہ جنگیں ہوئیں۔ جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان میں بعض جید اور سرکردہ صحابہ بھی ایک دوسرے کے مخالف گروہوں کے ساتھ شریک ہوئے۔ حتیٰ کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ بھی حضرت علیؓ کے خلاف صف آرا ہوئیں۔ اس افسوسناک صورت حال میں قدرتی طور پر ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوا ہو گا کہ حق پر کون ہے؟ اور کیوں کر ہے؟ غلطی کس کی ہے؟ اور کیسے ہے؟ یہ وہ موڑ ہے جہاں سے سیاسی اختلاف نے ایک فتنے کی صورت اختیار کر لی اور مختلف فرقے رونما ہونے لگے۔ ذیل میں مختلف فرقوں کے ظہور پذیر ہونے کی ترتیب اجمالاً درجہ بدرجہ کچھ اس طرح ہے:

۱۔ شیعہ

حضرت علیؓ کے حامیوں کا گروہ ابتدا میں شیعیان علیؓ کہلاتا تھا۔ بعد میں انہیں صرف شیعہ کہا جانے لگا۔ ان کا بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد خلافت کا حق حضرت علیؓ کو پہنچتا تھا کیونکہ وہ

اپنے ذاتی اوصاف اور فضائل کے اعتبار سے اس لائق تھے کہ اس منصب جلیلہ پر فائز ہوتے علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ سے قرابت داری کی وجہ سے بھی وہ صحیح حق دار تھے لیکن انہیں موقع نہ دیا گیا۔ پہلے تینوں خلفاء نے شیعہ کے نقطہ نظر کے مطابق حضرت علیؑ کے حق کو نصب کیا۔ رفتہ رفتہ انہوں (شیعہ) نے ایک منظم مکتب فکر اور مذہب کی صورت اختیار کر لی۔ ان کے عقائد اور فرقوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے جداگانہ فقہ کی تدوین کی۔

۲۔ خوارج

خوارج کا گروہ جنگ صفین کے دوران اس وقت پیدا ہوا جب حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ کے مابین حکم مقرر کرنے کا معاہدہ طے پایا۔ اس وقت تک یہ لوگ حضرت علیؑ کے حامیوں میں سے تھے مگر حکیم پراچا ایک بگڑ گئے۔ وہ اس معاہدے پر مطمئن نہ تھے۔ انہوں نے ”ان الحكم الا لله“ کا نعرہ بلند کیا۔ یعنی فیصلہ کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ ان کے نزدیک انسانوں کو حکم تسلیم کرنا ناجائز تھا۔ یہ لوگ حضرت علیؑ کے لشکر سے کٹ کر علیحدہ ہو گئے۔ بلکہ کھلم کھلا مخالفت پر اتر آئے۔ وہ اپنے آپ کو سچا اور پاک مسلمان کہتے تھے اور دوسروں کو کافر کہنے کے عقیدے کا فروغ ہوا اور ان کے نزدیک غیر عادل حکومت کے خلاف خروج کرنا جزو ایمان تھا۔ وہ ایک طویل عرصے تک کشت و خون میں مصروف رہے۔ انہوں نے اپنا سطح نظریہ بنالیا کہ وہ زمین پر حکومت الہیہ قائم کر کے دم لیں گے۔

۳۔ جبریہ

جبریہ کا عقیدہ یہ تھا کہ کائنات کی باقی تمام اشیاء کی مانند انسان بھی تقدیر الہی کا پابند ہے۔ اسے اپنے فکر اور عمل پر قدرت حاصل نہیں ہے۔ جو کچھ بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی رضا سے ہوتا ہے۔ وہ انسان کو مجبور محض قرار دیتے تھے۔ جبریہ کا سب سے بڑا حامی جہم بن صفوان تھا۔

۴۔ قدریہ

قدریہ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ کیونکہ اسے متبادل راستوں میں سے کسی ایک راستے کے انتخاب کا موقع میسر ہوتا ہے۔ یہ آزادی انسان کو ذمہ دار بنا دیتی ہے۔ قدریہ کا

سب سے بڑا ترجمان معبد الجعفی تھا۔ بنو امیہ کے دور حکومت میں اس مکتب فکر پر بہت پابندیاں عائد کی گئیں لیکن اس کی طاقت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس عہد میں تقدیر کے مسئلہ کی اہمیت بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ جبریہ اور قدریہ کی یہ بحثیں مسلمانوں میں غور و فکر اور استدلال کی روش کا باعث ہوئیں۔ نقلی دلائل کے علاوہ عقلی دلائل کا رواج بھی عام ہوا۔ تعبیر و توجیہ کے اختلاف کی نئی نئی صورتیں رونما ہونے لگیں۔

۵۔ مرجہ

اس فرقہ کے خیال کے مطابق ایمان کا تعلق توحید و رسالت کے اقرار سے ہے۔ اگر ان بنیادی عقائد کو تسلیم کر لیا جائے تو عملی لغزشوں، کوتاہیوں اور گناہوں کے باوصف انسان مومن رہتا ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ظاہری اعمال کی بنا پر کسی کے جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ کرے۔ ان کا کہنا تھا کہ اعمال، ایمان کا جزو نہیں، اگر انسان گناہ کبیرہ کرے تو پھر بھی اس کا ایمان برقرار رہتا ہے۔ یہ فرقہ خوارج کے تشددانہ عقائد کے خلاف رد عمل کے طور پر ابھرا لیکن دوسری انتہا تک جا پہنچا۔

۶۔ وعید یہ

یہ فرقہ خوارج کا حامی تھا اور مرجہ کے عقائد کے برعکس تھا۔ اس فرقے نے خیال پیش کیا کہ ایمان کا تعلق محض اقرار باللسان ہی سے نہیں بلکہ تصدیق بالقلب اور اعمال حشر و نشر سے بھی ہے۔ ان کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اور جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔

درج بالا بحث کس قدر اہمیت اختیار کر گئی تھی اس کا اندازہ اس معروف واقعہ سے کیا جاسکتا ہے جو ایک روز حضرت حسن بصری کی مجلس میں رونما ہوا۔ حسن بصریؒ کے شاگردوں میں سے کسی نے استفسار کیا: کیا کبیرہ گناہ کے مرتکب کو مومن کہنا درست ہے؟ سائل کو معلوم تھا کہ حسن بصریؒ مرجہ کے حامی ہیں۔ ابھی وہ جواب دے نہ پائے تھے کہ ان کے ایک شاگرد واصل بن عطاء نے جواب دیا: ایسا شخص نہ کافر ہوگا نہ مومن بلکہ دونوں کے درمیان کی منزل میں ہوگا۔ واصل بن عطاء کا یہ جواب مرجہ کے اچھا پسند نظریات کے مابین مصالحت اور اعتدال کی روش اختیار کرنے کا ایک انداز تھا۔ اس نے اپنے عہد کے مسائل کا تجزیہ کرنے کے بعد عقل پرستی کو فروغ دیا۔ جس سے ایک نیا فرقہ وجود میں آیا جسے

معتزلہ کا نام دیا گیا۔ معتزلہ کے مختلف نام ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ معتزلہ ۲۔ اہل عدل و توحید ۳۔ اہل حق

۱۔ معتزلہ سب سے زیادہ عام اور مشہور نام ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ بغدادی کا قول ہے: ”یہ نام اہل سنت کا دیا ہوا ہے۔ اس لیے کہ مرتکب گناہ کبیرہ کے معاملہ میں یہ عام مسلمانوں کے ہم خیال نہ تھے بلکہ ان سے الگ تھے۔ ان کا عقیدہ مرتکب گناہ کبیرہ کے بارے میں یہ تھا کہ نہ وہ کافر ہے نہ مومن بلکہ کفر و ایمان کے درمیان ہے“ (۳۲۷)۔ یعنی اجماع سے الگ ہونے کی وجہ سے یہ نام دیا گیا۔

علامہ شہرستانی اس تسمیہ کا دوسرا سبب قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس مکتبہ فکر کے بانی و اصل بن عطانے جب مرتکب گناہ کبیرہ کے بارے میں حسن بصریؒ سے اختلاف کیا اور ان کی مجلس سے اٹھ گئے تو اس کے ساتھ وہ چند لوگ بھی اٹھ گئے جو اس کے ہم خیال تھے۔ واصل ان لوگوں کو لے کر مسجد کے ایک ستون کے پاس بیٹھ گیا اور اپنے خیال کی تشریح کرنے لگا اس موقع پر حسن بصریؒ نے فرمایا: ”اعتزل عنا واصل“ (واصل ہم سے الگ ہو گیا) (۳۲۸)۔ اس کے الگ ہونے کی وجہ سے اس فرقہ کو یہ نام دیا گیا۔ ان کے اس نام کے متعلق معروف مستشرق گولڈزیہر کا خیال ہے: یہ لوگ ان کے شیوخ اولین واصل بن عطاء، عمرو بن عبید مردار، جعفر بن جعفر بن مبشر، جعفر بن حرب دنیا اور اہل دنیا سے الگ تھلگ رہے اور زہد و تقشف کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس لیے معتزلہ کہلائے (۳۲۹)۔

معتزلہ بغدادی کے اس الزام کو تسلیم نہیں کرتے کہ اجماع امت سے الگ ہونے کی وجہ سے ان کو یہ نام دیا گیا۔ وہ کہتے ہیں ہم اجماع کے دائرے سے پورے طور پر وابستہ ہیں۔ امام ابن الرضیٰ الزیری السنی نے اپنی کتاب ”المہدیۃ والال“ میں بغدادی کے اس الزام کا بڑی سختی سے رد کیا ہے اور احتجاج کرتے ہوئے فرمایا ہے: معتزلہ غیروں کا دیا ہوا نہیں خود معتزلہ کا اپنا اختیار کیا ہوا نام ہے۔ وہ اپنے آپ کو دنیا سے الگ کہتے تھے اس وجہ سے یہ نام مشہور ہوا گویا انہوں نے خود اختیار کیا (۳۳۰)۔

۲۔ اہل عدل و توحید

مقبلی کی روایت ہے کہ معتزلہ نے اپنا نام ”اہل عدل و توحید“ رکھا تھا (۳۳۱)۔ امام ابن

الرتضیٰ کا بیان ہے: ”معتزلہ اپنے آپ کو عدلیہ اور موحدہ جماعت کہا کرتے تھے“ (۳۳۲)۔

۳۔ اہل حق

معتزلہ اپنے آپ کو اہل حق بھی کہتے تھے اور فرقہ ناجیہ کا لفظ بھی اپنے لیے استعمال کرتے تھے۔ اس کے برعکس معتزلہ کے مخالف انہیں طرح طرح کے ناموں سے یاد کرتے تھے (۳۳۳) جو درج ذیل ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے اور بھی نام ہیں:

- ۱۔ مجرہ: یہ جبر کے قائل ہیں۔
- ۲۔ قدریہ: یہ قدر پر اعتبار رکھتے ہیں یعنی انسان اپنے اعمال پر خود قادر ہے (۳۳۴)۔
- ۳۔ مجوزہ:
- ۴۔ مشہ: یہ خدا کے لیے وہ صفات تسلیم کرتے ہیں جو ثابت نہیں۔
- ۵۔ حشوئہ:
- ۶۔ وعیدیہ: درحقیقت وعیدیہ نام معتزلہ کا عقیدہ ”وعدو وعید“ کی بنا پر چل نکلا ہے۔ اس عقیدے پر اعتزال کی بنیاد قائم ہے (۳۳۵)۔

ظہور معتزلہ

تاریخ سے اس امر کا سراغ نہیں ملتا کہ معتزلہ کی جماعت کس سن میں ظہور پزیر ہوئی؟ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ بصرہ میں نمودار ہوئے۔ حسن بصری کے حلقے میں نشست رکھتے تھے۔ بعد میں ان سے جدا ہو گئے۔ البتہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ حسن بصری کی وفات ۱۱۰ھ/ ۷۲۸ء میں ہوئی۔ اور معتزلی کتب فکر کے جو دو حضرات مؤسس اور بانی کہے جاسکتے ہیں یعنی واصل اور عمرو بن عبید کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی۔ یہ بات کسی طرح بھی تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ بیس سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ان حضرات نے ایک فکری ادارے کی بنیاد ڈالی۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ معتزلہ دوسری صدی ہجری کے اوائل میں ظہور پزیر ہوئے۔ سال کا تعین اگر کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ ۱۰۰ھ سے ۱۱۰ھ کے مابین اس مکتبہ فکر کی داغ بیل پڑی اور ہمارے خیال مقررہ خیال سے ہم آہنگ ہے جس نے دوسری صدی ہجری میں ان کا ظہور بیان کیا ہے (۳۳۶)۔

ظہورِ معتزلہ کے عوامل اربعہ

معتزلہ کا وجود ظہور چار مختلف عوامل پر قائم ہے:

۱۔ مسلمانوں کے فکری اختلافات کا حل اور اجتماعی مشکلات و مسائل

فتوحات اور کشور کشائی کا دور جب رک گیا اور مسلمانوں نے مختلف دیار و امصار میں سکونت اختیار کی تو بہت سے نازک اور سنگین قسم کے اجتماعی مشکلات و مسائل پیدا ہوئے۔ ضروری تھا کہ مسلمان ان پر غور کرتے، ان کا حل تلاش کرتے اور وہ حل ایسا ہوتا جو روح شریعت اسلامیہ سے پورے طور پر ہم آہنگ ہوتا کیونکہ اس زمانے میں نفوس انسانی پر دین کا بڑا گہرا اثر تھا۔ وہ جو کچھ بھی کہیں یا کریں وہ تعلیمات دینی کے مطابق ہو۔ ان مسائل میں ایک مسئلہ شرک کے علاوہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب کا تھا (۳۳۷)۔

گناہ کبیرہ کے متعلق اہل سنت والجماعت کا مسلک

کہائز میں قتل اور زنا دوسرے کہائز کے مقابلہ میں زیادہ بُرے ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے۔ ہاں مگر حق پر، اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسے کام کرے گا اسے سزا سے سزا ملے پڑے گا (۳۳۸)۔ اہل سنت والجماعت شرک کے سوا مرتکب گناہ کبیرہ کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ جو مصلح اسلامیہ میں شامل ہے مومن ہے۔ اس کی یہ مصیبت کبیرہ اسے نہ ایمان سے خارج کرتی ہے نہ ہی اسے کفر کے حلقے میں داخل کرتی ہے کیونکہ وہ ہمیشہ ایمان کی تصدیق کرتا ہے۔ لہذا اسے سزا ضرور ملے گی لیکن وہ کافر نہیں ہوتا (۳۳۹)۔

اہل سنت سے خوارج کا اختلاف

خوارج نے کہا کہ مرتکب گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ کافر ہے اور ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اس لیے ان کے نزدیک بغیر عمل کے ایمان مکمل نہیں ہوتا (۳۴۰)۔ رفتہ رفتہ اس مسئلہ (مرتکب گناہ کبیرہ) نے بہت زیادہ نزاعی صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ بصرہ اور دوسرے مقامات کی مساجد میں مناظروں کے حلقے

قائم ہونے لگے۔ سب سے مشہور حلقہ حسن بصری کا تھا۔ انہوں نے اس مسئلہ کو حل کرنے کی بہت کوشش کی چنانچہ حضرت حسن بصریؒ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مرتکب گناہ کبیرہ منافق ہے (۳۳۱)۔ لیکن بغدادی نے اس قول کو کھل قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ منافق تو اس کافر سے بدرجہا بدتر ہے جو اپنے کفر کا اعلانیہ اظہار کرتا ہے (۳۳۲)۔ یہ تھی وہ فضا جس میں معتزلہ کا ظہور ہوا ہے۔

اس مرحلہ پر حضرت حسن بصری کے شاگرد واصل نے سوچا کہ وہ ایسا حل دریافت کر سکتے ہیں جو سابقہ احکام کے مقابلے میں کہیں زیادہ بہتر اور قابل قبول ہو سکتا ہے۔ واصل اس حقیقت کے رحر شناس تھے کہ عمل ایمان کا جزو ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ کتاب و سنت میں جو احکام مومنین، کافرین اور منافقین کے لیے وارد ہوئے ہیں وہ مرتکب گناہ کبیرہ پر عائد نہیں ہوتے۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مرتکب گناہ کبیرہ مومن ہے نہ کافر بلکہ کفر و ایمان کی منازل کے درمیان ہے۔ اس نے حکم لگایا کہ مرتکب گناہ کبیرہ مومن ہے نہ کافر بلکہ کفر و ایمان کی منازل کے بیچ میں ”المنزلة بین المنزلتین“ ہے اور فاسق ہے (۳۳۳)۔

۲۔ دوسرے مذاہب کا معتزلہ پر اثر

ظہور معتزلہ میں یہودی کی کارفرمائی بھی شامل ہے۔ خلق قرآن کا مسئلہ بھی انہی کا پیدا کیا ہوا تھا۔ خطیب بغدادی نے ذکر کیا ہے کہ بشر الریسی (م ۲۱۸ھ) جو مرجعہ تھا اور معتزلی بھی، خلق قرآن کا سب سے بڑا داعی تھا (۳۳۴)۔ ابن قتیہ کی ایک روایت ہے کہ خلق قرآن کی بات جس منہ سے سب سے پہلے نکلی وہ مغیرہ بن سعید الجعفی تھا یہ عبداللہ بن سبا کے اتباع میں سے تھا (۳۳۵)۔

مذاہب غیر میں سب سے زیادہ جو مذہب اعتزال پر اثر انداز ہوا وہ مسیحیت تھا۔ خاص طور پر عجمی دمشق جیسا شخص تو اثر ڈالے بغیر رہی نہیں سکتا تھا۔ یہ کلیسائے شریق کا سب سے بڑا عالم مانا جاتا تھا اور مشرق کی مسیحی دنیا میں علم کلام کے ماہر کی حیثیت سے بھی یہ بہت اونچا مقام رکھتا تھا (۳۳۶)۔

اہل کتاب کی جانب سے اسلام کو کسی طرح کا خطرہ لاحق نہیں تھا اس کا ثبوت یہ ہے کہ قرآن نے ان کے ساتھ حسن معاملہ کا حکم دیا ہے اس طرح احادیث نبوی ﷺ سے ثابت ہے کہ انہیں کوئی ایذا نہ پہنچائی جائے نہ ان پر کسی طرح کی زیادتی کی جائے (۳۳۷)۔ یہود و قوم ہے جس نے سختی کے ساتھ

اسلام کی مخالفت کی اس کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں ”تمام آدمیوں سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والے آپ ﷺ یہود اور مشرکین کو پائیں گے“ (۳۳۸)۔ رہے اہل فارس تو ان کا معاملہ ہی اور ہے۔ اہل فارس صدیوں تک کار حکومت و سلطانی انجام دے چکے تھے۔ عربوں سے یہ قومیت، زبان اور مذہب میں یکسر مختلف تھے۔ یہ اپنے آپ کو عربوں سے زیادہ مذہب اور اعلیٰ و ارفع سمجھا کرتے تھے۔ عراق و یمن کے عربوں کی بہت بڑی جمعیت اسلام سے پہلے ان کے ماتحت اور باج گزار رہ چکی تھی۔ یہ مسلمانوں کے خلاف کینہ رکھتے تھے کہ انہوں نے ان کا تحفیہ حکومت الٹ دیا لہذا ان کی سرگرمیوں کا محور یہ تھا کہ مسلمانوں کی سیاسی بالادستی کا خاتمہ کیا جائے اور دین اسلام میں فساد اور رخنہ پیدا کیا جائے (۳۳۹)۔

۳۔ معتزلہ کی طرف سے دین کی نصرت و حمایت

دین کی نصرت اور حمایت میں معتزلہ برابر سرگرم رہے۔ مخالفین اسلام کا مقابلہ کرنے اور ان کے اقوال و دلائل کا رد کرنے والا معتزلہ کے سوا خلفاء کو دوسرا کوئی نہیں ملا۔ خلیفہ مامون الرشید اویان غیر اور معتزلہ کے مابین مناظرہ بھی کرایا کرتا تھا۔ ان مناظروں میں معتزلہ مخالفین کو لا جواب کر دیتے تھے۔ انہوں نے دین اسلام کی تبلیغ میں جوش و خروش کا مظاہرہ کیا اور بہت سے لوگوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنا دیا (۳۵۰)۔

ان سب باتوں سے یہ امر واضح ہے کہ معتزلہ نے اپنے آپ کو دین اسلام کے دفاع اور دشمنان دین کے رد اور مقابلے کے لیے وقف کر دیا۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ معتزلہ کے اعمال تہشیر، تبلیغ و دفاع دین کے بارے میں آدمی جو کچھ پڑھتا ہے وہ شافی نہیں بلکہ جو معلومات حاصل ہوتی ہیں ان کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ جملائے شک و ریب ہو جاتا ہے (۳۵۱)۔

۴۔ معتزلہ اور علم فلسفہ (دشمن کے اسلحہ سے مقابلہ)

معتزلہ نے عقائد اسلامیہ کے دفاع اور اسلام کی تبلیغ و تہشیر کی مہم شروع کی جب انہوں نے مخالفین اسلام سے تعرض کرتے ہوئے ان سے مناظرے کا سلسلہ شروع کیا تو انہوں نے محسوس کیا کہ

حریف جدل و مناظرے پر غیر معمولی عبور رکھتا ہے۔ علوم عقلیہ اور فلسفہ میں انہیں مہارت حاصل ہے۔ معزلہ نے ایسے مدارس قائم کیے۔ جہاں فلسفہ اور دوسرے علوم کی تعلیم کا مکمل انتظام کیا (۳۵۲)۔

فلسفی اصولوں پر دینی عقائد

معزلہ کے لیے یہ بات بآسانی ممکن ہو سکی کہ اپنے دینی عقائد کو فلسفی اصول پر مرتب کریں اور منطقی و دقیق کلام سے کام لیں اور مناظرے میں مہارت حاصل کر لیں۔ معزلہ نے اس فلسفہ پر اپنی ساری توجہ مرکوز کر دی تاکہ دشمن کا مقابلہ اسی ہتھیار سے کر سکیں۔ اس بات نے خلیفہ منصور کو اس امر پر آمادہ کیا کہ غیر زبانوں کی کتب کا ترجمہ عربی میں کرایا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

فلسفہ بجائے خود مقصود نہ تھا لیکن معزلہ نے اصول فلسفہ کی طرف توجہ اس لیے مبذول نہیں کی تھی کہ انہیں فلسفے سے خود کوئی دلچسپی تھی بلکہ انہوں نے دین اسلام کے مخالفین کا رد کرنے کے لیے بطور خاص فلسفہ سے کام لیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہاں سے تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا یہ دور خود معزلہ سے متعلق تھا۔ فلسفے نے ان کی زندگی کو ایک عظیم انقلاب سے دوچار کر لیا وہ رفتہ رفتہ فلسفے سے بحیثیت فلسفہ دل چھٹی لینے لگے اور ان سے ان کی وابستگی بڑھتی گئی۔ غیر محسوس طور پر معزلہ اپنے اہداف دینی سے دور ہوتے چلے گئے (۳۵۳)۔

معزلہ کے اصول خمسہ (عقائد و نظریات)

ابو الحسین خیاط اپنی کتاب ”الاختصار“ میں لکھتے ہیں کوئی شخص جب تک ان اصول خمسہ کا معتقد نہ ہو معزلہ کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا (۳۵۴)۔

۱۔ توحید

توحید فرقہ معزلہ کا جوہر، غلامہ اور روح ہے۔ امام ابو الحسن اشعری اپنی کتاب ”مقالات الاسلامیین“ میں توحید کے بارے میں معزلہ کا مذہب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ خدا ایک ہے۔ ”لیس کمثله شیء۔ وهو السميع البصیر“ (۳۵۵)۔

ان کا عقیدہ تھا اللہ تعالیٰ نہ جسم رکھتا ہے نہ صورت، خون بھی نہیں ہے، گوشت بھی نہیں ہے، نہ

جو ہر ہے نہ عرض نہ اس کا رنگ ہے نہ ذائقہ نہ خوشبو، اسے چھوا بھی نہیں جاسکتا۔ زمانہ اس پر حاوی نہیں ہو سکتا نہ اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ لامتناہی ہے اسے ناپا بھی نہیں جاسکتا۔ وہ مختلف جہات میں سایا ہوا ہے۔ اس پر فنا بھی طاری نہیں ہو سکتی۔ نہ اس میں کسی طرح کی کوتاہی یا کمی ہے (۳۵۶)۔ ابو الہدیل علاف نے اس عقیدے کی صراحت کرتے ہوئے کہا خدا کی صفات اس کی ذات کا جزو ہیں۔ صفات ہی ہیں جن کی وجہ سے خدا وہ ہے جو وہ ہے۔ صفات خدا کا عین ہیں۔ وہ اس کی ذات میں موجود ہیں۔ معتزلہ نے ذات و صفات کے اس مسئلے پر منطقی موفقانوں کو کچھ اس طرح آگے بڑھایا کہ خدا کا عمومی تصور دب کر رہ گیا۔ ردیّت باری تعالیٰ کے متعلق ان کا یہ خیال ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ان آنکھوں سے آخرت میں بھی نہیں دیکھ سکیں گے۔ حالانکہ اس کے متعلق صحیح بخاری کی احادیث میں صراحت موجود ہے کہ ہم اللہ کو اس طرح دیکھیں گے جیسے چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہیں (بخاری الجامع الصحیح، کتاب التوحید)۔ قرآن مجید کو معتزلہ مخلوق سمجھتے تھے۔ حالانکہ مسلمانوں کا واضح عقیدہ تھا کہ قرآن غیر مخلوق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کلام مصطفیٰ خداوندی ہے لیکن معتزلہ اسے مخلوق سمجھتے تھے۔

عقیدہ توحید کے نتائج

معتزلہ اسی اصول کے پیش نظر قیامت کے دن ردیّت باری تعالیٰ کو محال سمجھتے تھے کیونکہ اس سے خدا کی جسمانیّت اور جہت لازم آتی ہے۔ نیز یہ کہ صفات ذات سے غیر نہیں۔ اس پر بنیاد رکھتے ہوئے وہ قرآن کو مخلوق سمجھتے تھے کیونکہ وہ مصطفیٰ کلام کو خدا کی صفت قرار نہیں دیتے تھے۔

۲۔ عدل

مورخ شہیر مسعودی ”مروج الذهب“ میں عدل کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا فساد کو نہیں چاہتا نہ افعال العباد کو پیدا کرتا ہے۔ لوگ اللہ کے امر کو بجالاتے ہیں۔ اس کے منہیات سے رُک جاتے ہیں تو یہ اس قدرت کے باعث ہے جو اللہ نے انہیں ودیعت کر رکھی ہے۔ خدا وہی حکم دیتا ہے جس کا ارادہ کرتا ہے اور اسی بات سے روکتا ہے جسے بُرا سمجھتا ہے۔ ہر نیکی جس کا اس نے حکم دیا ہے اس کی پسندیدہ ہے ہر وہ برائی اچھی نہیں ہے جس سے اس نے روکا ہے۔ وہ ہر چیز کا مالک ہے جس سے چاہتا ہے لے لیتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو مخلوق کو اپنی اطاعت پر مجبور کر سکتا ہے۔ اگر

اس کی مرضی ہو تو لوگ کبھی کسی معصیت کے پاس نہ پہنچتے۔ بے شک وہ اس پر قادر تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اگر ایسا کرتا تو پھر بندوں کی آزمائش نہیں ہو سکتی (۳۷۷)۔

قانون عدل سے معتزلہ دراصل جھپے کے اس نظریہ کی تردید کرنا چاہتے تھے کہ بندہ اپنے فعل میں معذور نہیں۔ لہذا اس کو ذمہ دار قرار دینا ظلم ہے کیونکہ اس کا کوئی مطلب نہیں کہ ایک شخص کو کسی بات کا حکم دیا جائے اور پھر آ مرعی اس کی مخالفت پر مجبور کرے ورنہ کسی فعل سے روکنے کا کچھ مطلب نہیں۔ اس بنا پر معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہے اور خدا خالق افعال نہیں۔ بلکہ انسان اپنے افعال میں آزاد ہے اور اپنے اچھے اور بُرے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ جو انسان کی قدرت اور اختیار کا انکار کرتا ہے وہ دراصل خدا کی توہین کا مرتکب ہوتا ہے۔

۳۔ وعد اور وعید

معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ وعد و وعید لامحالہ وقوع پذیر ہوں گے۔ خدا نے جو ثواب کا وعدہ کیا اور سزا کی جو دھمکی دی وہ پوری ہو کر رہے گی۔ اس نے تو بہ کی قبولیت کا جو وعدہ کیا ہے وہ بھی پورا ہوگا۔ جو نیک کام کرے گا جزا پائے گا۔ اس طرح بدکار کو سزا دی جائے گی۔ کہاؤ بلا تو بہ معاف نہیں ہوتے۔ نہ نیکی کرنے والا جزا سے محروم رہتا ہے۔ اس سے ان کا مقصد فرقہ مرجیہ کی تردید کرنا تھا جن کا نظریہ یہ ہے کہ ایمان کی موجودگی میں معصیت سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ جس طرح کفر کے ہوتے ہوئے طاعت اور عبادت کا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر مرجیہ کی یہ بات صحیح ہوتی تو خدا کی وعید بے اثر ہو جاتی۔

۴۔ المنزلة بین المؤمنین (کفر و اسلام میں درمیانہ درجہ)

معتزلہ کے اس نظریہ کی توجیہ کرتے ہوئے شہرستانی لکھتے ہیں: واصل بن عطاء کا قول کہ ایمان عمارت ہے خصالِ خیر سے جب یہ کسی شخص میں موجود ہو تو وہ مومن ہے اور مومن ایک تو صلی نام کا مستحق نہیں۔ پس اسے مومن بھی نہیں کہا جائے گا۔ مگر اسے کافر بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ کلمہ شہادت کا قائل ہے اور دوسرے اعمالِ خیر بھی اس میں موجود ہیں جن سے انکار نہیں کیا جاسکتا اگر وہ دنیا سے اس طرح رخصت ہو کہ کسی گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو چکا ہو اور تو بہ نہ کی ہو تو وہ دوزخی ہے اور ہمیشہ جہنم میں رہے گا کیونکہ آخرت میں صرف دو ہی فریق ہوں گے ایک فریق تو جنت میں ہو گا دوسرا جہنم میں۔ البتہ اس

کے ساتھ یہ رعایت کی جائے گی کہ عذاب کچھ کم کر دیا جائے اور اسے کافروں سے ایک درجہ اوپر رکھا جائے گا۔ گو ان کا عقیدہ یہ ہے کہ مرکب کھانہ نہ مومن ہے نہ مسلم لیکن اس کے لیے لفظ ”مسلم“ کا اطلاق جائز خیال کرتے ہیں تاکہ اہل ذمہ اور بیعت پرستوں سے اسے ممتاز کیا جاسکے۔ لہذا یہ لفظ مرکب کھانہ کے لیے ایسی احتیاط سے استعمال کیا جائے کہ اس سے اس کی تعظیم، ثنا اور مدح نہ سمجھی جائے (۳۵۸)۔

۵۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر

یہ معزلہ کے اجماعی اصولوں میں سے پانچواں اصول ہے معزلہ کے نزدیک امر بالمعروف ونہی عن المنکر سب مومنوں پر واجب ہے تاکہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا فریضہ انجام دیا جائے اور ان لوگوں کے حلوں کی روک و تھام کی جائے جو حق و باطل کو ملا تے اور مسلمانوں میں فساد برپا کرتے تھے۔ خلافت میں الحاد و زندقہ کا جو ایسا فساد اٹھا اور جس نے حقائق اسلامیہ کی بنیادوں کو حائل کر کے رکھ دیا۔ معزلہ محدثین و فقہاء کے خلاف بھی اٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ اپنے مخالفین کے بارے میں یہ یقین رکھتے تھے کہ انہوں نے فعل منکر کا ارتکاب کیا ہے۔ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ اپنے عقائد و نظریات کو طاعت کے ساتھ تسلیم کر دانا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ نہایت ضروری ہے۔ انہوں نے اسی بنا پر ریاست کے اقتدار کو استعمال کیا اور مخالفین پر ہر قسم کی سختیاں کیں اور اپنے مخالفین جن میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ جیسے محدث و فقیہ تھے پر عرصہ حیات تک کرنے کی کوشش کی۔

کسی نے ان کے پانچوں اصولوں کو و شعروں میں بیان کیا ہے:

اصولهم فی العدل والتوحید والامر بالمعروف والوعید
ومنزل لصاحب البیرہ معلق والخلد فی الاخیرہ (۳۵۹)

معزلہ کے فرقے

معزلی لوگ دوسروں کے پیچھے چلنے اور تقلید کے قائل نہ تھے۔ خود سوچ و بچار کے عادی تھے۔ ان کو حقیقت سے کوئی غرض نہ تھی۔ ان کی روش کا محور یہ تھا کہ اصول دین میں اجتہاد سے کام لینے کا ہر شخص مکلف ہے اور اسی وجہ سے یہ فرقہ بہت ذیلی فرقوں میں بٹ گیا۔ عام طور پر ہر فرقہ اپنے رئیس کے نام منسوب ہوا۔

۱۔ واصلیہ

فرقہ واصلیہ واصل بن عطا الغفرال (۸۰-۱۳۱ھ/۶۹۹-۷۷۸م) کے اتباع پر مشتمل ہے۔ واصل ہی کو فقہ معتزلہ کا بانی مانا جاتا ہے۔ یہی اس فرقہ کا سب سے پہلا سردار اور رئیس تھا (۳۶۰)۔ یہی حسن بصریؒ سے کھار کے متعلق اختلاف کر کے الگ ہو گیا۔ معتزلہ کے اصول خمسہ اسی کی ایجاد ہیں۔

۲۔ العمریہ

اس فرقے کے لوگ عمرو بن عبید بن باب (۸۰-۱۴۳ھ/۶۹۹-۷۷۱م) کے قبیح تھے یہ واصل بن عطاء کا ہم عصر تھا۔ واصل کی موت کے بعد وہ شیخ معتزلہ قرار پایا (۳۶۱)۔ اس نے کوئی نئی رائے پیش نہ کی بلکہ یہ واصل کا ہم نوا تھا۔ واصل نے اپنی بہن کا اس سے نکاح کر دیا۔ احادیث کے رد کرنے کے متعلق (واصل) کا مخالف تھا۔ وہ صحابہ کے متعلق خصوصاً حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت طلحہؓ کے متعلق واصل کی طرح بدگمانی نہ کرتا تھا۔

۳۔ ابولہدیہ

اس فرقے کے پیر و اصحاب ابولہدیہ یل محمد بن الہدیہ یل المعروف علاف (۱۳۵-۲۳۶ھ/۷۵۲-۸۳۰م) ہیں۔ یہ پھرہ کے معتزلہ کے شیخ مانے جاتے تھے (۳۶۲)۔ اس نے فلسفہ یونان کا مطالعہ کیا تھا اور اس سے متاثر تھا۔ اس کے کئی احوال فلسفہ یونان سے لیے گئے ہیں۔

۴۔ النظامیہ

اس فرقے کے اصحاب ابواسحاق ابراہیم بن سیار النظام (م ۲۳۱ھ/۸۴۵م) کے پیر و تھے۔ نظام، ابولہدیہ یل علاف کا شاگرد تھا۔ نظام کو بہت سے مسائل میں دوسرے معتزلہ سے انفرادیت حاصل ہے (۳۶۳)۔

۵۔ الثمامیہ

اس فرقے کے رئیس ثمامہ بن اثرس الثمیری (م ۲۱۳ھ/۸۲۸م) تھے۔ اس کا خیال تھا کہ مسلمانوں سے جو آدمی ایک گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر کے مر گیا وہ ہمیشہ جہنم میں فرعون اور ابولہب کے

ساتھ رہے گا (۳۶۳)۔

۶۔ المعمریہ

اس فرقے کے لوگ معمر بن عباد السلمی (م ۲۲۰ھ/۶۳۵ء) کے قبیح تھے۔ شہرستانی نے معمر کے بارے میں کہا ہے کہ یہ شخص نفی صفات اور نفی قدر کے اعتبار سے معتزلہ میں بہت بڑا اور بلند مقام رکھتا ہے (۳۶۵)۔

۷۔ البشریہ

اس فرقے کے لوگ اصحاب بشر بن معتمر (م ۲۲۶ھ/۸۴۰ء) یکے از فاضل علماء معتزلہ ہیں۔ اس کا شمار بغداد کے رؤساء میں ہوتا تھا۔

۸۔ البشامیہ

یہ لوگ بشام بن عمرو الفوطی (م ۲۲۶ھ/۸۴۰ء) کے پیرو ہیں۔ بشام نے بہت سے مسائل پر الگ اور منفرد رائے قائم کی (۳۶۶)۔

۹۔ المرداریہ

اس فرقے کے لوگ ابو موسیٰ المردار صلیٰ بن صبیح الکوئی الزہاد کے پیرو ہیں۔ المردار کے اقوال الگ نظر نہیں آتے وہ اکثر و بیشتر مسائل میں اپنے استاد بشر بن معتمر کی تائید کرتے ہیں (۳۶۷)۔

۱۰۔ الجعفریہ

یہ لوگ جعفر بن بشر اشعری (م ۲۳۴ھ/۸۴۸ء) اور جعفر بن حرب الہمدانی (م ۲۳۶ھ/۸۵۰ء) کے قبیح ہیں۔ یہ دونوں معتزلی بغداد کے تھے اور علماء کلام میں ان کا شمار ہوتا تھا (۳۶۸)۔

۱۱۔ الاسواریہ

یہ لوگ علی الاسواری (م ۲۳۴ھ/۸۵۳ء) کے پیرو ہیں۔ علی الاسواری کے اہم اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ وہ قدرت الہی کی تحدید کرتے ہیں (۳۶۹)۔

۱۲۔ الاسکافیہ

یہ لوگ اصحاب محمد بن عبداللہ الاسکانی (م ۲۳۰ھ/۸۵۳ء) ہیں۔ ان کا شمار معتزلہ کے اہل زہد و تقویٰ میں تھا (۳۷۰)۔

۱۳۔ الحاکمیہ والحدیثیہ

اس فرقے کے لوگ احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ/۸۴۶ء) اور ان کے رفیق فضل الحدیثی (م ۲۵۷ھ/۸۷۰ء) کے پیرو ہیں۔ ان دونوں حضرات نے ایک مستقل فرقے کی بنیاد ڈالی جو اپنے عجب اقوال (۳۷۱) میں اتنا غیر معمولی ہے کہ بغدادی نے اس کو خالی فرقوں میں شمار کیا اور تمام معتزلی فرقوں سے الگ ایک جداگانہ حیثیت دی ہے (۳۷۲)۔

۱۴۔ الموسیسیہ

اس فرقہ کے لوگ موسیٰ (م ۲۳۶ھ/۸۶۰ء) کے قبیح تھے (۳۷۳)۔

۱۵۔ الصالحیہ

یہ صالح قبہ (م ۲۳۶ھ/۸۶۰ء) کے اصحاب تھے اور اسی تاریخ میں اس فرقے سے متعلق بھی کوئی قابل ذکر مواد دستیاب نہیں ہے (۳۷۴)۔

۱۶۔ الجاحظیہ

یہ لوگ عمرو بن بحر الجاحظ (م ۲۵۵ھ/۸۶۸ء) کے قبیح ہیں۔ جاحظ کے بارے میں ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ یہ شخص آخر الحاکمین تھا اور جہت اور دلیل کے لحاظ سے ان اصحاب سے بڑھا ہوا تھا (۳۷۵)۔ اس نے ادب کی بعض کتابیں لکھیں، مثلاً البلاء، کتاب الخیو ان، البیان والتبيين۔

۱۷۔ الشحامیہ

شحامیہ فرقے کے لوگ ابو یعقوب الشحام (م ۲۶۷ھ/۸۸۰ء) کی تقلید اور پیروی کرتے تھے۔ بصرے میں جو معتزلی تھے شحام ان کا رئیس تھا (۳۷۶)۔

۱۸۔ الخياطية

اس فرقے کے لوگ ابو الحسن الخياط (م ۳۰۰ھ/۹۱۲ء) کے پیر و ادرتے ہیں یہ بغداد کا رہنے والا تھا۔ (۳۷۷)۔ اس نے کتاب ”الاختصار“ لکھی۔

۱۹۔ البجائيه

ابو علی محمد بن عبدالوہاب البجائی (م ۳۳۰ھ/۹۱۵ء) ابو یعقوب الشحام کے تلامذہ میں سے تھا۔ یہ بصرے کے معتزلہ میں سے تھا۔ (۳۷۸)۔

۲۰۔ الکعبية

یہ لوگ ابو القاسم عبداللہ الکعبی (م ۳۱۹ھ/۹۳۱ء) کے پیر و ادرتے ہیں۔ کعبی خياط کا شاگرد تھا۔ (۳۷۹)۔ نئی صفات میں اس نے افراط سے کام لیا۔

۲۱۔ البشمية

اس فرقے کے لوگ ابو ہاشم عبدالسلام بن ابی علی البجائی (م ۳۳۱ھ/۹۳۲ء) کے پیر و ادرتے ہیں۔ (۳۸۰)۔ اپنے باپ کے بعد بصرہ کے معتزلہ کا رئیس تھا۔

۲۲۔ الحماریہ

یہ عسکر کرم کی ایک معتزلہ جماعت تھی۔ اس جماعت کا کوئی خاص مذہب و مسلک نہیں تھا۔ (۳۸۱)۔ عسکر کرم ایک جگہ ہے جو خوزستان کے قریب ہے۔ یہ بصرہ اور فارس کے درمیان ہے۔ اس فرقہ کے کسی بانی کا علم نہیں ہے۔

معتزلہ کا اقتدار

شروع شروع کے قدریہ پچارے بدقسمت تھے جنہوں نے اسع اسلامیت کی برہمی اور ناراضگی مول لی اور مختلف اذیتوں کے شکار بنے۔ جب قدریہ نے معتزلہ کا روپ دھار لیا تو انہوں نے یہ کمزوری محسوس کر لی اور جان لیا کہ جب تک قوت و طاقت اور شوکت و حشمت نہ حاصل کر لیں زندہ نہیں

رہ سکتے۔ یہی ایک چیز ہے جس پر وہ بھروسہ کر سکتے ہیں۔ لہذا انہوں نے سوچا کہ برسرِ اقتدار جماعت سے ربط اور صلہ قائم کرنا چاہیئے اور وہ لوگ جو سب کچھ کر سکتے ہیں انہیں اپنی طرف مائل کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تدابیر سوچتے رہے اور بالآخر کامیاب بھی ہوئے (۳۸۲)۔

معتزلہ کامیوں پر اثر

اس پروگرام کے بعد معتزلہ نے خلفاء کے گرد اپنا جال بھنا شروع کیا اور انہیں اسیر کرنے کی تدبیریں کرتے رہے معتزلہ یا قدریہ، یزید بن ولید بن عبدالملک کے اردگرد رہنے لگے (۳۸۳)۔ طبری کا بیان ہے ”یزید قدری تھا“ (۳۸۴)۔ ”مروج الذهب“ میں ہے ”یزید نے معتزلہ کے اصول غمہ تسلیم کر لیے تھے“ (۳۸۵)۔

معتزلہ یزید بن ولید کو ریاست و صدارت میں عمر بن عبدالعزیز پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ یزید معتزلہ سے اس درجہ متاثر ہو چکا تھا کہ بہت جلد انہوں نے اس کے حراج پر قابو حاصل کر لیا۔ مگر سیاست میں داخل ہو گئے اور یہ دخل صرف لکری نہیں بلکہ عملی تھا۔ اور جب یزید بیمار پڑا تو معتزلہ نے اسے ترغیب دی کہ اپنے بھائی ابراہیم کے لیے ولی عہدی کی بیعت اور ابراہیم کے بعد عبدالعزیز بن حجاج ابن عبدالملک کی ولی عہدی کی بیعت لے۔ معتزلہ برابر اسے اس بات پر اکساتے رہے اور اسے یہ کہتے رہے اس کے لیے مناسب نہیں کہ تخت غیر طے شدہ چھوڑ جائے۔ چنانچہ اس نے ان دونوں کی ولی عہدی پر بیعت لے لی (۳۸۶)۔

قدریہ نے مروان بن محمد کو اعتماد میں لینے کی پوری کوشش کی جو بنی امیہ کا آخری فرمانروا تھا (۳۸۷)۔ مروان خلیفہ حکومت پر پہنچنے کے کچھ عرصے بعد فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن گیا۔ اس کے خلاف خروج اور بغاوت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہشکان بنی عباس نے بغاوت کی اور بالآخر بہت عبرت انگیز طور پر ان کے ہاتھوں قتل ہوا (۳۸۸)۔

معتزلہ اور عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور

امویوں کا دور جب ختم ہو گیا اور عباسی برسرِ اقتدار آئے تو معتزلہ ان کی طرف جھک گئے اور ابو جعفر منصور کی نیاز مندی کو اپنا شعار بنا لیا۔ عمرو بن عبید، منصور کا اس وقت سے دوست تھا جب ابھی وہ

خلیفہ نہیں بناتا تھا۔ منصور اس کا بہت احترام کرتا تھا۔ ایک مرتبہ عمرو، منصور کے پاس آیا اسے وعظ و نصیحت کی، ایسی باتیں کہیں کہ اسے رُلا دیا اسی زمانے ہی سے معتزلہ نے ابھرنا شروع کر دیا (۳۸۹)۔

مہدی اور معتزلہ

خلیفہ مہدی بن منصور کے زمانے میں معتزلہ کی آواز کچھ دہی رہی کیونکہ مہدی زندہ قہ اور مخالفین کے لیے نہایت سخت گیر اور تشدد واقع ہوا تھا۔ ۱۶۷ھ میں اس نے ایسے لوگوں کی تلاش و جستجو شروع کی اور ایسے لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر پکڑا اور بعضوں کو موت کے گھاٹ اتارا (۳۹۰)۔

ہارون اور معتزلہ

خلیفہ ہارون الرشید (۱۷۰ھ-۱۹۳ھ) کا دور شروع ہوا تو معتزلہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ پھر سے یہ لوگ نمودار ہونا شروع ہو گئے اور حصول اقتدار کے لیے کوشش میں لگ گئے۔ کہا جاتا ہے ابن سناک نے ایک مرتبہ ہارون الرشید کو ایسی نصیحت کی کہ اسے دہشت زدہ کر دیا (۳۹۱) اور جب شامہ بن اشرس بغداد آیا تو اسے بھی ہارون کا قرب حاصل ہو گیا۔ اس سے قبل محبِی، مہدی کے ماموں یزید بن منصور کے لڑکوں کا اتالیق رہ چکا تھا۔ خاص طور پر ہارون رشید کو اتنا زیادہ متاثر کر دیا کہ اس نے اسے اپنے بیٹے کا اتالیق بنادیا (۳۹۲)۔ لیکن ابھی ان میں اتنی قوت نہ تھی کہ اپنے خیالات کی علی الاعلان تبلیغ کر سکتے تھے اور اپنی آراء کا اظہار کرتے۔ اس لیے کہ ہارون امور دین میں محتاط اور سخت واقع ہوا تھا۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ اس کے سامنے ذکر کیا گیا کہ بشر بن المرسی خلق قرآن کا قائل ہے تو اس نے کہا ”خدا کی قسم اگر وہ میرے ہاتھ آیا تو اس طرح قتل کروں گا کہ آج تک میں نے کسی کو اس طرح قتل نہیں کیا ہوگا“۔ پھر بھی مہد رشید میں معتزلہ نے اہمیت حاصل کر لی تھی اور ان کا مستقبل تابناک نظر آنے لگا (۳۹۳)۔

امین الرشید اور معتزلہ

امین جدا گانہ طبیعت رکھتا تھا۔ امین میں نہ مہمیت کا جذبہ زیادہ تھا۔ ایک دفعہ پھر معتزلہ ہار گاہ خلافت سے محروم ہو گئے اس لیے کہ وہ مسائل دین میں اپنے باپ سے زیادہ سخت اور بے لچک واقع ہوا

تھا۔ اس نے زعمیوں کو جیل میں ٹھوس دیا اور شراہیوں کو عبرت انگیز سزائیں دیں (۳۹۳)۔

مامون اور معتزلہ

خلیفہ مامون الرشید نے معتزلہ کی بالادستی قبول کر لی۔ بعض کہتا ہیں معتزلہ کا وہ غیر معمولی احترام کرتا تھا مثلاً شمامہ بن اشرس۔ آخر کار فوت یہاں تک آ پہنچی کہ وہ معتزلہ کا مکمل ہموا بن گیا۔ ان کے افکار و آراء سے اس درجہ متاثر ہوا کہ ان کے اصول اس نے اپنائے (۳۹۵)۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ شمامہ بن اشرس تھا جس نے مامون کو گمراہ کیا اور اعتزال کے راستے پر ڈالا (۳۹۶)۔

مامون علم و فلسفہ کا رسیا تھا ادب سے اسے بھی بہت زیادہ دل چسپی تھی۔ مناظرے کی مجلسیں اسے بہت مرغوب تھیں۔ اس کے زمانے میں معتزلہ ہی کی وہ جماعت تھی جو علم اور فلسفے کی شائق تھی۔ رفتہ رفتہ ان کے اصول اس کا ایمان بن گئے ان کا مذہب اس کا مذہب بن گیا۔

مامون جو علماء کی طرف میلان رکھتا تھا وہ شمامہ اور ابو الہذیل دونوں سے بہت متاثر تھا۔ معتزلہ کو حصول اقتدار کا خدا داد موقع مل گیا۔ انہوں نے اپنے اصول مامون کو تلقین کیے اور اسے باور کرا دیا کہ یہ حق مبین ہیں۔ قاضی احمد بن ابی داؤد کا مامون سے ربط ۲۰۴ھ میں قائم ہوا۔ انہیں سکتی بن اٹم نے ایک جماعت علماء کے ساتھ مامون کے پاس اس لیے بھیجا تا کہ اس کی مجلس میں حاضر رہا کریں۔ مامون قاضی احمد بن ابی داؤد کو پا کر بہت خوش ہوا (۳۹۷)۔

ابن ابی داؤد نے اپنی چرب زبانی اور علم سے مامون کو ایسا گرویدہ بنالیا کہ رفتہ رفتہ وہ اس پر چھا گیا اور اسے خلق قرآن کا قائل کر لیا۔ اور اسے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اس مسئلے کے سلسلے میں لوگوں کو قائل کرے۔ تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ تھا ابن ابی داؤد ہی اس مصیبت کا ذمہ دار ہے جو اس سلسلہ میں لوگوں پر نازل ہوئی۔ خطیب بغدادی اور سبکی کی بھی یہی رائے ہے (۳۹۸)۔

عقیدہ خلق قرآن کا اظہار

مامون نے خلق قرآن کے عقیدے کا اظہار ۲۱۲ھ میں کیا۔ لیکن لوگوں پر اس کو مسلط کرنے کی کوشش ۲۱۸ھ تک نہیں کی۔ اسی سال وہ دمشق پہنچا اور وہاں کے لوگوں کو عدل و توحید کے سلسلہ میں جملائے امتحان رکھا۔ پھر وہ رقبہ پہنچا اور یہاں سے ایک فرمان اسحاق بن ابراہیم بغداد کے کو تو ال شہر کے

نام بھیجا کہ وہ اس سلسلے میں قاضیوں، گواہوں اور محدثین کا امتحان لے (۳۹۹)۔

علماء حق کا امتحان

اسحاق بن ابراہیم نے ایک فقہاء کی جماعت کو طلب کیا۔ جس میں اپنے وقت کے محدثین میں سے احمد بن حنبل بھی تھے۔ انہیں دوسرے مامون کا فرمان سنایا پھر ایک ایک کر کے سب کو جانچا۔ ان میں سے ہر ایک نے جواب دیا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور خاموشی اختیار کر لی اس سے آگے کچھ نہ کیا۔ البتہ ابن البرکاء الاکبر نے کہا ”اور قرآن بھول ہے“۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”انما جعلنا قرآن عربیاً“ نیز قرآن حدیث بھی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”ما یتاہم من ذکر من ربہم محدث“ (الانبیاء ۲)۔ اسحاق نے پوچھا ”کیا بھول کا مطلب مخلوق ہے“۔ ابن البرکاء نے کہا ”ہاں بے شک“۔ اسحاق نے دریافت کیا ”تو پھر قرآن مخلوق ہے“۔ ابن البرکاء نے جواب دیا میں مخلوق نہیں کہہ سکتا۔ بھول کہتا ہوں (۴۰۱)۔

اسحاق نے ان سب سے پوچھ کچھ کرنے کے بعد ہر ایک کا قول مامون کو لکھ بھیجا۔ نو دن بعد مامون کا جواب آیا۔ اس نے لکھا کہ قرآن کو قدیم جاننا کفر صریح اور شرک محض ہے۔ پھر اس نے لکھا ان سے پوچھنے کے بعد جو توبہ کر لے اس سے درگزر کر لیا جائے۔ جو لوگ اپنے شرک پر ڈٹے رہیں انہیں رسیوں میں جکڑ کر روئے بھیج دیا جائے تاکہ امیر المؤمنین ایک مرتبہ بہ نفس نفیس ان سے حجت تمام کر لیں۔ اس کے بعد بھی اگر یہ لوگ اپنے قول پر قائم رہے اور توبہ نہ کی تو سب کی گردنیں اڑا دی جائیں (۴۰۲)۔

اسحاق نے ان فقہاء کو ایک بار پھر طلب کیا۔ انہیں خلیفہ کا مکتوب سنایا۔ اس مرتبہ سب نے اقرار کر لیا کہ قرآن مخلوق ہے۔ صرف چار آدمی ایسے تھے جو اپنے قول پر برقرار رہے۔ امام احمد بن حنبلؒ، محمد بن نوح، القواریری اور سجادہ، اسحاق نے انہیں بیڑیوں میں جکڑ کر قید کر لیا۔ دوسرے دن پھر بیڑیوں میں گھسیٹے ہوئے حاضر کیا گیا۔ اس مرتبہ القواریری نے اقرار کر لیا کہ قرآن مخلوق ہے۔ چنانچہ انہیں آزاد کر دیا گیا۔ باقی تینوں اصحاب اپنے قول پر قائم رہے۔ اس کے بعد سجادہ نے بھی قرآن کو مخلوق تسلیم کر لیا۔ اب دونوں باقی رہ گئے یہ اپنے قول پر قائم تھے۔ ان دنوں کو طرسوس روانہ کر دیا گیا۔ لیکن یہ لوگ وہاں اس وقت پہنچے جب مامون کی وفات ہو چکی تھی۔ اسی حالت میں یہ لوگ روئے لائے گئے وہاں سے ایک کشتی

میں روانہ کر دیئے گئے۔ محمد بن نوح کا راستے میں انتقال ہو گیا۔ امام احمد بن حنبلؒ بغداد پہنچے اور حوالہ زنداں کر دیئے گئے (۴۰۳)۔

عہد معصوم میں معتزلہ

مامون کے بعد اس کا بھائی معصوم تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے مرحوم بھائی مامون کی وصیت کا پورا پورا پاس رکھا اور خلقِ قرآن کے سلسلے میں لوگوں کو جتلانے آزمائش کرتا رہا اور معتزلہ کو مقرب بارگاہ بناتا رہا کیونکہ مامون نے جب اسے ولی عہد خلافت بنایا تھا اس سے عہد لے لیا تھا کہ لوگوں کو خلقِ قرآن کے مسلک پر لانے کے لیے پوری کوشش کرے گا (۴۰۴) اور احمد بن ابی داؤد پر تمام امور میں بھروسہ کرے گا۔ اس کی وصیت کے الفاظ یہ ہیں: ”ابو عبد اللہ احمد بن ابی داؤد سے کبھی مفارقت نہ کرنا اپنے تمام امور اور معاملات میں ان سے مشورہ کرتے رہنا کہ وہ اس کے مستحق ہیں“ (۴۰۵)۔

معصوم کے عہد میں بھی علمائے محدثین کی ایک بڑی جماعت کو دور ابتلاء سے گزرتا پڑا۔ مثلاً نعیم بن حماد جو اس مقصد کے لیے مصر سے لائے گئے تھے۔ ان سے بھی خلقِ قرآن کے بارے میں سوال کیا گیا۔ انہوں نے یہ عقیدہ ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ انہیں سامرا میں قید کر دیا اور اس وقت تک قید میں رہے جب تک وفات نہیں پائی (۴۰۶)۔

امام احمد بن حنبلؒ کی سرگزشت

ابتلاء اور آزمائش کے جس دور سے امام احمد بن حنبلؒ کو گزرتا پڑا وہ بے انتہا لرزہ خیز اور اپنی مثال آپ ہے۔ رفتہ سے امام احمد بن حنبلؒ واپس بغداد لائے گئے اور جیل میں پابند سلاسل رہتے ہوئے زندگی گزار رہے تھے۔ معصوم نے اپنی بارگاہ میں طلب کیا۔ یہ واقعہ ماہ رمضان کا ہے چنانچہ یہ جیل سے اسحاق بن ابراہیم کے گھر لائے گئے یہاں ہر روز خلیفہ کی طرف سے دواؤں آتے اور احمد بن حنبلؒ سے مناظرہ کرتے۔ یہ مناظرہ جب ناکام ہو جاتا تو اس پر سختیاں اور بڑھ جاتیں یہاں تک کہ ان کے پاؤں میں چار بیڑیاں ڈال دی گئیں۔ پھر چوتھی رات اسحاق، امام احمد کے پاس گیا اور کہنے لگا ”اے احمد، خدا کی قسم وہ معصوم آپ کو تلوار سے قتل نہیں کرے گا۔ اس نے قسم کھائی ہے۔ اگر آپ نے خلقِ قرآن کا اقرار نہ کیا تو مسلسل آپ کو کوڑے لگائے گا اور ایسی جگہ آپ کو پھینک دے گا کہ جہاں آپ سورج کی

روشنی نہ دیکھ سکیں گے۔“ اس کے بعد امام صاحب کورتی میں جکڑ کر سواری پر بٹھایا گیا۔ حالت یہ تھی کہ زنجیروں کے بوجھ سے منہ کے نیل گر پڑے۔ یہاں تک انہیں لے کر تمبھان مقسم کے گھر پہنچے۔ انہیں ایک حجرے میں بند کر دیا اور باہر تالا لگا دیا گیا (۴۰۷)۔

دوسرے دن انہیں خلیفہ کے روبرو پیش کیا گیا جہاں ایک مجلس مناظرہ ہوئی جس میں احمد بن ابی داؤد، عبدالرحمن بن اسحاق اور ایک خلق کثیر موجود تھی۔ پھر ان کی آنکھوں کے سامنے دو آدمیوں کی گردنیں اڑائی گئیں۔ امام احمد کو دہشت زدہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی پھر مقسم نے مناظرے کا حکم دیا۔ معتزلی علماء ان سے مناظرہ کرتے رہے اور امام احمدؒ ان کی ہر دلیل رد کرتے رہے۔ مقسم نے کہا: ”خدا کی قسم اگر اس (احمد بن حنبلؒ) نے میری حسب خواہش جواب دیا تو میں اس سے ہاتھ کھینچ لوں گا۔“ پھر وہ امام صاحب کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: ”اے احمد میں تم پر اتنا ہی مہربان ہوں جتنا اپنے لڑکے ہارون پر شفیق اور مہربان ہوں۔“ پھر امام صاحب سے پوچھا گیا کہ ”تم صالح رشیدی کو جانتے ہو؟“ امام صاحب نے جواب دیا: ”میں نے اس کا نام سنا ہے۔“ مقسم نے امام صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ”وہ میرا تالیق تھا میں نے اس سے قرآن کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے یہ عقیدہ ماننے سے انکار کر دیا چنانچہ وہ میرے حکم سے روند ڈالا گیا۔“

امام صاحب نے اس عقیدے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا: اس عقیدے کا اقرار اس صورت میں کر سکتا ہوں کہ اپنا دھڑی کتاب اللہ یا سنت رسول سے ثابت کر۔“ بحث بڑھتی چلی گئی۔ مقسم کے چہرے پر ہلکے آٹا پیدا ہوئے۔ اس نے امام صاحب کو پھر قید خانے میں بھیج دیا۔ پھر ہر روز مناظرہ کرتا رہا لیکن امام صاحبؒ اپنے قول پر قائم رہے۔ آخر معتزلہ علماء نے کہا اے امیر المؤمنین! اس شخص کو قتل کر دیں اس کا خون ہم اپنی گردن پر لیتے ہیں۔

مقسم نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور امام صاحب کے چہرے پر کئی ضربیں لگا کر شروع کر دیں۔ یہاں تک کہ وہ بیہوش ہو گئے۔ یہ رنگ دیکھ کر سب کے رنگ فق ہو گئے۔ ان میں امام کے چچا بھی تھے۔ مقسم ڈرا کہ کہیں لوگ اس پر حملہ نہ کر دیں۔ اس نے پانی منگوایا اور امام صاحب کے چہرے پر چھڑکا۔ امام صاحب غشی سے ہوش میں آئے تو سر اٹھا کر اپنے چچا کی طرف دیکھا اور کہا ”معم محترم یہ پانی جو میرے

جہڑے پر چمڑکا ہے شاید یہ بھی غصب کردہ ہو۔“

معتصم نے کہا ”کم بخنوا تم نے دیکھا یہ شخص مجھ پر حملہ کر رہا ہے۔ قسم قربت رسولؐ کی، جب تک یہ غلطی قرآن کا اقرار نہیں کرے گا۔ اسے برابر کوڑوں سے پڑاتا رہوں گا۔“

معتصم نے خوب کوڑے لگوائے۔ یہاں تک کہ ۲۸ کوڑے ان کے ناتواں جسم پر لگ چکے تھے۔ پھر معتصم نے حکم دیا کہ انہیں جیل میں واپس بھیج دیا جائے جہاں وہ اٹھارہ مہینے محبوس رہے۔ کوڑے اس حدت اور بے رحمی سے لگائے کہ ان کی پیٹھ پر تازہ زخمی ان کے نشان قائم رہے (۴۰۸)۔

عہد واثق میں معتزلہ کا اقتدار

معتصم کی وفات کے بعد واثق اس کا جانشین ہوا یہ وہ زمانہ تھا کہ معتزلہ قوت و شوکت کی انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ نیش کا مرانی نے انہیں مدہوش کر دیا تھا (۴۰۹)۔ چنانچہ معتزلہ نے اس نئے خلیفہ کو بھی کامیابی کے ساتھ اس ڈگر پر چلایا جس پر مامون اور معتصم کو چلاتے رہے یہ خلیفہ بھی ان کا ہم نوا بن گیا۔ واثق بڑا کٹر معتزلی تھا۔ اس کے عہد میں دور ابتلاء اور زیادہ شدید ہو گیا۔ احمد بن ابی داؤد وہ شخص تھا جس نے اسے غالی معتزلی بنا دیا تھا (۴۱۰)۔ چنانچہ اس نے تمام شہروں کے رفقاء کے نام فرمان بھیجا کہ قرآن کے معاملے میں وہ لوگوں کی جانچ کریں اور صرف انہی لوگوں کی گواہی قبول کریں جو اہل توحید معتزلی ہوں چنانچہ اس سلسلہ میں بہت سے لوگ حوالہ زنداں کر دیئے گئے (۴۱۱)۔

واثق تعصب اور غلو معتزلی میں اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ اس نے حکم دیا کہ مسلمان جنگی قیدیوں کا فدیہ اس وقت تک نہ ادا کیا جائے جب تک مسئلہ خلق قرآن کا انکار کرنے والوں سے پوچھ لگھ کی نہ جائے۔ جو اقرار کرتا اس کا فدیہ ادا کر کے اس کو رہا کر لیا جاتا تھا جو انکار کرتا اسے رومیوں کی قید میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ فدیہ دینے کی رسم انجام پانے لگی۔ واثق نے ایک دستہ سیاہ طرطوس کے قریب بھیجا۔ دو آدمی نہر کے پل پر کھڑے ہو گئے۔ مہمان قیدیوں میں سے کوئی اس طرف سے گزرتا تو پہلے پوچھ لگھ ہوتی جو خلق قرآن کا اقرار کرتا اور رویت ہاری تعالیٰ کا انکار کرتا اس کا فدیہ ادا کر دیا جاتا اور اسے ایک دینار بھی دیا جاتا (۴۱۲)۔

معتزلہ کا زوال

وائق کے بعد خلیفہ متوکل کی تخت نشینی ہوئی تو معتزلہ کا دور ضعف و سقوط شروع ہوتا ہے۔ ۲۳۲ھ سے ان کے زوال کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ بالکل ختم ہو گئے۔ جہاں اہل سنت کا غلبہ اور اکثریت تھی وہاں تو ختم ہو گئے لیکن جن شہروں میں شیعوں کی اکثریت تھی وہاں اعتزال برابر قائم رہا (۴۱۳)۔

متوکل اور معتزلہ

وائق کے بعد متوکل نے جو روش اختیار کی وہ حیرت انگیز تو نہیں لیکن تدریجی تغیر تھا۔ متوکل معاملات دین میں بہت شدید تھا اس نے نہ صرف معتزلہ کو مردود قرار دیا بلکہ اہل ذمہ کے ساتھ بھی سختی کے ساتھ پیش آیا (۴۱۴)۔ یہ حقیقت ہے کہ معتزلہ کے خلاف متوکل نے کوئی قدم دفعۃً نہیں اٹھایا۔ بلکہ رفتہ رفتہ اس نے اپنی پالیسی متعین کی اور اس پر عمل درآمد کیا۔

متوکل تخت نشین ہوا تو اس سال اس نے ایک فرمان صادر کیا اور لوگوں کو جہل فی القرآن وغیرہ سے روکا۔ اور اپنے اس فرمان کو آفاق میں سختی کے ساتھ نافذ کر دیا۔ چنانچہ اس فرمان کے بعد لوگ جہل و مناظرہ سے باز آ گئے۔

وائق کے زمانے میں جو لوگ عقیدہ خلق قرآن کی مخالفت کے باعث جہل کی چار دیواری میں مقید کر دیے گئے اور ظلم و ستم سہتے رہے متوکل نے انہیں رہائی بخشی (۴۱۵)۔ متوکل نے ایک اور انتہائی قدم اٹھایا جسے ضربت کمبری سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ ۲۳۷ھ میں اس نے علی الاعلان معتزلہ کے خلاف برہمی اور غضب کا اظہار کیا اور ابوالولید کو منصب مظالم عسکر سے معزول کر دیا۔ اس کے بعد قاضی القضاۃ کے منصب سے بھی برطرف کر دیا۔ صرف اس پر اکتفا نہ کیا اسے اور اس کے بھائیوں کو نذر زندان کر دیا۔ اس دوران ابوالولید کا انتقال ہو گیا۔ ابوالولید کے تیس دن بعد اس کا باپ احمد بن ابی داؤد بھی اس دنیا سے چل بسا۔ اس سال متوکل نے احمد بن نصر کی لاش سولی سے اتارنے کا حکم دیا۔ وہ اتار دی گئی اور کٹا ہوا سر اس میں شامل کیا گیا۔ پھر ورعہ کے حوالے کر دی گئی۔ یہ واقعہ عید الفطر کے دن پیش آیا اور اسی روز اسے دفن کر دیا گیا۔ پھر متوکل نے امام احمد بن حنبل کو طلب کیا اور ان کے ساتھ اعزاز و کرام کا برتاؤ

کیا (۴۶)۔

معتزلہ کی اس عکبت نے علماء فقہاء اور عوام الناس کے نفوس پر بڑا گہرا اثر کیا۔ جنہوں نے ان کے ہاتھوں بڑے بڑے مصائب برداشت کیے۔ خاص طور پر اصحاب احمد بن حنبلؒ، کون سا ظلم تھا جو ان پر نہیں اٹھتا رہا تھا۔ لوگ یہ سفاکی دیکھ کر معتزلہ سے بیزار اور متنفر ہو گئے۔ ان کے دلوں میں جو معتزلہ کے خلاف غیظ و غضب کا طوفان اٹھ رہا تھا وہ انہیں کچل دینا چاہتے تھے۔ لیکن بے بس و مجبور تھے۔ وہ ڈرتے تھے کیونکہ ان کے ساتھ خلفاء تھے کہ اگر انہوں نے اپنی نفرت کا برملا اظہار کیا تو کچل دیئے جائیں گے اور ان کے ظلم سے محفوظ نہیں رہیں گے (۴۷)۔

دولت عباسیہ پر ترکی النسل ممالیک کا نفوذ

زمانہ نے پھر کروٹ بدلی۔ صورت حال اس طرح سے بدلی گئی کہ ممالیک اتراک نے دولت عباسیہ پر مکمل طور پر اقتدار و تسلط حاصل کر لیا۔ ان ممالیک کو خلیفہ معتمد اپنا نگہبان بنا کر لایا تھا۔ ان کے لیے ایک پورا شہر سامرا بسا دیا تاکہ عوام اور ان سے چپقلش کی کوئی صورت پیدا نہ ہو۔ انہوں نے متوکل کو قتل کر دیا۔ اس کی جگہ اس کے بیٹے مستنصر کو تخت نشین کر دیا۔ متوکل کے بعد خلیفہ ان کا کھلوٹا بن گیا۔ یہ لوگ ادب، تہذیب ان چیزوں سے یکسر ناواقف تھے۔ ان کو مذہب و فلسفہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی (۴۸)۔

داخلی خلفشار کا نتیجہ

معتزلہ پر آخری ضرب شدید جس نے انہیں ہلا کر رکھ دیا وہ ضرب داخلی خلفشار کا نتیجہ تھی جو معتزلہ کے باہمی اختلاف کی پیدا کردہ تھی۔ معتزلہ نے اپنے سقوط کا سر و سامان خود بہم پہنچایا اور خود ہی تباہی و بربادی کے راستے پر آئے۔ یہ ضرب شدید اس وقت انتہا کو پہنچی جب ابوالحسن اشعری نے معتزلہ کے انہدام و سقوط پر اپنی توجہ ابن الرواعدی کی طرح مبذول کر دی۔ یہ ابوالحسن بھی معتزلہ میں سے تھے۔ جواب بغاوت کر کے ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کے قتال و غارت کے لیے کوشاں تھے (۴۹)۔

معزلہ کی ناکامی کے اسباب

- ۱۔ معزلہ کی تحریک کی ناکامی کے کئی اسباب ہیں۔ جن میں چند درج ذیل ہیں:
ان کا مسلک عقلی تھا جسے انہوں نے بزدل و شیشیر مانا چاہا اور انہوں نے اپنے مخالفین جن میں بڑے بڑے محدث شامل تھے انہیں سخت سزائیں دلوائیں۔
- ۲۔ یہ اختلاف محض تعبیر اور تشریح تک تھا لیکن انہوں نے اسے توحید و شرک اور کفر و اسلام کا اختلاف بنا دیا۔
- ۳۔ استدلال مسائل میں عقلیت یا معروضات عقلی کو قرآن و حدیث کی نصوص کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دی۔
- ۴۔ ان کے مسائل پر صرف خواص ہی غور کرنے کے مجاز تھے۔ لیکن انہوں نے انہیں عوامی حلقوں میں پہنچانے کی ناکام کوشش کی۔
- ۵۔ انہوں نے نہ صرف محدثین کا بڑے طریقے سے مذاق اڑایا بلکہ حدیث کی حجیت کا بھی انکار کیا۔
- ۶۔ انہوں نے روایت باری تعالیٰ، جنت و دوزخ اور ملائکہ کے بارے میں ایسے خیالات کا اظہار کیا جو کہ نہ صرف صحیح راہ سے ہٹے ہوئے تھے بلکہ اہل سنت کے مسلمہ عقائد کے خلاف تھے۔
- ۷۔ ان کے مد مقابل محدثین کردار و عمل میں ان سے بہت بلند تھے اور ان کا اثر بھی بہت وسیع تھا جبکہ معزلہ صرف ایوان اقتدار میں قدر و منزلت رکھتے تھے لیکن محدثین کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے۔
- ۸۔ اہل سنت والجماعت میں سے دو جماعتیں: اشاعرہ (ابوالحسن اشعری سے متاثر) اور ماترید یہ اپنے مسلک کے دفاع کے لیے یونانی علوم و فنون سے مسلح ہو کر نکل آئیں اور ان میں غزالی اور رازی جیسے لوگ پیدا ہوئے اور پھر خالص محدثانہ اور دینی ذہن کے لوگ مثلاً امام ابن تیمیہؒ نے ان پر ایسی تند و تیز تنقید کی جس سے ان کا مسلک رفتہ رفتہ

ختم ہو گیا (۴۲۰)۔

معترکہ کی کتب

- ۱۔ درۃ المتزیل و نمرۃ الدویل، ابو عبد اللہ الاسکانی (م ۲۴۰ھ)، مطبع السعادة مصر ۱۲۳۶ھ
- ۲۔ الانتصار والرد علی ابن الراوندی المسجود، ابو حسین عبد الرحیم الخياط (م ۳۰۰ھ)، قاہرہ ۱۳۳۳ھ
- ۳۔ تفسیر الکشاف، محمود جارا اللہ زحتری (م ۵۳۸ھ)، القاہرہ ۱۳۰۷ھ
- ۴۔ المبدیہ والائل، احمد بن حنبل بن مرثی (م ۸۴۰ھ)، مطبوع حیدرآباد (۱۳۱۴ھ/۱۹۰۲ء)۔
- ۵۔ اعلم الشارح فی ایثار الحق علی الایاء والشارح، شیخ صالح العقیلی (م ۱۱۰۸ھ)، القاہرہ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء (۴۲۱)۔
- ۶۔ البیان والتبيين، الجاحظ۔

معترکہ کے رو میں کتب اہل سنت

- ۱۔ امام بخاری، الجامع الصحیح (خصوصاً کتاب التوحید)
- ۲۔ مسلم، الجامع الصحیح۔
- ۳۔ امام طحاوی، عقیدہ طحاویہ۔
- ۴۔ امام ابن تیمیہ کی کتب۔
- ۵۔ امام ابن قیم کی کتب۔
- ۶۔ عبد القاہر بغدادی (م ۴۲۹ھ)، اصول الدین۔
- ۷۔ ایضاً، الفرق بین الفرق۔
- ۸۔ ابو الحسن اشعری (م ۳۳۰ھ) الایمان فی اصول الدیانہ (حیدرآباد، الطبعة الاولى)۔
- ۹۔ ایضاً، مقالات الاسلامیین (حیدرآباد، ۱۹۲۹ء)۔
- ۱۰۔ ابن حزم (ت ۴۵۶ھ) الفصل فی الملل والاعواء والتحل۔
- ۱۱۔ ابو حامد الغزالی (م ۵۰۵ھ)، المستصفی من علم الاصول (القاہرہ، ۱۹۰۴ء)۔
- ۱۲۔ ایضاً، المسند من العلل (مشق ۱۹۳۳ء)۔

- ۱۳۔ عمر النسی (م ۵۳۷ھ)، الحقاہد النسیہ (قاہرہ ۱۹۰۱ء)۔
- ۱۴۔ محمد بن عبدالکریم شہرستانی (م ۵۳۸ھ) السبل والنحل۔
- ۱۵۔ ابن قتیبہ (م ۲۷۶ھ)، المعارف۔
- ۱۶۔ بخاری، غلق افعال العباد (مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۹۹۰ء)۔
- ۱۷۔ ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن احمد بن حنبل، کتاب السنہ (دار ابن قیم الدمام، ۱۹۸۶ء)۔
- ۱۸۔ ابن مندۃ، کتاب الایمان۔
- ۱۹۔ الحمید عبدالرزاق محمد اسود، موسوعۃ الادیان والحدیث (دار العربیہ للموسوعات)۔
- ۲۰۔ محمد ابو زہرہ، الحدیث الاسلامیہ (مکتبہ رحمانیہ، لاہور)۔
- ۲۱۔ محمد حنیف ندوی، عقلیات ابن تیمیہ (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور)۔
- ۲۲۔ ایضاً، افکار غرالی۔ (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور)۔

معتزلہ اور حدیث نبوی

معتزلہ حدیث نبوی کے بارے کیا نظریہ رکھتے ہیں اس ضمن میں درج ذیل تین مختلف اقوال

منقول ہیں:

- ۱۔ معتزلہ، جمہور علماء کی طرح حدیث متواتر اور ضمیر واحد دونوں کو حجت قرار دیتے ہیں۔
- ۲۔ وہ مذکورہ دونوں قسموں کو حجت تصور نہیں کرتے۔
- ۳۔ معتزلہ حدیث متواتر کو حجت سمجھتے ہیں مگر خبر واحد کو نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ معتزلہ سے اس ضمن میں تین مختلف متضاد اقوال منقول ہیں۔ چنانچہ امام آدمی، ابوالحسن بصری معتزلی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ ضمیر واحد کو عقلاً حجت قرار دیتا ہے (۳۳۳)۔ اسی طرح امام آدمی، مشہور معتزلی جبائی اور متکلمین کی ایک جماعت کے بارے میں نقل کرتے ہیں: وہ عقلاً خبر واحد کو حجت تسلیم نہیں کرتے (۳۳۳)۔ امام جلال الدین سیوطی، ابوعلی جبائی کے بارے میں فرماتے ہیں: وہ عادل راوی کی روایت کو اس وقت تسلیم کرتا ہے جب اس قسم کا دوسرا راوی اس کی تائید کرتا ہو یا ظواہر کتاب و سنت سے اس کی توثیق ہوتی ہو یا صحابہ کے مابین عام طور سے معروف یا

معمول بہ ہو۔ ابو الحسن بصری نے بھی ”المحتمد“ میں جبائی سے یہی قول نقل کیا ہے۔ ابو نصر حمیری نے جبائی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ خبر واحد کو اس وقت تسلیم کرتا ہے جب کم از کم چار راویوں نے روایت کیا ہو (۳۲۳)۔

معتزلہ کے نظریہ حدیث سے متعلق ابن حزم کا زاویہ نگاہ

امام ابن حزم فرماتے ہیں اہل اسلام کے تمام فرقے مثلاً اہل سنت، خوارج، شیعہ اور قدریہ ایک راوی کی روایت کو جب کہ وہ ثقہ ہو بالاتفاق قبول کر لیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ پہلی صدی ہجری کے اختتام پر معتزلہ کا ظہور و شیوع ہوا اور انہوں نے اجماع کی خلاف ورزی کی۔ مشہور معتزلی عمرو بن عبید، حضرت حسن بصری سے منقول روایات پر اعتماد کرتا اور ان کی روشنی میں فتویٰ دیا کرتا تھا (۳۲۵)۔

امام ابن حزم ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ معتزلہ علی العموم خیر واحد کی حجیت کے منکر ہیں وہ فرماتے ہیں ”جمع معتزلہ و خوارج کا قول ہے کہ خبر واحد یقینی علم کی موجب نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ جس بات میں جھوٹ یا غلط ہونے کا احتمال ہو خدا کے دین میں نہ اس کے مطابق فیصلہ صادر کیا جاسکتا ہے اور نہ اسے خدا اور رسول کی جانب منسوب کیا جاسکتا ہے“ (۳۲۶)۔

ابن قیم فرماتے ہیں: معتزلہ گناہ گار رومنین کی شفاعت کے سلسلہ میں وارد شدہ نصوص صریح کو ایک ایسی آیت کے پیش نظر رد کر دیتے ہیں جو تشابہات میں شمار ہوتی ہے فرمایا: ”فما تنفعهم شفاعۃ الشافعیین“ (سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کو فائدہ نہ دے گی) (۳۲۷)۔

حدیث نبوی اور صحابہ کرام کے متعلق بعض اکابرین معتزلہ کی رائے

امام ابو منصور بغدادی نے اپنی کتاب ”الفرق بین الفرق“ میں معتزلہ کے فرقوں اور صحابہ و حدیث نبوی سے متعلق ان کے موقف کے بارے میں جو کچھ تحریر کیا ہے۔ ان میں سب سے پہلے فرقہ واصلیہ کے بارے میں ذکر کرتے ہیں۔

واصل بن عطاء

معتزلہ کا فرقہ واصلیہ، واصل بن عطاء کا معتقد تھا۔ واصل نے سلف کی راہ سے ہٹ کر ایک

تیسری راہ ہموار کی۔ واصل کے معاصرین حضرت علیؑ اور ان کے رفقاء نیز حضرت طلحہؓ و زبیرؓ و عائشہؓ و دیگر اصحابِ جملہ کے بارے میں مختلف الرائے تھے۔

”خوارج یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ و عائشہؓ اور ان کے اتباع حضرت علیؑ کے خلاف صف آرا ہونے کی بنا پر اسلام کے دائرے سے نکل گئے۔ حضرت علیؑ، اصحابِ جملہ اور حضرت معاویہؓ کے خلاف نبرد آزما ہونے میں حق بجانب تھے۔ جب انہوں نے حکیم کو منظور کر لیا تو کافر ٹھہرے۔ اس ضمن میں اہل السنۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ جنگِ جمل میں لڑنے والے دونوں فریق مسلمان ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ اور اصحابِ جملہ جادہ حق پر گامزن تھے۔ غلط فہمی کی بنا پر یہ جنگ ہوئی۔ بلکہ سازش کے تحت کرائی گئی۔ دونوں فریق قصور وار نہ تھے۔ اہل سنت جنگِ جمل میں لڑنے والے فریقین کی شہادت کو قبول کرتے ہیں اور اس کے مطابق فیصلہ صادر کرنے کے قائل ہیں۔

واصل خوارج اور اہل سنت دونوں کے خلاف رائے رکھتا تھا۔ اس کا کہنا یہ تھا کہ فریقین میں سے ایک ضرور فاسق ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ کون؟ وہ کہا کرتا تھا کہ حضرت علیؑ اور ان کے اتباع مثلاً حضرات حسنؓ و حسینؓ اور ابن عباسؓ، عمار بن یاسرؓ اور ابوالیوب انصاریؓ فاسق ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ فریقِ ثانی میں سے حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ و حضرت عائشہؓ و دیگر اصحابِ جملہ فاسق ہوں (العیاذ باللہ)۔

واصل اپنے نظریہ کے اثبات میں کہا کرتا تھا کہ اگر حضرت علیؑ و طلحہؓ یا علیؑ و زبیرؓ یا اصحابِ علیؑ میں سے ایک شخص اور اصحابِ جملہ میں دوسرا شخص مل کر میرے پاس کسی اور ادواہاش آوارہ مزاج آدمی کے خلاف شہادت دیں تو میں ان کی شہادت قبول کروں گا۔ اس لیے کہ میرے نزدیک دونوں میں ایک بلا تعین فاسق ضرور ہے۔ جس طرح کہ دولہان کرنے والوں کی شہادت میرے یہاں اس لیے مقبول نہیں کہ دونوں میں سے ایک بلا تعین فاسق ہے۔ البتہ کسی ایک فریق کے خلاف دو آدمی شہادت دیں تو ان کی شہادت قبول کروں گا“ (۳۲۸)۔

عمرو بن عبید

امام ابو منصور بغدادی معتزلہ کے فرقہ عمریہ کے بارے میں لکھتے ہیں: عمرو بن عبید نے واصل

بن عطاء کی مذکورہ صدر بدعت میں اور بھی اضافہ کیا۔ چنانچہ اس نے کہا کہ جب جمل میں لڑنے والے دونوں فریق فاسق ہیں۔ اس لیے دونوں میں کسی ایک فریق کی بھی شہادت مقبول نہیں۔

واصل بن عطاء اور عمرو کے بعد معتزلہ کے فرقہ قدر یہ کہ یہاں اس مسئلہ میں اختلاف رونما ہو گیا تھا۔ چنانچہ معتزلی علماء میں سے نظام اور جاحظ جنگ جمل میں لڑنے والے فریقین کے بارے میں واصل کی رائے سے متفق تھے۔ اس کے علاوہ حوشب و ہاشم یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ جب جمل کے قائدین نجات یافتہ ہیں اور ان کے اتباع برباد ہو گئے۔ (۳۲۹)۔

ابوالہذیل

امام ابو منصور بغدادی فرماتے ہیں کہ معتزلہ کا فرقہ حدیثیہ ابوہذیل کا عقیدت مند تھا۔ اس لیے مسلمہ کے تمام فرقے بالاتفاق اس کے کفر کے قائل ہیں حتیٰ کہ معتزلہ بھی اس کو کافر قرار دیتے ہیں۔

امام ابو منصور بغدادی نے ابوہذیل کے رسوائے عالم انکار و آراء کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے ”انہیاء کے معجزات اور دیگر غیر محسوس امور کے بارے میں احادیث و اخبار سے حجت اس وقت قائم ہوتی ہے جب راویوں کی تعداد بیس سے کم نہ ہو اور ان میں کم از کم ایک شخص جنتی ہو۔ کافر و فاسق لوگ تعداد میں کتنے بھی ہوں ان کی مرویات سے حجت قائم نہیں ہوتی خواہ وہ متواتر کی حد تک پہنچ جائیں۔ جن کا جھوٹ پر جمع ہونا ممکن نہیں۔ جب تک ان میں کم از کم ایک راوی جنتی نہ ہو۔“

ابوہذیل کا قول ہے کہ چار سے کم اشخاص کی روایت کی بنیاد پر فیصلہ صادر نہیں کیا جاسکتا۔ جب راوی چار سے زائد ہوں اور ان کی تعداد بیس تک پہنچ جائے تو بعض اوقات ان کی روایت سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے اور گاہے حاصل نہیں ہوتا۔ جب بیس روایات درجال میں سے ایک بھی شخص جنتی ہو تو ان کی روایت سے لامحالہ یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔ بیس راویوں کی روایت کے حجت ہونے پر اس نے آیت کریمہ ”ان یکن منکم عشرون صابرون“ اگر تم میں بیس آدمی صابر ہوں“ سے استدلال کیا ہے اس کا کہنا کہ بیس مجاہدین کو جہاد کی اجازت اسی لیے دی گئی ہے کہ ان کا قول حجت ہے۔

امام بغدادی فرماتے ہیں: ”ابوہذیل نے احادیث کی قبولیت کے بارے میں جو شرط لگائی ہے کہ بیس راوی ہوں اور ان میں ایک راوی جنتی ہو اس سے اس کا بڑا مقصد شرعی احکام کے ضمن میں

دارود شدہ روایات کا ٹکراتا ہے۔ جنتی ہونے سے اس کی مراد یہ ہے کہ وہ راوی معتزلہ اور قدریہ میں سے ہو کیونکہ جو شخص اس کا ہم خیال نہ ہو وہ اس کے زعم میں نہ مومن ہو سکتا ہے نہ جنتی (۴۳۰)۔

نظام معتزلی

امام ابو منصور بغدادی، ابو اسحاق بن سيار المعروف نظام کے اتباع فرقہ نظامیہ کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ زنادقہ و فلاسفہ کے ساتھ اختلاط و احترا ج کی وجہ سے نظام کے عقائد بکڑ گئے تھے۔

نظام کے عقائد فاسدہ کی جھلک

- ۱۔ نظام سرور کا نکتہ ^{نقطۂ} کے معجزات کا منکر ہے چنانچہ وہ حضور ﷺ کے اس معجزہ کو تسلیم نہیں کرتا کہ چاند آپ کے لیے پھٹ گیا تھا۔ پانی آپ کی انگلیوں میں سے پھوٹنے لگا تھا۔ معجزات سے انکار کا اصل مقصد آپ کی رسالت کو تسلیم نہ کرنا ہے۔
- ۲۔ نظام ان احادیث و اخبار کو حجت قرار نہیں دیتا جن سے یقینی علم حاصل نہیں ہوتا۔
- ۳۔ نظام جلیل القدر صحابہؓ اور محدثین و فقہاء کے فتویٰ کو تسلیم نہیں کرتا اور ان پر اعتراض کرتا ہے نظام کا غلط عقیدہ یہ بھی ہے کہ خبر متواتر کے رواد و ناقلین اگرچہ صد اور حصہ سے باہر ہوتے ہیں اور ان کے دوائی و محرکات بھی یکساں نوعیت کے نہیں ہوتے تاہم ہو سکتا ہے کہ وہ جھوٹی ہو۔ دوسری جانب اس کا کہنا ہے کہ بعض اخبار آحاد سے بھی یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔ اس غلط عقیدے کی اساس پر ہمارے اصحاب اور نظام کے ہم خیال معتزلہ نے بھی متفقہ اس کی تکفیر کی ہے۔

بقول امام بغدادی اس عقیدہ فاسدہ کا نتیجہ یہ ہے کہ اجماعی مسائل اور احکام سے بالکل اعتماد اٹھ جائے اس لیے کہ نظام کے نزدیک ان کا غلط اور بعید از صواب ہونا ممکن ہے۔ بعض شرعی احکام و مسائل احادیث متواترہ سے ماخوذ ہیں، بعض اخبار آحاد سے اور بعض قیاس و اجتہاد سے جبکہ نظام خبر متواترہ، اجماع اور قیاس میں سے کسی کو بھی حجت نہیں سمجھتا۔ اس کے ساتھ ساتھ اخبار آحاد میں جب مفید علم یقینی نہ ہوں تو ان کو بھی تسلیم نہیں کرتا۔ ظاہر ہے کہ شریعت کے فردی احکام انہی طرق و ذرائع سے ثابت ہوتے ہیں نظام ان ذرائع کا ابطال کر کے گویا شریعت کے فردی احکام کو جھٹلاتا اور انکا

انکار کرتا ہے۔

مذکورہ صدر عقائد فاسدہ کے علاوہ نظام صحابہ کے منی براجمتہا و قتلوی کی وجہ سے صحابہ و تابعین کی روایات پر معترض ہوتا ہے، چنانچہ جاہل اپنی تصنیفات میں بیان کرتا ہے کہ نظام خود محمد شین پر نقد و جرح کرتا ہے کہ وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایات نقل کرتے ہیں حالانکہ بہت جھوٹا نظام خود حضرت فاروقؓ پر طعن کیا کرتا تھا کہ وہ صلح حدیبیہ کے دن اپنے دین کے بارے میں شک کرنے لگے تھے۔ اسی طرح حضور ﷺ کی وفات کے دن بھی وہ جملائے شک ہو گئے تھے۔ نظام کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ کو زور دو کوب بھی کیا تھا۔ بقول نظام حضرت عمرؓ نے لصر بن حجاج کو مدینہ سے بصرہ کی طرف نکال دیا تھا۔ نماز تراویح کی بدعت بھی حضرت عمرؓ نے ایجاد کی۔ آپؓ نے حج تمتع سے روکا اور یہ حکم صادر کیا کہ کوئی عجمی، عربی عورت سے نکاح نہیں کر سکتا۔ نظام نے حضرت عثمانؓ کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا ہے کہ انہوں نے حکم بن العاص کو مدینہ میں ٹھہرایا اور ولید بن عقبہ کو کوفہ کا گورنر بنایا۔ اس کے خیال کے مطابق ولید کا یہ عالم تھا کہ شراب کے نشہ میں سرشار لوگوں کو نماز پڑھاتا تھا۔ سعید بن العاص کی شادی کے موقع پر اس کو چالیس ہزار درہم کا عطیہ دیا۔ بلا وجہ ایک چراگاہ اپنے لیے مخصوص کر لی۔ حضرت علیؓ کے خلاف یہ بہتان تراشا کہ ایک دفعہ آپؓ سے دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی گدھے یا گائے کو ہلاک کر دے تو آپؓ نے کہا تو اس کے بارے میں اس ضمن میں اپنی رائے سے فتویٰ دوں گا۔ نظام کہتا ہے کہ ”حضرت علیؓ اپنی رائے سے فتویٰ دینے والے کون ہوتے ہیں؟“ یہ تمام محض الزامات ہیں۔

معترکہ کا ایک گروہ ظہورِ قفقہ کے زمانہ سے لے کر صحابہ کی عدالت میں شک و شبہ کا اظہار کرتا ہے۔ جیسے واصل معترکہ میں سے عمرو بن عبید اور اس کے ہم خیال لوگ صحابہؓ اور تابعین کا فرقرار دیتے ہیں۔

نظام اور اس کے رفقاء جلیل القدر صحابہؓ پر دروغ گوئی اور جہل و نفاق کا بہتان لگاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ معترکہ صحابہ کرامؓ سے مروی و منقول روایات کو تسلیم نہیں کرتے۔ واصل بن عطاء، عمرو بن عبید اور ان کے ہم فکر معترکہ یہی رائے رکھتے ہیں۔ ابو ہذیل کے نزدیک خبر واحد سے کوئی شرعی حکم اس صورت میں ثابت ہوتا ہے جب اس کی نقل و روایت کرنے والے کم از کم بیس اشخاص ہوں اور ان میں سے ایک

معتزل ہو۔ نظام اجماع و قیاس کو حجت تصور نہیں کرتا اور خبر متواتر کی قطعیت کا منکر ہے۔

سابقہ بیانات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ جمہور اہل اسلام کے خلاف معتزلہ نے حدیث نبویؐ کے متعلق جو عجیب و غریب موقف اختیار کیا تھا اس نے علمائے حدیث اور رؤسا معتزلہ کے درمیان ایک خلیج حائل کر دی۔ محدثین کا یہ کہنا تھا کہ معتزلہ فاسق و فاجرا بدعتی ہیں۔ وہ دین کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں جن کی سرے سے کوئی دلیل ہی نہیں۔

بقول امام ابن تیمیہ نظام معتزلی آوارہ مزاج تھا اور ہر وقت نشہ میں پور رہتا تھا۔ مشہور معتزلی ثمامہ بن اشرس نے مامون کے عہد خلافت میں فتنہ خلق قرآن کی قیادت کی تھی۔ ثمامہ نے دیکھا کہ جمعہ کے دن لوگ بھاگ کر جامع مسجد کی جانب جا رہے تھے کہ کہیں نماز جمعہ نہ جاتی رہے۔ ثمامہ یہ دیکھ کر اپنے ایک ساتھی سے کہنے لگا ”یہ دیکھو لوگ کس طرح گدھوں اور بیلوں کی طرح بھاگے جا رہے ہیں“ پھر بولا اس عربی (حنوفی) نے لوگوں کی کیا گت بنا دی ہے (نحوذ باللہ) (۴۳۱)۔

بہر کیف یہ تھے وہ حالات جن کے پیش نظر محدثین و معتزلہ کے مابین نزاع و جدال کی خلیج وسیع تر ہوتی گئی یہاں تک کہ ۲۱۸ھ میں خلیفہ مامون نے فتنہ خلق قرآن کا بیڑا اٹھایا۔ جس کے زیر اثر لوگوں کو اس عقیدہ کو قبول کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ محدثین کرام نے اس عظیم فتنہ کے دوران طرح طرح کی مشکلات برداشت کیں۔ امام احمد بن حنبل نے اس ضمن میں تیرہ سال قید و بند اور مار پیٹ کے مصائب برداشت کیے۔ یہاں تک کہ متوکل باللہ مسند خلافت پر تخت نشین ہوا۔ یہ اہل سنت کا ہم خیال تھا اس نے لوگوں کو اس عظیم فتنہ سے نجات دلائی اور محدثین کی عزت افزائی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معتزلہ ہمیشہ کے لیے دب گئے اور پھر کبھی سر نہ اٹھا سکے۔ حدیث کے سلسلہ میں اس سے تین بڑے اہم نتائج برآمد ہوئے۔

پہلا نتیجہ

رؤسائے معتزلہ نے صحابہؓ کی قدر و منزلت میں جو رخسہ پیدا کر دیا تھا اس سے گستاخ مستشرقین کو یہ موقع ملا کہ حمایت و نصرت دین کا فریضہ ادا کرنے والے صحابہؓ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کریں۔ حیرت یہ ہے کہ بعض مصنفین مثلاً احمد امین مصری (مصنف فجر الاسلام، ضحیٰ الاسلام، اور

ظہر الاسلام) وغیرہ بھی مستشرقین کی ہموار کردہ راہ پر گامزن ہوئے۔

دوسرا نتیجہ

جب محدثین و متزلزہ کے مابین نزاع و جدال کا آغاز ہوا تو محدثین نے قائلین علق قرآن کو تنقید کا نشانہ بنایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض محدثین نے قول بالرائے کی اساس پر اکثر آئمہ کو مجروح قرار دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس معرکہ کے نتیجہ میں کئی مسلم آئمہ بھی اس میں ملوث ہو گئے۔

تیسرا نتیجہ

سب سے اہم بات حجیت حدیث کا انکار ہے۔ ابتدائی طور پر انہی لوگوں نے فتنہ انکار حدیث کی بنا رکھی۔ جدید مفکرین حدیث کے لیے انہی کے اگلے ہوئے نوالے فکری غذا ثابت ہو رہی ہے۔ نیز ضمیر واحد کو شک کی بنا پر رد کر کے احکامات دین کے بہت بڑے حصے سے عملی فرار کی راہ اختیار کی۔ نیز ضمیر واحد کا انکار کرنے والے لاشعوری طور پر انہی کے راستے پر گامزن ہیں۔

حدیث نبوی ﷺ اور مستشرقین

استشرق کے معنی مشرقی علوم میں مہارت حاصل کرنا اور مستشرق کے معنی مشرقی علوم کا ماہر اور مشرقی آداب سے آگاہ ہونا ہیں (۳۳۲)۔ مستشرق درحقیقت ایسے غیر مشرقی سکالر کو کہتے ہیں جو مشرقی علوم، معاشرت اور ادب وغیرہ میں دلچسپی رکھتا ہو۔ معن زلفو مدینہ نے مغرب کے ان سکالروں کو مستشرق کہا ہے جو اسلام، اسلامی تہذیب، اسلامی معاشرت اور اسلامی زبانوں میں دلچسپی رکھتے ہوں (۳۳۳)۔ ڈاکٹر عمر فروغ کے مطابق مستشرق علوم اسلامیہ کا وہ مغربی (یورپین یا امریکی) سکالر ہوتا ہے جو غیر مسلم ہو (۳۳۴)۔

تحریک استشرق کا آغاز و ارتقاء

تحریک استشرق کا آغاز اسلام کے ابتداء دور ہی میں ہو گیا تھا لیکن یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے اعتقادات میں رخنہ اندازی میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اسلام کے خلاف سب سے پہلے تحریک چلانے والا ساتویں صدی عیسوی کا جان آف دمشق تھا۔ بارہویں صدی عیسوی کے اختتام تک صرف دو مستشرقین ایسے ملتے ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کی زندگی اور اسلامی تہذیب کا مطالعہ معروضی انداز میں کرنے کی کوشش کی۔ ان میں ایک پیٹر الفانسی (Peter Alfansi) جو ہسپانوی یہودی ہے اور دوسرا ولیم آف مالسمبری (William of Malmosbury) ہے (۳۳۵)۔

تحریک استشرق کا باقاعدہ اور منظم آغاز صلیبی جنگوں (۱۱ تا ۱۳ صدی عیسوی) کے بعد ایک دینی تحریک کے طور پر ہوا۔ اس تحریک کو سلطنت روم اور پاپائیت کی سرپرستی حاصل تھی۔ سترہویں صدی میں لندن، پیرس، کیمبرج، آکسفورڈ، گلاسگو، ایڈنبرا اور سینٹ ایڈز ریوز کی جامعات میں علوم شرقیہ کی تدریس کے لیے شعبہ جات نے کام شروع کر دیا (۳۳۶)۔ اسی صدی میں بڈویل (Bedwell) (م ۱۶۳۲ء) نے اپنی مشہور زمانہ کتاب (Muhammad the Imposture) [محمد الکاذب (نعوذ باللہ)] لکھی۔ نجیب الحقیقی نے متعدد کتب کے عربی سے لاطینی زبان میں تراجم کیے جانے

کا ذکر کیا ہے (۳۳۷)۔

استمراق کے تیسرے اور موجودہ دور کا آغاز اٹھارہویں صدی سے ہوا اور یہ اب تک جاری ہے۔ فرانس کے سلوٹروی ساسی (۱۷۵۸ء-۱۸۳۸ء) اور برطانیہ کے ایڈورڈ ولیم لین (۱۸۰۱ء-۱۸۷۶ء) کو دور جدید کے استمراق کا بانی قرار دیا جاسکتا ہے (۳۳۸)۔ مستشرقین کی پہلی کانفرنس ۱۸۷۳ء میں پیرس میں ہوئی اور کانفرنسوں کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۱۹۷۳ء تک ان میں ہر ایک کو شرکت کی اجازت تھی (۳۳۹) اب صرف اہل مغرب ہی کو شرکت کی اجازت ہے۔

بیسویں صدی کے اواخر میں صورت حال یہ ہے کہ اب مستشرقین، مستشرق کہلوانا پسند نہیں کرتے دوسری عالمگیر جنگ کے بعد وہ ”ایڈوائزر“ یا ایریا سٹڈی سہیلٹ / ایکسپٹ کہلوانا پسند کرتے ہیں (۳۴۰)۔

مشہور مستشرقین

مستشرقین کی ایک بڑی تعداد نے اسلام اور نبی اکرم ﷺ کی ذات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ اس پر ڈاکٹر عبدالرحمن بدوی نے ”موسوعہ المستشرقین“ تحریر کیا ہے۔ جس میں ڈیڑھ سو سے زیادہ مستشرقین کے بارے میں اہم معلومات موجود ہیں۔ چند معروف مستشرقین کے نام درج ذیل ہیں:

آربری (Arbury)، بروکلان، گب (H. A. R. Gibb)،
سپرگر (Springer)، گولڈزیہر (Goldziher)، ڈوزی (Dozi)، ولیم میور، شاخت (J. Schacht)، مارگولیتھ (Margoliouth)، فائلر (Pfannmueller)،
ہورٹس (J. Horowitz)، ہورست (H. Horst)، وان کریمر (A. Von. Kremer)،
کیٹانی (L. Caetani)، نکلسن (A. R. Nicholason)، آرثر جٹری (Arthor Jeffery)، ٹنگمری واٹ (Montgomery Watt)، ول ڈیوران (Will Durant)،
گلیوم (A. Guillaume)، رابسن (Robson)، ڈان ہال (G. H. A. Juyaboli) (۳۴۱)۔

قرآن حکیم کے بارے میں تقریباً سبھی مستشرقین نے قلم اٹھایا ہے۔ قرآن کے بعد مستشرقین

کا دوسرا بڑا ہدف ہمیشہ سے آپ ﷺ کی ذات ربی ہے۔

مستشرقین کے مقاصد

- ۱۔ اسلام کے بارے میں بدگمانی پیدا کرنا۔
- ۲۔ مسلم علماء سے بدظن کرنا۔
- ۳۔ ابتدائی مسلم معاشرے کی غلط تصویر کشی کر کے مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کرنا۔
- ۴۔ اسلامی تہذیب کی تحقیر و تذلیل کرنا۔
- ۵۔ کتاب و سنت میں تحریف کرنا، عبادتوں کو غلط مفہوم میں پیش کرنا اور حسب خواہش قبول کرنا یا رد کرنا (۴۴۲)۔

مستشرقین کی تحقیقی کاوشوں کا سب سے بڑا مقصد اسلام کو نقصان پہنچانا اور اسے کمزور کرنا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے جھوٹ، فریب، دھوکا اور بہتان تراشی کے کسی حیلے کو بھی کراہت کی نظر سے نہ دیکھا۔ انہیں معلوم تھا کہ اسلام کی قوت کا پہلا منبع قرآن حکیم ہے۔ انہوں نے اس منبع پر تباہ توڑ حملے کیے۔ لیکن سینکڑوں سالوں کی تحریمی کاوشوں کے باوجود مستشرقین اسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

قرآن مجید کے خلاف مستشرقین کی سازشیں اب بھی جاری ہیں مگر ان میں مسلسل شکستوں نے انہیں اسلام کے خلاف نئے محاذ کھولنے پر مجبور کر دیا ہے کیونکہ قرآن کی مخالفت کرتے ہوئے انہیں مشکلات کا سامنا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو قرآن حکیم کی مکمل تشریح اپنے قول و فعل سے کر کے بتائی تھی اور چونکہ مسلمانوں میں لکھنے کا رواج تھا اس لیے بعض صحابہ کے پاس تو وہ تحریری طور پر بھی موجود تھا۔

مستشرقین نے جب قرآن مجید کو اپنے من پسند معانی پہنانے کی کوشش کی تو امت مسلمہ کے علماء نے احادیث طیبہ کی مدد سے ان کو جواب دیئے اور قرآن مجید کی معنوی تحریف کی تمام کوششیں احادیث طیبہ کی مضبوط چٹان کے ساتھ ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں۔

اس ناکامی کے بعد مستشرقین نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا ایک اور راستہ نکالا اب

انہوں نے قرآن کے ساتھ ساتھ آنحضور ﷺ کی احادیث مبارکہ کے خلاف محاذ شریع کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ احادیث مبارکہ کو نقصان پہنچائے بغیر اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ وہ حضور ﷺ کے اس ارشاد سے بھی آگاہ تھے ”ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتہم بہما کتاب اللہ وسنة نبیہ“ (۴۴۳) (میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ جب تک تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری اس کے نبی کی سنت)۔ اسی وجہ سے مستشرقین نے مسلمانوں کے دلوں بنیادی مصادر کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ مستشرقین نے انیسویں صدی میں حدیث کے بارے میں بڑی بڑی بنیادیں بحیث کیں۔ مشہور جرمن مستشرق پیرنگر نے ۱۸۵۱ء میں حضور ﷺ کی سیرت پر تین جلدوں میں کتاب لکھی۔ اس میں حدیث کی روایت اور اس کی حیثیت پر بحث کی۔ ولیم میور نے ۱۸۶۱ء میں حضور اکرم ﷺ کی سیرت پر کتاب لکھی اور اس میں حدیث کے متعلق پیرنگر کے اٹھائے جانے والے نکات کو آگے بڑھایا۔ حدیث کے بارے میں سب سے تفصیلی بحث مشہور جرمن مستشرق گولڈ زیہر (Gold Ziher) نے کی۔ اس کی تحقیق کو پروفیسر شاخت (J. Schacht) نے آگے بڑھایا۔ ان مستشرقین نے حدیث نبوی ﷺ کی حیثیت کو مشکوک بنانے کی کوشش کی اور اسے بطور دینی ماخذ کے ناقابل اعتبار قرار دیا۔

حدیث نبوی کے بارے میں مستشرقین کے خصوصی اہداف

ڈاکٹر لقمان سلفی نے اپنی کتاب ”السنہ“ میں مستشرقین کے حدیث کے بارے میں سات خصوصی اہداف کا ذکر کیا ہے جو درج ذیل ہیں:

۱۔ حدیث نبوی ﷺ کو ناقابل اعتبار ٹھہرانا مستشرقین کا خصوصی ہدف رہا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ حدیث نبوی ﷺ قرآن حکیم کی تفسیر اور وضاحت ہے۔ جب قرآن حکیم کو وضاحت نبوی سے الگ کر دیا جائے تو مسلمان اندھیرے میں ٹانک ٹوٹیاں مارتے رہیں گے اور اس طرح وہ مسلمانوں کو ان کے اصل دین سے دور کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

۲۔ نبی ﷺ کی رسالت میں اس طرح تھکیک پیدا کرنا کہ آپ ﷺ صرف قرآن کے مبلغ ہیں اور ان کا کام قرآن کے مکمل نزول کے ساتھ ختم ہو گیا ہے۔

- ۳۔ سادہ لوح مسلمانوں کو اس بات پر مطمئن کرنے کی کوشش کرنا کہ شریعت اسلامی یہودیت سے اخذ کردہ ہے جیسا کہ گولڈزیہر اور شاخت کا دعویٰ ہے۔
- ۴۔ فقہ اسلامی کی قدر و قیمت میں ٹھیک پیدا کرنا۔
- ۵۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے بارے میں مسلمانوں کے اندر شکوک پیدا کرنا۔
- ۶۔ مسلمانوں میں اپنے وطنی ورثے کے بارے میں یقین کو متزلزل کرنا اور ان کے صحیح عقائد میں شک پیدا کرنا۔
- ۷۔ حدیث نبوی ﷺ سے مسلمانوں کا رابطہ ختم کر کے اسلامی اخوت کا دائرہ اپنے اپنے ملکوں تک محدود کرنا (۴۴۳)۔

مستشرقین کی تحقیق کے اہم نکات

- ڈاکٹر خالد طلوی نے اپنی کتاب ”حفاظت حدیث“ میں مستشرقین کی تحقیق کے درج ذیل اہم نکات بیان کئے ہیں:
- ۱۔ حدیث لٹریچر زیادہ تر زبانی روایت پر مبنی ہے جو ایک صدی سے زیادہ عرصہ سی زبانی روایت سے منتقل ہوتا رہا۔
 - ۲۔ اسلامی قانون کے ابتدائی مجموعوں میں حدیثوں کی تعداد کم ہے جبکہ بعد کے ادوار میں احادیث کی تعداد بڑھ گئی اور متاخر مجموعوں میں اتنی بڑی تعداد جمع کی گئی جو ابتدائی دور میں ناقابل تصوری تھی۔
 - ۳۔ کم عمر صحابہ کی مرویات بڑی عمر کے صحابہ کی مرویات سے کہیں زیادہ ہے۔ اس لیے ان کے ساتھ جو سند ملتی کی گئی ہے وہ قابل اعتماد نہیں۔
 - ۴۔ اسناد کا طریق پہلی صدی ہجری کے آخر میں استعمال کیا گیا لہذا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جس حدیث کو ان اسناد سے بیان کیا گیا ہے وہ صحیح معنوں میں حدیث ہے۔
 - ۵۔ بہت سی احادیث ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔
 - ۶۔ ایسے یقینی ثبوت موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر اسناد اور متن حدیث موضوع ہیں

۷۔ مسلم نقادوں نے اپنے تنقیدی اصولوں کو سند تک محدود رکھا ہے اور متن حدیث پر کبھی تنقیدی نظر نہیں ڈالی (۴۳۵)۔

مستشرقین کا طریقہ کار

- ۱۔ حقائق کو بدلنا۔
- ۲۔ علمی مواد کی نصوص کو بدلنا۔
- ۳۔ علمی مواد کو اپنے فہم کے مطابق ڈھلانا (اگرچہ عربی ذوق سے ناواقف ہوں)۔
- ۴۔ تہذیب اسلامی کو ایک خواخوہار معاشرے اور تہذیب کی صورت میں پیش کرنا۔
- ۵۔ ایسے مصادر سے نقل کرنا جو اسلامی فکر کی نمائندگی نہیں کرتے اور ان کے لکھنے والوں کو اہل اسلام اپنے لئے قابلِ حجت نہیں سمجھتے (۴۳۶)۔

مندرجہ بالا بیچ کے ساتھ مستشرقین نے اسلام اور سنت نبوی کے بارے میں کلام کیا ہے۔

مستشرقین کے حدیث نبوی ﷺ پر اعتراضات اور ان کے جوابات

مستشرقین نے حدیث اور محدثین پر درج ذیل الزامات عائد کئے ہیں:

- ۱۔ احادیث قدیم اسلامی معاشرے میں سیاسی اور معاشرتی ارتقاء کا نتیجہ ہیں۔
- ۲۔ احادیث محض متاخرین ہی نے وضع نہیں کیں بلکہ صحابہ اور تابعین نے بھی وضع کی ہیں۔
- ۳۔ اسلام میں مختلف فرقوں کے افراد نے اپنے فرقوں کی تائید میں احادیث وضع کر کے ان کو نبی ﷺ اور صحابہ کی طرف منسوب کر دیا۔
- ۴۔ محدثین کے ہاں تنقید کا دائرہ سمٹ کر سند تک محدود ہو گیا ہے۔ اس لئے بہت سی غیر صحیح احادیث نقد اسلامی کے لحاظ سے صحیح ہیں۔
- ۵۔ علمائے اسلام نے ایسی احادیث وضع کیں جن سے حکام کی مخالفت ہوتی تھی۔
- ۶۔ مسلمان حکمرانوں نے اپنے سیاسی افکار کی تائید اور متقی افراد کو خاموش کرنے کیلئے احادیث وضع کیں۔

۷۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو ایسی احادیث ضائع کرنے کا حکم دیا جو حضرت علی کی تائید کرتی تھیں اور ان احادیث کو پھیلانے کا حکم دیا جو ان کی حکومت کی تائید

میں تھیں۔

- ۸۔ عبدالملک بن مروان نے قبہ صحرہ کے گرد طواف کرنے کا حکم دیا۔
- ۹۔ امام زہریؒ نے یہ حدیث وضع کی ”لا تشد الرحال الا الى ثلثة مساجد“ (تین مساجد کے علاوہ کسی طرف سفر کا قصد نہ کریں)۔
- ۱۰۔ امام زہریؒ اموی حکمرانوں کی خواہش کے مطابق احادیث وضع کرتے تھے (۳۳۷)۔

ان اعتراضات کا جواب درج ذیل ہے

اعتراض نمبر ۱: احادیث قدیم اسلامی معاشرے میں سیاسی اور معاشرتی ارتقا کا نتیجہ ہیں:

قرآن حکیم اور احادیث نبویہ ﷺ صحیحہ سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ حدیث نبوی ﷺ شریعت اسلامی کا دوسرا ماخذ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین کے کامل ہونے پر اپنی نعمت کی تکمیل اور اسلام کے دین ہونے کو پسند کرنے کے متعلق خبر دی ہے ”الیوم اکملت لکم دینکم“ (آج کے دن میں نے آپ کے لئے آپ کے دین کو مکمل کر دیا ہے) (۲۴۸)۔

یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ حدیث نبوی رسول ﷺ کی زندگی میں نامکمل تھی اور اس کو بعد میں مکمل کیا گیا۔ مسلمانوں کے ہاں یہ بات محقق ہے کہ پیغمبر ﷺ اپنے صحابہ کو ہمیشہ احادیث کو یاد رکھنے کی ترغیب دیتے تھے۔ ان میں سے ایک یہ حدیث ہے ”نصّر اللہ امرۃ اسمع منا شیقا فبلغہ کما سمع“ (اللہ اس شخص کو سبزو شاداب رکھے جس نے ہم سے کچھ سنا اور پھر اُس کو اسی طرح آگے پہنچا دیا جس طرح سنا تھا) (۳۳۹)۔

یہ بات بھی قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں تکمیل حدیث ہوئی۔ صحابہ کرام مشرق و مغرب کے مختلف علاقوں میں گئے، اور وہاں جا کر انہوں نے اسلام کی دعوت دی۔ اور وہاں انہوں نے فرائض، سنن اور اخلاق و آداب بھی سکھائے۔ اور جو چیزیں انہوں نے مختلف علاقوں میں سکھائیں ان میں اور مغرب میں صحابہ سے سیکھنے والے لوگوں کا مشرق میں سیکھنے والوں سے کوئی فرق نہیں تھا۔ اگر احادیث سیاسی اور معاشرتی ارتقا کا نتیجہ ہوتیں تو ایک جگہ کے مسلمانوں کا طریقہ کار دوسری جگہ کے مسلمانوں سے مختلف ہوتا۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ قرآن مجید کے اندر قواعد ہیں اور احادیث میں بھی قواعد ہیں جن کو سامنے رکھ کر مسلمان بعد میں آنے والے زمانوں میں قیامت تک کیلئے استنباط کرتے رہیں گے۔ مسلمان قرآن و سنت میں موجود قواعد کو سامنے رکھ کر اپنے دینی، سیاسی اور معاشرتی معاملات کیلئے استنباط کرتے ہیں۔

گولڈ زیہر اور اس کے مکتبہ فکر کے لوگ مسلمانوں میں وہم پیدا کرنے کیلئے ایسی بات کہتے ہیں جس کا انہیں علم نہیں کہ وہ احادیث ہیں جو مسلمانوں نے وضع کی ہیں اور ان کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے یہ کذب و افتراء ہے اور حقائق کو غلط رنگ میں پیش کرتا ہے۔ اگر اس یہودی مستشرق کا مقصد یہ ہے کہ زندیق، بے دین اور بعض راویوں نے جو کہ اسلام کی طرف منسوب ہیں احادیث وضع کی ہیں تو وہ خود اور اس کے ساتھی یہ بات جانتے ہیں کہ محدثین نے صحیح احادیث کو جھوٹی احادیث سے الگ کر دیا اور دنیا میں ایسی کوئی حدیث نہیں پائی جاتی جس کی محدثین نے ہر طرح سے چھان پھنگ نہ کی ہو اور اس کی حقیقت کو نہ جانا ہو۔ انہوں نے موضوعات اور ضعیف حدیثوں کو الگ خاص کتابوں میں لکھ دیا ہے۔

مسلمانوں کو اس بات سے باخبر ہونا چاہیے کہ اعدائے اسلام مستشرقین کو یہ بات گراں گذرتی ہے کہ یہ باہرکت دولت مسلمانوں کے اندر مقبول رہے۔ اس لئے وہ ہمیشہ باطل، جھوٹی اور موضوع روایات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے ہیں جن کا محدثین قطعی طور پر اقرار نہیں کرتے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ حق کو اپنی شیطانی سازشوں میں چھپا دیں لیکن الحمد للہ یہ ان کا زعم باطل ہی رہے گا۔

اعتراض نمبر ۲: احادیث محض متاخرین ہی نے وضع نہیں کیں بلکہ صحابہ اور تابعین نے بھی وضع کیں۔ ان کے اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں ہے اور امت مسلمہ میں سے کوئی بھی اس کی تائید نقلی طور پر نہیں کرتا۔ صحابہ کی عدالت پر جمہور اہل سنت کا اتفاق ہے۔ ان کے ہاں تمام اصحاب عادل ہیں خواہ وہ آپس کی جگہوں میں شامل ہوئے یا نہ ہوئے۔

حافظ ابن حزم فرماتے ہیں ہم پہلے مہاجرین کی فضیلت کے قائل ہیں پھر اس کے بعد اہل

عقبہ اہل بدر، پھر ہاتی جنگوں میں شامل ہونے والے تمام ایمان و ہدایت پر تھے اور اہل جنت میں سے تھے (۴۵۰)۔

قرآن کی بہت سی آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ صحابہ کرام ایمان کے اعلیٰ درجے پر تھے۔ اسی طرح سے بہت سی احادیث بھی انکی عدالت، ان کے ایمان کے اعلیٰ درجے اور فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ تمام احادیث صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ صحابہ کرام میں ہر قسم کی خوبی پائی جاتی تھی۔ انہیں سے ہی احادیث مروی ہیں اور یہ تمام صدق، دیانت، امانت اور شرافت میں اعلیٰ درجے پر تھے۔ منافقین اور جھوٹے لوگوں کے متعلق کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ وہ احادیث کے راوی تھے ان کے بارے میں رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام سب کو علم تھا۔

کتب احادیث میں ایسی ایک بھی حدیث نہیں ملے گی جس میں صحابہ کرام کے زمانے میں کسی مشکوک آدمی کی روایت ہو بلکہ اکابر صحابہ سے ہی روایات ہیں پھر یہ دعویٰ کیسے کر دیا گیا کہ صحابہ کرام یہ احادیث وضع کرتے تھے؟

صحابہ کرام کے بعد تابعین کی حیثیت بعض اوقات ضعیف بھی ہے لیکن ایسے آدمی محدثین کے ہاں احادیث میں متروک ہیں اور وہ ان کی خود وضاحت کر دیتے ہیں۔ امام الشافعی (ت ۱۰۴ھ)، سعید بن مسیب، سعید بن القطان اور امام زہریؒ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے زمانے کے تابعین کی خوب چھان چھک کی۔ یہ تمام چیزیں مسلمانوں کی معروف کتابوں کے اندر موجود ہیں۔ وہ تابعین جو ہمارے لئے احادیث بیان کرتے ہیں ان کا دین، ایمان، دیانت اور صداقت مسلم ہے۔ جس آدمی کا ضمیر زندہ ہو، وہ اگرچہ یہودی ہی ہو اس قسم کا الزام نہیں لگا سکتا لیکن گولڈ زیبر جیسے متصحب آدمی سے ہر چیز کی توقع ہے۔

اعتراض نمبر ۳: اسلام میں مختلف فرقوں کے افراد نے اپنے فرقوں کی تائید میں احادیث وضع کر کے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی طرف منسوب کر دیا۔

یہ الزام کہ لوگوں نے اپنے مذاہب کی تائید کیلئے احادیث گھڑیں، ایسا کلام ہے جس میں چشم پوشی، حقائق کو چھپانا اور جمال عارفانہ سے کام لیا گیا ہے کیونکہ محدثین نے ان تمام چیزوں کو خود سامنے

رکھا ہے۔ اس کے لئے چند باتیں ملاحظہ ہوں:

الف: مسلمان اس بات کے معترف ہیں کہ بعض کمزور ایمان اور متعصب لوگوں نے اپنے فرقے کی تائید کیلئے حدیثیں وضع کیں۔ لیکن ان تمام احادیث اور وضع کردہ روایات کو محدثین نے خود عیاں کر دیا اور یہ تمام باتیں کتب جرح و تعدیل اور موضوعات کی کتب میں موجود ہیں۔ جیسے نصب الرایہ۔

ب: کتب فقہ، حدیث کی کتابیں نہیں ہیں۔ حدیث کی کتابیں تو مشہور ہیں۔ اگر کوئی حدیث کو تلاش کرنا چاہے تو اس کو کتب حدیث دیکھنی چاہئے جو کہ ان کے اصلی مصدر ہیں۔ محدثین نے ان تمام احادیث کی حیثیت کو واضح کر دیا جو کہ فقہاء کی کتب کے اندر موجود ہیں۔ جیسے نصب الرایہ۔

ج: اگر کوئی ضعیف یا موضوع حدیث سے دلیل پکڑے تو اس کو رد کر دیا جائے۔

د: محدثین اور فقہاء میں اختلافات خواہشات نفس کی بنا پر نہیں تھے کہ وہ احادیث وضع کرتے بلکہ اس کے اسباب میں یہ بات شامل تھی کہ بعض صحابہؓ نے وہ فعل مختلف طریقوں سے انجام دیا۔ جس نے جس طریقے سے دیکھ لیا اس نے ویسے ہی بیان کر دیا۔ بعض اوقات نبی ﷺ نے کسی کام کو دو طریقوں سے کیا تاکہ دونوں طرح سے اس کی جواز کی صورت ہو۔ بعض اوقات پہلا حکم منسوخ ہوتا ہے اور بعد میں آنے والا حکم ناخ ہوتا ہے۔

یہ اختلاف عقائد، امور دین اور ارکان اسلام میں نہیں بلکہ صرف فروعات میں تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بعض حدیثوں میں موجود اختلافات اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ وہ گھڑی ہوئی ہیں اور انہیں اصحاب مذہب نے گھڑا ہے بلکہ اس کے علمی اسباب ہیں جن کو تمام اہل علم امام جانتے ہیں۔
اعتراض نمبر ۴: محدثین کے ہاں تنقید کا دائرہ سن کر سند تک محدود ہو گیا ہے۔ اس لئے بہت سی غیر صحیح احادیث ان کے نقد کے بعد بھی صحیح قرار پائی ہیں۔

یہ اتہام کہ محدثین اپنی تنقید کو صرف سند تک محدود رکھتے ہیں۔ بطور مثال عاستون ویت لکھتا ہے کہ محدثین سنت کے علم کو سند تک محدود رکھتے ہیں یعنی راویوں کی پہچان، ان کی ملاقات اور بعض کا بعض سے سماع وغیرہ، پھر وہ کہتا ہے کہ بعض راویوں نے زبانی احادیث نقل کیں اور حفاظ نے ان کی جمع و تدوین کر دی۔ اور انہوں نے متن کی چھان پھٹ نہ کی لہذا ہمیں یقین نہیں کہ جو حدیث ہم تک پہنچی ہے

وہ پیغمبر ﷺ سے مروی ہے یا اس میں راویوں میں سے کسی نے اپنی حسن نیت سے اضافہ کر دیا ہے (۳۵۱)۔

جب ایک منصف مزاج انسان ان مباحث کو دیکھتا ہے جو کہ محدثین نے اصطلاح حدیث کے بارے میں لکھے ہیں تو اسے معلوم ہوگا کہ سند حدیث کے ساتھ ساتھ متن حدیث کی بھی بہت چھان چھان کی گئی ہے اور اس پر بہت غور و خوض کر کے لکھا گیا۔ بلکہ یہ ایک الگ علم ہے جس پر محدثین نے گفتگو کی ہے۔ محدثین، سند اور متن دونوں کو دیکھ کر ہی احادیث کا فیصلہ کرتے تھے۔ اگر کوئی آدمی صحیح حدیث کی تاریخ پڑھے تو اس میں شاذ اور علت کا لفظ موجود ہے جو کہ نقد متن بھی ہے اور نقد سند بھی۔ اسی طرح سے کوئی حدیث حسن لذاتہ سے صحیح لغیرہ کے درجہ پر جاتی ہے تو اس میں متن کو بھی سند کے ساتھ زیر غور لایا جاتا ہے۔ اس لئے علماء حدیث نے حسن اسناد یا صحیح الاسناد اور حدیث حسن صحیح میں فرق کیا ہے کیونکہ کبھی حسن الاسناد متن کے بغیر ہوتی ہے۔ اسی طرح سے مقلوب کی بھی دو قسمیں ہیں۔ مقلوب متن اور مقلوب سند۔ اسی طرح سے موضوع حدیث کو جاننے کے لیے متن کو بھی سامنے رکھنا ہوتا ہے۔ اس کا بہت سی کتب حدیث میں ذکر موجود ہے (۳۵۲)۔

محدثین کے ہاں مراسل صحابہ مقبول ہیں اگرچہ ان میں علم انقطاع سند ہوتا ہے۔ یہ اس لیے کہ جس متن کو صحابی بیان کرے وہ خود ساختہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین عادل ہیں (۳۵۳)۔

ان حقائق کو سامنے رکھ کر یہ الزام کیسے لگایا جاسکتا ہے کہ محدثین نے نقد سند کے ساتھ نقد متن کا اہتمام نہیں کیا۔

اعتراض نمبر ۵: علمائے اسلام نے ایسی احادیث وضع کیں جن سے حکام کی مخالفت ہوتی تھی۔

یہ دعویٰ کہ علمائے اسلام نے وہ حدیثیں وضع کی ہیں جن سے اموی حکمرانوں کی مخالفت محسوس ہوتی تھی حقائق سے قطعی چشم پوشی ہے۔ کیونکہ جن علماء نے حدیث نبوی کی خدمت کی ہے اور انہیں کتب میں جمع کیا ان میں اور اموی حکمرانوں میں کوئی مخالفت نہیں تھی۔ اموی حکمران اس بات سے مستغنی تھے کہ وہ علماء کو اپنے خلاف کریں جس طرح کہ حدیث کے مشہور علماء کو بھی اس بات کی ضرورت

نہیں تھی کہ وہ اموی حکمرانوں کی مخالفت کرتے اور اگر کوئی ایسی چیز پیدا ہوئی بھی جیسے سعید بن مسیب اور عبد الملک کے درمیان یا حجاج بن یوسف کا بنو امیہ کے مخالفین پر ظلم ایسی چیزیں نہیں تھیں جو احادیث کو وضع کرنے پر مجبور کرتیں۔

اموی حکمرانوں، امامت علی کے معتقدین اور خوارج کے درمیان دشمنی کے اسباب تاریخ میں محفوظ ہیں۔ کیا کوئی مستشرق یہ ثابت کر سکتا ہے کہ جن لوگوں نے جمع و تدوین حدیث کا کام کیا وہ خوارج یا علوی تھے۔ جبکہ تدوین حدیث کا کام کرنے والوں کے احوال زندگی محفوظ ہیں۔

امام زہری، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، حسن بصری اور لیث بن سعد وغیرہ بہت سے لوگ کوفہ، شام، یمن اور بغداد میں تھے۔ کیا کوئی مستشرق یہ ثابت کر سکتا ہے کہ ان کی اموی حکمرانوں سے کوئی مخالفت تھی اور ان محدثین کی جماعت سے کسی جھوٹ کا ظہور ہو سکتا تھا؟ یا ان کا مقصد درہم و دینار کا حصول تھا؟ اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ ان کی مخالفت تھی تو کیا وضع حدیث کے علاوہ دشمنی کیلئے کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بہتان کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۶: مسلمان حکمرانوں نے اپنے سیاسی افکار کی تائید اور متقی افراد کو خاموش کرنے کیلئے احادیث وضع کیں۔

یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ کتب احادیث میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں جو کہ عبد الملک یا یزید یا ولید بن عبد الملک یا کسی اور اموی حکمران کے واسطے سے روایت کی گئی ہو بلکہ ان کے راوی دیگر محدثین ہیں۔ ان کے اور ان راویوں کے احوال زندگی کتب رجال میں محفوظ ہیں اور محدثین ایسے کسی شخص سے روایت قبول نہیں کرتے تھے جس کا رجحان گناہ کی طرف ہو یا جس کی عدالت میں نقص ہو۔ اسی طرح گولڈ زیمر نے بعض اموی خلفاء پر ایسے الزامات لگائے ہیں جن سے احادیث کی مخالفت کا پہلو نکلتا ہے وہ بھی محض الزامات ہیں (۲۵۴)۔

کتب حدیث میں ایسی کسی روایت کی نشاندہی نہیں ہوتی جو صراحتاً انہوں نے متقی لوگوں کو خاموش کرنے کے لیے وضع کی ہوں اور زیر بحث دور کا ایسا کوئی متقی شخص جاہل نہیں تھا جس کو موضوع حدیث کا پتہ ہی نہ چل سکا ہو۔

اعتراض نمبر ۷: حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو ایسی احادیث ضائع کرنے کا حکم دیا جو حضرت علیؓ کی تائید کرتی تھیں اور ان احادیث کو پھیلانے کا حکم دیا جو ان کی حکومت کی تائید میں تھیں۔

یہ اتہام بھی غلط ہے اور اس کو غلط طریقے سے پیش کیا گیا ہے کہ وضع حدیث میں حضرت معاویہؓ نے حصہ لیا۔ گولڈ زیہر اس کے لئے دلیل پیش کرتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے کہا ”علیؓ کو گالیاں دینے میں سستی سے کام نہ لو۔ حضرت عثمانؓ کیلئے خدا کی رحمت طلب کرو اور اصحاب علیؓ کو برا بھلا کہو۔ ان کی احادیث کا مقابلہ کرو۔ اس کے برخلاف حضرت عثمانؓ اور آل عثمانؓ کی مدح کرو۔ ان کا قرب حاصل کرو اور ان کی باتیں سنو۔“ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی لکھتے ہیں کہ گولڈ زیہر کی دلیل پر غور کریں۔ حضرت معاویہؓ کا اپنے عامل سے یہ کہنا کہ اصحاب علیؓ کو مرعوب کریں اور آل عثمانؓ کو مقرب بنائیں اس میں وضع حدیث کی کون سی دلیل نکلتی ہے (۳۵۵)۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت مغیرہؓ سے یہ نہیں کہا تھا کہ حضرت علیؓ کے خلاف اور حضرت عثمانؓ کے حق میں احادیث وضع کریں۔ ایسی کوئی حدیث نہیں ملتی جو حضرت مغیرہؓ نے حضرت معاویہؓ کی حکومت کی تائید میں روایت کی ہو اور کتب رجال میں ان کے احوال زندگی میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی تائید والی حدیثوں سے روکا ہو۔

اعتراض نمبر ۸: عبدالملک بن مروان نے قبۃ الصخرہ کے گرد طواف کرنے کا حکم دیا (۳۵۶)۔

یہ الزام بھی درست نہیں ہے اور یہ گولڈ زیہر نے یعقوبی سے نقل کیا ہے (۳۵۷)۔ یعقوبی شیعہ مؤرخ ہے اس نے دیگر شیعہ حضرات کی طرح حقائق کو مسخ کرنے کیلئے ایسی روایات لکھی ہیں۔ اس کے علاوہ کسی مؤرخ نے اس بات کو نہیں لکھا بلکہ ابن الاثیر اور ابن کثیر نے یہ لکھا ہے کہ قبۃ الصخرہ کو عبدالملک کے بعد اس کے بیٹے ولید بن عبدالملک نے بنایا اس سے اس قصہ کا باطل ہونا ظاہر ہو گیا (۳۵۸)۔ امام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے صحابہ اور تابعین میں سے کوئی بھی قبۃ الصخرہ کی تعظیم نہیں کرتا تھا وہ منسوخ قبلہ ہے (۳۵۹)۔ اگر اس قسم کا کوئی واقعہ ہوتا تو محدثین اور علماء اس پر خاموش نہ رہتے۔

اعتراض نمبر ۹: امام زہریؒ نے یہ حدیث وضع کی ”لا تشد الرحال الا الی ثلثة مساجد“ (تین مساجد کے علاوہ کسی طرف سفر کا قصد نہ کیا جائے)۔

یہ دعویٰ کہ امام زہری نے حدیث ”لا تشد الزحالی الا الی ثلاثة مساجد“ (۳۶۰)۔ عبد الملک کے کہنے پر وضع کی، محض اہتمام ہے۔ مستشرق پروفیسر موروٹس (Horovitz) نے اس بات پر تنقید کی ہے اور لکھا ہے کہ امام زہری وضع و افتراسے بہت بلند تھے۔ بلکہ وہ خلیفہ عبد الملک کے مخالف رہتے تھے اور ان میں بعض اوقات تلخ کلامی بھی ہو جاتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث ”لا تشد الزحالی“ اس نے وضع نہیں کی بلکہ ایمان کامل اور مکمل حافظے کے ساتھ روایت کی (۳۶۱)۔

یہ قول اس لئے نقل کیا گیا ہے تاکہ مستشرقین کے کلام کو اس (موروٹس) کے ذریعے سے رد کیا جائے مگر نہ مسلمان اس حدیث کی صحت پر یقین رکھتے ہیں اور وہ امام زہری کے دامن کو تو وضع حدیث سے یہودی مستشرق کی پیدائش سے قبل بھی مبرا سمجھتے تھے اس لئے کہ یہ حدیث متعدد سندوں سے کئی صحابہ سے مروی ہے۔ اور پھر ان صحابہ سے مختلف راویوں نے روایت کیا ہے اور ان میں سے ایک راوی امام زہری بھی ہیں۔

صحابہ میں سے یہ حدیث حضرت ابو سعید خدریؓ، حضرت ابو ذر غفاریؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے۔ اسی طرح ان سے آگے کئی راوی ہیں (۳۶۲)۔ امام ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ اہل علم کا اس حدیث کی صحت پر اجماع ہے (۳۶۳)۔

اعتراض نمبر ۱۰: امام زہریؒ اموی حکمرانوں کی خواہش کے مطابق احادیث وضع کرتے تھے۔ یہ الزام کہ امام زہریؒ امویوں کی رغبت کے مطابق حدیثیں گھڑ لیتے تھے، محض بہتان ہے۔ جو کوئی بھی امام زہریؒ کی سیرت و جرات کردار کے بارے میں جانتا ہے اس کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے کہ امام زہریؒ کی سیرت کا حدیث کی کتابوں میں مطالعہ کیا جاسکتا ہے (۳۶۴)۔

استشراتی فکر پر گولڈزیہر کے اثرات

حدیث پاک کے متعلق جس مستشرق نے زیادہ شہرت حاصل کی ہے وہ مشہور یہودی مستشرق گولڈزیہر (Goldziher) ہے۔ مستشرقین کی اسلامی تحقیقات پر جتنا اثر انداز گولڈزیہر کا ہوا کسی دوسرے مستشرق کا نہیں ہوا۔

گولڈزیہر کے تدوین حدیث نبوی ﷺ پر اعتراضات اور ان کے جوابات

- ۱۔ حدیث نبوی ﷺ کا ظہور مسلمانوں کے دینی، سیاسی اور اجتماعی تنازعات کے نتیجے میں ہوا جو پہلی اور دوسری صدی میں رونما ہوئے۔
 - ۲۔ وضع حدیث کا سبب وہ بغض اور عداوت ہے جو اموی خلفاء اور علمائے دین کے مابین پائی جاتی تھی۔ علمائے مدینہ نے بنو امیہ سے انتقام لینے کے لئے حدیثیں وضع کرنے کی طرح ڈالی۔
 - ۳۔ علماء نے دھرمیت، الحاد اور دینی احکام سے نفرت و بعد کا مقابلہ کرنے کیلئے حدیثیں وضع کیں۔
 - ۴۔ علمائے مدینہ نے فضائل اہل بیت میں حدیثیں وضع کیں۔
 - ۵۔ اموی خلفاء کو جب کسی بات کو پھیلانا ہوتا تو ایسی احادیث کا سہارا لیتے جو ان کے نظریات سے ہم آہنگ ہوتیں۔ ان احادیث کو یا تو خود وضع کرتے یا وضع کرانے کی دعوت دیتے
 - ۶۔ اختلافی مسائل کے سلسلے میں اصحاب مذاہب نے حدیثیں وضع کی ہیں۔
 - ۷۔ اموی خلفاء نے امام زہری کو حدیثیں گھڑنے کا حکم دیا تھا (۳۶۵)۔
- گولڈزیہر کا پہلا اعتراض: حدیث نبوی ﷺ کا ظہور اور اشاعت مسلمانوں کے دینی، سیاسی اور اجتماعی تنازعات کے نتیجے میں ہوا جو پہلی اور دوسری صدی ہجری میں رونما ہوئے۔
- گولڈزیہر کے خیال میں آپ ﷺ کے عالم آخرت تشریف لے جانے کے وقت اسلام نا پختہ، نامکمل اور نا تمام تھا۔ اسلامی فتوحات کے نتیجے میں مسلمانوں کو ایسے مسائل کا سامنا کرنا پڑا جن کی تفصیلات قرآن و سنت میں نہیں تھیں۔ مسلمانوں نے قیاس اور استنباط کی مدد سے احکام وضع کئے۔

اس اعتراض کے جواب کے لئے تین دلائل پیش کرنا چاہتے ہیں:

- ۱۔ قرآن حکیم کی آخری آیت ہے ”الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا“ (۳۶۶)۔

۲۔ اسلام عصرِ اوّل میں کتنا پختہ تھا اس کے لئے مصطفیٰ سہابی کی یہ دلیل بہت مضبوط ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے تہذیب و کمال کی بلندیوں پر فائز اپنے وقت کی دو عظیم مملکتوں قیصر و کسریٰ کا نظم و

نق سنبالا تو ان کو ایسا امن نصیب ہوا جو قیصر و کسریٰ کے عہد میں نہ تھا (۳۶۷)۔

۳۔ اہل اسلام زمین کے دور افتادہ گوشوں تک پہنچنے ان کی عبادت کا رنگ ڈھنگ، عقائد، عبادات اور معاملات میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ اگر احادیث نبوی ﷺ ابتدائی دو صدیوں کے انتشار کا نتیجہ ہوئیں تو افریقی مسلمانوں کی عبادت چینیوں سے مختلف ہوتی اور پھر قانون اور آداب و اطوار میں یکساں ہونے کا سوال ہی نہ پیدا ہو سکتا (۳۶۸)۔

اعتراض نمبر ۲: وضع حدیث کا سبب وہ بغض اور عداوت ہے جو اموی خلفاء اور علمائے دین کے مابین پائی جاتی تھی۔ علمائے مدینہ نے بنو امیہ سے انتقام لینے کے لئے حدیثیں وضع کرنے کی طرح ڈالی یہ بات درست ہے کہ اموی خلفاء خوارج اور علویہ کے سخت دشمن تھے۔ ان کے درمیان عداوت پائی جاتی تھی مگر خوارج اور علویہ نے حدیث نبوی ﷺ کی جمع و تدوین اور اس کی تنقید اور نقل کے ضمن میں کوئی خدمت انجام نہیں دی۔ حدیث نبوی کی خدمت کا سہرا درج ذیل علماء کے سر ہے: سعید بن مسیب، ابوبکر بن عبدالرحمن، عبید اللہ بن عتبہ، سالم بن عبد اللہ بن عمر، نافع مولیٰ ابن عمر، سلیمان بن یسار، قاسم بن محمد بن ابی بکر، امام زہری، عطاء، شعبی، علقمہ، حسن بصری اور دیگر ائمہ حدیث۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نہ تو کبھی بنو امیہ کے خلاف رہے نہ انہیں ان سے بغض و عداوت تھی (۳۶۹)۔

سعید بن مسیب اور عبد الملک کے تعلقات اس وقت متاثر ہوئے جب اس نے اپنے بیٹے ولید اور اس کے بعد سلیمان کی بیعت خلافت کا تقاضا کیا جو انہوں نے تسلیم نہ کیا اور فرمایا نبی ﷺ نے بیک وقت دو شخصوں کی بیعت سے منع فرمایا تھا۔ اسی طرح حجاج بن یوسف اور بعض علماء کے تعلقات کی خرابی کی وجہ حجاج کی بنو امیہ کے دشمنوں پر سختی تھی۔ اس لئے نہیں کہ حجاج فاسق اور گمراہ تھا۔ حجاج نے ہی قرآن حکیم پر نقطے اور اعراب لگوائے۔ یہ وصف اسی شخص کا ہو سکتا ہے جو نہایت دیندار ہوا الخضر گولڈزیہر کی علماء سے مراد خوارج اور علوی علماء ہیں تو انہوں نے حدیث کی جمع و تدوین میں حصہ ہی نہیں لیا۔

گولڈزیہر نے اپنی تصانیف ”دراسات اسلامیہ“ اور ”العقیدہ والشریعہ“ میں علمائے مدینہ پر الزام عائد کیا ہے کہ وہ وضاع حدیث تھے۔ مصطفیٰ سباعی اس کا جواب دیتے ہوئے یہ سوالات اٹھاتے ہیں:

۱۔ علمائے مدینہ نے وضع حدیث کا آغاز کیا تھا تو کیا اس وقت کچھ اور علماء مکہ، کوفہ، دمشق اور مصر میں موجود نہ تھے؟

۲۔ کیا تمام علاقوں کے علماء وضع حدیث میں شامل تھے؟

۳۔ کس مجلس میں جمع ہو کر انہوں نے وضع حدیث کی سازش تیار کی؟

۴۔ اہل مدینہ کی روایت کردہ احادیث ان سے کیونکر اخذ کی گئیں؟

۵۔ کیا علمائے اہل مدینہ کو علمائے وقت نے معتوب ٹھہرایا؟

حقیقت یہ ہے کہ تمام علماء، اہل حجاز کی روایات کو زیادہ صحیح تصور کرتے تھے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ گولڈزیہر نے ابن مسنیہ کی عبدالملک کے ساتھ دشمنی کو تو وضع حدیث کا سبب قرار دیا ہے لیکن وہ ابن مسنیہ کی ایک روایت بھی اپنے دعوے کے ثبوت کے طور پر پیش نہ کر سکا۔ لہذا اس کا دھڑی بے بنیاد ہے (۴۷۰)۔

اعتراض نمبر ۳: علماء نے دھڑیت الحاد اور دینی احکام سے نفرت و بُعَد کا مقابلہ کرنے کے لئے حدیثیں وضع کیں۔

گولڈزیہر ہمارے علماء کے لئے وضع حدیث کا جواز پیش کرتا ہے لیکن ڈاکٹر مصطفیٰ سہامی کے مطابق: ”ایسی بات کہنے والا شخص ہمارے علماء کے اخلاقِ جلیلہ کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور نہ وہ کذب و افتراء سے اس حد تک پاک ہو سکتا ہے جس حد تک ہمارے علماء حتیٰ کہ نجی زندگی میں بھی جھوٹ سے پاک تھے۔ ہمارے علماء رحمۃ اللہ علیہم پر افتراء پردازی کو جس نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس کا شرمہ بھی اس شخص میں موجود نہیں۔ بعض علماء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ ہائے مہملہ والا کافر اور واجبِ القتل ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی (۴۷۱)۔

کیسے ممکن ہے کہ سعید بن مسیب جیسا شخص مار کھانے اور ذلت و رسوائی کے لئے تو تیار ہو مگر بیک وقت دو شخصوں کی بیعت اس لئے نہ کرے کہ یہ خلاف سنت ہے۔ پھر اس کے بعد سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کے لئے دروغ گوئی کو جائز قرار دے۔

اعتراض نمبر ۴: علمائے مدینہ نے فضائلِ اہل بیت میں حدیثیں وضع کیں:

پہلی دلیل اس ضمن میں یہ ہے کہ اہل بیت کی مدح و ستائش میں حدیثیں وضع کرنے کی بجائے علماء نے حدیثیں گھڑنے والوں کا مقابلہ کیا اور وضع حدیث کی تحریک کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر علمائے مدینہ نے حدیثیں گھڑی تھیں تو انہیں شیعہ کے خلاف برسرِ پیکار ہونے کی بجائے ان کے ساتھ مل جانا چاہیے تھا لیکن انہوں نے ایسا کیوں نہیں کیا (۴۷۲)۔

اعتراض نمبر ۵: اموی خلفاء نے وضع حدیث میں حصہ لیا:

پہلی دلیل: اگر اموی خلفاء نے حدیثیں وضع کیں تو ان کی وضع کردہ احادیث کہاں گئیں، علمائے حدیث، حدیث کے ساتھ سند بھی بیان کرتے ہیں۔ احادیث صحیحہ کی اسانید کتب حدیث میں محفوظ ہیں۔ کسی حدیث کی سند میں عبدالملک یا یزید یا ولید یا ان کے کسی عامل اور حاکم کا نام کیوں نہیں ملتا؟ دوسری دلیل: اگر حدیثیں وضع نہیں کی تھیں اس کی دعوت دی تھی تو اس کی دلیل کیا ہے؟ (۴۷۳) اعتراض نمبر ۶: اختلافی مسائل کے سلسلے میں اصحاب مذاہب نے حدیثیں وضع کیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ احادیث میں اختلافات موجود ہیں۔ ان اختلافات کے اسباب وہ ہیں جو علمائے حدیث نے بتائے ہیں مثلاً:

۱۔ آپ ﷺ نے ایک کام کو مختلف طریقوں سے انجام دیا۔ صحابہ کرامؓ نے اپنا اپنا مشاہدہ ذکر کر دیا۔ مثلاً وتر کی تعداد میں اختلاف ہے۔

۲۔ آپ ﷺ کا حال دیکھ کر صحابہ کرامؓ جو سمجھتے وہ بیان کر دیتے مثلاً آپ ﷺ کے حج کے بارے میں صحابہ کا اختلاف۔ ہر صحابی نے اپنی سمجھ کے مطابق ذکر کیا جب کہ حج میں افراد یا قرآن یا جمع کا پتہ تو نیت سے چلتا ہے جو پوشیدہ چیز ہے۔

۳۔ ایک حکم کا دوسرے حکم کے لیے ناخ ہونا اور صحابی کو ناخ کا پتہ نہ چلے اور وہ روایت کر دے جس طرح سے سنے۔ اختلاف کے اگرچہ اور بھی اسباب ہیں۔ محدثین نے حدیث میں پیدا ہونے والے اختلاف اور ان کے اسباب کے ساتھ ساتھ اگر اختلاف کا موجب و محرک وضع حدیث تھا تو وہ بیان کر دیا اور جہاں کوئی اور بات تھی وہ بھی ذکر کر دی۔ اس موضوع پر علماء کی قابلِ قدر کتب موجود ہیں۔ لہذا ان اختلافات کی بنیاد پر حدیث کو موضوع قرار دینا غلط اور بے بنیاد ہے (۴۷۴)۔

اعتراض نمبر ۷: اموی خلفاء نے امام زہری کو حدیثیں گھڑنے کا حکم دیا تھا۔

گولڈ زیہر کہتا ہے کہ بنو امیہ نے وضع حدیث کے سلسلے میں امام زہری جیسے لوگوں سے کام لیا تھا۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سبامی نے امام زہری پر الزام کے حوالے سے تین سوالات اٹھا کر ان کا جواب دیا ہے۔

۱۔ امام زہریؒ کو اموی خلفاء کی خواہشات کی پیروی کی ضرورت کیا تھی؟ کیا وہ مال کے طلبگار تھے۔ گولڈ زیہر اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ زہری ایسے آدمی نہ تھے جن کو مال سے خریداجا سکے۔

۲۔ کیا زہری جاہ و منصب کے خواہاں تھے؟

گولڈ زیہر اس امر میں اتفاق کرتا ہے کہ پوری ملت اسلام زہری کو عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ پھر اس کے بعد آخر انہیں اور کون سے منصب کی تلاش تھی۔ زہری شرع کے پابند اور جری انسان تھے۔ تو پھر وہ اتنے کم عقل کیسے ہو سکتے تھے کہ اپنا دین بنو امیہ کے پاس فروخت کر دیتے اور مسلمانوں میں جو عزت انہیں حاصل تھی اسے فروخت کر دیتے۔

۳۔ جرح و تعدیل کے علماء ان کے بارے میں کیوں خاموش رہے۔ جب کہ ان میں احمد بن حنبل، یحییٰ ابن معین، بخاری، مسلم اور ابن ابی حاتم جیسے محدثین شامل تھے جو کسی ملامت کی پرواہ نہ کرتے۔ پھر وہ ایسے شخص کو کیسے معاف کر سکتے تھے جو اموی دور کے سرکردہ اور مشہور لوگوں میں سے تھے۔ اموی خلفاء سے تعلق رکھنے کے باوجود عباسی خلافت کے علمائے جرح و تعدیل کے زہری کی توثیق و تائید کرنے میں اس بات کی زبردست دلیل موجود ہے کہ زہری ٹھک و شبہ سے بالاتر اور کذب اور وضع کی جانب میلان و رجحان رکھنے سے پاک تھے (۴۷۵)۔

مستشرقین کے اثرات

مستشرقین کے اثرات یوں تو دنیا بھر کے مسلمانوں پر مرتب ہوئے لیکن خاص طور پر مصر اور ہندوستان کے مسلمانوں پر ان کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں سرسید احمد خان ان افکار سے متاثر ہونے والے پہلے شخص ہیں۔ ان کے بعد علامہ مشرقی، حافظ اسلم جیرا جہوری اور غلام احمد پرویز اس مسلک کو لے کر آگے چلے۔

مصر میں گولڈ زیہر کی کتاب کا ”العتیدہ والشریعتہ فی الاسلام“ کے نام سے عربی میں ترجمہ

ہوا۔ اسے عبدالعزیز، عبدالحق، ڈاکٹر علی حسن، عبدالقادر اور محمد یوسف موسیٰ نے عربی میں منتقل کیا اور یوں گولڈزیہر کے خیالات کے اثرات عربی حلقوں میں نظر آنے لگے۔ احمد امین نے ”فجر الاسلام“ اور ابراہیم نے ”الاضواء علی السنة المحمدیہ“ میں ان اثرات کو زیادہ مرتب انداز میں پیش کیا ہے جو کہ مستشرقین کی خوش چینی ہے۔

مستشرقین استعماری مقاصد کی تکمیل کے لئے جو کام کرتے رہے اور اس کے لئے جہاں نام نہاد مسلمان دانشور اپنی فکری کج روی اور مرعوبیت کے باعث مسلمانوں کی فکری بنیادیں متزلزل کرنے میں مصروف عمل رہے ہیں۔ وہیں ان کی تحریروں کے جواب میں لٹریچر بھی تیار ہوا ہے۔ گولڈزیہر اور اس کے متاثرین کے سلسلے میں ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی کی کتاب ”السنة ومكانتها فی التشريع الاسلامی“ حجت ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں گولڈزیہر اور شاخت کے نظریات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ ان کا مقالہ (Early studies in hadith literature) کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کا عربی میں ترجمہ ”دراسات فی الحدیث النبوی وتاریخ تدوینہ“ کے نام سے بھی ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر اعظمی نے ان محققین کے مغالطوں کا جائزہ لیا ہے۔ انہوں نے شاخت کی کتاب (origins of Muhammad Jurisprudance) کے جواب میں تنقیدی جائزہ لیا اور کتاب لکھی جس کا نام On schachts origins of Muhammad Jurisprudance ہے۔ ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی نے اس موضوع پر اس سے قبل Hadith literature لکھی ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی کا نظریہ حدیث

برصغیر پاک و ہند کے معروف دینی سکالر مولانا امین احسن اصلاحی بہر ۹۴ سال ۱۱ ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ کو لاہور میں انتقال فرما گئے۔

آپ نے مولانا حمید الدین فراہی، مولانا عبدالرحمن گرامی اور مولانا عبدالرحمن مبارکپوری شارح ترمذی (تحفۃ الاحوذی) جیسے ماہر اساتذہ سے مختلف علوم و فنون میں ورک حاصل کیا۔ مولانا ابو الحسن ندوی، مولانا منظور احمد نعمانی جیسے نامور لوگوں کے ساتھ سید مودودی کی رفاقت اختیار کی۔ طویل عرصہ تک ان کے دست راست اور نائب امیر کے طور پر کام کیا۔ جماعت اسلامی سے جنوری ۱۹۵۸ء میں حتی طور پر علیحدہ ہو گئے (۱۹۷۶ء)۔ بعد ازاں آپ نے اپنے استاد گرامی کی فکر کو آگے بڑھانا زندگی کا مشن قرار دیا اور باقی ماندہ عمر فکر فراہی کی نشر و اشاعت میں گزاری۔ اس کے لیے تدبیر قرآن کی صورت میں ضخیم جلدوں پر مشتمل اردو تفسیر عرصہ ۲۱ سال میں مکمل کی (۱۹۷۷ء)۔ ”مبادی تدبیر قرآن“ اور ”مبادی تدبیر حدیث“ جیسی اصولی، حقیقت دین جیسی نظریاتی اور ”تزکیہ نفس“ جیسی اصلاحی، ”دعوت دین اور اس کا طریق کار“ جیسی تبلیغی و دعوتی، ”اسلامی ریاست اور اسلامی قانون کی تدوین“ جیسی فقہی، ”اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام“ اور ”قرآن میں پردے کے احکام“ جیسی معاشرتی امور سے متعلقہ کتب بطور یادگار چھوڑیں۔

آپ کا علمی مقام بلا رعب و مرطوب تھا اس لیے مختلف اسلامی موضوعات پر آپ کے کاموں کا سلسلہ بھی وسیع تھا۔ اس وقت آپ کے جملہ علمی کاموں کا جائزہ لینا مقصود نہیں بلکہ صرف مولانا کے نظریہ حدیث کے حوالے سے چند امور کی نشان دہی مطلوب ہے۔

قرآن مجید سے خصوصی شغف رکھنے اور مولانا فراہی صاحب سے علوم قرآنی میں خوب استفادہ کے بعد صاحب ”تحفۃ الاحوذی شرح سنن للترمذی“ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری سے خصوصی استفادہ کے ساتھ اصول حدیث میں شرح نخبۃ الفکر اور متن حدیث میں ترمذی شریف پڑھی (۱۹۷۸ء)۔ ان کے اپنے الفاظ میں ”تاکہ حدیث سمجھنے کا سلیقہ یکسو“ اور اس کے لیے روزانہ گھنٹوں کی پڑھائی کے علاوہ

پیدل ۴ میل آنے جانے کا سفر بھی طے کرتے تھے (۴۷۹)۔

تدبر قرآن سے فراغت پانے پر تدریس حدیث کا سلسلہ سال ہا سال تک جاری رکھا۔ اس میں مؤطا امام مالک اور ”مسلم شریف“ مکمل پڑھائیں۔ جب کہ صحیح بخاری مکمل نہ کر سکے۔

حدیث سے متعلق مولانا کا عام رویہ

مولانا امین احسن اصلاحی حدیث نبوی کے حوالے سے اصول حدیث اور محدثین کی کوششوں کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کرنے والے نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی اصول حدیث و اخبار آحاد کی تعریف و توصیف کرتے نظر آتے ہیں اور کبھی مشہور احادیث کا انکار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اپنی کتاب ”اسلامی قانون کی تدوین“ میں لکھتے ہیں: ”نمازوں کے اوقات کیا کیا ہیں؟ نمازیں کتنی بار پڑھی جائیں اور کس طرح پڑھی جائیں؟ مختلف چیزوں پر زکوٰۃ کی مقدار کیا ہو؟ روزوں کی عملی شکل و صورت کیا ہے؟ حج کے مناسک کیا ہیں؟ وہ کس طرح ادا کیے جائیں؟ مسلمانوں کے لیے ظاہری شکل و صورت میں کیا چیزیں امتیاز اور شعار کی حیثیت رکھتی ہیں؟ اسلامی معاشرے میں کیا چیزیں امتیازی خصوصیات کی حیثیت رکھتی ہیں؟ اسلامی نظام کی عملی شکل کیا ہوتی ہے؟ اور اس طرح کے جتنے مسائل بھی ہیں ان میں سے کون سی چیز ہے جو امت کے عملی تواتر نے ہم تک منتقل نہیں کی ہے؟۔ یہ ساری چیزیں ہم نے صرف حدیث کی کتابوں ہی سے نہیں جانی ہیں بلکہ جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے مختلف طریقوں سے اور اتنے مختلف طریقوں سے جانی ہیں کہ ان کا انکار کرنا یا ان کو مشتبہ اور مشکوک ٹھہرانا بالکل ہدایت کا انکار کرنا اور ایک حابث اور قطعی حقیقت کو جھٹلانا ہے۔ کتب حدیث کا احسان یہ ہے کہ ان کے ذریعے یہ چیزیں تحریر میں بھی آئیں اور اس طرح تحریر میں آئیں کہ انسانی ہاتھوں سے انجام پاتے ہوئے کسی کام میں زیادہ سے زیادہ جو احتیاط ممکن تھی وہ ان کے ضبط و تدوین کے معاملے میں ملحوظ رکھی گئی ہے“ (۴۸۰)۔

انکار کرنے پر آتے ہیں تو مشہور و متواتر روایات کا بھی انکار کر جاتے ہیں۔ مثلاً احادیث رحم جو کہ ۳۳ صحابہ کرام سے مروی ہیں اور انہیں کثرت طرق و صحت مضمون کی بنیاد پر حافظ ابن حجر، امام شوکانی، مولانا ثناء اللہ پانی پٹی، امام رازوی، امام لودوی، حافظ ابن کثیر وغیرہ میں سے بعض اقرار صحت اور بعض متواتر کا حکم لگاتے ہیں“ (۴۸۱)۔

مولانا اصلاحی صاحب کاسنت کانیا مفہوم متعین کرنا اور اس کی مناسبت

سے احادیث سے بعد کی راہ دکھلانا

مولانا کے خیال میں سنت سے مراد نبی ﷺ سے صرف ثابت شدہ اور معلوم طریقہ ہے۔ جس پر آپ ﷺ نے بار بار عمل کیا جس کی آپ ﷺ نے پابندی فرمائی ہو جس کے حضور ﷺ عام طور پر پابند رہے ہوں۔ جبکہ حدیث ہر وہ قول و فعل یا تقریر ہے جس کی روایت نبی ﷺ کی نسبت کے ساتھ کی جائے (۳۸۲)۔

جبکہ محدثین اور فقہاء کے ہاں سنت اور حدیث باہم مترادف ہیں۔ چنانچہ الجزائری لکھتے ہیں ”اما السنة فتطلق على الاكثر على ما اضيف الى النبي ﷺ من قول او فعل او تقرير فهي مرادفة للحديث عند علماء الاصول“ (۳۸۳) (سنت کا اطلاق زیادہ تر اس چیز پر ہوتا ہے جس کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف ہو، قول ہو یا فعل یا تقریر، علمائے اصول کے ہاں یہ حدیث کے مترادف ہے)۔

صاحب مسلم الثبوت کے نزدیک ”السنة لغة العادة وههنا ما صدر عن رسول الله ﷺ غير القرآن من قول او فعل او تقرير كذا في شرح المختصر“ (۳۸۴) (لغت میں سنت کے معنی عادت کے ہیں لیکن یہاں (یعنی فن حدیث کی اصطلاح میں) وہ چیز جو آنحضرت ﷺ سے قرآن کے علاوہ قول، فعل یا تقریر کی صورت میں مروی ہو)۔

امام شافعی نے سنت کو نقل سے مخصوص کیا ہے۔ ”يطلق لفظ السنة على ما جاء منقولا عن النبي ﷺ على الخصوص مما لا نص عليه في الكتاب العزيز“ (۳۸۵) (سنت کے لفظ کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو آنحضرت ﷺ سے منقول ہو خاص طور پر وہ چیز جس پر کتاب عزیز کی نص نہ ہو)۔

اسی طرح صاحب نور الانوار لکھتے ہیں ”السنة تطلق على قول الرسول وفعله وسكوته وعلى اقوال الصحابة وافعالهم“ (۳۸۶) (سنت کا اطلاق قول رسول، فعل اور آپ ﷺ کی خاموشی پر ہوتا ہے اور صحابہ کے اقوال اور افعال پر ہوتا ہے)۔

امام شوکانی فرماتے ہیں: ”فاما معناها شرعا فی اصطلاح اهل الشرع فہی قول النبی وفعلة وتقیرہ“ (۴۸۷) (اہل شرع کی اصطلاح میں سنت کا شرعی معنی نبی ﷺ کا قول، فعل اور تقریر ہے)۔

نواب صدیق حسن خاں فرماتے ہیں: ”فہی قول النبی وفعلة وتقیرہ“ (۴۸۸) (سنت کا اطلاق نبی ﷺ کے قول، فعل اور تقریر پر ہوتا ہے)۔

مولانا عبدالحی لکھنوی ابن ملک کی کتاب ”شرح منار الاصول“ کے حوالے سے فرماتے ہیں: ”ان السنة تطلق علی قول رسول اللہ وفعلة وتقیرہ“ (۴۸۹) (سنت کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر پر ہوتا ہے)۔

مذکورہ بالا تقریظوں کے علاوہ دیگر آئمہ حدیث و فقہاء کی کتب میں سنت کو حدیث کے مترادف ہی بیان کیا گیا ہے اور سنت کو آپ کے مواعبت کے ساتھ اختیار کردہ اعمال کے دائرے میں سیکڑ نہیں گیا۔ کیونکہ اس سے سنت کا دائرہ بالکل محدود ہو کر رہ جائے گا اور احادیث کا عظیم ذخیرہ اس شرط کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں ٹھہرے گا۔ علاوہ ازیں سنت کو حدیث کے مترادف مفہوم میں لیتے ہوئے ڈاکٹر مصطفیٰ السہامی نے اپنی کتاب ”السنة ومكانتها فی التشريع الاسلامی“ میں حدیث ہی کا دفاع کیا ہے۔ اسی طرح پیر کرم شاہ صاحب الازہری نے ”سنت خیر الانام“ میں بھی حدیث کا ہی دفاع کر کے سنت اور حدیث کو باہم مترادف گردانا ہے۔

مولانا اصلاحی صاحب ”مبادی تدبر حدیث“ میں لکھتے ہیں: ”سنت کی بنیاد احادیث پر نہیں ہے جن میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا بلکہ امت کے عملی تواتر پر ہے۔ جس طرح قرآن قوی تواتر سے ثابت ہے اسی طرح سنت امت کے عملی تواتر سے ثابت ہے۔ مثلاً ہم نے نماز اور حج وغیرہ کی تفصیلات اس وجہ سے نہیں اختیار کیں کہ ان کو چند راویوں نے بیان کیا بلکہ یہ چیزیں نبی ﷺ نے اختیار فرمائیں۔ آپ ﷺ سے صحابہ کرام نے ان سے تابعین پھر تبع تابعین نے سیکھا اسی طرح بعد والے اپنے انگوٹوں سے سیکھتے چلے آئے۔ اگر روایات کے ریکارڈ میں ان کی تائید موجود ہے تو یہ اس کی مزید شہادت ہے۔ اگر وہ عملی تواتر کے مطابق ہے تو فیہا اور اگر دونوں میں فرق

ہے تو ترجیح بہر حال امت کے عملی تواتر کو حاصل ہوگی۔ اگر کسی معاملے میں اخبار آحاد ایسی ہیں کہ عملی تواتر کے ساتھ ان کی مطابقت نہیں ہو رہی ہے تو ان کی توجیہ تلاش کی جائے گی اگر توجیہ نہیں ہو سکے گی تو انہیں مجبوزاً چھوڑا جائے گا اس لئے کہ وہ ظنی ہیں اور سنت ان کے مقابل قطعی ہے (۴۹۰)۔

مولانا اصلاحی صاحب کی سنت کی جمہور سے ہٹ کر اپنی وضع کردہ تعریف سے قطع نظر سنت و حدیث کا باہم بیان کردہ فرق ناقابل فہم ہے۔ کیونکہ سنت کو قطعی یعنی بلکہ ثبوت کے اعتبار سے قرآن کی طرح یقینی مانتے ہیں اور احادیث کو ظنی کہہ کر رد بھی کر جاتے ہیں حالانکہ سنت یا حدیث اپنے صدور کے اعتبار سے دونوں ہی حجت ہیں۔ دونوں ہی قطعی ہیں ہم تک پہنچنے کے ذرائع کی صحت کی بناء پر ایک کی حجت میں اضافہ نہیں ہو سکتا اور ذرائع کے ضعف کی وجہ سے دوسری کی حجت مستقیم نہیں ہو سکتی کیونکہ دونوں کا صدور اس ہستی سے ہو رہا ہے جس کا دین کے بارے میں ہر قول وحی اور ہر فعل امت کے لئے اسوہ حسنہ ہے۔ ذرائع میں تواتر کی بناء پر دونوں میں غلیظ و قطعیت کے اعتبار سے فرق کا پہاڑ کھڑا نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا کے ہاں اصول تفسیر میں سنت متواترہ اور احادیث کا مقام

”مبادی تدبر قرآن“ میں مولانا نے تفسیر کے چار قطعی اصول بیان فرمائے ہیں:

- ۱۔ ادب جاہلی
- ۲۔ نظم قرآن
- ۳۔ تفسیر القرآن بالقرآن
- ۴۔ سنت متواترہ (۴۹۱)۔

اور اس کے بعد بطور ظنی ماخذ احادیث کو قبول کرتے ہیں (۴۹۲)۔

مولانا کے ہاں عربیت اور ادب جاہلی کے مقابلے میں نہ صرف احادیث بلکہ سنت متواترہ بھی کمتر ہے اور ان کی قائم کردہ ترتیب میں سنت چوتھے نمبر پر ہے۔ نہ جانے قرآن مجید کے چالیس سال کی طویل مدت میں مولانا آیت ”وانزلنا الیک الذکر لتبیین للناس ما نزل الیہم“ (۴۹۳) کا مفہوم کیا سمجھے ہیں؟

”موطا امام مالک“، ”صحیح بخاری“ اور ”صحیح مسلم“ کو مولانا نے ”مبادی تدبر حدیث“ میں امہات فن میں شمار کیا ہے (۴۹۴)۔ رجم کے متعلق ان میں یہ روایت پائی جاتی ہے ”عن ابن عباس

قال قال عمر اذا زنيا فارجموهما البتة“ (۴۹۵) (حضرت عمرؓ نے فرمایا جب وہ دونوں (شادی شدہ) زنا کریں تو ان دونوں کو رجم کر دو)۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایک روایت زیادہ واضح ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”ان الله بعث محمداً بالحق وانزل عليه الكتاب فكان بما انزل آية الرجم فقرانها وعقلناها ووعيناها رجم رسول الله ﷺ ورجعنا بعده“ (۴۹۶) (اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور ان پر کتاب نازل کی۔ جو اُنارا گیا اس میں آیت رجم تھی۔ ہم نے اسے پڑھا، سمجھا اور یاد کیا۔ رسول اللہ نے رجم کیا اور بعد میں ہم نے بھی رجم کیا)۔

جبکہ مولانا امین احسن اصلاحی کے اس روایت کے بارے میں تاثرات دل پر جبر کے ساتھ نقل کیے دیتا ہوں اور آپ بھی دل کے جبر کے ساتھ سنتے جائیں۔ فرماتے ہیں: ”اس روایت پر غور کیجئے تو ہر پہلو سے یہ کسی منافق کی گھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔“ آگے چل کر مزید لکھتے ہیں: ”بہر حال یہ روایت بالکل بے ہودہ روایت ہے“ (۴۹۷)۔ حضرت ماعزؓ کے رجم کے حوالے سے من گھڑت روایتوں اور بلا دلیل فیصلوں سے انہیں ایک نہایت بد خصلت غنڈہ، شریف بہو بیٹیوں کا تعاقب کرنے والا بکرا یا ساڑھ قرار دیا ہے (۴۹۸)۔ حالانکہ صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ ان کی توبہ کے بارے میں فرماتے ہیں ”ما توبة افضل من توبة ما عز انه لينففس في انهار الجنة“ (ما عز کی توبہ سے بڑھ کر کوئی توبہ نہیں ہے وہ جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے)۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: ”لقد تاب توبة لو قسمت بين امة لو سعتهم“ (اس نے ایسی توبہ کی ہے اگر قوم پر تقسیم کی جائے تو ان کے لئے کافی ہو جائے)۔ (۴۹۹)۔ احادیث رسول ﷺ تو حسن خاتمہ کی گواہی دے رہی ہیں اور مولانا بد خصلت غنڈہ قرار دیتے ہیں۔ اب اعتبار کس کا کریں؟

شیخ قرآن بذریعہ احادیث میں مولانا اصلاحی کا نقطہ نظر

جمہور محدثین و فقہاء کے ہاں حدیث ناخ قرآن ہو سکتی ہے لیکن مولانا کے خیال میں ”قرآن کے کسی حکم کو قرآن کے سوا کوئی دوسری چیز منسوخ نہیں کر سکتی۔ بعض فقہانے حدیث کو بھی قرآن کے لیے ناخ مانا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ مسلک صحیح نہیں“ (۵۰۰)۔ جبکہ نواب صدیق حسن نے ”حصول

المامل من علم الاصول ”میں لکھا ہے کہ ”يجوز نسخ القرآن فالسنة المتواترة عند الجمهور وهو مذهب ابى حنيفة وعامة المتكلمين“ (۵۰۱) (جمهور کے نزدیک قرآن کا نسخ سنت متواتر سے جائز ہے۔ یہ ابوحنیفہ اور عام متکلمین کا مذہب ہے)۔

اسی طرح الشیخ الزرقانی نے ”مناهل العرفان“ میں طویل کلام کے بعد فیصلہ دیا ”هذا العرض يلحظ لنا ان نسخ القرآن بالسنة لا مانع يمنعه عقلا وشرعا“ (۵۰۲) (اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سنت سے قرآن کے نسخ کے لیے کوئی شرعی یا عقلی ممانعت نہیں ہے)۔ لیکن مولانا کی رائے جمہور کے خلاف ہے کہ وہ حدیث و سنت سے قرآن مجید کا نسخ جائز نہیں سمجھتے حالانکہ قرآن کی طرح حدیث و سنت بھی منزل من اللہ اور وحی ہونے کی بنا پر ایک دوسرے کے ناخ ہو سکتے ہیں۔ لیکن مولانا اصلاحی نے کچھ لفظوں میں کہیں حدیث و سنت کا منزل من اللہ ہونا بیان نہیں فرمایا اور قرآن کی سنت سے منسوخی کے مسئلہ میں جمہور سے ہٹ کر مسلک اختیار کرتے ہیں۔ جس سے ظاہری طور پر محسوس ہوتا ہے کہ ان کے ہاں سنت منزل من اللہ نہیں ہے اسی لیے ناخ قرآن نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ حدیث و سنت کا منزل من اللہ ہونا قرآن سے واضح ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى“ (۵۰۳)۔ (وہ خواہش سے کلام نہیں کرتا وہ تو وحی ہے جو کی جاتی ہے)۔ منکرین حدیث کے الزامات سے مرعوب اور تجدد زدہ اذہان کی پریشانی تو بجا ہے لیکن مولانا جیسے نامور عالم دین کا جمہور کی روش سے ہٹ کر مسلک اختیار کرنا بڑا حیران کن ہے۔ حالانکہ مولانا کے ہاں پائی جانے والے قواعد عملی کی توضیح اور جمہور کی روش تقریباً مترادف بھی ہے۔ اس سے انکار چہ معنی وارد؟۔

مولانا اصلاحی اور احادیث کی تشریح

مولانا احادیث کی تشریح بھی اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ حدیث ”امرت ان اقاتل الناس حتى يقولوا لا اله الا الله“ میں ”الناس“ سے مراد ”صرف بنی اسماعیل“ لیتے ہیں (۵۰۴)۔ کتاب الایمان میں امام بخاریؒ نے باب ”فان تابوا واقاموا الصلوة واتوا الزكوة فخلسوا سبيلهم“ لکھ کر بعد ازاں یہ حدیث لکھی ہے ”عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال امرت ان اقاتل الناس حتى يشهدوا ان لا اله الا الله وان محمدا

رسول اللہ و یقیموا الصلاة ویؤتوا الزکاة فاذا فعلوا ذلك عصموا منی دماءہم وحسابہم علی اللہ“ (۵۰۵) (حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ دیں جب وہ یہ کریں گے تو وہ مجھ سے اپنے خون اور مال بچا لیں گے سوائے اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہوگا)۔

اس حدیث کی شرح میں شارحین حدیث میں سے کسی نے ایسی تشریح نہیں کی جو مولانا اصلاحی صاحب کے موقف کی تائید کرے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس سے مراد مشرکین لیا ہے (۵۰۶)۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم، کتاب الایمان میں ”باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ و یقیموا الصلاة ویؤتوا الزکاة و یؤمنوا بجميع ما جاء به النبی ﷺ و من فعل ذلك عصم نفسه و ماله الا بحقها و وکلنت سریرتہ الی اللہ، و قتال من منع الزکاة او غیرہا من حقوق الاسلام و الاهتمام بشعائر الاسلام“ (۵۰۷) باندھ کر اس میں اس حدیث کے ساتھ اس جیسی چار اور حدیثیں مختلف سندوں سے بیان کی ہیں پھر اس کی شرح میں لکھا ہے ”قال الخطابی: ان المراد بهذا اهل الاوثان دون اهل الكتاب لانهم یقولون لا الہ الا اللہ“ (۵۰۸) (خطابی نے کہا اس سے مراد بتوں کے پجاری ہیں اہل کتاب نہیں ہیں کیونکہ وہ لا الہ الا اللہ کہتے ہیں)۔

تفسیر قرآن میں مولانا اصلاحی کی حدیث سے بے اعتنائی

سورہ بقرہ کی آیت ”فان طلقها فلا تحل له حتی تنکح غیرہ“ (۵۰۹) (اگر وہ طلاق دے دے تو اس کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے)۔

مولانا اصلاحی یہاں صرف عقد نکاح مراد لیتے ہیں۔ فرماتے ہیں: ”حتی تنکح زوجا غیرہ“ میں نکاح کا لفظ ہمارے نزدیک عقد نکاح ہی ہے۔ جن لوگوں نے اس کو طلی کے معنی میں لیا ہے

انہوں نے ایک غیر ضروری تکلف کیا ہے (۵۱۰)۔ جبکہ حضرت رفاعہ القرظی کی حدیث میں بخاری شریف میں صاف لفظ ہیں: ”لا حتى تذوق عسلته ويذوق عسيلتك“ (۵۱۱) (نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ تو اس کا مزہ چکے اور وہ تمہارا مزہ چکے)۔ جمہور کے نزدیک عسلہ سے مراد جماع ہے ”قال الجمهور العسله كناية عن المجامعة“ (۵۱۲) (جمہور کہتے ہیں عسلہ مجامعت سے کنایہ ہے)۔

اسی طرح سورہ کہف میں ہے ”فوجدنا عبدًا من عبادنا“ (۵۱۳) (انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا)۔ مولانا اصلاحی فرماتے ہیں یہاں عبد سے مراد حضرت خضر ہیں اور جن حدیثوں میں ان کا نام خضر آیا ہے چونکہ ان حدیثوں کے انکار کی کوئی وجہ ہمارے پاس نہیں اس وجہ سے یہی نام اختیار کرتے ہیں (۵۱۴)۔

اس واقعہ سے قبل خود فرماتے ہیں اس سفر میں تربیتی سفر کی داستان بیان کی گئی ہے۔ ہمارے نزدیک حضرت موسیٰ کے اس سفر کا بھی مقصد تھا۔ لیکن بعض مفسرین نے معلوم نہیں کہاں سے یہ فضول سی بات لکھ دی کہ نوح باللہ حضرت موسیٰ ترنگ میں آ کر کسی دن یہ کہہ بیٹھے کہ اس وقت مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بطور تادیب و تنبیہ ان کو اپنے ایک بندے کے پاس بھیجا کہ وہ دیکھ لیں کہ ان سے بھی بڑا ایک عالم موجود ہے (۵۱۵)۔ میرے خیال میں مندرجہ بالا بات خود مولانا صاحب نے ترنگ میں آ کر فرمائی ہے۔ مفسرین نے یہ بات صحیح احادیث سے لکھی ہے جس کا ذکر خود انہوں نے فرمایا: ”کہ حضرت خضر کا نام احادیث میں آیا ہے۔ چنانچہ مولانا نے ”مبادی تدریجہ حدیث“ میں امہات فن کی کتب میں صحیح بخاری کا نام بھی شامل کیا ہے۔ اسی بخاری شریف کی روایت ملاحظہ ہو: ”حدثنا الحميدي قال حدثنا سفيان قال حدثنا عمرو بن دينار قال اخبرني سعيد بن جبير قال قلت لابن عباس: انّ نوحا البكالي يزعم ان موسى صاحب الخضر ليس هو موسى صاحب بنى اسرائيل فقال ابن عباس كذب عدوّ الله حدثني أبي بن كعب انه سمع رسول الله ﷺ يقول ان موسى قام خطيبا في بني اسرائيل فاستل أتي الناس أعلم؟ فقال: أنا فعتب الله عليه اذا لم يرد العلم اليه فاوحى الله اليه ان لي

عبدًا بمجمع البحرين هو اعلم منك۔ قال موسى: يا رب فكيف لي به قال تاخذ معك حوتًا فتجعله في مکتل فحيثما فقدت الحوت فهو ثم، فاخذ حوتًا فجعله في مکتل ثم انطلق وانطلق معه بفتاه يوشع ابن نون حتى اذا اتيا الصخرة وضعا رؤسهما فناما واضطرب الحوت في المکتل فخرج منه فسقط في البحر فاتخذ سبيله في البحر سربًا وامسك الله عن الحوت جرية الماء فصار عليه مثل الطاق“ (۵۱۶) (سعید بن جبیرؒ نے مجھے بتایا کہ میں نے ابن عباسؓ سے کہا نوح کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ صاحب خضرؑ، بنی اسرائیل کے موسیٰ نہیں ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا اللہ کے دشمن نے جھوٹ کہا۔ مجھے ابی بن کعبؓ نے بیان کیا اس نے رسول اللہ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے۔ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل میں خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے تو ان سے سوال کیا گیا کہ کون سب سے بڑا عالم ہے؟ تو انہوں نے فرمایا میں، اللہ تعالیٰ نے ان کو عتاب فرمایا، جب انہوں نے علم کو اللہ کی طرف منسوب نہ کیا ان کی طرف وحی کی گئی کہ میرا ایک بندہ مجمع البحرین کے مقام پر ہے وہ آپ سے بڑا عالم ہے۔ موسیٰ نے عرض کیا: اے اللہ! میں ان سے کیسے طوں، فرمایا: آپ ٹوکری میں ایک مچھلی ساتھ لے کر جائیں جہاں مچھلی کم ہو جائے وہاں وہ ہوگا۔ انہوں (موسیٰ) نے مچھلی لی اور اس کو ٹوکری میں رکھا اور چلے گئے اور ان کے ساتھ ان کے نوجوان یوشع بن نون تھے۔ جب دونوں چٹان کے پاس آ گئے تو دونوں نے اپنے سر رکھے اور سو گئے۔ مچھلی ٹوکری سے نکلی تڑپی اور سمندر میں گر گئی۔ اس نے سمندر میں سرنگ کی طرح اپنا راستہ بنالیا۔ مچھلی جہاں گری تھی اللہ تعالیٰ نے وہاں پانی کی روانی کو روک دیا اور پانی ایک طاق کی طرح اس پر بہا گیا۔)

آنحضرت ﷺ کے متعلق ارشاد باری ہے: ”هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ“ (۵۱۷) (وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سنا تا اور ان کو سنوارتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے)۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا نتیجہ تھا: ”رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ“ (۵۱۸) (اے ہمارے

رب ان میں ایک رسول انہیں میں سے بھیج جو ان پر تیری آیات پڑھے اور ان کو کتاب و حکمت سکھائے اور ان کو پاک کرے۔

مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں: ”تیسری چیز تعلیم حکمت ہے۔ حکمت کے متعلق ایک نہایت ہی اہم سوال یہ ہے کہ حکمت قرآن ہی کا ایک جزو ہے یا اس سے علیحدہ کوئی چیز ہے؟۔ ہمارا خیال ہے کہ کتاب الہی جس طرح آیات اللہ اور احکام پر مشتمل ہے۔ اس طرح حکمت پر بھی مشتمل ہیں لیکن ہمارا یہ دعویٰ ان لوگوں کے خلاف پڑے گا جو حکمت سے حدیث یا بعض دوسرے علوم مراد لیتے ہیں (۵۱۹)۔ پھر مزید لکھتے ہیں: لیکن یہ بات صحیح نہیں کہ اس آیت میں حکمت سے مراد حدیث ہے (۵۲۰)۔ بعد ازاں مولانا اپنے دعویٰ کی دلیل کے لئے قرآن مجید کی متعدد آیات سے استدلال فرماتے ہیں (۵۲۱)۔ جبکہ امت کے اکثر علماء و محدثین اس سے مراد حدیث لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر امام شافعیؒ قرآن مجید میں کتاب کے ساتھ جہاں حکمت کا لفظ آیا ہے۔ ان سات آیات کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”فذكر الله الكتاب وهو القرآن وذكر الحكمة وسمعت من ارضى اهل العلم بالقرآن يقول: الحكمة سنة رسول الله (۵۲۲) (اللہ نے کتاب کا ذکر فرمایا وہ قرآن ہے میں نے پسندیدہ اہل علم بالقرآن سے سنا وہ کہتے تھے حکمت، سنت رسول اللہ ہی ہے) (۵۲۳)۔ اسی طرح ابن عبد البر بھی قتادہ اور حضرت حسن بصریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ یہاں حکمت سے مراد حدیث نبویؐ ہے (۵۲۳)۔

مندرجہ بالا حقائق سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں جہاں عام محدثین، مفسرین، فقہاء اور علماء حکمت سے مراد ”حدیث“ لیتے ہیں مولانا اصلاحی کا نقطہ نظر الگ ہے۔

”مبادی تدبر قرآن“ میں تفسیر کے چار قطعی ماخذ لکھ کر بعد ازاں فرماتے ہیں: ”اب میں آپ کے سامنے تفسیر کے ظنی ماخذوں کی بابت عرض کروں گا۔ ظنی سے میری مراد یہ ہے کہ ان کے اوپر ہر حال میں پورا اطمینان نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان کے اندر چونکہ غن اور شبہ کو دخل ہے اس لیے ان کو قرآن کی تفسیر میں وہیں تک ذخیل بنایا جائے گا جہاں تک وہ قرآن سے موافقت کریں۔ تفسیر کے ظنی ماخذوں میں سب سے اشرف اور سب سے زیادہ پاکیزہ چیز احادیث اور آثار صحابہ ہیں اگر ان کی صحت کی طرف

سے پورا اطمینان ہوتا تو تفسیر میں ان کو یہی اہمیت حاصل ہو جاتی جو اہمیت سنت متواترہ کی بیان ہوتی ہے لیکن چونکہ ان کی صحت پر پورا پورا اطمینان نہیں کیا جاسکتا اس لئے ان سے تفسیر میں اسی حد تک فائدہ اٹھایا جائے گا جہاں تک یہ ان قطعی اصولوں کی موافقت کریں جو اد پر بیان ہوئے ہیں“ (۵۲۵)۔

مولانا نے اپنے ماخذ تفسیر میں حدیث کو ظنی حیثیت دی ہے مولانا کے ہاں ظن کی حیثیت یقین کی نہیں حالانکہ جیسا کہ قرآن میں کئی جگہ لفظ ظن یقین کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور اہل لغت نے بھی یقین کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ بلکہ ان کے خیال میں دہم اور شک کے معنوں میں ہے چنانچہ فرماتے ہیں: ”احادیث کو ظنی بھی کہتے ہیں“ (۵۲۶)۔

میں مولانا کی تفسیر کے ۶ جلدوں کی تفصیل بیان کرتا ہوں کہ ان میں مولانا نے کل کتنی احادیث نقل فرمائی ہیں۔ پوری تفسیر میں کتب حدیث میں سے صرف بخاری، مسلم اور ترمذی شریف کا نام کتنی کے چند مقامات پر پایا جاتا ہے۔ جلد اول کے ۸۳۶ صفحات ہیں جبکہ اس میں سترہ احادیث لکھی ہیں ان میں صرف ایک جگہ صحیحین (۵۲۷) ایک جگہ مسلم (۵۲۸) اور صرف ایک مقام پر ترمذی شریف کا نام ہے (۵۲۹)۔

جلد دوم میں ۸۰۸ صفحات ہیں اس میں دس احادیث ہیں اور ۹ احادیث کتاب کے نام کے بغیر درج کی ہیں۔ صرف ایک جگہ صحیح بخاری کا نام ہے (۵۳۰)۔ جلد سوم ۸۰۸ صفحات پر مشتمل ہے چھ احادیث بغیر حوالہ کے درج ہیں۔ دو حدیثیں مکرر لکھی گئی ہیں گویا کل ۱۳ احادیث جلد سوم میں ہیں (۵۳۱)۔

جلد چہارم کے ۸۶۶ صفحات میں صرف ایک حدیث نقل کی گئی ہے (۵۳۲)۔ جلد پنجم کے ۶۲۷ صفحات میں صرف سات احادیث نقل کی ہیں۔ صرف صحیح بخاری کا نام دو جگہ پر ہے اور کسی حدیث کی کتاب کا نام نہیں ہے (۵۳۳)۔ جلد ششم کے ۶۴۶ صفحات ہیں جن میں کل ۶ احادیث لکھی ہیں (۵۳۴)۔ جلد ہفتم کے ۶۴۳ صفحات ہیں۔ گویا چار ہزار آٹھ سو ستر صفحات پر پھیلی ہوئی کتاب میں کتنی کی کل ۴۰ احادیث ہیں۔ لیکن دیگر مصادر کی بھرمار ہے۔ جاہلی ادب سے کافی استفادہ کیا گیا ہے۔ اہل لغت کی طرف بھی کافی رجحان ہے لیکن مولانا کی حدیث نبوی ﷺ سے اتنی بے اعتنائی سمجھ سے

بالا ہے۔

ان تمام باتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا قطعی طور پر حدیث کا انکار نہیں کرتے بلکہ بعض اوقات فقہا کا حدیث کا رد کرتے بھی نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کے نظریہ سے انکار حدیث کے فقہ کو تقویت ملتی ہے اور بعض مقامات پر ان سے حدیث کے معاملہ میں استخفاف کا پہلو نکلتا ہے۔ رجم کی متواتر احادیث کے متعلق ان کے بیانات محدثین کے نقطہ نظر سے بالکل مختلف ہیں۔ اپنی تفسیر میں مولانا نے احادیث سے بڑھ کر ادب جاہلی اور لغت پر اعتماد کیا ہے۔ اس بات کا کوئی مسلمہ سکا را انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن کی تشریح جو آنحضرت ﷺ نے کی ہے وہ باقی سب لوگوں سے بہتر ہے۔ احادیث کی کتب التفسیر میں آنحضرت ﷺ کی یہ تشریح موجود ہیں لیکن مولانا نے ان احادیث کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔

TRUEMASLAK@INBOX.COM

حوالہ جات

- ۱۔ سورۃ الحج (۱۵) ۹۔
- ۲۔ النحل (۱۶) ۳۳۔
- ۳۔ قدوائی، ڈاکٹر آصف، مقالات سیرت (مجلس نشریات اسلام، کراچی) ص ۲۱۷۔
- ۴۔ مقالات سیرت، ص ۲۱۹ بحوالہ کہن، اڈورڈ، دی لائف آف محمد، ص ۱۰۴۔
- ۵۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۳۳۲۷۔
- ۶۔ خالد محمود، آثار الحدیث، ۳۹۹/۲۔
- ۷۔ روزنامہ تسنیم لاہور، ۸ فروری ۱۹۵۵ء، ص ۱، کالم ۳۔
- ۸۔ احمد بن حنبل، المسند (دار الفکر، قاہرہ) ۱۳۶/۴۔
- ۹۔ عبد الغفار حسن، عظمت حدیث، ص ۲۸۔
- ۱۰۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۳۳۲۷۔
- ۱۱۔ البقرہ (۲) ۷۵۔
- ۱۲۔ جان، انعام اللہ، یہودی سازشیں اور فقہ انکار حدیث، (پشاور) ص ۲۷۵ تا ۲۷۷۔
- ۱۳۔ التسماء (۳) ۱۳۵۔
- ۱۴۔ یہودی سازشیں اور فقہ انکار حدیث، ص ۲۸۔
- ۱۵۔ البقرہ (۲) ۱۰۹۔
- ۱۶۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاريخ، ۱۳۹/۱۔
- ۱۷۔ یہودی سازشیں اور فقہ انکار حدیث، ص ۲۹ تا ۳۰۔
- ۱۸۔ البقرہ (۲) ۱۲۰۔
- ۱۹۔ آل عمران (۳) ۱۹۔
- ۲۰۔ المائدہ (۵) ۵۱۔
- ۲۱۔ یہودی سازشیں اور فقہ انکار حدیث، ص ۳۱۔
- ۲۲۔ ایضاً ص ۳۲ تا ۳۳۔
- ۲۳۔ ابن حجر، لسان المیزان، ۳۸۹/۳۔
- ۲۴۔ البقرہ (۲) ۲۷۔

- ۲۵۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انگار حدیث، ص ۳۵۔
- ۲۶۔ ابن حجر بلسان المیران، ۳/۲۹۰۔
- ۲۷۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انگار حدیث، ۳۳ تا ۳۳۳۔
- ۲۸۔ میرٹھی، بدر عالم ترجمان السنۃ (انجیلیم سعید کینی کراچی) ۱/۹۳۔
- ۲۹۔ میرٹھی، بدر عالم ترجمان السنۃ ص ۱/۹۲ بحوالہ ابن حزم، الاحکام، ۱/۱۳۔
- ۳۰۔ اتحاد حدیث فی علوم الحدیث، ص ۳۳-۳۳۔
- ۳۱۔ آثار الحدیث، ۲/۴۰۲-۴۰۳۔
- ۳۲۔ مولوی عبدالحق، چند معاصر، (انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۵۰ء) ص ۳۷۔
- ۳۳۔ آثار الحدیث، ۲/۴۰۳-۴۰۴۔
- ۳۴۔ ایضاً، ۲/۴۰۵-۴۰۶۔
- ۳۵۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انگار حدیث، ص ۴۵-۴۶۔
- ۳۶۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انگار حدیث، ص ۴۵-۴۶ بحوالہ ہنر و بلیو، ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص ۳۱۲۔
- ۳۷۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انگار حدیث، ص ۴۶۔
- ۳۸۔ ایضاً، ص ۴۷۔
- ۳۹۔ ترقی، السنن، حدیث نمبر ۲۶۵۸۔
- ۴۰۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۱۱۰۔
- ۴۱۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انگار حدیث، ص ۴۹-۵۰۔
- ۴۲۔ ایضاً، ص ۵۳۔
- ۴۳۔ ایضاً، ص ۵۳۔
- ۴۴۔ ایضاً، ص ۶۳۲۔
- ۴۵۔ ایضاً، ص ۵۶-۵۷۔
- ۴۶۔ بدر عالم میرٹھی، ترجمان السنۃ، ۱/۹۳۔
- ۴۷۔ پرویز، نظام احمد، معارف القرآن (ادارہ طلوع اسلام، لاہور) ۴/۶۳۲۔
- ۴۸۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انگار حدیث، ص ۶۰۔
- ۴۹۔ مسلم، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۱۶۔
- ۵۰۔ مقدمہ ابن الصلاح (ملتان) ص ۴۷۔

- ۵۱۔ احمد بن حنبل، مسند، ۱۳۱/۳۔
- ۵۲۔ اخلق (۹۶) ۶۔
- ۵۳۔ الحاکم، المستدرک، ۱۸۸/۱۔
- ۵۴۔ المائده (۵) ۱۳۔
- ۵۵۔ صدیقی، علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمات، ص ۴۷۔
- ۵۶۔ حافظ عطاء الرحمن، بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف منکرین حدیث کے افکار کا جائزہ (مقالہ برائے ایم۔ فل شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، سیشن ۱۹۹۹-۲۰۰۱ء، غیر مطبوع) ص ۵۷۔
- ۵۷۔ الازہری، معرک مشاہد، سنت خیر الامام، (بھیرہ، پنجاب، طبع ادنیٰ، ۱۹۵۵ء) ص ۱۶۷۔
- ۵۸۔ ہفت روزہ ”اہل حدیث“ لاہور (خدمات اہل حدیث نمبر) جلد ۲۸، شمارہ ۳۹، اکتوبر ۱۹۹۷ء۔
- (پروفیسر خالد ظفر اللہ، اہل حدیث کی خدمات حدیث اور رد منکرین حدیث) ص ۶۶۔
- ۵۹۔ ایضاً، ص ۲۱۲۔
- ۶۰۔ بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف منکرین حدیث کے افکار کا جائزہ، ص ۵۹۔
- ۶۱۔ ایضاً، ص ۶۰۔
- ۶۲۔ ہفت روزہ اہل حدیث لاہور (خدمات اہل حدیث نمبر) ص ۲۱۵۔
- ۶۳۔ ایضاً، ص ۲۱۵۔
- ۶۴۔ بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف منکرین حدیث کے افکار کا جائزہ، ص ۶۱۔
- ۶۵۔ عبدالرشید، افکار حدیث کے اسباب (مقالہ برائے ایم اے، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، سیشن ۱۹۶۵-۱۹۶۶ء) ص ۳۵۔
- ۶۶۔ محمد اکرم انیلیم، حقیقۃ الحدیث (مقالہ برائے ایم اے شعبہ علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۵-T) ص ۴۱۔
- ۶۷۔ عبدالرشید، افکار حدیث کے اسباب، ص ۳۵۔
- ۶۸۔ بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف منکرین حدیث کے افکار کا جائزہ، ص ۶۳۔
- ۶۹۔ ایضاً، ص ۶۳۔
- ۷۰۔ ایضاً، ص ۶۵۔
- ۷۱۔ سہ ماہی ”بصائر“ کراچی (جلد ۲، شمارہ ۱۹۶۳ء) ص ۳۵-۳۹۔
- ۷۲۔ امرتسری، احمد دین، خولجہ تسہیل برہان القرآن (دوست ایسوسی ایشن، لاہور) ص ۳۳۔

- ۷۳۔ بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف منکرین حدیث کے انکار کا جائزہ، ص ۹۷۔
- ۷۴۔ عبدالغفار حسن، عظیم حدیث، ص ۲۹۔
- ۷۵۔ ندوی، ابوالحسن علی، نزہۃ الخواطر، ۸/۲۹۱۔
- ۷۶۔ تسہیل برہان القرآن، ص ۳۵۔
- ۷۷۔ ہفت روزہ ”الاعتصام“ لاہور (شمارہ حدیث نمبر)، ۱۵ فروری ۱۹۵۶ء (محمد علی قصوری، فقہ الکلام حدیث کا عقلی اور تاریخی جائزہ) ص ۲۶۔
- ۷۸۔ تسہیل برہان القرآن، ص ۳۶۔
- ۷۹۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۲۹۱۔
- ۸۰۔ چکڑالوی، مولوی عبداللہ، ترجمہ القرآن بآیات القرآن (طبع اول ۱۳۲۰ھ) ص ۹۷۔
- ۸۱۔ ایضاً، ص ۳۵۔
- ۸۲۔ تسہیل برہان القرآن، ص ۳۵۔
- ۸۳۔ ایضاً، ص ۳۳۔
- ۸۴۔ آثارالحدیث، ۲/۳۰۹۔
- ۸۵۔ ایضاً۔
- ۸۶۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۲۹۱۔
- ۸۷۔ آثارالحدیث، ص ۳۱۱۔
- ۸۸۔ ماہنامہ ”بلاغ“ امرتسر، ستمبر ۱۹۳۶ء، جلد ۱۳، شمارہ ۹، ص ۵۔
- ۸۹۔ ایضاً، ص ۷۔
- ۹۰۔ تسہیل برہان القرآن، ص ۱۶۔
- ۹۱۔ مولوی چراغ علی کے حالات زندگی کے لیے ملاحظہ ہو: اردو جامع انسائیکلو پیڈیا (شیخ غلام علی ایڈیٹر، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۷ء) ۱۳/۱-۵۱۳۔
- ۹۲۔ جبراج پوری، حافظ اسلم، نوادرات (طلوع اسلام کراچی) ص ۳۳۳۔
- ۹۳۔ ماہنامہ ”طلوع اسلام“ جنوری ۱۹۵۶ء، اسلم جبراج پوری کی خود نوشت سوانح حیات، ص ۱۸۔
- ۹۴۔ ہفت روزہ، الاعتصام، لاہور شمارہ حدیث نمبر، ص ۲۔
- ۹۵۔ مقام حدیث (ادارہ طلوع اسلام، لاہور ۱۹۶۵ء) ص ۱۳۹۔
- ۹۶۔ آثارالحدیث، ص ۳۱۴۔

- ۹۷۔ ایضاً، ص ۳۶۶۔
- ۹۸۔ ایضاً۔
- ۹۹۔ ابن المشرق، حمید الدین، حضرت علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی (باب الاشاعت خاکسار تحریک لاہور) ص ۳۔
- ۱۰۰۔ شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۱۰۵۔
- ۱۰۱۔ نیاز فتح پوری، من ویز داں (ڈان بکس، لاہور، ۲۰۰۰ء) ص ۵۷۴ (ٹائٹل بیک پر یہ حالات شائع ہوئے ہیں)۔
- ۱۰۲۔ ایضاً، ص ۵۳۹۔
- ۱۰۳۔ ایضاً، ص ۴۰۵۔
- ۱۰۴۔ ایضاً، ص ۴۰۷۔
- ۱۰۵۔ تمنا عماردی، محی الدین، ایضاح النسخ بتوضیح اصلاح سخن (ڈھاکہ، ۱۹۶۱ء) ص (مقدمہ: ب)۔
- ۱۰۶۔ ماہنامہ ”طلوع اسلام“ لاہور، فروری ۱۹۷۳ء (اطلاع وقات برتنما عماردی۔ ادارہ) ص ۴۸۔
- ۱۰۷۔ تمنا عماردی، اعجاز القرآن واختلاف قرأت (رحمان پبلشنگ ٹائمز آباد، کراچی، ۱۹۹۴ء) ص ۵۴۔
- ۱۰۸۔ ایضاً، ص ۷۳۔
- ۱۰۹۔ ایضاً۔
- ۱۱۰۔ ماہنامہ ”طلوع اسلام“ ستمبر ۱۹۵۰ء، ص ۴۸۔
- ۱۱۱۔ پرویز، غلام احمد، تصوف کی حقیقت (طلوع اسلام فرسٹ لاہور، دسمبر ۱۹۹۶ء) ص (مقدمہ، ع)۔
- ۱۱۲۔ ایضاً، ص مقدمہ، ع۔ غ۔
- ۱۱۳۔ ایضاً، ص مقدمہ، ک۔ گ۔
- ۱۱۴۔ محمد عمر داز، دولت پرویز (النور پرنٹرز لاہور، ۱۹۹۴ء) ص ۱-۲۔
- ۱۱۵۔ پرویز، معارف القرآن (ادارہ طلوع اسلام فرسٹ لاہور) ۳/۵۴۷۔
- ۱۱۶۔ ایضاً، ۳/۵۳۲۔
- ۱۱۷۔ ایضاً۔
- ۱۱۸۔ ایضاً، ۳/۵۷۵۔
- ۱۱۹۔ ایضاً، ۴/۷۲۹۔
- ۱۲۰۔ پرویز، معراج انسانیت (طلوع اسلام فرسٹ، لاہور) ص ۳۱۸۔

- ۱۲۱۔ ایضاً: ص ۳۲۳۔
- ۱۲۲۔ برق، غلام جیلانی، حرفِ بحرمانہ (شیخ غلام علی ایڈسنز لاہور) ص ۷۵۔
- ۱۲۳۔ برق، ودو اسلام (شیخ غلام علی ایڈسنز لاہور) ص ۳۸۔
- ۱۲۴۔ ایضاً: ص ۱۹۳۔
- ۱۲۵۔ اردو جامع انسائیکلو پیڈیا (شیخ غلام علی ایڈسنز لاہور) لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۲۵۔
- ۱۲۶۔ ہفت روزہ الاعتصام لاہور، ۱۷ فروری ۱۹۵۶ء (یوسف سلیم چشتی، ہندوستان میں انکارِ حدیث کی تاریخ) ص ۳۸۔
- ۱۲۷۔ بلخی، افتخار احمد، انکارِ حدیث کا منظر و پس منظر (مکتبہ چراغِ راہ، کراچی) ۶۳/۱۔
- ۱۲۸۔ ماہنامہ ”طلوع اسلام“ لاہور، نومبر ۱۹۷۲ء، (عطاء اللہ چوہدری، روحِ سرسید بیک پر دین میں) ص ۱۵۔
- ۱۲۹۔ بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف منکرینِ حدیث کے افکار کا جائزہ، ص ۷۵۔
- ۱۳۰۔ ایضاً ص ۲۱-۲۸۔
- ۱۳۱۔ اقصص: (۲۸) ۸۵۔
- ۱۳۲۔ سہ ماہی ”قرآنی معاشرہ“ لاہور، اپریل جون ۱۹۸۹ء، جلد ۳ شماره ۲-۳ (محمد قاسم لوری، حزبِ المسلمین کا دو ٹوک موقف) ص ۶۔
- ۱۳۳۔ احسان الحق، سبیل المسلمین (ادارہ صوت القرآن، لاہور) ص ۲۰۔
- ۱۳۴۔ محمد بشیر، بخاری کی چند احادیث اور ان پر تبصرہ (توحید جیولز، اجمرہ بازار لاہور) ص۔ پیش لفظ
- ۱۳۵۔ بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف منکرینِ حدیث کے افکار کا جائزہ، ص ۸۳۔
- ۱۳۶۔ الحجۃ (۱۵) ۹، انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔
- ۱۳۷۔ السخاوی، عبدالرحمن، الاعلان بالتوبيخ لمن ذم التاريخ (دار الکتاب العربی بیروت ۱۹۸۳ء) ۶۲- ذمہ قال ابن المدینی لمن سئل عن أبيه: سلوا عنه غیري فاعادوا المسئلة ثم رفع رأسه فقال هو الدين؟ انه ضعيف۔
- ۱۳۸۔ ایضاً: وکان وکیع بن الجراح لکون والدہ کان علی بیت المال یقرن معہ آخر اذا روی عنه۔ وقال ابو داؤد صاحب السنن: ابني عبد الله کذاب مع تاويلنا له فی بذل الجهود، ونحوه قول الذهبي فی ولده ابی هريره انه حفظ القرآن ثم تشاغل عنه حتی نسيه۔
- ۱۳۹۔ (۱) ابنِ وقیح العید، تقي الدين، لا تتراح فی بیان الاصطلاح، ص ۶۱۔

(۱۱) جمال الدین القاسمی، الجرح والتعديل، ص ۶۔

۱۳۰۔ القاسمی، الجرح والتعديل، ص ۵۔

۱۳۱۔ ایضاً، ص ۷۔

۱۳۲۔ الاقتراح، ص ۵۵۔

۱۳۳۔ القاموس المحیط، ۱/۱۸۵۔

۱۳۴۔ تاج العروس من جواهر القاموس، ۳۰/۲۔

....سموا به لخروجهم عن الناس او عن الدين او عن الحق او عن على كرم الله وجهه بعد صفين۔

۱۳۵۔ المنجد فی اللغة والاعلام، ص ۱۷۲۔

۱۳۶۔ بغدادی، عبد القاهر، کتاب الملل والنحل، ۵۹-۶۰۔

۱۳۷۔ بغدادی، عبد القاهر، الفرق بین الفرق، ۷۴-۷۵۔

يقال للخوارج محكمته وشراة....ان الخوارج بعد رجوع على من صفين الى كوفة الجاؤا الى الحروراء وهم يومئذ اثنا عشر الفا ولذلك سميت الخوارج حرورية. مثلاً (۱) بليادى، عبد الحفيظ، ابر الفضل، مصباح اللغات، ۱۹۶، خوارج باغى لوگ، جماعت سے نکلے ہوئے لوگ۔

(۱۱) لسان العرب، ۲/۲۵۱۔

والخوارج والحروريتہ والخارجيتہ طائفته منهم لزمهم هذا الاسم لخروجهم عن الناس والخوارج قوم من أهل الأهواء لهم مقالة عليحدة۔

(۱۱۱) محمود الزعبي، البيئات في الرد على اباطيل المرجعات (ص ۲۰۸:

الخوارج جمع خارج وهو الذي خلع طاعة امام الحق واعلن عصيانه واللب عليه وهو الباغي عند علماء الشريعة والخوارج طائفته من الشيعة خرجت على الامام على رضى الله تعالى عنه بعد ان قبل بالتحكيم كما هو معروف في كتب التاريخ۔

(iv) E.W. Lane, Arabic English Lexicon, (2, 720.

Al.khawarij is the appellation of a party of those following erroneous opinions, they are the Harooriyah and the Kharjiyah

are a sect of them; and they, consist of seven sects. They are so called because they went forth or against the rest of the people; or from the religion or from the truth, or from Ali after the battle of Siffin.

- ۱۴۹۔ انشاء (۳) ۱۰۰۔
- ۱۵۰۔ البقرہ (۲) ۲۰۷: احماش، فجر الاسلام، ص ۲۵۷۔
- ۱۵۱۔ الاحزاب (۳۳) ۲۱، لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوہ حسنہ۔
- ۱۵۲۔ التوبہ (۹) ۵۸۔
- ۱۵۳۔ ابیہوی، حسین بن مسعود، ابوہریرہ، معالم التنزیل، (ج ۲، جز نمبر ۳، ۱۰۷، جلالتین، ۱/۱۶۱ کے حاشیہ میں ہے جو اصل الخوارج۔
- ۱۵۴۔ معالم التنزیل، ج ۲، جز نمبر ۳/۱۰۷-۱۰۸۔
- ۱۵۵۔ (۱) ایضاً۔
- (۲) البخاری، الجامع الصحیح (نور المصباح للطابع کراچی) ۱۰۲۳/۲، کتاب استثنیٰ المعاندین۔
- (۳) وحید الزمان، مولانا (مترجم) صحیح بخاری (مکتبہ رحمانیہ لاہور) ۶/۳۹۸، میں فرماتے ہیں۔
- یہ اس سونے کی تقسیم تھی جو ۹۵ میں حضرت علیؑ نے یمن سے بھیجا تھا۔
- (۴) صحیح بخاری میں مزید اس کی تفصیل ہے ۱۱۰۵/۲۔ وہاں بھی اس حدیث کے راوی حضرت ابوسعید خدری ہی ہیں۔ حضرت علیؑ نے یمن سے سونے کی ڈلی بھیجی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے تالیف قلب کیلئے اقرع بن حابس الحنظلی، عیینہ بن حصن بن بدر فزاری، علقمہ بن علاطہ العامری اور زید الخثعمی لٹائی میں تقسیم کر دیا تو اس بد بخت نے ان الفاظ میں اعتراض کیا تھا۔ یا محمد ﷺ، آق اللہ۔ اس مقام پر آنحضرت ﷺ کی تہدید کا بھی ذکر ہے۔ امام مسلم نے مختلف سندوں سے اس حدیث کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔
- (۵) مسلم، الجامع الصحیح ۱/۳۶۰-۳۶۱۔ حضرت عمرؓ کے اس مضمض کی اجازت نقل طلب کرنے پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: معاذ اللہ ان یتحدث الناس انی اقتل اصحابی (اللہ کی پناہ کہ لوگ باتیں کریں کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہوں)
- (۶) المبرور نے بھی اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔ الکامل، ۳/۱۰۴۔
- ۱۵۶۔ قمر ستانی، السبل والصل ۱/۲۱۔

- ۱۵۷۔ قاضی ابو بکر بن العربي، العوام من القوام فی تحقیق مواقف الصحابہ بعد وفاء النبی ﷺ، ص ۸۵-۱۰۶: اس کتاب میں حضرت عثمان کی مظلومانہ شہادت کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً قال شیخ الاسلام ابن تیمیہ فی منہاج السنہ ۳/۱۸۸ کل ذی علم بحال عثمان یعلم انه لم یکن ممن یأمر بقتل محمد بن ابی بکر ولا امثاله ولا عرف منه قط انه قتل احدا من هذا الضرب وقد سعوا فی قتله (ای فی قتل امیر المؤمنین عثمانؓ)۔
- ۱۵۸۔ محمد ابو زمر، الحدیث والحديث والحدوث، ۸۳۔
- ۱۵۹۔ فہرستان، الملل والنحل، ۱/۱۱۳۔
- ۱۶۰۔ ابن عبد البر، جامع بیان العلم وفضلہ، ۳/۱۲۷۔
- ۱۶۱۔ النساء (۳) ۳۵۔
- ۱۶۲۔ المائدہ (۵) ۹۵۔
- ۱۶۳۔ ابن عبد البر، جامع بیان العلم، ص ۱۲۷، ۱۲۸ (کمل تفصیل)۔
- ۱۶۴۔ ندوی، مصین الدین، تاریخ اسلام، ۱/۳۶۱-۳۶۷۔
- ۱۶۵۔ ندوی، تاریخ اسلام، ۱/۳۷۷-۳۷۸: ابن تیمیہ الدینوری، ابو محمد عبد اللہ بن مسلم، الامامہ والسیاسہ، ۱/۱۵۹: عبد الرحمن بن ملجم نے حضرت علیؓ کو شہید کرنے کی حامی بھری۔ حجاج بن عبد اللہ العسیمی نے حضرت معاویہؓ کو شہید کرنے کی ذمہ داری قبول کی۔ ماذویہ جس کا نام عمرو بن بکر تھا نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو شہید کرنے کا کام اپنے ذمہ لیا۔
- ۱۶۶۔ تاریخ اسلام، ۲/۲۵-۲۷ (کمل تفصیل)۔
- ۱۶۷۔ (۱) ابن عبد الحکم، عبد اللہ، ابو محمد، سیرۃ عمر بن عبد العزیز، ص ۱۳۷-۱۴۲ (اس کتاب میں ان کے خوارج سے متاثرات اور خط و کتابت کی تفصیل ملاحظہ کی جاسکتی ہے)۔
- (۲) سید الاہل، عبد العزیز، الخلیفۃ الراشد عمر بن عبد العزیز، ص ۱۸۰۔
- فلن یزل عمر یرفق بہم حتی اخذ علیہم ورضوا منه ان یرزقہم ویکسوہم ما بقی فخرجوا علی ذلك۔
- (۳) ابن تیمیہ، الامامہ والسیاسہ، ۲/۱۱۸-۱۲۰ (تفصیل سے)۔
- ۱۶۸۔ بطور مثال تفصیل ملاحظہ ہو، ندوی، تاریخ اسلام، ۲/۲۹۹-۳۰۴، ۳/۲۷۹-۲۸۹۔
- ۱۶۹۔ (۱) بغدادی، عبد القادر، کتاب الملل والنحل، ص ۸۷-۸۴۔
- (۲) بغدادی، عبد القادر، الفرق بین الفرق، ص ۷۲-۱۱۳۔

- (۳) ابو نصر عمر، تاریخ خوارج، ص ۱۹۶-۲۲۸ (تینوں کتب میں تمام فرقوں کا تفصیل سے ذکر ہے)
- ۱۷۰۔ مبرور، الکامل، ۱۰۱/۲۔
- ۱۷۱۔ غلام احمد حریری، تاریخ تفسیر و مفسرین، ص ۵۱۱۔
- ۱۷۲۔ ایضاً۔
- ۱۷۳۔ مصری، احمد امین، فجر الاسلام، ص ۲۶۲ ابن عباس نے جو دیکھا اس کی تصویر یہ ہے۔ رای عنہم جبہا قرحة لسطول السجود واید یا کثفقات الابل علیہم قمص مرحفة وهم مشمرون۔ اس کتاب میں مزید تفصیل بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔
- ۱۷۴۔ فجر الاسلام، ص ۲۶۳-۲۶۴ میں اس سلسلے میں تفصیلی واقعات موجود ہیں۔
- ۱۷۵۔ حریری، تاریخ تفسیر و مفسرین، ص ۵۰۵-۵۰۶ (اختصار کے ساتھ کتاب میں ۴ نکات کی تفصیل ہے)۔
- ۱۷۶۔ (۱) الأشعری، الواسع، مقالات الأشعریین (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور) (ترجمہ اردو محمد حنیف ندوی بنام مسلمانوں کے عقائد و افکار) ص ۹۱۔
- (۲) بغدادی، ابو منصور عبد القاهر، اصول الدین، ص ۳۳۲۔
- (۳) بغدادی، کتاب السبل والخل، ص ۵۸۔
- ۱۷۷۔ (۱) مقالات الأشعریین، ص ۹۱ (اردو ترجمہ)۔
- (۲) بغدادی، کتاب السبل والخل، ص ۵۸۔۔۔ و تکفیر کل من ارتکب کبیرة۔
- ۱۷۸۔ مقالات الأشعریین (مسلمانوں کے عقائد و افکار) ص ۹۲۔
- ۱۷۹۔ ایضاً ص ۱۳۷۔
- ۱۸۰۔ (۱) احمد امین، مغنی الاسلام، ۳/۳۳۰۔
- (۲) بغدادی، کتاب السبل والخل، ص ۵۸۔
- ۱۸۱۔ احمد امین، فجر الاسلام، ص ۲۵۸-۲۵۹۔
- اہل سنت حدیث الائمہ من قریش کی وجہ سے قریش کو بہتر سمجھتے ہیں۔
- ۱۸۲۔ فجر الاسلام، ص ۲۵۸۔
- ۱۸۳۔ شرح العقیدہ الطحاوی، ص ۳۷۰۔
- ۱۸۴۔ ارشاد ربانی ہے ان تجتنبوا کبار ما تنہون عنہ نکفر عنکم سیاتکم وندخلکم مدخلا کویۃ النساء، (۳) (۳۱) تم بڑے گناہوں سے بچو جن سے تم کو منع کیا گیا ہے۔ تو ہم تمہاری جہڑی کو بھی مٹی کا گھڑا دودر کر دیں گے اور تمہیں مقام عزت (جنت) میں داخل کریں گے)

کبیرہ گناہوں کی تفصیل کے لئے:

(۱) طبری، محمد بن جریر، ابو جعفر، تہذیب الآثار، ۱۸۳/۲-۱۹۵۔

(۲) شرح العقیدہ الطحاویہ، ص ۳۷۰-۳۷۳۔

(۳) عبد القادر عارف، حصاروی، نبوی جواہر در ذکر کبائر (فاروقی کتب خانہ ملتان ۲۰۰۳،

تحقیق راقم السطور) ملاحظہ کریں۔

۱۸۵۔ شرح عقیدہ طحاویہ، ص ۳۷۰۔

۱۸۶۔ عبد الکریم شہرستانی۔ اسل سل واخل، ۱۱۵/۱۔

۱۸۷۔ ایضاً، ص ۱۲۲۔

۱۸۸۔ ایضاً، ص ۱۲۸۔

۱۸۹۔ ایضاً، ص ۱۳۶۔

۱۹۰۔ ابن حزم، ابو محمد، کتاب الفصل فی السل والاحواء واخل، ۱۹۱/۲۔

۱۹۱۔ طبری، تہذیب الآثار، ۱۸۳/۲۔

امام بخاری نے صحیح بخاری (مع فتح الباری، ۵/۲۱۶) میں قول التور کی بجائے شہادۃ التور کے الفاظ ذکر فرمائے ہیں۔ صحیح بخاری میں اسی جگہ ایک اور روایت حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہ سے ہے۔ جس میں آنحضرت ﷺ نے کبیرہ گناہوں اشراک، بالہ، والدین کی نافرمانی کا ذکر فرمایا جبکہ آپ تکبیرہ تھے۔ پھر آپ بیٹھ گئے اور فرمایا اول قول التور (خبردار جمہونی بات) حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں۔ آپ بار بار ذکر فرماتے رہے یہاں تک کہ ہماری خواہش تھی آپ خاموش ہو جائیں۔

یہ حدیث درج ذیل کتب میں بھی ہے۔

(i) مسلم، الجامع الصحیح (نور محمد اصح المطالع کراچی)، ۸۳/۱۔

(ii) احمد بن حنبل، المسند، ۱۳۶/۳-۱۳۳۔

(iii) ابو حواء یعقوب بن اسحاق الاسفرائینی، المسند، ۵۳/۱۔

(iv) التسانی، عبدالرحمن بن شعیب، السنن، ۲۳۹/۲۔

۱۹۲۔ شہرستانی، اسل سل واخل، ۱۲۳/۱۔

۱۹۳۔ ابن حزم الاندلسی، ابو محمد علی (م ۳۵۶) کتاب الفصل فی السل والاحواء واخل، ۱۹۰/۲۔

حریدر قطراز ہیں وکذلك ایضاً فی الکبائر وان من عمل من الکبائر غیر مصرّاً علیہا فهو مسلم وقالوا جائز أن یعذب اللہ المؤمنین بذنوبہم لکن فی غیر النار وأما فی

النار وقالوا أصحاب الكبائر منهم ليسوا الكفار اصحاب الكبائر من غيرهم كفار -
البرہ، الکامل، ۸۶/۳۔ ۱۹۳۔

محمود الرضی، البینات ۲۰۸، "يقول ابن تيميه ليس في اهل الاهواء اصدق ولا اعدل من
الخوارج ذاك المصطفى السبائي في السننه ومكانته في التشريع الاسلامي، ۸۲، ۸۱، میں یہ کہتا
ہے وقد ذكر العلماء هنا بان اقل الفرق الاسلاميه كذبا هي فرقة الخوارج الذين
خرجوا على علي بعد قبوله التحكيم ويرجع قلته كذبهم الى انهم يرون كفر مرتكب
الكبيره على ما هو المشهور عنهم او مرتكبي الذنوب مطلقا كما حكاه الكعبي فما
كانوا يستحلون الكذب ولا الفسق۔

۱۹۵۔ ابن عبد البر، التمهيد لما في الموطان المعاني والاسانيد ۱/۳۳۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہے
من قال على مالم اقل فليتبوا مقعده من النار۔ ملاحظہ ہو ملا علی قاری، نور الدین علی بن محمد بن
سلطان، الاسرار المرفوعة فی الاخبار الموضوعه، ص ۶۷۔

۱۹۶۔ ملا علی قاری، الاسرار المرفوعة فی الاخبار الموضوعه، ص ۳۹-۷۲۔

۱۹۷۔ الشافعی، الرسالة، ص ۳۹۵۔

۱۹۸۔ الاسرار المرفوعة، ص ۶۸، قال شيخ مشايخنا الحافظ جلال الدين السيوطي: لا أعلم شيئا

من الكبائر قال احد من اهل السننه بتكفير مرتكبه إلا الكذب على رسول الله ﷺ۔

۱۹۹۔ الخطيب البغدادي، الكفاية في علم الردية، ص ۱۳۳۔

۲۰۰۔ ابن عبد البر، التمهيد، ۱/۳۳۔

۲۰۱۔ الشافعی، الرسالة، ص ۳۹۷-۳۹۸۔

۲۰۲۔ ایضاً، ص ۳۹۸۔

۲۰۳۔ ابن حجر، نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر (فاروقی کتب خانہ ملتان) ص ۱۳۲-۱۳۳، نزہۃ ص ۷۳، ما یكون

بسبب قهمة الراوي بالكذب هو المحرک مزیہ ملاحظہ ہو۔ قاسمی، قواعد التحدیث من فنون المعطلح الحدیث

ص ۱۳۱۔

۲۰۴۔ محمود زعمی، البینات، ص ۱۹۳۔

۲۰۵۔ الخطيب البغدادي، الكفاية، ص ۱۳۰۔ یہ روایت مزید دیکھیں۔ العراقی، التقييد والايضاح شرح مقدمته ابن

الاصلاح، ص ۱۵۰۔

۲۰۶۔ الكفاية، ص ۱۲۵۔

۲۰۷۔ محمد ابو زحر، الحدیث والحدیثون، ص ۸۸۔

۲۰۸۔ ابن تیمیہ ابو العباس احمد، مضاجع المسند للبیہقی فی تلخیص کلام الشیخینہ والقدریہ (کتبہ سلفیہ لاہور) ۱/۱۵۔

اس کے ساتھ ہی مزید تفصیل اس طرح ہے واما الرافضیہ، فاصل بدعتهم عن زندقته والحاد وتعمد الکذب فیہم کثیر وہم یقرون ذلك حیث یقولون دیننا التقیۃ وهو ان یقول احدہم بلسانہ خلاف ما فی قلبہ وهذا هو الکذب والنفاق۔ عبد افتاح حسن، عظمت حدیث، ص ۳۱۵ میں امام ابن تیمیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ (خوارج) قرآن کے علاوہ مفسر قرآن سنت نبوی سمجھتے ہیں۔

۲۰۹۔ الحدیث والحدیثون، ص ۸۷۔

۲۱۰۔ محمود زحی، البینات، ص ۲۰۹۔

۲۱۱۔ (i) الکفایہ، ص ۱۲۳۔

(ii) ابن الجوزی، کتاب الموضوعات، ۱/۳۹، میں یہ اضافہ ہے۔ سمعت شیخا من

الخوارج تاب ورجع وهو یقول الخ۔

(iii) السخاوی، فتح المغیب، ۱/۲۵۸۔

(iv) قاسی، قواعد الحدیث، ص ۱۳۷۔

(v) السباعی، السننہ ومکانتها فی التشریع الاسلامی، ص ۸۲۔

۲۱۲۔ السباعی، السننہ ومکانتها فی التشریع الاسلامی، ص ۷۹۔

۲۱۳۔ ایضاً، ص ۸۲۔

۲۱۴۔ ایضاً، ص ۸۳۔

۲۱۵۔ ایضاً، ص ۸۲۔

۲۱۶۔ ایضاً۔

۲۱۷۔ ذیابنوی، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، ۳/۳۲۹۔

۲۱۸۔ طاہر ثقفی، تذکرہ الموضوعات، ص ۲۸، بحوالہ المسند ومکانتها فی التشریع الاسلامی، ص ۸۲۔

۲۱۹۔ ابن القیم رانی، کتاب الجمع بین رجال النکسین، ۱/۳۸۹۔

۲۲۰۔ ابو الولید الباجی، التحدیل والتجریح، ۳/۱۰۱۱ (محقق الاولیاء)۔

۲۲۱۔ ابن حجر مہدی الساری، ص ۳۳۳ میں مطلق بیان کیا ہے تاہم تہذیب الحدیث میں اسے کل نظر قرار دیا ہے۔

۲۲۲۔ ابن حجر، تہذیب الحدیث، ۸/۱۱۳۔ میں یہ لفظ ہیں واما قول من قال انه خرج ما حمل

عنه قبل ان يرى ما رأى ففيه نظر۔

- ۲۲۳۔ ایضاً۔
- ۲۲۳۔ ایضاً۔
- ۲۲۵۔ الذمى، الكاشف فى معرفة من له رواية فى الكتب الستة، ۲/۳۰۰۔ اس کے ترجمہ کے لئے حریدو کیس۔ الحاکم، تسمیة من أخرجهم البخارى ومسلم وما انفرد كل واحد منهما (دار الجنان، بیروت، الطبعة الاولى، ۱۹۸۷ء)، ص ۱۹۹۔
- ۲۲۶۔ ابن حجر، حدی الساری، ص ۳۶۰۔
- ۲۲۷۔ ایضاً، ص ۳۳۲۔
- ۲۲۸۔ ایضاً، ص ۳۳۲-۳۳۳۔
- ۲۲۹۔ النجلی، احمد بن عبد اللہ بن صالح، ابوالحسن، معرفة الثقات، ۲/۱۸۹۔
- ۲۳۰۔ بخاری، ابی معالج، ۲/۸۶۷۔
- ۲۳۱۔ بطور نمونہ (i) مسلم، الجامع الصحیح، ۲/۱۹۷-۱۹۸۔
- (ii) الترمذی، السنن، ۱/۲۰۵۔ (iii) التتائی، السنن، ۲/۲۹۱۔
- ۲۳۲۔ حدی الساری، ص ۳۳۳۔
- ۲۳۳۔ ایضاً۔
- ۲۳۴۔ الذمى، میزان الاعتدال، ۳/۲۳۵ یہی اس میں ہے: مات سنة اربع وثمانین۔
- ۲۳۵۔ حدی الساری، ص ۳۶۰۔
- ۲۳۶۔ ایضاً، ص ۳۵۰۔
- ۲۳۷۔ الرازی، ابو محمد عبد الرحمن، ابن ابی حاتم، کتاب الجرح والتعديل، ۹/۱۳۔
- ۲۳۸۔ میزان الاعتدال، ۳/۳۵۴، حریدو یہی ہے: قال ابو داؤد ثقة الا انه اباضى وقال ابن سعد ليس بذلك وقال ابن معين ثقة۔
- ۲۳۹۔ کتاب الجرح والتعديل، ۹/۱۴۔
- ۲۴۰۔ ابوالولید الباجی، التحدیل والتجرح، ۳/۱۱۸۹۔
- ۲۴۱۔ تہذیب التہذیب، ۱۱/۱۳۰-۱۳۱۔
- ۲۴۲۔ ابن القیس، انی، الجمع بین رجال الصحیحین، ۲/۵۳۶-۵۳۷۔
- ۲۴۳۔ الذمى، الكاشف، ۳/۲۱۲۔

- ۲۳۳۲- ابن حبان، کتاب الثقات، ۵۳۸/۷۔
- ۲۳۳۵- البخاری، الجامع الصحیح، ۳۳۸/۱۔
- ۲۳۳۶- مسلم، الجامع الصحیح، ۲۹۸/۲۔
- ۲۳۳۷- ایضاً۔
- ۲۳۳۸- ابن ماجہ، السنن، ص ۱۳۵۔ ابوداؤد، السنن مع شرح معون المعبود، ۱۸۵/۲۔
- ۲۳۳۹- بخاری، الجامع الصحیح، ۸۰۹-۸۱۰/۲۔
- ۲۳۵۰- مسلم، الجامع الصحیح، ۱۸۰/۲۔
- ۲۳۵۱- بخاری، الجامع الصحیح، ۸۱۰/۲۔
- ۲۳۵۲- مسلم، الجامع الصحیح، ۱۸۰/۲۔
- ۲۳۵۳- ابن ماجہ، السنن، ص ۲۳۲۔
- ۲۳۵۴- الترمذی، السنن، ۷/۲۔
- ۲۳۵۵- ابوداؤد، السنن (مع معون المعبود)، ۳/۳۱۰۔
- ۲۳۵۶- قرطبی، غلیل بن احمد، کتاب الحین (دار المعرفۃ قم ایران)، ۱۹۱-۱۹/۲۔
- ۲۳۵۷- ابن دبیہ، ابوبکر محمد بن حسن، جمہورۃ الملتح (دار صادر بیروت)، ۶۳/۳۔
- ۲۳۵۸- ازہری، ابومنصور محمد بن احمد، جمہورۃ الملتح (دار الکتب المصریہ)، ۶۳-۶۱/۳۔
- ۲۳۵۹- ابن منکور، لسان العرب، وارا حیات التراث العربی بیروت، ۱۸۸-۱۸۹/۸۔
- ۲۳۶۰- الطبری، احمد بن محمد، المصباح المسمیر، ص ۳۲۹۔
- ۲۳۶۱- ابن الاثیر، التہذیب فی غریب الحدیث والاثار، ۵۱۹-۵۲۰/۲۔
- ۲۳۶۲- المعجم الوسیط، ص ۵۰۴-۵۰۵۔
- ۲۳۶۳- ابن خلدون، المقدمة (القاهرة ۱۳۳۹ھ)، ص ۲۱۵۔
- ۲۳۶۴- بلایوی، مصباح اللغات، ص ۴۳۵-۴۳۶۔
- ۲۳۶۵- مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات (فیروز سنز لاہور، تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۳ء)، ص ۸۵۵۔
- ۲۳۶۶- الصائفات (۳۷)، ۸۳۔
- ۲۳۶۷- مریم (۱۹)، ۶۹۔
- ۲۳۶۸- القصص (۲۸)، ۱۵۔
- ۲۳۶۹- الحجر (۱۵)، ۱۰۔

- ۲۷۰۔ الانعام (۶) ۶۵۔
 ۲۷۱۔ الانعام (۶) ۱۵۹۔
 ۲۷۲۔ انقص (۲۸) ۴۔
 ۲۷۳۔ الروم (۳۰) ۳۱-۳۲۔
 ۲۷۴۔ السج (۳۳) ۵۴۔
 ۲۷۵۔ القمر (۵۴) ۵۱۔
 ۲۷۶۔ احمد، المسند، ۱۹۰/۷۔
 ۲۷۷۔ اردو دائرہ معارف الاسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی لاہور، طبع اوّل ۱۹۷۵ء) ۱۱/۸۹۸۔
 ۲۷۸۔ قاضی شاہ رحمہ اللہ، السیف المسلول (ترجمہ محمد رفیع الاثری، فاروقی کتب خانہ ملتان ۱۹۷۹ء) ص ۱۸-۳۳۔
 ۲۷۹۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اثنا عشریہ (اردو ترجمہ، میر محمد کتب خانہ، کراچی) ص ۳۹۵-۳۹۶۔
 ۲۸۰۔ صدیقی، فیض عالم، حقیقت مذہب شیعہ (۲۵۲-۲۸۶: ظہیر، احسان الہی، البقیعہ والسنت) (مختصر)
 (ادارہ ترجمان السنہ لاہور) ص ۶۹۔

- ۲۸۱۔ اسلامی مذاہب، ص ۹۷۔
 ۲۸۲۔ سید حسین مرتضیٰ، شیعہ کتب حدیث کی تاریخ تدوین (زہرا اکادمی، کراچی، طبع اول ۱۹۹۳ء) ص ۹
 نجمی، محمد یوسف، ڈاکٹر، البقیعہ فی المیزان، ص ۱۱۶-۱۱۷ میں لکھتے ہیں:

”فالحديث عند الشيعة كما نكرت عبارة عن قول المعصوم حيث جعلوا له وظيفة المشرع ومادام الإمام معصوما فهو لا ينطق عن الهوى وأنه يتلقى العلم من الرسول ﷺ الذي تلقاه بدوره من الله عز وجل. يروي الكليني في كافيهِ عن الإمام أبي عبد الله جعفر الصادق أنه قال: إن لكَ علمين: علم مكنون مخزون لا يعلمه إلا هو من ذلك يكون البداء، وعلم علمه ملائكتُهُ ورسله وأنبياءه فنحن نعلمه (أبو محمد الحسن بن موسى النوبختي، فرق الشيعة، صححه وعلق عليه السيد محمد صادق ۱۰/۱۴۷)۔“

”يتضح من هنا أن قول الإمام يترادف الحديث عندهم فكل ماورد عن الائمة فهو صحيح، ونظراً لهذا الخلاف الذي وقع بين أهل السنة والشيعة حول مفهوم السنة فإن الشيعة قد قاسوا بوضع مصطلحات خاصة للحديث حسب صحة درجته وهي: الصحيح والحسن والموثوق والضعيف۔“

”النوع الأول الصحيح: وهو ما اتصل سنده إلى المعصوم بنقل العدل الإمامي عن

مثله في جميع الطبقات حيث تكون متعددة) للشيخ عبدالله المامقاني، مقياس الهداية في علم الدراية، ص (۳۳)۔

النوع الثاني الحسن: وهو ما اتصل سنده إلى المعصوم عليه السلام بإمامي ممدوح مدحا معتدًا به، غير معارض بدم من غير نص على عدالته، مع تحقق ذلك في جميع مراتب رواة طريقه أو في بعضها (نفس المصدر، ص ۳۴)۔

النوع الثالث: الموثوق: وهو ما اتصل سنده إلى المعصوم بمن نص الأصحاب على توثيقه مع فساد عقيدته بأن كان من أحد الفرق المخالفة للإمامية وإن كان من الشيعة مع تحقق ذلك في جميع رولة طريقه، أو بعضهم مع كون الباقيين من رجال الصحيح (نفس المصدر السابق، ص ۳۵)۔

النوع الرابع: الضعيف: وهو ما لم يجتمع فيه شرط أحد الأقسام السابقة بأن اشتمل طريقة على مجروح بالفسق ونحوه، أو على مجهول الحال أو ماديون ذلك كالوضاع (نفس المصدر، ص ۳۵)۔

- ۲۸۳۔ التساء (۳) ۵۹۔
- ۲۸۳۔ شیعہ کتب حدیث کی تاریخ تدوین، ص ۲۳۔
- ۲۸۵۔ تاریخ حدیث و محدثین، ص ۹۹۔
- ۲۸۶۔ بارئولہ ترجمہ جز و مردار: جغرافیہ ایران، تہران، ص ۱۷۹۔
- ۲۸۷۔ نجاشی، کتاب الرجال (مشورات الرازی، قم) ص ۲۶۶، الطوسی، الفہرست (دار الفکر بیروت) ص ۳۲۶۔
- ۲۸۸۔ زبیدی، تاج العربی (مطبعہ الخیریہ، مصر) ۳۳۲۹۔
- ۲۸۹۔ روضات الجنات (مطبعہ اسماعیلیان، قم ایران) ۱۰۹۶/۲۔
- ۲۹۰۔ اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، ۱/۳۸۳۔
- ۲۹۱۔ السیف المسلول، ۸۰-۸۱۔
- ۲۹۲۔ منہج القال، ص ۲۹۸؛ الصافی، ۱/۳۔
- ۲۹۳۔ فتح الاعتقاد، ص ۲۷۔
- ۲۹۳۔ الوافی، ۱/۶۔
- ۲۹۵۔ دائرۃ المعارف الامامیہ میں احادیث کی تعداد ۱۶۰۹۹ لکھی ہے: ص ۷۰؛ السيد حسن صدر، تائیس المعیجہ لحکوم الاسلام (شرکتہ النشر والطباعة العراقیہ: الحمد ودۃ، العراق) ص ۲۸۸۔

- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۳۸۵/۱۔
- ۲۹۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۳۸۵/۱؛ ڈاکٹر خالد محمود، آثار المدینہ، (دار المعارف، لاہور طبع اول ۱۹۸۵ء) ۳۱۶/۱-۳۱۷۔
- ۲۹۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۳۸۵/۱۔
- ۲۹۸۔ کلینی، اصول الکافی (تہران ۱۳۸۱ھ) ۳۳۰/۲۔
- ۲۹۹۔ اصول الکافی، ۲۶۶/۲۔
- ۳۰۰۔ ابن المظہر، رجال الحنفی (منشورات الرضی قم) ص ۲۱۶۔
- ۳۰۱۔ ایضاً، ص ۳۳۰۔
- ۳۰۲۔ کلینی، اصول الکافی، ۲۲۱/۱۔
- ۳۰۳۔ سیر اعلام النبلاء (مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت) ۳۰۳/۱۶۔
- ۳۰۴۔ سیر اعلام النبلاء، ۳۰۳/۱۶؛ اس کا ترجمہ مزید دیکھیں: ابن ندیم، الفہرست، ص ۲۷۷؛ طوسی، فہرست طوسی، ص ۱۵۶-۱۵۷؛ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۸۹/۳؛ بمعانی الانساب، ۲۳۰/۳-۲۳۷؛ خوانساری، روایات الجنات، ص ۵۵۷-۵۶۰۔
- ۳۰۵۔ شیعہ کتب حدیث کی تاریخ تدوین، ص ۱۷۹، بحوالہ ترجمہ وچیرہ، ص ۱۱ (دائرہ معارف الامامیہ کے مطابق حدیث کی تعداد ۹۰۳۲ ہے، ص ۷۰)۔
- ۳۰۶۔ آثار المدینہ، ۳۱۷۔
- ۳۰۷۔ الارودبلی، جامع الرواۃ (مطبعہ اسماعیلیان، قم) ۵۳۰/۲-۵۳۵؛ رجال العلماء الحنفی، ص ۲۲۷۔
- ۳۰۸۔ ابو جعفر طوسی، فہرست کتب الشیعہ (کلکتہ ۱۲۷۱ھ) ص ۲۵۸ (مکمل فہرست)۔
- ۳۰۹۔ رجال النجاشی، ص ۳۸۷؛ بخشی المقال، ص ۲۶۹؛ روایات الجنات، ص ۵۸۰-۵۹۰؛ قصص العلماء، ص ۳۱۲؛ شذوذ العلما، ص ۱۱۶-۱۱۷؛ حدایت حسین: فہرست عربی مخطوطات (بوہار لاہوری، کلکتہ) ص ۷۰۔
- GAL: Brockelmann, p 405۔
- ۳۱۰۔ آثار المدینہ، ۳۱۷۔ دائرہ المعارف الامامیہ کے مطابق تعداد احادیث ۱۳۵۹۰ ہے۔
- ۳۱۱۔ آثار المدینہ، ۳۱۷۔
- ۳۱۲۔ آثار المدینہ، ۳۱۳/۱-۳۱۵۔
- ۳۱۳۔ شیعہ کتب احادیث، مؤلف: رجال النجاشی، ص ۲۸۷؛ بخشی المقال، ص ۲۶۹؛ روایات الجنات، ص ۵۸۵-۵۹۵؛ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۵۷۳-۵۷۴؛ الطوسی، الاستبصار: جلد اول، ابتدائی معلومات۔

- ۳۱۴۔ رجال النجاشی (منشورات داوری، قم، ایران) ص ۵۵۔
- ۳۱۵۔ رجال ابن داؤد الحلی (منشورات الرضی، قم، ایران) ص ۲۲۹۔
- ۳۱۶۔ طہاطہائی، الفوائد الرجالیہ (دارالعلمین، نجف) ص ۳۳۹-۳۴۰۔
- ۳۱۷۔ رجال العلامة حلی، ص ۱۳۶۔
- ۳۱۸۔ رجال کشی، ص ۱۲۔
- ۳۱۹۔ عبد الحمید خروب، روایۃ الحديث عند طائفة الامامية (مقالہ برائے ایم اے، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد، ۱۹۹۶ء، غیر مطبوع) ص ۳۵۴۔
- ۳۲۰۔ رجال طوسی (نجف ۱۳۸۱ھ) ص ۲۔
- ۳۲۱۔ رجال طوسی، ص ۵۵-۵۸۔
- ۳۲۲۔ اللہ مست (مقدمہ)۔
- ۳۲۳۔ ابو زہرہ، الامام جعفر الصادق (دار الفکر العربی، بیروت) ص ۴۵۸۔
- ۳۲۴۔ رجال النجاشی، ص ۷۹۔
- ۳۲۵۔ الفوائد الرجالیہ (دارالعلمین، نجف) ۸۸/۲۔
- ۳۲۶۔ الماسقانی، عبد اللہ، تنقیح المقال فی علم الرجال (نجف ۱۳۵۲ھ) ۵/۱۔
- ۳۲۷۔ بغدادی، الفرق بین الفرق، ص ۹۴-۹۸۔
- ۳۲۸۔ البسمل والنحل، ۵۵/۱؛ تھانوی، کشف اصطلاحات الفنون (دار الکتب العلمیہ، بیروت) ۳۰۲/۳۔
- ۳۲۹۔ منقول از شرح مختصر الفرق بین الفرق، از قلب۔
- ۳۳۰۔ زہدی، حسن جار اللہ، تاریخ معتزلہ، ص ۳۷ بحوالہ المبدیہ والایل، ص ۲۔
- ۳۳۱۔ اعلم الشیخ، ص ۳۰۰-۳۱۵؛ تھانوی، کشف اصطلاحات الفنون، ۳۰۲/۳۔
- ۳۳۲۔ المبدیہ والایل، ص ۲۔
- ۳۳۳۔ زہری، حسن جار اللہ، تاریخ معتزلہ، ص ۴۱۔
- ۳۳۴۔ الفرق بین الفرق، ص ۹۴۔
- ۳۳۵۔ الانتصار، ص ۱۲۶۔
- ۳۳۶۔ الوفيات، ۱/۱۸۰؛ بیجم الادباء، ۲۳۳/۱۹۔
- ۳۳۷۔ تاریخ معتزلہ، ص ۵۹۔
- ۳۳۸۔ الفرقان (۲۵) ۶۸۔

- ۳۳۹۔ العقائد النسفیہ، ص ۱۱۷-۱۱۸۔
- ۳۴۰۔ ایضاً۔
- ۳۴۱۔ الانصار ۱۶۳، العقائد النسفیہ، ص ۱۱۹۔
- ۳۴۲۔ الفرق بین الفرق، ص ۹۷، تاریخ معتزلہ، ص ۶۴۔
- ۳۴۳۔ العقائد النسفیہ، ص ۱۱۹۔
- ۳۴۴۔ تاریخ بغداد، ۶۱/۷۔
- ۳۴۵۔ عیون الاخبار، ۱۳۸/۲-۱۳۹۔
- ۳۴۶۔ A History of Christian thought, p308.
- ۳۴۷۔ العنکبوت (۲۹) ص ۴۶، مسند ابن حنبل، ۱۸۶/۲۔
- ۳۴۸۔ المائدہ (۵) ۸۲۔
- ۳۴۹۔ تاریخ معتزلہ، ص ۹۹۔
- ۳۵۰۔ ابن عساکر، العقد الفرید، ۲۰۸/۱-۲۱۸۔
- ۳۵۱۔ تاریخ معتزلہ، ص ۱۱۳۔
- ۳۵۲۔ ایضاً، ص ۱۱۲۔
- ۳۵۳۔ ایضاً، ص ۱۱۳۔
- ۳۵۴۔ تاریخ معتزلہ۔
- ۳۵۵۔ اشعراء (۲۶) تاریخ معتزلہ، ص ۱۳۲ بحوالہ الانصار، ص ۱۵۔
- ۳۵۶۔ اسلامی مذاہب (مترجم غلام احمد حریری) ص ۲۱۶۔
- ۳۵۷۔ مروج الذهب مسعودی، ۱۹۰/۲۔
- ۳۵۸۔ اسلامی مذاہب، ص ۲۱۷ بحوالہ شرح فتح البلاغہ لابن ابی الحدید۔
- ۳۵۹۔ الحی فخر الدین بن زبیر، توضیحات الاثریہ (مکتبہ الرشید، الرياض، ۱۹۹۹م) ص ۵۷۔
- ۳۶۰۔ الجاحظ، البیان والتمییز، ۸/۱۔
- ۳۶۱۔ المیزہ والائل، ص ۲۲: الوفیات الاعیان، ۵۳۷/۱۔
- ۳۶۲۔ الوفیات، ۳۳۲/۱۔
- ۳۶۳۔ شرح العمون، ص ۱۶۱۔
- ۳۶۴۔ تاریخ معتزلہ، ص ۱۲۹۔

- ۳۶۵۔ اہلسل والخل، ۱/۷۶۔
- ۳۶۶۔ تاریخ معتزلہ، ص ۲۷۰۔
- ۳۶۷۔ اہلسل والخل، ۱/۷۵-۷۶۔
- ۳۶۸۔ تاریخ بغداد، ۷/۱۶۲۔
- ۳۶۹۔ الانتصار، ص ۶۰۔
- ۳۷۰۔ مروج الذهب، ۲/۳۰۲۔
- ۳۷۱۔ الفرق بین الفرق، ص ۹۳۔
- ۳۷۲۔ (الموسم) تاریخ معتزلہ، ص ۲۸۸۔
- ۳۷۳۔ تاریخ معتزلہ، ص ۲۸۸۔
- ۳۷۴۔ ایضاً، ص ۲۸۹۔
- ۳۷۵۔ تاویل مختلف الحديث۔
- ۳۷۶۔ الوفیات، ۱/۶۸۵۔
- ۳۷۷۔ الوفیات، ۱/۶۸۶: اہلسل والخل، ۱/۷۳۔
- ۳۷۸۔ اہلسل والخل، ۱/۸۲۔
- ۳۷۹۔ ایضاً۔
- ۳۸۰۔ تاریخ معتزلہ، ص ۳۰۴۔
- ۳۸۱۔ تاریخ معتزلہ، ص ۳۰۸: الفرق بین الفرق، ص ۲۶۱-۲۶۲؛ کشف اصطلاحات الفنون ۳/۳۰۲ (اس کتاب میں فرقوں کے نام ہیں)۔ الحمید عبدالرزاق محمد الاسود، موسوعة الاديان المذاهب (الدرر العربیہ للموسوعات بیروت الطبعة الثانیہ ۲۰۰۰م) ۲/۲۳۱-۲۳۲۔
- ۳۸۲۔ تاریخ معتزلہ، ص ۳۱۶۔
- ۳۸۳۔ الطبری، تاریخ الامم والملوک، ۲/۴۶۔
- ۳۸۴۔ دول الاسلام، ۱/۶۵۔
- ۳۸۵۔ مروج الذهب، ۶/۳۲۔
- ۳۸۶۔ تاریخ الامم والملوک، ۹/۵۵۔
- ۳۸۷۔ ابن الاثیر، تاریخ الکامل، ۵/۱۷۳۔
- ۳۸۸۔ تاریخ معتزلہ، ص ۳۱۸۔

- ۳۸۹۔ ابن قتیبة، عیون الاخبار، ۱/۲۰۹۔
- ۳۹۰۔ الیعقوبی، التاريخ، ۱/۱۰۹۔
- ۳۹۱۔ شذرات الذهب، ۱/۳۰۳۔
- ۳۹۲۔ معجم الادباء، ۲۰/۳۰۔
- ۳۹۳۔ تاریخ بغداد، ۷/۶۴۔
- ۳۹۴۔ تاریخ الاسم والملوک، ۱۰/۲۲۰۔
- ۳۹۵۔ السلسل والفضل، ۱/۷۸۔
- ۳۹۶۔ الفرق بین الفرق، ص ۱۵۷۔
- ۳۹۷۔ الوفيات، ۱/۳۲۔
- ۳۹۸۔ تاریخ بغداد، ۲/۱۴۲۔
- ۳۹۹۔ الطبری، التاريخ، ۱۰/۷۔
- ۴۰۰۔ الانبیاء (۲۱)۔ ۲۔
- ۴۰۱۔ الطبری، التاريخ، ۱/۲۸۷۔
- ۴۰۲۔ الطبری، التاريخ، ۱۰/۲۸۹-۲۹۱۔
- ۴۰۳۔ تاریخ معزله، ص ۳۳۲ بحوالہ مناقب، ص ۴۰۰۔
- ۴۰۴۔ تاریخ المعزله، ص ۳۳۴۔
- ۴۰۵۔ الوفيات، ۱/۳۳۔
- ۴۰۶۔ طبقات الشافعیہ، ۱/۲۰۹۔
- ۴۰۷۔ تاریخ المعزله، ص ۳۳۹: مناقب، ص ۳۹۴۔
- ۴۰۸۔ تاریخ المعزله، ص ۳۴۱: مناقب، ص ۳۷۴۔
- ۴۰۹۔ المعقول القار، ۲/۱۴۳-۱۴۴۔
- ۴۱۰۔ شذرات الذهب، ۲/۷۵۔
- ۴۱۱۔ الیعقوبی، التاريخ، ۲/۵۸۸۔
- ۴۱۲۔ ابن الاثیر، التاريخ الکامل، ۷/۱۶: الطبری، التاريخ، ۱۱/۱۹، ۲۰۔
- ۴۱۳۔ تاریخ معزله، ص ۳۳۵۔
- ۴۱۴۔ الطبری، التاريخ، ۱۱/۳۶۔

- ۳۱۵۔ البیہقی، التاريخ، ۲/۵۹۲۔
- ۳۱۶۔ البیہقی، التاريخ، ۲/۵۹۷؛ الطبری، التاريخ، ۱۱/۳۶-۳۷۔
- ۳۱۷۔ تاریخ معزولہ، ص ۳۵۷۔
- ۳۱۸۔ الطبری، التاريخ، ۱۱/۶۲-۶۶۔
- ۳۱۹۔ تاریخ معزولہ، ص ۳۷۰۔
- ۳۲۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۲۰۰۱ء) ۲۱/۳۲۳۔
- ۳۲۱۔ تاریخ البحر، ص ۲۶۹-۲۷۰۔
- ۳۲۲۔ حدیث رسول کا تشریحی مقام (ترجمہ غلام احمد حریری) ص ۲۷۷ بحوالہ الاحکام، ۲/۷۵۔
- ۳۲۳۔ الاحکام، ۲/۶۸۔
- ۳۲۴۔ تدریب الراوی، ص ۱۷۔
- ۳۲۵۔ حدیث کا تشریحی مقام، ص ۲۷۸ بحوالہ الاحکام، ۱/۱۱۹۔
- ۳۲۶۔ ابن القیم، اعلام الموقعین، ۲/۲۲۱، حدیث کا تشریحی مقام، ص ۲۷۸۔
- ۳۲۷۔ الفرق بین الفرق، ص ۷۷۔
- ۳۲۸۔ ایضاً، ص ۷۷۔
- ۳۲۹۔ ایضاً۔
- ۳۳۰۔ الکفایہ، ص ۲۲۰۔
- ۳۳۱۔ حدیث رسول کا تشریحی مقام بحوالہ تاویل مختلف الحدیث، ص ۲۱۔
- ۳۳۲۔ Hans Wehr, Dictionary of Modern written Arabic, (ed. J.M Cowan, New York, 1961).
- ۳۳۳۔ مجلہ دارالعلوم دیوبند، مارچ ۱۹۸۸ء (محمد یوسف رامپوری، ”تحریک استعراق“ ص ۳۴-۳۵)۔
- ۳۳۴۔ عرفروغ، الاستعراق، مالد۔۔۔ وما علیہ، الاستعراق والاستعراق (عدو خاص، مجلہ المنہل، عدد ۲۷۱ (اپریل/مئی ۱۹۸۹ء) ص ۱۵)۔
- ۳۳۵۔ Karen Armstrong, Muhammad a Bibliography of the Prophet (New York, 1992) p.25
- ۳۳۶۔ تحریک استعراق، ص ۳۲-۳۳۔
- ۳۳۷۔ المصدر السابق، ص ۳۳۔

- ۳۳۸- Edward W. Saeed, Orientalism(New York, 1978) p.17-18
- ۳۳۹- السامرائی نعمان عبدالرزاق، الفکر العربی والفکر الاستشرقی (الریاض ۱۹۸۹ء) ص: ۳۰۔
- ۳۴۰- الندوی، ابوالحسن علی، الاسلامیات بین کتابات المستشرقین (مؤسسه الرسالہ، بیروت) ص ۱۵-۱۶۔
- ۳۴۱- بدادی، ڈاکٹر عبدالرحمن، موسوعة المستشرقین (دار العلم للملاہین بیروت، الطبعة الاولى، ۱۹۸۳ء)۔
- ۳۴۲- السہابی، ڈاکٹر مصطفیٰ، حدیث رسول کا تشریحی مقام، ص: ۳۶۶-۳۶۷۔
- ۳۴۳- محکاۃ المصالح، ص ۳۱۔
- ۳۴۴- سلفی، لقمان علی، ڈاکٹر، السنۃ حججہا ومکانتہا فی الاسلام والرؤیٰ علی منکرہا (مکتبۃ الایمان، المدینۃ المنورۃ، ۱۹۸۹ء، الطبعة الاولى) ص ۲۱۶-۲۱۷۔
- ۳۴۵- ڈاکٹر خالد علوی، حفاظت حدیث، ص ۱۷-۱۸۔
- ۳۴۶- ہلنی، رکتورڈف، السنۃ الاسلامیۃ بین اثبات الفاہمین ورفض الجاہلین (مطبعة التقدم، الکویت، الطبعة الرابعہ، ۱۹۸۲ء) ص: ۱۱۷-۱۱۸۔
- ۳۴۷- السنۃ حجیتہا ومکانتہا فی الاسلام والرد علی منکرہا، ص ۲۳۰-۲۳۱؛ حمزہ، دکتور محمد، الاستشراق والخلفیۃ الفکریۃ للصراع الحصاری“ (دار المنار قاہرہ ۱۹۸۹ء) ص ۱۲۲۔
- ۳۴۸- المائدۃ (۵)۔
- ۳۴۹- ترمذی، السنن، (حقیق: احمد محمد شاہ، دار احیاء التراث العربی بیروت) ۳۳/۵۔
- ۳۵۰- ابن حزم، الفصل فی البطل والبطل، ۲۳۳/۳-۲۳۵۔
- ۳۵۱- السنۃ حجیتہا ومکانتہا فی الاسلام والرد علی منکرہا، ص ۲۴۰۔
- ۳۵۲- ابن القیم، المعاریض فی الصحیح والضعیف (مکتبۃ المطبوعات الاسلامیہ حلب ۱۹۷۰ء)؛ الخاتم، معرفۃ علوم الحدیث، ص ۶۲۔
- ۳۵۳- ابوالحسن ابراہیم بن علی الشیرازی، التبصر فی اصول الفقہ (دار الفکر دمشق، ۱۳۲۱ھ) ص ۳۲۹۔
- ۳۵۴- Gold Ziher, Muslim studies, (George Allen & Unmin Ltd., London, First Edition: 1967) 2/51
- ۳۵۵- حدیث رسول کا تشریحی مقام، ۴۸۸۔
- ۳۵۶- Muslim studies
- ۳۵۷- تاریخ یعقوبی، (بیروت ۱۹۶۰ء) ۸-۷/۳۔
- ۳۵۸- ابن الاثیر، الکامل، ۳/۱۳۵؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، (دار الایمان مصر ۱۹۸۸ء) ص ۱۶۵۔

- ۳۵۹۔ ابن تیمیہ، قتلای (ادارۃ المحرمات الاسلامیہ الریاض، ۱۹۸۱ء) ۱۲/۲۷۔
- ۳۶۰۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۱۱۸۹، ص ۱۹۰۔
- ۳۶۱۔ تاریخ تدوین، ص ۱۰۲-۱۰۳۔
- ۳۶۲۔ احمد المسند، مسلم، الجامع الصحیح؛ بخاری، الجامع الصحیح۔
- ۳۶۳۔ ابن تیمیہ، قتلای، ۶-۵/۲۷۔
- ۳۶۴۔ حدیث رسول کا تشریحی مقام، ص ۴۱۹-۵۱۴۔
- ۳۶۵۔ ایضاً، ص ۳۷۶-۵۱۱؛ ڈاکٹر لقمان علی سلفی، السنۃ، ص ۲۲۷-۲۳۱۔
- ۳۶۶۔ المائدہ (۵) ۳۔
- ۳۶۷۔ حدیث رسول کا تشریحی مقام، ص ۴۷۷۔
- ۳۶۸۔ ایضاً، ص ۴۷۷-۴۷۸۔
- ۳۶۹۔ ایضاً، ص ۴۸۰۔
- ۳۷۰۔ ایضاً، ص ۴۸۲۔
- ۳۷۱۔ ایضاً، ص ۴۸۳-۴۸۴۔
- ۳۷۲۔ ایضاً، ص ۴۸۵-۴۸۶۔
- ۳۷۳۔ ایضاً، ص ۴۸۶۔
- ۳۷۴۔ ڈاکٹر لقمان علی سلفی، السنۃ، ص ۲۳۹۔
- ۳۷۵۔ حدیث رسول کا تشریحی مقام، ص ۵۱۱-۵۱۲۔
- ۳۷۶۔ تدبر، لاہور شمارہ ۵۹، جنوری ۱۹۹۸ء، ص ۱۱۔
- ۳۷۷۔ ہفت روزہ بکبیر، کراچی ج ۱۹، شمارہ نمبر ۵۲، ۱۹۷۷ء تا ۲۵ دسمبر ۱۹۹۷ء، ص ۴۷۔
- ۳۷۸۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، ۲/۱ (فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۳-۱۹۷۷ء) ۶/۱۔
- ۳۷۹۔ ایضاً، (فاران فاؤنڈیشن لاہور، طبع اول ۱۹۸۹ء) ص ۱۳۔
- ۳۸۰۔ ایضاً، اسلامی قانون کی تدوین، ص ۶۸، بحوالہ صدر جم اور اس کی شرعی حیثیت، ص ۴۸-۴۹۔
- ۳۸۱۔ یوسف، صلاح الدین، حافظہ، صدر جم اور اس کی شرعی حیثیت (المکتبہ السلفیہ لاہور) ص ۱۲-۴۸۔
- ۳۸۲۔ ترجمان القرآن، لاہور اکتوبر ۱۹۵۵ء، ص ۱۳۷۔
- ۳۸۳۔ الجوزائی، توجیہ الخضر الی اصول الاثر، ص ۳۔
- ۳۸۴۔ محبت اللہ بن عبد الحکور، مسلم الثبوت، ۶۶/۲۔

- ۳۸۵۔ الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، ابواسحاق، المواہبات فی اصول الشریعہ (المطبعہ الرحمانیہ القاہرہ) ۳/۳۔
- ۳۸۶۔ احمد المعروف ملا جیون، نور الانوار مع شرح قمر الاقمار (مطبعہ علمی لاہور ۱۹۵۸ء) ص ۱۷۵۔
- ۳۸۷۔ اشوکا بن محمد بن علی، ارشاد الخول الی تحقیق الحق من علم الاصول (دار الباز مکہ المکتبہ) ص ۲۹۔
- ۳۸۸۔ صدیق حسن، نواب السید، حصول المامول من علم الاصول (مطبع مصطفیٰ محمد القاہرہ: ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء) ص ۳۸۔
- ۳۸۹۔ لکھنوی، ظفر الاحسانی، ص ۲۳-۲۵۔
- ۳۹۰۔ مبادی تدریجہ ص ۲۸۔
- ۳۹۱۔ ایضاً، ص ۱۹۱-۲۱۷۔
- ۳۹۲۔ ایضاً، ص ۲۱۸۔
- ۳۹۳۔ النحل (۱۶) ص ۳۳۔
- ۳۹۴۔ مبادی تدریجہ ص ۱۳۶۔
- ۳۹۵۔ ابن ماجہ، السنن (ادارہ احیاء السنن النبویہ سرگودھا) ص ۱۸۶۔
- ۳۹۶۔ بخاری، الجامع الصحیح (نور محمد، اصح المطابع کراچی) ۱۰۰۹/۲، المسلم، الجامع الصحیح ۶۵/۲، کتاب الحدود۔
- ۳۹۷۔ تدریج قرآن، ۵۰۲/۳۔
- ۳۹۸۔ ایضاً، ۵۰۵/۳۔
- ۳۹۹۔ المسلم، الجامع الصحیح ۶۸/۲۔
- ۵۰۰۔ تدریج قرآن، ۲۷/۱۔
- ۵۰۱۔ صدیق حسن، حصول المامول من علم الاصول، ص ۱۲۷۔
- ۵۰۲۔ زرقانی، عبد العظیم، متاعل العرفان فی علوم القرآن (دار احیاء التراث العربی القاہرہ) ۱۳۹-۱۴۰۔
- ۵۰۳۔ النجم (۵۲) ص ۳-۴۔
- ۵۰۴۔ مبادی تدریجہ ص ۵۳۔
- ۵۰۵۔ البخاری، الجامع الصحیح ۸/۱۔
- ۵۰۶۔ ابن حجر، فتح الباری (ادارہ الدعوة والارشاد الریاض) ۲۵/۱۰۔
- ۵۰۷۔ المسلم، الجامع الصحیح مع شرح نووی، ۳۷/۱۔
- ۵۰۸۔ ایضاً، ۳۹/۱۔
- ۵۰۹۔ البقرۃ (۲) ص ۲۳۰۔

- ۵۱۰۔ تہذیب قرآن، ۱/۳۹۳۔
- ۵۱۱۔ صحیح بخاری، ۲/۸۲۵۔
- ۵۱۲۔ کربانی، شرح الجامع الصحیح البخاری (دار احیاء التراث العربی بیروت)، ۱۹/۲۲۸۔
- ۵۱۳۔ الکہف (۱۸) ۶۵۔
- ۵۱۴۔ تفسیر تہذیب قرآن، ۳/۶۲۔
- ۵۱۵۔ تہذیب قرآن، ۳/۵۶۔
- ۵۱۶۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۳۷۲۵، ص ۹۹۱-۹۹۲۔
- ۵۱۷۔ الحجۃ (۶۲) ۲/۲۔
- ۵۱۸۔ البقرۃ (۲) ۱۲۹۔
- ۵۱۹۔ مبادی تہذیب قرآن، ص ۱۱۰۔
- ۵۲۰۔ ایضاً، ص ۱۱۱۔
- ۵۲۱۔ ایضاً، ص ۱۱۰-۱۱۱۔
- ۵۲۲۔ الشافعی، الرسالہ، ص ۳۳-۳۵۔
- ۵۲۳۔ الشافعی، کتاب الام، ۷/۲۷۰-۲۷۱۔
- ۵۲۴۔ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضله، ۱/۲۰-۲۱۔
- ۵۲۵۔ مبادی تہذیب قرآن، ص ۲۱۸۔
- ۵۲۶۔ مبادی تہذیب حدیث، ص ۲۰۔
- ۵۲۷۔ تفسیر تہذیب قرآن، ۱/۲۳۔
- ۵۲۸۔ ایضاً، ۲۳-۲۳، ۳۵۸۔
- ۵۲۹۔ ایضاً، ص ۶۹۔
- ۵۳۰۔ ایضاً، ۲/۱۷۹۔
- ۵۳۱۔ ایضاً، ۳/۵۰، ۱۲۶، ۱۵۳، ۲۳۱، ۳۹۷۔
- ۵۳۲۔ ایضاً، ۵/۵۰۱۔
- ۵۳۳۔ ایضاً، ۵/۲۳۳-۲۳۲۔
- ۵۳۴۔ ایضاً، ۶/۱۳۳، ۲۷۰، ۳۶۰، ۳۶۹، ۵۱۶۔

منتخب مصادر ومراجع

- ۱۔ قرآن مجید
- ۲۔ ابن البار، محمد بن عبد اللہ بن ابی بکر القناعی، المعجم اصحاب ابی علی الصدفی، مدیر ۱۸۸۵ء۔
- ۳۔ ایضاً، القلم للکتاب الصلۃ، مدیر ۱۸۸۶ء۔
- ۴۔ ابن ابی حاتم، عبد الرحمن بن محمد الرازی، ظل الحدیث، دار المعرفۃ بیروت ۱۹۸۵ء۔
- ۵۔ ایضاً، کتاب الجرح والتعديل، ولترۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد الطبعہ الاولیٰ ۱۹۶۳ء۔
- ۶۔ ایضاً، کتاب المراسیل، سائلہ علی شیخ پورہ۔
- ۷۔ ابن ابی الحدید، عز الدین ابو حامد المدائنی، شرح نبح البلاغۃ، دار احیاء التراث العربی بیروت۔
- ۸۔ ابن ابی شیبہ، ابوبکر، المصنف، دار الفکر بیروت الطبعہ الائی ۱۹۸۹ء۔
- ۹۔ ابن ابی العز، صدر الدین علی بن علی، الاجتاع، المکتبہ السلفیہ لاہور۔
- ۱۰۔ ایضاً، شرح عقیدہ الخاویہ، مکتبہ سلفیہ لاہور۔
- ۱۱۔ ابن الاثیر، محمد الدین ابوالسعدات المبارک بن محمد، التہذیب فی غریب الحدیث والاثر، تحقیق محمد الطنحی، انصار السنۃ الحمدیہ لاہور۔
- ۱۲۔ ابن بکوال، خلف بن عبد الملک، کتاب الصلۃ فی تاریخ احمدہ الاندلس و علماء ہم ومحدثهم، نشر الیہ عز عطارۃ القاہرۃ ۱۹۵۵ء۔
- ۱۳۔ ابن حبیہ، ابو العباس ثقی الدین احمد بن عبد الحکیم، شرح عقیدہ واسطیہ، الدعویۃ والارشاد الریاض۔
- ۱۴۔ ایضاً، الصارم المسلول علی شاتم رسول، المکتبہ الاسلامی بیروت ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۴ء۔
- ۱۵۔ ایضاً، مجموع فتاویٰ، تہذیب ابو عبد الرحمن بن محمد، الدعویۃ والارشاد الریاض ۱۳۸۱ھ۔
- ۱۶۔ ایضاً، منهاج السنۃ النبویہ فی نقض کلام الضمیر والقدریہ، مکتبہ سلفیہ لاہور۔
- ۱۷۔ ابن الجوزی، عبد الرحمن، الموضوعات، دار لکب العلمیۃ بیروت الطبعہ الاولیٰ ۱۹۹۵ء۔
- ۱۸۔ ابن حبان، محمد البستی، کتاب الجرح وین من الحدیثین والضعفاء والحزین وکین، وزارة الادقاف والھنون الاسلامیہ المملکت العربیہ ۱۹۷۹ء/۱۳۹۳ھ۔
- ۱۹۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، الاصابۃ فی تمییز اصحابہ (مقدمہ پیر مگر) مطبوع کلکتہ۔
- ۲۰۔ ایضاً، ایضاً، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۸ھ۔
- ۲۱۔ ایضاً، تقریب العمل، دار الفکر بیروت ۱۹۸۵ء۔

- ۲۲- ایضاً، مکتبہ التجاریہ مصطفیٰ احمد الباز مکتبہ المکتومہ، الطبعة الاولى ۱۹۹۹ء۔
- ۲۳- ایضاً، الدرر الكامنة فی اعیان المائتہ الثمانیہ، دار الجلیل بیروت ۱۹۹۳ء۔
- ۲۴- ایضاً، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، دار النشر اکتب الاسلامیہ لاہور ۱۹۸۱ء۔
- ۲۵- ایضاً، لسان المیزان، القاہرہ ۱۳۷۲ھ۔
- ۲۶- ایضاً، نزہۃ النظر شرح نخبة الفكر، قاروقی کتب خانہ ملتان۔
- ۲۷- ایضاً، التکلف علی مقدمہ ابن الصلاح، الجامعہ الاسلامیہ المدینہ المنورہ، الطبعة الاولى ۱۹۸۳ء۔
- ۲۸- ایضاً، حدی الساری مقدمہ فتح الباری، ادارہ المدعوۃ والارشاد الریاض۔
- ۲۹- ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد بن سعید، الاحکام فی اصول الاحکام، مکتبہ عاتق الازھر الطبعة الاولى ۱۹۶۸ء۔
- ۳۰- ایضاً، کتاب الفصل فی السبل والاحواء والتخل، مکتبہ الخانجی القاہرہ ۱۳۳۱ھ۔
- ۳۱- ابن خلدون، عبدالرحمن، المقدمة، مصطفیٰ محمد القاہرہ ۱۳۲۹ھ۔
- ۳۲- ابن خلکان، ابو العباس شمس الدین احمد، وفیات الاعیان، منشورات الشریف الرضی قم ایران۔
- ۳۳- ابن خیر شملی، ابو بکر محمد، فہرستہ، مکتبہ المصطفیٰ بغداد ۱۹۶۳ء۔
- ۳۴- ابن درید، ابو بکر محمد بن حسن، کتاب التجرمة فی اللغة، دار صادر بیروت۔
- ۳۵- ابن دوقیق العید، الاقتراح فی بیان الاصطلاح، دار لکتب العلمیہ بیروت ۱۹۸۶ء۔
- ۳۶- ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت ۱۹۸۵ء۔
- ۳۷- ابن الصلاح، ابو محمد عثمان، علوم الحدیث المعروف مقدمہ ابن الصلاح، دار الفکر دمشق الطبعة الثانیہ ۱۹۸۳ء۔
- ۳۸- ایضاً، علوم الحدیث المعروف مقدمہ ابن الصلاح مع شرح التعمید والایضاح طبع راقی، المکتبہ العلمیہ المدینہ المنورہ۔
- ۳۹- ابن عبدالبر، یوسف بن عبد اللہ، الاستدکار، قاہرہ، الطبعة الاولى ۱۹۹۴ء۔
- ۴۰- ایضاً، الاستیعاب فی معرفۃ الاسحاب (علی حاشی الاصابۃ) دار التراث العربی، بیروت۔
- ۴۱- ایضاً، التہمید لما فی الحق طامن المعانی والاسانید، مکتبہ التجاریہ مصطفیٰ احمد الباز مکتبہ المکتومہ ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء۔
- ۴۲- ایضاً، جامع بیان العلم وفہمہ، دار الفکر بیروت۔
- ۴۳- ابن عدی، ابو احمد عبد اللہ، الكامل فی الصغیر الرجال، دار الفکر بیروت الطبعة الثانیہ ۱۹۸۵ء۔
- ۴۴- ابن العربی، قاضی ابو بکر، العواصم من القواصم فی تحقیق موافق الصحابۃ بعد وفات النبی ﷺ القاہرہ۔
- ۴۵- ابن عساکر، علی بن الحسن بن ہبہ اللہ، تاریخ مدینہ دمشق بیروت۔

- ۳۶۔ ابن حلیہ، ابو محمد عبد الحق، فہرس، المکتب الاسلامی بیروت ۱۹۸۳ء۔
- ۳۷۔ ابن امیر الدین، شذرات الذهب، المکتبہ التجاری بیروت۔
- ۳۸۔ ابن فارس، احمد، معجم مقاییس اللغہ، تحقیق عبدالسلام حارون، دار احیاء التراث العربیہ القاہرہ، ۱۳۶۶ھ۔
- ۳۹۔ ابن فرحون، امیر تیم بن علی، الدیانج المذہب فی معرفۃ اعیان المذہب، القاہرہ ۱۳۵۱ھ۔
- ۵۰۔ ابن القری، ابوالولید عبداللہ بن محمد بن یونس الازدی، تاریخ علماء الاندلس، مدریۃ ۱۹۸۲ء۔
- ۵۱۔ ابن لحد کی، قلی الدین ابو الفضل محمد بن محمد، لحدہ الالحاظ ذیل طبقات الحفاظ مع تذکرۃ الحفاظ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۸ء۔
- ۵۲۔ ابن القوتیہ محمد بن عمر، تاریخ فتح الاندلس، المطبعہ المحمدیہ القاہرہ۔
- ۵۳۔ ابن قیم الجوزیہ، شمس الدین ابو عبداللہ محمد، اعلام الموقعین، دار الکتب المصریہ ۱۹۶۹ء۔
- ۵۴۔ ایضاً، السناار المصیف فی الصحیح والضعیف، تحقیق ابو نعۃ بیروت۔
- ۵۵۔ ابن کثیر، ابوالقداسامیل، تفسیر القرآن العظیم، سہیل اکیڈمی لاہور ۱۹۷۳ء۔
- ۵۶۔ ایضاً، البدایہ والنہایہ، دار الریان مصر ۱۳۰۸ھ/۱۹۸۸ء۔
- ۵۷۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن، ادارہ احیاء السنۃ النبویہ سرگودھا۔
- ۵۸۔ ایضاً، ایضاً، دار السلام الریاض، الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۹ء۔
- ۵۹۔ ابن ماکولا، ابوالنصر علی بن مہدی، اللہ الاکمال فی رفع الارقیاب عن الموتلف والختلف من الاسماء والکنی والالساب، دار الکتب العلمیہ بیروت الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۰ء۔
- ۶۰۔ ابن المظہر، رجال الحق، منشورات الرضی قم۔
- ۶۱۔ ابن منثور، ابوالفضل جمال الدین محمد بن بکرم، لسان العرب، دار صادر بیروت۔
- ۶۲۔ ابن وضاح محمد، کتاب البدرع والنعمی، مکتبہ التوحید والسنۃ پشاور۔
- ۶۳۔ ابوداؤد، سلیمان بن الاصفہ، السنن، القاہرہ۔
- ۶۴۔ ایضاً، ایضاً، دار السلام الریاض، الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۹ء۔
- ۶۵۔ ایضاً، الراسل، ابن تیمیہ کادی لاہور۔
- ۶۶۔ ابو زہرہ محمد، احمد ابن حنبل، مکتبہ سلفیہ لاہور۔
- ۶۷۔ ایضاً، اسلامی مذاہب، ترجمہ غلام احمد حریری، ملک برادرز فیصل آباد طبع دوم ۱۹۷۷ء۔
- ۶۸۔ ابو زہرہ محمد، الحدیث والحدیث، دار الکتب العربیہ بیروت ۱۹۸۳ء۔

- ۶۹۔ ایضاً، الحدیث والحدیثون (ترجمہ تارخ حدیث و حدیثین غلام احمد حریری) مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور۔
- ۷۰۔ ابو عبیدہ قاسم بن سلام، کتاب النسب، دار الفکر بیروت الطبعة الاولى ۱۹۸۹ء۔
- ۷۱۔ ابو عمرو، رجال کثی، مطبوعہ مؤسسۃ الاطمی کربلا عراق۔
- ۷۲۔ ابو الفضل، محمد یاسین بن محمد الفارانی الہکی، الحبالۃ فی الاحادیث السلسلہ، مطبوعہ عطا میریہ جکارتہ انڈونیشیا۔
- ۷۳۔ ابو محمد عبد الہدی بن عبد القادر بن عبد الحادی، طرق تخریج حدیث، دار الاعتصام القاہرہ۔
- ۷۴۔ اثری، ارشاد الحق، پاک و ہند میں علماۓ اہل حدیث کی خدمات، ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد طبع دوم ۲۰۰۱ء۔
- ۷۵۔ اثری، عبد الجلیل، ترجمہ اہل انظر فی معظ اہل النعم، یادگار لاہوری گوجرانوالہ ۱۹۹۸ء۔
- ۷۶۔ احسان الحق، سبیل المسلمین، ادارہ صوت القرآن لاہور۔
- ۷۷۔ احسان عباس، الدكتور، تارخ الادب الاندلس، دار الفکر بیروت ۱۹۷۹ء۔
- ۷۸۔ احمد بن حنبل، فضائل الصحاب، جلد ۱، ام القرئ مکہ المکتبہ، الطبعة الاولى ۱۹۸۳ء۔
- ۷۹۔ ایضاً، کتاب الاسامی والکنی (تحقیق عبد اللہ بن یوسف الجدیج) مکتبہ دارالاقصی الکویت ۱۹۸۵ء۔
- ۸۰۔ ایضاً، کتاب البطلان و معرفۃ الرجال (تحقیق الاستاذ الدكتور طلعت قورج میکیت، الاستاذ الدكتور اسماعیل جراح اولی) المکتبہ الاسلامیہ استانبول ترکیا ۱۹۸۷ء۔
- ۸۱۔ ایضاً، المسند، دار الفکر القاہرہ۔
- ۸۲۔ ایضاً، ایضاً، دار الفکر بیروت۔
- ۸۳۔ احمد امین، ظہر الاسلام، دار الکتب العربی بیروت ۱۹۷۹ء۔
- ۸۴۔ احمد سعید دہلوی، حدیث قدسیہ، دار المطالعہ حاصل پور۔
- ۸۵۔ احمد محمد شاہ، الباعث الحسین، شرح اختصار علوم الحدیث، دار التراث القاہرہ ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء۔
- ۸۶۔ احمد محمد نور، ڈاکٹر، من ادب الحدیثین فی الترویج و التعليم، دار البحوث للحدیث و احیاء التراث دینی الطبعة الثانیہ ۱۹۹۸ء۔
- ۸۷۔ الارزبیلی، جامع الرواۃ، مطبوعہ اسماعیلیان قم۔
- ۸۸۔ الارزبیلی، ابو محمد عبد الغنی بن سعید، کتاب المؤلف و المتکلف فی الاسماء و تالیف الحدیث و کتاب تشابہ المنہ مطبوعہ انوار احمدی الآباد الہند۔
- ۸۹۔ الارزبیلی، ابو منصور محمد بن احمد، تالیف اللغہ، دار الکتب المصریہ القاہرہ۔
- ۹۰۔ الارزبیلی، ابو محمد کریم شاہ، سنت خیر الانام، بحیرہ پنجاب طبع اولی ۱۹۵۵ء۔
- ۹۱۔ اسعدی، محمد عبد اللہ، علوم الحدیث، مجلس نشریات اسلام کراچی۔

- ۹۲۔ الاشعری، ابوالحسن علی بن اسماعیل، الابایہ عن الاصول الدینیہ، مکتبہ دارالبیان بیروت الطبعہ الاولیٰ ۱۹۸۱ء۔
- ۹۳۔ اصغر حسین، حیات شیخ الہند، ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۷۷ء۔
- ۹۴۔ الاصفہانی، ابوالقاسم حسین بن محمد المعروف الراغب، المفردات فی غریب القرآن، دارالمعرفہ بیروت۔
- ۹۵۔ الاصفہانی، ابویوسف احمد بن عبد اللہ، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء مصر ۱۳۵ھ۔
- ۹۶۔ ایضاً، ایضاً، والکتاب العلمیہ بیروت الطبعہ الاولیٰ ۱۹۸۸ء۔
- ۹۷۔ ایضاً، معرفۃ الصحابہ، مکتبۃ الحرمین الرياض الطبعہ الاولیٰ ۱۹۸۸ء۔
- ۹۸۔ اصلاحی، امین احسن، اسلامی قانون کی تدوین، فاران فاؤنڈیشن لاہور، ۲۰۰۰ء۔
- ۹۹۔ ایضاً، تدویر القرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۳ء۔ ۱۹۷۷ء۔
- ۱۰۰۔ ایضاً، مبادی تدویر حدیث فاران فاؤنڈیشن لاہور طبع الاولیٰ ۱۹۸۹ء۔
- ۱۰۱۔ اصلاحی، ضیاء الدین، تذکرۃ المحدثین، نیشل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد طبع اول ۱۹۸۹ء۔
- ۱۰۲۔ اصلاحی، نجم الدین، دلائل السنن والآثار، ادارہ معارف اسلامیہ منصورہ لاہور طبع اول ۱۹۸۷ء۔
- ۱۰۳۔ اطہر مبارک پوری، قاضی، رجال السند والہند، المطبع المجازیہ بمبئی ۱۹۵۸ء۔
- ۱۰۴۔ الالبانی، محمد ناصر الدین، سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ، المکتب الاسلامی بیروت۔
- ۱۰۵۔ ایضاً، سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ، المکتبۃ الاسلامیہ بیروت۔
- ۱۰۶۔ امرتسری، خولید احمد دین، تسہیل برہان القرآن، دوست الیوسی اشز لاہور۔
- ۱۰۷۔ امین ابوالادی، اصول الجرح والتعلیل، دار ابن عقیل السلطنت العربیہ السعودیہ۔
- ۱۰۸۔ امینی، محمد تقی، حدیث کا درجہ معیار، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۹۸۶ء۔
- ۱۰۹۔ الانصاری، حماد بن محمد، یانغ المعرفی مصطلح اہل الاثر، مکتبۃ ابن قیم المدینہ المنورہ۔
- ۱۱۰۔ الانصاری، ذکر ابن محمد ابویحییٰ، فتح الباقی بشرح الفیہ العراقی، مجلس تحقیق الاثری جہلم ۱۴۱۳ھ۔
- ۱۱۱۔ انظر شاہ مسعودی، نقش دوام، مکتبہ بنوریہ کراچی۔
- ۱۱۲۔ انعام اللہ جان، یہودی سازشیں اور فتنہ انگارہ حدیث پشاور۔
- ۱۱۳۔ الباجی، سلیمان بن خلف، ابوالولید، التحدیل والتخریج، دار اللواء الرياض ۱۹۸۵ء۔
- ۱۱۴۔ باقلانی، محمد بن حلیب، ابوبکر، اعجاز القرآن، دار المعارف مصر القاہرہ الطبعہ الثالثہ۔
- ۱۱۵۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، التاريخ الاوسط، دار المعصمی الرياض الطبعہ الاولیٰ ۱۹۹۸ء۔
- ۱۱۶۔ ایضاً، التاريخ الکبیر، دار الفکر، بیروت۔
- ۱۱۷۔ ایضاً، الجامع الصحیح، مکتبہ دار السلام الرياض الطبعہ الثانیہ ۱۹۹۹ء۔

- ۱۱۸۔ ایضاً، اکفی، دائرة المعارف عثمانیہ حیدرآباد ۱۳۶۰ھ۔
- ۱۱۹۔ بدوی، عبدالرحمن، ڈاکٹر، موسوعة المستشرقین، دارالعلم للملایین بیروت الطبعة الاولى ۱۹۸۳ء۔
- ۱۲۰۔ برق، غلام جیلانی، دوا اسلام، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔
- ۱۲۱۔ ایضاً، حرف محرمانہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔
- ۱۲۲۔ برنی، آئی ایچ، مسلم پیمین، کفایت الکیفی کراچی ۱۹۹۰ء۔
- ۱۲۳۔ بلقدادی، عبدالقادر بن طاہر، الفرق بین الفرق، دارالعرفت بیروت الطبعة الثالثہ ۱۴۳۱ھ/۲۰۰۱ء۔
- ۱۲۴۔ البغوی، ابو محمد حسین بن مسعود، مصابیح السنن، دارالعرفت بیروت الطبعة الاولى ۱۹۸۷ء۔
- ۱۲۵۔ ایضاً، معالم التنزیل المعروف بتفسیر بغوی (علی حاشی تفسیر خازن) دار الفکر بیروت۔
- ۱۲۶۔ ایضاً، ایضاً، مصطفی البابی، واولادہ بمصر، الطبعة الثانية ۱۹۵۵ء۔
- ۱۲۷۔ بلخی، افتخار احمد، انکار حدیث کا منظر و پس منظر، مکتبہ چراغ راہ کراچی۔
- ۱۲۸۔ بلیاوی، ابوالفضل عبداللطیف، مصباح اللغات، سعید اینڈ کمپنی کراچی ۱۹۷۷ء۔
- ۱۲۹۔ بہاری، فضل حسین، البیاء بعد الممات، مکتبہ شعیب حدیث منزل کراچی ۱۹۵۹ء۔
- ۱۳۰۔ البہاری بحسب محبت اللہ بن عبداللہ، مسلم الثبوت مع شرح فوائد الرحمت، المطبعة المیمریہ مصر ۱۳۳۲ھ۔
- ۱۳۱۔ بھٹی، محمد اسحاق، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، مکتبہ قدوسیہ لاہور۔
- ۱۳۲۔ ایضاً، فقہائے ہند (تیرھویں صدی ہجری) ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔
- ۱۳۳۔ البہیسی، احمد بن الحسین، ابوبکر، دلائل النبوة، مطابع الاحرام التجارية ۱۹۶۶ء۔
- ۱۳۴۔ ایضاً، مناقب الشافعی، دار التراث القاہرہ۔
- ۱۳۵۔ پانی پتی، ثناء اللہ قاضی، السیف المسلول (ترجمہ محمد رفیع الاثری) فاروقی کتب خانہ ملتان ۱۹۷۹ء۔
- ۱۳۶۔ چٹھی، محمد طاہر، تذکرۃ الموضوعات، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۹۹ھ۔
- ۱۳۷۔ پرویز، غلام احمد، تصوف کی حقیقت، طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور ۱۹۹۶ء۔
- ۱۳۸۔ ایضاً، معارف القرآن، طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور۔
- ۱۳۹۔ ایضاً، معراج انسانیت، طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور۔
- ۱۴۰۔ البزیزی الخلیب، ابو عبداللہ محمد، معکاة المصابیح، دار الفکر بیروت الطبعة الاولى ۱۹۹۱ء۔
- ۱۴۱۔ ایضاً، ایضاً، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۳۶۸ھ۔
- ۱۴۲۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، السنن، دار السلام الریاض الطبعة الاولى ۱۹۹۹ء۔
- ۱۴۳۔ ایضاً، ایضاً، قرآن محل کراچی۔

- ۱۳۳۔ تمنا عمامی، محی الدین، اعجاز القرآن واختلاف قرأت، رحمان پبلشنگ ناظم آباد کراچی ۱۹۹۴ء۔
- ۱۳۵۔ البھوجی، محمد ذاکٹر، محکم الاعلام الحدیث النبوی، مرکز الخطوط الکویت الطبعة الاولى ۱۹۹۹ء۔
- ۱۳۶۔ اتھانوی، محمد علی بن علی بن محمد، کشف اصطلاحات الفنون، دار الکتب العلمیہ بیروت الطبعة الاولى ۱۹۹۹ء۔
- ۱۳۷۔ جرجانی، السید شریف، التعریفات، مکتبہ المصطفیٰ البابی واولاده مصر ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء۔
- ۱۳۸۔ الجزازی، طاهر بن صالح، توجیہ النظر الی اصول الاثر، دار المعرفة بیروت القاہرة ۱۳۲۸ھ۔
- ۱۳۹۔ جوہری، اسماعیل بن حماد، البو اللہاء، الصحاح (مقدمہ) القاہرہ۔
- ۱۵۰۔ جہنڈاگری، عبدالرؤف رحمانی، العلم والعلماء، مکتبہ قدوسیہ لاہور۔
- ۱۵۱۔ جیرانچہوری، محمد اسلم، غلام احمد پرویز، مقام حدیث، بطوع اسلام ٹرسٹ لاہور طبع پنجم ۱۹۹۲ء۔
- ۱۵۲۔ جیرانچہوری، نوادرات، بطوع اسلام کراچی،
- ۱۵۳۔ چشتی، عبدالعلیم، حیات وحید الزمان، نور محمد، کارخانہ تجارت آرام باغ کراچی۔
- ۱۵۴۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون، دار الفکر بیروت ۱۹۹۰ء۔
- ۱۵۵۔ الحارثی، محمد بن موسیٰ، ابوبکر، شروط الائمہ الخمسہ، حدیث اکادمی فیصل آباد ۱۹۸۲ء۔
- ۱۵۶۔ الحاکم، ابوعبداللہ محمد، المستدرک، دار الکتب العلمیہ بیروت۔
- ۱۵۷۔ ایضاً، معرفۃ علوم الحدیث، دار افاقہ التجدید بیروت الطبعة الرابعہ ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔
- ۱۵۸۔ الحرثی، سلیمان بن ابراہیم، غریب الحدیث، جامعہ ام القریٰ مکہ المکتبہ طبع الاولى ۱۹۸۵ء۔
- ۱۵۹۔ حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام، مکتبہ المنہجہ الحمدیہ القاہرہ۔
- ۱۶۰۔ حسین مرتضیٰ، سید، شیعہ کتب حدیث کی تاریخ تدوین، زہرا اکادمی کراچی طبع اول ۱۹۹۳ء۔
- ۱۶۱۔ حسین منس، شیوخ العصر فی الاندلس، المکتبہ الثقافہ الاندلس ۱۹۶۵ء۔
- ۱۶۲۔ حقانی، میان قادری، دینی مدارس نصاب و نظام تعلیم اور عصری تقاضے، فضلی سنز کراچی ۲۰۰۲ء۔
- ۱۶۳۔ الحمیدی، ابوعبداللہ، ہذوۃ المتقن فی ذکر دلائل الاندلس، مصر ۱۳۷۷ھ۔
- ۱۶۴۔ حازن، علاء الدین علی بن محمد البغدای، تفسیر الخازن المسمی بہ لباب التاویل فی معانی التقریل، دار الفکر بیروت ۱۹۷۹ء۔
- ۱۶۵۔ خالد علوی، ذاکٹر، اصول الحدیث (مصطلحات وعلوم) الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور ۱۹۹۸ء۔
- ۱۶۶۔ ایضاً، حفاظت حدیث، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار لاہور ۱۹۹۹ء۔
- ۱۶۷۔ خالد محمود، آثار الحدیث، دار المعارف لاہور، ۱۹۸۸ء۔

- ۱۶۸۔ خروب، عبد الحمید، رولیت الحدیث عند العیوۃ الامامیہ، مقالہ برائے ایم اے، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد، ۱۹۹۶ء، غیر مطبوع۔
- ۱۶۹۔ خطاب، ابوسلمان محمد بن محمد، غریب الحدیث، جلد ۱، ام القرى مکہ المکرمہ ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔
- ۱۷۰۔ ایضاً، محالم السنن، دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۰ھ۔
- ۱۷۱۔ الخطیب، بغدادی، ابوبکر احمد بن علی، تاریخ بغداد، المکتبۃ الشیعہ المدینۃ المنورہ۔
- ۱۷۲۔ ایضاً، الجامع لاحلاق الراوی وآداب السامع، مکتبۃ المعارف الرياض ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔
- ۱۷۳۔ ایضاً، الرحلی طلب الحدیث، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۷۵ء۔
- ۱۷۴۔ ایضاً، شرف اصحاب الحدیث، دار الطبائع اہل مطبعہ سی انقرہ، الطبعة الثانیہ ۱۹۹۱ء۔
- ۱۷۵۔ ایضاً، الکفایۃ فی علم الروایۃ، المکتبۃ العلمیہ بیروت۔
- ۱۷۶۔ الخطیب، محمد عیاض، السنۃ قبل التمدین، مکتبۃ وصیہ عابدین، القاہرہ ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء۔
- ۱۷۷۔ ایضاً، لمحات فی المکتبات والصحف والمصادر؟
- ۱۷۸۔ الخوی، عبدالعزیز محمد، تاریخ فنون الحدیث، دار القلم بیروت، الطبعة الاولى ۱۹۸۶ء۔
- ۱۷۹۔ الدارمی، ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن، السنن، دار الفکر بیروت۔
- ۱۸۰۔ الذہبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان، ابو عبد اللہ، تذکرۃ الحفاظ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۸ء۔
- ۱۸۱۔ ایضاً، تذکرۃ الحفاظ، دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد، الطبعة الثالثة ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء۔
- ۱۸۲۔ ایضاً، سیر اعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالہ بیروت، الطبعة السابعة ۱۹۹۹ء/۱۴۰۱ھ۔
- ۱۸۳۔ ایضاً، البحر فی خبر من علم، دار الکتب العلمیہ بیروت۔
- ۱۸۴۔ ایضاً، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۵۲ھ/۱۹۶۲ء۔
- ۱۸۵۔ الرازی، محمد بن ابی بکر، معانی الصحاح، مکتبۃ لبنان بیروت، ۱۹۸۵ء۔
- ۱۸۶۔ الراہر حزی، حسن بن عبدالرحمن بن خلاد، ابو محمد، المحدث الفاصل بین الراوی والواعی دار الفکر بیروت ۱۹۷۱ء/۱۳۹۱ھ۔
- ۱۸۷۔ الریسی، محمد بن عبداللہ، ابوسلمان، تاریخ مولد العلماء ووفیاتهم دار العاصمہ الرياض ۱۴۱۰ھ۔
- ۱۸۸۔ رحمان علی، تذکرۃ علمائے ہند، لکھنؤ پریس لکھنؤ ۱۹۳۰ء۔
- ۱۸۹۔ رضی حیدر، محدث سورتی، سورتی اکیڈمی کراچی۔
- ۱۹۰۔ رؤف شیلی، الدكتور، السنۃ الاسلامیۃ بین اثبات الفاضلین ورفض الجاهلین، مطبعة التقدم الکویت، الطبعة الرابعة ۱۹۸۲ء۔

- ۱۹۱۔ قاری روح اللہ محمد عمر المدنی، علم حدیث اور اس کا ارتقاء، پبلیش انشی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن پشاور ۱۹۸۹ء۔
- ۱۹۲۔ زبیر احمد، ڈاکٹر عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔
- ۱۹۳۔ زبیدی، سید مرتضیٰ، تاج العروس من جواهر القاموس، مکتبہ الخیریہ قاہرہ مصر ۱۳۰۳ھ۔
- ۱۹۴۔ زرقاء، مصطفیٰ احمد، مجمع، نقد ابن حزم، مطبعہ جامع دمشق۔
- ۱۹۵۔ زرقانی، عبدالعظیم، مناحل الفرقان فی علوم القرآن، دار احیاء التراث العربی القاہرہ۔
- ۱۹۶۔ زرکلی، خیر الدین، الاعلام، دار العلم للملایین بیروت الطبعة الثانیہ ۱۹۸۹ء۔
- ۱۹۷۔ الزحشری، ابوالقاسم جبار اللہ محمود بن عمر، اساس البلاغہ، دار الکتب المصریہ، القاہرہ ۱۹۵۷ء۔
- ۱۹۸۔ ایضاً، الفائق فی غریب الحدیث، دار الکتب العلمیہ بیروت، الطبعة الاولیٰ ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۶ء۔
- ۱۹۹۔ الزهرانی، محمد بن طہر، تدوین السنۃ النبویہ نہاً فی تطویرہ، مکتبہ الصدیق الخائف، الطبعة الاولیٰ ۱۴۱۳ھ۔
- ۲۰۰۔ زیات، احمد حسن، تاریخ ادبیہ عربی، مترجم، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور۔
- ۲۰۱۔ السامرائی، نعمان عبدالرزاق، الفکر العربی والفکر الاستشراتی، الرياض ۱۹۸۹ء۔
- ۲۰۲۔ السباعی، ڈاکٹر مصطفیٰ، السنۃ و مکانہا فی التشریع الاسلامی، المطبعة المدنی القاہرہ الطبعة الاولیٰ ۱۹۶۱ء۔
- ۲۰۳۔ ایضاً، السنۃ و مکانہا فی التشریع الاسلامی (اردو: حدیث رسول کا تشریحی مقام، مترجم پروفیسر غلام احمد حریری، ملک سنز پبلشرز فیصل آباد ۱۹۹۴ء۔
- ۲۰۴۔ البجستانی، حبیب اللہ بن عطاء، آداب الطالب والعالم والمحدث، مکتبہ محمود اسلام کراچی۔
- ۲۰۵۔ السیادی، محمد بن عبدالرحمن، الاعلان بالتوبخ لمن ذم التاريخ، دار الکتب العربی بیروت ۱۹۸۳ء۔
- ۲۰۶۔ ایضاً، الطوء الملاح لاهل القرن التاسع مکتبہ القدسی القاہرہ ۱۳۵۲ھ۔
- ۲۰۷۔ ایضاً، فتح المغیث، شرح الفیہ الحدیث للعراقی، المکتبہ العلمیہ بیروت ۱۹۸۳ء۔
- ۲۰۸۔ سعید احمد رفیق، مسلمانوں کا نظام تعلیم، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۴۲ء۔
- ۲۰۹۔ سعید بن عبداللہ، ڈاکٹر، مناجیح المحدثین، دار العلم السنۃ الرياض ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۵ء۔
- ۲۱۰۔ سلفی، عزیز الرحمن، جماعت اہل حدیث کی تدریسی خدمات، ادارہ الجوث الاسلامیہ والدعوة والافتاء الجامعہ السلفیہ بنارس الہند۔
- ۲۱۱۔ سلفی، لقمان علی الدکتور، السنۃ جتہا و مکانہا فی التشریع الاسلامی و روی علی مکتبہا، مکتبہ الایمان المدنیہ امورۃ ۱۹۸۹ء۔
- ۲۱۲۔ ایضاً، اہتمام المحدثین بحدیث سند آومتنا، الرياض، الطبعة الاولیٰ ۱۹۸۷ء۔

- ۲۱۳۔ سلفی، محمد اسماعیل، حجیت حدیث، فاران اکیڈمی لاہور۔
- ۲۱۴۔ السمعانی، عبد الکریم، البوسعد، الانساب، دار الجمان، بیروت ۱۹۸۸ء۔
- ۲۱۵۔ سیالکوٹی، محمد ابراہیم میر، تاریخ اہل حدیث، اسلامی پبلیشنگ کمپنی لاہور ۱۹۵۳ء۔
- ۲۱۶۔ سیالکوٹی، محمد بشیر، شاہ ولی اللہ دہلوی حیات و دعوت، مکتبہ دار العلم اسلام آباد ۱۹۹۳ء۔
- ۲۱۷۔ السیوطی، جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر، تدریب الراوی فی شرح تقریب النوادی، دار احیاء السنۃ العلمیہ بیروت ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء۔
- ۲۱۸۔ ایضاً، ایضاً، المکتبہ العلمیہ المدینۃ المنورہ۔ الطبعة الاولى ۱۹۵۹ء۔
- ۲۱۹۔ ایضاً، ایضاً، دار الکتب العلمیہ بیروت، الطبعة الثانية ۱۹۷۹ء۔
- ۲۲۰۔ ایضاً، الجامع الصغیر، المکتبہ الاسلامیہ سندری ۱۳۹۳ھ۔
- ۲۲۱۔ ایضاً، الدرر المستشر فی الاحادیث الشتمہ، المکتبہ الاسلامی، بیروت ۱۹۸۳ء۔
- ۲۲۲۔ ایضاً، طبقات الحفاظ، مکتبہ وحیدہ، القاہرہ۔
- ۲۲۳۔ الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، ابواسحاق، المواعظ فی اصول الشریعہ، المکتبہ الرحمانیہ القاہرہ۔
- ۲۲۴۔ الشافعی، محمد بن ادریس، الرسائل، مصطفیٰ البابی الحلبي واولاده بمصر، القاہرہ، الطبعة الثالث ۱۹۸۳ء۔
- ۲۲۵۔ شاہ ولی اللہ، حجتہ اللہ البالغہ، المکتبہ السلفیہ لاہور، الطبعة الاولى۔
- ۲۲۶۔ شاہ عبد العزیز، بستان المحمدین (اردو ترجمہ عبد المسیح) ایچ ایم سعید کمپنی کراچی طبع سوم ۱۹۸۳ء۔
- ۲۲۷۔ الشوکانی، محمد بن علی، ارشاد المحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، دار الباز مکہ المکرمہ۔
- ۲۲۸۔ ایضاً، فتح القدير، مصطفیٰ البابی الحلبي واولاده بمصر، ۱۳۹۱ھ۔
- ۲۲۹۔ الشیرازی، ابواسحاق ابراہیم بن علی، التمر فی اصول الفقہ، دار الفکر دمشق ۱۳۳۱ھ۔
- ۲۳۰۔ صبحی صالح، علوم الحدیث، (مترجم غلام احمد حریری) مکتبہ کشمیرہ فصل آباد، طبع ۱۹۹۰ء۔
- ۲۳۱۔ صدیقی، یحییٰ حسین، برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۲ء۔
- ۲۳۲۔ صدیقی، فیض عالم، حقیقت مذہب شیعہ، مطبع تجارت پرنٹرز لاہور، طبع الاول ۱۹۷۳ء۔
- ۲۳۳۔ صدیقی، محمد سعد، علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت، قائد اعظم لائبریری لاہور۔
- ۲۳۴۔ العسفی، عبد الرزاق بن حاتم، ابوبکر، المصنف، دار احیاء التراث العربی الطبعة الاولى ۲۰۰۲ء۔
- ۲۳۵۔ البیاضی، احمد بن یحییٰ، المغنی فی رجال الاندلس، مدریۃ ۱۸۸۲ء۔
- ۲۳۶۔ طباطبائی، الفوائد الرجالیہ، دار المعلمین نجف۔
- ۲۳۷۔ الطبرانی، سلیمان بن احمد، ابوالقاسم، المعجم الصغیر، مؤسسة الکتب الثقافت بیروت ۱۹۸۶ء۔

- ۲۳۸۔ طبری، محمد بن جریر، جامع البیان المعروف بتفسیر طبری، المکتبۃ التجاریہ القاہرہ۔
- ۲۳۹۔ طوسی، محمد بن حسن، ابو جعفر، رجال طوسی، نجف ۱۳۸۱ھ۔
- ۲۴۰۔ ایضاً، الطہرست، دوائر الفکر بیروت۔
- ۲۴۱۔ طیلکسی، سلیمان بن داؤد، ابوداؤد، المسند، دوائر المعرفہ بیروت۔
- ۲۴۲۔ ظہیر، احسان الہی، علامہ، الطہید والتشیع، ادارہ ترجمان السنہ لاہور ۱۹۸۳ء۔
- ۲۴۳۔ ایضاً، الطہید والسنہ، ادارہ ترجمان السنہ لاہور۔
- ۲۴۴۔ عبدالحق، ڈاکٹر، چند معاصر، انجمن ترقی پاکستان، ۱۹۵۰ء۔
- ۲۴۵۔ عبدالرحمن، معجم علوم الحدیث نبوی، دار ابن حزم بیروت، ۲۰۰۰ء۔
- ۲۴۶۔ عبدالرزاق محمد، موسوۃ الادیان والحد اہب، الدار العربیہ للموسوعات بیروت الطبعة الثانیہ ۲۰۰۰ء۔
- ۲۴۷۔ عبدالرؤف ظفر، ڈاکٹر، مولانا سراج الاسلام، کیف، اتحدہ بیث فی علوم الحدیث، مکتبہ قدوسیہ لاہور ۲۰۰۳ء۔
- ۲۴۸۔ عبدالعزیز ڈاکٹر، ضوابط المخرج والتعدیل، الجامعۃ الاسلامیہ المدینہ المنورہ، الطبعة الاولى ۱۴۱۲ھ۔
- ۲۴۹۔ عبدالغفار حسن، عظمت حدیث، دارالعلم آپ پارہ مارکیٹ اسلام آباد۔
- ۲۵۰۔ عبدالغنی، ریاض التاریخ، تاج بک ڈپو اردو بازار لاہور۔
- ۲۵۱۔ عبدالمعذی، ڈاکٹر، طرق تخریج حدیث الرسول ﷺ، دارالاعتصام القاہرہ۔
- ۲۵۲۔ عبدالموجود، علم المخرج والتعدیل، جامعۃ القاہرہ۔
- ۲۵۳۔ عتر نور الدین، منہج التقدی فی علوم الحدیث، دار الفکر بیروت، الطبعة الثانیہ ۱۹۸۱ء۔
- ۲۵۴۔ عثمانی، شبیر احمد، مقدمہ فتح الکلم شرح صحیح مسلم، کتب خانہ محمودیہ دیوبند۔
- ۲۵۵۔ محبونی، کشف الخفا وحریل الالباس، مؤسسۃ الرسالہ بیروت، الطبعة الثالثہ ۱۹۸۳ء۔
- ۲۵۶۔ عجلی، احمد بن عبد اللہ، ابوالحسن، تاریخ الثقات، دار لکتب العلمیہ بیروت۔
- ۲۵۷۔ عراقی، عبدالرشید، کاروائی حدیث، نور اسلام اکیڈمی لاہور۔
- ۲۵۸۔ عطاء الرحمن، حفظ، بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف مکرمین حدیث کے انکار کا جائزہ، مقالہ برائے ایم۔ فل، شعبہ علوم اسلامیہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور برائے سال ۲۰۰۱ء۔ زیر نگرانی پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر۔
- ۲۵۹۔ عظیم آبادی، شمس الحق ڈیوانوی، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، نشر السنہ لمطابق۔ غایۃ المقصود فی شرح
- ۲۶۰۔ ایضاً، غایۃ المقصود فی شرح سنن ابی داؤد، حدیث اکادمی فیصل آباد ۱۴۱۲ھ۔
- ۲۶۱۔ ایضاً، الوجازۃ فی الازاجزۃ، حدیث اکیڈمی فیصل آباد ۱۹۸۸ء۔

- ۲۶۲۔ علوانی، محمد جابر فیاض، الدکتور، الامثال فی الحدیث النبوی الشریف، المعهد العالمی للفکر الاسلامی ہرٹن (امریکہ) الطبعة الاولى ۱۹۹۳ء۔
- ۲۶۳۔ المعری، اکرم ضیاء، الدکتور، بحوث فی تاریخ السنۃ المشرقة، جامعہ بغداد ۱۹۷۵ء۔
- ۲۶۴۔ ایضاً، موارد الخطیبہ بغدادی، دمشق ۱۳۹۵ھ۔
- ۲۶۵۔ العسفی الجعفی، بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد، عمدة القاری شرح صحیح بخاری، مطبع الخیریہ مصر۔
- ۲۶۶۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات حدیث، المصیصل ناشران، دناجران کتب لاہور ۲۰۰۰ء۔
- ۲۶۷۔ غزنوی، ابوبکر، حضرت مولانا داؤد غزنوی، مکتبہ غزنویہ لاہور ۱۹۷۴ء۔
- ۲۶۸۔ الغسانی، الحسین بن محمد، ابوبکر، التبیہ والاوام، دار النوواء الریاض ۱۹۸۷ء۔
- ۲۶۹۔ الخطاء، محمد حسین، اصل العیہ واصولها، مطبوعہ نجف۔
- ۲۷۰۔ الغماری، احمد بن محمد، حصول التفریح باصول التفریح، مکتبہ مطبوعہ، الریاض الطبعة الاولى ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔
- ۲۷۱۔ قادری، محمد ادریس، مقام رسالت، مسلم، مکتبہ شریک لاہور طبع اولی ۱۹۷۰ء۔
- ۲۷۲۔ القاوۃ، محمد بن الحسن، البوابہ الی علم الطبقات، مکتبہ نادر ۲۰۰۱ء۔
- ۲۷۳۔ فتح پوری، نیاز، من ویزدان، ڈان بکس لاہور ۲۰۰۰ء۔
- ۲۷۴۔ الفریقہ، خلیل بن احمد، کتاب العین، دار الحجر، قم ایران۔
- ۲۷۵۔ فرتج علی عمر، العیہ فی التصور الاسلامی، دار عمار، عمان الاردن الطبعة الاولى ۱۹۸۵ء۔
- ۲۷۶۔ فریوادی، عبدالرحمن بن عبدالجبار، جمود المخلص فی خدمۃ السنۃ المشرقة، جامعہ سلفیہ بنارس الہند ۱۹۸۴ء۔
- ۲۷۷۔ الفلاح، محمد عبدہ، اشرف الحواشی، شیخ محمد اشرف تاجران کتب لاہور۔
- ۲۷۸۔ ایضاً، تحریک اہل حدیث کے چند اوراق، ادارہ البحوث الاسلامیہ فیصل آباد ۱۹۹۱ء۔
- ۲۷۹۔ ایضاً، صحاح ستہ اور ان کے مؤلفین، اہل حدیث اکاڈمی لاہور۔
- ۲۸۰۔ ایضاً، امام مالک اور ان کی موطا، مکتبہ ضیاء السنۃ فیصل آباد۔
- ۲۸۱۔ فواد سزگین، تاریخ التراث العربی، جلد ۱ امام محمد بن سعود الریاض۔
- ۲۸۲۔ فیروز آبادی، محمد الدین محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، دار الفکر بیروت ۱۳۹۱ھ۔
- ۲۸۳۔ فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات، فیروز سزلاہور راولپنڈی ریکراچی تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۳ء۔
- ۲۸۴۔ المدعی، احمد بن محمد، المصباح المسمی، دار الحجر، قم الطبعة الاولى ۱۴۰۵ھ۔
- ۲۸۵۔ قادری، عبدالغنی، ریاض الحدیث، لاہور ۱۹۶۹ء۔
- ۲۸۶۔ القاسمی، محمد جمال الدین، قواعد التحدیث من فنون مصلح الحدیث، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۷۷ء۔

- ۲۸۷۔ القاضی عیاض بن موسیٰ النخعی، الامار الی معرفۃ اصول الروایۃ و تھیجہ السماع، تحقیق احمد صقر، دار التراث القاہرہ ۱۹۷۰ء۔
- ۲۸۸۔ ایضاً، ترتیب المدارک و تقریب الہما لک لمعرفة الاعلام مذہب مالک، دار المکتبۃ الحیات، بیروت۔
- ۲۸۹۔ قدوائی، مولانا عبدالسلام، مولانا حیدر حسن خان، مطبع معارف، اعظم گڑھ ۱۹۷۵ء۔
- ۲۹۰۔ قزوینی، محمد مہدی سید معز الدین، اسماء العلماء و انسابہا دار الکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۰ء۔
- ۲۹۱۔ قطب الدین، مولانا، مظاہر حق شرح مشکوٰۃ المصابیح، لاہور ۱۹۶۶ء۔
- ۲۹۲۔ اقمی، غرائب القرآن و رغائب الفرقان، منشورات الرضی قم۔
- ۲۹۳۔ قزوینی، صدیق حسن، لباب السید، ابجد العلوم، دار ابن حزم بیروت طبع اول ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء۔
- ۲۹۴۔ ایضاً، حصول المامول من علم الاصول، المکتبۃ التجاریہ مصر ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء۔
- ۲۹۵۔ ایضاً، الخدی فی ذکر الصحاح السنۃ، اسلامی اکادمی، لاہور الطبعة الاولیٰ ۱۹۷۷ء۔
- ۲۹۶۔ ایضاً، المہاج شرح صحیح مسلم، سائنسدیل شیخ پورہ۔
- ۲۹۷۔ قیم، اسد سالم، علم الطبقات المحدثین، مکتبۃ الرشید الریاض ۱۹۹۴ء۔
- ۲۹۸۔ کتانی، عبدالحی، لمحسن الصحاح و الاثبات و تہجہ المعاجم۔۔۔، المطبعة المجدیدہ القاہرہ ۱۳۴۶ھ۔
- ۲۹۹۔ کتانی، محمد بن جعفر، الرسائل المسطرۃ، دار الفکر دمشق ۱۹۷۹ء۔
- ۳۰۰۔ کمال، عمر رضا، تہجہ المؤلفین، المکتبۃ العربیہ دمشق ۱۹۰۷ء۔
- ۳۰۱۔ کرمانی، محسن الدین محمد بن یوسف، شرح صحیح البخاری، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۹۸۱ء۔
- ۳۰۲۔ الکشی، محمد بن عمر، ابو عمر، رجال کشی، مطبوعہ مؤسسۃ العلمی کربلا عراق۔
- ۳۰۳۔ کلینی، محمد بن یعقوب، اصول الکافی، تہران ۱۳۸۱ھ۔
- ۳۰۴۔ گوندلوی، محمد حافظ، ارشاد القاری، ادارہ، ادارہ صیانت الحدیث و المحدثین گوجرانوالہ ۱۹۹۵ء۔
- ۳۰۵۔ ایضاً، درس صحیح بخاری، مرتب منیر احمد سلفی، اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور طبع الاولیٰ ۱۹۸۲ء۔
- ۳۰۶۔ گیلانی، مناظر احسن، تدوین حدیث، مکتبۃ العلم لاہور۔
- ۳۰۷۔ اللغی، عبداللہ، ابو محمد، اقتباس الانوار، دار الکتب العلمیہ بیروت الطبعة الاولیٰ ۱۹۹۹ء۔
- ۳۰۸۔ لکھنوی، عبدالکھور، تاریخ مذہب شیعہ، دار الاشاعت کراچی ۱۹۷۹ء۔
- ۳۰۹۔ لکھنوی، عبدالحی، ظفر الامانی، بشرح مختصر السید الشریف الہرجانی فی مصطلح الحدیث، مکتبۃ المطبوعات الاسلامیہ حلب۔
- ۳۱۰۔ لکھنوی، عبدالحی الحسینی، نزہۃ الخواطر، مجلس دائرہ معارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۳ء۔

- ۳۱۱۔ مالک بن انس، المؤطا، دار احیاء العلوم بیروت۔
- ۳۱۲۔ الماقتانی، عبد اللہ، تنقیح المقال فی علم الرجال، المجلد ۱۳۵۲ھ۔
- ۳۱۳۔ محدث دہلوی، عبد الحق، مدارج النبوة، مکتبہ اسلامیہ اردو بازار لاہور۔
- ۳۱۴۔ المرادی، محمد غلیل، سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر، دار البیان الاسلامیہ بیروت ۱۹۸۸ء۔
- ۳۱۵۔ المرعشی، محمد عبدالرحمن، فتح السنان المعروف بمقدمہ لسان المیزان، دار احیاء التراث، العربی بیروت ۱۹۹۵ء۔
- ۳۱۶۔ المزنی، ابوالعجاج یوسف، تحفۃ الاشراف، دار الکتب العلمیہ بیروت۔
- ۳۱۷۔ ایضاً، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۸۳ء۔
- ۳۱۸۔ المحی، فخر الدین بن زبیر، التوضیحات الاثریہ علی متن الرسالۃ لد میریہ، مکتبہ ارشد، الریاض ۱۹۹۹ء۔
- ۳۱۹۔ محمد اسحاق، ڈاکٹر، علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۷۶ء۔
- ۳۲۰۔ محمد اسلم سیف، تحریک اہل حدیث، تاریخ کے آئینے میں، مکتبہ تعلیمات اسلامیہ ماموں کالج فیصل آباد ۱۹۹۳ء۔
- ۳۲۱۔ محمد بن عزوز، ڈاکٹر، مدرسۃ الحدیث فی بلاد الشام، دار البیان الاسلامیہ بیروت الطبعة الاولیٰ ۲۰۰۰ء۔
- ۳۲۲۔ محمد طیب، مولانا، تاریخ دارالعلوم دیوبند، دارالاشاعت کراچی ۱۹۷۲ء۔
- ۳۲۳۔ محمد عاشق الہی، سوانح عمری مولانا محمد زکریا محمد الخلیل الاسلامی کراچی ۱۳۱۷ھ۔
- ۳۲۴۔ محمد علی، علوم الحدیث اور امام اعظم، دارالعلوم شہابییہ سیالکوٹ ۱۹۶۶ء۔
- ۳۲۵۔ محمد نواز چوہدری، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی دینی و علمی خدمات، نعت اکادمی فیصل آباد ۱۹۹۷ء۔
- ۳۲۶۔ محمود طحان، ڈاکٹر، اصول التخریج و دراستہ الاسانید، دار القرآن الکریم، بیروت الطبعة الثالثہ ۱۹۸۱ء۔
- ۳۲۷۔ ایضاً، تیسیر مصطلح الحدیث، نشر السنہ لمتان۔
- ۳۲۸۔ مخلوف محمد، شجرہ النور التزکیہ فی طبقات المالکیہ، دار الکتب العربیہ بیروت ۱۹۵۱ء۔
- ۳۲۹۔ ایضاً، ایضاً، نور محمد اصح المطابع کراچی۔
- ۳۳۰۔ مغلطانی، علاء الدین بن قلیچ، اکمال محمدیہ اکمال فی اسماء الرجال، مقدمہ، مکتبہ الفاروق الحدیث القاہرہ ۲۰۰۱ء۔
- ۳۳۱۔ مقبول، صلاح الدین، زوال فی وجہ السنہ، مجمع البحوث الاسلامیہ نیو دہلی الطبعة الاولیٰ ۱۹۹۱ء۔
- ۳۳۲۔ المقدسی، محمد بن طاہر، ابوالفضل، شروط الآئد السنہ، حدیث اکادمی فیصل آباد۔
- ۳۳۳۔ المقرئ، احمد، مجمع الطییب، دار المامون القاہرہ ۱۳۰۲ھ۔
- ۳۳۴۔ ملا جیون، احمد، نور الانوار، محمد سعید اینڈ سنز کراچی۔
- ۳۳۵۔ ایضاً، نور الانوار مع شرح قمر الانوار، مطبع علمی لاہور ۱۹۵۸ء۔

- ۳۳۶۔ السنای و محمد عبدالرؤف، فیض القدر شرح الجامع الصغیر، المکتبۃ التجاریہ مصر القاہرہ۔
- ۳۳۷۔ ایضاً، البیواقیت والدردر شرح شرح نخبۃ الفکر، مکتبۃ الرشید الریاض للطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۱ء۔
- ۳۳۸۔ مودودی، ابوالاعلیٰ سید، سنت کی آئینی حیثیت، اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۲۰۰۳ء۔
- ۳۳۹۔ میرٹھی، بدر عالم، ترجمان السنۃ، مکتبۃ اہل حدیث دہلی۔
- ۳۴۰۔ میرٹھی، محمد ادریس، سنت کا تعریض مقام، بیت التوحید، آصف کالونی کراچی۔
- ۳۴۱۔ نابلسی، عبدالغنی، ذخائر المواریت فی الدلالۃ علی مواضع الحدیث، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۸ء۔
- ۳۴۲۔ التہاہی الاندلسی، ابوالحسن علی بن عبداللہ المالکی، تاریخ قضاۃ الاندلس، المکتبۃ التجاریہ بیروت۔
- ۳۴۳۔ نجاشی، احمد بن عباس الاسدی، کتاب الرجال، منشورات الرادری قم۔
- ۳۴۴۔ نجرانی، محمد یوسف، ذاکر، الشیعہ فی المیزان ج ۱۹۸۶ء۔
- ۳۴۵۔ ندوی، ابوالحسن علی، الاسلامیات بین کتابات المستشرقین والباحثین المسلمین مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۸۶ء۔
- ۳۴۶۔ ایضاً، ہمارے ہندوستانی مسلمان، مجلس نشریات اسلام ناظم آباد کراچی۔
- ۳۴۷۔ ندوی، ابوالحسنات، ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں مکتبۃ خاور، لاہور ۱۹۷۹ء۔
- ۳۴۸۔ ندوی، محمد حنیف، مطالعہ حدیث، علم و عرفان پبلشرز لاہور ۲۰۰۳ء۔
- ۳۴۹۔ ندوی، محمد سلیمان، سید، حیات امام مالک، مجلس نشریات اسلام کراچی۔
- ۳۵۰۔ ندوی، محسن الدین احمد، مقالات سلیمان، بیٹھل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ۱۹۸۹ء۔
- ۳۵۱۔ النسخی، عبداللہ بن احمد بن محمود الحنفی، تفسیر القرآن الجلیل، لاہور۔
- ۳۵۲۔ نعمانی، شبلی، سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، فیصل ناشران کتب اردو بازار لاہور ۱۹۹۱ء۔
- ۳۵۳۔ ایضاً، سیرۃ النبی، حذیفہ اکیڈمی لاہور ۲۰۰۰ء۔
- ۳۵۴۔ نوبختی، فرق الشیعہ، مطبعۃ الدولۃ لجمعۃ المستشرقین الاسلامیۃ استانبول۔
- ۳۵۵۔ نوشہروی، امام خاں، ابوبکری، تراجم علمائے اہل حدیث، ہند، مرکز تحریک طلبہ اہل حدیث لاہور، ۱۳۹۱ھ۔
- ۳۵۶۔ نووی، یحییٰ بن شرف، ابوزکریا، تہذیب الاسماء واللغات، دارالفکر، بیروت ۱۹۹۶ء۔
- ۳۵۷۔ ایضاً، شرح صحیح مسلم، نور محمد اصح المطابع کراچی۔
- ۳۵۸۔ نصری، ابوعبیدہ القاسم بن سلام، غریب الحدیث، دارالکتب العربیہ بیروت ۱۹۷۶ء۔
- ۳۵۹۔ حمام بن محمد، الصوید الصغیر، تحقیق ذاکر حمید اللہ، ناشر رشید اللہ یعقوب کراچی ۱۹۹۸ء۔
- ۳۶۰۔ الحشمی، نور الدین، مجمع الزوائد، مؤسسۃ المعارف بیروت ۱۹۸۶ء۔

- ۳۶۱۔ وحید الزمان، لغات الحديث، مير محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی۔
- ۳۶۲۔ الوزير محمد بن ابراہیم، الروض الباسم، دار البشير عمان الطبعة الاولى ۱۹۸۵ء۔
- ۳۶۳۔ ايضا، العواصم والقواصم في الذب عن سيرة ابي القاسم، دار البشير عمان الطبعة الاولى ۱۹۸۵ء۔
- ۳۶۴۔ وسک، المعجم المفهرس للقواعد العربية، مكتبة دار الکتب، بیروت ۱۹۳۶ء۔
- ۳۶۵۔ یاقوت الحموی، البوہدان فی طب الدین، مکتبہ البیروت، بیروت ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء۔
- ۳۶۶۔ یحییٰ بن معین، تاريخ النبی بن معین، دار القلم بیروت۔
- ۳۶۷۔ یعقوبی، تاريخ ابن یعقوب، تاريخ یعقوبی، بیروت ۱۳۷۰ھ/۱۹۱۰ء۔
- ۳۶۸۔ یوسف، معارج الدین، حافظ، تفسیر احسن البیان، دار السلام الریاض۔
- ۳۶۹۔ ايضا، حدیث اور اس کی شرعی حیثیت، المکتبہ السلفیہ لاہور۔
370. Dr Abdul wadood, early Hadith Qudsi ,Darul quran Alkareem
Beirut ,Damascus ,1st edition 1980.
371. Edward w.Saeed, Orientalism, New York, 1978.
372. E.W. Lane ,An Arabic English Lexicon. History of Christian
thought.
373. Gold Ziher,Muslim Studies (George Allen & unwin Ltd.
London,1971.
374. Gold Ziher,Muslim studies,Gorge Allen & Unmin Ltd
London 1967.
375. Hans Wehr,Dictionary of Modern written Arabic, ed J.M.
Cowen, NewYork,1961.
376. Hans wehr, Dictionary of Moderan written Arabic,ed.J.K
Cowen ,New Yark,1961.
377. Introduction to" Alisabah" by Ibn -i-hajar (A bibliographical
dictionary of persons who knew Muhammad) Biship's College
Fairs. Calcutta.1856.
378. Ibn-i-hajar,Alisabah(Introduction by Springer) Biship's
College press,Calcutta 1856.

379. J.Robson. Tha Isnad in Muslim Tradition(Glasgow University, oriental society)1955.
380. Karen, Arm strong Muhammad a bibliography of the Prophet Newyork 1992.
381. Karen Armstrong, A Bibliography of tha Propphet, New York,1992.
382. Schachi,Origins of Muhanmmaden Jurispodence.
383. Robson James,Ibn-i-ishaq's use of isnads (Bulletin of the John Ryland Library,Manchester, UK)(V-38)195.

مخطوطات

- فہرست مخطوطات، برٹش میوزیم، لندن۔
- فہرست مخطوطات برلن،
- فہرست مخطوطات، بوحارلا بیری، کلکتہ۔
- فہرست دارالکتب المصریہ

Encyclopaedia Britannica, London,1958.

اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

مجلات و رسائل

- البلاغ کراچی، جلد شمارہ ۱۲
- مجلد دارالعلوم دیوبند، مارچ ۱۹۸۸ء۔
- تذکرہ لاہور، شمارہ ۵۹ جنوری ۱۹۹۸ء۔
- معارف، اعظم گڑھ۔
- ہفت روزہ تجریر کراچی، ۱۹ تا ۲۱ دسمبر ۱۹۹۷ء۔
- ماہنامہ الحق، مولانا عبدالحق نمبر (اکوڑہ خٹک)۔
- محمد طفیل، نقوش (رسول نمبر) ادارہ فروغ اردو لاہور، شمارہ نمبر ۱۳، دسمبر ۱۹۸۳ء۔
- الفرقان، لکھنؤ۔
- ہفت روزہ اہل حدیث، لاہور (خدمات اہل حدیث نمبر) ۱۹۹۷ء۔

TRUEMASLAK@INBOX.COM

علوم الحدیث اسلامی ادبیات کا افتخار ہیں۔ کتابت حدیث کا عمل حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شروع ہوا اور پھر صحابہؓ نے آپ ﷺ کے تعامل اور فرمودات کو کمال ذمہ داری کے ساتھ دوسروں کے سامنے بیان کیا۔ تیسری صدی ہجری میں ان تمام روایات کو کمال منہج کے ساتھ موضوعاتی ترتیب میں محفوظ کروایا گیا۔

پانچویں صدی ہجری تک علوم الحدیث کے فنی کمالات اپنے نقطہ عروج تک پہنچ گئے۔ ابن حجر عسقلانی اور ابن الصلاح نے اس متن شریف کو وہ بنیادیں عطا کر دیں کہ جن پر زمانہ اور زمین دونوں ناز کر سکتے ہیں۔ آج حدیث کے ہر علم فن پر عربی زبان میں ہزاروں کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور اس سے زائد ابھی مخطوطات کی صورت میں دیا ر مغرب اور دول اسلامیہ کے مراکز علمی میں موجود ہیں۔ اردو زبان میں بھی علوم الحدیث کی بہت سی عربی کتب کے تراجم کیے گئے تو یکھ طبع زاد تالیفات بھی سامنے آئیں۔ جیسے نظر کتاب ”علوم الحدیث“ فنی فکری اور تاریخی مطالعہ اسی سلسلہ الذہب کی ایک ممتاز علمی اور تحقیقی کاوش ہے۔ اردو زبان میں اگر علوم الحدیث کی پانچ بحرین کتب کا انتخاب مقصود ہو تو پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر حفظہ اللہ تعالیٰ کی یہ تالیف ان میں آسانی شمار کی جا سکتی ہے۔ ایک بات تو اعتماد سے کہی جا سکتی ہے کہ اردو ادبیات میں علوم الحدیث پر یہ ایک ایسی تالیف ہے اور اس میں اتنے متعدد اور متنوع موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے کہ جس کے باعث یہ ایک قاموسی نوعیت کا تجربہ دکھائی دیتا ہے۔ ایک ہزار صفحات کے قریب ضخامت کی اس تحقیقی کتاب میں چار سو کتابوں مخطوطات اور علمی جرائد سے ۳۰۷۰ مقامات پر استفادہ کیا گیا ہے۔ حدیث کی اصطلاحات مقام حدیث ضرورت و وجہ روایت و درایت مستشرقین اور حدیث اسماء الرجال جرح و تعدیل فن تخریج اقسام حدیث تاریخ حدیث تدوین حدیث تذکار محدثین افتخار حدیث مدارس حدیث مراکز حدیث تصاب حدیث فقہان حدیث اسالیب تدوین حدیث غریب الحدیث آداب الحدیث تراجم حدیث فقہ الحدیث شروع الحدیث لغات الحدیث علم الانساب علم معرفۃ الاسماء و الکئی والاعقاب علم الطبقات الغرض حدیث کے بیسیوں موضوعات کو یکڑوں عنوانات کے تحت تقسیم کر کے ہر بات مستند حوالے سے درج کی گئی ہے جس کے باعث یہ تالیف لطیف علمائے عظام شیوخ الحدیث جامعات مدارس اور تعلیمی اداروں کے اساتذہ کرام مزاج صاحبان و کھلا طلبہ اور تمام علم دوست افراد کے لیے فیض رسانی کا منبع بن گئی ہے۔

پروفیسر عبدالجبار شاہ

ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل محکمہ اکیڈمی انجینئر اسلامک بھارتی اسلام آباد

ڈسٹری بیوٹر:



گرسٹ پھر راجہ دین محمد بن علی غفرلہ
اسلام آباد، پاکستان 7320318



اردو بازار نزد ریلوے اسٹیشن، کراچی۔
فون: 2212991-2629724